اشاعت بموقع
صد سالہ عرس رضوی

فتاویٰ رضویہ سے ماخوذ مباحث کلامیہ کا خلاصہ بنام

عقائد و کلام

مجدد اعظم امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی

تلخیص و ترتیب

محمد حنیف خان رضوی بریلوی

ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف

اشاعت بموقع جشن صد سالہ عرس رضوی ۱۴۴۰ھ

فتاوی رضویہ کامل سے ماخوذ مسائل کلامیہ کا مجموعہ بنام

عقائد و کلام

تصنیف

مجدد اعظم دین وملت فقیہ اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

تلخیص وترتیب

مفتی محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

تحقیق ونظر ثانی

مفتی محمد اسلم رضا میمن شیوانی تحسینی

امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

سلسلہ اشاعت.......................۳۰۶

نام کتاب.......................تلخیص فتاویٰ رضویہ کامل (عقائد وکلام)
تصنیف.......................اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ
تلخیص وترتیب.......................مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
تحقیق ونظر ثانی.......................مفتی محمد اسلم رضا شیوانی
سیٹنگ.......................مولانا محمد کاشف محمود ہاشمی
مولوی محمد عفیف رضا برکاتی
سال اشاعت.......................۱۴۴۰ھ/۲۰۱۸ء

امام احمد رضا اکیڈمی
صالح نگر، بریلی شریف، (243502)

E-MAIL: MUNIFKHAN1456@GMAIL.COM
WWW.IMAMAHMADRAZAACADEMY.COM

Ataunnabi.com

عقائد و کلام

Ataunnabi.com

فہرست

فہرست

❀ ❀ ❀

Ataunnabi.com

عرض تلخیص نگار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ تلخیص نگار

مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

عام طور پر عصرِ حاضر میں مدارسِ اسلامیہ عربیہ کے نصاب میں علم عقائد وکلام سے متعلق صرف ایک کتاب "شرح عقائد نسفی" پڑھائی جاتی ہے، کتاب اگرچہ اپنے موضوع پر مختصر اور جامع ہے، مگر دَورِ حاضر میں رُونما ہونے والے فرقوں کے عقائد و معمولات کا علم اس کتاب کے ذریعہ حاصل نہیں ہو پاتا، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے، کہ جس طرح گزشتہ زمانوں کے فِرقِ باطلہ کے عقائد و نظریات اور ان کے رد وابطال کی معلومات سے طلبہ کو آشنا کیا جاتا ہے، اسی طرح عصرِ حاضر میں پیدا ہونے والے فرقوں کے سلسلے میں بھی مدلّل طور پر معلومات فراہم کرنا لازم ہے، بلکہ ان موجودہ فرقوں کی معرفت تواتر حد ضروری ہے؛ کہ اب انہیں فِرقِ باطلہ سے سابقہ پڑتا ہے، اور حال یہ ہے کہ ہمارے طلبہ کو ان فرقوں کے عقائدِ فاسدہ معتدبہ مقدار میں بھی معلوم نہیں، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کسی بدمذہب سے واسطہ پڑتا ہے، تو یہ اپنے مذہب و مسلک کی نہ صحیح ترجمانی کرپاتے ہیں، اور نہ ہی ان فرقوں کا معقول رد کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پاتے ہیں۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدّث بریلوی قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ ورسائل میں ان تمام فرقوں کا تعارُف، اور پھر ان کا رد وابطال بأحسن وُجوہ فرمایا ہے، مگر وہ مَباحث اپنی طویل شرح وبسط کی وجہ سے ہمارے طلبہ اور بہت سے علماء وخطباء کی دسترس سے باہر ہیں، لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ ان تمام مَباحث کی تلخیص مختصر اور جامع انداز میں پیش کردی جائے؛ تاکہ کم وقت میں عقائد وکلام اور موجودہ فرقوں کے رد وابطال کی قدرے معلومات حاصل ہوجائیں۔ راقم الحروف نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے "فتاویٰ رضویہ" کے بابِ عقائد وکلام اور رد ومُناظرہ سے ضروری چیزیں اخذ کرکے یہ مجموعہ تیار کردیا ہے۔ یہ مجموعہ "فتاویٰ رضویہ کامل" ۲۲ جلدوں کے سیٹ کی جلد نمبر ۱۸ سے ۲۲ تک ۵ جلدوں سے لیا گیا ہے۔

ہم نے اس مجموعے میں یہ طریقہ اپنایا ہے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت نے جہاں عقائد کو مختصر انداز میں بیان کیا ہے، ان کو بعینہٖ لے لیا ہے، اور جہاں عقائد کو دلائل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، تو ثبوتِ عقائد اور مخالف کے رد وابطال کے لیے جو دلائل پیش فرمائے ہیں، ان کو مختصر کرکے صرف ایک یا دو ۲ دلیلوں پر اکتفاء کرلیا ہے؛ کیونکہ مقصود کم وقت میں یہ تمام چیزیں ذہن نشین کرانا ہے، چنانچہ ۵ جلدوں کے مَباحث کو ہم نے صرف ایک جلد میں سمیٹ دیا ہے۔

اب اس کتاب کو ہماری جماعت کے اساتذۂ کرام اور مدارسِ عربیہ کے اربابِ حل وعقد اپنے مدارس میں کس طور پر داخل کریں گے (درس وتعلیم میں، یا مطالعہ میں) بہر حال میری گزارش یہی ہے کہ اس کتاب کے مَباحث سے ہمارے طلبہ وعلماء اور اساتذہ وخطباء کو واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کتاب کو اس حیثیت سے نظر انداز نہ کردیں کہ یہ مجھ جیسے ہیچ مداں کی ترتیب ہے، بلکہ اس بات کو مدِ نظر رکھیں کہ اس میں سب کچھ اس عبقری العلوم اور جلیل القدر امام کی تحریریں ہیں، جس کے مسلک سے آج ہم سب اہلِ سنّت وجماعت کی شناخت قائم ہے، ہم نے اپنی طرف سے کچھ بھی اس میں اضافہ نہ کرکے بعینہٖ وہی مَباحث اور وہی الفاظ اختصار کے ساتھ نقل کردیے ہیں، جو "فتاویٰ رضویہ" میں ہیں۔

ہم نے تخلیص و ترتیب کے بعد اس میں مزید زیب و زینت اور خوبیاں پیدا کرنے کے لیے محب گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمد اسلم رضا صاحب کو یہ مجموعہ بھیج دیا تھا، لہٰذا انہوں نے اپنے "ادارۂ اہلِ سنت کراچی" کے زیرِ اہتمام اس میں نکھار پیدا کر کے ہمیں بھیج دیا، جس کے لیے ہم ان کے اور ان کے رفقائے کار کے ممنون و شکر گزار ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ ہم سب اہلِ سنت و جماعت کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے، اور اس کتاب کو متلاشیانِ حق کی رہنمائی کے لیے ذریعہ بنائے، اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے، آمین بجاه النبي الكريم عليه التحية والتسليم. والحمد لله ربّ العالمين.

❁ ❁ ❁

سوانح عمری

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

از: مفتی محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

تعارفِ مصنّف

مجدّدِ اعظم امام احمد رضا محدّث بریلوی قدس سرہٗ

نام و نسب:

نام: محمد۔ عرفی نام: احمد رضا خان۔ بچپن کے نام: امّن میاں۔ احمد میاں۔ تاریخی نام: المختار ۱۲۷۲ھ۔

- والد کا نام: نقی علی خان۔ اَلقاب: اعلیٰ حضرت، شیخ الاسلام والمسلمین، مجدّدِ اعظم، فاضل بریلوی، وغیرہا کثیر ہیں۔

سلسلۂ نسب یوں ہے: امام احمد رضا خان، بن مولانا نقی علی خان، بن مولانا رضا علی خان، بن حافظ کاظم علی خان، بن محمد اعظم خان، بن سعادت یار خان، بن سعید اللہ خان، ولی عہد ریاست قندھار افغانستان و شجاعت جنگ بہادر علیہم الرحمۃ والرضوان.

ولادت:

۱۰ شوّال المکرّم ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بوقتِ ظہر بمقام محلّہ جسولی بریلی (انڈیا) میں ہوئی۔ آپ کے اَجداد میں سعید اللہ خاں شجاعت جنگ بہادر پہلے شخص ہیں جو قندھار سے ترکِ وطن کرکے ہندوستان آئے اور لاہور کے شیش محل میں قیام فرمایا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی سنِ ولادت کا استخراج اس آیتِ کریمہ سے فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ﴾[1]. اس آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اللہ و رسول کے دشمنوں کو کبھی اپنا دوست نہیں بناتے اور اپنا رشتۂ ایمانی اسی وقت مضبوط و مستحکم جانتے ہیں جب اعدائے دین سے کھلم کھلا عداوت و مخالفت کا اعلان کریں اگرچہ وہ دشمنانِ دین ان کے باپ دادا ہوں خواہ اولاد اور دیگر عزیز و اقارب ہوں۔ جب کسی مؤمن کا ایمان ایسا قوی ہوجاتا ہے تو اس کے لیے وہ بشارت ہے جو مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

سیّدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی پوری حیاتِ مقدسہ اس کا آئینہ تھی۔ آئندہ اوراق میں اس کے شواہد ملاحظہ فرمائیں۔

حسنِ اتفاق کہ اعلیٰ حضرت جس ساعت میں پیدا ہوئے اس وقت آفتاب منزل غفر میں تھا جو اہلِ نجوم کے یہاں مبارک ساعت ہے۔

اعلیٰ حضرت نے خود بھی اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:

دنیا ہزار حشر جہاں ہیں غفور ہیں ہر منزل اپنے ماہ کی منزل غفر کی ہے

عہدِ طفلی:

آپ کا بچپن نہایت ناز و نعم میں گزرا۔ فطری طور پر ذہین تھے اور حافظہ نہایت قوی و قابلِ رشک پایا تھا۔ کبھی بچوں کے ساتھ نہ کھیلتے۔ محلّہ کے بچے کبھی کھیلتے ہوئے گھر آجاتے تو آپ ان کے کھیل میں کبھی شریک نہ ہوتے بلکہ ان کے کھیل کو دیکھا

(۱) پ۲۸، المجادلۃ: ۲۲.

کرتے۔ طہارتِ نفس، اتباعِ سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسنِ سیرت جیسے اوصاف آپ کی ذات میں بچپن ہی سے ودیعت تھے۔آپ کی زبان کملی توصاف تھی، عام طور پر بچوں کی طرح کج مج نہ تھی، غلط الفاظ آپ کی زبان پر کبھی نہ آئے اور نہ کسی نے سنے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے خود فرمایا:

میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا، اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال ہوگی، ایک صاحب اہلِ عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں، انہوں نے عربی زبان میں مجھ سے گفتگو بھی فرمائی، میں نے ان کی زبان میں ان سے گفتگو کی۔ میں نے ان بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا۔

ایک مرتبہ طفولیت کے زمانہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کئی بار دیکھنے کے بعد فرمایا: تم رضا علی خانصاحب کے کون ہو؟ آپ نے جواب دیا: میں ان کا پوتا ہوں۔ فرمایا: جبھی، اور فوراً تشریف لے گئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا تو پہلے ہی دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ استاذِ محترم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد جب حروفِ تہجی کی تختی پڑھانا شروع کی تو آپ تمام حروف پڑھ کر "لا" پر جا کر رک گئے اور عرض کیا: الف اور لام تو میں پڑھ چکا یہاں دوبارہ پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: جو تم نے الف کی صورت میں پڑھا وہ ہمزہ تھا۔ چوں کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے لہٰذا اس کا تنہا تلفظ نہیں ہو سکتا۔ اب لام کے ساتھ ملا کر اسکو پڑھایا جا رہا ہے۔ عرض کی: پھر تو کسی بھی حرف کے ساتھ ملا کر پڑھایا جا سکتا تھا۔ اس لام کی کیا خصوصیت تھی؟

جدِّ امجد حضرت علامہ رضا علی خانصاحب قبلہ علیہ الرحمۃ بھی مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا: الف اور لام میں صورت اور سیرت کے اعتبار سے ایک خاص مناسبت ہے۔ صورۃً تو اس طرح کہ "لا" لکھا جاتا ہے جس میں دونوں کے شوشے ایک طرح کے ہیں، اور سیرۃً اس لیے کہ الف اور لام کا جب تلفظ کرو تو ایک کو دوسرے کے قلب اور بیچ میں لکھو گے۔ لہٰذا دونوں میں قلبی تعلق ہے۔ لفظ "الف" کے بیچ میں "ل" ہے اور "لام" کے بیچ میں "ا" ہے۔ یہ جواب دے کر جدِّ امجد نے وفورِ مسرت میں گلے سے لگالیا، کیوں کہ وہ اپنی فراستِ ایمانی اور مکاشفۂ روحانی سے یہ سمجھ گئے تھے کہ یہ بچہ آگے چل کر کچھ ہوگا۔

قرآنِ کریم ناظرہ پڑھ رہے تھے کہ ایک دن استاذِ محترم نے کسی مقام پر کچھ اعراب بتایا، آپ نے استاذ کے بتانے کے خلاف پڑھا۔ انہوں نے دوبارہ کرخت آواز سے بتایا، آپ نے پھر وہی پڑھا جو پہلے پڑھا تھا۔ آپ کے والد ماجد جو قریب ہی کے کمرے میں بیٹھے تھے انہوں نے سپارہ منگا کر دیکھا تو سپارہ میں استاذ کے بتانے کے موافق تھا۔ آپ بھی وہاں چوں کہ کتابت کی غلطی محسوس کر رہے تھے، لہٰذا آپ نے قرآنِ پاک منگایا، اس میں وہی اعراب پایا جو اعلیٰ حضرت نے بار بار پڑھا تھا۔ باپ نے بیٹے سے دریافت کیا

کہ تمہیں جو استاذ بتاتے تھے وہی تمہارے سپارے میں بھی تھا، تم نے استاذ کے بتانے کے بعد بھی نہیں پڑھا۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: میں نے ارادہ کیا کہ اپنے استاذ کے بتانے کے موافق پڑھوں مگر زبان نے یارا نہ دیا۔ اس پر ان کے والد ماجد فورِ مسرت سے آبدیدہ ہوگئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس بچے کو ما أنزل الله کے خلاف پر قدرت ہی نہیں دی گئی ہے۔ یہ تھے آثارِ مجدّدیت۔

ایک روز صبح کو بچے مکتب میں پڑھ رہے تھے، ان میں اعلیٰ حضرت بھی شامل تھے، ایک آنے والے بچے نے استاذ کو ان الفاظ سلام کیا: "السلام علیکم" استاذ صاحب نے جواب میں کہا: جیتے رہو۔ آپ نے فوراً استاذ صاحب سے عرض کیا کہ یہ تو جواب نہ ہوا، انہوں نے پوچھا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: اس کا جواب "وعلیکم السلام" ہے، اس پر استاذ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

چھوٹی چھوٹی شرعی غلطیوں پر آپ بچپن ہی میں بلا تکلف بول دیا کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غلطی کی تصحیح قدرت ہی نے ان کی عادتِ ثانیہ بنا دی تھی، چوں کہ ان سے آگے چل کر ربّ العزت کو یہی کام لینا تھا۔

مولانا حسنین رضا خاں صاحب قبلہ لکھتے ہیں:

"آپ "مسلم الثبوت" پڑھ رہے تھے اور زیادہ رات تک مطالعہ کرتے تھے۔ جس مقام پر ان کا سبق ہونے والا تھا وہاں ان کے والد ماجد نے مولانا محب اللہ صاحب بہاری (مصنفِ کتاب) پر ایک اعتراض کر دیا تھا جو انہوں نے حاشیہ پر درج کر کے چھوڑ دیا تھا۔ جب اعلیٰ حضرت قبلہ کی نظر اس اعتراض پر پڑی تو آپ کی بانکی طبیعت میں یہ بات آئی کہ مصنف کی عبارت کو حل ہی اس طرح کیا جائے کہ اعتراض وارد ہی نہ ہو، آپ اس حل کو ایک بجے رات تک سوچتے رہے بالآخر تائیدِ غیبی سے وہ حل میں آگیا۔ آپ کو انتہائی مسرت ہوئی اور اس وفورِ مسرت میں بے اختیار آپ کے ہاتھوں سے تالی بج گئی۔ اس سے سارا گھر جاگ گیا اور کیا ہے؟ کیا ہے؟ کا شور مچ گیا، تو آپ نے اپنے والدِ ماجد کو کتاب کی عبارت اور اس کا عام مطلب اور اس پر ان کا اعتراض سنانے کے بعد آپ نے اپنی طرف سے اس عبارت کی ایک ایسی تقریر کی کہ وہ اعتراض ہی نہ پڑا، اس پر باپ نے گلے سے لگایا اور فرمایا کہ امّن میاں تم مجھ سے پڑھتے نہیں بلکہ مجھے پڑھاتے ہو"۔

سچ ہے: ؎

بالائے سرش زہوش مندی می تافت ستارۂ بلندی

"دورانِ تعلیم آپ اپنے پھوپھا (جناب شیخ فضل حسن مرحوم) کے بلانے پر رامپور گئے، انہوں نے بہ اصرار روکا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے یہ وقت بھی تحصیلِ علم میں صرف کیا اور بایماء الحاج نواب کلب علی خاں مرحوم و مغفور "شرحِ چغمینی" کے کچھ اسباق مولانا عبد العلی صاحب مرحوم سے پڑھے۔ جناب فضل حسن صاحب بریلی کے ساکن تھے، رام پور میں وہ محکمہ ڈاک کے

اثر اعلیٰ تھے اور الحاج نواب کلب علی خاں کے خاص مقربین میں ان کا شمار تھا۔ انہوں نے نواب صاحب سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی حیرت انگیز ذہانت کا پہلے ہی ذکر کر دیا تھا، جب یہ رام پور گئے تو نواب صاحب کے روبرو پیش کر دیا۔ نواب صاحب نے بات چیت ہی سے اندازہ کر لیا کہ یہ بچہ بہت ہونہار ہے تو ان کی خوشی یہ ہوئی کہ یہ رام پور میں ہی مولانا عبد العلی صاحب اور مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی سے تعلیم حاصل کریں؛ اس لیے کہ مولانا عبد العلی صاحب ریاضی میں اور مولانا عبد الحق صاحب منطق، فلسفہ، اصول وکلام وغیرہ میں یگانہ روزگار مانے جاتے تھے"[1]۔

نواب صاحب نے فرمایا: یہاں مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی مشہور منطقی ہیں۔ آپ ان سے کچھ منطق کی کتابیں قدما کی تصنیفات سے پڑھ لیجئے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اگر والد ماجد کی اجازت ہوگی تو کچھ دن یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتفاق سے اس وقت جناب مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی مرحوم بھی تشریف لے آئے۔ جناب نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ان سے تعارف کرایا اور فرمایا: باوجود کم سنی ان کی کتابیں سب ختم ہیں اور اپنے مشورہ کا ذکر فرمایا۔ مولانا عبد الحق صاحب مرحوم کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں صرف ڈھائی عالم ہوئے، ایک مولانا بحر العلوم، دوسرے والد مرحوم اور نصف بندۂ معصوم، وہ کب ایک کم عمر شخص کو عالم مان سکتے تھے۔ اعلیٰ حضرت سے دریافت فرمایا کہ منطق میں انتہائی کون سی کتاب آپ نے پڑھی ہے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: "قاضی مبارک" یہ سنکر دریافت فرمایا کہ "شرحِ تہذیب" پڑھ چکے ہیں؟ یہ طعن آمیز سوال سن کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ کیا جناب کے یہاں "قاضی مبارک" کے بعد "شرحِ تہذیب" پڑھائی جاتی ہے۔ یہ سوال سیر کا سوا سیر پا کر جناب مولانا عبد الحق صاحب نے سوال کا رخ دوسری جانب پھیرا اور پوچھا: اب کیا مشغلہ ہے؟ فرمایا: تدریس، افتا، تصنیف۔ فرمایا: کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ فرمایا: مسائلِ دینیہ اور ردِّ وہابیہ میں۔ اس کو سن کر فرمایا: ردِّ وہابیہ؟ ایک میرا وہ بدایونی خبطی ہے کہ ہمیشہ اسی خبط میں رہتا ہے اور ردِّ وہابیہ کیا کرتا ہے۔ (یہ اشارہ حضرت مقتدائے ملت تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی قدس سرہ العزیز کی طرف تھا۔ اور "میرا" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت تاج الفحول، حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید تھے) اعلیٰ حضرت نے یہ سنتے ہی فرمایا: جناب کو معلوم ہوگا کہ وہابیہ کا رد سب سے پہلے جناب مولانا فضل حق صاحب جناب کے والد ماجد ہی نے کیا اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا اور ان کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام "تحقیق الفتوی في إبطال الطغوی" تحریر فرمایا ہے۔ اس پر مولانا عبد الحق صاحب خاموش ہو گئے۔

[1] "سیرت اعلیٰ حضرت" پہلا باب ابتدائی حالات، ص ۲۹ ملتقطاً۔

اعلیٰ حضرت نے ابتدائی کتابیں پہلے اساتذ سے پڑھیں اور چار ۴ سال کی عمر میں قرآن ناظرہ ختم کیا، اسکے بعد "میزان منشعب" تک حضرت مولانا عبد القادر بیگ سے پڑھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد والد ماجد نے آپ کی تعلیم اپنے ذمہ لے لی اور آخر تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی دوران "شرحِ چغمینی" مولانا عبد العلی رامپوری (ریاضی داں) سے چھ ۶ ماہ وہاں رہ کر پڑھی۔

آپ فرماتے ہیں: حضور پر نور پیر و مرشد قدس سرہٗ کو شامل کرکے چھ ۶ نفوسِ قدسیہ میرے استاذ ہوتے ہیں۔

ان چھ ۶ حضرات کے علاوہ حضور نے کسی کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیا مگر خداوندِ عالم نے محض اپنے فضل وکرم اور آپ کی محنت اور خداداد ذہانت کی وجہ سے اتنے علوم وفنون کا جامع بنایا کہ پچاس ۵۰ فنون میں حضور نے تصنیفات فرمائیں اور علوم ومعارف کے وہ دریا بہائے کہ خدام ومعتقدین کا تو کہنا کیا، مخالفین مخالفتیں کرتے، اپنی سیاہ قلبی کی وجہ سے برائیاں کرتے، مگر ساتھ ساتھ ٹیپ کا بند یہ ضرور کہنے پر مجبور ہوتے کہ یہ سب کچھ ہے مگر مولانا احمد رضا خانصاحب قلم کے بادشاہ ہیں، جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا نہ موافق کو ضرورت افزائش، نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش ہوتی ہے۔

پورے زمانہ طالب علمی میں کوئی کتاب بالاستیعاب مکمل نہ پڑھی، بلکہ والد صاحب جب یہ دیکھتے کہ امّن میاں مصنف کے طرز سے واقف ہوگئے ہیں تو مشکل مقامات پر عبور کرانے کے بعد دوسری کتابیں شروع کرا دیتے، اس طرح قلیل مدت میں آپ نے تمام درسی کتب کو مکمل کر لیا اور ۱۳ سال دس ۱۰ ماہ چار ۴ دن کی عمر شریف میں ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو فارغ التحصیل ہوگئے۔

فتویٰ نویسی:

تکمیلِ تعلیم کے بعد ہی والد ماجد نے فتویٰ نویسی کا کام اپنے فرزندِ ارجمند کے سپرد کر دیا تھا اور سات ۷ سال تک مسلسل والد محترم کی سرپرستی میں آپ نے فتاویٰ تحریر فرمائے۔

خود فرماتے ہیں:

"ردِّ وہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیبِ حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں سات ۷ برس بیٹھا، مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں، میں نے ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم بڑی کوشش وجانفشانی سے نکالا اور اس کی تائیدات مع تنقیح آٹھ ۸ ورق میں جمع کیں، مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہٗ کے حضور میں پیش کیا تو انہوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہوگئے، وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے"[1]۔

---

(۱) "الملفوظ" رد اور افتا صرف کتابیں پڑھ لینے سے نہیں آتا، حصّہ اوّل، ص ۱۴۲

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"میں نے فتوی دینا شروع کیا، اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت قدس سرہ اصلاح فرماتے، اللہ عزّوجل ان کے مرقدِ پاکیزہ بلند کو معطر فرمائے، سات ۷ برس کے بعد مجھے اذن فرما دیا کہ اب فتوی لکھوں اور بغیر حضور کو سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں، مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی یہاں تک کہ رحمٰن عزّوجل نے حضرت والا کو سلخ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں اپنے پاس بلالیا"۔

ازدواجی زندگی:

مولانا حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"تعلیم مکمل ہوجانے کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ کی شادی کا نمبر آیا۔ ہمارے نانا فضل حسن صاحب کی منجھلی صاحبزادی سے نسبت قرار پائی۔ شرعی پابندیوں کے ساتھ شادی ہوگئی۔ یہ ہماری محترمہ اماں جان رشتہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ کی پھوپھی زادی تھیں، صوم وصلاۃ کی سختی سے پابند تھیں، نہایت خوش اخلاق، بڑی سیر چشم، انتہائی مہمان نواز، نہایت متین و سنجیدہ بی بی تھیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے یہاں مہمانوں کی بڑی آمد رہتی تھی، ایسا بھی ہوا ہے کہ عین کھانے کے وقت ریل سے مہمان اتر آئے اور جو کچھ کھانا پکنا تھا وہ سب پک چکا تھا، اب پکانے والیوں نے ناک بھوں سمیٹی، آپ نے فوراً مہمانوں کے لیے کھانا اتار کر باہر بھیج دیا اور سارے گھر کے لیے دال چاول یا کھچڑی پکنے کو رکھوا دی گئی کہ اس کا پکنا کوئی دشوار کام نہ تھا۔ جب تک مہمانوں نے باہر کھانا کھایا گھر والوں کے لیے بھی کھانا تیار ہوگیا، کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی ضروری خدمات وہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت کے سر میں تیل ملنا یہ انکا روز مرہ کا کام تھا جس میں کم و بیش آدھا گھنٹہ کھڑا رہنا پڑتا تھا اور اس شان سے تیل جذب کیا جاتا تھا کہ ان کے لکھنے میں اصلاً فرق نہ پڑے، یہ عمل ان کا روزانہ مسلسل تا حیاتِ اعلیٰ حضرت برابر جاری رہا۔ سارے گھر کا نظم اور مہمان نوازی کا عظیم بار بڑی خاموشی اور صبر واستقلال سے برداشت کرگئیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال کے بعد بھی کئی سال زندہ رہیں مگر اب بجز یادِ الٰہی انہیں اور کوئی کام نہیں رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے گھر کے لیے ان کا انتخاب بڑا کامیاب تھا۔ ربّ العزت نے اعلیٰ حضرت قبلہ کی دینی خدمات کے لیے جو آسانیاں عطا فرمائی تھیں ان آسانیوں میں ایک بڑی چیز امی جان کی ذاتِ گرامی تھی۔ قرآنِ پاک میں ربّ العزت نے اپنے بندوں کو دعائیں اور مناجاتیں بھی عطا فرمائی ہیں تاکہ بندوں کو اپنے رب سے مانگنے کا سلیقہ آجائے، ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے: ﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾[1] "اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور جہنم کے عذاب سے بچا"۔

تو "دنیا کی بھلائی" سے بعض مفسرین نے ایک پاک دامن ہمدرد اور شوہر کی جاں نثار بی بی مراد لی ہے۔

(۱) پ۲، البقرة: ۲۰۱.

ہماری اماں جان عمر بھر اس دعا کا پورا اثر معلوم ہوتی رہیں۔ اپنے دیوروں اور نندوں کی اولاد سے بھی اپنے بچوں جیسی محبت فرماتی تھیں۔ گھرانے کے اکثر بچے انہیں اماں جان ہی کہتے تھے۔ اب کہاں ایسی پاک ہستیاں۔ رحمة الله تعالى عليها وعلى بعلها وابنيها.

بیعت و خلافت:

ایک روز اعلیٰ حضرت قبلہ کسی خیال میں روتے روتے سو گئے، اس لیے کہ قیلولہ (دوپہر کو لیٹنا جو سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنّت ہے) اس خاندان میں اب تک رائج ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بھی اس سنّت پر مدۃ العمر عامل رہے۔ خواب میں اعلیٰ حضرت قبلہ کے دادا حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب تشریف لائے اور فرمایا: وہ شخص عنقریب آنے والا ہے جو تمہارے اس درد کی دوا کرے گا۔ چنانچہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے روز تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی علیہ الرحمۃ تشریف لائے، ان سے بیعت کے متعلق مشورہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ جلد ہی مارہرہ شریف چل کر بیعت ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ یہیں سے یہ تینوں حضرات مارہرہ شریف کو چل پڑے (اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب)۔

جب اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف پہنچے اور آستانہ عالیہ برکاتیہ پر حاضری ہوئی تو وہاں کے صاحب سجادہ حضرت سیّدنا ومولانا آلِ رسول سے اعلیٰ حضرت قبلہ اور ان کے والد ماجد کی پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو دیکھتے ہی جو الفاظ فرمائے تھے وہ یہ تھے: "آئیے ہم تو کئی روز سے آپ کے انتظار میں تھے" اعلیٰ حضرت اور ان کے والدِ ماجد بیعت ہوئے اور مرشدِ برحق نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرما کر تاجِ خلافت اعلیٰ حضرت کے سر پر اپنے دستِ کرم سے رکھ دیا۔ یوں یہ خلش جس کے لیے اعلیٰ حضرت روتے تھے ربّ العزت نے نکال دی۔ شریعت کی تعلیم و تربیت باپ سے ملی تھی اور طریقت کی تکمیل پیر و مرشد نے کرا دی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ شریعت و طریقت دونوں کے امام ہو گئے۔ زندہ باد اعلیٰ حضرت زندہ باد۔

بعض مریدین نے جو اس وقت حاضر تھے حضرت سیّدنا آلِ رسول قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ حضور اس بچے پر یہ کرم کہ مرید ہوتے ہی تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا ہو گئی، نہ ضروری ریاضت کا حکم ہوا، نہ چلّہ کشی کرائی۔ اس کے جواب میں حضرت سیّدنا آلِ رسول نے فرمایا کہ تم کیا جانو۔ یہ بالکل تیار آئے تھے انہیں صرف نسبت کی ضرورت تھی تو یہاں آ کر وہ ضرورت بھی پوری ہو گئی۔ یہ فرما کر آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ ربّ العزت دریافت فرمائے گا کہ آلِ رسول تو دنیا سے ہمارے لیے کیا لایا؟ تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔

مارہرہ شریف ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے اور اس میں سادات کرام کا یہ خاندان بلگرام شریف سے آکر آباد ہوا ہے، یہ حسنی و حسینی سادات قادری نسل سے ہیں اور نسبت بھی قادری ہے، اس خاندان میں بڑے بڑے اولیائے کرام ہوئے، اعلیٰ حضرت

قبلہ کے مرشد سیدنا شاہ آلِ رسول انہیں میں سے ایک تھے۔ ان کا اپنے دور کے اولیائے کرام میں شمار تھا۔ علمائے کرام بدایوں بھی اسی خاندان سے بیعت ہوئے اور علمائے کرام بریلی کو بھی اسی دودمان پاک کی غلامی پر فخر ہے"[1]۔

مجدّدِ وقت:

مولانا حسنین رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت قبلہ کے فیضانِ مجدّدیت کا ظہور ۱۳۰۱ھ کے آغاز سے ہوا۔ یہ واقعہ ذرا تفصیل طلب ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے چچا مولوی محمد شاہ خاں صاحب عرف ننھن خاں صاحب مرحوم سوداگری محلّہ کے قدیمی باشندے تھے، اعلیٰ حضرت سے عمر میں ایک سال بڑے تھے، بچپن ساتھ گزرا، ہوش سنبھالا تو ایک ہی جگہ نشست و برخاست رہی۔ ایسی حالت میں آپس میں بے تکلفی ہونا ہی تھی۔ ان کو اعلیٰ حضرت قبلہ ننھن بھائی جان کہتے تھے اور ان کے ایک سال بڑے ہونے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، یہ بھی اکثر سفر و حضر میں ساتھ ہی رہتے، آدمی ذی علم تھے، گھر کے خوش حال زمین دار تھے یہاں تک کہ ندوہ کے مقابلہ میں جب اعلیٰ حضرت قبلہ نے بہار و کلکتہ کا سفر کیا تھا تو ننھن میاں بھی ساتھ رہے۔ میں نے اپنے ہوش سے انہیں اعلیٰ حضرت قبلہ کی صحبت میں خاموش اور مؤدّب ہی بیٹھے دیکھا۔ انہیں اگر مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو دوسروں کے ذریعہ سے دریافت کراتے۔ میں مدتوں سے یہ ہی دیکھ رہا تھا، ایک روز میں نے چچا سے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت تو آپ کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہیں آپ ان سے اس قدر کیوں جھجک محسوس کرتے ہیں کہ مسئلہ خود نہیں دریافت کرتے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم اور وہ بچپن سے ساتھ رہے، ہوش سنبھالا تو نشست و برخاست ایک ہی جگہ ہوتی، نمازِ مغرب پڑھ کر ہمارا معمول تھا کہ ان کی نشست گاہ میں آ بیٹھتے۔ سیّد محمود شاہ صاحب وغیرہ چند ایسے احباب تھے کہ وہ بھی اس صحبت کی روزانہ شرکت کرتے۔ عشا تک مجلس گرم رہتی، اس مجلس میں ہر قسم کی باتیں ہوتی تھیں، علمی مذاکرے ہوتے تھے، دینی مسائل پر گفتگو ہوتی اور تفریحی قصّے بھی ہوتے، جس دن محرم ۱۳۰۱ھ کا چاند ہوا، اس دن حسبِ معمول ہم سب بعد مغرب اعلیٰ حضرت کی نشست گاہ میں آ گئے۔

اعلیٰ حضرت خلافِ معمول کسی قدر دیر سے پہنچے، حسبِ معمول سلام علیک کے بعد تشریف رکھی، اور لوگ بھی تھے، مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ننھن بھائی جان آج ۱۳۰۱ھ کا چاند ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ میں نے بھی دیکھا، بعض اور ساتھیوں نے چاند دیکھنا بیان کیا، اس پر فرمایا کہ بھائی صاحب یہ تو صدی بدل گئی۔ میں نے بھی عرض کیا: صدی تو بے شک بدل گئی، خیال کیا تو واقعی اس چاند سے چودھویں صدی شروع ہوئی تھی۔ اس پر فرمایا کہ اب ہم آپ کو بھی بدل جانا چاہیے۔ یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس پر ایک سکوت طاری ہو گیا اور ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا۔ پھر کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوئی، کچھ دیر سب خاموش بیٹھے رہے اور

---

(۱) "سیرتِ اعلیٰ حضرت" پہلا باب، ابتدائی حالات، ص ۵۲ تا ۵۴۔

سلام علیک کرکے سب فرداً فرداً چلنے لگے، اس وقت توکوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئی کہ یکایک اس رعب چھا جانے کا سبب کیا ہوا، دوسرے روز بعد فجر جب سامنا ہوا اور ان کے مجدّدانہ رعب وجلال سے واسطہ پڑا تو یاد آیا کہ انہوں نے جو بدلنے کو فرمایا تھا تو وہ خدا کی قسم ایسے بدلے کہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے، اور ہم جہاں تھے وہیں رہے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ ہمیں ان سے بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی، بلکہ اس اہم تبدیلی پر ہم نے تنہائی میں بارہا غور بھی کیا تو بجزاس کے کوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئی کہ ان میں منجانب اللہ اس دن سے کوئی بڑی تبدیلی کردی گئی ہے جس نے انہیں بہت اونچا کردیا ہے اور ہم جس سطح پر پہلے تھے وہیں اب ہیں۔ ہاں جب دنیا انہیں مجدد المأۃ الحاضرہ کے نام سے پکارنے لگی تو سمجھ میں آیا کہ وہ تبدیلی یہ تھی جس نے ہمیں اتنے روز حیران ہی رکھا۔ یہ تھی وہ تاریخ جس میں انہیں موجودہ صدی کا مجدّد بنایا گیا اور مجدّدیت کا منصبِ جلیل عطا ہوا اور ساتھ ہی ساتھ وہ رعب عطا ہوا جو اسی تاریخ سے محسوس ہونے لگا، باوجودیکہ ہمیں بے تکلفی کے لیل ونہار اب تک یاد ہیں مگر رعبِ حق برابر روز افزوں ہے جو ان کے مدارج کی مزید ترقی کی دلیل ہے"[1]۔

ماہرِ رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

"محدث بریلوی نے پوری شدّت اور قوت کے ساتھ بدعات کا استیصال کیا اور احیائے دینِ متین اور احیائے سنّت کا اہم فریضہ ادا کیا، اسی لیے علمائے عرب وعجم نے ان کو مجدّد کے لقب سے یاد کیا۔

۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پٹنہ (بھارت) میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں پاک وہند کے سیکڑوں علماء جمع ہوئے، اس جلسہ میں محدث بریلوی کو ان سے بزرگ علما کی موجودگی میں مجدد کے لقب سے یاد کیا گیا۔ اسی طرح علمائے سندھ میں شیخ ہدایت اللہ بن محمود بن محمد سعید السندی البکری مہاجر مدنی نے محدث بریلوی کی عربی کتاب "الدولۃ المکیہ" پر تقریظ لکھی تو اس میں تحریر فرمایا: "مجدّد المئة الحاضرة مؤيّد الملّة الطاهرة".

علمائے عرب میں مندرجہ ذیل حضرات نے فاضل بریلوی کو مجدّد کے لقب سے یاد کیا ہے:

سیّد اسماعیل بن خلیل محافظ کتبِ حرمِ مکّہ معظمہ

شیخ موسیٰ علی شامی ازہری۔

وصالِ اقدس:

امام احمد رضا قدس سرہ ان اولیائے کاملین میں سے تھے جن کے قلوب پر فرائضِ الٰہیہ کی عظمت چھائی رہتی ہے۔ چنانچہ جب ۱۳۳۹ھ کا ماہِ رمضان المبارک مئی جون ۱۹۲۱ء میں پڑا اور مسلسل علالت اور ضعف کے باعث آپ نے اپنے اندر اسالِ

---

(۱) "سیرتِ اعلیٰ حضرت" "دو سرا باب دینی و تجدیدی خدمات، مجدّدِ وقت، ص ۶۱، ۶۲۔

کے موسم گرما میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ پائی تو اپنے حق میں فتویٰ دیا کہ میں پہاڑ پر جا کر روزہ رکھ سکتا ہوں اور میرے اندر یہ وسعت واستطاعت بھی ہے، لہٰذا وہاں جاکر روزے رکھوں گا، چنانچہ آپ نے وہاں جا کر روزے رکھے۔

اسی دوران آپ نے مشہور محدث امام المحدثین حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی ثم پیلی بھیتی کی تاریخ وصال اس آیتِ کریمہ سے نکالی: ﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ﴾(۱) ۱۳۳٤ھ "ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا"۔

آپ کا وصال ۱۳۳۴ھ میں ہو چکا تھا اور امام احمد رضا قدس سرہٗ کے نہایت مخلص دوستوں میں تھے۔

تاریخ وصال نکالنے کے بعد فرمایا: اس آیت کے شروع میں واو ہے، اگر اس کو باقی رکھ کر حساب کیا جائے تو دوست دوست سے مل جائے گا۔ حاضرین نے اس وقت تو غور نہ کیا لیکن جب ۱۳۴۰ھ میں وصال ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ تو اعلیٰ حضرت نے باتوں ہی باتوں میں اپنے وصال کی خبر دی تھی، کیوں کہ بحساب ابجد "واو" کے عدد چھ ۶ ہیں، اس طرح ۱۳۳۴ میں چھ ۶ کا اضافہ کر کے ۱۳۴۰ ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ وصال سے چھ ۶ ماہ پہلے کا ہے۔

قارئین ان کی سنِ ولادت کا استخراج اور اس کی توجیہ پڑھ چکے ہیں، اب دونوں کو جمع کیجیے تو صاف ظاہر ہوگا کہ سنِ ولادت کی آیتِ کریمہ ان کے ایمان راسخ کا پتا دیتی ہے تو اس پر مرتب ہونے والا نتیجہ بفضلہ تعالیٰ آخرت میں یہ ہی ہوگا کہ جنّت کی ابدی راحتوں میں سونے چاندی کے ساغر و صراحی لیے حور و غلماں ان پر پیش ہوتے رہیں گے اور یہ دور ہمیشہ چلتا رہے گا۔

مولانا حسنین رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

"اس بار آپ جب بھوالی سے تشریف لائے تو علالت کا کسی قدر سلسلہ چل رہا تھا، اپنے پیر و مرشد سیدنا آل رسول مارہروی کا عرس کیا اور عرس میں حسبِ معمول تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں از اوّل تا آخر مسلمانوں کو نصیحتیں ہی فرمائیں، آخر میں یہ بھی فرمایا کہ آئندہ ہمیں تمھیں شاید ایسا موقع نہ ملے۔ اس لیے جو یہاں موجود ہیں وہ بغور سنیں اور جو موجود نہیں ہیں انہیں میرے الفاظ پہنچا دیں۔ اس پر سارا جلسہ بدحواس ہو کر رونے لگا، پھر تسکین دی اور فرمایا کہ خدا میں سب قدرت ہے، وہ چاہے تو ہم تم اسی طرح بارہا جمع ہوں۔

غرض یہ کہ آج لوگ متنبہ ہوگئے کہ اب آپ ہم میں رہنے والے نہیں، اب لوگوں نے بیعت ہونے کی جلدی کی، ہر وقت آستانۂ رضویہ پر مرید ہونے والے مردوں اور عورتوں کا جم غفیر رہنے لگا تو حکم دیا کہ میری طرف سے مردوں کو حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب مرید کریں اور عورتوں کو مفتیِ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بیعت کریں۔ یہ سلسلہ روزِ وفات تک

---

(۱) پ۲۹، الإنسان: ۱۵.

برابر جاری رہا۔ باہر کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ بھی آکر بیعت ہوئے۔ یوم وفات سے ۲ روز قبل سہ شنبہ کے روز اعلیٰ حضرت پہ تپ لرزہ کا حملہ محسوس ہوا، اس سے دفعۃً کمزوری بڑھ گئی اور اتنی بڑھی کہ نبض غائب ہوگئی، اس وقت جناب حکیم حسین رضا خاں صاحب بھی حاضر تھے، ان سے فرمایا کہ نبض تو دیکھو! انہوں نے نبض دیکھی تو وہ ڈوب چکی تھی۔ انہوں نے گھبرا کے عرض کیا کہ کمزوری کے سبب نبض نہیں ملتی۔ فرمایا: آج کیا دن ہے؟ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا: چہار شنبہ ہے، اس پر فرمایا: جمعہ پرسوں ہے اور یہ فرما کر کف افسوس ملتے جاتے اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے جاتے۔ یہ سب کچھ ان کا پیارا رب دیکھ رہا تھا، اس نے اس کمزوری کے حملے کو آن کی آن میں دفع فرمایا اور طبیعت بدستور سہولت پر آگئی۔ اب حاضرین رخصت ہونے لگے، پھر دو ۲ دن طبیعت خوشگوار رہی یہاں تک کہ جمعہ کے روز جب نماز فجر کے بعد مزاج پرسی کے لیے لوگ اندر گئے ہیں تو اعلیٰ حضرت قبلہ کو کافی پرسکون پایا۔

۲۵ صفر ۴۰ھ کو لوگ بعد نماز فجر حسب معمول مزاج پرسی کے لیے آئے تو اعلیٰ حضرت قبلہ کی طبیعت اس قدر شگفتہ اور بحال تھی کہ لوگوں کو مسرت ہوئی اور یہی حالت رحلت تک رہی۔

میں یہاں سے صحت کی خوش خبری سنانے قاری خانہ میں مولوی اکرام الحق گنگوہی مدرس مدرسہ منظر اسلام (جو خیر آبادی خاندان میں مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی مرحوم کے شاگرد رشید تھے، معقول وفلسفہ وکتب اصول بہت اچھی پڑھاتے تھے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کے چاہنے والوں میں سے تھے) کے پاس گیا، ان کو ان کے بستر پر رضائی میں منہ لپیٹے روتے پایا، میں نے ان سے کہا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو آج آثار صحت شروع ہوگئے تو آپ دیکھنے بھی نہ گئے، اس پر ان کی سسکی بندھ گئی اور زیادہ رونے لگے، میں نے انہیں چپ کرایا اور رونے کی وجہ دریافت کی، انہوں نے اپنا خواب سنایا، فرمایا کہ میں نے آج ہی صبح صادق کے وقت دیکھا ہے کہ بہت سے علماء واولیاء ایک جگہ جمع ہیں اور وہ سب رنجیدہ اور مغموم معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے رنج وغم کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ آج مولانا احمد رضا خاں صاحب دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ انداز بیان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس دورِ ناہنجار میں اعلیٰ حضرت کا دنیا سے جانا ان حضرات پر گراں تھا، ان میں بعض میرے دور کے وہ حضرات بھی تھے جنہیں میں نے پہچانا۔ میں نے ان کی زیارت کی ہے۔ میں مولوی اکرام الحق صاحب مرحوم کے اس خواب کو خواب وخیال کہہ کر ٹالتا رہا اور ان کے دل سے اس صدمہ کو ہٹاتا رہا، بالآخر انہوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ میں علماء وصلحاء کے اس جم غفیر کے مقابلے میں آپ کے تحسینی خیال کی تائید نہیں کر سکتا۔

رحلت کے آثار اور وصایا:

ابتدائے علالت سے یہ دستور رہا کہ جب لوگ اندر مکان میں حاضر ہوتے تو سلام ودست بوسی کے بعد صرف ایک شخص مزاج پرسی کرتا۔ آپ شکر ادا کرتے اور مختصر حال بیان فرما دیتے، اس دوران میں اگر کوئی مسئلہ دریافت کرتا اس کا جواب

دیتے، صبر و شکر کی تلقین فرماتے اور ان مجالس عیادت میں سفرِ آخرت کا زیادہ ذکر رہتا۔ خود روتے دوسروں کو رلاتے اور سرکار دوعالم ﷺ کی یاد تو مدت العمر ان کی ہر صحبت میں ہر تقریر کا موضوع ہی رہی، وہ موقع بموقع ضرور ہوا کرتی، دورانِ علالت کی صحبتوں میں یہ بھی بارہا فرمایا کہ ربّ العزت کا فضل مانگو وہ اگر عدل فرمائے تو ہمارا تمہارا کہیں ٹھکانہ نہ لگے۔ اولیائے کرام کے قصص اکثر مثال کے طور پر پیش فرماتے۔ اس جمعہ کو بھی یہ مجلس تذکیر دیر تک رہی، آج بھی لوگ پند ونصائح کے انمول موتیوں سے دامن مراد بھر کے لوٹے، تھوڑی دیر کے لیے ہم سب یہ سمجھے کہ آج صحت کی طرف طبیعت کا صحیح قدم اٹھا ہے، یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ جو کچھ اظہار طمانیت کر رہے ہیں وہ صرف ہم سب کا غم غلط کرنے کو کر رہے ہیں، در حقیقت آج ہی ان کی روانگی ہے، یہ تو جب معلوم ہوا کہ جب انہوں نے اپنی روانگی کے پروگرام پر عمل درآمد شروع کر دیا، سب سے پہلے آپ نے مفتیٔ اعظم سے کل جائیداد کا وقف نامہ لکھوایا۔ خود اس کا مضمون بولتے جاتے اور حضرت مفتیٔ اعظم لکھتے جاتے۔ جب وقف نامہ لکھا گیا تو خود ملاحظہ فرما کر دستخط ثبت فرما دیئے۔ وقف نامے میں جائیداد کی چوتھائی آمدنی مصرفِ خیر میں رکھی۔ اور تین چوتھائی آمدنی بحصص شرعی ورثہ پر تقسیم فرما دی۔ آج صبح سے کچھ کھایا نہ تھا، خشک ڈکار آئی، حکیم حسین رضا خان صاحب حاضر خدمت تھے، ان سے فرمایا کہ معدہ بفضلہ تعالیٰ بالکل خالی ہے، ڈکار خشک آئی ہے، اس پر بھی احتیاطاً ایک مرتبہ وصال سے کچھ قبل چوکی پر بیٹھے، اب گھڑی سامنے رکھوالی، اب سے جو کام کرتے تو پہلے وقت دیکھ لیتے۔ شروعِ نزع سے کچھ قبل فرمایا: کارڈ، لفافے، روپیہ، پیسہ کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے، جنب یا حائضہ نہ آنے پائے، کتا مکان میں نہ آئے، سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد باآواز پڑھی جائیں، کلمہ طیبہ سینہ پر دم آنے تک متواتر باآواز پڑھا جائے، کوئی چلا کر بات نہ کرے، کوئی رونے والا بچہ مکان میں نہ آئے، بعد قبضِ روح فوراً نرم ہاتھوں سے آنکھیں بند کر دی جائیں، بسم الله وعلى ملّة رسول الله کہہ کر نزع میں سرد پانی ممکن ہو تو برف کا پانی پلایا جائے، ہاتھ پاؤں وہی پڑھ کر سیدھے کر دیئے جائیں، اصلاً کوئی نہ روئے، وقتِ نزع میرے اور اپنے لیے دعاء خیر مانگتے رہو، کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکلے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں، جنازہ اٹھنے پر خبردار کوئی آواز نہ نکلے، غسل وغیرہ سب مطابق سنت ہو، جنازہ میں بلاوجہ شرعی تاخیر نہ ہو، جنازے کے آگے کوئی شعر میری مدح کا ہرگز نہ پڑھا جائے، قبر میں بہت آہستگی سے اتاریں، داہنی کروٹ پر وہی دعا پڑھ کر لٹائیں، نرم مٹی کا پشتارہ لگائیں، جب تک قبر تیار ہو: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلّا الله والله أكبر. اللّهمّ ثبّت عبيدك هذا بالقول الثابت بجاه نبيّك ﷺ پڑھتے رہیں۔

اناج قبر پر نہ لے جائیں، یہیں تقسیم کر دیں، وہاں بہت غل ہوتا ہے اور قبروں کی بے حرمتی، بعد تیاری قبر کے سرہانے الٓمّ - تا مفلحون. پائنتی آمن الرسول تا آخر سورہ پڑھیں اور سات ۷ بار باآواز بلند حامد رضا خان اذان کہیں اور متعلقین میرے مواجہہ میں کھڑے ہو کر تین ۳ بار تلقین کریں۔ پھر اعزہ واحباب چلے جائیں، ہو سکے تو ڈیڑھ گھنٹے میری مواجہہ میں درود شریف اسی آواز سے پڑھتے رہیں کہ میں سنوں، پھر مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر کے چلے جائیں، اگر ہو سکے تو تین ۳ شبانہ روز پہرے

کے ساتھ دو ۲ عزیز یا دوست مواجہہ میں قرآن مجید آہستہ آہستہ یا درود شریف ایسی آواز سے بلا وقفہ پڑھتے رہیں کہ اللہ چاہے تو اس نئے مکان سے میرا دل لگ جائے، (اور ہوا بھی یہی کہ جس وقت وصال فرمایا اس وقت سے غسل تک قرآن کریم باواز برابر پڑھا گیا اور پھر تین ۳ شبانہ روز قبرِ انور پر بلا توقف مواجہہ اقدس میں مسلسل تلاوت جاری رہی) کفن پر کوئی دو شالہ یا قیمتی چیز یا شامیانہ نہ ہو غرض یہ کہ کوئی بات خلافِ سنّت نہ ہو۔

وصال:

۱۲ بجے دن کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ نے جائیداد کا وقف نامہ لکھوایا اور اپنے دستخطوں سے مزیّن فرمایا، اس کے بعد حضرت حجۃ الاسلام سے سورۂ رعد پڑھوائی جسے بڑے اطمینان سے بغور سنتے رہے پھر یٰسین شریف پڑھوائی۔ ۲ بجے کے بعد پانی طلب فرمایا جو پیش کیا گیا، پانی پی کر کلمہ طیبہ پڑھنے لگے کچھ دیر کے بعد صرف اسمِ جلالت اللہُ، اللہُ کا ورد فرمایا یہاں تک کہ دو ۲ بج کے ۳۸ منٹ پر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ان کی روحِ پاک اپنے رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں چلی گئی۔ إنّا لله وإنّا إليه راجعون.

یہ جمعہ مبارکہ کا دن تھا، صفر المظفر کی ۲۵ تاریخ تھی، دو ۲ بج کے ۳۸ منٹ ہوئے تھے جب کہ دنیائے اسلام میں خطیب منبروں پر خطبوں میں بلند آواز سے پڑھ رہے تھے:

اللّهمّ انصر من نصر دين محمد ﷺ واجعلنا منهم.

اے اللہ! اس کی مدد کر جس نے تیرے رسول ﷺ کے دین کی مدد کی اور ہمیں بھی ان کی ہمراہی کا شرف عطا فرمایا۔

ان کی روح، ان دعاؤں کے جھرمٹ میں ملی جلی بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوگئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس جمعہ سے قبل والے جمعہ کو اعلیٰ حضرت کی مسجد کی تشریف آوری میں دیر لگی تھی، ان کے انتظار کی وجہ سے لوگوں نے جمعہ میں معمول کے خلاف تاخیر کرا دی، اس واسطے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو کوئی بار وضو کرنا پڑا تھا۔ لہٰذا آج صبح ہی ہم سب سے تاکید فرما دی کہ پچھلے جمعہ کی طرح آج میری وجہ سے نمازِ جمعہ میں اصلاً تاخیر نہ کی جائے، جمعہ کی نماز معمول کے مطابق وقت پر قائم ہو، کوئی بھی کچھ کہے نہ مانا جائے۔ ہم لوگ اس کا یہ مطلب سمجھے کہ پچھلے جمعہ میں جو بعض حضرات کے کہنے سے مقررہ وقت ٹالا گیا اس کی آج ممانعت فرما دی ہے، یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ آج ہی عین جمعہ کے وقت رخصت ہو رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس وقت رونے پیٹنے میں بد حواس ہوں گے جمعہ میں بلاوجہ تاخیر ہوگی۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کو التزامِ جماعتِ نمازِ پنج گانہ میں بہت ملحوظ تھا۔ کئی سال پہلے پاؤں کا انگوٹھا ایسا پکا تھا کہ نہ جوتا پہنا جاتا تھا، نہ کھڑے ہوسکتے تھے، اس بار پہلی مرتبہ ظہر کے وقت باہر تشریف لائے تو چاروں ہاتھ پاؤں کی مدد سے باہر تشریف لائے۔ خدام نے فوراً کرسی پر بٹھا دیا، اسی طرح بعد نماز کرسی پر بیٹھا کر لے گئے اور پلنگ پر بٹھا دیا اور استنجے کے لیے پلنگ سے ملا کر چوکی لگا دی گئی، جب تک انگوٹھا پکا یہ عمل جاری رہا کہ جماعت میں شرکت کے لیے زنانہ مکان سے کرسی پر مسجد کے اندر آئے اور

مسجد سے کرسی پر اندر لیجائے گئے، ابتداءً اس سے کراہت کا اظہار فرماتے رہے مگر خدام کی ضد نے مجبور کر دیا تھا۔ اس علالت میں بھی آپ جب مسجد نہ جاسکے تو نمازوں کے اوقات پر کرسی لیے موجود رہتے اور جماعت میں آپ کو نماز پڑھواتے۔ چنانچہ جمۃ الوقات سے پہلا جمعہ آپ نے مسجد میں باجماعت ادا کیا تھا، کرسی اٹھانے کے لیے کچھ مخلصین اور کچھ گھر والے نماز کے وقت ضرور حاضر ہوجاتے جن میں سے ایک بفضلہ تعالیٰ یہ راقم الحروف بھی ہے۔ خداوندعالم ان سب کو اجرِ خیر دے آمین!۔

تکفین وتدفین:

چنانچہ وصال کے بعد فوراً جمعہ کی تیاری کی آواز لگا دی گئی اور سب حاضرین واہلِ خانہ بجائے آہ وبکا وگریہ وزاری کے جمعہ کی تیاری میں لگ گئے، جمعہ کے بعد لوگ بہت آگئے، تجہیز وتکفین وتدفین کا مشورہ ہوا، فوراً ۴۵ تار دیئے گئے جہاں جہاں سے لوگ آسکتے تھے وہ دفن کے مقررہ وقت تک بریلی آگئے، غسل میں ساداتِ عظام اور علمائے کرام واہلِ خاندان نے شرکت کی، جنازہ تیار ہوا تو کفن لانے والے صاحب عطر بھول گئے تھے، عین ضرورت کے وقت محلہ نیشتہ میراں کے ایک حاجی صاحب اعلیٰ حضرت قبلہ کی نذر کے لیے مدینہ پاک کا عطر، غلافِ کعبہ، آبِ زمزم، خاکِ شفا وغیرہ لے کے آگئے، یہ عطیہ عین وقت پر پہنچا، یہ سب چیزیں فوراً کام آئیں۔ رونمائی کے بعد جنازہ نماز کے لیے عیدگاہ چلا، اس واسطے کہ وسطِ شہر میں کوئی ایسا وسیع میدان نہ تھا بجز ایک ارض مغصوبہ کے۔ سوداگری محلہ سے عیدگاہ تک جو کشمکش رہی ہے وہ کبھی نہ دیکھی، یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اس چھین جھپٹ میں پلنگ ٹوٹ کے ٹکڑے ہوجائے گا مگر شکر ہے کہ پلنگ سلامت رہا۔

وہاں پہنچ کر ایک تعجب خیز واقعہ اور دیکھا کہ عیدگاہ میں چھ ۶ سات ۷ جنازے پہلے سے رکھے ہیں، اعلیٰ حضرت کے جنازے کا انتظار ہورہا ہے، لوگوں سے کہا کہ تم نے حسبِ دستور اپنے اپنے محلہ میں نماز جنازہ پڑھ کے دفن کیوں نہ کر دیا؟ یہ کیا کیا؟ تو انہوں نے کہا: کہ یہ سب اعلیٰ حضرت قبلہ کے فدائی تھے، ان کے جنازوں کی نماز ان کی نماز جنازہ کے ساتھ ہوگی، وہ بھی عجب سماں تھا کہ اکٹھے سات ۷ یا آٹھ ۸ جنازوں کی نماز ایک ساتھ ہورہی تھی۔ صف بستہ نماز ادا کررہے تھے۔ دو ایک جنازے دیہات کے تھے، باقی شہر کے مختلف حصوں کے تھے، بیسوں سقہ صاحبان بلا کسی تحریک کے گھر سے عیدگاہ تک چھڑکاؤ کرتے جارہے تھے۔ انہوں نے عیدگاہ میں وضو کا پانی دیا۔ ظہر عیدگاہ میں ادا کی گئی، اس کے بعد جنازہ سوداگری محلہ لاکر خانقاہِ رضویہ میں سپردِ خدا کر دیا گیا۔ یہاں تمام حاضرین نے نمازِ عصر ادا کی اور اسی وقت مزار شریف پر تلاوتِ قرآن پاک شروع ہوگئی جو تین سو تین ۳۰۳ رات مسلسل جاری رہی۔ رات میں بھی کسی وقت ایک آن کو تلاوت نہ رکی۔

ایصالِ ثواب:

ہندوستان میں جگہ جگہ سوم کیا گیا۔ مگر خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر خادم آستانہ سید حسین صاحب مرحوم نے جو سوم کیا وہ بہت بڑے پیمانے پر ہوا۔ اس میں ختم قرآن پاک بہت ہو گئے تھے۔ ویسے تو کلکتہ رنگون سے بھی سوم کی اطلاعات آئیں مگر جامعہ ازہر مصر کی رپورٹ جو انگریزی اخباروں میں چھپی اس سے بڑی حیرت ہوئی، اس واسطے کہ یہاں سے کوئی اطلاع نہ دی گئی تھی۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بھی ایصال ثواب کی اطلاعیں ملیں۔ مدینہ منورہ میں مولانا ضیاء الدین احمد صاحب اور وہاں کے دیگر علمائے کرام نے، سنا ہے کہ مواجہہ اقدس میں بیٹھ کر ایصال ثواب کیا۔ یہ اس ذاتی عشق کا اثر تھا جو اعلیٰ حضرت کو سرکار دو جہاں کی ذات کریمہ سے تھا۔ حسبِ دستور خاندانِ قادریہ عرسِ چہلم میں رسم سجادگی عمل میں آئی۔ جس میں ہندوستان کے اکثر علما و مشائخ نے شرکت کی، حسب الحکم اعلیٰ حضرت قبلہ حضرت حجۃ الاسلام کو خرقہ خلافت پہنایا گیا۔ چہلم میں علمائے کرام نے تقریریں کیں وہ تو یاد نہ رہیں۔ مگر مولانا سیّد سلیمان اشرف ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک بات اب تک یاد ہے جس پر لوگ بہت روئے تھے، انہوں نے اثنائے تقریر میں جب کہ قبر انور کے پاس کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ فرمایا کہ یارو! مجھے بریلی آتے جاتے بہت دیکھا ہے مگر اب نہ دیکھو گے، میں علی گڑھ کالج میں ہوں جہاں عربی کا بھی بڑا کتب خانہ موجود ہے۔ اگر ہم کسی تحقیق کے درپے ہوں تو بکثرت کتابیں دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں مگر ہمیں پوری تسکین جبھی ہوتی تھی جب کہ اس بندۂ خدا (قبرِ انور کی طرف اشارہ کر کے) کی زبان سے سن لیتے تھے تو اب بتاؤ ہم کیوں آنے لگے، اس بیان سے مجمع میں لوگوں کی چیخیں نکل گئیں تھیں"[1]۔

مشاہیر تلامذہ:

نام	ولادت/وفات
استاذِ زمن مولانا حسن رضا خانصاحب بریلوی (برادرِ اوسط)	۱۲۷۶ھ/۱۳۲۶ھ
حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خانصاحب، بریلوی (خلفِ اکبر)	۱۲۹۲ھ/۱۳۶۲ھ
مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بریلوی (خلفِ اصغر)	۱۳۱۰ھ/۱۴۰۲ھ
ابوالمحمود مولانا سیّد احمد اشرف صاحب کچھوچھوی	۱۲۸۶ھ/۱۳۴۳ھ
ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب بہاری	۱۳۰۳ھ/۱۳۸۲ھ
عید الاسلام مولانا عبد السلام صاحب جبلپوری	۱۲۷۲ھ/۱۳۷۳ھ
سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد صاحب پیلی بھیتی	۱۲۸۳ھ/۱۳۵۲ھ

(۱) "سیرت اعلیٰ حضرت" ساتواں باب سوانح و فراق، ص۱۴۳،۱۴۲۔

ابو الفیض صوفی قلندر علی صاحب سہروردی سیالکوٹی	۱۳۱۲ھ/۱۳۷۷ھ
محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی	۱۳۱۱ھ/۱۳۸۳ھ
مولانا حافظ یقین الدین صاحب برنی	/۱۳۷۰ھ
مولانا رحیم بخش صاحب آروی	/۱۳۴۳ھ
مولانا مفتی اعجاز ولی خانصاحب، بریلوی	۱۳۳۲ھ/۱۳۹۳ھ
مولانا حسنین رضا خانصاحب، بریلوی (برادر زادہ)	۱۳۰۹ھ/۱۴۰۱ھ
مولانا رحیم بخش صاحب مظفر پوری	۱۳۲۲ھ/۱۳۷۹ھ

مشاہیر خلفائے ہندو پاک:

شیر بیشہ اہلِ سنت حضرت مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی	۱۲۷۷ھ/۱۳۳۲ھ
سند المحدثین مولانا سید دیدار علی صاحب، الوری	۱۲۷۳ھ/۱۳۵۴ھ
قطبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین صاحب مدنی	۱۲۹۷ھ/۱۴۰۰ھ
مجاہدِ اسلام مولانا احمد مختار صاحب میرٹھی	۱۲۹۴ھ/۱۳۵۷ھ
مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی	۱۳۱۰ھ/۱۳۷۴ھ
عمدۃ المتکلمین مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری	۱۲۹۵ھ/۱۳۵۸ھ
صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی	۱۳۰۰ھ/۱۳۶۷ھ
صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی	۱۳۰۰ھ/۱۳۶۷ھ
مولانا سید ابو البرکات الوری	۱۳۱۹ھ/۱۳۹۸ھ
مولانا مفتی محمد غلام جان صاحب ہزاروی	۱۳۱۹ھ/۱۳۷۹ھ
مفسرِ اعظم مولانا ابراہیم رضا خانصاحب، بریلوی (نبیرہ اکبر)	۱۳۲۵ھ/۱۳۵۸ھ
امین الفتوی مولانا حاجی محمد لعل خانصاحب بیسلپوری	۱۲۸۳ھ/۱۳۳۹ھ
مولانا محمد شفیع صاحب بیسلپوری	۱۳۰۱ھ/۱۳۳۸ھ
برہانِ ملت مولانا مفتی برہان الحق صاحب جبلپوری	۱۳۱۰ھ/۱۴۰۵ھ
مولانا عمر الدین صاحب ہزاروی	/۱۳۴۹ھ

ان کے علاوہ آپ کے تلامذہ میں تقریباً سب آپ کے خلفاء ہیں۔

فضل وکمال:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے جملہ علوم وفنون کی تکمیل چودہ ۱۴ سال کی عمر تک کر لی تھی جیسا کہ آپ پڑھ چکے۔ اس کم سنی میں انہوں نے کتنے علوم وفنون کی سیر کی، اس کی تفصیل کے لیے آپ کی تصانیف پڑھے بغیر صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

اجمالی طور پر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ آپ نے پچاس ۵۰ سے زیادہ علوم وفنون پر اپنی چھوٹی بڑی تقریباً ایک ہزار ۱۰۰۰ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن کا قدرِ معتد بہ حصہ منظرِ عام پر آچکا ہے اور پوری دنیائے علم وفن سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے۔

آپ کے علم وفضل کا اعتراف صرف عقیدت مند اور مدح خواں حضرات ہی نہیں کرتے، مدارسِ اسلامیہ اور مساجد تک ہی آپ کے علمی کمالات کے چرچے محدود نہیں، محض منبر واسٹیج ہی پر ان کے فضل وکمال کا خطبہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ اب ان تمام روایتی مجامع ومحافل سے نکل کر آپ کے تبحرِ علمی کا ڈنکا پوری علمی دنیا میں بج رہا ہے، کالج اور یونیورسٹیاں بھی ان کی تحقیقاتِ نادرہ پر خراجِ عقیدت پیش کر رہی ہیں۔ پروفیسر ولیکچرار حضرات بھی ان کے علمی کارناموں پر ریسرچ اسکالروں سے پی، ایچ، ڈی کے مقالے لکھوا رہے ہیں۔ ہند وپاک سے لے کر جامعِ ازہر تک، برطانیہ سے امریکہ تک پوری دنیا کے متعدد تحقیقی مراکز سیکڑوں افراد کو ایم فل اور پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں دے چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی جو کچھ ہوا وہ آغازِ باب ہے۔

ماہرینِ رضویات کا کہنا ہے کہ فردِ واحد نے اتنا بڑا کام کر دیا ہے کہ پوری ملت اس کو سمیٹ نہیں پا رہی ہے، جب کہ آج تک ان کی سیرت وسوانح اور تحقیقی کاموں پر لکھی جانے والی کتابوں اور مقالوں کی تعداد بجائے خود ہزار ۱۰۰۰ سے تجاوز کر چکی ہے۔

اس مختصر میں ان تمام تفصیلات کی گنجائش نہیں بلکہ اجمالی فہرست پیش کرنا بھی دشوار ہے۔ یہاں صرف چند چیزوں کی نشاندہی مقصود ہے۔

تمام علومِ اسلامیہ میں اصل قرآن وحدیث کا علم ہے جس میں بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے مکمل اصول وقوانین موجود ہیں، اور فقہِ اسلامی نے زندگی کے ہر موڑ پر آنے والی مشکلات کی گرہیں کھول کر لوگوں کے لیے آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی خاص طور پر پوری زندگی انہی علوم کا سبق پڑھایا اور قومِ مسلم کو غلط روی سے بچانے کے لیے انہی علوم کے ذریعہ ہدایت کی راہیں ہموار کیں۔ آپ کا دور نہایت ناگفتہ بہ حالات سے دوچار تھا۔ نئے نئے فرقے جنم لے رہے تھے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی تھیں۔ دینِ اسلام کے نام پر ایسی باتیں سنائی جا رہی تھیں جو سچے مسلمانوں کے سچے آباء واجداد نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ نہ عظمتِ باری کا لوگوں کو خیال رہ گیا تھا اور نہ تعظیمِ رسول کا پاس تھا۔

ہندوستان کی سرزمین خاص طور پر اس زمانہ میں مسلمانوں کی ابتلاء وآزمائش کے ماحول سے دوچار تھی۔ انگریزوں نے تفریق بین المسلمین کے لیے جو چال چلی تھی وہ پورے طور پر کامیاب ہوتی نظر آ رہی تھی کچھ صاحبان جبہ ودستار کو خرید کر مسلمانوں کے قدیمی نظریات وعقائد کو مٹانے کی ناپاک سازش تیار کر چکے تھے جس کی لپیٹ میں پورا ہندوستان تھا۔

خداوند قدّوس کا فضل بے پایاں تھا اپنے خاص بندوں پر جنہوں نے ان فتنوں کو روزِ اوّل ہی سے کچل دینے کی کوشش شروع فرمائی۔
ہندوستان میں اسلاف کے نظریات سے ہٹانے کی سازش سب سے پہلے دہلی کے عظیم علمی گھرانے، خاندان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک فرد مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" کے ذریعہ کی گئی۔ لیکن اس کا زبانی اور قلمی رد اسی دور میں اس انداز سے شروع ہوا کہ شاید اس کتاب کے علاوہ کسی دوسری کتاب پر اتنی گرفتیں ہندوستان میں نہ ہوئی ہوں گی، پورے ہندوستان کے علماء نے متعدد مقامات سے اس کے رد لکھے اور چھاپے۔ بطلِ حریت مجاہدِ اعظم جنگِ آزادی حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے ایک جماعتِ علماء کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں بروقت مؤاخذے کیے جس سے دودھ اور پانی کا امتیاز روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا تھا۔ البتہ بعض لوگوں کی بے جا حمایت نے ایسی دلدل میں پھنسایا کہ آج تک ان کے اذیال واذناب اسی میں پھنسے ہیں، "تقویۃ الایمان" کی ناپاک عبارات کی توجیہ کرتے کرتے اس منزل پر آکھڑے ہوئے کہ "فر عن المطر و قام تحت المیزاب" کا منظر لوگ اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

کسی نے امکانِ کذب کی بحث چھیڑ دی اور کسی نے ختمِ نبوت پر اجماعِ امت کے خلاف غلط توجیہات کر کے متقدمین واسلاف کے عقائد صحیحہ کو جاہلانہ خیال لکھ دیا۔ کوئی حضور کے علمِ غیب کو جانوروں، بچوں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دینے سے بھی نہ شرمایا۔ اور کوئی دعوائے نبوت کر کے ان سب کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا بلکہ ان کے کھولے ہوئے دروازہ میں ان کے ارمانوں کا خون کر کے خود داخل ہوگیا۔

اس دور میں علمائے ملّتِ اسلامیہ کے لیے ایک ایسے قافلہ سالار کی ضرورت تھی جو ان سب کا مقابلہ کرے اور ان کی نقاب الٹ کر اصلی پوزیشن واضح کردے جو رہبری کے بھیس میں رہزنی کر رہے تھے۔

خداوند قدّوس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسا بطلِ جلیل اس ملّت کو عطا فرمایا جو اپنی مثال آپ تھا۔ گزشتہ اوراق میں قارئین ان کی پاک زندگی کے واقعات بچپن سے جوانی تک کے پڑھ آئے۔ آئندہ اوراق میں ملاحظہ کریں کہ ان کی دینی خدمات کیا تھیں اور انہوں نے تجدید واحیائے دین کا فریضہ کس حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ عشقِ رسول کا سبق کس کس انداز سے پڑھایا، آپ کی ہر تصنیف ہمارے اس دعویٰ کا بیّن ثبوت ہے۔

ترجمہ قرآن:

انبیائے سابقین کی امتوں کے گمراہی میں مبتلا ہونے کا ایک خاص سبب یہ بھی تھا کہ انہوں نے آسمانی کتابوں میں ترمیم وتنسیخ کر ڈالی۔ اپنی نفسانی خواہشات کے تابع بنانے کے لیے خداوند قدّوس کی نازل کردہ کتابوں میں ہر طرح کے تغیّر وتبدّل سے کام لیا۔ تحریف لفظی بھی کی گئی اور تحریف معنوی بھی۔ چوں کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس کی حفاظت کا وعدہ ربِ کریم نے خود فرمایا ہے۔ تو اس میں لفظی تبدیلی تو کوئی کر ہی نہیں سکتا تھا کہ جس سے لوگ گمراہ ہوتے اور اصل نظم کلامِ باری

نیا نیا ہو جاتا۔ البتہ معنوی تحریفات سے لوگوں نے ہر دور میں کچھ نہ کچھ شوشہ چھوڑا، اس طریقہ سے کتاب اللہ پر تو کوئی فرق نہ پڑا کہ اس کی معنوی تحریف بھی اجمالی عقیدہ اور معمول بہ نہ بن سکی، لیکن معنی مراد کو غلط جامہ پہنا کر لوگوں کو اسلامی نظریات سے ہٹانے کی کوشش کی جاتی رہی۔

امام احمد رضا قادری کے زمانے میں لوگوں کو راہ حق سے ہٹانے کے لیے جہاں دوسرے ہتھکنڈے استعمال کیے گئے وہیں ترجمہ قرآن میں اپنی خواہش نفس کے مطابق تبدیلیاں کی گئیں۔

مثلاً: آیت کریمہ ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (۱) "اور انہوں نے بنایا کیک فریب اور اللہ نے بنایا ایک فریب"۔

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ (۲) "ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ تعالیٰ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور پیچھے رہے"۔ (محمود الحسن)

"بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی: تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے"۔ (تھانوی)

﴿اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (۳) "اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے"۔ (سرسید)

"اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے"۔ (محمود الحسن)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (۴) "اور ہم نے ایسے (مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کرنے کے لیے"۔ (تھانوی)

ان حالات میں ضروری تھا کہ ترجمہ قرآن مستند تفاسیر کی روشنی میں عام فہم طریقے پر پیش کیا جائے۔ لہٰذا قوم مسلم کے ایمان کی حفاظت کے لیے امام احمد رضا قادری نے "کنز الایمان" (ایمان کا خزانہ) امت مسلمہ کو عطا فرمایا جس کے چرچے آج پورے عالم اسلام میں ہو رہے ہیں۔ ترجمہ کے جملوں بلکہ ہر ہر لفظ کی خوبیاں بیان کی جا رہی ہیں۔ موزوں الفاظ اور حسن بیان کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کا مرقع اہل اسلام کے ایمان میں قوت اور روحانی بالیدگی کا مظہر پیش کرتا ہے۔ کتنے حضرات نے اس ترجمے کے محاسن بیان کرتے کرتے مستقل کتابیں لکھ دیں۔ محققین نے مقالے لکھے۔ اور حال ہی میں کراچی پاکستان سے پروفیسر مجید اللہ صاحب قادری نے آٹھ سو ۸۰۰ سے زیادہ صفحات پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

---

(۱) پ ۳، آل عمران: ۵۴

(۲) پ ۲۶، الفتح: ۱، ۲

(۳) پ ۱، البقرۃ: ۱۵

(۴) پ ۱۷، الانبیاء: ۱۰۷

علمِ غیب:

"تقویۃ الایمان" کے مصنف نے مسئلہ علم غیب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر بھی نکتہ چینی کی تھی اور صاف انکار کر دیا تھا۔ بعد کے لوگوں نے اسے خوب سراہا یہاں تک کہ حجازِ مقدس میں بھی بعض ہند نژاد نام نہاد علماء نے قائلینِ علم غیب پر پھبتیاں کسیں۔ امام احمد رضا حسنِ اتفاق سے اس وقت دوسرے حج بیت اللہ کے لیے حاضر ہوئے تو علمائے حرمِ محترم زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً نے اس موضوع پر جواب لکھنے کی فرمائش کی۔ آپ نے بحالتِ علالت ہی مجموعی طور پر صرف آٹھ گھنٹے میں "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" عربی زبان میں املا کرائی جو اس موضوع پر اپنی مثال آپ ہے۔

علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً نے اس کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا، اس پر فراخ دلی سے انمول تقاریظ لکھیں، شریفِ مکّہ کے دربار میں پوری کتاب پڑھی گئی، اس کے بعد منکرین کی حالت دیدنی تھی۔ آج تک کسی میں مجالِ دم زدن نہیں اور سارے اہلِ باطل مل کر بھی اس کا جواب نہ لا سکے۔

اختیارات:

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے اختیاراتِ کاملہ پر بھی دشمنانِ اسلام نے غوغے کیے، "تقویۃ الایمان" میں اختیاراتِ مصطفیٰ کا اس بیہودہ انداز میں انکار کیا گیا کہ "جس کا نام محمد یا علی ہو وہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔ آپ کا قلم حرکت میں آیا اور "سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ" اور دافعِ بلا کے اختیارات پر "الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء" جیسی معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف فرمائیں۔

امکانِ کذب:

امکانِ کذب کا فتنہ اٹھا تو "سبحان السبوح" علمی وتحقیقی کتاب تصنیف فرمائی جس کی سطر سطر سے دلائل وبراہین کے چشمے بہہ رہے ہیں۔ خداوندِ قدوس کے لیے جسم ثابت کرنے والے فرقہ مجسمہ کی سرکوبی کے لیے "قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار" جیسی مایہ ناز کتاب اہلِ اسلام کو عطا کی۔

ختمِ نبوت:

ختمِ نبوت کے عقیدہ کے خلاف شورش شروع ہوئی اور مرزا کاذب نے جب اپنی جعلی نبوت منوانے کی سرتوڑ کوشش کی تو امام احمد رضا نے پے درپے چار ۴ کتابیں لکھیں۔ اور مسئلہ ختمِ نبوت ایمانی ایقانی اذعانی اجماعی ضروری دینی پر اپنی ایک علیحدہ مستقل جلیل القدر تصنیف "جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ" میں تحقیقِ انیق اور علم وعرفان کے ایسے دریا بہائے کہ جس کی نظیر شاید وباید۔

غرض کہ عقائد واعمال ہوں یا رسومِ اسلام، ہر میدان میں انہوں نے اپنے اشہبِ قلم کو مہمیز لگائی اور احیائے علومِ دین وتجدیدِ شرعِ مبین فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجددِ وقت بنایا تھا جس کا ظہور آخر وقت تک رہا اور آج بھی ان کی قلمی خدمات صفحۂ قرطاس پر ثبت ہیں جو اس بات کا بیّن ثبوت ہیں۔

تبحرِ علمی:

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو جملہ علوم متداولہ نقلیہ و عقلیہ میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

آپ کی تصانیف سے استفادہ کرنے والے اس چیز کو بخوبی جانتے ہیں۔ علومِ قرآن سے متعلق ترجمہ قرآن کی بابت محدّثِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"علم القرآن کا اندازہ اگر صرف اعلیٰ حضرت کے اردو ترجمہ سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے، نہ فارسی میں اور نہ اردو میں، جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا ہی نہیں جاسکتا، جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر در حقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے، اس ترجمہ کی شرح حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا شاہ نعیم الدین علیہ الرحمۃ نے حاشیہ پر لکھی۔ وہ فرماتے تھے کہ دورانِ شرح مجھے ایسا کئی بار ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے استعمال کردہ لفظ کے مقامِ استنباط کی تلاش میں دن پر دن گزرے اور رات کٹتی رہی اور بالآخر ماخذ ملا تو ترجمہ کا لفظ ہی اٹل نکلا۔

اعلیٰ حضرت خود شیخ سعدی کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے لیکن اگر حضرت سعدی اردو زبان کے اس ترجمہ کو پاتے تو فرما ہی دیتے کہ ترجمہ قرآن شے دیگر ست و علم القرآن شے دیگر۔

تفسیر قرآن پر بھی آپ نے کام شروع کیا تھا لیکن سورۂ "والضحیٰ" کی بعض آیات کی تفسیر اسی ۸۰ اجزا (چھ سو ۶۰۰ سے زائد صفحات) پر پھیل گئی، پھر دیگر ضروری مصروفیات نے اس کام کی مہلت ہی نہ دی۔

فرماتے ہیں: "زندگیاں ملتیں تو تفسیر لکھتے، یہ ایک زندگی تو اس کے لیے کافی نہیں"۔

فقہ و اصول میں تو آپ کی عبقریت کے قائل عقیدت مند ہی نہیں دورِ حاضر کے محققین نے بھی برملا اعتراف کیا ہے۔

مولوی ابو الحسن میاں ندوی لکھتے ہیں:

فقہ حنفی اور اسکی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل تھا اس کی نظیر شاید کہیں ملے، اور اس دعویٰ پر ان کا مجموعہ فتاویٰ شاہد ہے، نیز ان کی تصنیف "كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم" جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکۂ معظمہ میں لکھی تھی۔

"فتاویٰ رضویہ" میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ جلد اول میں پانی کے اقسام کی تفصیل پڑھیے۔ جس پانی سے وضو جائز ہے اسکی ۱۶۰ قسمیں، اور جس سے وضو نہیں ہو سکتا اسکی ۱۴۶ قسمیں بیان فرمائیں اور ہر ایک کی تفصیل سے بھی آگاہ کیا۔ حق یہ ہے کہ پانی کی انواع و اقسام کا تجزیہ کرکے پانی پانی کر دیا۔

اسی طرح ۱۷۵ صورتیں وہ بیان کیں کہ پانی کے استعمال پر عدمِ قدرت ثابت ہوتی ہے اور تیمم کا جواز متحقق ہوتا ہے۔

تیمم کن چیزوں سے جائز ہے، انکی تعداد ۱۸۱ بیان فرمائی، ان میں ۱۰۷ کی خود امام موصوف نے اپنی جودتِ طبع سے نشاندہی کی، اور جن سے تیمم جائز نہیں وہ ۱۳۰ ہیں۔ یہاں ۷۲ کا اضافہ منجانبِ مصنف ہے۔

فقہی جزئیات پر عبورِ کامل کی روشن دلیلیں ان کے فتاوی سے ظاہر ہیں، حق یہ ہے کہ آپ کے دور میں عرب وعجم کے علماء مسائلِ شریعت میں آپ کے استحضارِ علمی کو دیکھ کر حیران رہے۔

مولوی ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

حرمین شریفین کے قیام کے زمانہ میں بعض رسائل بھی لکھے اور علمائے حرمین نے بعض سوالات کیے تو ان کے جواب بھی تحریر کیے اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔

"فتاوی رضویہ" کامل کی بائیس ۲۲ جلدیں طبع ہو کر منظرِ عام پر ہیں، اگرچہ بعض رسائل ابھی جلدوں میں شامل نہیں، آج تک اردو زبان میں ایسا عظیم فقہی شاہ کار معرضِ تحریر میں نہ آیا۔ کسی کتاب کی ضخامت اس کی خوبی کا معیار نہیں ہوتی بلکہ وہ مضامین ثابتہ ہوتے ہیں جو سیکڑوں کتابوں کا عطرِ تحقیق بنا کر پیش کیے جاتے ہیں۔ "فتاوی رضویہ" اپنی تحقیقِ انیق کے اعتبار سے سب پر فائق ہے۔

"فتاوی رضویہ" نے تحقیق کا ایک انوکھا معیار اور اسلوب سکھایا اور محققین کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ علم فقہ صرف چند مسائل بیان کر دینے کا نام نہیں بلکہ فقہ کے متعلقہ علوم پر جب تک دسترس حاصل نہ ہو اس وقت تک حوادث روزگار اور بدلتے ہوئے حالات سے نمٹنا اور ان کا شرعی نقطہ نگاہ سے حل تلاش کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ مفتی وفقیہ کا کام ہے کہ وہ درپیش مسائل میں حکم شرعی سے لوگوں کو آگاہ کرے اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ وہ اس مسئلہ کے متعلقہ مباحث کی چھان بین اور ان کی تنقیح کے بعد حکم بیان کرے ورنہ سخت لغزش کا خطرہ ہے۔

امام احمد رضا کی وسعتِ نظر، جودتِ فکر، ذہنِ ثاقب اور رائے صائب نے ان کو اپنے دور میں پوری دنیا کا مرکز اور مرجعِ فتاوی بنا دیا تھا۔ آپ کے یہاں متحدہ ہندوستان کے علاوہ برما، چین، امریکہ، افغانستان، افریقہ اور حجازِ مقدس وغیرہا سے بکثرت استفتاء آتے اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو ۵۰۰ جمع ہو جاتے تھے۔ ان سب کا جواب نہایت فراخ دلی اور خلوص وللّٰہیت سے دیا جاتا تھا اور کبھی کسی فتوی پر اجرت نہیں لی جاتی تھی اور نہ ہی کہیں سے تنخواہ مقرر تھی۔ یہ اس خاندان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

اس خاندان میں فتوی نویسی کی مسند سب سے پہلے آپ کے جدِ امجد قطبِ زماں حضرت مولانا مفتی رضا علی خان صاحب قدس سرہ نے بچھائی، اور پوری زندگی خالصۃً لوجہ اللہ فتوی لکھا۔

آپ کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ کے والدِ محترم رئیس الاتقیا عمدۃ المتکلمین حضرت علامہ مفتی نقی علی خان صاحب قدس سرہ جانشین ہوئے۔ اور پھر امام احمد رضا نے پچاس ۵۰ سال سے زیادہ فتاویٰ تحریر فرمائے۔

آپ کے بعد دونوں صاحبزادگان حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خان صاحب اور حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعی طور پر ساٹھ ۶۰ سال تک مسندِ افتاء کو رونق بخشی۔ نہایت خلوص کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا اور کبھی طمع ولالچ نے راہ نہ پائی، اور آج کل اس مسند پر متمکن ہیں تاج شریعت حضرت مفتی محمد اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری مدظلہ۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاویٰ اردو، فارسی اور عربی زبان میں تحریر فرمائے۔ جس زبان میں سوال آتا اسی میں جواب دیا جاتا، حتیٰ کہ سوال منظوم ہوتا تو جواب بھی نظم ہی میں دیا جاتا۔ اس کے علاوہ انگریزی میں بھی بعض فتاویٰ منقول ہیں۔

"فتاوی رضویہ" چودہویں صدی کا بلاشبہ فقہی انسائیکلوپیڈیا ہے اور مجھ جیسا ہیچ مداں اس کی کما حقہ خوبیاں بیان کرنے سے قاصر ہے اور اس کی علمی گہرائی تک پہنچنا مشکل ہے۔ وہ ایسا بحرِ بے کراں ہے جس کے ساحل پر کھڑے رہ کر اس کے مناظرِ قدرت تو دیکھے جا سکتے ہیں لیکن اس کی گہرائی کو ناپنا اور غوّاصی کرکے موتی برآمد کرنا ہر کہہ ومہ کا کام نہیں۔

آپ کے فتاویٰ سے متاثر ہو کر بڑے بڑے علماءِ وقت اتنا لکھ چکے ہیں کہ ان کو جمع کیا جائے تو ضخیم کتاب بن جائے۔ آپ کے بعض عربی فتاویٰ کو ملاحظہ فرمانے کے بعد محافظِ کتبِ حرم سید اسماعیل خلیل نے لکھا اور کیا خوب لکھا: "واللہ! أقول والحق أقول: لو رآها أبو حنيفة النعمان لأقرّت عينه ويجعل مؤلّفه من جملة الأصحاب" "قسم کھا کر کہتا ہوں اور حق کہتا ہوں کہ اگر ان فتاویٰ کو امامِ اعظم ابو حنیفہ ملاحظہ فرماتے تو انکو خوشی ہوتی اور صاحبِ فتاویٰ کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے"۔

آپ کو پچاس ۵۰ سے زیادہ علوم وفنون میں تبحّر حاصل تھا اور جس فن میں قلم اٹھایا تحقیقِ انیق کے دریا بہائے، آپ نے پچاس ۵۰ سے زیادہ علوم وفنون پر تقریباً ایک ہزار ۱۰۰۰ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

❀ ❀ ❀

Ataunnabi.com

اصول و مبادیات

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله القديم بصفاته، وصفاته عين ذاته، والصلاة على نبيّه العزيز عليه ما عنتنا حريص علينا بالمؤمنين رؤوف رحيم، وعلى آله وأصحابه المتكلّمين بالحق الداعين إلى المنهج القديم، أمّا بعد:

(۱) اصول ومَبادیات

علم کے اَسباب تین ۳ ہیں: عقل، حواس، خبر صادق

علم کے اسباب تین ۳ ہیں: (۱) عقل، (۲) حواس، (۳) خبر صادق۔ حواس پانچ ۵ ہیں، جن میں دیکھنا صرف ایک سے متعلق ہے، تو علم کے سات ۷ ذریعہ ہوئے، جو اندھا کہے کہ بے دیکھے نہ مانیں گے، وہ سات ۷ میں سے چھ ۶ ذریعۂ علم کو باطل کر چکا، اور اگر عاہر کا بھی اندھا ہے تو وہ ساتواں بھی گیا۔
("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۸۷)

جماہیر ائمۂ ماتریدیہ رحمہم اللہ اگرچہ عقل کو معرّف حکم مانتے ہیں، مگر نہ مطلقاً: (کہ یہ تو سَفاہتِ سُفہائے معتزلہ وروافض وکرامیہ وبراہمہ خذلهم الله تعالى ہے) بلکہ صرف اَمثالِ توحید وشکر وترک کفران وکفر وغیرہا امورِ عقلیہ غیر محتاج سمع میں۔
("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۹)

نا سمجھ بچے کو بہ تبعیت والدین یادار کافر کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں، کہ وہ حقیقۃً کافر ہے؛ کہ یہ تو بداہۃً باطل ہے۔ وصفِ کفر یقیناً اس سے قائم نہیں، بلکہ اسلام فطری سے متصف ہے۔ یہ اطلاق صرف اَز رُوئے حکم ہے، یعنی شرعاً اس پر وہ اَحکام ہیں جو اس کے باپ یا اہلِ دار پر ہیں، وہ بھی نہ مطلقاً، بلکہ صرف دُنیوی، مثلاً وہ اپنے کافر مورث کا ترکہ پائے گا، نہ کہ مسلم کا۔ کافر وارث کو اس کا ترکہ ملے گا، نہ کہ مسلم کو۔ کافرہ سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، نہ کہ مسلمہ سے۔ وہ مر جائے تو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے۔ مسلمانوں کی طرح غسل وکفن نہ دیں گے۔ مقابرِ مسلمین میں دفن نہ کریں گے ...إلى غير ذلك من الأحكام الدنيوية.
("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۹)

مسائل تین ۳ قسم کے ہوتے ہیں

ایک: ضروریاتِ دین۔ ان کا منکر، بلکہ ان میں ادنی شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے، ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

دُوم ۲: ضروریاتِ عقائدِ اہلِ سنّت۔ ان کا منکر بدمذہب گمراہ ہوتا ہے۔

سوم ۳: وہ مسائل کہ علمائے اہلِ سنّت میں مختلف فیہ ہوں، ان میں کسی طرف تکفیر وتضلیل ممکن نہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے، خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا، خواہ تقلیداً کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علماء یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا۔ کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں موجود ہو جاتی ہیں، مثلاً: اللہ عزوجل کے لیے یَد وعَین کا مسئلہ، قال الله تعالى: ﴿يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾[۱] ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ وقال تعالى: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي﴾[۲] اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔

---

(۱) پ۲۶، الفتح: ۱۰۔
(۲) پ۱۶، طٰہٰ: ۳۹۔

یَد ہاتھ کو کہتے ہیں، عَین آنکھ کو، اب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ آنکھ ہیں، ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزّوجلّ کے لیے ہیں، وہ قطعاً کافر ہے، اللہ عزّوجلّ کا ایسے یَد وعَین سے پاک ہونا ضروریاتِ دین سے ہے۔

اور جو کہے کہ اللہ عزّوجلّ کے یَد وعَین بھی ہیں تو جسم ہی، مگر نہ مثلِ اَجسام، بلکہ مشابہتِ اَجسام سے پاک ومنزّہ ہیں، وہ گمراہ بددین ہے؛ کہ اللہ عزّوجلّ کا جسم وجسمانیات سے مطلقاً پاک ومنزّہ ہونا ضروریاتِ عقائدِ اہلِ سنّت وجماعت سے ہے۔

اور جو کہے کہ اللہ عزّوجلّ کے لیے یدوعین ہیں، کہ مطلقاً جسمیت سے بَری ومبرّا ہیں، وہ اس کی صفاتِ قدیمہ ہیں، جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے، نہ اُن میں تاویل کریں، وہ قطعاً مسلم سُنّی صحیح العقیدہ ہے، اگر چہ یہ عدمِ تاویل کا مسئلہ اہلِ سنّت کا خلافیہ ہے، متاخرین نے تاویل اختیار کی، پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے نہ وہ، کہ اجراء علی الظاهر بمعنی مذکور کرتے ہیں، جس کا حاصل صرف اتنا کہ ﴿اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾[1] ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ بعینہٖ یہی حالت مسئلۂ علمِ غیب کی ہے، اس میں بھی تینوں قسم کے مسائل موجود ہیں۔

ضروریاتِ دین

نصوصِ قرآنیہ[2] واحادیثِ مشہورہ متواترہ[3]، واِجماعِ امّتِ مرحومہ مبارکہ[4] سے جو کچھ در بارۂ اُلوہیت[5] ورسالت ونبوّت انبیاء ومُرسلین، ووحی ربّ العٰلمین، وکتبِ سماوی، وملائکہ وجن وبعث وحشر ونشر وقیامِ قیامت، قضاوقدر، وما كان وما يكون جملہ ضروریاتِ دین ثابت ہے، اور ان دلائلِ قطعیہ سے مدلّل ہے، اور ان براہینِ واضحہ سے مُبرہَن ہے، سب حق ہیں، اور ہم سب پر ایمان لائے۔ جنّت اور اس کے جانفزا اَحوال کہ لا عين رأتْ، ولا أُذن سمعتْ، ولا خطرَ ببال أحدٍ[6] وہ عظیم نعمتیں، وہ نعیم عظمتیں، اور جان ودل کو مرغوب ومطلوب وہ لذّتیں، جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، اور نہ کسی کے دل پر اُن کا خطرہ گزرا۔

دوزخ اور اس کے جاں گزا حالات، کہ وہ ہر تکلیف واَذیت جو اِدراک کی جائے، اور تصوّر میں لائی جائے، ایک اَدنی حصہ ہے، اس کے بے انتہاء عذاب کا، والعیاذُ باللہ! قبر کے نعیم وعذاب[7]، منکر نکیر سے سوال وجواب، روزِ قیامت حساب وکتاب، ووزنِ اعمال[8]، وکوثر[9]، وصراط[10]، وشفاعتِ عُصاۃِ اہلِ کبائر[11]، اور اس کے سبب اہلِ کبائر کی نجات ...إلى غير ذلك من

---

(۱) پ۳، آلِ عمران: ۷۔

(۲) اپنی مراد پر واضح آیاتِ فرقانیہ۔

(۳) شہرت اور تواتر سے مؤیَّد۔

(۴) کہ یہ قصرِ شریعت کے اساسی ستون ہیں، اور شبہات وتاویلات سے پاک، ان میں سے ہر دلیل قطعي، يقيني واجب الإذعان والثبوت، ان۔

(۵) ذات وصفاتِ باری تعالی۔

(٦) "صحيح البخاري" كتاب التفسير، السجدة، تحت الآية: ١٧، ٢/ ٧٠٤. "سنن الترمذي" أبواب التفسير، سورة السجدة، ٢/ ١٥١. "سُنن ابن ماجه" أبواب الزهد، باب صفة الجنّة، صـ٣٣١.

(۷) کہ وہ جنّت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

(۸) جس کی حقیقت اللہ جانے اور اس کا رسول۔

(۹) کہ میدانِ حشر کا ایک حوض ہے، اور جنّت کا طویل وعریض چشمہ۔

(۱۰) بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، پشتِ جہنم پر ایک پُل ہے۔

(۱۱) یعنی گناہگارانِ اُمّتِ مرحومہ کہ کبیرہ گناہوں میں ملوّث رہے، ان کے لیے سوالِ بخشش۔

الوارِدات، سب حق ہے[1]، جبر وقدر باطل ہے[2]، ولکن أمرٌ بین أمرَین[3]۔ اور اس میں زیادہ غور وفکر سبب ہلاکت ہے، صدیق وفاروق رضی اللہ تعالی عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے، ما وشما کس گنتی میں ہیں؟! جو بات ہماری عقل میں نہیں آتی[4] اس کو موکول بخدا کرتے ہیں (اللہ تعالی کو سونپتے ہیں کہ واللہ اعلم بالصواب)، اور اپنا نصیبہ ﴿ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾[5] بناتے ہیں (کہ سب کچھ حق کی جانب سے ہے، سب حق ہے، اور سب پر ہمارا ایمان ہے) ؏:

مصطفی اندر میاں آنگہ کہ می گوید بعقل | آفتاب اندر جہاں آنگہ کہ می جوید سہا

"مصطفی ﷺ تشریف فرما ہوں، تو اپنی عقل سے کون بات کرتا ہے؟!
سورج دنیا میں جلوہ گر ہو تو چھوٹے سے ستارے کو کون ڈھونڈتا ہے؟!"

وقال الرضا:

عرش پہ جاکہ مرغِ عقل تھک کے گرا، غش آگیا | اور ابھی منزلوں پرے، پہلا ہی آستان ہے[6]

یاد رکھنا چاہیے کہ وحیِ الٰہی کا نزول، کتبِ آسمانی کی تنزیل، جن وملائکہ، قیامت وبعث، حشر ونشر، حساب وکتاب، ثواب وعذاب اور جنّت ودوزخ کے وہی معنی ہیں، جو مسلمانوں میں مشہور ہیں، اور جن پر صدرِ اسلام سے اب تک چودہ سو سال کے کافۂ مسلمین ومؤمنین، دوسرے ضروریاتِ دین کی طرح ایمان رکھتے چلے آرہے ہیں، اور مسلمانوں میں مشہور ہیں۔ جو شخص ان چیزوں کو تو حق کہے، اور ان لفظوں کا تو اقرار کرے، مگر ان کے نئے معنی گڑھے مثلاً: یوں کہے کہ جنّت ودوزخ وحشر ونشر وثواب وعذاب سے ایسے معنی مراد ہیں، جو ان کے ظاہر الفاظ سے سمجھ میں نہیں آتے، یعنی ثواب کے معنی اپنے حسنات کو دیکھ کر خوش ہونا، اور عذاب کے معنی اپنے بُرے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا ہیں، یا یہ کہ وہ روحانی لذتیں اور باطنی معنی ہیں۔ وہ کافر ہے؛ کیونکہ ان اُمور پر قرآن پاک اور حدیث شریف میں کھلے ہوئے رَوشن اِرشادات موجود ہیں۔

یونہی یہ کہنا بھی یقیناً کفر ہے کہ پیغمبروں نے اپنی اپنی اُمّتوں کے سامنے جو کلام، کلامِ الٰہی بتاکر پیش کیا، وہ ہرگز کلامِ الٰہی نہ تھا، بلکہ وہ سب انہیں پیغمبروں کے دلوں کے خیالات تھے، جو فوارے کے پانی کی طرح انہیں کے قلوب سے جوش مار کر نکلے، اور پھر انہیں کے دِلوں پر نازل ہو گئے۔

---

(۱) اور سب ضروری القبول۔
(۲) اپنے آپ کو مجبورِ محض یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی۔
(۳) اختیارِ مطلق اور جبرِ محض کے بین بین راہِ سلامتی۔
(۴) اس میں خواہ مخواہ نہیں الجھتے، اور اپنی اندھی اوندھی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے بلکہ۔
(۵) پ۳، آل عمران: ۷۔
(۶) "حدائق بخشش": حصہ اوّل، ص۷۹۔

یونہی یہ کہنا کہ نہ دوزخ میں سانپ، بچھو اور زنجیریں ہیں، اور نہ وہ عذاب جن کا ذکر مسلمانوں میں رائج ہے، نہ دوزخ کا کوئی وجودِ خارجی ہے، بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو کلفت رُوح کو ہوئی تھی، بس اسی روحانی اذیت کا اعلیٰ درجہ پر محسوس ہونا، اسی کا نام دوزخ اور جہنم ہے، یہ سب کفرِ قطعی ہے۔

یونہی یہ سمجھنا کہ جنّت میں میوے ہیں نہ باغ، نہ محل ہیں نہ نہریں ہیں، نہ حُوریں ہیں، نہ غِلمان ہیں، نہ جنّت کا کوئی وجودِ خارجی ہے، بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی جو راحت روح کو ہوئی تھی، بس اسی رُوحانیت کا اعلیٰ درجہ پر حاصل ہونا، اسی کا نام جنّت ہے، یہ بھی قطعاً یقیناً کفر ہے۔

یونہی یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں جن فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے، نہ ان کا کوئی اصل وجود ہے، نہ ان کا موجود ہونا ممکن ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر ہر مخلوق میں جو مختلف قسم کی قوتیں رکھی ہیں، جیسے پہاڑوں کی سختی، پانی کی روانی، نباتات کی فزونی، بس انہیں قوتوں کا نام فرشتہ ہے، یہ بھی بالقطع والیقین کفر ہے۔

یونہی جن وشیاطین کے وجود کا انکار، اور بدی کی قوت کا نام جن یا شیطان رکھنا بھی کفر ہے، اور ایسے اقوال کے قائل یقیناً کافر، اور اسلامی برادری سے خارج ہیں۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۵۸)

فائدہ جلیلہ

مانی ہوئی باتیں چار ۴ قسم کی ہوتی ہیں:

(۱) ضروریاتِ دین

ان کا ثبوت قرآن عظیم، یا حدیثِ متواتر، یا اِجماعِ قطعیاتُ الدّلالات واضحۃ الاِفادات سے ہوتا ہے، جن میں نہ شبہے کی گنجائش ہے، نہ تاویل کو راہ۔ ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکِب کافر ہوتا ہے۔

(۲) ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنّت وجماعت

ان کا ثبوت بھی دلیلِ قطعی سے ہوتا ہے، مگر ان کے قطعیُ الثبوت ہونے میں ایک نَوع شُبہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے، اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں، بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

(۳) ثابتاتِ محکمہ

ان کے ثبوت کو دلیلِ ظنّی کافی ہے، جبکہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو، کہ جانبِ خلاف کو مطروح ومضمحل، اور اِلتفاتِ خاص کے ناقابل بنا دے۔ اس کے ثبوت کے لیے حدیثِ آحاد، صحیح یا حسن کافی ہے، اور قولِ سوادِ اعظم وجمہور علماء کی سند وافی ہے «فإنّ يدَ الله على الجماعة»[۱]، ان کا منکر وُضوحِ امر کے بعد خاطی، وآثِم، خطاکار وگنہگار قرار پاتا ہے، نہ بددین وگمراہ، نہ کافر وخارج اَز اسلام۔

(۴) ظنّیاتِ محتملہ

ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیلِ ظنّی بھی کافی ہے، جس نے جانبِ خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو، ان کے منکر کو صرف مخطی وقصوروار کہا جائے گا، نہ کہ گنہ گار، چہ جائے کہ گمراہ، چہ جائے کہ کافر۔

---

(۱) "سنن النّسائي" كتاب تحريم الدم، باب قتل من فارق الجماعة، ر: ۴۰۲۷، الجزء ۷، صـ۹۸.

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے۔ جو فرقِ مَراتب نہ کرے، اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلی درجے کی دلیل مانگے، وہ جاہل بے وقوف ہے، یا مکّار فیلسوف ع:

ہر سخن وقتے ہر نکتہ مقامے دارد

اور ع:

گر فرقِ مَراتب نہ کُنی زندیقی

"ہر بات کا کوئی وقت، اور ہر نکتے کا کوئی مقام ہوتا ہے، اگر تُو مَراتب کے فرق کو ملحوظ نہ رکھے زندیق ہے"

اور بالخصوص قرآنِ عظیم، بلکہ حدیث ہی میں تصریحِ صریح ہونے کی تو اصلاً ضرورت نہیں، حتی کہ مرتبۂ اعلیٰ اعنی ضروریاتِ دین میں بھی۔ بہت باتیں ضروریاتِ دین سے ہیں، جن کا منکِر یقیناً کافر ہے، مگر بالتصریح ان کا ذکر آیات واحادیث میں نہیں، مثلاً: باری عزّوجلّ کا جہل مُحال ہونا۔ قرآنِ عظیم میں اللہ تعالیٰ کے علم واحاطہ کا لاکھ جگہ ذکر ہے، مگر امتناع واِمکان کی بحث کہیں نہیں، پھر کیا جو شخص کہے کہ "واقع میں تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، عالم الغیب والشہادۃ ہے، کوئی ذرّہ اس کے علم سے چھپا نہیں، مگر ممکن ہے کہ جاہل ہو جائے" تو کیا وہ کافر نہ ہوگا؟! کہ اس کے اِمکان کا سلبِ صریح قرآن میں مذکور نہیں، حاش للہ! ضرور کافر ہے! اور جو اسے کافر نہ کہے خود کافر ہے!۔ تو جب ضروریاتِ دین ہی کے ہر جزئیہ کی تصریحِ صریح قرآن وحدیث میں ضرور نہیں، تو ان سے اُتر کر اَور کسی درجے کی بات پر یہ مرچڑاپن کہ "ہمیں تو قرآن ہی میں دکھاؤ، ورنہ ہم نہ مانیں گے!" نِری جہالت ہے یا صریح ضلالت، مگر جنون وتعصب کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

تو خوب کان کھول کر سُن لو! اور لوحِ دل پر نقش رکھو! کہ جسے کہتا سنو کہ "ہم اِماموں کا قول نہیں جانتے، ہمیں تو قرآن وحدیث چاہیے" جان لو کہ یہ گمراہ ہے، اور جسے کہتا سنو کہ "ہم حدیث نہیں جانتے، ہمیں صرف قرآن درکار ہے" سمجھ لو کہ یہ بددین، دینِ خدا کا بدخواہ ہے۔

مسلمانو! تم ان گمراہوں کی ایک نہ سُنو! اور جب تمہیں قرآن میں شُبہ ڈالیں، تم حدیث کی پناہ لو! اگر حدیث میں لیں واَن نکالیں، تو ائمۂ دین کا دامن پکڑو! اس درجے پر آکر حق وباطل صاف کُھل جائے گا، اور ان گمراہوں کا اُٹھایا ہوا سارا غبار حق کے برستے ہوئے بادلوں سے دُھل جائے گا، اور اُس وقت یہ ضالّ مُضِل طائفے بھاگتے نظر آئیں گے ﴿ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴾[1] (گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگے ہوں)۔ ("الصارم الربانی" ملتقطاً) ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۰)

اہلِ سنّت وجماعت کی دو۲ عظیم جماعتیں ہیں: اَشعریہ اور ماتُریدیہ

اہلِ سنّت وجماعت کی دو۲ عظیم جماعتیں ہیں: (۱) اشعریہ تابعانِ امام اجلّ ابو الحسن اَشعری رحمۃ اللہ علیہ، اور اکثر شافعیہ اسی مسلک پر ہیں۔ اور (۲) ماتُریدیہ پیروانِ امام علم الہدیٰ ابو المنصور ماتُریدی قدس سرہ، اور حنفیہ اسی مَشرب پر ہیں۔ ان دونوں امامِ ہُمام نے تصریح فرمائی، کہ زَلّتِ انبیاء کا حاصل صرف ترکِ افضل واختیارِ فاضل ہے۔

امام جلیل الشان، کبیر القدر، شیخ الاسلام عبد العزیز بن احمد بن بخاری علیہ رحمۃ الباری "کشف الأسرار لشرح اصول امام

---

(۱) پ۲۹، مدثر: ۵۰،۵۱۔

فخر الاسلام بزدوی "قدّس سرہ القوی میں فرماتے ہیں: "قال الشيخ أبو الحسن الأشعري ﷺ في عصمة الأنبياء: وليس معنى الزَّلة أنهم زَلّوا عن الحقّ إلى الباطل، وعن الطاعة إلى المعصية، ولكن معناها الزَّلل عن الأفضل إلى الفاضل، والأصوَب إلى الصَّواب، وكانوا يعاتَبون لجلال قدرِهم ومنزلتِهم ومكانتِهم من الله تعالى "[1].
("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۳)

یعنی "امام ابوالحسن اشعری نے عصمتِ انبیاء میں فرمایا، کہ زَلّت کے یہ معنی نہیں کہ (معاذاللہ) حق سے باطل، یاطاعت سے معصیت کی طرف لغزش ہوئی، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اَفضل سے فاضل، اور زیادہ صواب سے صواب کی طرف نزول واقع ہوا، اور ان کی اس جلالتِ قدر ومنزلت وعزّت ووجاہت کے سبب جوانہیں بارگاہِ عزّت میں ہے"، اس ترکِ اَولی پر بھی عتاب محبت ولُطف ورحمت کیا جاتا ہے۔ محقق علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ بن محمد فناری علیہ رحمۃ الباری "فصول البدائع في أصول الشرائع" میں فرماتے ہیں: "قال علمُ الهدى: هي تركُ الأفضل، أي: من الأنبياء ﷺ"[2] یعنی "امام علم الہدی ابومنصور ماتریدی نے فرمایا، کہ زَلّت ترکِ اَفضل کا نام ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۳)

اور اس اَفضل سے بھی مراد وہ ہے جو انبیاء۔علیہم الصلاۃ والثناء۔کی عظمتِ شان کے لائق ان کے لیے اَفضل تھا، ورنہ ان کا مفضول کام بھی صدیقین کے اَفضل کے اَفضل از اَفضل فعل سے اَفضل ہے، تا بدیگراں چہ رسد [ترجمہ: یہاں مجالِ دم زدن نہیں]۔
("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۴)

دیکھو! بحمد اللہ تعالی یہ عقیدے ہیں، حنفیۂ کرام وامام اہل سنّت نصرهم الله تعالى کے۔ **ثم اقول:** فعل کہ بلاقصد صادر ہو، ہرگز حرام یامعصیت نہیں، بلکہ اَقسامِ خمسہ سے کچھ نہیں ہوسکتا؛ کہ یہ تقسیم أفعال مكلّف من حيث هو مكلّف کی ہے، نہ كلّ ما يصدر عن المكلّف کی۔ حرکاتِ نبض ورعشہ وتنفّسِ طبعی وأمثال ذلك کو فرض، واجب، سنّت، مندوب، مُباح مکروہ، حرام کچھ نہیں کہہ سکتے، تکلیف افعالِ اختیاریہ میں ہے، اور فعلِ اختیاری کو قصد لازم ہے، تو جو بلاقصد ہے مقسم ہی سے خارج ہے، اس کا حرام ومعصیت ہونا ہرگز متصوّر نہیں، ہاں بنظر تشابُہِ صوری محض بطور مجاز کبھی اِطلاق آتا ہے، جس کے معنی یہ کہ اگر اس فعل کا کوئی شخص قصد واِرادہ کرے، تو اس کے حق میں حرام ومعصیت ہوگا۔

غیر مقلدین اتباعِ ظواہر کا نام لیتے ہیں، ہم پوچھتے ہیں کہ آیت ﴿وَعَصٰى﴾ تمہارے نزدیک کلامِ الٰہی ہے یانہیں؟ اگر نہیں تو صریح کافر ہو! اور اگر ہے تو تمہارے نزدیک وہ حق ہے یانہیں؟ اگر نہیں تو کھلے کافر ہو! اور اگر ہے تو اس فعل کا صُدور سیّدنا آدم علیہ السلام سے قصداً جانتے ہو یا سہواً؟ بر تقدیرِ اوّل صاف نصِ قرآن کے منکر ہو! قال تعالى: ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾[3] "اور بے شک ہم نے آدم کو ایک تاکیدی حکم فرمادیا تھا، تووہ بھول گیا، اور ہم نے اس کا عزم نہ پایا"۔ بر تقدیرِ ثانی یہی وہ زَلّت ہے جس سے تم اہل سنّت پر معترض تھے، اور بحکمِ قرآن ناچار اُس کے خود معترف ہوئے۔ فافهم إن كنتَ تفهم!
("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۵)

(۱) "كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي" باب أفعال النبي ﷺ، ۳/ ۲۰۰.
(۲) "فصول البدائع في أصول الشرائع" ۲/ ۲۲۳.
(۳) پ۱۶، طٰہٰ: ۱۱۵۔

کفرِ لزومی والتزامی کی تعریف اور ان کا حکم

پھر یہ انکار جس سے خدا بچائے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے ادو ۲ طرح ہوتا ہے: لزومی والتزامی۔

التزامی یہ کہ ضروریات دین سے کسی شے کا تصریحاً خلاف کرے، یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے، اگرچہ نام کفر سے چڑے، اور کمال اسلام کا دعویٰ کرے۔ کفر التزامی کے یہ معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو، جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں، یہ اقرار تو بہت طوائف کفار میں بھی نہیں پایا جائے گا، ہم نے دیکھا ہے کہ بہتیرے ہندو، کافر کہنے سے چڑتے ہیں۔

بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو انکار اس سے صادر ہوا، یا جس بات کا اس نے دعویٰ کیا، وہ بعینہ کفر و مخالف ضروریات دین ہو، جیسے طائفہ تالفہ نیاچرہ کا وجود ملک وجن و شیطان و آسمان و نار و جنان و معجزات انبیاء علیہم افضل الصلاۃ والسلام سے ان معانی پر کہ اہل اسلام کے نزدیک حضور ہادی برحق صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے متواتر ہیں، انکار کرنا، اور اپنی تاویلات باطلہ و توہمات عاطلہ کو سے مرنا۔ نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انہیں کفر سے بچائیں گے، نہ محبت اسلام و ہمدردی قوم کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے ﴿ قَٰتَلَهُمُ ٱللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴾[1] "اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں!"۔

اور لزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں، مگر منجر بکفر ہوتی ہے، یعنی مآلِ سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمات و تتمیم تقریبات کرتے لے چلیے، تو انجام کار اس سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے، جیسے روافض کا خلافت حقہ راشدہ خلیفۂ رسول اللہ ﷺ حضرت جناب صدیق اکبر وامیر المؤمنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سے انکار کرنا: کہ تضلیل جمیع صحابہ - رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین - کی طرف مؤدی ہے، اور وہ قطعاً کفر ہے، مگر انہوں نے صراحۃً اس لازم کا اقرار نہیں کیا تھا، بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے ہیں، اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہل بیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام - علی مولاهم وعلیهم الصلاۃ والسلام - کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے ہیں، اور خلافت صدیقی و فاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں، اس قسم کے کفر میں علمائے اہلِ سنت مختلف ہو گئے، جنہوں نے مآلِ مقال ولازم سخن کی طرف نظر کی، حکم کفر فرمایا، اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں، بدعت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین!

جب یہ امر ممہّد ہو لیا، تو اب ان امام وماموم کے کفریات لزومیہ گنیے! امام کے کفروں کا تو شمار ہی نہیں، اس نے تو صرف انہیں چند سطروں میں جو اس سے منقول ہوئیں، ہم نے کفر لزومی کی سات سے اصلیں تیار کیں، جن میں ہر اصل صدہا کفری طرف منجر ہے، اور اس کا مذہب مان کر ہرگز ان سے نجات نہ ملے، والعیاذ باللہ العلی الأکبر!

("فتاوی رضویہ" ج ۲۰، ص ۱۷۳)

مسائل علم غیب کی اقسام واحکام

(۱) اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے، اس کے بتائے بغیر ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔

---

(۱) پ ۱۰، توبہ: ۳۰ و پ ۲۸، منافقون: ۴۔

(۲) رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کا علم اَوروں سے زائد ہے، ابلیس کا علم (معاذ اللہ) علم اقدس سے ہرگز وسیع تر نہیں۔

(۴) جو علم اللہ عزوجل کی صفتِ خاصہ ہے، جس میں اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو شریک کرنا بھی شرک ہو، وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں ہو سکتا، جو ایسا مانے، قطعاً مشرک کافر ملعون بندۂ ابلیس ہے۔

(۵) زید و عمرو ہر بچے پاگل، چوپائے کو علمِ غیب میں محمد رسول اللہ ﷺ کے مماثل کہنا، حضور اقدس ﷺ کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے۔

یہ سب مسائل ضروریاتِ دین سے ہیں، اور اُن کا منکر، ان میں اَدنیٰ شک لانے والا، قطعاً کافر ہے، یہ قسم اوّل ہوئی، یعنی ضروریاتِ دین۔

(۶) اولیائے کرام -نفعنا اللہ تعالی ببرکاتہم في الدّارین- کو بھی کچھ علومِ غیب ملتے ہیں، مگر بوساطتِ رُسل علیہم السلام۔ معتزلہ -خذلھم اللہ تعالی- کہ صرف رسولوں کے لیے اطلاعِ غیب مانتے ہیں، اور اولیائے کرام رحمہم اللہ کے لیے علومِ غیب سے اصلاً حصّہ نہیں مانتے، گمراہ و مبتدع ہیں۔

(۷) اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں، خصوصاً سید المحبوبین -صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم وسلم- کو غیوب خمسہ سے بہت جزئیات کا علم بخشا ہے: جو یہ کہے کہ "علومِ خمس میں سے کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا" ہزار ہا احادیثِ متواترۃ المعنیٰ کا منکر اور بدمذہب خاسر ہے۔ یہ قسم دُوم ہوئی، یعنی ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنّت وجماعت۔

(۸) رسول اللہ ﷺ کو تعیینِ وقتِ قیامت کا بھی علم ملا۔

(۹) حضور کو بلا استثناء جمیع جزئیاتِ خمس کا علم ہے۔

(۱۰) جملہ مکنوناتِ قلم و مکتوباتِ لوح بالجملہ روزِ اوّل سے روزِ آخر تک تمام ما کان و ما یکون مندرجہ لوحِ محفوظ، اور اس سے بہت زائد کا علم ہے، جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افرادِ خمس داخل، اور دربارۂ قیامت اگر ثابت ہو کہ اس کی تعیینِ وقت بھی درجِ لوح ہے، تو اسے بھی شامل، ورنہ دونوں احتمال حاصل۔

(۱۱) حضور پُر نور ﷺ کو حقیقتِ روح کا بھی علم ہے۔

(۱۲) جملہ متشابہاتِ قرآنیہ کا بھی علم ہے۔

یہ پانچوں مسائل قسمِ سوم سے ہیں، یعنی ثابتاتِ محکمہ سے؛ کہ ان میں خود علماء وائمۂ اہلِ سنّت مختلف رہے ہیں، جس کا بیان بعونہ تعالی عنقریب واضح ہوگا، ان میں مثبت و نافی کسی پر (معاذ اللہ) کفر کیا معنی، ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہو سکتا، جبکہ پہلے سات مسئلوں پر ایمان رکھتا ہو، اور ان پانچ ۵ کا انکار اس مرضِ قلب کی بنا پر نہ ہو، جو وہابیہ -قاتلھم اللہ تعالی- کے نجس دلوں کو ہے، کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے فضائل سے جلتے، اور جہاں تک بنے تنقیص وکمی کی راہ چلتے ہیں، في قلوبھم مرضٌ فزادھم اللہ مرضاً، ولأھل السنّة من اللہ أحمد رضا، آمین! "ان کے دلوں میں بیماری ہے، ان کی بیماری

نور بڑھ گئی، اور اہل سنت کے لیے اللہ عزوجل کی طرف سے بہترین رضا ہو، آمین!"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص ۵۵۳)

نصوص اپنے ظواہر پر محمول رہیں گے، جب تک دلیلِ معتمد سے صرف ثابت نہ ہو

اہل سنت کے عقائد میں داخل ہے کہ نصوص اپنے ظواہر پر محمول رہیں گے، جب تک دلیل معتمد سے صرف نہ ثابت ہو، کہ عمومات شرع کی محض اپنی ہوس سے تخصیص کرنی، شریعت مطہرہ کے ساتھ لعب وبازی ہے، ورنہ ہر شخص جس عموم میں چاہے، کوئی قید بڑھا دے، جو چاہے اپنی تخصیصات کرکے اپنے آپ کو احکام عامۂ شرع سے باہر قرار دے۔

مسلمانو! جسے دیکھو کہ بے حجت شرعیہ کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس ائمۂ مجتہدین سے نصوص شرعیہ کے عام کو مخصوص، یا مطلق کو مقید، یا حقیقت کو مجاز بنانا چاہتا ہے، یقین جانو کہ اپنی ہوس کا تابع ہے، اور تاویل کی آڑ میں قرآن وحدیث کا منکر ومکذب ہے۔

اہلِ فترت جنہیں انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت نہ پہنچی، ان کی تین قسمیں ہیں

اولاً: اہل فترت جنہیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی، تین قسمیں ہیں:

اول موحد: جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی، جیسے قس بن ساعدہ، وزید بن عمرو بن نفیل [1]، وعامر بن الظرب عدوانی، وقیس بن عاصم تمیمی، وصفوان بن ابی امیہ کنانی، وزہیر بن ابی سلمٰی [2] شاعر وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

دوم مشرک، کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے، جیسے کہ اکثر عرب۔

سوم غافل، کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا، انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی، بہائم کے مثل زندگی کی،

---

(۱) یہ دونوں حضرات مقبول بندے زمانۂ جاہلیت میں نہ صرف موحد تھے، بلکہ قبل از بعثت محمد ﷺ بعثت شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے میں اپنی قوم سے فرمایا: عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے، اور مکہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: وہ حق کیا ہے؟ کہا: لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد، کہ تمہیں کلمۂ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائے گا، تم اس کی بات ماننا اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا، تو سب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا۔ رواہ أبو نعیم في "دلائل النبوۃ" عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے زید بن عمرو نے کہا: میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم واسمٰعیل کا تابع ہوا، وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے، اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں، مگر میرے خیال میں اس کا زمانہ نہ پاؤں گا، میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہے، اے عامر! اگر تمہاری عمر وفا کرے تو انہیں میرا سلام پہنچانا، عامر فرماتے ہیں: جب میں نے حضور پرنور ﷺ سے زید کا یہ قصہ بیان کیا، حضور اقدس ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا، اور ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی، اور ارشاد فرمایا: "میں نے اسے دیکھا کہ جنت میں دامن کشاں سیر کر رہا ہے"۔ رواہ ابن سعد [أي: في "الطبقات الکبیر" ر: ۱۲۳۳، ۳/ ۳۰۲] والفاکهي عنه رضی اللہ عنہ. منه [أي: من الإمام أحمد رضا] غفر له.

(۲) "شرح الزرقاني علی المواهب" المقصد ۱، باب وفاۃ أمه وما یتعلق بأبویه ﷺ، ۱/ ۱۸۳.

اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی، یا نظر و فکر کی مہلت نہ پائی۔ بہت زنان (عورتوں) وچوپانوں [چرواہوں، گڈریوں] واہلِ بوادی (صحرا، جنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۵۴۲)

اہلِ سنّت کا مذہب

اہلِ سنّت کا مذہب یہ ہے کہ تمام جہان حادث و نو پیدا ہے، اور اس کا بنانے والا قدیم اور صفاتِ قدیمہ سے موصوف ہے، نہ اس کا جہل ممکن ہے، نہ کذب ممکن ہے، نہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا امکان ہے۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۲)

حنفیہ کا مذہب ہے کہ افعالِ عباد جمیع و تمام و کمال بلا تخصیص و بلا استثناء مخلوقِ الٰہی ہیں

"مُسایرہ"[۱] کے بیان سے کسی ناقہم کو دھوکا نہ ہو کہ یہ حنفیہ کا مذہب ہے، حاشا بلکہ ان کا مذہب وہ ہے جو ان کے امام، امام ائمۃ الانام، سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے "فقہ اکبر"[۲] ووصایائے شریفہ میں تصریح فرمائی، کہ افعالِ عباد جمیع و تمام و کمال بلا تخصیص و بلا استثناء مخلوقِ الٰہی ہیں۔ خود "مسایرہ" کے لفظ صاف بتا رہے ہیں، کہ یہ ایک طبع زاد بحث ہے، نہ کہ مذہب منقول، بلکہ فی الواقع یہ صاحب "مسایرہ" کا بھی عقیدہ نہیں۔ بحث عقیدہ نہیں ہوتی، عقیدہ یوں نہیں کہا جاتا کہ "کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے"۔ ان کا عقیدہ وہی ہے جو اصل مسئلہ یہاں بیان کیا، اور آخر کتاب میں عقیدۂ اہلِ سنّت و جماعت کی فہرست میں لکھا، یہ عبارات عنقریب ان شاء اللہ مذکور ہوتی ہیں، یہاں مجھے اس بحث کا نا موجّہ و بے حاصل ہونا بتانا ہے، جو ضرورت اس بحث کی بیان کی، اس کا باذنہ تعالیٰ شافی و کافی جواب فقیر کے رسالہ "ثلج الصدر لإیمان القدر"[۳] میں ملے گا۔

بالجملہ یہ بحث کہ نصوص کے خلاف، اجماع کے خلاف، اشعریہ کے خلاف، حنفیہ کے خلاف، وجدان کے خلاف، برہان کے خلاف، کیا عقیدۂ اہلِ سنّت ہو سکتی ہے؟ یا امام ابن الہمام کا یہ عقیدہ ہے؟ حاش للہ!

عقیدہ وہی ہے جو خود ہمارے رب تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾[۴] اور فرمایا: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾[۵] اور فرمایا: ﴿أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ﴾[۶] اور فرمایا: ﴿لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾[۷] کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے؟ سن لو! اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے، وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں!۔

(۱) "المسایرۃ" العلم بأنّہ تعالیٰ لا خالق سواہ، ص۱۱۹-۱۲۳.
(۲) "الفقہ الأکبر" ص۱۵۳، ۱۵٤.
(۳) "الفتاوی الرضویۃ" کتاب العقائد والکلام، رسالۃ "ثلج الصدر لإیمان القدر" ۱۸/ ۳٤۰.
(۴) پ۲۲، فاطر: ۳.
(۵) پ۸، الاعراف: ۵۴.
(۶) پ۱۴، النحل: ۱۷.
(۷) پ۱۴، النحل: ۲۰.

عقیدہ وہی ہے جو خود امام ابن الہمام نے اسی اصل کے آغاز میں لکھا کہ "إنّ الله لا خالق سواه"(۱) "بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں"۔

عقیدہ وہی ہے جو خود امام ابن الہمام نے اسی کتاب "مسایرہ" کے آخر میں لکھا، جہاں عقائد اہلِ سنت کی فہرست دی، اور یوم مرگ اس پر اپنے ثابت قدم رہنے کی دعا کی، کہ فرماتے ہیں: "ولنختم الكتاب بإيضاح عقيدة أهل السنّة والجماعة، وهي أنّه تعالى واحدٌ لا شريكَ له، منفردٌ بخلقِ الذوات وأفعالها"(۲) -إلى أن قال عليه رحمة ذي الجلال:- والله سبحانه نسأله من عظيم جوده وكبيرِ منّه، أن يتوفّانا على يقينِ ذلك مسلمين، إنّه ذو الفضل العظيم، وهو حسبُنا ونعم الوكيل، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العليّ العظيم(۳) "ہم اپنی کتاب کو اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کی وضاحت پر ختم کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد لا شریک ہے، وہ ذات اور افعال کے پیدا کرنے میں منفرد ہے (یہاں تک کہ انہوں نے ﷫ فرمایا:) اور اللہ ﷻ کے جود وکرم اور اس کی کبریائی سے ہم سوالی ہیں، کہ وہ ہمیں اس پختہ یقین کے ساتھ حالتِ اسلام میں وفات نصیب فرمائے، وہ بڑے فضل والا ہے، اور وہی ہمیں کافی ہے اور بہترین وکیل ہے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۳۲۴)

ضروریاتِ دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی

"اعلام" امام ابن حجر میں ہے، کہ یہی سبب ہے کہ ضروریاتِ دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی، اور شک نہیں کہ قرآن عظیم جو بحمد اللہ تعالیٰ شرقاً غرباً عجماً عرباً قرناً فقرناً تیرہ ۱۳ سو برس سے آج تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود و محفوظ ہے، باجماعِ مسلمین بلاکم وکاست، وہی "تنزيل ربّ العالمين" ہے، جو محمد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو پہنچائی، اور ان کے ہاتھوں میں، ان کے ایمان، ان کے اعتقاد، ان کے اعمال کے لیے چھوڑی۔ اسی کا ہر نقص وزیادت وتغییر وتحریف سے مصئون ومحفوظ، اور اسی کا وعدۂ حقہ صادقہ ﴿وَ إِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ میں مراد و ملحوظ ہونا ہی یقیناً ضروریاتِ دین سے ہے۔

نہ یہ کہ "قرآن جو تمام جہان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تیرہ ۱۳ سو برس سے آج تک ہے، یہ تو نقص وتحریف سے محفوظ نہیں، ہاں ایک وہم تراشیدہ، صورت ناکشیدہ، دندان غول کی خواہر پوشیدہ غار سامرّہ میں اصلی قرآن بغل ستان میں دبائے بیٹھی ہے، ﴿وَ إِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ کا مطلب یہی ہے، یعنی مسلمانوں سے مل تو اسی محرّف مبدّل ناقص نامکمل پر کرائیں گے، اور اس اصلی جعلی کو بیچ

برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر

کی کھوہ میں چھپائیں گے، گویا ﴿لَحٰفِظُوْنَ﴾ کے معنی یہ ہیں، کہ قرآن کو مسلمانوں سے محفوظ رکھیں گے، انہیں اس کی بھنک نہ دکھائیں گے"۔

---

(۱) "المسايرة متن المسامرة" العلم بأنّه تعالى لا خالق سواه، صـ۹٦.

(۲) "المسايرة متن المسامرة" ختم المصنف كتابه ببيان عقدة أهل السنّة إجمالاً، صـ۳۹۰.

(۳) "المسايرة متن المسامرة" ختم المصنف كتابه ببيان عقدة أهل السنّة إجمالاً، صـ۳۹٥.

بعض ناپاکوں نے اس سے بڑھ کر تاویل نکالی ہے کہ "قرآن اگر چہ کتنا ہی بدل جائے، مگر علم الٰہی ولوح محفوظ میں یقینا بدستور باقی ہے" حالانکہ علم الٰہی میں کوئی شے نہیں بدل سکتی، پھر قرآن کی کیا خوبی نکلی؟ توریت وانجیل درکنار، مہمل سے مہمل ردی سے ردی کوئی تحریر جس میں مصنف کا ایک لفظ ٹھکانے سے نہ رہا، بلکہ دنیا سے سراسر معدوم ہوگئی ہو، علم الٰہی ولوح محفوظ میں یقینا بدستور باقی ہے۔ ایسی ناپاک تاویلات ضروریاتِ دین کے مقابل نہ مسموع ہوں، نہ ان سے کفر وارتداد اصلاً مدفوع ہوں۔

ان کی حالت وہی ہے جیسے نیچریہ نے آسمان کو بلندی، جبرئیل وملائکہ کو قوتِ خیر، ابلیس وشیاطین کو قوتِ بدی، حشر ونشر وجنت ونار کو محض روحانی نہ کہ جسدی بنا لیا۔ قادیانی مرتد نے خاتم النبیین کو افضل المرسلین، ایک دوسرے شقی نے نبی بالذات سے بدل دیا۔ ایسی تاویلیں سُن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعاً درہم برہم ہو جائیں! بُت پرست لاالٰہ الّا اللہ کی تاویل کرلیں گے کہ یہ افضل واعلیٰ میں حصر ہے، یعنی خدا کے برابر دُوسرا خدا نہیں، وہ سب خداؤں سے بڑھ کر خدا ہے، نہ یہ کہ دوسرا خدا ہی نہیں، جیسے: "لا فتی إلّا علي، لا سيفَ إلّا ذو الفقار" وغیرہ محاوراتِ عرب سے روشن ہے۔

یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے، کہ ایسے مرتد ان لیام، مدعیانِ اسلام کے مکر واَوہام سے نجات وشفا ہے! وبالله التوفيق، والحمد لله رب العالمين!.

آیاتِ متشابہات کے باب میں اہلِ سنّت کا اعتقاد

قال الله تعالى: ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚؐ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[1] "موضح القرآن" میں اس کا ترجمہ یوں ہے: وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب، اس میں بعض آیتیں پکی ہیں، سو جڑ ہیں کتاب کی، اور دوسری ہیں کئی طرف ملتی، سو جن کے دل میں پھرے ہوئے، وہ لگتے ہیں ان کے ڈھب والیوں سے تلاش کرتے ہیں گمراہی، اور تلاش کرتے ہیں اُن کی کل بیٹھانی، اور ان کی کل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے، اور جو مضبوط علم والے ہیں، سو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے! سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور سمجھائے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے[2]۔

اور اس کے فائدے میں لکھا: اللہ صاحب فرماتا ہے، کہ ہر کلام میں اللہ نے بعضے باتیں رکھی ہیں، جن کے معنی صاف نہیں کھلتے، تو جو گمراہ ہو ان کے معنی عقل سے لگے پکڑنے، اور جو مضبوط علم رکھے وہ ان کے معنی اور آیتوں سے ملا کر سمجھے، جو جڑ کتاب کی ہے، اس کے مُوافق سمجھ پائے تو سمجھے، اور اگر نہ پائے تو اللہ پر چھوڑ دے، کہ وہی بہتر جانے! ہم کو ایمان سے کام ہے[3] انتہی۔

(۱) پ۳، سورۂ آل عمران: ۷۔
(۲) "موضح القرآن" ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر، ۱۲۱۰، ص ۷۲۔
(۳) "موضح القرآن" ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر، ۱۲۱۰، ص ۷۲۔

اقول: بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اتارا ہے ہدایت فرمانے، اور بندوں کو جانچنے آزمانے کو ﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ﴾[1] اسی قرآن سے بہتوں کو گمراہ فرمائے اور بہتیروں کو راہ دکھائے۔ اس ہدایت وضلالت کا بڑا منشا قرآن عظیم کی آیتوں کا دو قسم ہونا ہے: (۱) محکمات جن کے معنی صاف بے دقت ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی پاکی و بے نیازی، و بے مثلی کی آیتیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔ اور (۲) دوسری متشابہات جن کے معنی میں اشکال ہے، یا تو ظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا، جیسے حروف مقطعات الٓمّٓ وغیرہ، یا جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ عزّوجل پر محال ہے، جیسے ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾[2] یا ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾[3]۔

پھر جن کے دلوں میں کجی وگمراہی تھی، وہ تو ان کو اپنے ڈھب کا پا کر ان کے ذریعہ سے بے علموں کو بہکانے، اور دین میں فتنے پھیلانے لگے، کہ دیکھو قرآن میں آیا ہے: اللہ عرش پر بیٹھا ہے، عرش پر چڑھا ہوا ہے، عرش پر ٹھہر گیا ہے۔ اور آیاتِ محکمات جو کتاب کی جڑ تھیں، اُن کے ارشادوں سے بھلا دیے، حالانکہ قرآن عظیم میں تو استواء آیا ہے، اور اس کے معنی چڑھنا، بیٹھنا، ٹھہرنا ہو، جبکہ ضرور نہیں، یہ تو تمھاری اپنی سمجھ ہے جس کا حکم خدا پر لگا رہے ہو ﴿ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾[4]۔

اگر بالفرض قرآن مجید میں یہی الفاظ چڑھنا، بیٹھنا، ٹھہرنا آتے، تو قرآن ہی کے حکم سے فرض قطعی تھا، کہ انہیں ان ظاہری معنی پر نہ سمجھو، جو ان لفظوں سے ہمارے ذہن میں آتے ہیں: کہ یہ کام تو اَجسام کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جسم نہیں۔ مگر یہ لوگ اپنی گمراہی سے اسی معنی پر جم گئے، انہیں کو قرآن مجید نے فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ ﴾[5] ان کے دل پھرے ہوئے ہیں۔

اور جو لوگ علم میں پکے اور اپنے رب کے پاس سے ہدایت رکھتے تھے، وہ سمجھے کہ آیاتِ محکمات سے قطعاً ثابت ہے، کہ اللہ تعالیٰ مکان وجہت وجسم واَعراض سے پاک ہے، بیٹھنے چڑھنے سے منزّہ ہے، کہ یہ سب باتیں اس بے عیب کے حق میں عیب ہیں، جن کا بیان ان شاء اللہ المستعان عنقریب آتا ہے، اور وہ ہر عیب سے پاک ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی مخلوق عرش کی طرف حاجت نکلے گی، اور وہ ہر احتیاج سے پاک ہے، ان میں مخلوقات سے مشابہت ثابت ہوگی: کہ اٹھنا، بیٹھنا، چڑھنا، اترنا، سرکنا، ٹھہرنا اَجسام کے کام ہیں، اور وہ ہر مشابہتِ خلق سے پاک ہے، تو قطعاً یقیناً ان لفظوں کے ظاہری معنی جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں، ہرگز مراد نہیں، پھر آخر معنی کیا لیں؟ اس میں یہ ہدایت والے دو ۲ روش ہو گئے۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص ۴۸۳)

---

(۱) پ۱، البقرۃ: ۲۶۔

(۲) پ۱۶، طٰہٰ: ۵۔

(۳) پ۸، الاعراف: ۵۴۔

(۴) پ۱۲، یوسف: ۴۰۔

(۵) پ۳، آل عمران: ۷۔

ہمیں ہمارے رب تعالیٰ نے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا ہے

اکثر نے فرمایا کہ جب یہ ظاہری معنی قطعاً مقصود نہیں، اور تاویلی مطلب متعین و محدود نہیں، تو ہم اپنی طرف سے کیا کہیں؟ یہی بہتر کہ اس کا علم اللہ پر چھوڑیں، ہمیں ہمارے رب نے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا، اور ان کی تعیینِ مراد میں خوض کرنے کو گمراہی بتایا، تو ہم حد سے باہر کیوں قدم دھریں؟ اسی قرآن کے بتائے حصے پر قناعت کریں کہ ﴿اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾[1] "جو کچھ ہمارے مولیٰ کی مراد ہے، ہم اس پر ایمان لائے، محکم متشابہ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے"۔ یہ مذہب جمہور ائمہ سلف کا ہے، اور یہی اسلم واَولیٰ ہے، اسے مسلکِ تفویض و تسلیم کہتے ہیں، ان ائمہ نے فرمایا کہ استواء معلوم ہے، کہ ضرور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور کیف مجہول ہے: کہ اس کے معنی ہماری سمجھ سے وراء ہیں، اور ایمان اس پر واجب ہے: کہ نصِ قطعی قرآن سے ثابت ہے، اور سوال اس سے بدعت ہے: کہ سوال نہ ہوگا مگر تعیینِ مراد کے لیے، اور تعیینِ مراد کی طرف راہ نہیں۔

اور بعض نے خیال کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے محکم متشابہ دو قسمیں فرما کر، محکمات کو ﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾[2] فرمایا کہ "وہ کتاب کی جڑ ہیں" اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے، تو آیۂ کریمہ نے تاویلِ متشابہات کی راہ خود بتا دی، اور ان کی ٹھیک معیار ہمیں سمجھا دی، کہ ان میں وہ درست و پاکیزہ احتمالات پیدا کرو، جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق آجائیں، اور فتنہ و ضلال و باطل و محال راہ نہ پائیں۔ یہ ضرور ہے کہ اپنے نکالے ہوئے معنی پر یقین نہیں کرسکتے، کہ اللہ عزوجل کی یہی مراد ہے، مگر جب معنی صاف و پاکیزہ ہیں، اور مخالفتِ محکمات سے بری و منزّہ ہیں، اور محاوراتِ عرب کے لحاظ سے بن بھی سکتے ہیں، تو احتمالی طور پر بیان کرنے میں کیا حرج ہے؟! اور اس میں نفع یہ ہے کہ بعض عوام کی طبائع صرف اتنی بات پر مشکل سے قناعت کریں کہ "ان کے معنی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے" اور جب انہیں روکا جائے گا تو خواہ مخواہ ان میں فکر کی اور حرص بڑھے گی: «إنّ ابن آدم لحريص على ما منع»[3]۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۲۸۴)

آیتِ متشابہ میں علمائے متأخرین کی تاویلات، ان میں چار وجہیں نفیس و واضح ہیں

اور جب فکر کریں گے۔ فتنے میں پڑیں گے، گمراہی میں گریں گے، تو یہی انسب ہے کہ ان کی افکار ایک مناسب و ملائم معنی کی طرف (کہ محکمات سے مطابق، محاورات سے مُوافق ہوں) پھیر دی جائیں: کہ فتنہ و ضلال سے نجات پائیں۔ یہ مسلک بہت علمائے متأخرین کا ہے، کہ نظر بحالِ عوام اسے اختیار کیا ہے، اسے مسلکِ تاویل کہتے ہیں، یہ علماء بوجوہ کثیرہ تاویلِ آیت فرماتے ہیں: ان میں چار وجہیں نفیس و واضح ہیں:

---

(۱) پ۳، آل عمران: ۷۔

(۲) پ۳، آل عمران: ۷۔

(۳) رواه الطبراني، ومن طريقه الديلمي عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ.

اول: استواء بمعنی قہر و غلبہ ہے، یہ زبانِ عرب سے ثابت و پیدا ہے۔ عرش سب مخلوقات سے اوپر اور اونچا ہے، اس لیے اس کے ذکر پر اکتفا فرمایا، اور مطلب یہ ہوا کہ اللہ تمام مخلوقات پر قاہر و غالب ہے۔

دوم: استواء بمعنی علو ہے، اور علو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، نہ کہ علو مکان، بلکہ علو مالکیت و سلطان۔ یہ دونوں معنی امام بیہقی نے کتاب "الأسماء والصفات" میں ذکر فرمائے۔

سوم: استواء بمعنی قصد و ارادہ ہے، ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ یعنی "پھر عرش کی طرف متوجہ ہوا" یعنی اس کی آفرینش کا ارادہ فرمایا، یعنی اس کی تخلیق شروع کی۔ یہ تاویل امام اہلِ سنت امام ابو الحسن اشعری نے افادہ فرمائی۔ امام اسماعیل ضریر نے فرمایا کہ یہی ٹھیک ہے۔

چہارم: استواء بمعنی فراغ و تمامیٔ کار ہے، یعنی سلسلۂ خلق و آفرینش کو عرش پر تمام فرمایا، اس سے باہر کوئی چیز نہ پائی، دنیا و آخرت میں جو کچھ بنایا اور بنائے گا، دائرۂ عرش سے باہر نہیں؛ کہ وہ تمام مخلوق کو حاوی ہے۔ قرآن کی بہتر تفسیر وہ ہے جو قرآن سے ہو، استواء بمعنی تمامی خود قرآن عظیم میں ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى﴾[1] "جب اپنی قوت کے زمانے کو پہنچا، اور اس کا شباب پورا ہوا"۔

اسی طرح قولہ تعالیٰ: ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــٴَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾[2] اس میں استواء حالتِ کمال سے عبارت ہے، یہ تاویل امام حافظ الحدیث ابن الحجر عسقلانی نے امام ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال سے نقل کی، اور یہ کلام امام ابو طاہر قزوینی کا ہے کہ "سراج العقول" میں افادہ فرمایا، اور امام عبد الوہاب شعرانی کی کتاب "الیواقیت" میں منقول۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۲۸۵)

حلال کو حرام، یا حرام کو حلال جاننا کہاں کہاں کفر ہے؟

قرآن عظیم میں بے شک سب کچھ موجود ہے، مگر اسے کوئی نہ سمجھ سکتا، اگر حدیث اس کی شرح نہ فرماتی، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾[3] "تاکہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا"۔

اور حدیث بھی کوئی نہ سمجھ سکتا، اگر ائمۂ مجتہدین اس کی شرح نہ فرماتے۔ ان کی سمجھ میں مدارج مختلف ہیں، نبی ﷺ فرماتے ہیں: «رُبَّ مبلَّغٍ یبلغه أوعی له من سامع»[4] "بہت سے لوگ جن تک بات پہنچائی جاتی، وہ سننے والے سے زیادہ اس کو یاد رکھنے والے ہوتے ہیں"۔ اور فرماتے ہیں: «رُبَّ حاملِ فقهٍ إلی مَن هو أفقه منه»[5] "بہت سے فقہ

---

(۱) پ۲۰، قصص: ۱۴۔
(۲) پ۲۶، فتح: ۲۹۔
(۳) پ۱۴، نحل: ۴۴۔
(٤) "سنن ابن ماجه" باب من بلغ علماً، ص۲۱.
(٥) "سنن الترمذي" أبواب العلم، باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع، ۲/ ۹۰.

اٹھانے والوں سے وہ زیادہ فقیہ ہوتا ہے جس کو وہ پہنچاتے ہیں"۔ اس تفقہ فی الدین میں اختلاف مراتب باعث اختلاف ہوا، اور بوجہ مصلحت الٰہیہ احادیث مختلف آئیں، کسی صحابی نے کوئی حدیث سنی، اور کسی نے کوئی، اور وہ بلاد میں متفرق ہوئے، ہر ایک نے اپنا علم شائع فرمایا، یہ دوسرا باعث اختلاف ہوا۔ عبد اللہ بن عمر کا علم امام مالک کو آیا، اور عبد اللہ بن عباس کا امام شافعی کو، اور افضل العبادلہ عبد اللہ بن مسعود کا علم ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ کو، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حلال کو حرام، یا حرام کو حلال جاننا جو کفر کہا گیا ہے، وہ ان چیزوں میں ہے جن کا حرام یا حلال ہونا ضروریات دین سے ہے، یا کم از کم نصوص قطعیہ سے ثابت ہو۔ اجتہادی مسائل میں کسی پر طعن بھی جائز نہیں، نہ کہ (معاذ اللہ) ایسا خیال۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۳۹)

❀ ❀ ❀

Ataunnabi.com

ذات و صفاتِ باری تعالیٰ
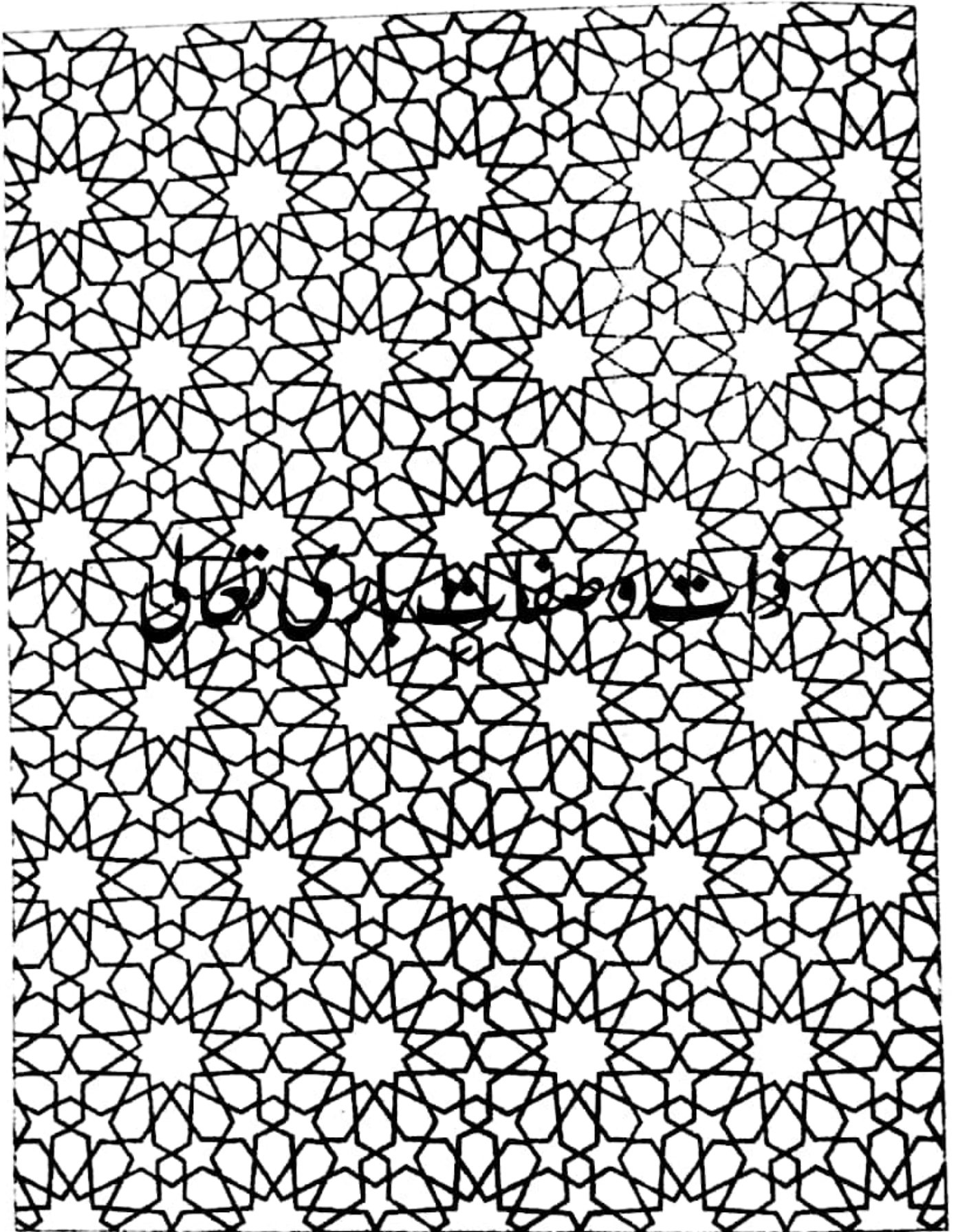
(۲) ذات وصفاتِ باری تعالیٰ

حضرت حق -سبحانه وتبارك وتعالى شأنه- واحد ہے، اپنی ربوبیت واُلوہیت میں، کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ یکتا ہے اپنے افعال میں، مصنوعات کو تنہا اسی نے بنایا۔ وہ اکیلا ہے اپنی ذات میں کوئی اس کا قسیم نہیں۔ یگانہ ہے اپنی صفات میں، کوئی اس کا شبیہ نہیں۔ ذات وصفات میں یکتا وواحد ہے، مگر نہ عدد سے[۱]۔

خالق ہے[۲] نہ علّت سے[۳]، فعّال ہے[۴] نہ جَوارح[۵] سے[۶] (جبکہ انسان اپنے ہر کام میں اپنے جَوارح، یعنی اعضائے بدن کا محتاج ہے، مثلاً: علم کے لیے دل ودماغ کا، دیکھنے اور سننے کے لیے آنکھ کان کا، لیکن خداوند قدّوس کہ ہر پست سے پست آواز کو سنتا، اور ہر باریک سے باریک کو (کہ خُوردبین سے محسوس نہ ہو) دیکھتا ہے، مگر کان آنکھ سے اس کا سننا دیکھنا اور زبان سے کلام کرنا نہیں؛ کہ یہ سب اَجسام ہیں، اور جسم وجسمانیت سے وہ پاک ہے[۷]۔

قریب ہے نہ مسافت سے[۸]، ملِک[۹] ہے مگر بے وزیر[۱۰]، والی[۱۱] بے مشیر[۱۲]۔ حیات وکلام وسمع وبصر وارادہ

---

(۱) کہ شمار وگنتی میں اس کے کوئی دوسرا اس کا ہم ثانی وجنس کہلا سکے، تو اللہ کے ساتھ، اس کی ذات وصفات میں، شریک کا وجود، محض وَہم انسانی کی ایک اختراع وایجاد ہے۔

(۲) ہر شے کا (ذوات ہوں خواہ افعال) سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔

(۳) اس کے افعال نہ علّت وسبب کے محتاج، نہ اس کے فعل کے لیے کوئی غرض، کہ غرض اس فائدہ کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رجوع کرے، اور نہ اس کے افعال کے لیے غایت، کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے۔

(۴) ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا۔

(۵) آلات

(۶) ہر شے کا (ذوات ہوں خواہ افعال) سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔

(۷) اپنے کمال قدرت وعلم ورحمت سے۔

(۸) کہ اس کا قُرب ناپ وپیمائش میں سما سکے۔

(۹) وسلطان وشہنشاہ زمین وآسمان۔

(۱۰) جیسا کہ سلاطین دنیا کے وزیر با تدبیر ہوتے ہیں، کہ اس کے امورِ سلطنت میں اس کا بوجھ اٹھاتے اور ہاتھ بٹاتے ہیں۔

(۱۱) ہے۔ مالک وحاکم علی الاطلاق ہے۔ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے مگر۔

(۱۲) نہ کوئی اس کو مشورہ دینے والا، نہ وہ کسی کے مشورہ کا محتاج، نہ کوئی اس کے ارادے سے اسے باز رکھنے والا، ولایت، ملکیت، مالکیت، حاکمیت، کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں، کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس ذات پاک پر دسترس نہیں، ملک وحکومت کا حقیقی مالک، کہ تمام موجودات اس کے تحتِ ملک وحکومت ہیں، اور اس کی مالکیت وسلطنت دائمی ہے، جسے زوال نہیں۔

وقدرت وعلم[1] وغیرہا[2] تمام صفاتِ کمال سے ازلاً ابداً موصوف ہے[3]۔ تمام شیون[4] وشین وعیب[5] سے اوّلاً وآخراً بری ہے[6]۔ ذاتِ پاک اس کی نِدّ وضد[7]، شبیہ ومثل[8]، کیف وکم[9]، شکل وجسم، وجہت ومکان وامَد[10] زمان سے منزہ ہے[11]۔ نہ والد ہے نہ مولود[12]، نہ کوئی شے اس کے جوڑ کی[13]۔ اور جس طرح ذاتِ کریم اس کی مناسبتِ ذوات سے جُدا ہے، اسی طرح صفاتِ کمالیہ اس کی مشابہتِ صفات سے معرّا ہیں[14]۔

مسلمان پر لا إله إلّا الله ماننا، الله ﷻ کو احد، صمد، لاشریک لہ جاننا فرضِ اوّل ومدارِ ایمان ہے، کہ الله ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں؛ کہ لا إله إلّا الله[15]۔

---

(۱) (کہ اس کے صفاتِ ذاتیہ ہیں، اور ان کے علاوہ تکوین وتخلیق ورزّاقیت، یعنی مارنا، جلانا، صحت دینا، بیمار کرنا، غنی کرنا، فقیر کرنا، ساری کائنات کی تربیت فرمانا، اور ہر چیز کو بتدریج اس کی فطرت کے مطابق کمالِ مقدار تک پہنچانا، انہیں ان کے مناسبِ احوال روزی رزق مہیا کرنا)۔

(۲) (صفات جن کا تعلق مخلوق سے ہے، اور جنہیں صفاتِ اضافیہ اور صفاتِ فعلیہ بھی کہتے ہیں، اور جنہیں صفاتِ تخلیق وتکوین کی تفصیل سمجھنا چاہیے، اور صفاتِ سلبیہ یعنی وہ صفات جن سے الله تعالیٰ کی ذات منزّہ اور مبرّا ہے، مثلاً وہ جاہل نہیں، عاجز نہیں، بے اختیار وبے بس نہیں، کسی کے ساتھ متحد نہیں، جیسا کہ برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتا ہے، غرض وہ اپنی صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ اضافیہ اور صفاتِ سلبیہ)۔

(۳) (اور جس طرح اس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے، اس کی تمام صفات قدیم ازلی ابدی ہیں، اور ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے سوا سب چیزیں حادث ونو پید ہیں، یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں، صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے، یا حادث بتائے، گمراہ بے دین ہے۔ اس کی ذات وصفات)۔

(۴) (تمام نقائص تمام کوتاہیوں سے)۔

(۵) (ہر قسم کے نقص ونقصان)۔

(۶) (کہ جب وہ مجمع ہے تمام صفاتِ کمال کا، جامع ہے ہر کمال وخوبی کا، تو کسی عیب کسی نقص، کسی کوتاہی کا اس میں ہونا محال ہے، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو نہ نقصان، وہ بھی اس کے لیے محال ہے)۔

(۷) (نظیر ومقابل)۔

(۸) (مشابہ ومماثل)۔

(۹) (کیفیت ومقدار)۔

(۱۰) (قامت واتجاہ اور)۔

(۱۱) (جب عقیدہ یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ قدیم ازلی ابدی ہے، اور اس کی تمام صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں، تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ان تمام چیزوں سے جو حادث ہیں، یا جن میں مکانیت ہے، یعنی ایک جگہ سے دوسری طرف نقل وحرکت، یا ان میں کسی قسم کا تغیر پایا جاتا، یا اس کے اوصاف کا متغیر ہونا، یا اس کے اوصاف کا مخلوق کے اوصاف کے مانند ہونا، یہ تمام امور اس کے لیے محال ہیں، یا یوں کہیے کہ ذاتِ باری تعالیٰ ان تمام حوادث وحوائج سے پاک ہے جو خاصۂ بشریت ہیں)۔

(۱۲) (نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، کیونکہ کوئی اس کا مجانس وہم جنس نہیں، اور چونکہ وہ قدیم ہے، اور پیدا ہونا حادث ومخلوق کی شان)۔

(۱۳) (یعنی کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ مثل ونظیر وشبیہ سے پاک ہے اور اپنی ربوبیت والوہیت میں صفاتِ عظمت وکمال کے ساتھ موصوف ہے)۔

(۱۴) (اس کا ہر کمال عظیم اور ہر صفت عالی ہے، کوئی مخلوق کیسی ہی اشرف واعلیٰ ہو، اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ میں نہیں ہو سکتی)۔

(۱۵) (الله ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں)۔

نہ صفات میں کہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[1] "اس جیسا کوئی نہیں"۔
نہ اسماء میں کہ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾[2] "کیا اس کے نام کا دوسرا جانتے ہو؟"۔
نہ احکام میں کہ ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾[3] "اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا"۔
نہ افعال میں کہ ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾[4] "کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟"۔
نہ سلطنت میں کہ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾[5] "اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں"۔

تو جس طرح اس کی ذات اوروں کی ذاتوں کے مشابہ نہیں، یونہی اس کی صفات بھی صفاتِ مخلوق کے مماثل نہیں۔
اور یہ جو ایک ہی نام کا اطلاق اس پر اور اس کی کسی مخلوق پر دیکھا جاتا ہے، جیسے علیم، حکیم، کریم، سمیع، بصیر اور ان جیسے اور، تو یہ محض لفظی موافقت ہے، نہ کہ معنوی شرکت۔ اس میں حقیقی معنی میں کوئی مشابہت نہیں، ولہذا اختلاف: اوروں کے علم وقدرت کو اس کے علم وقدرت سے[6] فقط ع ل م - ق د ر ت میں مشابہت ہے۔[7] اس[8] سے آگے[9] اس کی تعالی وتکبر[10] کا سراپردہ کسی کو بار نہیں دیتا[11]، پرندہ وہاں پر نہیں مار سکتا، کوئی اس میں دخل انداز نہیں۔ تمام عزتیں اس کے حضور پست[12]، اور سب ہستیاں اس کے آگے نیست[13]؛ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾[14] "بقا صرف اس کی وجہ کریم کے لیے ہے، باقی سب کے لیے فنا"۔ باقی [ﷻ] باقی، باقی [سب] فانی۔

---

(۱) پ۲۵، الشوریٰ: ۱۱۔
(۲) پ۱۶، مریم: ۶۵۔
(۳) پ۱۵، الکہف: ۲۶۔
(۴) پ۲۲، فاطر: ۳۔
(۵) پ۱۸، الفرقان: ۲۔
(۶) (محض لفظی یکسانی)۔
(۷) (نہ کہ شرکتِ معنوی)۔
(۸) (اسمی ولفظی موافقت)۔
(۹) (قدم بڑھے تو)۔
(۱۰) (برتری وکبریائی)۔
(۱۱) (اور کوئی اس شاہی بارگاہ کے اندر کبھی نہیں پہنچ سکتا)۔
(۱۲) (فرشتے ہوں یا جن یا انسان یا اور کوئی مخلوق، کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں، سب اس کے فضل کے محتاج ہیں، اور زبانِ حال وقال سے اپنی حاجتوں کے معترف ہیں، اور اس کے حضور سائل ہیں، اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں، اور ساری مخلوقات چاہے وہ سفلی ہوں یا علوی، اپنی اپنی حاجتیں اور مرادیں اسی حق تعالیٰ سے طلب کرتی ہیں)۔
(۱۳) (نہ کوئی مستقل ہستی نہ کوئی وجود)۔
(۱۴) پ۲۰، القصص: ۸۸۔

وجود واحد [1]، موجود واحد [2]، باقی سب اعتبارات ہیں [3]۔ ذرّاتِ اکوان [4] کو اس کی ذات سے ایک نسبت مجہولۃُ الکیف ہے [5]، جس کے لحاظ سے مَن و تُو [6] کو موجود و کائن کہا جاتا ہے [7]۔ [8] اور اس کے آفتابِ وجود کا ایک پرتَو، ایک ظل، ایک عکس، ایک شُعاع ہے، کہ کائنات کا ہر ذرّہ نگاہِ ظاہر میں جلوہ آرائیاں کر رہا ہے [9]۔ اگر اس نسبت و پرتَو سے [10] قطع نظر کی جائے [11] تو عالَم ایک خوابِ پریشان کا نام رہ جائے، ہُو کا میدان، عدمِ بحت کی طرح سُنسان [12]۔

موجود واحد ہے، نہ وہ واحد جو چند [13] سے مل کر مرکّب ہوا [14]، نہ وہ واحد جو چند کی طرف تحلیل پائے [15]، نہ وہ واحد جو

---

(۱) (اسی حیّ و قیّوم ازلی ابدی کا)۔
(۲) (وہی ایک حیّ و قیّوم ازلی ابدی)۔
(۳) (اعتبار کیجیے تو موجود، ورنہ محض معدوم)۔
(۴) (یعنی موجودات کے ذرّہ ذرّہ)۔
(۵) (نامعلوم الکیفیت)۔
(۶) (ما و شما و ایں و آں)۔
(۷) (اور ہست و بود سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔
(۸) (اگر اس نسبت کا قدم درمیان سے اٹھا لیں، ہست نیست، اور بود نابود ہو جائے، کسی ذرّۂ موجود کا وجود نہ رہے؛ کہ اس پر ہستی کا اطلاق روا ہو۔
(۹) (اور اس تماشاگاہِ عالَم کے ذرّہ ذرّہ سے اس کی قدرتِ کاملہ کے جلوے ہُویدا ہیں)۔
(۱۰) (کہ ہر ذرّۂ کون و مکان کو اس آفتابِ وجود حقیقی سے حاصل ہے)۔
(۱۱) (اور ایک لحظہ کو اس سے نگاہ ہٹالی جائے)۔
(۱۲) (محض معدوم و یکسر ویران، تو مرتبۂ وجود میں صرف ایک ذاتِ حق ہے، باقی سب اسی کے پرتَوِ وجود سے موجود ہیں، مرتبۂ کون میں نورِ ابدی آفتاب ہے، اور تمام عالَم اس کے آئینے، اس نسبتِ فیضان کا قدم درمیان سے نکال لیں، تو عالَم دفعۃً فنائے محض ہو جائے؛ کہ اسی نور کے متعدد پرتَووں نے بے شمار نام پائے ہیں، ذاتِ باری تعالیٰ واحد حقیقی ہے، تغیّر و اختلاف کو اصلاً اس کے سراپردۂ عزّت کے گرد بار نہیں۔ یہ مَظاہر کے تعدُّد سے یہ مختلف صورتیں، بے شمار نام، بے حساب آثار پیدا ہیں، نورِ اَحدیت کی تابش غیر محدود ہے۔ اور چشمِ جسم و چشمِ عقل دونوں وہاں نابینا ہیں، اور اس سے زیادہ بیان سے باہر، عقل سے وراء ہے)۔
(۱۳) (اَبعاض و اجزاء)۔
(۱۴) (اور شئے واحد کا نام اس پر روا ٹھہرا)۔
(۱۵) (جیسا کہ انسانِ واحد یا شئے واحد کہ گوشت پوست و خون و استخوان وغیرہا اجزاء و اَبعاض سے ترکیب پاکر مرکّب ہوا اور ایک کہلایا، اور اس کی تحلیل و تجزی اور تجزیہ، انہیں اعضاء و اجزاء و اَبعاض کی طرف ہوگا جن سے اس نے ترکیب پائی اور مرکّب کہلایا؛ کہ یہی جسم کی شان ہے، اور ذاتِ باری تعالیٰ عزّ شانہ جسم و جسمانیات سے پاک و منزّہ ہے)۔

بہ تہمت حلول عینیت[۱] اوجِ وحدت[۲] سے حضیض اثنینیت[۳] میں اتر آئے، ھو ولا موجودَ إلا ھو. آیۂ کریمہ ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[۴] "پاکی اور برتری ہے اسے ان شریکوں سے" جس طرح شرک فی الالوہیۃ کو رد کرتی ہے[۵] ﴿هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾[۶] "وہی آسمان والوں کا خدا ہے، اور وہی زمین والوں کا خدا ہے"، تو نفس الوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک کیا ہوتا؟! اس کی صفاتِ کمال میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾[۷] "اس جیسا کوئی نہیں"، یونہی[۸] اشتراک فی الوجود کی نفی فرماتی ہے[۹] ؏

غیرتش غیر در جہاں نہ گزاشت

لا جرم عین جملہ معنی شد[۱۰]

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۲۹)

اللہ رب العزت مکان و تمکن سے پاک ہے، نہ عرش اس کا مکان ہے نہ دوسری جگہ

وہ مکان و تمکن سے پاک ہے، نہ عرش اس کا مکان ہے نہ دوسری جگہ۔ عرش و فرش سب حادِثات ہیں، اور وہ قدیم ازلی اَبدی سَرمدی ہے۔ جب تک یہ کچھ نہ تھے کہاں تھا؟ جیسا جب تھا ویسا ہی اَب ہے، اور جیسا اَب ہے ویسا ہی اَبدالآباد تک رہے گا۔ عرش و فرش سب متغیر ہیں، حادِث ہیں، فانی ہیں، اور وہ اور اس کی صفات تغیر و حدوث و فنا سب سے پاک ہیں۔ اِستواء پر اجماع نقل کرنے کی کیا حاجت! خود رحمن عزوجل فرماتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾[۱۱] مگر اعتقاد اہل سنت کا وہ ہے جو ان کے رب عزوجل نے راسخین في العلم کو تعلیم فرمایا: ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

(۱) (کہ اس کی ذات قدسی صفات پر یہ تہمت لگائی جائے، کہ وہ کسی چیز میں حلول کیے ہوئے، یا اس میں سمائی ہوئی ہے، یا کوئی چیز اس کی ذاتِ اَحدیت میں حلول کیے ہوئے، اور اس میں پیوست ہے، اور یوں [معاذ اللہ] وہ)۔

(۲) (وحدانیت و یکتائی کی رفعتوں)۔

(۳) (دوئی اور اشتراک کی پستیوں)۔

(۴) پ۲۱، روم: ۴۰۔

(۵) (اور بتاتی ہے کہ خداوند قدوس کی خدائی، اور اس معبود برحق کی الوہیت و ربوبیت میں کوئی شریک نہیں۔

(۶) پ۲۵، زخرف: ۸۴۔

(۷) پ۵، نساء: ۱۳۔

(۸) (یہ آیت کریمہ)۔

(۹) (تو اس کی ذات بھی منزہ اور اس کی تمام صفاتِ کمال بھی مبرا ہے، ان تمام نالائق امور سے جو اہلِ شرک وجاہلیت اس کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ وجود اسی ذات برحق کے لیے ہے، باقی سب ظلال و پرتو ہیں)۔

(۱۰) (اور وحدت الوجود کے جتنے معنی، اور جس قدر مفاہیم عقل میں آسکتے ہیں، وہ یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد باقی سب اسی کے مظاہر اور آئینے ہیں، کہ اپنی صفات میں اصلاً وجود و ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے، اور حاش ثم حاش! یہ معنی ہرگز نہیں کہ من و تو ما و شما سب خدا ہیں، ہر شے خدا ہے، یہ اہلِ اتحاد کا قول ہے، جو ایک فرقہ کافروں کا ہے۔ اور پہلی بات مذہب ہے اہلِ توحید کا، کہ اہلِ اسلام و صاحبِ ایمان حقیقی ہیں)۔

(۱۱) پ۱۶، طٰہٰ: ۵۔

رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴾[1]۔ اعتقاد اہل سنت کا وہ ہے جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: «الاستواء معلوم، والکیف مجہول، والایمان بہ واجب، والسؤال عنہ بدعۃ»[2]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۷۵)

اللہ تعالیٰ زمان و مکان و جہت سے پاک ہے

عقیدہ: اللہ عزوجل زمان و مکان و جہت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار بے جہت و بے محاذات حق ہے

عقیدہ: اللہ تعالیٰ کا دیدار بے جہت و بے محاذات حق ہے۔ یہ ضرور اہل سنت کے عقیدے ہیں، جو ان کو "بدعت حقیقیہ" کے قبیل سے کہے، وہ گمراہ بددین ہے۔

اللہ عزوجل کا علم غیب اور تمام صفاتِ ذاتیہ، ازلی ابدی لازمِ ذاتِ الٰہی ہیں

عقیدہ: اللہ عزوجل کا علم غیب اور تمام صفاتِ ذاتیہ، ازلی ابدی لازمِ ذاتِ الٰہی ہیں۔ اس سے پاک ہیں کہ ان کا ہونا یا نہ ہونا اختیار میں ہو۔ اس کی شان یہ بتانا کہ "غیب کا دریافت کرنا اس کے اختیار میں ہے، جب چاہے کرلے" یہ کہنا گویا صاف صاف خدا کو جاہل یا جاہل بتانا اور کھلا کفر ہے۔

اللہ عزوجل پر کذب اور ہر عیب محال بالذات ہے، جو اس کا کذب ممکن جانے وہ گمراہ ہے

عقیدہ: اللہ عزوجل پر کذب اور ہر عیب محال بالذات ہے، جو اس کا کذب ممکن جانے وہ گمراہ ہے۔ مسئلہ "خلفِ وعید" کو اس سے کچھ تعلق نہیں، اس بنا پر امکان کذب کو ائمہ اہل سنت میں مختلف فیہ ماننا، بڑے بدعقل اور بددین کا کام ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کا جہل ممکن مانے اس پر کفر لازم ہے

عقیدہ: جو کہے کہ "اللہ تعالیٰ کا جہل ممکن ہے" اس پر کفر لازم ہے۔

جو کہے کہ "بندہ جو کچھ اپنے لیے کرسکے، خدا بھی وہ سب اپنے لیے کرسکتا ہے" وہ بے ایمان ہے

عقیدہ: جو کہے کہ "بندہ جو کچھ اپنے لیے کرسکے، خدا بھی وہ سب کچھ اپنے لیے کرسکتا ہے" مثلاً چوری، شراب خوری وغیرہ وغیرہ، ایسا کہنے والا بے ایمان ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۱۵)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ابدی، غیر مخلوق، ناممکن الانفکاک ہے

عقیدہ: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی، ابدی، غیر مخلوق، ناممکن الانفکاک ہے۔ بندوں کو بھلا دینے سے وہ سلب نہیں ہوسکتا، نہ بھلا دینے کے بعد اس کی کوئی بات خلاف ہونی ممکن ہے، جو کہے کہ "خبر الٰہی کا خلاف بعد فراموشی قرآن واقع ہو، تو کسی نص کی تکذیب نہ ہوگی" وہ سخت کذاب بددین ہے۔

---

(۱) پ۳، آل عمران: ۷۔

(۲) "الدر المنثور" تحت الآیۃ، ۲/ ۵۲۔ ۳/ ۲۲۹۔ "فتح الباری" کتاب التوحید، باب قولہ وکان عرشہ علی الماء، ۱۷/ ۱۷۷

کذب جیسے بدترین عیب سے اللہ تعالی کی ذات پاک ومنزہ ہے

أقول وباللہ التوفیق، وبه الوصول إلى ذری التحقیق: مسلمان کا ایمان ہے کہ مولی ﷻ کی سب صفات، صفات کمال وبروجہ کمال ہیں، جس طرح کسی صفت کمال کا سلب اس سے ممکن نہیں، یونہی (معاذاللہ) کسی صفت نقص کا ثبوت بھی امکان نہیں رکھتا۔ اور صفت کا بروجہ کمال ہونا یہ معنی کہ جس قدر چیزیں اس کے تعلق کی قابلیت رکھتی ہیں، ان کا کوئی ذرہ اس کے احاطہ ودائرہ سے خارج نہ ہو، نہ یہ کہ موجود ومعدوم وباطل وموہوم میں کوئی شے ومفہوم بے اس کے تعلق کے نہ رہے، اگرچہ وہ اصلاً صلاحیت تعلق نہ رکھتی ہو، اور اس صفت کے دائرہ سے محض اجنبی ہو۔ اب احاطہ ودوائر کا تفرقہ دیکھیے:

(۱) خالق کبیر ﷻ فرماتا ہے: ﴿خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ﴾[1] "وہ ہر چیز کا بنانے والا ہے، تو اسے پوجو!"۔ یہاں صرف حوادث مراد ہیں، کہ قدیم یعنی ذات وصفات باری تعالی عزمجدہ مخلوقیت سے پاک۔

(۲) سمیع وبصیر جل مجدہ فرماتا ہے: ﴿إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ﴾[2] "وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے"۔ یہ تمام موجودات قدیمہ وحادثہ سب کو شامل ہے، مگر معدومات خارج ہیں یعنی مطلقاً۔ یا جس چیز نے ازل سے ابد تک کسوتِ وجود نہ پہنی، نہ ابد تک پہنے گا، وہ بھی خارج ہے؛ کہ ابصار کی صلاحیت موجود ہی میں ہے، جو اصلاً ہے ہی نہیں وہ نظر کیا آئے گا! تو نقصان جانب قابل ہے، نہ کہ جانب فاعل۔

(۳) قوی قدیر ﷻ فرماتا ہے: ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[3] "وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے"۔ یہ موجود ومعدوم سب کو شامل ہے، بشرط حدوث وامکان؛ کہ واجب ومحال اصلاً لائق مقدوریت نہیں۔

(۴) علیم خبیر عز شانہ فرماتا ہے: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾[4] "وہ ہر چیز کو جانتا ہے"۔ یہ کلیۃً واجب وممکن وقدیم وحادث، موجود ومعدوم ومفروض وموہوم، غرض ہر شے ومفہوم کو قطعاً محیط ہے، جس کے دائرے سے اصلاً کچھ خارج نہیں۔ یہ ان عمومات سے ہے جو عموم قضیہ ما من عامّ إلّا وقد خُصّ منه البعض سے مخصوص ہیں۔

اب دیکھیے! لفظ چاروں جگہ ایک ہے، یعنی کل شيء۔ مگر ہر صفت نے اپنے ہی دائرے کی چیزوں کو احاطہ[5] فرمایا جو اس کے قابل، اور اس کے احاطہ میں داخل تھیں، تو جس طرح ذات وصفات خالق کا دائرۂ خلق میں نہ آنا (معاذاللہ) عموم

---

(۱) پ۷، الانعام: ۱۰۲۔
(۲) پ۲۹، الملک: ۱۹۔
(۳) پ۶، المائدۃ: ۱۲۰ و پ۱۱، ہود: ۴۔
(۴) پ۱، البقرۃ: ۲۹، ۶/۱۰۱۔
(۵) أي: شملت ما في دائرتها، وإن لم يشمله اللفظُ كما في العلم، ولم تشمل ما ليس فيها، وإن شمله اللفظُ كما في الخلق، وذلك أنّ الشيءَ عندنا يختصّ بالموجود، قال تعالى: ﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾ [پ۱۶، مریم: ۶۷] ويعمّ الواجب، قال تعالى: ﴿أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ﴾ فافهم. منه [أي: من الإمام أحمد رضا] رحمه الله.

خالقیت میں نقصان نہ لایا، نقصان جب تھا کہ کوئی مخلوق اِحاطہ سے باہر رہتا، یا معدومات کا دائرہ اِبصار سے مہجور رہتا (عیاذاً باللہ)، اِحاطہ بصرِ الٰہی میں باعثِ فتور نہ ہوا، فتور جب ہوتا کہ کوئی مبصَر خارج رہ جاتا۔

اسی طرح صفتِ قدرت کا کمال یہ ہے، کہ جو شے اپنی حدِ ذات[۱] میں ہونے کے قابل ہے، اس سب پر قادر ہو، کوئی ممکن اِحاطۂ قدرت سے جُدا نہ رہے۔ نہ یہ کہ واجبات و مُحالاتِ عقلیّہ کو بھی شامل ہو، جو اصلاً تعلّقِ قدرت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ سبحان اللہ! مُحال کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی طرح موجود نہ ہو سکے، اور مقدور وہ کہ قادر چاہے تو موجود ہو جائے۔ پھر دونوں کیونکر جمع ہو سکتے ہیں؟ اور اس کے سبب یہ سمجھنا کہ "کوئی شے دائرۂ قدرت سے خارج رہ گئی"، محض جہالت ہے؛ کہ مُحالات مصداق وذات سے بہرہ ہی نہیں رکھتے، حتی کہ فرض و تجویزِ عقلی[۲] میں بھی نہیں، تو اصلاً یہاں کوئی شے تھی ہی نہیں جسے قدرت شامل نہ ہوئی، یا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾[۳] کے عموم سے رہ گئی۔

یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ مُغْوِیانِ تازہ جو اسی مسئلۂ کذب و دیگر نقائص وغیرہا کی بحث میں بے علموں کو بہکاتے ہیں، کہ مثلاً "کذب یا فُلاں عیب یا فُلاں بات پہ اللہ عزّوجلّ کو قادر نہ مانا تو (معاذ اللہ) عاجز ٹھہرا، اور ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾[۴] کا انکار ہوا"۔ یہ ان ہوشیاروں کی محض عیّاری و تزویر، اور بے چارے عوام کو بھڑکانے کی تدبیر ہے۔ أیّھا المسلمون! قدرتِ الٰہی صفتِ کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے، نہ کہ (معاذ اللہ) صفتِ نقص و عیب، اور اگر مُحالات پر قدرت مانیے تو ابھی انقلاب ہوا جاتا ہے!۔

وجہ سنیے! جب کسی مُحال پر قدرت مانی، اور مُحال مُحال سب ایک سے ہیں۔ مع ھذا تمھارے جاہلانہ خیال پر جس مُحال کو مقدور نہ کہیے، اتنا ہی عجز و قصور سمجھیے، تو واجب کہ سب مُحالات زیرِ قدرت ہوں، اور مِنجملۂ مُحالات سَلبِ قدرتِ الٰہیہ بھی ہے، تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کھو دینے، اور اپنے آپ کو عاجزِ محض بنا لینے پر قادر ہو، اچھا عمومِ قدرت مانا، کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی! یونہی مِنجملۂ مُحالات عدمِ باری عزّوجلّ ہے، تو اس پر بھی قدرت لازم۔ اب باری جلّ وعلا (عیاذاً باللہ) واجب الوجود نہ ٹھہرا! تعمیمِ قدرت کی بدَولت اُلوہیت ہی پر ایمان گیا، تعالی اللہ عمّا یقول الظالمون عُلوّاً کبیراً۔

پس بحمد اللہ ثابت ہوا کہ مُحال پر قدرت ماننا (قطعِ نظر اس سے کہ خود قول بالمحال ہے) جنابِ باری عزّ اسمہ کو سخت عیب لگاتا ہے، اور تعمیمِ قدرت کے پردے میں اصل قدرت، بلکہ نفسِ اُلوہیت سے منکر ہو جاتا ہے!۔

للہ انصاف! حضرات کے یہ تو حالات! اور اہلِ سنّت پر (معاذ اللہ) عجزِ باری عزّوجلّ ماننے کے اِلزامات ...! ہمارے دینی بھائی اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیں؛ کہ حضرات کے مغالطہ و تلبیس سے امان میں رہیں، واللہ الموفّق!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۹۹)

---

(۱) يشير إلى أنّ مصحّح المقدورية نفس الإمكان الذاتي. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۲) أورده تفسيرًا للمراد بالفرض. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۳) پ۱، البقرة: ۲۰۔

(۴) پ۱، البقرة: ۲۰۔

تنزیہ اوّل ارشاداتِ علماء میں:

نصوصِ ائمہ وکلماتِ علماء کہ اللہ تعالیٰ کا جہل یا کذب دونوں مُحال ہیں

نص ۱: "شرح مقاصد" کے مبحث کلام میں ہے کہ "جھوٹ بہ اجماعِ علماء مُحال ہے؛ کہ وہ بہ اتفاقِ عقلاء عیب ہے، اور عیب اللہ تعالیٰ پر مُحال ہے" اھ ملخصاً۔

نص ۲: اسی کی بحث حُسن وقبح میں ہے کہ "ہم بحثِ کلام میں ثابت کر آئے، کہ اللہ عزّوجلّ پر کذب مُحال ہے"۔

نص ۳: اسی کی بحث تکلیف بالمحال میں ہے کہ "اللہ ﷻ کا جہل یا کذب دونوں مُحال ہیں، بر تری ہے اسے ان سے"۔

نص ۴: اسی میں ہے کہ "یعنی خبرِ الٰہی میں کذب پر بے شمار خرابیاں، اور اسلام میں آشکارا طعن لازم آئیں گے، فلاسفہ حشر میں گفتگو لائیں گے، ملحدین اپنے مکابروں کی جگہ پائیں گے، کفار کا ہمیشہ آگ میں رہنا کہ بالاجماع یقینی ہے، اس پر سے یقین اٹھ جائیں گے، کہ اگرچہ خدا نے صریح خبریں دیں، مگر ممکن ہے کہ واقع نہ ہوں۔ اور جب یہ اُمور یقیناً باطل ہیں، تو ثابت ہوا کہ خبرِ الٰہی میں کذب کو ممکن کہنا باطل ہے" اھ ملتقطاً۔

نص ۵: "شرح عقائد نسفی" میں ہے کہ "کلامِ الٰہی کا کذب مُحال ہے" اھ ملخصاً۔

نص ۶: "طوالع الانوار" کی فرع متعلق بہ بحث کلام میں ہے کہ "جھوٹ عیب ہے، اور عیب اللہ تعالیٰ پر مُحال ہے"۔

نص ۷: "مواقف" کی بحث کلام میں ہے کہ "اہلِ سنّت و معتزلہ سب کا اتفاق ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا کذب مُحال ہے، معتزلہ تو اس لیے مُحال کہتے ہیں کہ کذب بُرا ہے اور اللہ تعالیٰ بُرا فعل نہیں کرتا۔ اور ہم اہلِ سنّت کے نزدیک اس دلیل سے ناممکن ہے کہ کذب عیب ہے، اور ہر عیب اللہ تعالیٰ پر بالاجماع مُحال ہے"۔

نص ۸: "مواقف" و"شرح مواقف" کی بحثِ حُسن وقبح میں ہے کہ "یعنی ہم اَشاعرہ کے نزدیک کذبِ الٰہی مُحال ہونے کی دلیل قبحِ عقلی نہیں ہے؛ کہ اس کے عدم سے لازم آئے کہ کذبِ الٰہی مُحال نہ جانا جائے، بلکہ اس کے لیے دوسری دلیل ہے کہ اوپر گزری، یعنی وہی کہ جھوٹ عیب ہے، اور اللہ تعالیٰ میں عیب مُحال ہے"۔

نص ۹: انہیں کی بحثِ معجزات میں ہے کہ "ہم موقفِ الٰہیات سے مسئلۂ کلام میں بیان کر آئے، کہ اللہ تعالیٰ کا کذب زنہار ممکن نہیں"۔

نص ۱۰: امام محقّق علی الاطلاق کمال الدّین محمد "مُسایرہ" میں فرماتے ہیں کہ "جتنی نشانیاں عیب کی ہیں، جیسے جہل وکذب، سب اللہ تعالیٰ پر مُحال ہیں"۔

نص ۱۱: علّامہ کمال الدّین محمد بن محمد ابن ابی شریف قدس سرہ اس کی "شرح مُسامرہ" میں فرماتے ہیں کہ "اشاعرہ وغیر اشاعرہ کسی کو اس میں خلاف نہیں، کہ جو کچھ صفت عیب ہے، باری تعالیٰ اس سے پاک ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ پر ممکن نہیں، اور کذب صفتِ عیب ہے"۔

نص ۱۲: امام فخر الدّین رازی "تفسیر کبیر" میں فرماتے ہیں: "قولہ تعالیٰ: ﴿ فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ ﴾ اللہ تعالیٰ کا

فرماتا کہ "اللہ ہرگز اپنا عہد جھوٹا نہ کرے گا" دلالت کرتا ہے کہ مولیٰ ﷻ اپنے ہر وعدہ و وعید میں جھوٹ سے منزّہ ہے۔ ہمارے اصحاب اہلِ سنّت وجماعت اس دلیل سے کذبِ الٰہی کو ناممکن جانتے ہیں؛ کہ وہ صفت نقص ہے، اور اللہ تعالیٰ پر نقص محال ہے، اور معتزلہ اس دلیل سے ممتنع مانتے ہیں کہ کذب قبیح لذاتہ ہے، تو باری تعالیٰ سے صادر ہونا محال ہے، غرض ثابت ہوا کہ کذبِ الٰہی اصلاً امکان نہیں رکھتا"۔

نص ۱۳: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾[1] "پوری ہے بات تیرے رب کی سچ اور انصاف میں، کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتوں کا، اور وہی ہے سنتا جانتا"۔ امام رازی اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ "یہ آیت ارشاد فرماتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بہت صفتوں سے موصوف ہے، ازاں جملہ اس کا سچا ہونا ہے، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ کذب عیب ہے، اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے"۔

نص ۱۴: یہیں فرماتے ہیں کہ "دلائل قرآن وحدیث کا صحیح ہونا اس پر موقوف ہے، کہ کذبِ الٰہی محال مانا جائے۔

نص ۱۵: زیرِ قولہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ﴾[2] بعض تمسّکاتِ معتزلہ کے رد میں فرماتے ہیں کہ "اہلِ سنّت نے جواب دیا، کہ کذبِ الٰہی محال ہے"۔

نص ۱۶: علّامہ سعد تفتازانی "شرح مقاصد" میں انہیں امام ہُمام سے ناقل کہ "کلامِ خدا کا صدق جبکہ ہم اہلِ سنّت کے نزدیک اَزَلی ہے، تو اس کا کذب محال ہوا؛ کہ جس چیز کا قِدم ثابت ہے، اس کا عدم محال ہے"۔

تنبیہ: انہیں امام علّام کا ارشاد ہے کہ "کذبِ الٰہی کا جواز ماننا قریب بکفر ہے"۔

نص ۱۷: "تفسیر بیضاوی شریف" میں ہے: "﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ اللہ تعالیٰ اس آیت میں انکار فرماتا ہے اس سے کہ کوئی شخص اللہ سے زیادہ سچا ہو؛ کہ اس کی خبر تک تو کذب کو کسی طرح راہ ہی نہیں؛ کہ کذب عیب ہے، اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے"۔

نص ۱۸: "تفسیر مدارک شریف" میں ہے: "﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ آیت میں اِستفہام انکاری ہے، یعنی خبر ووعدہ ووعید، کسی بات میں کوئی شخص اللہ سے زیادہ سچا نہیں؛ کہ اس کا کذب تو محال بالذات ہے؛ کہ خود اپنے معنی ہی کے رُو سے قبیح ہے، کہ خلافِ واقع خبر دینے کا نام ہے"۔

نص ۱۹: "تفسیر علّامہ ابو جود سیّدی ابی السعود عمادی" میں ہے: "﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ آیت میں انکار ہے اس کا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو، وعدہ میں یا اَور کسی خبر میں، اور بیان ہے اس زیادت کے محال ہونے کا، اور کیوں نہ محال ہو؛ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب تو ممکن ہی نہیں بہ خلاف اَوروں کے"۔

نص ۲۰: "تفسیر روح البیان" میں ہے: "﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ آیت اس امر کا انکار فرماتی ہے کہ کوئی

(۱) پ۸، الانعام: ۱۱۵۔
(۲) پ۱۶، مریم: ۳۵۔

شخص صدق میں اللہ تعالیٰ سے زائد ہو؛ کہ کذب عیب ہے، اور وہ خدا پر مُحال ہے، نہ کہ اس کے غیر پر"۔

نص۲۱: "شرح السَّنُوسیہ" میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ پر کذب مُحال ہے؛ کہ وہ کمینہ پن ہے"۔

نص۲۲: فاضل سیف الدّین اَبہری کی "شرح مَواقف" میں ہے کہ "کذبِ الٰہی بالاتفاق مُحال ہے؛ کہ وہ عیب ہے، اور ہر عیب اللہ تعالیٰ پر بالاِجماع مُحال ہے"۔

نص۲۳: "شرح عقائد جلالی" میں ہے کہ "جھوٹ عیب ہے، اور عیب اللہ تعالیٰ پر مُحال ہے، توکذبِ الٰہی ممکنات سے نہیں، نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسے شامل ہے، جیسے تمام اسبابِ عیب مثل جہل وعجزِ الٰہی، کہ سب مُحال ہیں، اور صلاحیت قدرت سے خارج ہیں"۔

نص۲۴: اسی میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ پر حرکت وانتقال وجہل وکذب کچھ ممکن نہیں؛ کہ یہ سب عیب ہیں، اور عیب اللہ تعالیٰ پر مُحال ہے"۔

نص۲۵: "کنز الفوائد" میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ بہ حکمِ شرع وبہ حکمِ عقل ہر طرح کذب سے پاک مانا گیا ہے؛ اس لیے کہ کذب قبیحِ عقلی ہے؛ کہ عقل خود بھی اس کے قبح کو مانتی ہے، بغیر اس کے کہ اس کا پہچاننا شرع پر موقوف ہو، تو جھوٹ بولنا اللہ تعالیٰ کے حق میں عقلاً وشرعاً ہر طرح مُحال ہے، جیسے کہ امام ابن الہمام وغیرہ نے اس کی تحقیق اِفادہ فرمائی"۔

نص۲۶: مولانا علی قاری "شرح فقہِ اکبر" امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ میں فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ پر کذب مُحال ہے"۔

نص۲۷: "مسلم الثبوت" میں ہے کہ حاصل یہ کہ معتزلہ نے اہلِ سنّت سے کہا کہ "اگر حکمِ عقلی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا کذب مُحال نہ رہے، حالانکہ اسے ہم تم بالاتفاق مُحالِ عقلی مانتے ہیں"۔ اہلِ سنّت نے جواب دیا کہ "کذب اس لیے مُحالِ عقلی ہوا کہ وہ عیب ہے، تو واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے منزّہ مانیں، اس کے عقلی ہونے پر تمام عقلاء کا اجماع ہے، وجہ یہ ہے کہ کذب اُلوہیت کی ضد ہے، اور جو کچھ اُلوہیت کی ضد ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے حق میں عیب ہے، اور اس کی شان میں مُحالِ عقلی ہے"۔

نص۲۸: مولانا نظام الدّین سہالی اس کی "شرح" میں لکھتے ہیں کہ "جھوٹ بولنا عیب ہے؛ کہ جو کچھ خدا ہونے کے مُنافی ہے وہ سب مُحالِ عقلی ہے، اسی دلیل سے وہ حکماء تک اسے مُحال جانتے ہیں جو کسی شریعت پر ایمان نہیں رکھتے؛ کہ خدائی ودَروغ گوئی جمع نہ ہوں گی، جیسا کہ علمِ کلام میں ثابت ہو چکا ہے"۔

نص۲۹: مولانا بحر العلوم عبد العلی ملک العلماء "فواتح الرحموت" میں فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ یقیناً سچا ہے؛ کہ وہاں کذب کا اِمکان ہی نہیں"۔

نص۳۰: افسوس کہ امام وہابیہ کے نَسَباً چچا اور علماً باپ اور طریقۃً دادا، یعنی شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے بھی اس پسرِ نامور کی رعایت نہ فرمائی، کہ "تفسیرِ عزیزی" میں زیرِ قولہ تعالیٰ: ﴿فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ﴾[1] یوں تصریح کی ٹھہرائی: "خبر

(۱) پ۱، بقرۃ: ۸۰۔

او تعالیٰ کلامِ آزلی اوست، وکذب در کلام نقصانے ست عظیم اکہ ہرگز بصفات او راہ نمی یابد، در حق او تعالیٰ کہ مبرّا از جمیع عیوب ونقائص ست، خلاف خبر مطلقاً نقصان محض ست "[1] اھ ملخصاً۔

مدعیانِ جدیدہ سے پوچھا جائے! جنابِ باری میں کہاں تک نقصان مانتے ہیں؟ و لا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العليّ العظيم! اللہ تعالیٰ سچا ایمان، سچا ادب نصیب فرمائے، آمین!۔

یہاں نصوصِ ائمہ وتصریحاتِ علماء میں نہایت کثرت ہے، اور جس قدر فقیر نے ذکر کیے، عاقل منصف کے لیے ان میں کفایت ہے، بلکہ ایسے مسائل میں ہنگامِ تنبہ یا ادنیٰ تنبیہ پر سلامتِ عقل ونورِ ایمان دو ۲ شاہدِ عدل کی گواہی معتبر ہے۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۰٦)

تنزیہِ دوم دلائلِ قاہرہ وحججِ باہرہ میں

فقیر غفر اللہ تعالیٰ بتوفیق مولیٰ ﷻ ان مختصر سُطور میں بلحاظِ ایجاز کذبِ باری عزّاسمُہ کے محالِ صریح اور توہمِ امکان کے باطلِ قبیح ہونے پر صرف تیس ۳۰ دلیلیں ذکر کرتا ہے، جن میں سے خمسہ اُولیٰ کلماتِ طیّبات ائمۂ کرام وعلمائے عظام علیہم رحمۃ الملک المنعام میں ارشاد وانعام ہوئیں، اور باقی پچیس ۲۵ ہادیِ اجل عزّ وجلّ کے فیضِ آزل سے عبدِ اذل کے قلب پر اِلقاء کی گئیں، والحمد لله ربّ العالمين!.
("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۰٦)

کذبِ باری تعالیٰ محال ہے

دلیل اوّل: کہ نصوصِ سابقہ میں مکرر گزری کہ کذب عیب ہے، اور ہر عیب باری تعالیٰ کے حق میں محال ہے، اور فی الواقع یہ کلیہ اصولِ اسلام وقواعدِ علمِ کلام سے ایک اصلِ عظیم وقاعدۂ جلیلہ ہے، جس پر تمام عقائدِ تنزیہ، بلکہ مسائلِ صفاتِ ثبوتیہ بھی متفرّع ہیں۔

اقول وباللہ التوفیق: بداہتِ عقل شاہد ہے کہ الٰہ عزّ مجدہ جمیع عیوب ونقائص سے منزّہ ہے، اور اس کا اِدراک[2] شرع پر موقوف نہیں، ولہذا ابہت عقلائے غیر اہلِ ملّت بھی تنزیہِ باری جلّ وعلا میں ہمارے مُوافق ہوئے۔ یہاں تک کہ فلاسفہ نے بھی بزعم خود اس اصلِ اصیل پر مسائل متفرّع کیے۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۰۷)

اللہ تعالیٰ کا جھوٹ سے پاک ہونا ضروریاتِ دین سے ہے

پھر شرعِ مطہّر کی طرف رجوع کیجیے تو مسئلہ اعلیٰ ضروریاتِ دین سے ہے، جس طرح قرآن وحدیث نے باری جلّ مجدہٗ کی توحید ثابت فرمائی، یونہی ہر عیب ومنقصت سے اس کی تنزیہ وتقدیس کی۔ اور خود کلمۂ طیّبہ سبحان الله واسمائے حُسنی سبّوح وقدّوس کے معنی ہی یہ ہیں، ولہذا تسبیحات حضور پر نور سیّد عالم ﷺ میں وارد: سبحان الذي لا ينبغي

---

(۱) "فتح العزیز": ("تفسیر عزیزی") تحت آیۃ: ﴿فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ﴾ پ الٓمٓ، ص۳۰۷۔

(۲) وقد صرّح به في "الكنز" و"شرح المواقف"، أمّا "الكنز" فقد سمعتَ نصّه، وأمّا السيّد فلما عرفتَ آنفاً. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

التسبيحُ إلّا له، جس کے باعث ﴿تُوَقِّرُوْهُ﴾ پر وقف اور ﴿تُسَبِّحُوْهُ﴾ کو اس سے فصل کیا گیا۔ پھر مرتبۂ اجمال میں اس پر اِجماعِ اہلِ اسلام منعقد ہے، کوئی لا إله إلّا الله محمّد رسول الله (ﷺ) کہنے والا اپنے رب تعالیٰ پر عیوب ونقائص رَوا نہ رکھے گا۔

("فتاوی رضویہ"ج۲۰،ص۱۰۸)

کذب باری تعالیٰ محال ہونے پر دوسری دلیل

دلیلِ دُوم۲: العظَمة لله! اگر کذبِ الٰہی ممکن ہو، تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں! کافروں ملحدوں کو اعتراض ومقال وعناد وجدال کی وہ مجالیں ملیں کہ مٹائے نہ مٹیں! دلائلِ قرآن عظیم ودینِ حکیم یک دست ہاتھ سے جائیں! حشر ونشر وحساب وکتاب وجنّت ونار وثواب وعذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں! کہ آخر ان اُمور پر ایمان صرف اِخبارِ الٰہی سے ہے، جب (معاذاللہ) کذبِ الٰہی ممکن ہو، تو عقل کو ہر خبرِ الٰہی میں احتمال رہے گا، کہ شاید یونہی فرما دی ہو! شاید ٹھیک نہ پڑے! سبحانه وتعالى عمّا يصفون، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العليّ العظيم!.

یہ دلیل "شرح مقاصد" میں اِفادہ فرمائی جس کی عبارت نصِ چہارُم میں گزری، اور امام رازی نے بھی "تفسیر کبیر" میں زیرِ قولہ تعالیٰ: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ اس کی طرف اِشعار کیا۔

ہر ممکن مقدور ہے

أقول وبالله التوفيق: تنویرِ دلیل یہ ہے کہ عقل جس امر کو ممکن جانے گی، اور ممکن وہی جسے وجود وعدم دونوں سے یکساں نسبت ہو، تو چاہے وہ امر کیسا ہی مستبعد ہو، مگر عقل از پیشِ خویش اس کے آزلاً أبداً عدمِ وُقوع پر جزم نہیں کر سکتی؛ کہ ہر ممکن مقدور ہے، اور ہر مقدور صالحِ تعلّقِ ارادہ ہے، اور ارادۂ الٰہیّہ امرِ غیب ہے، جس تک عقل کی اصلاً رَسائی نہیں، پھر وہ عقل بطور خود کیسے کہہ سکتی ہے کہ اگرچہ کذبِ الٰہی زیرِ قدرت ہے، مگر مجھے اس کے ارادہ پر خُبرت (تجربہ) ہے، کہ اَزل سے اَبد تک بولا ہے نہ بولے گا، ارادہ پر حکم وہیں کر سکتے ہیں جہاں خود صاحبِ ارادہ جلّ مجدُہ خبر دے، کہ فُلاں امر ہم کبھی صادر نہ فرمائیں گے! کقوله تعالى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[1] وقوله تعالى: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[2]۔

("فتاوی رضویہ"ج۲۰،ص۱۰۹)

اصولِ عقائد کی دو قسمیں ہیں: عقلی اور نقلی

کذبِ الٰہی محالِ عقلی وشرعی نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ کا کلام زَید وعَمرو کے کلام کی طرح ہو جائے

میں کہتا ہوں: اب آدمیوں ہی میں دیکھ لیجیے! کہ جو کام زَید کی قدرت میں ہے، دوسرا ہرگز اس پر جزم نہیں کر سکتا، کہ وہ کبھی اسے نہ کرے گا، پھر یہاں بعد اِخبارِ زَید بھی جزم وتیقّن کی راہ نہیں، مثلاً زَید کہے بلکہ قسم بھی کھائے، کہ میں اس سال ہرگز سفر نہ کروں گا، تاہم دوسرا اگرچہ صِدقِ زَید کا کیسا ہی معتقد ہو، قسم نہیں کھا سکتا کہ زَید اس سال یقیناً سفر نہ کرے گا، اور اگر قسم

(۱) پ۳، بقرہ:۲۸۶۔

(۲) پ۲، بقرہ:۱۸۵۔

کھائے تو سخت جَری و بے باک اور نگاہِ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا، تو وجہ کیا؟ وہی کہ غیب کا حال معلوم نہیں، اور زید کی بات سچی ہی ہوئی کیا ضرور؟ ممکن کہ فرق پڑ جائے!۔

جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہولیا، اور اب تم نے کذبِ الٰہی کو زیرِ قدرت مانا، تو عقلاً ہر خبر میں احتمالِ کذب ہوا ہی! رہا یہ کہ خبرِ الٰہی یقین دلائے کہ اللہ عزّوجل اگرچہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، مگر نہ کبھی بولا ہے نہ بولے گا، ہیہات! اس یقین کی طرف بھی کوئی راہ نہیں؛ کہ آخر یہ خبر کلامِ الٰہی سے خود ایک کلام ہوگی، تو عقلاً ممکن کہ یہی بروجہِ کذب صادر ہوئی ہو، پھر کون سا ذریعۂ وُثوق رہا جس کے سبب عقل یقین کر سکے؟ کہ یہ ممکن جو قدرتِ الٰہی میں تھا واقع نہ ہوا!۔

خلاصہ یہ کہ جب کذب عقلاً ممکن، تو استحالۂ عقلی تو تم خود نہیں مانتے! رہا استحالۂ شرعی، وہ دلیلِ شرع سے مستفاد ہوتا ہے، اور دلائلِ شرع سب کلامِ الٰہی کی طرف منتہی، کما مرّ من إرشاد إمام الحرمين، تو جس کلامِ الٰہی سے کذبِ الٰہی کا استحالہ ثابت کیجیے، پہلے خود اسی کلامِ الٰہی کا وجوبِ صدق شرعاً ثابت کیجیے! لاجرم دَور یا تسلسل سے چارہ نہیں! اب عقلی و شرعی دونوں استحالے اٹھ گئے، اور اللہ تعالیٰ کی بات (معاذاللہ) زید و عَمرو کی سی بات ہو کر رہ گئی! تعالى الله عمّا يقولون عُلواً كبيراً! پھر حشر و نشر و جنّت و نار وغیرہا تمام سمعیات پر ایمان لانے کا کیا ذریعہ ہے؟ و لا حولَ و لا قوّةَ إلّا بالله العظيم!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۰)

اِستحالۂ کذبِ باری تعالیٰ کی تیسری دلیل

دلیل سوم ۳: "مواقف" و"شرح مواقف" میں ہے: یعنی کذبِ الٰہی کا مُحال ہونا ہم اہلِ سنّت کے نزدیک تین ۳ دلیل سے ہے: ایک یہ کہ اس کے کلام میں کذب آئے تو بعض وقت ہم اس سے اکمل ہو جائیں، جبکہ ہم اپنے کلام میں سچے ہوں۔

اقول: تقریرِ دلیل یہ ہے کہ ہر محكي عنه میں اِمکانِ عقلی ہے، کہ انسان اسے بروجہِ صحیح حکایت کرے، اور شک نہیں کہ جس حکایت میں جو سچا ہو، وہ اس میں جھوٹے پر خاص اس وجہ کی رُو سے فضل رکھتا ہے، اگرچہ اَور کروڑوں وجہ سے مفضول ہو، اب اگر کذبِ الٰہی ممکن ہو تو (معاذاللہ) جس وقت وہ جُھوٹ بولے، اور انسان اسی بات کو مطابقِ واقع ادا کرے، تو لازم کہ آدمی اس وجہ سے افضل ہو جائے، اور باری عزّوجل پر کسی جہت سے کسی مخلوق کو کسی طرح کا فضل جُزئی بھی (اگرچہ نہایت ضعیف و مضمحل ہو) ملنا مُحال ہے، تو ثابت ہوا کہ اِمکانِ کذب باطل خیال ہے فافهم، والعزّةُ لله ذي الجلال!.

ثمّ أقول: اس دلیل کی ایک مختصر تقریر یوں ممکن ہے، کہ اگر کذبِ خالق ممکن ہو، تو کتنی بڑی شناعت ہے؛ کہ خلق سچی اور خالق جھوٹا ہو! والعياذ بالله ربّ العالمين. لیکن صدقِ خلق مُحال نہیں، تو کذبِ خالق ممکن نہیں۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۱)

دلیل چہارم ۴: جس کی طرف امام فخر الدین رازی نے نص ۱۶ میں اشارہ فرمایا، کہ جب اہلِ سنّت کے نزدیک اللہ عزّوجل کا صدق اَزَلی ہے، تو کذب محال ہے؛ کہ ہر اَزَلی ممتنع الزوال ہے۔

أقول وباللہ التوفیق: تصویرِ دلیل یہ ہے کہ اللہ عزّوجلّ پر اسم صادق کا اطلاق قطع نظر اس سے کہ قرآن [1] وحدیث واجماع سے ثابت ہے، مخالفانِ عنید، یعنی طائفۂ جدیدہ کو بھی مقبول ہے، کہ وہ بھی اللہ عزّوجلّ کو صادق بالفعل تو مانتے ہیں، اگرچہ صادق بالضرورۃ ہونے سے انکار کرتے ہیں؛ کہ جب کذب ممکن جانا، اور اِمکان نہیں مگر جانبِ مخالف سے سَلبِ ضرورت، تو لاجَرم باری تعالیٰ کے صادق ہونے کو ضروری نہ مانا، مگر جاہل کہ صادق بالفعل ماننا ہی ان کے مذہبِ نامہذّب کا استیصال کرگیا؛ کہ جب وہ صادق ہے، اور صدق مشتق قیامِ مبدء کو مستلزم ہے، تو واجب ہوا کہ صدق اس کی ذاتِ پاک سے قائم، اور ذاتِ الٰہی سے قیامِ حوادث مُحال، تو ثابت ہوا کہ صدقِ الٰہی اَزَلی ہے، بعینہٖ اسی طریقہ سے ہمارے ائمۂ کرام نے تکوین وغیرہ کا صفاتِ اَزَلیہ ہونا ثابت فرمایا۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۱)

تکوین وغیرہ صفاتِ اِلٰہیہ اَزَلی ہیں

اور جب صدقِ الٰہی اَزَلی ہوا، تو امکانِ کذب کا محل نہ رہا؛ کہ اس کا وُقوع بے اِنعدامِ صدق ممکن نہیں؛ تحقیقاً لمعنی التضاد، اور انعدامِ صدق مُحال ہے؛ کہ علمِ کلام میں مبیّن ہو چکا کہ قدیم اصلاً قابلِ عدم نہیں، فتبصّر!.

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۲)

اِستحالۂ کذبِ باری تعالیٰ پر پانچویں دلیل

دلیل پنجم۵: اگر باری عزّوجلّ کذب سے متصف ہو سکے، تو اس کا کذب اگر ہوگا تو قدیم ہی ہوگا؛ کہ اس کی کوئی صفت حادث نہیں، اور جو قدیم ہے معدوم نہیں ہوسکتا، تو لازم ہوا کہ صدقِ الٰہی مُحال ہو جائے، حالانکہ یہ بالبداہۃ باطل ہے، تو کذب سے اتّصاف ناممکن ہے۔ یہ دلیل "تفسیر کبیر" و "مَواقف" و "شرح مقاصد" میں اِفادہ فرمائی، امام کی عبارت یہ ہے: زیرِ قولہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴾ [2]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۲)

اِنفصالِ حقیقی کا اِرتفاع، اِرتفاعِ نقیضین کی طرح ہے

امتناعِ کذبِ الٰہی پر اہلِ سنّت کی دلیل بیان کرتے ہیں:

أقول وباللہ التوفیق: تحریرِ دلیل یہ ہے کہ تم نے باری تعالیٰ کا تکلّم بکلامِ کذب تو ممکن مانا، اس کا کاذب ومتّصف بالکذب ہونا بھی ممکن مانتے ہو یا نہیں؟ اگر کہیے نہ، تو قول بالتناقضین، اور بداہتِ عقل سے خروج ہے، کہ کاذب ومتّصف

---

(۱) أمّا القرآن فقوله تعالى: ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ ["القرآن": الأنعام: ٦/ ١٤٦] وقوله تعالى: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ ["القرآن": النساء: ٤/ ١٢٢] فإنّ المعنى أنّ الله تعالى أصدَق قائل، وحمل الأصدق حمل الصادق مع زيادة، وأمّا الحديث فقد عدّ الصادق من الأسماء الحسنى في حديث ابن ماجه ["سنن ابن ماجه" أبواب الدعاء، باب أسماء الله ﷻ، صـ٢٨٣] وحديث الحاكم في "المستدرَك"، وأبي الشيخ وابن مَردوَيه في تفسيريهما، وأبي نعَيم في "كتاب الأسماء الحسنى"، كلّهم عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ، وأمّا الإجماع فظاهرٌ لا ينكَر. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۲) پ۴، النساء: ۸۷۔

بالکذب نہیں مگر وہی جو تکلّم بکلام[1] کذب کرے، اسے ممکن کہہ کر اُسے مُحال ماننا نرا جنون ہے۔ اور اگر کہیے ہاں، تو اب ہم پوچھتے ہیں، کہ یہ اتّصاف صرف لم یزل میں ممکن ہے؟ یا ازل میں بھی؟ شقِ اول باطل ہے؛ کہ اِمکانِ قیامِ حوادث کو مستلزم ہے، اور شقِ ثانی پر جب اَزلیت کذب ممکن ہوئی، تو اس کا ممتنع الزوال ہونا ممکن ہوا؛ کہ ہر ازلی واجبُ الأبدیّة ہے، اور کذب کا امتناعِ زوال، استحالۂ صدق کو مستلزم ہے؛ کہ کذب وصدق کا اجتماع مُحال ہے، جب اُس کا زوال مُحال ہوگا، اس کا ثبوت ممتنع ہوگا، اور اِمکانِ وُجودِ ملزوم، اِمکانِ وُجودِ لازم کو مستلزم ہے؛ تحقیقاً لمعنی اللُّزوم حیث کان ذاتیاً، لا لعارض کما ھاھنا. تو لازم آیا کہ صدقِ الٰہی کا مُحال ہونا ممکن ہو، اور استحالہ اسی شے کا ممکن ہوگا جو فی الواقع مُحال ہو بھی؛ کہ ممکن کا مُحال ہوجانا ہرگز ممکن نہیں، ورنہ انقلاب لازم آئے، اور وہ قطعاً باطل ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اگر باری تعالیٰ کا اِمکانِ کذب مانا، تو اس کا صدق مُحال ہوگا، لیکن وہ بالبداہتہ مُحال نہیں، تو اِمکانِ کذب یقیناً باطل ہے، اور استحالۂ کذب قطعاً حاصل۔ والحمد لله أصدقُ قائل!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۳)

الدّلائل الفائضة على قلب الفقير بعون القدير عزّ جدُّه وجلّ مجدُه

اِستحالۂ کذبِ باری تعالیٰ کی چھٹی دلیل

دلیلِ ششم۶: أقول وبحول الله أصول: کلامِ الٰہی ازل میں بایجابِ کلّی حق تھا، یا (معاذاللہ) اس کا بعض باطل تھا، یا نہ حق تھا نہ باطل۔ شقِ ثانی تو کفرِ صریح ہے[2]، اور ثالث میں مطابقت ولا مطابقت دونوں کا ارتفاع ہے، اور وہ قطعاً مُحال ہے۔ تو لاجَرَم شقِ اول متعیّن ہوئی، اور شاید مخالف بھی اس سے انکار نہ رکھتا ہو! اب ہم پوچھتے ہیں کہ کذب ممکن -علی فرض الوقوع- صرف کسی کلامِ لفظی کو عارض ہوگا یا نفسی کو بھی؟ اوّل محض بے معنی ہے؛ کہ صدق وکذب حقیقةً وصفِ معنیٰ ہیں، نہ کہ صفتِ عبارت۔ بر تقدیرِ ثانی یہ کلامِ نفسی وہی کلامِ قدیم ہے، یا -علی تقدیر التجزّي- اس کا بعض ہوگا، جو ازل میں إیجاباً کلّیاً صادق تھا، یا اس کا غیر۔ شقِ ثانی پر قیامِ حوادث لازم ہے، اور اوّل میں انقلابِ صدق بکذب لازم ہے، کہ کلامِ بشر میں بھی مُحال ہے۔ سچی بات کبھی جھوٹی[3] نہیں ہو سکتی، نہ جھوٹی کبھی سچی ہو سکتی ہے، ورنہ مطابقت

---

(١) أي: إنشاء لا حكاية؛ إذ لا كلامَ فيها كما لا يخفى، ففي القرآن العظيم جمل عن الكفّار من أراجيفهم الباطلة. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٢) أي: فلا يرضى به المخالفُ أيضاً، فلا ينافي عقلية البرهان، وإنّما اكتفى به قصراً للمسافة، وإلّا فله طريقٌ قد عرفتَ، وهو وجوبُ الكذب وامتناع الصدق الباطل ببداهة العقل. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۳) یہاں بعض اَذہان میں یہ شبہ گزرتا ہے، کہ زیدآج قائم ہے، تو قضیہ زید قائم حق ہے، کل قائم نہ رہا تو زید لیس بقائم حق ہوگیا، اور اس کی حقیت اس کے کذب کو مستلزم۔ **اقول:** ان صاحبوں نے فعلیہ ودائمہ میں فرق نہ کیا، یا نہ جانا کہ دو۲ مطلقہ عامّہ میں تناقض نہیں۔ "مسلم الثبوت" میں ہے: "الخبر الصادق صادقٌ دائماً، والكاذب كاذبٌ دائماً". ["مسلّم الثبوت" الأصل ٢ السنّة، صـ١٧٦].
مولانا قدس سرہٗ "فواتح" میں فرماتے ہیں: "ولا يمكن أن يدخلا في شيء من الأخبار، وفرق بين تحقّق مصداق الخبر وصدقه؛ فإنّ الأوّل قد يختلف بحسب الأوقات، وأمّا صدق خبر فدائم، فإن صدق المطلقة دائم، فالصادق =

ولا مطابقت میں تصادق لازم آئے، اور نقیضین باہم نقیضین نہ رہیں!۔
بالجملہ کلامِ صادق کے لیے ثبوتِ صدق ضروری ہے، تو سَلبِ ضرورت ضرورۃً مسلوب ہے، وهو المطلوب!.
("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۴)

کذبِ باری تعالیٰ کے استحالہ کی ساتویں دلیل

دلیل ہفتم، وهو أخصَر وأظهَر: أقول وبالله التوفيق: اِمکانِ کذب، اس کی فعلیت کو، بلکہ دوام کو، بلکہ ضرورت کو مستلزم ہے؛ کہ اگر کلامِ نفسی ازلی ابدی واجب للذّات مستحيل التجدُّد کذب پر مشتمل نہ ہو، تو کلامِ لفظی کا کذب ممکن نہیں، ورنہ وجودِ دالّ بلا مدلول[1]، یا کذبِ دالّ مع صدق المدلول لازم آئے، اور دونوں بالبداہۃ محال ہیں، اور جب کلامِ لفظی میں کذب ممکن نہ ہو، تو نفسی میں ممکن نہیں، ورنہ باری عزّوجلّ کا عجز عن التعبير لازم آئے، تو لاجرم اِمکانِ کذب ماننے والا اپنے ربّ کو واقعی کاذب مانتا ہے، اور اس کے کلامِ نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے، اور وہاں فعل ودوام ووجوب متلازم ہیں۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۴)

وبوجهٍ آخر أوضَح وأزهَر

أقول وبالله التوفيق: تمہارے دعویٰ کا حاصل یہ کہ "بعض ما هو كلامُ الله تعالى، فهو ممكنُ الكذب بالضرورة" اور شک نہیں کہ "كلُّ ما هو ممكنُ الكذب كاذبٌ بالضرورة" کہ کلامِ واحد میں اِمکانِ کذب بے فعلیتِ کذب متصوّر نہیں، اور فعلیتِ کذب امتناعِ صدق ہے، اور امتناعِ صدق ضرورتِ کذب ہے، نتیجہ نکلا: "بعض ما هو كلامُ الله تعالى، كاذبٌ بالضرورة". اب اس میں وصفِ عنوانی کا صدق خواہ بالفعل -لو كما هو المشهور- خواہ بالإمکان -كما هو عند الفارابي- ہر طرح باری عزّوجلّ کا (معاذاللہ) کاذب بالفعل ہونا لازم آئے گا۔ بر تقدیرِ اوّل تو لزوم بدیہی ہے، اور بر تقدیرِ ثانی اس قضیہ یعنی "بعض ما هو كلامُ الله بالإمكان العامّ كاذبٌ" کو کبریٰ کیجیے، اور قضیہ "كلّ ما هو كلامُ الله بالإمكان العامّ، فهو كلامُ الله بالفعل" کو صغریٰ۔ ثبوتِ صغریٰ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے لیے کوئی حالت منتظرہ نہیں۔ شکلِ ثالث کی ضربِ خامس پھر وہی نتیجہ دے گی کہ "بعض ما هو كلامُ الله بالفعل، كاذبٌ بالضرورة" والعياذ بالله تعالى. بلکہ حقیقۃً یہ وجہ دلیلِ[2] مستقل ہونے کے قابل ہے، کما لا يخفى على

=

صادق دائماً، فلا يدخله الكذبُ أصلاً، وإلّا اجتمعا، والكاذبُ كاذب دائماً فلا يدخله الصدقُ". ["فواتح الرحموت" الأصل ٢ السنّة، ٢/ ١٠٢] اهـ ملخّصاً. منه [أي: من الإمام أحمد رضا] سلّمه الله تعالى.

(١) المدلول هو المعنى فلا نقض بالمعدوم. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٢) حاصل الوجه الأوّل: أنّ على قول الإمكان لابدّ من فعليته في الكلام النفسي، وإلّا لامتنع في اللّفظي؛ لأنه لا يكون إلّا تعبيراً عن نفسي، ولا إمكانَ هاهنا لنفسي آخر غير هذا الموجود المفروض، أن لا كذبَ فيه،
=

المتأمّل، واللہ الموفّق لإبطال الباطل!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۴)

کذبِ باری تعالیٰ کے استحالہ پر آٹھویں دلیل

دلیل ہشتم۸: أقول وباللہ التوفیق: صدقِ الٰہی صفت قائمہ بذات کریم ہے، ورنہ مخلوق ہوگا؛ کہ ذات وصفات کے سواسب مخلوق ہے، اور ہر مخلوق عدم سے مسبوق ہے، تولازم ہوا کہ غیر متناہی دَور اَزَل میں اللہ تعالیٰ سچانہ ہو، تعالی عن ذلك عُلُواً کبیراً! اور جب صدق صفت قائمہ بالذات ہے، اور صفات مقتضائے ذات ہیں، اور مقتضائے ذات میں تغیر مُحال ہے، کہ تغیّرِ مقتضی تغیّرِ مقتضا کو مقتضی ہے، اور تغیّرِ ذات عموماً مُحال ہے، خصوصاً جناب عزّت میں، جہاں تغیّرِ صفت بھی مستحیل ہے، تولاجَرم کذب مُنافیِ ذات ہوا، اور مُنافیِ ذات کا وُقوع نافیِ ذات ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا استحالہ متصوّر ہوگا؟!۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۵)

کذبِ باری تعالیٰ مُحال ہونے پر نویں دلیل

دلیل نہم۹: أقول وباللہ التوفیق: ہم زیرِ دلیل چہارم۴ وہشتم۸ بدلائل ثابت کر آئے، کہ صدق صفت قائمہ بالذات ہے، توکذب بھی اگر ممکن ہو، صفت ہی ہوکر ممکن ہوگا: فإنّہما ضِدّانِ، والتضادُّ ما یکون بحسب الوُرود علی محلٍّ واحد. اب مخالف متعسّف ذُو فُنون استحالات دیکھے:

اوّلاً: لازم کہ کذبِ الٰہی موجود بالفعل ہو؛ کہ صفات باری میں کوئی صفت منتظرہ غیر واقعہ ماننا باطل ہے، ورنہ تأثّر بالغیر[1] یاتخلّفِ مقتضی[2] یاتأخّرِ اقتضاء[3] یاحُدوثِ مقتضی[4] لازم آئے، تعالی اللہ عنہ عُلواً کبیراً!۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۵)

=

والتعبیرُ عن الصّادق بالکاذب محال، وإذا امتنع في اللفظي امتنع في النفسي، وإلّا لزمَ العجزُ عن التعبیر، فلو لم یوجد في النفسي بالفعل لامتنع أصلاً، لکنّه ممکن عندك فیجب أن یوجدَ فیدوم فیجب، وحاصل الثاني أنّ لو أمکن في کلام له، لوجدَ ذلك الکلام لعدم الانتظار، فیکون بعض ما هو کلامه بالفعل ممکن الکذب، ولا یمکن کذبُ کلام إلّا إذا کان کاذباً، والکاذبُ کاذب بالضرورة، فبعض کلامِه بالفعل کاذبٌ بالضرورة، وظاهرٌ أنّ بین الوجهَین بَوناً بیّناً، فهما دلیلان مستقلّان حقیقة، والحمد لله وبه التوفیق. منه [أي: من الإمام أحمد رضا] سلّمه الله تعالی.

(۱) إن کان الاتّصاف لا من قبل الذات. أقول: ولو لتعلّق الإرادة، فإن التّعلق حادثٌ، والحادث غیر، فافهم؛ فإنّه علم في نصف سطر. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۲) فإنّ اقتضی الذات أزَلاً ولم یتحقّق. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۳) إن اقتضی فیما لا یزال لا في الأزَل. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٤) إن فرّ عن الکلّ والتزم، تصاحب المقتضی والمقتضی. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

ثانیاً۲: واجب کہ کذب واجب ہو؛ کہ صفاتِ الٰہیہ سب واجب للذات ہیں۔

ثالثاً۳: صدق[1] الٰہی مُحال ٹھہرے؛ کہ وجوبِ کذب امتناعِ صدق ہے۔

رابعاً۴: کذب صفتِ کمال ہو؛ کہ صفاتِ باری سب صفاتِ کمال ہیں۔

خامساً۵: صدق صفتِ نقصان ہو؛ کہ وہ عدمِ کذب کو مستلزِم ہے، اور اب عدمِ کذب عدمِ کمال ہے، اور عدمِ کمال عینِ نقصان ہے۔

سادساً۶، سابعاً۷، ثامناً۸: صدقِ کلّی[2] وکذبِ جزئی[3] جب دونوں صفت ہیں[4]، اور دونوں ممکن ہیں[5]، تو دونوں واجب ہوئے[6]، تو دونوں مُحال[7] ہوئے، تو اجتماعِ نقیضین وارتفاعِ نقیضین ہوا، واجتماع وارتفاع سب حاصل[8] ہوئے۔

تاسع۹، عاشر۱۰، حادی عشر۱۱: بعینہٖ اسی طریقہ سے دونوں کمال، تو دونوں نقصان، تو دونوں مجمعِ کمال ونقصان ہوئے۔

ثانی عشر۱۲، ثالث عشر۱۳، رابع عشر۱۴: جب دونوں صفت، تو دونوں مقتضا، تو دونوں مُنافی، تو دونوں جامعِ اقتضاء وتنافی ہوئے۔

خامس عشر۱۵: جب دونوں مقتضا، تو وجودِ ذات مستلزِمِ اجتماعِ نقیضین ہوا، اور جس کا وجود مستلزِمِ مُحال ہو، تو وہ خود مُحال ہے، تو بر تقدیرِ امکانِ کذب وجودِ باری (معاذاللہ) مُحال ٹھہرتا ہے۔ مدّعی مُعاند دیکھے کہ اس کی سُلگائی آگ نے بھڑک کر کہاں تک پھونکا!!۔

یہ سر دست پندرہ۱۵ استحالے ہیں، اور ہر استحالہ بجائے خود ایک دلیلِ مستقل ہے۔ تو اَب تک آٹھ۸ اور پندرہ۱۵ تیئس۲۳ دلیلیں ہوئیں!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۶)

دلیل بست وچہارم۲۴: أقول وباللہ التوفیق: بالفرض اگر کذب کو عیب ومنقصت نہ مانیے، تو اتنا بالضرورۃ ضرور کہ کوئی کمال نہیں، ورنہ مولیٰ تعالی کے لیے واجب الثبوت ہوتا، اور عقلِ سلیم شاہد کہ باری تعالی کے لیے ایسی شئے کا ثبوت بھی مُحال ہے جو کمال سے خالی ہو، اگرچہ نقص نہ ہو۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۶)

---

(۱) فرّق بين بناء الكلام على قدم الصفة، وإنّ ما ثبت قدمُه استحال عدمُه، وهي مقدّمةٌ عويصة الإثبات، وبين بنائه على وجوبها وامتناع ضدّها للذّات، وهو من أجلى الواضحات، والحمد لله ربّ البريّات! منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۲) یعنی ہر خبر میں صادق ہونا کہ بالفعل موجود۔ منہ [امام احمد رضا]۔

(۳) یعنی بعض اَخبار میں صادق نہ ہونا، کہ مخالف ممکن مانتا ہے۔ منہ [امام احمد رضا]۔

(٤) الأولى لما في الدّليل الرابع والثامن والثاني؛ لما مرّ آنفاً. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٥) أي بالإمكان العامّ، أما الأوّل فللوجود، أمّا الثاني فبالفرض. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٦) وإن كلّ صفة تجب للذّات. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٧) فإنّ وجوب كلّ يستلزم استحالة الآخر كما مرّ مراراً. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٨) فإنّ الصّدق الكلّي يستلزم عدم الكذب، والكذب الجزئي عدم الصّدق الكلّيّ. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

اگر باری تعالیٰ مطلقاً جھوٹ پر قادر ہو، تولازم آئے گا کہ قرآن مخلوق ہو

دلیل بست وپنجم ۲۵: أقول وباللہ التوفیق: بداہتِ عقل شاہدِ عدل ہے، کہ جو مطلق کذب پر قادر ہوگا، کذب مطلق پر بھی قدرت رکھے گا؛ کہ بعض کلام میں کذب پر قادر، اور بعض میں اس سے عاجز ہونے کے کوئی معنی نہیں، اور قرآن کلام اللہ قطعاً حق ہے، جس کے بعض قضایا مثل قولہ تعالیٰ: لا إله إلا الله، وقولہ تعالیٰ: محمد رسول الله وغیرہما کے صدق پر عقل صرف بے توقفِ شرع وتوقیفِ سمع خود حکم کرتی ہے، تو واجب ہوا کہ قرآنِ عظیم مقتضائے ذات نہ ہو، ورنہ کذب مطلق مقدور نہ رہے گا؛ کہ کلامِ صادق ہرگز کاذب نہیں ہوسکتا، اور جو کچھ ذات ہے، نہ کہ مقتضائے ذات، وہ قطعاً حادث ومخلوق ہے، تو کذبِ الٰہی کا ممکن ماننا قرآنِ عظیم کلام اللہ کے حادث ومخلوق ماننے کو مستلزم ہوا، اب بعد تنبیہ بھی اصرار کرو تو اپنے معتزلی کرامی گمراہ ہونے سے کیوں انکار کرو؟!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۴)

دلیل بست وششم ۲۶: أقول وباللہ التوفیق: جب بر تقدیرِ امکانِ کذب، بوجہ بُطلانِ ترجیح بلا مرجّح، ونیز بحکمِ بداہتِ غیر مکذوبہ، ہر فردِ کذب قدرتِ الٰہی میں ہوا، تو ہر فردِ صدق مقدور ہوگا، ورنہ صدق فی البعض واجب یا مُحال ہوگا۔ تو کذب فی البعض مُحال یا واجب ہوگا، حالانکہ ہر فردِ کذب مقدور مانا تھا! "هذا خُلف"، پس صدق وکذب کا ہر ہر فرد مقدور ہوا، اور ہر مقدور حادث ہے، تو کلامِ الٰہی سے اَزَل میں مطابقت ولا مطابقت دونوں مرتفع ہوئے، اور یہ بداہۃً محال ہے۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۷)

رسولِ خدا کا چہرہ دیکھ کر ایمان لانے والوں نے کہا کہ "یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں"

دلیل بست وہفتم ۲۷: أقول وباللہ التوفیق: کتبِ حدیث وسیر مطالعہ کیجیے، بہت خوش نصیب ذی عقلِ لبیب، صرف جمال جہاں آرائے، حضور پُرنور، سیدِ عالَم، سرورِ اکرم، مولائے اعظم ﷺ دیکھ کر ایمان لائے، کہ لیس هذا وجه الکذّابین! یہ منہ جھوٹ بولنے والے کا نہیں۔ اے شخص! یہ اس کے حبیب کا پیارا منہ تھا، جس پر خوبی وبہارِ دوعالَم نثار ﷺ، اور پاکی وقدّوسی ہے اس کے وجہِ کریم کے لیے۔ واللہ! اگر آج حجاب اٹھاویں تو ابھی کھلتا ہے، کہ اس وجہِ کریم پر اِمکانِ کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی! مخالف اسے دلیلِ خطابی کہے کہے، مگر میں اسے حجتِ اِیقانی لقب دیتا ہوں، اور مسلمانوں کی ہدایتِ ایمانی سے انصاف لیتا ہوں، اور اپنے رب کے پاس اس دن کے لیے ودیعت رکھتا ہوں ﴿يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾[1] ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾[2] بالجملہ اگر مُجادِل باز نہ آئے، تو دلیلِ ہفتم میں وجہِ دُوم جو بجائے خود دلیلِ مستقل تھی، اس کے عوض معدود جانے، بہرحال تیس ۳۰ کا عدد کامل مانے!۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۱۷)

---

(۱) پ۷، مائدہ: ۱۱۹۔
(۲) پ۱۹، شعراء: ۸۸، ۸۹۔

دلیل بست وہشتم ۲۸: قال ﷻ: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾[1]۔

أقول وباللہ التوفیق: آیۂ کریمہ نصِ جلی ہے کہ کذبِ الٰہی مُحالِ عقلی ہے، وجہِ دلالت سنیے: خادمِ تفسیر وحدیث وواقفِ کلماتِ فقہاء پر روشن ہے، کہ اَمثالِ عبارات اگرچہ بظاہر نفئ مزیتِ غیر کرتی ہیں، مگر حقیقۃً تفضیلِ مطلق ونفئ برتر وہمسر کے لیے مسوق ہوتی ہیں۔ سیّدِ عالَم ﷺ سے افضل کوئی نہیں، یعنی سیّدِ عالَم ﷺ سب سے افضل ہیں ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾[2] یعنی "صبغۃ اللہ سب سے احسن ہے" ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ﴾[3] أي: هو أحسن قولاً من كلّ مَن عداه.

تو لاجَرم معنئ آیت یہ ہیں کہ "مولیٰ تعالی کی بات سب کی باتوں سے زیادہ صادق ہے، جس کے صدق کو کسی کلام کا صدق نہیں پہنچتا" اور پُر ظاہر کہ صدقِ کلام[4] فی نفسہٖ اصلاً قابلِ تشکیک نہیں؛ کہ باعتبارِ ذواتِ قضایا، خواہ اختلافِ قِدم وحُدوثِ کلام، یا بقاء وفنائے سخن، یا کمال ونقصانِ متکلّم، خواہ کسی وجہ سے، اس میں تفاوت مان سکیں، سچی سچی باتیں مطابقتِ واقع میں سب یکساں ہیں، اگر ذرا بھی فرق ہوا تو سِرے سے سچ ہی نہ رہا، اَصدق وصادق کہاں سے صادق آئے گا؟! یہ معنی اگرچہ فی نفسہٖ بدیہی ہیں، مگر کلامِ واحد میں لحاظ کرنے سے ان اغبیاء پر بھی انکشافِ تام پائیں گے، جنہیں بدیہیات میں بھی حاجتِ شانہ جنبانئ تنبیہ ہوتی ہے۔

قرآنِ عظیم نے فرمایا: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہ ہم بھی کہتے ہیں "محمد رسول اللہ ﷺ" کیا وہ جملہ محمد رسول اللہ کہ قرآن میں آیا، زیادہ مطابقِ واقع ہے، اور ہم نے جو محمد رسول اللہ کہا کم مطابق ہے؟ حاشا! کوئی مجنون بھی اس میں تفاوت گمان نہ کرے گا۔ یا متعدد باتوں میں دیکھیے تو یوں نظر کیجیے:

فرقانِ عزیز نے فرمایا: ﴿وَحَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾[5]۔ ہم کہتے ہیں: لا إله إلّا الله الملِك الحقّ المبين! کیا وہ ارشاد کہ "بچے کا پیٹ میں رہنا، اور دودھ چھوٹنا، تیس ۳۰ مہینے میں ہے" زیادہ سچا ہے؟! اور اس قول کے صدق میں کہ "اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں" (معاذ اللہ) کچھ کمی ہے؟! تو ثابت ہوا کہ اَصدقیت بمعنی أشدّ مطابقةً للواقع غیر معقول ہے۔

ہاں نظرِ سامع میں ایک تفاوت متصوّر ہے، اور اس تشکیکِ اَصدق وصادق میں وہی مقصود ومعتبر ہے، جسے دو ۲

---

(۱) پ۵، نساء: ۱۲۲۔

(۲) پ۱، بقرہ: ۱۳۸۔

(۳) پ۲۵، فصلت: ۳۳۔

(٤) الصّدق تارةً ينسب إلى القول، وأخرى إلى القائل، والكلامُ هاهنا في المعنى الأوّل، فلا يذهبنّ هذا عنك!. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۵) پ۲۶، احقاف: ۱۵۔

عبارتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں: (۱) ایک یہ کہ وقعت وقبول میں زائد ہے، مثلاً رسول کی بات ولی کی بات سے زیادہ سچی ہے، یعنی ایک کلام کہ ولی سے منقول ہو، اگر وہی بعینہٖ رسول سے ثابت ہو جائے، قلوب میں وقعت اور قبول کی قوت اور دلوں میں سکون وطمانینت ہی اَور پیدا کرے گا؛ کہ ولی سے ثبوت تک اس کا عُشرِ عشیر نہ تھا، اگرچہ بات حرف بحرف ایک ہے۔
(۲) دوسرے احتمالِ کذب سے اَبعد ہونا، مثلاً مستور کی بات سے عادل کی بات صادق تر ہے، یعنی بنسبت اس کے احتمالِ کذب سے زیادہ دُور ہے۔ اور حقیقۃً تعبیرِ اوّل اسی تعبیرِ دُوم کی طرف راجع ہے؛ کہ سامع کے نزدیک جس قدر احتمالِ کذب سے دُوری ہوگی، اسی درجہ وقعت ومقبولیت پوری ہوگی۔
جب یہ امر ممہّد ہوگیا، تو آیۂ کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا، کہ اللہ تعالیٰ کی بات ہر بات سے زیادہ احتمالِ کذب سے پاک ومنزّہ ہے، کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں اس کے مُساوی نہیں ہوسکتی۔ اور شاید حضرات مخالفین بھی اس سے انکار کرتے کچھ خوفِ خدا دل میں لائیں!۔ اب جو ہم خبرِ اہلِ تواتُر کو دیکھتے ہیں، تو وہ بالبداہۃ بروَجہِ عادتِ دائمہ اَبدیہ غیر متخلف علمِ قطعی یقینی جازم ثابت غیر محتمل النقیض کو مفید ہوتی ہے، جس میں عقل کسی طرح تجویزِ خلاف رَوا نہیں رکھتی، اگرچہ بنظر نفسِ ذاتِ خبر ومخبر اِمکانِ ذاتی باقی ہے؛ کہ ان کا جمع علی الکذب قدرتِ الٰہیہ سے خارج نہیں۔
اسے پیشِ نظر رکھ کر کلامِ باری تعالیٰ کی طرف چلیے، اِمکانِ کذب ماننے کے بعد مَباحثِ مذکورۂ دلیل دُوم، وفرقِ اُمورِ عادیہ، وارادۂ غیبیہ سے قطعِ نظر بھی ہو، تو غایت درجہ اس قدر کہ کلامِ ربّانی وخبرِ اہلِ تواتُر کانٹے کی تول ہم پلّہ ہوں گے، جیسا احتمالِ کذب یعنی نافی قطع ومُنافیِ جزم اس کلامِ پاک میں نہیں، اس سے خبرِ تواتُر کا بھی دامن پاک، اور بنظرِ امکانِ ذاتی جو احتمالِ عقلی خبرِ تواتُر میں ناشی تھا، وہ بعینہٖ کلامِ الٰہی میں بھی باقی ہے، پھر کلامِ الٰہی کا سب کلاموں سے اَصدق ہونا، اور کسی کی بات کا اس سے صدقاً بھی ہمسری نہ کر سکنا (کہ مفادِ آیۂ کریمہ تھا، معاذاللہ) کب درست آیا؟ بخلاف عقیدۂ مجیدہ اہلِ سنّت! وقایۃ اللہ لھم دامت!۔
یعنی امتناعِ عقلی کذبِ الٰہی کہ اس تقریر پر کلامِ مولیٰ جل وعلا میں کسی طرح احتمالِ کذب کا اِمکان نہیں، بخلاف خبرِ تواتُر؛ کہ احتمالِ اِمکانی رکھتی ہے، اور یہ بات قطعاً صرف اسی کے کلامِ پاک سے خاص ہے، مُحال ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت نکال سکے کہ کسی غیرِ خدا پر کذب مُحالِ عقلی ہو جائے، عصمت اگر بمعنی امتناعِ صُدور وعدمِ قدرت ہی لیجیے، تاہم امتناعِ ذاتی نہیں؛ کہ سَلبِ عصمت خود زیرِ قدرت ہے۔ اب بحمد اللہ شمسِ تابندہ کی طرح رَوشن درخشندہ صادق آیا کہ ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا﴾[1] اور العزۃُ للہ! کیوں نہ صادق آئے کہ آخر ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴾[2]۔
دیکھو! یہ منشا تھا علماء کے اس ارشاد کا، کہ زیرِ آیتِ کریمہ استدلال میں فرمایا، کہ کوئی اس سے کیونکر اَصدق ہو سکے؟! کہ اس پر تو کذب مُحال ہے، اَوروں پر ممکن ہے، والحمد للہ ربّ العالمین!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۲۰)

---

(۱) پ۵، نساء: ۱۲۲۔
(۲) پ۵، نساء: ۸۷۔

دلیل بست ونہم۲۹: قال المولی ﷻ: ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ﴾[(۱)] اے نبی! تم کافروں سے پوچھو: کون ہے جس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ تو خود ہی فرماؤ کہ اللہ۔

اقول: اللہ کے لیے حمد ومنّت! کہ یہ آیۂ کریمہ آیۂ سابقہ سے بھی جلی واظہر، اور افادۂ مراد میں اجلیٰ وازہر ہے۔ وہاں ظاہرِ نظم نفیٔ اصدقیتِ غیر تھا، اور اثباتِ اصدقیتِ کلام اللہ بحوالہ عُرف، یہاں صراحۃً ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ عزّوجل کی گواہی سب گواہیوں سے اکبر واعظم واعلیٰ ہے۔ اب اگر (معاذ اللہ) اِمکانِ کذب کو دخل دیجیے، تو ہرگز شہادتِ الٰہی کو شہادتِ اہلِ تواتر پر تفوّق نہیں؛ کہ جو یقین اِس سے ملے گا اُس سے بھی مہیا ہوگا، اور جو احتمال اِس میں باقی ہے، اُس میں بھی پیدا ہوگا، تو قرآن پر ایمان لانے والے کو یہی چارہ کہ مذہبِ مہذّبِ اہلِ سنّت کی طرف رجوع کرے، اور جنابِ عزّت کے اِمکانِ کذب سے براءت پر ایمان لائے، باقی تقریرِ دلیل مثلِ سابق ہے، فافهم واعلم، والله تعالى أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۲۰)

دلیل سیم۳۰: قال ربّنا عزّ من قائل: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾[(۲)] "اور پورا ہے تیرے رب کا کلام صدق واِنصاف میں، کوئی بدلنے والا نہیں اُس کی باتوں کا، اور وہی ہے سننے والا جاننے والا"۔ علماء فرماتے ہیں، کہ یعنی باری عزّوجل کا کلام انتہاء درجہ صدق وعدل پر ہے، جس کا مثل ان اُمور میں متصوّر نہیں، "بیضاوی" میں ہے: "بلغت الغايةَ أخبارُه وأحكامُه ومواعيدُه صدقاً في الأخبار والمواعيد، وعدلاً في الأقضية والأحكام"[(۳)]. "ارشاد العقل السلیم" میں ہے: "المعنى أنها بلغت الغايةَ القاصية صدقاً في الأخبار والمواعيد، وعدلاً في الأقضية والأحكام، لا أحدٌ يبدِّل شيئاً من ذلك بما هو أصدَق وأعدَل، ولا بما هو مثلُه"[(۴)]. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۲۱)

أقول وبالله التوفيق: صدقِ قائل کے لیے سات۷ درجات ہیں:

درجۂ اوّل: روایات وشہادات میں قطعاً کذب سے محترز ہو، اور مخاطبات میں بھی زِنہار ایسا جھوٹ رَوا نہ رکھے، جس میں کسی کا اِضرار ہو، اگرچہ اسی قدر کہ غلط بات کا باوَر کراتا۔ مگر مزاحاً یا عبثاً ایسے کذب کا استعمال کرے جو نہ کسی کو نقصان دے، نہ سننے والا یقین لا سکے، مثلاً "آج زَید نے منوں کھانا کھایا"، "آج مسجد میں لاکھوں آدمی تھے"، ایسا شخص[(۵)] کاذب نہ گِنا

---

(۱) پ۷، انعام: ۱۹۔

(۲) پ۷، انعام: ۱۱۵۔

(۳) "أنوار التنزيل" ("تفسير بيضاوي") تحت: ٦/ ١١٥، النصف الأوّل، صـ۱۲۳.

(٤) "إرشاد العقل السليم" ("تفسير أبي السعود") تحت: ٦/ ١١٥، ٣/ ١٨٧.

(٥) قال الإمام حجّة الإسلام محمّد الغزالي -قدّس سرّه العالي- في منكَرات الضيافة من كتاب الأمر بالمعروف من "إحياء العلوم": "كلّ كذب لا يخفى أنّه كذبٌ ولا يقصد به التلبيس، فليس من جملة المنكَرات، كقول الإنسان مثلاً طلبتُك اليوم مئةَ مرّة، وأعدتُ عليك الكلامَ ألفَ مرّة، وما يجرى مجراه ممّا يعلم أنّه ليس يقصد به التحقيق، فذلك لا يقدح في العدالة ولا ترد الشّهادة به". ["إحياء العلوم" كتاب الأمر بالمعروف، الباب ٣،
=

جائے گا، یا آثِم و مردودُ الروایۃ نہ ہوگا، تاہم بات خلافِ واقع ہے، اور محض فضول وغیر نافع ہے، اگرچہ نفسِ کلام میں حکایتِ واقع مراد نہ ہونے پر دلیلِ قاطع ہے۔

درجۂ دُوم ۲: ان لغو وعبث جھوٹوں سے بھی بچے، مگر نثر یا نظم میں خیالاتِ شاعرانہ ظاہر کرتا ہو، جس طرح قصائد کی تشبیبیں جیسے:

بانت سعاد فقلبي اليوم متبول

سب جانتے ہیں کہ وہاں نہ کوئی عورت سعاد نامی تھی، نہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر مفتون تھے، نہ وہ ان سے جُدا ہوئی، نہ یہ اس کے فراق میں محزون ہوئے، محض خیالاتِ شاعرانہ ہیں، مگر نہ فضول بحث کہ تشحیذِ خاطر و تشویقِ سامع و ترقیقِ قلب و تزیینِ سخن کا فائدہ رکھتے ہیں، تاہم انآں جاکہ حکایت بے محکی عنہ ہے، ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ﴾[1] "نہ ہم نے اسے شعر سکھایا، نہ وہ اس کی شان کے لائق ہے" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

درجۂ سوم ۳: ان سے بھی تحرز کرے، مگر مَواعظ واَمثال میں ان اُمور کا استعمال کرتا ہو، جن کے لیے حقیقتِ واقعہ نہیں، جیسے کلیلہ دمنہ کی حکایتیں، منطق الطیر کی روایتیں، اگرچہ کلامِ قائل بظاہر حکایتِ واقع ہے، مگر تغلیطِ سامع نہیں؛ کہ سب جانتے ہیں کہ وعظ ونصیحت کے لیے یہ تمثیلی باتیں بیان کی گئی ہیں، جن سے دینی منفعت مقصود ہے۔ پھر بھی اِنعدامِ مصداق موجود ہے، ولہذا قرآن عظیم کو ﴿اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾[2] کہنا کفر ہوا، جیسے آج کل کے بعض کفار لئام، مدّعیانِ اسلام، نئی رَوشنی کے پرانے غلام دعویٰ کرتے ہیں، کہ کلامِ عزیز میں آدم وحوا کے قصّے، شیطان وملک کے افسانے، سب تمثیلی کہانیاں ہیں، جن کی حقیقت مقصود نہیں، تعالی الله عمّا يقول الظالمون علواً كبيراً۔

درجۂ چہارُم ۴: ہر قسم حکایت بے محکی عنہ کے تعمّد سے اجتنابِ کُلّی کرے، اگرچہ برائے سَہو وخطا حکایت خلافِ واقع کا وُقوع ہوتا ہو۔ یہ درجہ خلص اولیاء اللہ کا ہے۔

درجۂ پنجم ۵: اللہ عزّوجلّ سہواً وخطأً بھی صُدورِ کذب سے محفوظ رکھے، مگر اِمکانِ وُقوعی باقی ہو، یہ مرتبہ اَعاظم صدّیقین کا ہے کہ «إنّ اللهَ تعالى يكرهُ فوقَ سمائِه أن يخطأَ أبو بكرٍ الصّديقُ في الأرض»[3] رواه الطبَراني في "المعجَم الكبير"، والحارثُ في "مُسنده"، وابنُ شاهين في "السنّة" عن مُعاذ بن جبل رضي الله عنه عن النّبي صلى الله عليه وسلم.

= ۲/ ۲٤۱]. [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۱) پ۲۳، یٰسٓ: ۶۹۔

(۲) پ۶، انعام: ۲۵۔

(۳) "كنز العمّال" نقل عن الحارث عن معاذ بن جبل، حديث: ۳۲۶۳۱، ۱۱/ ۵۵۸. "المعجم الكبير" عن معاذ بن جبل، حديث: ۱۲٤، ۲/ ٦۸.

درجۂ ششم ۶: معصوم من اللہ ومؤیّد بالمعجزات ہو، کہ کذب کا امکان ذاتی بھی نہ رہے، مگر بنظرِ نفسِ ذات امکانِ ذاتی ہو، یہ رُتبہ حضرات انبیاء ومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

درجۂ ہفتم ۷: کذب کا امکانِ ذاتی بھی نہ ہو، بلکہ اس کی عظمت جلیلہ وجلالت عظیمہ بالذات کذب وغلط کی نافی ومُنافی ہو، اور اس کی ساحتِ عزت کے گرد اس گرد لوث کا گزر مُحالِ عقلی ہو، یہ نہایتِ درجاتِ صدق ہے، جس سے ما فوق متصوّر نہیں۔ اب آیۂ کریمہ ارشاد فرما رہی ہے، کہ تیرے ربّ کا صدق وعدل اعلیٰ درجۂ منتہیٰ پر ہے، تو واجب ہوا کہ جس طرح اس سے صُدورِ ظلم وخلافِ عدل باجماعِ اہلِ سنّت مُحالِ عقلی ہے، یونہی صُدورِ کذب وخلافِ صدق بھی عقلاً ممتنع ہو، ورنہ صدقِ الٰہی غایت ونہایت تک نہ پہنچا ہوگا! کہ اس کے ما فوق ایک درجہ اور بھی پیدا ہوگا، یہ خود بھی مُحال ہے، اور قرآنِ عظیم کے بھی خلاف ہے۔ فثبت المقصودُ، والحمد لله العلي الودود!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۲۲)

تنبیہ: اقول: فرق ہے دلیلِ سمعی کے مناطِ استحالہ ومظہرِ استحالہ ہونے میں، اوّل کے یہ معنی کہ استحالۂ صدق آیت پر مَوقوف ہے، یعنی ورودِ دلیل نے مُحال کر دیا، اگر سمع میں نہ آتا عقلاً ممکن تھا، یہ استحالۂ شرعی ہوگا۔ اور ثانی کا یہ حاصل کہ صدقِ آیت ماننا تسلیم استحالہ پر موقوف ہے، یعنی اگر مُحالِ عقلی نہ مانیے تو مفادِ آیت صادق نہیں آتا، یہ استحالۂ عقلی ہوگا۔ فقیر نے ان تینوں دلیل آخریں میں یہی طریقہ برتا ہے۔ غایت یہ کہ کلام مقدّماتِ مسلّمہ پر مبنی ہوگا، اس قدر دلیل کو عقلیت سے خارج نہیں کرتا، کما لا یخفی. خلاصہ یہ کہ آیات "اِنّ" اِثبات ہیں، نہ "لِمّ" ثبوت ہیں، والحمد لله مالك الملكوت!.

یہ بحمد اللہ تیس ۳۰ دلیلیں ہیں، کہ عجالۃً حاضر کی گئیں، اور اگر غور واستقصاء کی فرصت ہوتی، تو باری تعالیٰ سے امید زیادت تھی، پھر بھی ع:

در خانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

والله الهادي إلى الحقّ المبين، والحمد لله ربّ العالمين!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۳)

ربّ العزّت کا کذب ممکن مان کر، دین وشریعت واسلام وملّت کسی کا اصلاً پتا نہیں رہے گا

جب اُس کا کذب ممکن ہو تو اُس کا صدق ضروری نہ رہا، جب اس کا صدق ضروری نہ رہا، تو اس کی کون سی بات پر اطمینان ہو سکے گا؟ ہر بات میں احتمال رہے گا کہ شاید جھوٹ کہہ دی ہو، جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے، تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا؟ کیا اسے کسی کا ڈر ہے؟ یا اس پر کوئی حاکم وافسر ہے جو اسے دبائے گا؟ اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دے گا؟ ہاں ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اُس کا وعدہ ہو کہ "ہمیشہ سچ بولوں گا" یا اس نے فرما دیا ہے کہ "میری سب باتیں سچی ہیں" مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرا، تو سرے سے اس وعدہ وفرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان رہا؟ ہو سکتا ہے کہ پہلا جھوٹ یہی بولا ہو!۔ غرض (معاذ اللہ) اس کا کذب ممکن مان کر دین وشریعت واسلام وملّت کسی کا اصلاً پتا نہیں رہتا، جزا وسزا وجنّت ونار وحساب وکتاب وحشر ونشر کسی پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا، تعالى الله عمّا يقولون الظالمون عُلوّاً كبيراً.

علّامہ سعد الدّین تفتازانی "شرح مقاصد" میں فرماتے ہیں: "الكذبُ في إخبار الله تعالى فيه مَفاسِد

لا تحصى، ومَطاعن في الإسلام لا تخفى، منها مقالُ الفلاسفة في المعاد، ومجالُ الملاحِدة في العناد، وبُطلان ما عليه الإجماعُ من القطع بخُلود الكفّار في النّار، فمع صريحِ إخبار الله تعالى به، فجواز عدم وُقوع مضمونِ هذا الخبر محتمَلٌ، ولمّا كان هذا باطلاً قطعاً، عُلم أنّ القولَ بجواز الكذب في إخبار الله تعالى باطلٌ قطعًا"[1] (ملتقطًا).

رہی دیوبندی کی دلیل ذلیل، وہ اس کی اپنی ایجاد نہیں، امام وہابیہ کی اِختراعِ خبیث ہے، "سبحان السُّبوح" میں اس کے ہذیانوں کی پوری خدمت گزاری کردی ہے، یہاں چند حرف کافی گزارش:

اوّلاً: جب یہ ٹھہرا کہ انسان جو کچھ اپنے لیے کر سکتا ہے، وہابیہ کا خدا بھی خود اپنے واسطے کر سکتا ہے، تو جائز ہوا کہ اُن کا خدا زِنا کرے، شراب پیے، چوری کرے، بتوں کو پُوجے، پیشاب کرے، پاخانہ پھرے، اپنے آپ کو آگ میں جلائے، دریا میں ڈبائے، سرِ بازار بدمعاشوں کے ساتھ دھول چکڑ لڑے، جوتیاں کھائے، وغیرہ وغیرہ، وہ کون سی ناپاکی، کون سی ذلّت، کون سی خواری ہے، جواِن کے خدا سے اُٹھ رہے گی؟!۔

ثانیاً: بے دین اس گھمنڈ میں ہیں کہ انہوں نے خدا کا عیبی ہونا فقط ممکن کہا ہے، کوئی عیب بالفعل تو اسے نہ لگایا! حالانکہ اوّل تو یہی ان کا گدھاپَن ہے، اس جلیلِ جمیل سبوّح قدّوس کی شانِ جلال کے لیے فقط اِمکانِ عیب ہی خود بڑا بھاری عیب ہے، كما بيّناه في "سبحان السبّوح" وأوضحناه للغُواة مع ما له من الوضوح.

خیر یہ تو ایمان والے جانتے ہیں، میں وہ بتاؤں جسے یہ عیب لگانے والے بھی سمجھ جائیں، کہ بے شک انہوں نے خدا کو بالفعل عیبی مانا، اور کتنا سخت سے سخت عیبی جانا، بلکہ اس کے حق میں کچھ لگی نہ رکھی، صاف صاف اس کی اُلوہیت ہی باطل کر دی۔ وجہ سنیے! جب ٹھہری کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے، خدا بھی اپنے لیے کر سکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ آدمی قادر ہے کہ اپنی ماں کی تواضع وخدمت کے لیے اس کے تلووں پر اپنی آنکھیں ملے، اپنے باپ کی تعظیم وغلامی کے لیے اس کے جُوتے اپنے سر پہ رکھ کر چلے، تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خُدا بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ ایسی تعظیم وتواضع وخدمت وغلامی پہ قادر ہو! ورنہ انسان کی قدرت اُس کی قدرت سے بڑھ جائے گی؛ کہ ایک کام وہ نکلا جو انسان کر سکا اور خُدا سے نہیں ہو سکتا۔ اگر کہیے: اسے اس کام پہ اس وجہ سے قدرت نہ ہوئی کہ اس کے ماں باپ ہی نہیں، تو اس میں اس زخم کا کیا علاج ہُوا، مطلب تو اتنا تھا کہ ایک کام ایسا نکلا جسے بعض انسان کر رہے ہیں، اور خدا سے نہیں ہو سکتا، خواہ نہ ہوسکنے کی کوئی بھی وجہ ہو۔

لاجَرم تمہارے طَور پر ضرور ہے کہ خدا کے ماں باپ ہوں؛ تاکہ وہ بھی ایسی سعادتمندی کر سکے جیسی انسان کررہا ہے، اور ظاہر ہے کہ جو ماں باپ سے پیدا ہو وہ حادث ہوگا، اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ اس کا کوئی خالق ہوگا، اور مخلوق خدا نہیں ہو سکتا۔ اب تو تم سمجھے کہ تم خدا کو بالفعل عیبی مانتے، اور سِرے سے اس کی اُلوہیت ہی باطل کر رہے ہو! ہاں ایک صورت نکل سکتی

---

(۱) "شرح المقاصد" المبحث ۱۲، ۲/ ۲۳۸.

ہے کہ بالفعل خدا کے ماں باپ نہ ہوں، اور پھر بھی اسے ان سعادت مندیوں پر قدرت ہو، کہو تو بتا دیں! وہ یہ کہ وہابیہ کا خدا کسی دن اپنے آپ کو موت دے، اور آواگون کے ہاتھوں کسی پُرش کے بھوگ سے کسی استری کے گربھ میں دوسرا جنم لے، اپنے ان آئندہ ماں باپوں کی غلامی کرے، مگر الوہیت تو یوں بھی گئی؛ کہ جو مَر سکا وہ خدا کہاں ؟!

ثالثاً: احمق بد دین نے اگرچہ مسلمانوں کا دل رکھنے کو اپنے رسالہ "یک روزی" میں جہاں یہ ناپاک دلیلِ ذلیل لکھی ہے، یہ اظہار کیا کہ خدا کا کذب ممکن بالذات ہونے پر بھی ممتنع بالغیر ضرور ہے، مگر دلیل وہ پیش کی جس نے امتناع بالغیر کو بھی صاف اڑا دیا! ظاہر ہے کہ انسان کا کذب نہ ممتنع بالذات ہے نہ ممتنع بالغیر، بلکہ ہر روز و شب ہزاروں بار واقع، تو کذب پر اس کی قدرت آزاد ہوئی، جس پر کوئی روک نہیں، اور برابر کام دے رہی ہے، مگر خدا کی قدرت بستہ و مسدود ہے، کہ واقع کرنے کی مجال نہیں، اور شک نہیں کہ آزاد قدرت مسدود قدرت پر صریح فوقیت رکھتی ہے، تو یوں کیا انسانی قدرت اس کی قدرت سے فائق نہ رہی؟ باعتبار مقدورات کمّاً نہ سہی، تو باعتبار نفاذ کیفاً سہی! ناچار تمہیں ضرور ہے کہ امتناع بالغیر بھی نہ مانو؛ کہ انسانی قدرت سے شرمانا تو نہ پڑے!۔

رابعاً: اس قولِ خبیث کی خباثتیں کہاں تک گنیں! کہ وہ تو بلا مبالغہ کروڑوں کفریات کا خمیرہ ہے! ہاں وہ پوچ [لغو و بیہودہ] بے حقیقت گرہ کھولیں، جو اس نے اپنا جادو پھونک کر لگائی، اور حماقت سے بہت کری کھی جانی، یہ چار ۴ طور پر ہے، بعضُها قريبٌ من بعض:

اوّل: ساری بات یہ ہے کہ احمق نے افعالِ انسانی کو خدا کی قدرت سے علیحدہ سمجھا ہے، کہ آدمی اپنے کام اپنی قدرت سے کرتا ہے، یہ رافضیوں، معتزلیوں، فلسفیوں کا مذہب ہے، اہلِ سنّت کے نزدیک انسان، حیوان، تمام جہان کے افعال، اقوال، اعمال، احوال، سب اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، اَوروں کی قدرت ایک ظاہری قدرت ہے، جسے تاثیر وایجاد میں کچھ دخل نہیں، تمام کائنات و ممکنات پر قدرتِ مؤثرہ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، تو کذب ہو یا صدق، کفر ہو یا ایمان، حَسَن ہو یا قبیح، طاعت ہو یا عصیان، انسان سے جو کچھ واقع ہوگا، وہ اللہ ہی کا مقدور، اللہ ہی کا مخلوق ہوگا، اسی کی قدرت اسی کی ایجاد سے پیدا ہوگا، پھر کیونکر ممکن کہ انسان کوئی فعل قدرتِ الٰہی سے جُدا کر سکے؟! جس کے لیے وزن برابر کرنے کو خدا کو خود اپنے لیے بھی کر سکنا پڑے، اس ضلالت و بد دینی کی کوئی حد ہے؟!۔

"مقاصد" میں ہے: "فعلُ العبد واقعٌ بقدرة الله تعالى، إنّما للعبد الكسبُ، والمعتزلةُ بقدرة العبد صحةً، والحكماء إيجاباً"[1] یعنی بندے کا ہر فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے واقع ہوتا ہے، بندے کا فقط کسب ہے، اور معتزلہ وفلاسفہ کہتے ہیں، کہ بندے کا فعل خود بندے کی قدرت سے ہوتا ہے، معتزلہ کے نزدیک اِمکانی طور پر؛ کہ قدرت بندہ سے وُقوعِ فعل ممکن ہے واجب نہیں، اور فلاسفہ کے نزدیک وُجوبی طور پر؛ کہ تخلّف ممکن نہیں۔

(۱) "المقاصد مع شرح المقاصد" الفصل ٥، ٢/ ١٢٠.

دُوم ۲: اندھے سے پوچھو! انسان کو کس کے کذب پر قدرت ہے؟ اپنے یا خدا کے؟ ظاہر ہے کہ انسان قادر ہے تو صرف کذبِ انسانی پر، نہ کہ (معاذاللہ) کذبِ ربّانی پر، اور شک نہیں کہ کذبِ انسانی ضرور قدرتِ ربّانی میں ہے، پھر اگر کذبِ ربّانی قدرتِ ربّانی میں نہ ہُوا، تو قدرتِ انسانی کیونکر بڑھ گئی؟ وہ کذبِ ربّانی پر کب تھی؟ اور جس پر تھی (یعنی کذبِ انسانی) اسے ضرور قدرتِ ربّانی محیط ہے، مگر خدا جب دین لیتا ہے، عقل پہلے چھین لیتا ہے! دل کے اندھے نے یہ خیال کیا کہ انسان اپنے کذب پر قادر ہے، اور یہی لفظ بارگاہِ عزّت میں بول کر دیکھا؛ کہ اسے بھی اپنے کذب پر قدرت چاہیے، اور نہ سُوجھا کہ وہاں اپنے سے انسان مراد تھا، اور اب خدا مراد ہو گیا! اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ اسی کی طرح کا کوئی کورِ باطن خیال کرے، کہ انسان اپنے خدا کی تسبیح کر سکتا ہے، تو چاہیے کہ خدا بھی اپنے خدا کی تسبیح کر سکے، ورنہ قدرتِ انسانی بڑھ جائے گی، تو خدا کے لیے اَور خدا اور کار ہوا! وھلُمّ جراً إلی غیر نہایۃ وغیر قرار، کذلك یطبع اللهُ علی کلّ قلبِ متکبّرٍ جبّار!.
("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۳)

متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی

سوم ۳: ہم پوچھتے ہیں کہ قدرتِ انسانی بڑھ جانے سے کیا مراد ہے؟ آیا یہ کہ انسان کے مقدورات گنتی میں خدا کے مقدورات سے زائد ہو جائیں گے؟ یہ تو بداہۃً استحالۂ کذب کو لازم نہیں؛ کہ کذب وجملہ نقائص سرکارِ عزّت کے لیے سرکارِ عزّت کی قدرت میں نہ ہونے پر بھی اس کے مقدورات غیر متناہی ہیں، اور انسان کتنی ہی ناپاکیوں پر قادر ہو، آخر اس کے مقدورات محدود ہی رہیں گے، اور متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ کہیے کہ ایک چیز بھی ایسی نکلنا جو انسان کے زیرِ قدرت ہو، اور رحمان کے زیرِ قدرت نہ ہو، مُحال ہے، (اور بے شک ایسا ہی ہے) اسی کو زیادتِ قدرت سے تعبیر کیا ہے۔

تو اب ہم دریافت کرتے ہیں، کہ یہ خاص کذب کہ انسان سے واقع ہوا، قدرتِ خدا سے ہوا یا قدرتِ خدا سے جُدا؟ بر تقدیرِ اوّل، وہ کون سی چیز نکلی جو انسان کے زیرِ قدرت تھی، اور رحمان کے زیرِ قدرت نہ تھی؟ کہ یہ جو قدرتِ انسان سے ہوا خود مانتے ہو کہ قدرتِ رحمان سے ہوا، پھر زیادت کہاں؟!۔

بر تقدیرِ دُوم، رحمان اگرچہ (معاذاللہ) اپنے کروڑ کذبوں پر قادر ہو، وہ کذب اس کذب کے عین نہ ہوں گے جو انسان سے واقع ہُوا، بلکہ کذب ہونے میں اس کے مثل ہوں گے، اور مثل پر قدرت شے پر قدرت نہیں، وُہ خاص کذبِ انسانی جو قدرتِ انسانی سے واقع ہوا، اسے صراحۃً قدرتِ خدا سے جُدا کہہ رہے ہو، تو خدا کا کذب ممکن، بلکہ اب تازہ ایمانِ گنگوہی پر (معاذ اللہ) واقع مان کر بھی وُہ کال [پرانا اعتراض] تو نہ کٹا؛ کہ ایک شے جو زیرِ قدرتِ انسانی تھی، زیرِ قدرتِ رحمانی نہ ہوئی، اس کی نوع مقدورِ خدا ہوئی، نہ کہ خود وہ فرد، تو تُو نے خُدا اور انسان کو دربارۂ کذب برابر کے دو ۲ عاجز مانا؛ کہ نوعِ کذب کے افراد سے جس فرد پر انسان قادر ہے خدا قادر نہیں، اور جس فرد پر خدا قادر ہے انسان قادر نہیں۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۴)

دہلوی کے بندے خود اللہ تعالیٰ کو مقدوراتِ عبد پر قادر نہیں مانتے، اور یہ جہائیہ کا مسلک ہے

دہلوی کے بندو! اسی پر اس مسئلہ میں ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[1] اور کذبِ الٰہی محال جاننے والے مسلمانوں پر عجز ماننے کی تہمت رکھتے ہو، حالانکہ تم خود ہی وہ ہو کہ خدا کو افرادِ مقدورۂ عبد پر قادر نہیں مانتے، جب تو وزن برابر کرنے کو امثالِ مقدوراتِ عبد خود اس کے نفسِ کریم میں گڑھنا چاہتے ہو! فانّٰی تؤفکون! کس مذہبِ خبیث کی بھی تقلید چھوڑو گے؟ یا سب میں سے ایک ایک حصہ لو گے؟! یہ مواقف معتزلہ سے طائفہ جہائیہ کا مذہب ہے، کہ اللہ تعالیٰ نفس مقدوراتِ عبد پر قادر نہیں۔ "مواقف" میں ہے: "الجبائیۃ قالوا لا یقدر علی عین فعل العبد"[2] الخ.

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۶)

اہلِ سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ عین مقدوراتِ عبد پر بھی قادر ہے

ہم اہلِ سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ عین مقدوراتِ عبد پر بھی قادر ہے: کہ وہ اسی کی قدرتِ کاملہ سے واقع ہوتے ہیں، اور ان کے امثال پر بھی: کہ امثالِ عبد سے امثالِ فعل صادر کرا سکتا ہے، مگر ایسے امثال پر قدرت کہ خود اپنے نفسِ کریم سے ویسی نالائقیاں صادر کر دکھائے، اس سے وہ پاک و متعالی ہے۔ سبحان اللہ ربّ العرش عمّا یصفون!

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۶)

مثال

اس کی مثال یوں سمجھو کہ زید و عمرو دونوں اپنی اپنی زوجہ[3] کو طلاق[4] دینے پر قادر ہیں، مگر ایک دوسرے کی زوجہ کو طلاق[5] نہیں دے سکتا، تو ہر ایک دوسرے کے مقدور پر قادر نہیں، بلکہ اس کی نظیر پر قادر ہے، لیکن حق جل مجدہٗ دونوں پر قادر ہے: کہ ان میں جو اپنی زوجہ کو طلاق دے گا، وہ طلاق اللہ ہی کی قدرت سے واقع و موجود و مخلوق ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ زید و عمرو ہر ایک کے عینِ فعل پر بھی قادر ہے، اور مثلِ فعل پر بھی: کہ ایک کا فعل دوسرے کا مثل تھا، مگر امام الوہابیہ کی ضلالت نے اسے خدا کی قدرت نہ جانا، بلکہ قدرت کے لیے یہ لازم سمجھا، کہ جیسے وہ اپنی اپنی جورو کو طلاق دے سکتے ہیں، خدا خود بھی اپنی جورو مقدسہ کو طلاق دے سکے۔ اس گدھے پن کی حد ہے؟! اس بے ایمانی کا ٹھکانا ہے؟! ولا حول ولا قوۃ إلّا باللہ العليّ العظيم!.

چہارم: تو یہ قضیہ بے شک حق تھا، کہ جس پر انسان قادر ہے، اس سب اور اس کے علاوہ نامتناہی اشیاء پر مولیٰ تعالیٰ

---

(۱) پ۳، آل عمران:۱۸۹۔

(۲) "المواقف مع شرح المواقف" المرصد ٤، في الصفات الوجودية، ٨/ ٦٤.

(۳) یہ فہم امام الوہابیہ کے قابل واضح تر رکھا ہے، ورنہ مخلوق میں کسی کے کسی فعل بعینہٖ پر دوسرے کو قدرت نہیں ہو سکتی: کہ فعل فاعل سے متعین ہوتا ہے، تو وہ فعل مثلاً روٹی کھانا، پانی پینا یا اٹھنا بیٹھنا وغیرہ وغیرہ جو زید سے صادر ہوا، عمرو سے صادر نہیں ہو سکتا، اس کی نظیر اس سے صادر ہوگی۔ منہ [امام احمد رضا]۔

(۴) یعنی ایسی طلاق جس میں اصیل خود مختار ہو۔ منہ [امام احمد رضا]۔

(۵) یعنی مذکور۔ منہ [امام احمد رضا]۔

قادر ہے، وہ بقدرتِ ظاہریہ عطائیہ، اور حق تعالیٰ بقدرتِ حقیقیہ ذاتیہ، مگر اس حق کو یہ ناحق کوش کس کس طرح باطل محض کی طرف لے گیا! انسان کا کسی فعل کو کرنا کسب کہلاتا ہے، انسان کی قدرتِ ظاہریہ صرف اس قدر ہے، قدرتِ حقیقیہ خلق وایجاد میں اس کا حصّہ نہیں، وہ خاص مولیٰ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

تو اس کلمۂ حق کا حاصل یہ تھا، کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ اس کے خلق اور پیدا کرنے پر قادر ہے: کہ وہ کسب نہ ہوگا مگر بقدرتِ خُدا۔ اس دل کے اندھے نے یہ بنالیا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے، رحمان بھی خود اپنے لیے اس کے کسب پر قادر ہے، سبحان الله ربّ العرش عمّا يصفون! اندھے نے نہ جانا کہ کسی کا کسی شے پر قادر ہونا "صحة الشيء منه" ہے، نہ کہ "صحة الشيء عليه"، اور صاف گڑھ لیا کہ "ما يصح على العبد يصح على الله" جو بندے پر جاری ہو سکے، خدا پر بھی جاری ہو سکتا ہے، اس سے بڑھ کر اَور کیا ضلالت وشیطنتِ بے انتہاء ہے؟!

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾[1]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۵)

اللہ تعالیٰ کی تنزیہ میں اہلِ سنّت وجماعت کے عقیدے

(۱) اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقصان سے پاک ہے۔

(۲) سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی چیز کی طرف، کسی طرح، کسی بات میں اصلاً احتیاج نہیں رکھتا۔

(۳) مخلوق کی مشابہت سے منزّہ ہے۔

(۴) اس میں تغیّر نہیں آسکتا، اَزل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے، اور ویسا ہی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو، پھر بدل کر اَور حالت پر ہو جائے۔

(۵) وہ جسم نہیں، جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ (تعلّق) نہیں۔

(٦) اُسے مقدار عارِض نہیں، کہ اِتنا یا اُتنا کہہ سکیں، لمبا چوڑا، یا دَلدار، یا موٹا یا پتلا، یا بہت یا تھوڑا، یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا، یا بھاری یا ہلکا نہیں۔

(۷) وہ شکل سے منزّہ ہے، پھیلا یا سمٹا، گول یا لمبا، تکونا یا چوکھونٹا، سیدھا یا ترچھا، یا اَور کسی صورت کا نہیں۔

(۸) حد وطرف ونہایت سے پاک ہے، اور اس معنیٰ پر نامحدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو، بلکہ یہ معنیٰ کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اَعراض سے منزّہ ہے، غرض نامحدود کہنا نفیٔ حد کے لیے ہے، نہ کہ اِثباتِ بے مقدارِ بے نہایت کے لیے۔

(۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔

(۱۰) اس میں اَجزاء یا حصے فرض نہیں کر سکتے۔

---

(۱) پ۱۹، الشعراء: ۲۲۷۔

(۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے، جس طرح اسے دہنے بائیں یا پیچھے نہیں کہہ سکتے، یونہی جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اوپر بھی ہرگز نہیں۔

(۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا، کہ اس سے لگا ہوا ہو۔

(۱۳) کسی مخلوق سے جدا نہیں، کہ اس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔

(۱۴) اس کے لیے مکان اور جگہ نہیں۔

(۱۵) اٹھنے، بیٹھنے، اترنے، چڑھنے، چلنے، ٹھہرنے وغیرہا تمام عوارضِ جسم وجسمانیات سے منزہ ہے۔ یہ پندرہ ۱۵ کہ بقدرِ حاجت یہاں گِل تفصیل میں معتقدِ تنزیہ [جن میں عیوب سے پاکی کا بیان ہو] بے شمار ہیں، یہ پندرہ ۱۵ کہ بقدرِ حاجت یہاں مذکور ہوئے، اور ان کے سوا ان جملہ مسائل کی اصل یہی تین ۳ عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے، اور ان میں بھی اصل الاصول عقیدۂ اولیٰ ہے، کہ تمام مطالبِ تنزیہ کا حاصل وخلاصہ ہے۔ ان کی دلیل قرآن عظیم کی وہ سب آیات ہیں، جن میں باری تعالیٰ کی تسبیح، وتقدیس، وپاکی، وبے نیازی وبے مثلی وبے نظیری ارشاد ہوئی، آیاتِ تسبیح خود کس قدر کثیر ووافر ہیں:

قال تعالیٰ: ﴿ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ ﴾[1] بادشاہ نہایت پاکی والا ہر عیب سے سلامت۔

وقال تعالیٰ: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴾[2] بے شک اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

وقال تعالیٰ: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴾[3] بے شک اللہ ہی بے پرواہ ہے، سب خوبیوں سراہا۔

وقال تعالیٰ: ﴿ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ﴾[4] اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

وقال تعالیٰ: ﴿ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴾[5] کیا تو جانتا ہے اس کے نام کا کوئی۔

وقال تعالیٰ: ﴿ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾[6] اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔

ان مطالب کی آیتیں صدہا ہیں، یہ آیاتِ محکمات ہیں، یہ ام الکتاب ہیں، ان کے معنی میں کوئی خفا واجمال نہیں، اصلاً دقت واشکال نہیں، جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن واہویدا ہے، بے تغییر وتبدیل بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریاتِ دینِ اسلام سے ہے، والله الحق المبین۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۳۳۹)

---

(۱) پ۲۸، الحشر: ۲۳۔
(۲) پ۴، آل عمران: ۹۷۔
(۳) پ۲۱، لقمن: ۲۶۔
(۴) پ۲۵، الشوریٰ: ۱۱۔
(۵) پ۱۶، مریم: ۶۵۔
(۶) پ۳۰، الاخلاص: ۴۔

ہر ذی جہت قابلِ اِشارۂ حسّیہ ہے -واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہو

اقول: ہر ذی جہت قابلِ اشارۂ حسّیہ ہے، کہ اُوپر ہوا تو اُنگلی اوپر کو اٹھا کر بتا سکتے ہیں کہ وہ ہے، اور نیچے ہوا تو نیچے کو، اور ہر قابلِ اشارۂ حسّیہ متحیّز ہے، اور متحیّز جسم یا جسمانی ہے، اور ہر جسم و جسمانی محتاج ہے، اور اللہ عزّوجلّ احتیاج سے پاک ہے، تو واجب ہوا کہ جہت سے پاک ہو، نہ اوپر ہو نہ نیچے، نہ آگے نہ پیچھے، نہ دہنے نہ بائیں، تو قطعاً لازم ہے کہ کسی مکان میں نہ ہو۔

اقول: عرش زمین سے غایت بُعد پر ہے، اور اللہ بندے سے نہایت قُرب میں، قال اللہ تعالیٰ: ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾[1] وقال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾[2] تو اگر عرش پر اللہ عزّوجلّ کا مکان ہوتا، اللہ تعالیٰ ہر دُور تر سے زیادہ ہم سے دُور ہوتا، اور وہ بنصِ قرآن باطل ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اگر عرش پر چڑھا بیٹھا ہے، تو اس سے اُتر بھی سکتا ہے یا نہیں؟ اگر "نہیں" تو عاجز ہوا، اور عاجز خدا نہیں۔ اور اگر "ہاں" تو جب اُترے گا عرش سے نیچے ہوگا، تو اس کا اَسفل ہونا بھی ممکن ہوا، اور اَسفل خدا نہیں۔

اقول: اگر تیرے معبود کے لیے مکان ہے، اور مکان و مکانی کو جہت سے چارہ نہیں؛ کہ جہات نفسِ امکنہ ہیں یا حدودِ امکنہ، تو اَب دو ۲ حال سے خالی نہیں، یا تو آفتاب کی طرح صرف ایک ہی طرف ہوگا، یا آسمان کی مانند ہر جہت سے محیط۔ اوّل[3] باطل ہے بوُجوہ:

اوّلاً: آیہ کریمہ: ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا﴾[4] "اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے" کے مخالف ہے۔

ثانیاً: کریمہ: ﴿اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾[5] کے خلاف ہے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۵۰۸)

اللہ تعالیٰ کے لیے مکان وجہت کے اِثبات پر ابن تیمیہ وغیرہ کی دلیل کا رَد

رابعاً:[6] ان گمراہوں، مکان وجہت ماننے والوں کے پیشواؤں، ابن تیمیہ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے جہتِ بالا میں ہونے پر خود ہی یہ دلیل پیش کی ہے، کہ تمام جہان کے مسلمان دعا و مُناجات کے وقت ہاتھ اپنے سَروں کی طرف اٹھاتے ہیں۔ ظاہر کہ یہ دلیلِ ذلیل طبلِ کلیل کہ ائمۂ کرام جس کے پرخچے اُڑا چکے، اگر ثابت کرے گی تو اللہ عزّوجلّ کا سب طرف سے محیط ہونا؛ کہ ایک ہی طرف ہوتا تو وہیں کے مسلمان سَر کی طرف ہاتھ اٹھاتے، جہاں وہ سَروں کے مقابل ہے، باقی اَطراف کے مسلمان سَروں کی طرف کیونکر اٹھاتے، بلکہ سمتِ مقابل کے رہنے والوں پر لازم ہوتا کہ اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھائیں؛ کہ ان کے مجسمہ کا معبود اُن کے پاؤں کی طرف ہے۔

---

(۱) پ۲۶، ق:۱۶۔
(۲) پ۲، البقرۃ:۱۸۶۔
(۳) اگلے صفحہ پر چند سطور کے بعد اس اوّل کی دوسری کے بارے میں ہے: "رہی دوسری، اس پر یہ اِحاطۂ عرش کے اندر اندر ہرگز نہ ہوگا"... الخ۔
(۴) پ۵، النساء:۱۲۶۔
(۵) پ۱، البقرۃ:۱۱۵۔
(۶) اس سے قبل ثالثاً کے تحت بحث مذکور موضوع سے متعلق نہیں، لہٰذا یہاں ذکر نہیں کی گئی۔

بالجملہ پہلی شق باطل ہے۔ رہی دوسری، اس پر یہ احاطۂ عرش کے اندر اندر ہرگز نہ ہوگا، ورنہ اِستواء باطل ہو جائے گا، ان کا معبود عرش کے اوپر نہ ہوگا، نیچے قرار پائے گا! لاجرم عرش کے باہر سے احاطہ کرے گا، اب عرش ان کے معبود کے پیٹ میں ہوگا! توعرش اس کا مکان کیونکر ہو سکتا ہے؟ بلکہ وہ عرش کا مکان ٹھہرا! اور اب عرش پر بیٹھنا بھی باطل ہو گیا؛ کہ جو چیز اپنے اندر ہو اُس پر بیٹھنا نہیں کہہ سکتے، کیا تمھیں کہیں گے کہ تم اپنے دل یا جگر یا طحال پر بیٹھے ہوئے ہو؟! گمراہو! حجۃُ اللہ یوں قائم ہوتی ہے!!۔

صمد وہ جس کے لیے جَوف نہ ہو

اقول: شرعِ مطہّر نے تمام جہان کے مسلمانوں کو نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمایا، یہی حکم دلیل قطعی ہے؛ کہ اللہ تعالیٰ جہت ومکان سے پاک وبَری ہے، اگر خود حضرت عزّت جلالُہ کے لیے طرف وجہت ہوتی، محض مہمَل باطل تھا؛ کہ اصل معبود کی طرف منہ کرکے اس کی خدمت میں کھڑا ہونا، اس کی عظمت کے حضور پیٹھ جھکانا، اس کے سامنے خاک پر منہ ملنا چھوڑ کر ایک اَور مکان کی طرف سجدہ کرنے لگیں، حالانکہ معبود دوسرے مکان میں ہے، بادشاہ کا مجرئی (سلام پیش کرنے والا) اگر بادشاہ کو چھوڑ کر دیوان خانہ کی کسی دیوار کی طرف منہ کرکے آداب مجرا (سلام) بجالائے، اور دیوار ہی کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے، تو بے ادب مسخرہ کہلائے گا یا مجنون پاگل!!۔

ہاں اگر معبود سب طرف سے زمین کو گھیرے ہوتا، توالبتہ جہتِ قبلہ مقرّر کرنے کی جہت نکل سکتی، کہ جب وہ ہر سمت سے محیط ہے، تواس کی طرف منہ تو ہر حال میں ہوگا ہی، ایک ادب قاعدے کے طور پر ایک سمت خاص بنا دی گئی۔ مگر معبود ایسے گھیرے سے پاک ہے؛ کہ یہ صورت دو۲ ہی طَور پر متصوّر ہے، ایک یہ کہ عرش تافرش سب جگہیں اس سے بھری ہوں، جیسے ہر خلا میں ہَوا بھری ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ عرش سے باہر باہر افلاک کی طرح محیطِ عالَم ہو اور بیچ میں خلا، جس میں عرش وکرسی، آسمان وزمین ومخلوقات واقع ہیں، اور دونوں صورتیں مُحال ہیں؛ پچھلی اس لیے کہ اب وہ صمد نہ رہے گا، صمد وہ جس کے لیے جَوف نہ ہو، اور اس کا جَوف تو اتنا بڑا ہوا! مع ہذا جب خالقِ عالَم آسمان کی شکل پر ہوا، تو تمھیں کیا معلوم ہوا کہ وہ یہی آسمان اعلیٰ ہو جسے فلکِ اطلس وفلک الافلاک کہتے ہیں؟ جب تشبیہ ٹھہری تواس کے استحالے پر کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ اور پہلی صورت اس سے بھی شنیع تر وبدیہیُ البطلان ہے؛ کہ جب مجسّمہ گمراہوں کا وَہمی معبود عرش تافرش ہر مکان کو بھرے ہوئے ہے، تو (معاذاللہ) ہر پاخانے، غسل خانے میں ہوگا! مَردوں کے پیٹ اور عورتوں کے رِحم میں بھی ہوگا! راہ چلنے والے اُسی پر پاؤں اور جُوتا رکھ کر چلیں گے!

مع ہذا اس تقدیر پر تمھیں کیا معلوم کہ وہ یہی ہَوا ہو جو ہر جگہ بھری ہے، جب اِحاطۂ جسمانیہ ہر طرح باطل ہوا، تو بالضرورۃ ایک ہی کنارے کو ہوگا، اور شک نہیں کہ کرۂ زمین کے ہر سمت رہنے والے جب نمازوں میں کعبے کو منہ کریں گے، توسب کا منہ اس ایک ہی کنارے کی طرف نہ ہوگا، جس میں تم نے خدا کو فرض کیا ہے، بلکہ ایک کا منہ ہے، تو دوسرے کی پیٹھ ہوگی، تیسرے کا بازو، ایک کا سَر ہوگا، تو دوسرے کے پاؤں، یہ شریعتِ مطہّرہ کو سخت عیب لگانا ہوگا! لاجرم ایمان لانا فرض ہے کہ وہ

غنی بے نیاز مکان وجہت وجملہ اَعراض سے پاک ہے، وللہ الحمد!۔

اقول: "صحیحین" میں ابوہریرہ اور "صحیح مسلم" میں ابوہریرہ وابو سعید رضی اللہ عنہما سے ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «ینزل ربّنا كلَّ ليلةٍ إلى سماء الدّنيا حين يبقَى ثلثُ اللّيل الآخِر فيقول: مَن يدعوني فأستجيب له»[1] ...الحدیث "ہمارا رب تعالی ہر رات تہائی رات رہے اس آسمانِ زیریں تک نُزول کرتا اور ارشاد فرماتا ہے: ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۵۰۹)

اب رَدِّ جہالاتِ مخالف لیجیے!

یعنی وہ جو اس بے علم نے اپنی گمراہی کے زور میں دو ۲ حدیثیں پیشِ خویش اپنی مفید جان کر پیش کیں:

حدیث "صحیح بخاری" تو ان علامۃ الدہر صاحب نے بالکل آنکھیں بند کر کے لکھ دی، اپنے معبود کا مکانی وجسم ہونا جوز بن میں جَم گیا ہے، تو خواہی نخواہی بھی ہر اہی ہر اسُوجھتا ہے، حدیث کے لفظ یہ ہیں: فقال، وهو مكانَه: «يا ربّ! خفِّف عنّا؛ فإنّ أمّتي لا تستطيع هذا»[2] یعنی جب نبی کریم ﷺ پر پچاس ۵۰ نمازیں فرض ہوئیں، اور حضور سدرہ سے واپس آئے، آسمان ہفتم پر موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف چاہنے کے لیے گزارش کی، حضور بمشورہ جبریلِ امین -علیہ الصلاۃ والتسلیم- پھر عازمِ سدرہ ہوئے، اور اپنے اسی مکانِ سابق پر پہنچ کر جہاں تک پہلے پہنچے تھے، اپنے رب سے عرض کی: "الٰہی! ہم سے تخفیف فرمادے؛ کہ میری امّت سے اتنی نہ ہو سکیں گی"۔

یہاں سیّدِ عالَم ﷺ کے مکانِ ترقّی کا ذکر ہے، باؤلے فاضل نے جھٹ ضمیر حضرت عزّت (اللہ تعالی) کی طرف پھیر دی، یعنی حضور نے عرض کی اس حال میں کہ خدا اپنے اسی مکان میں بیٹھا ہوا تھا، کہیں چلانہ گیا تھا، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العلي العظيم! بصیر صاحب کو اتنی بھی نہ سُوجھی کہ وهو مكانَه جملہ حالیہ، قال اور اس کے مقولے کے درمیان واقع ہے، تو اَقرب کو چھوڑ کر بلا دلیل کیونکر گڑھ لیا جائے، کہ یہ حال حضور سے نہیں اللہ عزّوجلّ سے ہے، جو اس جملے میں مذکور بھی نہیں، مگر ہے یہ کہ ﴿مَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾[3]۔

اقول: مسند امام احمد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف اس قدر ہے کہ رب تعالی نے فرمایا: «بعزّتي وجلالي!»[4] "مجھے اپنی عزّت وجلال کی قسم!" ارتفاعِ مکانی کا اصلاً ذکر نہیں۔ یہ حدیث اور اس جیسی اَور جو لاؤ، سب میں منہ کی کھاؤ! مکان

(۱) "صحيح البخاري" كتاب التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، ۱/ ۱۵۳. "صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات ...إلخ، ۱/ ۲۸۵.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قول الله ﷻ وكلم الله موسى تكليماً، ۲/ ۱۱۲۰.

(۳) پ۱۸، نور: ۴۰۔

(٤) "مسند الإمام أحمد" مروي از ابو سعيد خدري، ۳/ ۲۹ و ٤۱.

ومنزل ومقام بمعنی[1] مکانت ومنزلت ومرتبہ ایسے شائع الاستعمال نہیں کہ کسی ادنیٰ ذی علم پر مخفی رہیں، مگر جاہل بے خرد کا کیا علاج!!۔ اقول: ممکن کہ مکان مصدر میمی ہو، تو اس کا حاصل کَون وُجود وارتفاع واعتلائے وجودِ الٰہی ہوگا۔

اِضافتِ تشریفی بھی کبھی کسی ذی علم سے سُنی ہے؟! کعبہ کو فرمایا: "بَیتِي" میرا گھر۔ جبریل امین کو فرمایا: "رُوحنا" ہماری رُوح۔ ناقۂ صالح کو فرمایا: "ناقة الله" اللہ کی اونٹنی۔ اب کہہ دینا کہ اللہ کا بڑا شیش محل تو اُوپر ہے، اور ایک چھوٹی سی کوٹھری رات کو سونے کی کعبے میں بنا رکھی ہے، اور تیرا معبود کوئی جاندار بھی ہے! اُونچی سی اُونٹنی پر سوار بھی ہے! ؎

بے حیا باش وآنچہ خواہی گوئے

حدیث اوّل سے بھی جواب آخر [اوپر گزرا حدیث بخاری کے تحت] ہے، یہ دونوں [بحث کی ابتداء میں] حدیثیں بھی فرض کر لیں، اور مکان اُسی تیرے گمان ہی کے معنی پر رکھیں، اور اس کی نسبت جانب حضرت عزت بھی تیرے ہی حسبِ دِل خواہ [مرضی کے مطابق] قرار دیں، توغایت یہ کہ دو۲ حدیثِ آحاد میں لفظ مکان وارد ہوا، اس قدر کیا قابل اِستناد ولائق اعتماد؟! کہ ایسے مسائلِ ذات وصفاتِ الٰہی میں احادیث آحاد اصلاً قابل قبول نہیں، وہی تیرے دشمن مستند امام بیہقی اسی "کتاب الاسماء والصفات" میں فرماتے ہیں: ہمارے ائمۂ متکلمین اہل سنّت وجماعت نے مسائلِ صفاتِ الٰہیہ میں اَخبار آحاد سے سندلانی قبول نہ کی، جبکہ وہ بات کہ تنہا ان میں آئی، اس کی اصل قرآن عظیم یا اِجماعِ امّت سے ثابت نہ ہو، اور ایسی حدیثوں کی تاویل میں مشغول ہوئے[2]۔

اقول: تیری سب جہالتوں سے قطع نظر کی جائے، تو ذرا اپنے دعوے کو سوجھ [دیکھو] کہ "احادیثِ صریحہ صحیحہ سے عرش کا مکانِ الٰہی ہونا ثابت ہے" صریح ہونا بالائے طاق، ان احادیث سے اگر بفرضِ باطل ثابت ہوگا تو یہ تیرے معبود کے لیے تیرے زعم میں مکان ہے، اس سے یہ کیونکر نکلا کہ وہ مکان عرش ہی ہے، خود اپنا دعوی سمجھنے کی لیاقت نہیں، اور چلے صفاتِ الٰہیہ میں کلام کرنے!!۔

اقول: بلکہ حدیثِ اوّل میں تو سدرۃ المنتہی کا ذکر ہے، تو اگر تیرے زعم باطل کے طور پر اِطلاقِ مکان ثابت ہوگا تو سدرہ پر، نہ کہ عرش پر، انہیں کو احادیثِ صریحہ کہا تھا؟! لا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العليّ العظيم!.

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۱۴)

اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں

اللہ تعالیٰ پر واجب نہ تھا کہ یہ کمالات عالیہ جو اس نے حضور اقدس ﷺ کو محض اپنے فضل عظیم سے عطا فرمائے، حضور کو عطا فرماتا، بلکہ ممکن تھا کہ محمد بن عبد اللہ ﷺ کی جگہ احمد بن عبد المطلب کو دیتا، بلکہ کسی کو نہ دیتا، بلکہ سِرے سے عالَم ہی نہ بناتا، تو کچھ اس پر لازم نہ تھا، اس میں کسی کو نزاع نہیں، جیسا کہ اربابِ بصیرت کو بحمد اللہ تعالیٰ اس میں بھی اصلاً شک وشبہ

(۱) ولہٰذا "مرقات" میں اسی حدیث کے نیچے لکھا: وارتفاع مكاني، أي: مكانتي. منه [أي: مِن الإمام أحمد رضا].
(۲) "كتاب الأسماء والصفات" باب ما ذكر في القدم والرجل ثمّ دنا فتدلّى ...إلخ، ۲/ ۹۲.

نہیں، کہ وہ اس تقدیر پر احمد بن عبد المطلب نہ ہوتے مگر حضور پُرنور کما لا یخفی علی ذوي النور؛ کہ حضور اُسی ذاتِ کریم سے عبارت ہے جو حقیقۃُ الحقائق، وائمِ الحقائق، ومظہرِ اوّل، وتعین اکمل، وخلیفۂ مطلق، وبلاواسطہ مستفیض من الحق، وبلااستثناء مفیض علی الخلق ہے، علیه أکملُ صلاةٍ وأجمل سلام، آمین!. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۸)

اللہ تعالیٰ کو کوئی شے محیط نہیں ہو سکتی، وہی ہر شے کو محیط ہے

اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رؤیت بمعنی اِحاطہ کا انکار فرماتی ہیں کہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾[1] سے سند لاتی ہیں، اور احادیث صحیحہ میں رؤیت کا اِثبات بمعنی اِحاطہ نہیں؛ کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی شے محیط نہیں ہو سکتی، وہی ہر شے کو محیط ہے، اور اِثبات نفی پر مقدّم ہے، واللہ تعالی أعلم. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۳)

خبرِ الٰہی مثل علمِ الٰہی ہے، ان میں سے کسی کا خلاف ممکن نہیں

خبرِ الٰہی مثل علم الٰہی ہے، ان میں سے کسی کا خلاف ممکن نہیں، مگر یہ استحالہ بالغیر ہے کہ نفیٔ قدرت نہیں کرتا، علم الٰہی اَزلی میں تھا کہ زید کو فُلاں وقت پیدا کرے گا، اب واجب ہوا کہ زید اس وقت پیدا ہو، اگر نہ پیدا ہو تو (معاذ اللہ) جہل لازم آئے، لیکن اس سے یہ لازم نہ آیا کہ مولا تعالیٰ اس کو پیدا کرنے پر مجبور ہو گیا، نہ پیدا کرنے پر قادر نہ رہا، ورنہ پھر جہل لازم آئے؛ کہ علم میں تو یہ تھا کہ اپنی قدرت سے اسے پیدا کرے گا، اور یہ نہ ہوا بلکہ (معاذ اللہ) مجبور ہو گیا۔

حاشا! بلکہ زید کا وجود وفنا اَزلاً اَبداً تحتِ قدرت ہے، اور تعلقِ علم کے سبب جس وقت اس کا وجود علم الٰہی میں تھا، وجود واجب ہے، اور جس وقت فنا تھا، فنا واجب ہے؛ کہ خلاف ہو تو جہل ہو، اور جہل مُحال بالذات ہے، اس مُحال بالذات نے ان ممکنات کو اپنے اپنے وقت میں واجب بالغیر کر دیا، اس سے (معاذ اللہ) نہ قدرت مسلوب ہوئی، نہ جہل ممکن ہوا، بعینہ یہی بات خبرِ الٰہی میں ہے، اس نے خبر دی کہ اہلِ جنّت کو جنّت میں ہمیشہ رکھے گا، ان کا خُلود واجب ہو گیا، اگر نہ ہو تو (معاذ اللہ) کذب لازم آئے۔ مگر اس سے انقطاع پر قدرت مسلوب نہ ہوئی، خُلود وانقطاع دونوں اَزلاً اَبداً زیرِ قدرت ہیں، مگر تعلقِ خبر نے خُلود کو واجب بالغیر کیا، اس سے نہ قدرت مسلوب ہوئی، نہ (معاذ اللہ) کذب ممکن ہوا۔ کذب کے مُحال بالذات ہونے ہی نے تو اس ممکن کو واجب بالغیر کر دیا، اگر اس سے کذب ممکن ہو جائے تو اسے واجب کون کرے؟ مولا عزّوجل کے وعد ووعید کسی میں تخلّف ممکن نہیں، خود وعید ہی کے لیے ارشاد ہوا ہے: ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾[2] جیسے وعدہ کو فرمایا: ﴿لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾[3]۔ بعض کے کلام میں کہ خلفِ وعید کا لفظ واقع ہوا، تصریحات ہیں کہ اس سے مراد عفو ہے، یہ اگر (معاذ اللہ) اِمکانِ کذب ہو تو اِمکان کیسا؟ وُقوع ہوا؛ کہ عفو یقیناً واقع ہو گا، اس کی مفصّل بحث "سبحان السُّبوح" میں ہے۔

---

(۱) پ۷، الانعام: ۱۰۳۔
(۲) پ۲۶، قٓ: ۲۹۔
(۳) پ۱۷، الحج: ۴۷۔

آیۂ کریمہ ﴿ إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾[1] کے وہ معنی بعونہ تعالیٰ ذہنِ فقیر میں ہیں، جن کے بعد ہرگز ہرگز کسی تاویل کی حاجت نہیں، معنی ظاہر پر بلا تکلّف مستقیم ہیں، خُلودِ اہلِ دارین کو عمرِ آسمان وزمین سے مقدّر فرمایا ہے: ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾[2] ظاہر ہے کہ اس سے یہ بقائے آسمان وزمین مراد نہیں جو نفخِ صُور پر منقطع ہے، بلکہ سماء وارض کہ روزِ قیامت اعادہ کیے جائیں گے، اُن کی عمر مراد ہے، جو اَبدی ہے، اور کچھ شک نہیں کہ اس کی مقدار جنّتیوں کے جنّت، دوزخیوں کے دوزخ میں رہنے کی مقدار سے صدہا سال زائد ہے، کہ انتہاء نہ ان کو نہ اس کو، مگر اس کی ابتداء ان کی ابتداء سے سینکڑوں برس پہلے ہے، شروعِ روزِ قیامت میں آسمان وزمین پیدا ہو جائیں گے، لیکن جنّتی جنّت اور دوزخی دوزخ میں بعد حساب جائیں گے، اور باہم بھی مقدار میں مختلف ہوں گے، فقراء اغنیاء سے پانچ سو ۵۰۰ برس پہلے جنّت میں جائیں گے، تو جانبِ ابتداء میں ان کا خُلود اُن سماوات وارض کے دوام سے کم ہوا، کسی کا مثلاً ہزار برس کم، جیسی جس کے لیے مشیت ہوگی، کسی کا دو ہزار برس کم ...إلی غیر ذلك. اس کو فرماتا ہے: ﴿إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾ روایت «لیأتینّ علی جهنّم»[3] ...إلخ، دوزخ کے طبقۂ اُولیٰ کے لیے ہے، جس کا نام جہنّم ہے، اگرچہ مجموعہ کو بھی جہنّم کہتے ہیں، یہ طبقہ عُصاۃ موحّدین کے لیے ہے، یہ بے شک ایک روز بالکل خالی ہو جائے گا، جب لا الٰہ الّا اللہ کہنے والا کوئی اس میں نہ رکھا جائے گا، واللہ تعالی أعلم.

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۸۷)

معنیٔ عشق اللہ تعالیٰ کے حق میں مُحالِ قطعی ہے

معنیٔ عشق اللہ تعالیٰ کے حق میں مُحالِ قطعی ہے، اور ایسا لفظ بے وُرودِ ثبوتِ شرعی حضرت عزّت کی شان میں بولنا ممنوعِ قطعی ہے، "ردالمحتار" میں ہے: "مجرّد إیهام المعنی المحال کافٍ في المنع"[4]۔

امام علّامہ یوسف اردبیلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الأنوار لأعمال الأبرار" میں اپنے احد شیخین مذہب امام رافعی، وہ ہمارے علمائے حنفیہ رحمہم اللہ سے نقل فرماتے ہیں: "لو قال: أنا أعشق اللهَ أو یعشقني فمبتدعٌ، والعبارةُ الصّحیحة أن یقولَ: أحِبُّه ویُحِبُّني، کقوله تعالی: ﴿یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ ﴾[5]۔

اسی طرح امام ابن حجر مکّی -قدّس سرّہ الملکي- نے "إعلام" میں نقل فرما کر مقرّر رکھا۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۹۲)

---

(۱) پ۱۲، ہود: ۱۰۷۔

(۲) پ۱۲، ہود: ۱۰۷۔

(۳) "جامع القرآن" (تفسیر ابن جریر) تحت آیت، ۱۱/ ۱۲، ۱۰۷/ ۱۴۲.

(٤) "ردّ المحتار" کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، ٥/ ٢٥٣.

(٥) "الأنوار لأعمال الأبرار" کتاب الردة، ٢/ ٣٣١.

دنیا میں اللہ عزّوجلّ سے کلامِ حقیقی غیرنبی کے لیے ممکن نہیں

عقیدہ: دنیا میں اللہ عزّوجلّ سے کلامِ حقیقی غیرنبی کے لیے ممکن نہیں، جو کسی ولی کے لیے مانے اس پر کفر لازم ہے۔

علومِ اَرحام سے متعلق آیتوں کا بیان

اللہ تعالیٰ جل وعلا سورۂ آلِ عمران شریف میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾[1] "بے شک اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں، زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہے جو تمھارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسا چاہے، کوئی سچا معبود نہیں مگر وہی، زبردست حکمت والا ہے"۔

سورۂ رعد شریف میں فرماتا ہے: ﴿اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ﴾[2] "اللہ جانتا ہے جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ، اور جتنے سمٹتے ہیں پیٹ اور جتنے پھیلتے ہیں، یا جو کچھ گھٹتے ہیں اور جو کچھ بڑھتے ہیں، اور ہر چیز اس کے یہاں ایک اندازے سے ہے، وہ جاننے والا ہے پوشیدہ وظاہر کا، وہ سب سے بڑا بلندی والا ہے"۔

سورۂ حج شریف میں فرماتا ہے: ﴿وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾[3] "اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں ماں کے پیٹ میں جو کچھ چاہیں، ایک مقرر وعدے تک"۔

سورۂ لقمان شریف میں فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾[4] "بے شک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا، اور اتارتا ہے مینہ، اور جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا، اور کسی کو اپنی خبر نہیں کہ کہاں مرے گا، بے شک اللہ ہی ہے جاننے والا خبردار"۔

اور سورۂ ملائکہ شریف میں فرماتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ﴾[5] "اللہ نے بنایا تمھیں مٹی سے، پھر منی سے، پھر کیا تمھیں جوڑے جوڑے، اور نہیں کا بھن ہوتی کوئی مادہ اور نہ جنے مگر اس (اللہ) کے علم سے، اور نہ کوئی عمر والا عمر دیا جائے، اور نہ گھٹایا جائے اس کی عمر سے، مگر یہ سب لکھا ہے ایک نوشتہ میں، بے شک

---

(۱) پ۳، آل عمران:۵و۶۔

(۲) پ۱۳، الرعد:۸و۹۔

(۳) پ۱۷، الحج:۵۔

(۴) پ۲۱، لقمان:۳۴۔

(۵) پ۲۲، فاطر:۱۱۔

یہ سب اللہ کو آسان ہے"۔

سورۂ حم السجدہ شریف میں فرماتا ہے: ﴿ اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ﴾[1] "اللہ ہی کی طرف پھیرا جاتا ہے علم قیامت کا، اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلاف سے، اور نہ پیٹ رہے کسی مادہ کو، اور نہ جنے مگر اس کی آگاہی سے"۔

اور سورۂ والنجم شریف میں فرماتا ہے: ﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴾[2] "اللہ خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے بنایا تم کو زمین سے، اور جب تم چھپے ہوئے تھے ماں کے پیٹ میں، تو آپ اپنی جان کو ستھرا نہ کہو، اسے خوب خبر ہے کون پرہیزگار ہوا"۔

آیاتِ کریمہ میں مَولیٰ ﷻ اپنے بے پایاں علوم کے بے شمار اقسام سے ایک سہل قسم کا بہت اِجمالی ذکر فرماتا ہے، کہ ہر مادہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے، سب کا سارا حال، پیٹ رہتے وقت، اور اس سے پہلے، اور پیدا ہوتے، اور پیٹ میں رہتے، اور جو کچھ اس پر گزرا، اور گزرنے والا ہے، جتنی عمر پائے گا، جو کچھ کام کرے گا، جب تک پیٹ میں رہے گا، اس کا اندرونی بیرونی ایک ایک عضو، ایک ایک پُرزہ، جو صورت دیا گیا، جو دیا جائے گا، ہر ہر رونگٹا جو مقدار مساحت وزن پائے گا، بچے کی لاغری، فربہی، غذا، حرکتِ خفیفہ زائدہ، اِنبساط، اِنقباض اور زیادت و قلّتِ خون، طمث و حصول فضلات وہَوا ور طوبات وغیرہا کے باعث آن آن پر پیٹ جو سمٹتے پھیلتے ہیں، غرض ذرّہ ذرّہ سب اسے معلوم ہے، ان میں نہ کہیں تخصیص کا ذِکر، نہ مطلق علم کی نفی و حصر، تو یہ مہمل ومختل اعتراض پادر ہوا، کہ بعض پادریان پادر ہوا کی تازہ گھڑت ہے، اس کا اصل منشا معنیٔ آیات میں بے فہمیٔ محض، یا حسبِ عادت دیدہ ودانستہ کلامِ الٰہی پر اِفتراء وتہمت ہے۔

قرآن عظیم نے کس جگہ فرمایا ہے، کہ کوئی کبھی کسی مادہ کے حمل کو، کسی طرح تدبیر سے اتنا معلوم نہیں کر سکتا، کہ نَر ہے یا مادہ؟ اگر کہیں ایسا فرمایا تو نشان دو! اور جب یہ نہیں تو بعض وقت، بعض اِناث کے، بعض حمل کا، بعض حال، بعض تدابیر سے، بعض اَشخاص نے، بعد جہلِ طویل وعجزِ مدید کے، بعض آلاتِ بے جان کا فقیر ومحتاج ہو کر، اس فانی وزائل و بے اصل و بے حقیقت نام کے۔ ایک ذرّۂ علم وقدرت سے (کہ وہ بھی اسی بارگاہِ علیم وقدیر سے حصۂ رسد چند روز سے چند روز کے لیے پائے، اور اب بھی اسی کے قبضہ واقتدار میں ہیں؛ کہ بے اس کے کچھ کام نہ دیں) اگر صحراء سے ذرّہ، سمندر سے قطرہ معلوم کر لیا، تو یہ آیاتِ کریمہ کے کس حرف کا خلاف ہوا؟ وہ خود فرماتا ہے: ﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾[3] "اللہ جانتا ہے جو اِن کے آگے ہے، اور جو کچھ پیچھے ہے، اور وہ نہیں پاتے اس کے علم سے کسی چیز کو، مگر جتنی وہ چاہے"۔

---

(۱) پ۲۵، حٰم السجدۃ: ۴۷۔

(۲) پ۲۷، النجم: ۳۲۔

(۳) پ۳، البقرۃ: ۲۵۵۔

تمام جہان میں، روزِ اوّل سے اَبد الآباد تک، جس نے جو کچھ جانا یا جانے گا، سب اسی ﴿اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ کے استثناء میں داخل ہے، جس کے لاکھوں کروڑوں سَر بفلک کشیدہ پہاڑوں سے ایک نہایت قلیل ورذیل وبے مقدار ذرّہ یہ آلہ بھی ہے [جس سے رحمِ مادر کے اندر کا حال جانا جاتا ہے]، ایسا ہی اعتراض کرنا ہو، تو بے گنتی گزشتہ وآئندہ باتوں کا جو علم ہم کو ہے، اسی سے کیوں نہ اعتراض کرے؟ جو صیغہ ﴿يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ میں ہے کہ "اللہ جانتا ہے جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے"، بعینہٖ وہی صیغہ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾[1] میں ہے کہ "اللہ جانتا ہے جو کچھ گزرا، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے"۔ جب ان بے شمار علوم تاریخی وآسانی ملنے میں کسی عاقل منصف کے نزدیک اس آیت کا کچھ خلاف نہ ہوا، نہ تیرہ سَو برس سے آج تک کسی پادری صاحب کو ان علوم کے باعث، اس آیۂ کریمہ پر لب کشائی کا جنون اُچھلا، تو اَب ایک ذرا سی آلیا (چھوٹا معمولی سا آلہ) نکال کر اس آیت کا کیا بگاڑ متصوّر ہو سکتا ہے؟! ہاں عقل نہ ہو تو بندہ مجبور ہے! یا انصاف نہ ملے تو اکھیارا بھی کور ہے! ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا باللہ العلي العظيم!۔

ثم أقول وباللہ التوفیق: مفصّلاً حق واضح کو واضح تر کروں:

اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزّت عزّ جلالہ سے تخصیص، اور اس کی ذاتِ پاک میں حصر، اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی، چند وجہ پر ہے:

اوّل: علم کا ذاتی ہونا، کہ بذاتِ خود بے عطائے غیر ہو۔

دُوم ۲: علم کا غنا، کہ کسی آلۂ جارحہ وتدبیر وفکر ونظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم ۳: علم کا سرمدی ہونا، کہ اَزلاً اَبداً ہو۔

چہارم ۴: علم کا وُجوب، کہ کبھی کسی طرح اس کا سَلب ممکن نہ ہو۔

پنجم ۵: علم کا اِثبات واستمرار، کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیّر وتبدّل، فرق وتفاوُت کا اِمکان نہ ہو۔

ششم ۶: علم کا اقصٰی غایتِ کمال پر ہونا، کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اَعراض، اَحوالِ لازمہ، مفارِقہ، ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ، آتیہ، موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرّہ، کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان چھ ۶ وجہ پر مطلقِ علم حضرتِ اَحدیت جلّ وعلا سے خاص ہے، اور اس کے غیر سے قطعاً مطلقاً منفی ہے، یعنی کسی کو کسی ذرّہ کا ایسا علم جو اِن چھ ۶ وُجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو، حاصل ہونا ممکن نہیں، جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقولِ مفارِقہ ہوں خواہ نُفوسِ ناطقہ، ایک ذرّے کا ایسا علم ثابت کرے، یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ ان تمام وُجوہ کی طرف آیاتِ کریمہ میں بإطلاقِ کلمہ "یعلم" اشارہ فرمایا، کہ یہاں علم کو مطلق رکھا، اور مطلق فردِ کامل کی طرف منصرف ہوتا ہے، اور علمِ کامل بلکہ علمِ حقیقی حق الحقیقہ وہی ہے جو اِن وُجوہِ ستّہ کا جامع ہو، اسی لحاظ پر ہے وہ جو قرآنِ عظیم میں ارشاد ہوا: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ

---

(۱) پ۳، البقرۃ: ۲۵۵۔

﴿فَیَقُوْلُ مَا ذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا﴾[1] "جس دن اللہ عزوجل رسولوں کو جمع کر کے فرمائے گا: تمہیں کیا جواب ملا؟ عرض کریں گے: ہمیں کچھ علم نہیں"۔

کفار کے پاس ان محبوبانِ خدا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم کا تشریف لانا، ہدایت فرمانا، ان ملاعنہ کا تکذیب وانکار واصرار واستکبار وبیہودہ گفتار سے پیش آنا کسے نہیں معلوم اگر حضرات انبیاء عرض کریں گے ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾ "ہمیں اصلا علم نہیں"، "لا" نفیٔ جنس کا ہے، سلبِ مطلق فرمائیں گے، یعنی وہی علم کامل کہ بحقیقت حقیقۃً علم اسی کا نام ہے، اصلا اس کا کوئی فرد ہمیں حاصل نہیں، حق حقیقت تو یہ ہے، جب اس سے تجاوز کر کے حقیقتِ عُرفیہ یعنی مطلق دانستن کی طرف چلیے، خواہ بالذات ہو یا بغیر ہو، غنی ہو یا محتاج، سرمدی ہو یا حادث، اَبدی ہو یا فانی، واجب ہو یا ممکن، ثابت ہو یا متغیر، تام ہو یا ناقص، بالکُنہ ہو یا بالوجہ، بایں معنی مطلقِ علم کہ ایک آدھ چیز کے جاننے سے بھی صادق ہے، زنہار مختص بحضرت عزّت ۔عَزَّتْ عظمتُہٗ۔ نہیں، نہ (معاذاللہ) قرآن عظیم نے ہرگز کہیں اس کا دعویٰ کیا، بلکہ جس طرح معنیٔ اوّل کا غیر کے لیے اثبات کفر ہے، اس معنی کی غیر سے نفیٔ مطلق بھی کفر ہے؛ کہ یہ خود صدہا نصوصِ قرآن عظیم، بلکہ تمام قرآنِ عظیم، بلکہ تمام ملل وشرائع وعقل ونقل وحس سب کی تکذیب ہوگی، قرآن عظیم نے اپنے محبوبوں کے لیے بے شمار علومِ عظیمہ ثابت فرمائے، اور ان کے عطا سے منّت رکھی۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۸۳،۴۸۴)

قال تعالیٰ: ﴿وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا﴾[2] "اور سکھا دیا اللہ نے تجھے اے نبی! جو تجھے معلوم نہ تھا، اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے"۔

﴿وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ﴾[3] "اور فرشتوں نے ابراہیم کو مژدہ دیا، علم والے لڑکے کا"۔

﴿وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ﴾[4] "اور بے شک یعقوب علم والا ہے، ہمارے علم عطا فرمانے سے"۔

﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾[5] "سکھا دیے آدم کو سب نام"۔

﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ﴾[6] "اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم واسحاق ویعقوب قدرت والوں اور علم والوں کو"۔

﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾[7] "بلند کرے گا درجوں میں اللہ تعالیٰ تمہارے

---

(۱) پ۷، مائدہ: ۱۰۹۔
(۲) پ۵، نساء: ۱۱۳۔
(۳) پ۲۶، ذاریات: ۲۸۔
(۴) پ۱۳، یوسف: ۶۸۔
(۵) پ۱، بقرۃ: ۳۱۔
(۶) پ۲۳، صٓ: ۴۵۔
(۷) پ۲۸، مجادلۃ: ۱۱۔

ایمان والوں کو، اور ان کو جنہیں علم عطا ہوا"۔

بلکہ عام بشر کو فرماتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ﴾ [1] "رحمٰن نے سکھایا قرآن، بنایا آدمی کو، اسے بتایا بیان"۔

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ [2] "سکھایا آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا"۔

﴿وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [3] "اللہ نے نکالا تمہیں ماں کے پیٹ سے نِرے نادان، اور دیے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل؛ تاکہ تم حق مانو"۔

بلکہ عام تر فرماتا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ [4] "کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی پاکی بولتے ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں، اور پرندے پر باندھے [صف بستہ]، سب نے جان لی ہے اپنی اپنی نماز وتسبیح، اور اللہ کو خوب خبر ہے جو وہ کرتے ہیں"۔

تو کوئی اندھے سے اندھا بھی کسی آیت کا یہ مطلب نہیں کہہ سکتا، کہ بایں معنی مطلق علم کو غیر سے نفی فرمایا ہے، ہاں اس معنی پر علم مطلق غیر سے ضرور مسلوب ہے، اور یہ وجہِ ہفتم حصر وتخصیص کی ہے، یعنی تمام موجودات وممکنات ومفہومات وذوات وصفات ونسب واِضافات وواقعیات ومَوہومات، غرض ہر شے ومفہوم کو علم کا عام وتام ومحیط ومستغرق ہونا، کہ غیر متناہی معلومات کے غیر متناہی سلاسل، اور ہر سلسلے کے ہر فرد سے غیر متناہی علوم متعلق، اور یہ سب نامتناہی نامتناہی نامتناہی علوم معاً حاصل ہوں، جن کے اِحاطے سے کوئی فرد اصلاً خارج نہ ہو، جسے فرماتا ہے: ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ [5] "بے شک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہوا"۔

اور فرماتا ہے: ﴿عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾ [6] "جاننے والا ہر چھپی چیز کا، اس سے چھپی نہیں کوئی ذرہ بھر چیز، آسمانوں میں نہ زمین میں، اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۸۴تا۴۸۶)

ایسا علم بھی غیر کے لیے محال ہے، اور دوسرے کے واسطے اس کا اِثبات کفر وضلال ہے، كما بيّناه في رسالتنا "مَقامع الحديد على خدّ المنطق الجديد"، ما نحن فيه میں مولا [illegible] نے اس وجہِ ہفتم کی طرف اشارہ فرمایا،

---

(۱) پ۲۷، رحمٰن: ۱تا۴۔
(۲) پ۳۰، علق: ۵۔
(۳) پ۱۴، نحل: ۷۸۔
(۴) پ۱۸، نور: ۴۱۔
(۵) پ۲۸، طلاق: ۱۲۔
(۶) پ۲۲، سبا: ۳۔

﴿كُلُّ أُنثَىٰ﴾ میں کلمہ "کلّ" اور "ما تحمل من أنثی" میں نکرہ منفیہ، پھر تاکید بہ "من" اور "ما فی الأرحام"، عموم "ما" اور "لام" "استغراق سے ...وعلیٰ ہذا القیاس۔ اب آلۂ محدثہ کی طرف چلیے! فقیر اس پر مطلع نہ ہوا، نہ کسی سے اس کا کچھ حال سنا، ظاہر ایسی صورت میسر نہیں کہ جنین رحم میں بحال ﴿فِي ظُلُمَٰتٍ ثَلَٰثٍ﴾[1] تین ۳ اندھیریوں میں رہے، اور بذریعۂ آلہ مشہود ہو جائے، اس کا جسم بالتفصیل آنکھوں سے نظر آئے، کہ بعد علوق فم رِحم سخت منضم ہو جاتا ہے، جس میں میلِ سرمہ بدقت جائے، اور اس جائے تنگ وتار میں جنین محبوس ہوتا ہے، وہ بھی یوں نہیں، بلکہ خود اس پر تین ۳ غلاف اَور چڑھے ہوتے ہیں، اور ایک غشائے رقیق تلاقیِ جسم جنین، جس میں اس کا فضلہ عرق جمع ہوتا ہے، اس پر ایک اَور حجاب اس سے کثیف تر، مسمّی بغشائے لفافی، جس میں فضلۂ بَول مجتمع رہتا ہے، اس پر ایک اَور غلافِ اکثف، کہ سب کو محیط ہے، جسے مشیمہ کہتے ہیں، ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے؟ تو ظاہراً آلے کا محصل صرف بعض علامات واَمارات ممیّزہ مجملہ خواصّ خارجیہ کا بتاتا ہوگا، جن سے ذکورت واُنوثت کا قیاس ہو سکے، جیسے رحم کی تجویفِ ایمَن یا ایسر میں حمل کا ہونا، یا اَور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کیے گئے ہوں، اگر اسی قدر ہے جب تو کوئی نئی بات نہیں! پہلے بھی مجرّبین قیاساتِ فارقہ رکھتے تھے، جیسے دہنی یا بائیں طرف جنین کی بیشتر جنبش، یاحاملہ کی پستانِ راست یاچپ کے حجم میں افزائش، یا سرہائے پستان میں سُرخی یا اوداہٹ [بینگنی رنگ] آنا، یا رنگِ رُوئے زَن پر شادابی یا تیرگی چھانا، یا حرکاتِ زَن میں خفت یا ثقل پانا، یا قارورے میں اکثر اوقات حمرت یا بیاض غالب رہنی، یا عورت کے خلافِ عادت بعض اطعمہ جیدہ یا ردیّہ کی رغبت ہونی، یا پشم کبود [نیلی شرم گاہ] میں زراوند مدقوق بعسل سرشتہ [پسی ہوئی کا تھوڑی مقدار شہد کے ساتھ] کا صبح علی الریق حمول، اور ظہر تک حسَبِ صائم رہ کر مزۂ دہن کا امتحان، کہ شیریں ہوا یا تلخ ...إلی غیر ذلك مما یعرفه أهلُ الفنّ، ولکلّ شروطٍ یراعیها البصیرُ، فیصیب الظنّ، اور عجائبِ صنعِ الٰہی -جلّت حکمتُه- سے یہ بھی محتمل، کہ کچھ ایسی تدبیر اِلقاء فرمائی ہوں جن سے جنین مُشاہَدہ ہی ہو جاتا ہو، مثلاً بذریعۂ قواہیر پانچوں حجابوں[2] میں بقدر حاجت کچھ توسیع وتفریج دے کر، رَوشنی پہنچا کر، کچھ شیشے ایسی اَوضاع پر لگائیں، کہ باہم تاڑیہ عکوس کرتے ہوئے زجاجِ عقرب پر عکس لے آئیں۔ یا زُجاجات متخالفۃ المِلا ایسی وضعیں پائیں کہ اشعۂ بصریّہ کو حسبِ قاعدہ معروضہ علم مَناظر انعطاف دیتے ہوئے، جنین تک لے جائیں، جس طرح آفتاب کا کنارہ کہ ہنوز اُفق سے دُور، اور مقابلۂ نظر سے محجوب ومستور ہوتا ہے، بوجہ اختلافِ ملا وغلظت عالَم نسیم ہمیں محاذاتِ بصر سے پہلے ہی نظر آجاتا ہے، اور طلوعِ عرفی (کہ وہی ملحوظ فی الشرع ہے) پیشتر ہوتا ہے، یونہی جانبِ غروب بعد زوالِ محاذات وُقوعِ حجاب بھی کچھ دیر تک دکھائی دیتا ہے، اور غروبِ عرفی معتبر فی الشرع غروبِ حقیقی کے بعد ہوتا ہے۔

ولہٰذا فقیر -غفر اللّٰهُ تعالی له- نے جب کبھی مُؤامراتِ زِیجیہ سے محاسبہ کیا، اور اسے مُشاہدۂ بصری سے ملایا ہے،

---

(۱) پ ۲۳، زمر: ۶۔

(۲) ہر سہ غشاہائے مذکورہ وفوق انہا زیر دہا لا دو طبقہ زہدان بر ہر گر غلاف است۔ [امام احمد رضا]

ہمیشہ نہارِ عُرفی کو نہارِ نجومی پر اس سے بھی زائد پایا ہے، جو طرفَین طلوع وغروب میں تفاوتِ افقین حسّی وحقیقی، بحسب ارتفاعِ قامتِ معتدلہ انسانی، وتفاضُلِ نیم قُطرِ فاصل میانِ حاجت ومرکز کا مقتضی ہے، نیز اسی لیے فقیر کا مشاہدہ ہے کہ قُرصِ شمس تمام وکمال بالائے اُفقِ مشہور ہونے پر بھی ظلمتِ شب مطلع ومغرب میں نظر آتی ہے، حالانکہ مخروطِ ظلّی وشمس میں ہرگز نیم دَور سے کم فصل نہیں، اور اختلافِ منظرِ آفتاب غایتِ قلّت میں ہے، کہ مقدارِ عُشرِ قُطر تک بھی نہیں پہنچتا۔ خیر کچھ بھی ہو، ہم یہی صورت فرض کرتے ہیں، کہ مجرّد کسی اَمارتِ خارجہ کی بنا پر قیاس ہی نہیں، بلکہ بذریعۂ آلہ اعضائے جَنین باچناں وچنیں حجابات وکمیں [چھپے ہوئے] مشہود ہو جاتے ہیں، بہرحال آخر تمام منشا ومبنائے اعتراض مُہمل صرف اس قدر، کہ جو علم قرآنِ عظیم نے مولیٰ ﷻ کے لیے خاص مانا تھا، ہمیں اس آلے سے حاصل ہو جاتا ہے، حالانکہ ﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴾ [1] "کیا بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکلتا ہے، وہ تو نہیں کہتے مگر جھوٹ"۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۸۶ تا ۴۸۸)

علمِ الٰہی ذاتی ہے اور علمِ خَلق عطائی

اور امام ترمذی وبخاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث [«فتجلّى لي كلُّ شيءٍ وعرفتُ»] حسن صحیح ہے، اسے (معاذاللہ) شرک کہنا قرآنِ عظیم پر حرف رکھنا ہے۔ بصیرت کے اندھوں کو اتنا نہیں سُوجھتا کہ علمِ الٰہی ذاتی ہے اور علمِ خلق عطائی، وہ واجب ہے یہ ممکن، وہ قدیم ہے یہ حادث، وہ نامخلوق ہے یہ مخلوق، وہ نامقدور ہے یہ مقدور، وہ ضروریُ البقاء ہے یہ جائزُالفناء، وہ ممتنع التغیر ہے یہ ممکن التبدّل، ان عظیم تفرقوں کے بعد احتمالِ شرک نہ ہو گا مگر کسی مجنون کو!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۲۰)

غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذاتِ خود ہو، اور جمیع معلومات کو محیط ہو

امام ابن حجر مکّی "فتاوی حدیثیہ" میں فرماتے ہیں: "وما ذكرناه في الآية، صرّح به النَّوَوي ﷫ في فتاواه فقال: معناها لا يعلم ذلك استقلالاً، وعلم إحاطة بكلّ المعلومات إلّا الله تعالى" [2] یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی، امام نووی ﷫ نے اپنے فتاوی میں اس کی تصریح کی، فرماتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں، کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے، جو بذاتِ خود ہو، اور جمیع معلومات کو محیط ہو۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۷۸)

نیز "شرح ہمزیہ" میں فرماتے ہیں: "إنّه تعالى اختصّ به، لكن من حيث الإحاطة، فلا ينافي ذلك إطلاع الله تعالى لبعض خواصّه على كثيرٍ من المغيّبات، حتّى من الخمس التي قال ﷺ فيهنّ: خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله" [3] "غیب اللہ کے لیے خاص ہے مگر بمعنی احاطہ، تو اس کے مُنافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض خاصوں کو بہت سے غیبوں کا علم دیا، یہاں تک کہ ان پانچ ۵ میں سے بھی جن کو نبی ﷺ نے فرمایا، کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی

---

(۱) پ۱۵، کہف: ۵۔

(۲) "الفتاوى الحديثية" مطلب في حكم ما إذا قال فلان يعلم الغيب، صـ۲۲۸.

(۳) "أفضل القرى": القراء أمّ القرى، تحت شعر لك ذات العلوم ...إلخ، ۱٤۳، ۱٤٤.

نہیں جانتا ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۷۹)

اللہ عزّوجلّ کے ناموں کا شمار نہیں؛ کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں

اللہ عزّوجلّ کے ناموں کا شمار نہیں؛ کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں؛ کہ کثرتِ اسماء شرفِ مسمّی سے ناشی ہے، آٹھ سو ۸۰۰ سے زائد "مَواہب" و"شرح مواہب" میں[1] ہیں، اور فقیر نے تقریباً چودہ سو پائے، اور حصر ناممکن!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴)

اللہ عزّوجلّ نورِ حقیقی ہے، بلکہ حقیقۃً وہی نور ہے

اور حق یہ کہ نور اس سے اجلی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، یہ جو بیان ہوا تعریف الجلی بالخفی ہے، كما نبّه عليه في "المواقف" و"شرحها"، نور بایں معنی ایک عرض وحادث ہے، اور رب عزّوجلّ اس سے منزّہ ہے۔ محققین کے نزدیک نور وہ کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مُظہر ہو كما ذكره الإمامُ حجّة الإسلام الغزّالي، ثمّ العلّامة الزّرقاني في "شرح المواهب الشّريفة". بایں معنی اللہ عزّوجلّ نورِ حقیقی ہے، بلکہ حقیقۃً وہی نور ہے، اور آیۂ کریمہ ﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾[2] "اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا" بلا تکلف وبلا دلیل اپنے معنئ حقیقی پر ہے؛ "فإنّ الله ﷻ هو الظاهر بنفسه، الـمُظهر لغيره من السّماوات والأرض، ومَن فيهنّ وسائر المخلوقات".

حضور پُر نور سیّد عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ عزّوجلّ کے نورِ ذاتی سے پیدا ہیں، حدیث شریف میں وارد ہے: «إنّ اللهَ تعالى قد خلقَ قبلَ الأشياء نورَ نبيِّك من نورِه» رواه عبد الرّزّاق[3] ونحوُه عند البَيهقي. حدیث میں «نوره» فرمایا، جس کی ضمیر اللہ کی طرف ہے کہ اسم ذات ہے، "من نورِ جمالِه" یا "نور علمِه" یا "نور رحمتِه" وغیرہ نہ فرمایا کہ نور صفات سے تخلیق ہو۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں: "«من نورِه» أي: من نورٍ هو ذاتُه"[4] یعنی اللہ عزّوجلّ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عینِ ذاتِ الٰہی ہے، یعنی اپنی ذات سے بلاواسطہ پیدا فرمایا، كما سيأتي تقريره. ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۴)

مرتبۂ ذات میں صرف حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا

امام احمد قَسطلانی "مَواہب شریف" میں فرماتے ہیں: "لمّا تعلّقتْ إرادةُ الحقّ تعالى بإيجاد خَلقِه، أبرزَ الحقيقةَ المحمّدية من الأنوار الصّمدية في الحضرة الأحديّة، ثمّ سلخَ منها العوالمَ كلَّها، علوَها

(۱) "شرح الزرقاني على المواهب اللدنية" المقصد ۲، ۳/ ۱۱۲ تا ۱۱۵.
(۲) پ۱۸، نور:۳۵۔
(۳) "المواهب اللدنية" بحوالة عبد الرزّاق، المقصد ۱، ۱/ ۷۱.
(٤) "شرح الزرقاني على المواهب اللدنية" المقصد ۱، ۱/ ٤٦.

وسُفلَہا"[1] یعنی جب اللہ عزّوجل نے مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا، صمدی نُوروں سے مرتبۂ ذات میں صرف حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا، پھر اس سے تمام عالَم عُلوی و سُفلی نکالے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۷)

مرتبۂ اَحدیّت کیا ہے؟

"شرحِ" علامہ میں ہے: "والحضرة الأحديّة هي أوّلُ تعيّنات الذّات، وأوّل رُتبها الذي لا اعتبارَ فيه لغير الذّات، كما هو المشارُ إليه بقوله ﷺ: «كان اللهُ ولا شيءَ معه» ذكره الكاشي "[2] یعنی مرتبۂ اَحدیت، ذات کا پہلا تعیّن اور پہلا مرتبہ ہے، جس میں غیرِ ذات کا اصلاً لحاظ نہیں، جس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے، کہ "اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا" اسے سیّدی کاشی قدس سرہ نے ذکر فرمایا۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۵)

علمِ غیبِ ذاتی کہ اپنی ذات سے بے کسی کے دیے ہوئے، اللہ عزّوجل کے لیے خاص ہے

علم غیب ذاتی کہ اپنی ذات سے بے کسی کے دیے ہوئے، اللہ عزّوجل کے لیے خاص ہے، اُن آیتوں میں یہی معنی مراد ہیں، کہ بے خدا کے دیے کوئی نہیں جان سکتا، اور اللہ کے بتائے سے انبیاء کو معلوم ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، قرآنِ مجید کی بہت آیتیں اس کے ثبوت میں ہیں۔

از اں جملہ سورۂ جن میں فرماتا ہے: ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾[3] "اللہ ہے غیب کا جاننے والا، تو اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔ اور فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ﴾[4] "یہ غیب کی باتیں ہیں کہ ہم تمہیں بتاتے ہیں"۔ اور فرماتا ہے: ﴿وَ مَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ﴾[5] "یہ نبی غیب کی باتیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۹)

❀ ❀ ❀

---

(۱) "المواهب اللدنية" المقصد ۱، ۱/ ۵۵.
(۲) "شرح الزرقاني على المواهب اللدنية" المقصد ۱، ۱/ ۲۷.
(۳) پ۲۹، الجن: ۲۶و۲۷۔
(۴) پ۱۱، ہود: ۴۹۔
(۵) پ۳۰، التکویر: ۲۴۔

Ataunnabi.com
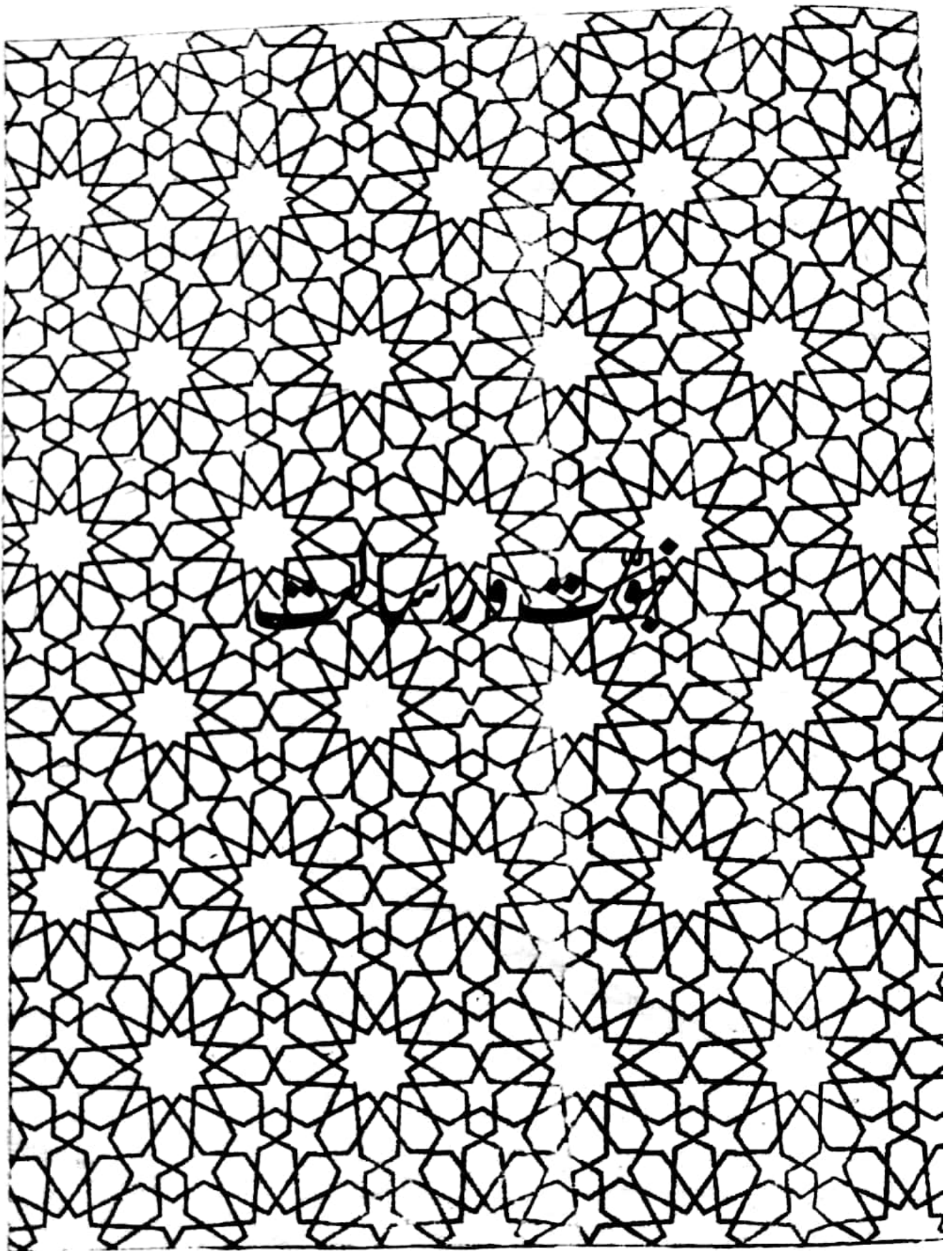
نبوّت و رسالت

(۳) نبوت ورسالت

سب سے اعلیٰ، سب سے اَولیٰ

بایں ہمہ[۱] اس نے اپنی حکمتِ کاملہ[۲] کے مطابق عالَم[۳] کو جس طرح وہ[۴] جانتا ہے ایجاد فرمایا[۵]، اور مکلّفین کو[۶] اپنے فضل وعدل سے دو۲ فرقے کر دیا: ﴿فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ﴾[۷]، [۸] ﴿وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ﴾[۹]، [۱۰] اور جس طرح پرتَو وجود[۱۱] سے سب نے بہرہ پایا[۱۲]، اسی طرح فریقِ جنّت کو اس کے صفاتِ کمالیہ سے نصیبۂ خاص ملا[۱۳]، دبستان[۱۴] ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾[۱۵]، [۱۶] ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾[۱۷]، (میں تعلیم فرمایا)[۱۸] ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا﴾[۱۹] نے اَور رنگ آمیزیاں کیں[۲۰]۔

---

(۱) (کہ اُس کی ذاتِ کریم دوسری ذوات کی مناسبت سے معرّا ہے، اور اس کی صفاتِ عالیہ اَوروں کی صفات کی مشابہت سے مبرّا)۔

(۲)(ورحمت شاملہ)۔

(۳)(یعنی ما سوی اللہ)

(۴) (اپنے علم قدیم آزلی سے)۔

(۵)(تمام کائنات کو خلعت وجود بخشا، اپنے بندوں کو پیدا فرمایا، انہیں کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ عطا فرمائے، اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ اِلہام فرمایا۔ پھر اعلی درجہ کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا، جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا۔ پھر لاکھوں باتیں ہیں جن کا عقل اِدراک نہیں کر سکتی تھی، لہذا انبیاء بھیج کر کتابیں اُتار کر ذرا ذرا سی بات بتا دی، اور کسی کو عذر کی کوئی جگہ باقی نہ چھوڑی)۔

(۶) (جو تکلیف شرعی کے اہل، امر ونہی کے خطاب کے قابل، بالغ عاقل ہیں)۔

(۷)پ۲۵، شوریٰ:۷۔

(۸) (ایک جنتی وناجی، جس نے حق قبول کیا)۔

(۹)پ۲۵، شوریٰ:۷۔

(۱۰)(دوسرا جہنمی وہالک، جس نے قبولِ حق سے جی چُرایا)۔

(۱۱) (موجود حقیقی عَزَّوَجَلَّ)۔

(۱۲) (اور اسی اعتبار سے وہ ہست وموجود کہلایا)۔

(۱۳)(دنیا وآخرت میں اس کے لیے فوز وفلاح کے دروازے کھلے، اور علم وفضل خاص کی دولتوں سے اس کے دامن بھرے)۔

(۱۴)(مدرسہ)۔

(۱۵) پ۴، نساء:۱۱۳۔

(۱۶)(اور دار العلوم)۔

(۱۷)پ۳۰، علق:۵۔

(۱۸)(کہ جو کچھ وہ نہ جانتا تھا اُسے سکھایا پھر)۔

(۱۹)پ۴، نساء:۱۱۳۔

(۲۰)(کہ اللہ تعالی کا فضل عظیم اس پر جلوہ گستر [فرما] رہا، مولائے کریم نے گوناگوں نعمتوں سے اسے نوازا، بے شمار فضائل ومحاسن سے اسے =

اور یہ سب تصدق [1] ایک ذات جامع البرکات کا تھا، جسے اپنا محبوب خاص فرمایا [2]، مرکزِ دائرہ [3] ودائرۂ مرکز کاف ونون بنایا، اپنی خلافت کاملہ کا خلعتِ رفیع المنزلت اُس کے قامتِ مَوزوں پر سجایا، کہ تمام افرادِ کائنات اس کے ظلِ ظلیل [4] اور ذیلِ جلیل [5] میں آرام کرتے ہیں۔ اَعاظم مقربین [6] ان کو [7] جب تک اس مامَن [امن کی جگہ] جہاں [8] سے توسّل نہ کریں [9]، بادشاہ [10] تک پہنچنا ممکن نہیں۔ کنجیاں خزائنِ علم وقدرت، تدبّر وتصرّف کی، اس کے ہاتھ میں رکھیں، عظمت والوں کو مہ پارے [11] اور اس کو اس نے آفتاب عالم تاب کیا، کہ اس سے اقتباسِ انوار کریں [12]، اور اس کے حضور اَنا زبان پر [13] نہ لائیں، اس [13] کے سراپردہ [شاہی بارگاہ] عزّت واجلال کو وہ عزّت ورفعت بخشی، کہ عرشِ عظیم جیسے ہزاراں ہزار اس میں یوں گم ہو جائیں، جیسے بیدائے ناپیدا کنار [15] میں ایک شلنگ ذرّہ کم مقدار [16]۔
علم وہ وسیع وغزیر [17] عطا فرمایا کہ علومِ اوّلین وآخرین اس کے بحرِ علوم کی نہریں، یا جوششِ فیوض کے چھینٹے قرار پائے،

= سنوارا، قلب وقالب، جسم وجاں، ظاہر وباطن کو رذائل اور خصائل قبیحہ مذمومہ سے پاک صاف، اور محامد واخلاق حسنہ سے اسے آراستہ وپیراستہ کیا۔ اور قُربِ خداوندی کی راہوں پر اُسے ڈال دیا)۔

(۱) (صدقہ وطفیل)۔
(۲) (مرتبہ محبوبیت کبریٰ سے سرفراز فرمایا کہ تمام خلق حق کہ نبی ومرسَل وملک مقرب جویائے رضائے الٰہی ہے، اور وہ ان کی رضا کا طالب)۔
(۳) (کُن)۔
(۴) (سایہ ممدود رافت)۔
(۵) (دامن معمور رحمت)۔
(۶) (کہ اس کی بارگاہ عالی جاہ میں قُربِ خاص سے مشرّف ہیں)۔
(۷) (بھی)۔
(۸) (پناہ گاہ کون ومکان)
(۹) (انہیں اس کی جناب والا میں وسیلہ نہ بنائیں)۔
(۱۰) (حقیقی عزّاسمہ وجل مجدہ)۔
(۱۱) (چاند کے ٹکڑے، روشن تارے)۔
(۱۲) (عرفان ومعرفت کی روشنیوں سے اپنے دامن بھریں)۔
(۱۳) (اور اپنے فضائل ومحاسن، ان کے مقابل، شمار میں)۔
(۱۴) (محبوب اجل واعلیٰ)۔
(۱۵) (وسیع وعریض بیابان، جس کا کنارہ نظر نہ آئے اس)۔
(۱۶) (کہ لق ودق صحرا میں اس کی اڑان کی کیا وقعت؟ اور کیا قدرت ومنزلت؟)۔
(۱۷) (کثیر در کثیر)۔

ملکوت السماوات والارض کا شاہد بنایا[1]، اَزَل سے اَبَد تک[2] تمام غیب وشہادت[3] پر اطلاع تام حاصل، الّا ماشاء اللہ[4]۔ بصر[5] وہ محیط[6] کہ شش جہت، مقابل[7] دنیا اس کے سامنے اٹھالی، کہ تمام کائنات تا بروزِ قیامت آن واحد میں پیش نظر[8]۔ سمع والا کے نزدیک پانچ سو برس راہ کی صدا، جیسے کان پڑی آواز ہے۔ اور[9] قدرت[10] کا تو کیا پوچھنا! کہ قدرتِ قدیر علی الاطلاق جل جلالہ کی نمونہ وآئینہ ہے، عالَم عُلوی وسُفلی[11] میں اس کا حکم جاری، فرمانروائی کُن کو اس کی زباں کی پاسداری، مُردہ کو قُم کہیں[12] زندہ ہو، اور چاند کو اشارہ کریں[13] فوراً دو پارہ ہو۔

جو[14] چاہتے ہیں خدا وہی چاہتا ہے، کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ منشورِ خلافت مطلقہ[15] وتفویض تام کا فرمانِ شاہی ان کے نامِ نامی[16] پر پڑھا گیا، اور سکّہ وخطبہ ان کا ملأ ادنیٰ سے عالَمِ بالا تک جاری ہوا[17]۔

---

(۱) (شرق تا غرب، عرش تا فرش انہیں دکھایا)۔
(۲) (روزِ اوّل سے روزِ آخر تک کا، سب ماکان ومایکون انہیں بتایا)۔
(۳) (غائب وحاضر)۔
(۴) (اور ہنوز ان کے احاطہ علم میں وہ ہزار در ہزار، بے حد وبے کنار سمندر لہرا رہے ہیں، جن کی حقیقت وہ جانیں یا اُن کا عطا کرنے والا اُن کا مالک ومولیٰ جل وعلا)۔
(۵) (ونظر)۔
(۶) (اور اس کا احاطہ اتنا بسیط)۔
(۷) (کہ بصارت کو ان پر اطلاع تام حاصل)۔
(۸) (تو وہ دنیا کو اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے اپنی ہتھیلی کو، اور ایمانی نگاہوں میں نہ یہ قدرت الٰہی پر دشوار، نہ عزت ووجاہت انبیاء کے مقابل بسیار)۔
(۹) (بعطائے قادرِ مطلق)۔
(۱۰) (واختیارات)۔
(۱۱) (اقطار واطراف زمین وآسمان)۔
(۱۲) (کہ بحکم الٰہی کھڑا ہو جا تو وہ)۔
(۱۳) (تو)۔
(۱۴) (یہ)۔
(۱۵) (تامہ، عامہ، شاملہ، کاملہ)۔
(۱۶) (اسمِ گرامی)۔
(۱۷) (تو وہ اللہ تعالیٰ کے نائبِ مطلق ہیں، اور تمام ماسوی اللہ تمام عالَم ان کے تحت تصرّف ان کے زیرِ اختیار ہیں، ان کے سپرد ہیں، کہ جو چاہیں کریں، جسے جو چاہیں دیں، اور جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہان میں کوئی ان کا پھیرنے والا نہیں، اور ہاں کوئی کیونکر ان کا حکم پھیر سکے؛ کہ حکم الٰہی کسی کے پھیرے نہیں پھرتا۔ تمام جہان ان کا محکوم، اور تمام آدمیوں کے وہ مالک ہیں، جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوتِ سنّت سے محروم رہے، ملکوت السماوات والارض ان کے زیرِ فرمان، تمام زمین اُن کی ملک، اور تمام جنّت ان کی جاگیر، کو نیاووں میں جو

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط! یہ ہوس بے بصری ہے[1]

وہ بالا دست حاکم کہ تمام ماسوی اللہ ان کا محکوم ہے، اور ان کے سوا عالم میں کوئی حاکم نہیں[2]۔ سب اُن کے محتاج اور وہ خدا کے محتاج[3]۔ قرآن عظیم ان کی مدح و ستائش کا دفتر[4] ہے[5] أعني: سیّد المرسلین[6]، خاتم النبیّین[7] رحمة للعالمین[8]، شفیع المذنبین[9] قائد الغرّ المحجّلین[10]، سرّ

جسے ملتا ہے ان کی بارگاہ عرش اشتباہ سے ملتا ہے۔ جنت و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دے دی گئیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں۔ دنیا و آخرت حضور ہی کی عطا کا ایک حصہ ہے، ؎

فإنّ من جودك الدّنيا وضرّتها

"بے شک دُنیا و آخرت آپ کے جُود و سخا سے ہے"

تو تمام ماسوی اللہ نے جو نعمت، دنیاوی و اُخروی، جسمانی یا رُوحانی، چھوٹی یا بڑی پائی، انہیں کے دستِ عطا سے پائی، انہیں کے کرم، انہیں کے طفیل، انہیں کے واسطے سے ملی۔ اللہ عطا فرماتا ہے اور ان کے ہاتھوں ملا، ملتا ہے اور اَبدالآباد تک ملتا رہے گا، جس طرح دین و ملت، اسلام و سنت، صلاح و عبادت، زہد و طہارت اور علم و معرفت ساری دینی نعمتیں ان کی عطا فرمائی ہوئی ہیں، یونہی مال و دولت، شفا و صحت، عزت و رفعت اور فرزند و عشرت یہ سب دنیاوی نعمتیں بھی انہیں کے دستِ اقدس سے ملی ہیں۔

(۱) "حدائقِ بخشش": حاضری بارگاہ بہیں جاہ وصل اوّل رنگ علمی حضور جان نور، حصہ اوّل، ص ۲۰۷۔

(۲) (ملکوت السماوات والارض میں ان کا حکم جاری ہے، تمام مخلوقِ الٰہی کو ان کے لیے حکمِ اطاعت و فرمانبرداری ہے، وہ خدا کے ہیں، اور جو کچھ خدا کا ہے سب ان کا ہے، ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا، تیرا

جو سر ہے اُن کی طرف جھکا ہوا، اور جو ہاتھ ہے وہ ان کی طرف پھیلا ہوا)۔

(۳) (وہی بارگاہِ الٰہی کے وارث ہیں اور تمام عالم کو انہیں کی وساطت سے ملتا ہے)۔

(۴) (اور نام ان کا ہر جگہ نامِ الٰہی کے برابر۔

وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَكَ کا ہے سایہ تجھ پہ
ذکر اونچا ہے ترا، بول ہے بالا تیرا

احکامِ تشریعیہ، شریعت کے فرامین، اوامر و نواہی سب ان کے قبضہ میں، سب ان کے سپرد ﷺ، جس بات میں جو چاہیں اپنی طرف سے فرما دیں، وہی شریعت ہے، جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں، اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں، اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں، وہی شرع ہے، غرض وہ کارخانۂ الٰہی کے مختارِ کل ہیں، اور خسروانِ عالم اس کے دستِ نگر و محتاج)

(۵) (وہ کون؟)۔

(۶) (رہبر رہبراں)۔

(۷) (خاتم پیغمبراں)۔

(۸) (رحمت ہر دو جہاں)۔

(۹) (شافع خطاکاراں)۔

(۱۰) (ہاتھ پاؤں اور روشن جبیناں)۔

الله المكنون[1]، دُرّ الله المخزون[2]، سرور القلب المحزون[3]، عالم ما كان وما سيكون[4]، تاج الأتقياء[5]، نبي الأنبياء[6]، محمّد المصطفى رسول ربّ العالمين. صلّى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وبارك وسلّم إلى يوم الدين.

بلکہ ہمہ[7] خدا کے بندہ و محتاج ہیں[8]، حاش للہ! کہ عینیت یا مثلیت کا گمان[9] کافر کے سوا مسلمان کو ہو سکے۔ خزانۂ قدرت میں ممکن[10] کے لیے جو کمالات متصوّر تھے[11] سب پائے، کہ دوسرے کو ہم عنانی[12] کی مجال نہیں، مگر دائرۂ عبدیت و افتقار[13] سے قدم نہ بڑھانہ بڑھا سکے۔ العظمۃ للہ! خدائے تعالیٰ سے ذات و صفات میں مشابہت[14] کیسی؟[15] نعمائے خداوندی کے لائق جو شکر و ثنا ہے، اسے پورا پورا بجا نہ لا سکے، نہ ممکن کہ بجا لائیں؛ کہ جو شکر کریں وہ بھی نعمت آخر موجب شکر دیگر ...إلى ما لا نهاية له نعم وأفضال، خداوندی (ربانی نعمتیں اور بخششیں خصوصاً آپ پر) غیر متناہی ہیں، ان کی کوئی حد و نہایت نہیں، انہیں کوئی گنتی و شمار میں نہیں لا سکتا، قال الله تعالى: ﴿وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ﴾[16] "اے نبی! بے شک ہر آنے والا لمحہ تمھارے لیے گزرے ہوئے لمحہ سے بہتر ہے، اور ساعت بساعت آپ کے مراتب رفیعہ

---

(۱) (رب العزت کا راز سربستہ)۔

(۲) (خزانۂ الٰہی کا موتی، قیمتی و پوشیدہ)۔

(۳) (ٹوٹے دلوں کا سہارا)۔

(۴) (ماضی و مستقبل کا واقف کار)۔

(۵) (نیکوکاروں کے سر کا تاج)۔

(۶) (تمام نبیوں کا سرتاج)۔

(۷) (فضائل جمیلہ و فواضل جلیلہ و محاسنِ حمیدہ و محامد محمودہ)۔

(۸) (اور ﴿يَسْـَٔلُهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ [پ۲۷، الرحمن: ۲۹] کے مصداق۔

(۹) (گمان یہ وہم بھی ان کی ذات کریمہ، ذاتِ الٰہی عزشانہ کی عین، یا اس کے مثل و مماثل یا شبیہ و نظیر ہے)۔

(۱۰) (مخلوق و مخلوق)۔

(۱۱) (تصور و گمان میں آ سکتے تھے یا آ سکتے ہیں)۔

(۱۲) (ہمسری اور ان مراتب رفیعہ میں برابری)۔

(۱۳) (بندگی و احتیاج)۔

(۱۴) (و مماثلت)۔

(۱۵) (اس سے مشابہ و مماثل ہونے کا شبہ بھی اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل ایمان منزل میں اس کا خطرہ گزر سکے، جبکہ اہل حق کا ایمان ہے کہ حضور اقدس سرورِ عالم، عالم الغیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم - ان احسانات الٰہی کا جو بارگاہِ الٰہی سے ہر آن، ہر گھڑی، ہر لحظہ، ہر لمحہ ان کی بارگاہ بیکس پناہ پر مبذول رہتے ہیں، ان انعامات اور ان)۔

(۱۶) پ۳۰، الضحیٰ: ۴۔

ترقیوں میں ہیں"۔ مرتبہ ﴿ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴾[۱] کا پایا(اور یہ وہ منزل ہے کہ نہ کسی نے پائی، اور نہ کسی کے لیے ممکن ہے اس تک رسائی، وہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ شب اسریٰ مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اُس میں دو ۲ کمانوں، بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا)[۲] قسم کھانے کو فرق کا نام رہ گیا، ع

کمانِ اِمکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو   محیط کی چال سے تو پوچھو! کدھر سے آئے کدھر گئے تھے؟[۳]

دیدارِ الٰہی بچشم سَر دیکھا، کلامِ الٰہی بے واسطہ سُنا[۴][۵]، محمل لیلیٰ [یعنی مقامِ مطلوب][۶] کروڑوں منزل سے کروڑوں منزل دُور، اور خرد خردہ میں[۷] دنگ ہے[۸]، نیا ساں ہے نیا رنگ[۹]، قُرب میں بُعد[۱۰]، بُعد میں قُرب[۱۱]، وصل میں ہجر[۱۲] ع

عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت، جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے[۱۳]

عقل و شعور کو خود اپنا شُعور نہیں، دست وابستہ خود گم کردہ حواس ہے، ہوش و خرد کو خود اپنے لالے پڑے ہیں، وَہم وگمان دوڑیں تو کہاں تک پہنچیں! ٹھوکر کھائی اور گرے، ع

سراغ أین ومتٰی کہاں تھا؟ نشان کیف وإلی کہاں تھا؟   نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی، نہ سنگ منزل، نہ مرحلے تھے[۱۴]

جس راز کو اللہ جل شانہٗ ظاہر نہ فرمائے، بے بتائے کس کی سمجھ میں آئے؟ اور کسی بے وقار کی کیا مجال کہ اندرونِ خانہ

---

(۱) پ۲۷، النجم: ۹۔

(۲) "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى وكلم الله موسٰى تكليما، ۲/ ۱۱۲۰.

(۳) "حدائق بخشش" معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء ...إلخ، حصہ اول، ص: ۲۳۶۔

(۴) (بدن اقدس کے ساتھ بیداری میں، اور یہ وہ قرب خاص ہے کہ کسی نبی مرسَل وملک مقرب کو بھی نہ کبھی حاصل ہوا، اور نہ کبھی حاصل ہو)۔

(۵) عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: «رأيت ربّي ﷻ». "مسند الإمام أحمد" الحديث: ۲۵۸۰، ۱/ ۶۱۱.
"فتح الباري" كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، تحت الحديث: ۳۸۸۸، ۷/ ۱۸۵: (إنّ الله ﷻ كلّم نبيّه محمدًا ﷺ ليلةَ الإسراء بغير واسطة).

(۶) (ادراک سے ماوراء)۔

(۷) (عقل نکتہ دان، دقیقہ شناس)۔

(۸) (کوئی جانے تو کیا جانے اور کوئی خبر دے تو کیا خبر دے)۔

(۹) (ہوش وحواس ان وسعتوں میں گم اور دامانِ نگاہ تنگ)۔

(۱۰) (نزدیکی میں دوری)۔

(۱۱) (دوری میں نزدیکی)۔

(۱۲) (فرقت میں وصال)۔

(۱۳) "حدائق بخشش" معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء ...إلخ، حصہ اوّل، ص: ۲۳۶۔

(۱۴) "حدائق بخشش" معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء ...إلخ، حصہ اوّل، ص: ۲۳۵۔

خاص تک قدم بڑھائے؟! گوہر شناور دریا[1] مگر یوں کہ صدف یعنی سیپی نے وہ پردہ ڈال رکھا ہے، کہ نم سے آشنا نہیں[2]۔ اے جاہلِ ناداں! علم[3] کو علم والے پر چھوڑ اور اس میدانِ دشوار جَولان سے[4] سمندِ بیان[5] کی عنان بند ہے، پر اتنا کہتے ہیں کہ خلق کے آقا ہیں، خالق کے بندے، عبادت و پرستش ان کی کفر[6] ہے (اس والا جناب کی رفعتوں، منزلتوں اور قُربتوں کے اظہار کے لیے) اور بے ان کی تعظیم کے حبط[7]، ایمان ان کی محبت وعظمت کا نام[8] اور مسلمان وہ جس کا کام ہے نامِ خدا کے ساتھ ان کے نام پر تمام، والسّلام علی خیر الأنام، والآل والأصحاب علی الدّوام!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۳۴)

اللہ تعالیٰ کے سب نبی وصفِ نبوت میں حضور اقدس ﷺ کے شریک ہیں

حضور اقدس ﷺ کے بعض اوصاف میں حضور کی مشارکت ممکن بلکہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ کے سب نبی وصفِ نبوت میں حضور اقدس ﷺ کے شریک ہیں، نزاعِ مثل مِن حیث هو مثل میں ہے، یعنی حضور اقدس ﷺ کے تمام اوصاف وخصائصِ کمالیہ میں حضور کا شریک وہم سر، کہ ہر کمال کا ایک فرد حضور اقدس ﷺ کو عارض ہوا، اور دوسرا اس مثل مفروض کو، یہ قطعاً محال بالذات ہے؛ کہ مثلیت بے اِثْنِینیت واشتراک معقول نہیں، اور حضور اقدس ﷺ کے ہزارہا کمالاتِ عالیہ قابلیتِ اشتراک بین الاثنین سے منزّہ ہیں، جیسے: خاتم النبیّین، أفضل المرسَلین، أوّل مَن خلقَ الله، أوّلُ شافعٍ، أوّلُ مشفَّعٍ، أوّلُ مَن تنشقّ عنه الأرض ...إلی غیر ذلك.

کہ اوّل وہ ہے کہ نہ جس سے پہلے کوئی ہو، نہ اس کے ساتھ کوئی ہو، یونہی آخر وہ ہے کہ نہ جس کے بعد کوئی ہو، نہ اس کے ساتھ کوئی ہو، تو یہ ایک ہی پر صادق آسکے گا، اگر دوسرے کو بھی مثلاً خاتم مانو، تو تین ۳ حال سے خالی نہیں: (۱) یا وہ حضور سے پہلے ہوگا، تو وہ خاتم نہ رہا؛ کہ حضور اس کے بعد ہیں۔ (۲) یا حضور کے بعد ہوگا، تو (معاذ اللہ) حضور خاتم نہ رہے؛ کہ وہ حضور کے بعد ہے۔ (۳) یا حضور کے ساتھ ہوگا، تو دونوں خاتم نہ رہے؛ کہ ختمیت جس طرح مُنافیٔ بعدیّت ہے، یونہی نافیٔ معیّت ہے۔ وعلی ہذا القیاس الاوّلیّت۔

اور پُر ظاہر کہ یہ استحالہ کچھ اس سے ناشی نہ ہوا کہ قرآن مجید میں حضور کو خاتم فرمایا، یا یہ اوصاف حضور کو عطا ہوئے، بلکہ

---

(۱) (گویا موتی پانی میں تیر رہا ہے)۔
(۲) (قطرہ تو قطرہ، نمی سے بھی بہرہ ور نہیں)۔
(۳) (وکنہِ حقیقت)۔
(۴) (جس سے سلامتی سے گزر جانا جوئے شیر لانا ہے، اور سخت مشقتوں میں پڑنا)۔
(۵) (کلام وخطاب کی تیز وطرار سواری)۔
(۶) (اس والا جناب کی رفعتوں، منزلتوں اور قربتوں کے اظہار کے لیے)۔
(۷) (برباد، ناقابل اعتبار، منہ پہ مار دیے جانے کے قابل)۔
(۸) (اور فعل تعظیم، بعد ایمان، ہر فرض سے مقدم)۔

اس سب سے قطع نظر کر کے اَزَل میں دیکھیے تو اس وقت بھی یہ اوصاف اشتراک بین الاثنین کے قابل نہیں، اور مثلیت بے اشتراک ناممکن ہے، تو ثابت ہوا کہ استحالۂ مثلیت نفسِ ذات یعنی نفسِ ذات وَحدت کا متشابہ ہے، اسی کا نام مُحال بالذات ہے۔ اور یہاں معنیٔ اوّل و آخر میں مخالفین کا کلام کرنا قطع نظر اس نا نہی سے، کہ اس تقدیر پر کُل، واحد، اوّل یا آخر نہ ہوگا، بلکہ مجموع مِن حیث ھو مجموع، اور وہ نہیں مگر واحد، ما نحن فیہ میں محض فضول ہے۔ بالفرض اگر دو ۲ مُقارِنون کو بھی اوّل و آخر بول دیتے ہوں، تو یہاں تو ایسا قطعاً نہیں، بلکہ حضور کی اوّلیت و آخریت بالیقین اسی معنی پر ہیں، کہ نہ کوئی ساتھ نہ قبل یا بعد۔ یہ تقریر محفوظ رہے تو مخالفین کے تمام دلائل کی حقیقت کھل جائے؛ کہ محلِ نزاع سے محض بیگانہ ہیں!۔

اب اِجمالاً اُس تقریرِ پریشان [جو سوال میں مذکور ہے، جس سے اقوال ذیل میں مذکور] کا جواب بھی سُن لیجیے:

قولہ: نظیر رسول اللہ ﷺ کا ممتنع بالغیر ہے، پس ممکن بالذات ہوا۔

اقول: سبحان اللہ کیا نفیس دلیل ہے! جس کا صغری عین مدّعٰی ہے، اے عقل مند! یہی تو ثابت کرنا تمھارے ذمہ تھا کہ "ممتنع بالغیر ہے" اس کا ثبوت ہضم، اور دلیل تمام! یعنی ایسی تمام کہ نام و نشان کچھ باقی نہیں!۔

قولہ: مِثلِ ممکن کا ممکن ہے۔

اقول: ممکن کا مثل بایں معنی کہ اوصافِ جزئیہ، یعنی قابل الاشتراک میں اُس کا شریک ہو، یہ بے شک ممکن ہے، مگر اوصافِ کلّیہ میں مشارکت مُحال بالذات ہے، ورنہ زَید کلّی ہو جائے، اور حضور پُرنور ﷺ کے ہزاروں اوصاف ایسے ہیں جن میں اشتراک کی گنجائش نہیں۔

قولہ: یہ ظاہر ہے کہ اگر مثل ...الخ۔

اقول: یہ ظاہر ہے کہ اگر مثل واجب کا وصفِ وجوب میں شریک نہ ہوگا، تو وہ واجب کا مثل نہ ہوگا، والمفروض خلافُہ، تو واجب ہوا کہ واجب تعالی کا مِثل واجب ہو، حالانکہ مُحال بالذات ہے، و لا حولَ ولا قوّۃ إلّا باللہ العلي العظیم!۔

قولہ: امام فخر الدّین رازی...الخ۔

اقول: لفظ مثل جس وصف کے ساتھ بولا جائے، اگر صرف اسی میں مماثلت بتاتا ہے نہ کہ باقی میں، تو عبارتِ تفسیر تمھیں کیا مفید؟ اس سے صرف وصف انذار میں مشارکت نکلی، نہ (معاذ اللہ) جمیع اوصافِ کمالیہ حضور اقدس ﷺ میں۔ پھر اسے کون مُحال مانتا ہے؟ تمام انبیاء وصفِ انذار میں حضور اقدس ﷺ کے شریک تھے، اگر اسی قدر پر قانع ہو، تو مثل کو مُحال بالغیر کیوں کہتے ہو؟ لاکھوں کروڑوں موجود بالفعل ہیں! اور اگر تمام اوصاف میں شرکت بتاتا ہے، تو امام رازی سے کیوں استناد کرو؟ خود قرآن عظیم ہی سے نہ استناد کرو کہ فرماتا ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾[1] تمھاری اوندھی سمجھ پر آیت کے

(۱) پ۲۵، فصّلت: ٦۔

یہ معنی ہوں گے کہ (معاذاللہ) "کفار تمام اوصافِ کمالیہ میں حضور کے ہمسر تھے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۸،۲۹)

حضور اقدس ﷺ ہر جگہ حاضر ہیں، ہر مسلمان کے دل میں تشریف فرما ہیں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا رب عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا﴾[۱] "اے نبی! ہم نے بھیجا تم کو شاہد، اور بشارت دینے والا، ڈر سنانے والا"۔ اور فرماتا ہے: ﴿فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا﴾[۲] "کیسا دن ہوگا جب ہم ہر گروہ میں سے ایک گواہ لاویں گے، اور تمہیں ان سب پر گواہ بنا کر لاویں گے!"۔

شاہد شُہود سے ہے، اور شہود حضور سے، شاہد مشاہَدہ سے ہے، اور مشاہدہ رویت ہے، تو وہ بے شک شاہد بے شک حاضر ہیں، بے شک ناظر ہیں ﴿وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ﴾[۳]۔ طبرانی "معجم کبیر" میں، اور نعیم بن حمّاد "کتاب الفتن" میں، اور ابو نُعیم "دلائل" میں عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں، حضور اقدس سیدِ عالم ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ الله قد رفعَ لي الدّنيا فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائنٌ فيها إلى يوم القيامة، كأنّما أنظر إلى كفّي هذه جلياناً من الله، جلّاه لي كما جلّاه للنّبيين من قبلي» "بے شک اللہ نے میرے سامنے دنیا اٹھالی ہے، تو میں دیکھ رہا ہوں دنیا اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں، یہ اللہ کی طرف سے روشنی ہے جو اس نے میرے لیے کی ہے، جیسے مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے لیے کی تھی"۔

رب عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴾[۴] "اور ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں اپنی ساری بادشاہی آسمان و زمین کی، تو جس چیز کو اللہ کی سلطنت سے خارج مانے وہی ابراہیم علیہ السلام سے غائب ہے، لیکن کوئی چیز اللہ ﷻ کی سلطنت سے خارج نہیں ہو سکتی، تو آسمانوں اور زمینوں میں کوئی چیز ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ سے غائب نہیں"۔

امام فخر الدّین رازی رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر کبیر" میں فرماتے ہیں: رب عزّوجلّ نے "أرانا" نہ فرمایا؛ کہ انقطاع کا وَہم دے، بلکہ ﴿نُرِیْۤ﴾ فرمایا؛ کہ تجدّد و بقا پر دالّ ہو۔ تاویل کی گنجائش بہت ہوتی ہے، ظاہر لفظ رسول کریم ﷺ کا اس ﴿كَذٰلِكَ﴾ کا مُشار الیہ بتایا جائے! "ہم ایسے ہی دکھاتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کو" ایسے کیا معنے؟ وہ دوسرا کون ہے جس کے دکھانے سے تشبیہ دی جارہی ہے؟ کہ جیسے انہیں دکھائے اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے؟ ہاں ہم سے سنو وہ مشبّہ بہ وہ اصلُ الاصول کمالات وہ منبعِ بحار و انہار، مرجعِ اَضواء و انوار کون ہیں؟ محمد رسول اللہ ﷺ! جن کے صدقے میں اہلِ کمال نے کمال پایا، تمام فضائلِ انبیاء

---

(۱) پ۲۲، احزاب:۴۵۔
(۲) پ۵، نساء:۴۱۔
(۳) پ۷، انعام:۳۳۔
(۴) پ۷، انعام:۷۵۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۹)

وکمالاتِ انبیاء ان کے فضائل کا پرتو ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

"جامع ترمذی" و "سنن دارمی" وغیرہما کتبِ معتبرہ میں بروایاتِ صحیحہ حضرت سیّدنا مُعاذ بن جبل وغیرہ دس۱۰ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے، حضور نور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «أتاني ربّي في أحسن صورةٍ فقال لي: يا محمّد! فِيم يختصم الملأ الأعلى؟»[1] "میرا رب میرے پاس تشریف لایا، ایسا تشریف لایا جو عقول سے ورا اور اس کے جلال و عزّت کے شایانِ شان ہے، اس نے فرمایا: اے محمد! ملاِ اعلیٰ باہم کس بات میں مُباحثات کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی: اے میرے رب تو خُوب جانتا ہے!" «فوضع يدَه بين كتفَيّ، فوجدتُ بردَها بين ثديَيّ»[2] "اس نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے بیچ میں رکھا، ٹھنڈک جس کی میں نے اپنے سینے میں پائی" اس ہاتھ رکھنے سے کیا ہوا؟ فرماتے ہیں: «فعلمتُ ما بين المشرق والمغرب»[3] "میں نے جان لیا جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے" «فتجلّى لي كلُّ شيءٍ وعرفتُ»[4] اور فرمایا یعنی "میرا دیکھنا ایسا نہیں کہ اِجمالی طور پر اشیاء سامنے حاضر ہیں، مجمل طور پر دیکھ لیں اور پہچان میں نہ آئیں، نہیں میں نے سب کچھ دیکھا اور سب کچھ پہچانا!"۔

حضور کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا، حضور کے غلاموں میں سے ایک غلام، اور کیسے غلام؟ نہایت عزیز اور پیارے غلام، کیسے بیٹے نہایت محبوب بیٹے، حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "السُّعداء والأشقياء يعرَضون عليّ، وإنّ عيني في اللّوح المحفوظ" "بے شک تمام سعید اور تمام شقی مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں، اور بے شک میری آنکھ لوحِ محفوظ میں ہے"۔ اور فرماتے ہیں: ؎

نظرتُ إلى بلاد الله جمعًا ... كخردلةٍ على حكم اتّصالي

"میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام ملک کو اس طرح دیکھا، گویا وہ ملک میرے سامنے ایک رائی کے دانہ کے برابر ہے"

حضرت سیّدنا بہاء الحق والدّین قدّس سرہ العزیز فرماتے ہیں، کہ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس سرہ نے فرمایا: "مرد وہ ہے کہ تمام رُوئے زمین اس کے سامنے کفِ دست کی مثل ہو، فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ مرد وہ ہے کہ تمام رُوئے زمین اس کے سامنے انگوٹھے کے ناخن کے برابر ہو۔

غرض حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا شبہ حاضر وناظر ہیں، ان کا رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا﴾[5] "اے ایمان والو! سب اللہ کی طرف توبہ کرو!" توبہ میں یقیناً قطعاً شرعاً جلدی منظور ہے، گھڑی بھر کی تاخیر منظور

(۱) "سنن الترمذي" باب ومن سورة، ص، ۵/ ۱۱۹.
(۲) "سنن الترمذي" باب ومن سورة، ص، ۵/ ۱۱۹.
(۳) "سنن الترمذي" باب ومن سورة، ص، ۵/ ۱۱۹.
(٤) "سنن الترمذي" باب ومن سورة، ص، ۵/ ۱۲۱.
(۵) پ۲۸، تحریم: ۸۔

نہیں، نہ یہ کہ مہینے دو مہینے کے لیے اُٹھا رکھی جائے، اور اب قرآن کریم سے پوچھیے توبہ کا طریقہ کیا بیان فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾[1] "اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب! تمھارے حضور حاضر ہوں اور مُعافی چاہیں، اور آپ بھی ان کے لیے مُعافی چاہیں، تو ضرور اللہ کو پائیں گے توبہ قبول فرمانے والا مہربان"۔ توبہ ہم سے مانگتے ہیں، اور فوراً مانگتے ہیں، اور طریقہ یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے حضور حاضر ہوکر توبہ کرو! اگر وہ دُور ہیں تو فوری توبہ کیسے ممکن؟ اور مدینۂ طیبہ حاضر ہونا ہر مسلمان کو کیسے آسان؟ اور اگر گیا بھی تو "تا تریاق از عراق" کا مضمون! نہیں نہیں یہی معنی ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر ہیں، ہر مسلمان کے دل میں وہ تشریف فرما ہیں، ہر مسلمان کے گھر میں وہ تشریف فرما ہیں۔ حضرت ملّا علی قاری "شرح شفائے امام قاضی عیاض" سے اس مسئلہ کی دلیل میں، کہ جب کسی تنہا مکان میں جاؤ جہاں کوئی نہ ہو، یوں کہو: "السّلام عليك أيها النّبي! ورحمة الله وبركاته"، فرماتے ہیں: "لأنّ روح النّبي ﷺ حاضرةٌ في بيوت أهل الإسلام" "حضور اقدس ﷺ کی روح تمام مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے"۔ یہ لفظ کی تصریح ہے کہ حضور ہر چیز پر حاضر وناظر ہیں ﷺ۔ جو شخص ایسے مسئلے کو (جو قرآن عظیم اور حدیث صحیح وارشادات علماء سے ثابت ہے) کفر کہے، اپنے اسلام کی خبر لے! ﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾[2]۔ والله تعالى أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۱)

نبوّت مطلقاً ہر وَلی غیر نبی کی ولایت سے ہزاروں درجے افضل ہے

نبوّت مطلقاً ہر وَلی غیر نبی کی ولایت سے ہزاروں درجے افضل ہے، کیسے ہی اعظم مرتبہ کا وَلی ہو، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ نبی کی نبوّت خود اس کی اپنی ولایت سے افضل ہے، یا اس کی اپنی ولایت اس کی نبوّت سے، اور اس اختلاف میں خوض کی کوئی حاجت نہیں، پہلی بات ضروریاتِ دین سے ہے، اس کا اعتقاد مدارِ ایمان ہے، جو کسی وَلی غیر نبی، حتی کہ صدیق کو کسی نبی سے افضل یا ہمسر ہی کہے، کافر ہے، كما قد نصّ عليه الأكابر الأئمّة في غير ما كتاب.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب اولیائے کرام تھے، قال الله تعالى: ﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾[3]۔ وقال الله تعالى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۙ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۚ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾[4]۔ وقال الله تعالى: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾۔ وقال الله تعالى:

---

(۱) پ۵، النساء: ۶۴۔
(۲) پ۴، آل عمران: ۱۶۷۔
(۳) پ۲۷، الحدید: ۱۰۔
(۴) پ۱۷، الانبیاء: ۱۰۱تا۱۰۳۔

﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾۔

صحابۂ کرام میں سب سے افضل واکمل واعلی واقرب الی اللہ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے، اور ان کی افضلیتِ ولایت بترتیبِ خلافت ہے، یہ چاروں حضرات سب سے اعلیٰ درجے کے کامل مکمل ہیں، اور دارائے نیابت نبوت ہونے میں شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پایہ ارفع ہے، اور دارائے تکمیل ہونے میں حضرت مولا علی مرتضی شیرِ خدا مشکل کُشا کا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، واللہ تعالی أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج١٨، ص٨١)

ایمان یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر بات میں سچا جانے اور مانے

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر بات میں سچا جانے، حضور کی حقانیت کو صدقِ دل سے ماننا ایمان ہے، جو اس کا مقرّ ہو اسے مسلمان جانیں گے، جبکہ اس کے کسی قول یا فعل یا حال میں اللہ ورسول کا انکار، یا تکذیب، یا توہین نہ پائی جائے، اور جس کے دل میں اللہ ورسول جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علاقہ تمام علاقوں پر غالب ہو، اللہ ورسول کے محبّوں سے محبت رکھے، اگرچہ اپنے دشمن ہوں۔ اور اللہ ورسول کے مخالفوں بدگویوں سے عداوت رکھے، اگرچہ اپنے جگر کے ٹکڑے ہوں۔ جو کچھ دے اللہ کے لیے دے، جو کچھ روکے اللہ کے لیے روکے، سو اس کا ایمان کامل ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مَن أحبَّ لله، وأبغضَ لله، وَأَعْطَى لله، ومنعَ لله، فقد استكمل الإيمان»[1] والله تعالى أعلم.

("فتاوی رضویہ" ج١٨، ص٨٣)

نماز بے خیالِ تعظیم واجلالِ حضورِ محبوبِ ذی الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نہیں ہوتی

عقیدہ: نماز بے خیالِ تعظیم واجلالِ حضورِ محبوبِ ذی الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نہیں ہوتی۔ التحیات میں عرضِ سلام وتشہد ودرود اسی لیے واجب ومسنون ہوئے، جو کہے کہ "نماز میں حضور کی طرف خیال لے جانا، اپنے گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے" اس خبیث نے کھلا کفر بکا، اور اللہ کی ہزاروں لعنتوں کا مستحق ہوا۔

انبیائے کرام گناہوں سے منزّہ ہیں

"فقہ اکبر شریف" میں امام الائمہ، سراج الأئمہ، کاشف الغمّہ، سیّدنا امام أعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ "تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام جملہ گناہانِ کبیرہ وصغیرہ سب سے پاک ومنزّہ ہیں"۔

پھر حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بالخصوص فرمایا کہ "وہ اللہ کے حبیب وبندہ ونبی ورسول وبرگزیدہ وپاکیزہ ہیں، جنھوں نے کبھی کوئی گناہِ صغیرہ بھی نہ کیا"۔ ("فتاوی رضویہ" ج١٨، ص٢١)

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب السنّة، باب في ردّ الإرجاء، ٢/ ٢٨٧.

ائمۂ حنفیہ وعلمائے اہلِ سنّت کے نزدیک زَلّتِ انبیاء کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ "افضل کو چھوڑ کر فاضل کا اختیار فرمانا"

حرام بھی اگر گناہ نہ ہوا تو کیا چیز گناہ ہوگی؟! بلکہ ائمۂ حنفیہ وعلمائے اہل سنّت کے نزدیک زَلّتِ انبیاء کے معنی صرف اس قدر ہیں، کہ افضل کو چھوڑ کر فاضل کا اختیار فرمانا، اسے اصلاً گناہ سے کچھ علاقہ نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی عظمتِ شان وجلالتِ قدر کے باعث کبھی ترکِ افضل پر ان کا مَولیٰ کمال لُطف ورحمت کے ساتھ عتاب محبت فرمائے؛ کہ "حسنات الأبرار سيأت المقرّبين"، لہذا "منح الرّوض الأزهر" میں عبارت مذکورۂ "فقہ اکبر" کی شرح میں فرمایا: (خطيات) أي: عثرات بالنّسبة إلى ما لهم من أعلى المقامات وسنى الحالات"[1].

اسی میں ہے: أمّا قوله تعالى: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ ...الآية[2] وكذا قوله تعالى: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى﴾ ...الآية[3]. فمحمولٌ على ترك الأولى بالنّسبة إلى مقامه الأعلى"[4]. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۴)

اللہ تعالیٰ نے کبھی کم قوموں رَذیلوں میں رسالت نہ رکھی

عاشراً أقول: قال الله ﷻ: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾[5] "خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری"، آیۂ کریمہ شاہد ہے کہ ربّ العزّۃ عزّوعلا سب سے زیادہ معزّز ومحترم موضع وضعِ رسالت کے لیے انتخاب فرماتا ہے، ولہذا کبھی کم قوموں رَذیلوں [گھٹیا] میں رسالت نہ رکھی، پھر کفر وشرک سے زیادہ رذیل کیا شے ہوگی؟! وہ کیونکر اس قابل کہ اللہ ﷻ نورِ رسالت اس میں ودیعت رکھے؟ کفار محلِ غضب ولعنت ہیں، اور نورِ رسالت کے وضع کو محلِ رضا ورحمت درکار ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۲۲)

خاتم النبیین کے قطعاً یہی معنی ہیں کہ سب انبیاء سے آخری، یعنی ان کی بعثت کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا

عقیدہ: خاتم النبیین کے قطعاً یہی معنی ہیں کہ سب انبیاء سے آخری، یعنی ان کی بعثت کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے خاتم النبیین کے یہی معنی بیان فرمائے، اور یہی تمام مسلمانوں کے ذہن واعتقاد میں ہیں، اور اس میں حضور اقدس ﷺ کی بڑی اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے۔ جو اس معنی کو "خیالِ عوام بتائے، اور ان میں فضیلت نہ مانے، اور مقامِ مدح میں ذکر کے لائق نہ جانے "یقیناً کافر مرتد ہے۔

---

(۱) "منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر" صـ۱۷۱.
(۲) "القرآن": [۹: التوبة: ٤٣].
(۳) "القرآن": [۸: الأنفال: ٦٧].
(٤) "منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر" صـ۱۸۱.
(۵) پ ۷، انعام: ۱۲۴۔

ختم نبوت نے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، یاقیامت تک حضور کے بعد کسی کو نبوت ملنے کادروازہ قطعاً بند کردیا

عقیدہ: ختم نبوت نے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، یاقیامت تک حضور کے بعد کسی کو نبوت ملنے کادروازہ قطعاً بند کردیا۔ اسے مسلمانوں کاایک ایک بچہ جانتاہے، اور یہ نہ ہوگا مگر جبکہ کوئی دوسرانبی ہوناختم نبوت کاصریح مُنافی و مخالف ہو؛ کہ مُنافی نہ ہو توختم نبوت سے اس کارَد وانکار کیونکر صحیح ہوگا؟ توہر مسلمان کافرض ہے کہ بعثتِ حضور اقدس کے بعد دوسرا نبی ہوناضرور ختم نبوت کامُنافی سمجھے، اور بر تقدیر وقوعِ مُنافی شے کاباقی رہنا، اور اس میں فرق نہ ماننا محال ہے، کوئی عاقل توعاقل، کوئی پکا مجنون بھی نہ کہے گا۔

توثابت ہواکہ جو کہے "بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اَور کوئی نبی ہو، جب بھی آپ کاخاتم ہونابدستور باقی رہتاہے، اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیداہوتوبھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" وہ یقیناًخاتمیت کے متواتر معنی کو(جو خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائے، اور مسلمانوں میں ضروریاتِ دین سے آئے) باطل کرتا، اور اللہ ورسول کی مراد کو صاف بدلتا،رَد کرتاہے اور کھلاکافر مرتد ہے۔ نصِ قطعی کی جو مراد ضروریاتِ دین سے ہو، اس کامنکر ہونا، اور اس کے خلاف جی سے گڑھنا ہی اس کے کافر ہونے کوبس ہے! اگرچہ اس کے مفاد کوکسی دوسری دلیل سے ثابت بھی مانے؛ کہ ایک ضروریِ دینی کا وہ انکار کرچکا، آیت میں ختم زمانی باطل کرکے ختم زمانی کا قائل بننا، اور اس کے منکر کوکافر کہنا ہی اس کاشیطانی مکر، اور خود اپنے کفر پر فتویٰ ہوگا؛ کہ ختم زمانی کامنکر توانکارِ آیت ہی سے کافر ہواتھا، جب آیت کے یہ معنی ہی نہیں تومنکر کیوں کافر بنے گا؟!۔

تاویلِ ملعون کہ آیت میں گڑھی، احادیث میں کیانہ ہوسکے گی؟! مسلمان جو ختم نبوت پر ایمان لائے ہیں، انہی آیت واحادیث کی بناپر، اور ان کے معنی ختم زمانی سمجھ کر، جب ان کی یہ سمجھ باطل کرچکا، توان کادامن کس منہ سے پکڑے گا؟! بداہۃً ظاہر ہواکہ ایساشخص قطعاًکافر ہے، اور ختم زمانی کااقرار اس کامحض مکرِ ابلیسی ہے، اور اس کے منکر کوکافر کہنااس کاخود اقراری کفر ہے، اور جواس کی ان تسویلات(تاویل، حیلہ، مکروفریب) سے اسے مسلمان بنانا چاہتے ہیں وہ خود کافر ہیں۔ ائمۂ دین فرماتے ہیں: "مَن شكّ في عذابه وكفره فقد كفر".

حضور اکرم ﷺ کاخاتم النبیین ہوناضروریاتِ دین سے ہے

حضور پرنور خاتم النبیین سید المرسلین -صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین- کاخاتم یعنی بعثت میں آخرِ جمیع انبیاء ومرسلین بلاتاویل وبلاتخصیص ہوناضروریاتِ دین سے ہے، جواس کامنکر ہو، یااس میں ادنیٰ شک وشبہہ کوبھی راہ دے، کافر مرتد ملعون ہے، آیہ کریمہ: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[1] وحدیثِ متواتر: «لا نبيّ بعدي»[2] سے تمام اُمّتِ مرحومہ نے سلفاًوخلفاً ہمیشہ یہی معنی سمجھے، کہ حضور اقدس ﷺ بلاتخصیص تمام انبیاء میں آخر نبی ہوئے، حضور کے ساتھ یاحضور کے بعد

---

(۱) پ۲۲، الاحزاب: ۴۰۔

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ١/ ٤٩١.

قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔

فتاوی "یتیمۃ الدہر" و "الاشباہ والنظائر" و "فتاوی عالمگیریہ" وغیرہا میں ہے: "إذا لم یعرف الرّجل أنّ محمداً ﷺ آخرُ الأنبیاء، فلیس بمسلم؛ لأنّه من الضروریّات"[1]. "شفا شریف" امام اجل قاضی عیاض رضی اللہ عنہ میں ہے: یعنی جو ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں، خواہ حضور کے بعد، کسی کی نبوت کا ادّعاء کرے وہ کافر ہے۔ (اس قول تک) یہ سب نبی ﷺ کی تکذیب کرنے والے ہیں، کہ نبی ﷺ نے خبر دی کہ "خاتم النبیین ہیں اور حضور کے بعد کوئی نبی نہیں"، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خبر دی کہ "حضور خاتم النبیین ہیں اور ان کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے"، اور امت نے اجماع کیا ہے کہ "یہ آیات واحادیث اپنے ظاہر پر ہیں، جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور رسول کی مراد ہے، نہ ان میں کوئی تاویل ہے نہ کچھ تخصیص"۔ تو جو لوگ اس کا خلاف کریں وہ بحکم اجماعِ امت و بحکم قرآن و حدیث سب یقیناً کافر ہیں۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۳)

خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین پر اِجماع ہے، اس کے ثبوت پر نصوصِ علماء

امام حجۃ الاسلام غزالی -قدّس سرّہ العالی- "کتاب الاقتصاد" میں فرماتے ہیں: "یعنی تمام امتِ مرحومہ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا ہے، وہ بتاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا، حضور ﷺ کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا، اور تمام امت نے یہی مانا ہے کہ اس میں اصلاً کوئی تاویل یا تخصیص نہیں۔ تو جو شخص لفظ خاتم النبیین میں النبیین کو اپنے عموم واستغراق پر نہ مانے، بلکہ اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے، اس کی بات مجنون کی بک یا سرسامی [دماغی مریض] کی بہک ہے، اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں؛ کہ اس نے نصِ قرآنی کو جھٹلایا، جس کے بارے میں اُمّت کا اِجماع ہے، کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص"۔

عارف باللہ سیّدی عبدالغنی نابلسی -قدّس سرّہ القدسی- "شرح الفرائد" میں فرماتے ہیں: "ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ یا بعد کسی کو نبوت ملنی جائز ماننا، تکذیبِ قرآن کو مستلزم ہے؛ کہ قرآن عظیم تصریح فرما چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین وآخر المرسلین ہیں، اور حدیث میں فرمایا: "میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اور تمام امت کا اِجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے، یعنی عموم واستغراق بلا تاویل و تخصیص، اور یہ ان مشہور مسئلوں سے ہے جن کے سبب ہم اہلِ اسلام نے کافر کہا فلاسفہ کو، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے!"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۴)

ضروریاتِ دین میں کوئی تاویل، یا اس کے عموم میں کچھ قیل وقال اصلاً مسموع نہیں

بالجملہ آیۂ کریمہ: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[2] مثل حدیث متواتر: «لانبيَّ بعدِي»[3] قطعاً عام ہے،

---

(۱) "الأشباه والنظائر" باب الردّة، ۱/ ۲۹٦. "الفتاوى الهندية" باب أحكام المرتدين، ۲/ ۲٦۳.

(۲) پ۲۲، الاحزاب: ۴۰۔

(۳) "صحيح البخاري" كتاب الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ۱/ ٤۹۱.

اور اس میں مراد استغراق تام ہے، اور اس میں کسی قسم کی تاویل و تخصیص نہ ہونے پر اِجماعِ امتِ خیرالانام ہے، علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام۔ یہ ضروریاتِ دین سے ہے، اور ضروریاتِ دین میں کوئی تاویل، یا اس کے عموم میں کچھ قیل و قال اصلاً مسموع نہیں، جیسے آج کل دجّال قادیانی بَک رہاہے کہ "خاتم النبیین سے ختم نبوت شریعتِ جدیدہ مراد ہے، اگر حضور کے بعد کوئی نبی اسی شریعتِ مطہّرہ کا مروّج و تابع ہوکر آئے، توکچھ حرج نہیں" اور وہ خبیث اس سے اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے، یا ایک اَور دجّال نے کہا تھاکہ "تقدّم و تاخّرِ زمانی میں کچھ فضیلت نہیں، خاتم بمعنی آخِر لیناخیالِ جہال ہے، بلکہ خاتم النبیین بمعنی نبی بالذات ہے"[1]۔

اور اسی مضمونِ ملعون کودجّالِ اوّل نے یوں اداکیاکہ "خاتم النبیین بمعنی افضل النبیین ہے"[2]۔ ایک اَور مرتد نے لکھا: "خاتم النبیین ہونا حضرت رسالت ﷺ کا بنسبت اس سلسلۂ محدودہ کے ہے، نہ کہ بنسبت جمیع سلاسل و عوالم کے، پس اَور مخلوقات کا، اَور زمینوں میں نبی ہونا ہرگز مُنافیِ خاتم النبیین کے نہیں۔ جموعِ محلّی باللام اَمثال اس مقام پر مخصوص ہوتی ہیں"[3]۔

چند اَور خبیثوں نے لکھاکہ "الف لام "خاتم النبیین" میں جائز ہے کہ عہد کے لیے ہو، اور بر تقدیر تسلیم استغراق جائز ہے، کہ استغراق عُرفی کے لیے ہو، اور بر تقدیرِ حقیقی جائز ہے کہ مخصوص البعض ہو، اور بھی عام کے قطعی ہونے میں بڑااختلاف ہے؛ کہ اکثر علماء ظنّی ہونے کے قائل ہیں"[4]۔ ان شیاطین سے بڑھ کراور بعض ابلیسوں نے لکھاکہ "اہلِ اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت ہی کے قائل نہیں، اور بعض قائل ختم نبوتِ تشریعی کے ہیں، نہ کہ مطلق نبوت کے"[5]۔

یہ سب تاویل رکیک ہیں، یا عموم واستغراق "النبیین" میں تشویش وتشکیک۔ سب کفر صریح وارتداد قبیح ہیں، اللہ ورسول نے مطلقاً نفئ نبوت تازہ فرمائی، شریعتِ جدیدہ وغیرہاکی کوئی قید کہیں نہ لگائی، اور صراحۃً خاتم بمعنی آخر بتایا، متواتر حدیثوں میں اس کا بیان آیا، اور صحابۂ کرام -رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- سے اب تک تمام امتِ مرحومہ نے اسی معنیٔ ظاہر ومتبادر وعموم واستغراق حقیقی تام پراِجماع کیا، اور اسی بنا پر سلفاً وخلفاً ائمۂ مذاہب نے نبی ﷺ کے بعد ہر مدّعیٔ نبوت کو کافر کہا۔ کتبِ احادیث وتفسیر وعقائد وفقہ ان کے بیانوں سے گونج رہی ہیں۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی کتاب "جزاء اللہ عدوّہ بإبائہ ختمَ النبوّۃ" (۱۳۱۷ھ) میں اس مطلبِ ایمانی پر صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم وجوامع سے ایک سو بیس ۱۲۰ حدیثیں، اور تکفیرِ منکر کہ ارشاداتِ ائمہ وعلمائے قدیم وحدیث، وکتب عقائد واصولِ فقہ وحدیث سے تیس ۳۰ نصوص ذکر کیے، وللہ الحمد!۔

---

(۱) "تحذیرالناس" ص۵۔

(۲) "مواهب الرّحمن" ذكر نبذ من عقائدنا، صـ۲۸۵ (از "روحانی خزائن").

(۳) "مناظرہ أحمدیة"

(۴) "ناصرالمؤمنین"

(۵) "تحریراکی زندیق" پشاوری۔

تو یہاں عموم واستغراق کا انکار، خواہ کسی تاویل وتبدیل کا اظہار نہیں کر سکتا، مگر کُھلا کافر، خدا کا دشمن، قرآن کا منکر، مردود وملعون، خائب وخاسر، والعیاذ باللہ العزیز القادر۔ ایسی تشکیکیں تو وہ اشقیاء رب العالمین میں بھی کر سکتے ہیں، کہ جائز ہے لام عہد کے لیے ہو، یا استغراق عُرفی کے لیے، یا عام مخصوص منہ البعض، یا عالمین سے مراد عالمینِ زمانہ ہو، کقولہ تعالی: ﴿وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ﴾[1] اور سب کچھ سہی، پھر عام قطعی تو نہیں، خدا کا پروردگار جمیع عالَم ہونا یقینی کہاں؟! مگر الحمدللہ مسلمان نہ ان ملعون ناپاک وَساوِس کو رب العالمین میں سنیں، نہ ان خبیث گندے وساوِس کو خاتم النبیین میں، ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴾[2] ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴾[3].

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۷، ۲۸)

ذاتی وعطائی کی جانب علم کا انقسام اور علماء کی تصریحات

مخالفین کو تو محمد رسول اللہ ﷺ کے فضائل کریمہ کی دشمنی نے اندھا بہرا کر دیا ہے، انہیں حق نہیں سوجھتا، مگر تھوڑی سی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں کچھ بھی دشواری نہیں۔ علم یقیناً اُن صفات میں سے ہے کہ غیر خُدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے، تو ذاتی وعطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی ہے، یونہی محیط وغیر محیط کی تقسیم بدیہی ہے، ان میں اللہ عزّوجلّ کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی قسم اوّل ہے، یعنی علم ذاتی وعلم محیط حقیقی۔

تو آیات واحادیث واقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اِثباتِ علم غیب سے انکار ہے، ان میں قطعاً یہی قسمیں مراد ہیں۔ فقہاء کہ حکم تکفیر کرتے ہیں، انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں؛ کہ آخر بنائے تکفیر یہی تو ہے کہ خدا کی صفتِ خاصّہ دُوسرے کے لیے ثابت کی۔ اب یہ دیکھ لیجیے کہ خدا کے لیے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی؟ حاشا للہ! علم عطائی خدا کے ساتھ ہونا درکنار، خدا کے لیے مُحال قطعی ہے کہ دوسرے کے دیے سے اسے علم حاصل ہو۔ پھر خُدا کے لیے علم محیط حقیقی خاص ہے، یا غیر محیط؟ حاشا للہ! علم غیر محیط خدا کے لیے مُحال قطعی ہے، جس میں بعض معلومات مجہول رہیں، تو علم عطائی غیر محیط حقیقی غیر خُدا کے لیے ثابت کرنا، خُدا کی صفتِ خاصّہ ثابت کرنا کیونکر ہوا؟! تکفیر فقہاء اگر اس طرف ناظر ہو تو معنی یہ ٹھہریں گے کہ "دیکھو تم غیر خُدا کے لیے وہ صفت ثابت کرتے ہو جو زنہار خُدا کی صفت نہیں ہو سکتی، لہٰذا کافر ہو" یعنی وہ صفت غیر کے لیے ثابت کرنی چاہیے تھی جو خاص خُدا کی صفت ہے، کیا کوئی احمق ایسا اَخبث جنون گوارا کر سکتا ہے؟ "ولکن النّجدیةَ قومٌ لا یعقلون".

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۷۸)

[1] پ۱، البقرۃ:۴۷۔

[2] پ۱۱، ہود:۱۸۔

[3] پ۲۲، الاحزاب:۵۷۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات سے جاننے کی نفی فرمائی ہے
خدا کے بتائے سے جاننے کی نفی نہیں فرمائی

"تفسیر کبیر" میں ہے: "قوله ﴿وَلَآ أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ يدل على اعتراف بأنه غير عالم بكل المعلومات"(١) یعنی آیت میں جو نبی ﷺ کو ارشاد ہوا: "تم فرما دو: میں غیب نہیں جانتا" اس کے یہ معنی ہیں کہ میرا علم جمیع معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں۔

امام قاضی عیاض "شفا شریف" اور علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح "نسیم الریاض" میں فرماتے ہیں: "(هذه المعجزة) في اطلاعه ﷺ على الغيب (المعلومة على القطع) بحيث لا يمكن إنكارها أو التردد فيها لأحد من العقلاء، (لكثرة رُواتها واتفاق معانيها على الاطلاع على الغيب) وهذا لا ينافي الآيات الدالّة على أنه لا يعلم الغيب إلّا الله، وقوله: ﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ فإن المنفيّ علمه من غير واسطة، وأمّا اطلاعه ﷺ بإعلام الله تعالى له، فأمرٌ متحققٌ بقوله تعالى: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾"(٢).

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے، جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں؛ کہ اس میں احادیث بکثرت آئیں، اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے، اور یہ ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا" اور یہ کہ نبی ﷺ کو اس کہنے کا حکم ہوا کہ "میں غیب جانتا تو اپنے لیے بہت خیر جمع کر لیتا" اس لیے کہ آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو بغیر خدا کے بتائے ہو، اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے نبی ﷺ کو علم غیب ملنا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے کہ "اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا، سوا اپنے پسندیدہ رسول کے"۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۰۷)

"تفسیر نیشاپوری" میں ہے: "﴿وَلَآ أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ فيه دلالةٌ على أنّ الغيبَ بالاستقلال لا يعلمه إلّا الله"(٣). آیت کے یہ معنی ہیں کہ علم غیب جو بذات خود ہو، وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔

"تفسیر انموذج جلیل" میں ہے: "معناه: لا يعلم الغيبَ بلا دليل إلّا الله، أو بلا تعليم إلّا الله، أو جمع الغيب إلّا الله"(٤). آیت کے یہ معنی ہیں کہ غیب کو بلا دلیل و بلا تعلیم جاننا، یا جمیع غیب کو محیط ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

---

(١) "مفاتيح الغيب" سورة البقرة: تحت الآية ٣٤، ١/ ٤٣٦.

(٢) "نسيم الرياض شرح الشفا" للقاضي عياض، ومن ذلك ما اطلع عليه من الغيوب، ٣/ ١٥٠.

(٣) "غرائب القرآن (تفسير النيسابوري)" تحت الآية، ٦٥٠، ٦/ ١١٠.

(٤) "أنموذج جليل في أسئلة وأجوبة عن غرائب آي التنزيل" سورة النمل، فإن قيل: كيف قال تعالى: ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ... إلخ، صـ٣٨٣.

Ataunnabi.com

"جامع الفصولین" میں ہے: "یجاب بأنه یمکن التوفیق بأنّ المنفيّ هو العلمُ بالاستقلال، لا العلمُ بالإعلام، أو المنفي هو المجزوم به، لا المظنون، ویؤیده قوله تعالی: ﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا﴾ الآیة، لأنه غیبٌ أخبر به الملائکةُ ظنّاً منهم أو بإعلام الحقّ، فینبغي أن یکفرَ لو ادّعاه مستقلاً، لا لو أخبر به بإعلام في نومه أو یقظته بنوع من الکشف، إذ لا منافاة بینه وبین الآیة لما مرّ من التوفیق"[1]۔

(یعنی فقہاء نے دعویٰ علم غیب پہ حکم کفر کیا، اور حدیثوں اور ائمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں، جن کا انکار نہیں ہو سکتا) اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے، کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لیے بذات خود علم غیب مانا جائے، خدا کے بتائے سے علم غیب کی نفی نہ کی۔ یا نفی قطعی کی ہے نہ کہ ظنی کی، اور اس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے کہ "فرشتوں نے عرض کیا: کیا تو زمین میں انھیں کو خلیفہ کرے گا جو اس میں فساد و خونریزی کریں گے!" ملائکہ نے غیب کی خبر بولے، مگر ظناً یا خدا کے بتائے سے، تو تکفیر اس پہ چاہیے کہ کوئی بے خدا کے بتائے علم غیب ملنے کا دعویٰ کرے، نہ یوں کہ بذریعہ کشف جاگتے یا سوتے میں خدا کے بتائے سے۔ ایسا علم غیب آیت کے کچھ منافی نہیں۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۵۸۰)

علم غیب سے متعلق اجماعی مسائل

(۱) بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرّہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریات دین سے ہے، اور اس کا منکر کافر ہے۔

(۲) بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا، مساوی درکنار۔ تمام اولین و آخرین وانبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے، جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو ہے، کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی ہیں، اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے، بخلاف علوم الٰہیہ: کہ غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں۔ اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش شرق و غرب و جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہو جائیں، آخر متناہی ہیں: کہ عرش و فرش دو ۲ حدیں ہیں، روز اول و روز آخر دو ۲ حدیں ہیں، اور جو کچھ دو ۲ حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے۔ بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا، تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے، نہ کہ (معاذ اللہ) توہّم مساوات!۔

(۳) یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیے سے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے، یہ بھی ضروریات دین سے ہے، جو اس کا منکر ہو کافر ہے: کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

(۴) اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء و تمام جہان سے اتم و اعظم ہے، اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے، مسلمانوں کا یہاں تک

---

(۱) "جامع الفصولین" الفصل ۳۸، ۲/ ۳۰۲۔

اِجماع تھا، مگر وہابیہ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کس دل سے گوارا ہو! انہوں نے صاف کہہ دیا کہ:

(۱) حضور کو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں"[1]۔

(۲) وہ اور تو اور اپنے خاتمے کا بھی حال نہ جانتے تھے"[2]۔

ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ: (۳) خدا کے بتائے سے بھی اگر بعض مغیبات کا علم ان کے لیے مانے، جب بھی شرک ہے"[3]۔

(۴) اس پر قہر یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو تو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ مانیں، اور ابلیس لعین کے لیے تمام زمین کا علم محیط حاصل جانیں"[4]۔

(۵) اس پر عذر کہ ابلیس کی وسعتِ علم نص سے ثابت ہے، فخرِ عالَم کی وسعتِ علم کی کون سی نصِ قطعی ہے؟[5]۔

(۶) پھر ستم قہر یہ کہ جو کچھ ابلیس کے لیے خود ثابت مانا، محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے اس کے ماننے پر جھٹ حکم شرک جڑ دیا، یعنی خاص صفت ابلیس کے لیے تو ثابت ہے، وہ تو خدا کا شریک ہے، مگر حضور کے لیے ثابت کرو تو مشرک ہوا۔

(۷) اس پر بعض غالی اور بڑھے اور صاف کہہ دیا کہ: جیسا علمِ غیب محمد رسول اللہ ﷺ کو ہے، ایسا تو ہر پاگل، ہر چوپائے کو ہوتا ہے"[6] إنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون!۔

اصل بحث ان کلماتِ ملعونہ کی ہے، عجبا کا واکاث [خبیثوں کی پھر برائی] کہ (پینترا بدل کر) اس سے بچتے، اور علم کے خاص وغیر خاص ہونے کی بحثِ بے علاقہ لے دوڑتے ہیں، کہ علمِ غیب کو آیات واحادیث نے خاص بخدا بتایا۔ فقہاء نے دوسرے کے لیے اس کے اِثبات کو کفر کہا ہے، اس کا جواب تو اوپر معروض ہو چکا، کہ خدا کے ساتھ خاص وہی علم ذاتی و محیط حقیقی ہے، غیر کے لیے اسی کے اِثبات کو فقہاء کفر کہتے ہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۸۳)

علمِ عطائی غیر محیط حقیقی خدا کے لیے ہو ہی نہیں سکتا

علمِ عطائی غیر محیط حقیقی خدا کے لیے ہو ہی نہیں سکتا، نہ کہ (معاذاللہ) اس کی صفت خاصّہ ہو، یہ علم ہم نے نہ غیر خدا کے لیے مانا، نہ وہ نصوص واقوال ہم پر وارد! مگر ان حضرات سے پوچھیے کہ آیات واحادیث حصر واقوال فقہاء علمِ عطائی غیر محیط حقیقی کو بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو تمھارا کتنا جنون ہے کہ انھیں ہم پر پیش کرتے ہو، ان کو ہمارے دعوے سے کیا منافات ہوئی؟ اور اگر اسے بھی شامل ہیں تو آپ بتایئے کہ گنگوہی صاحب آپ ابلیس کے لیے جو علمِ محیط زمین اور تھانوی صاحب آپ

---

(۱) "براہین قاطعہ" بحث علم غیب، ص۵۵۔

(۲) "براہین قاطعہ" بحث علم غیب، ص۵۵۔

(۳) "براہین قاطعہ" بحث علم غیب، ص۵۷۔

(۴) "براہین قاطعہ" بحث علم غیب، ص۵۵۔

(۵) "براہین قاطعہ" بحث علم غیب، ص۵۵۔

(۶) "حفظ الایمان" ص۳۔

ہر پاگل ہر چوپائے کے لیے جو علم غیب کے قائل ہیں! آیا ان کے لیے علم ذاتی حقیقی مانتے ہیں یا اس کا غیر؟ بر تقدیرِ اول قطعاً کافر ہوا! بر تقدیرِ ثانی بھی خود تمہارے ہی منہ سے وہ آیات وہ احادیث و اقوالِ فقہاء تم پر وارد! اور تم اپنے ہی پیش کردہ دلائل سے خود کافر و مرتد!۔
اب کیسے مفر کدھر؟ ہاں مفر وہی ہے کہ ابلیس اور پاگل اور چوپائے سب تو علم غیب رکھتے ہیں، آیات واحادیث واقوال فقہاء ان کے لیے نہیں، وہ تو صرف محمد رسول کی نفی علم کے لیے ہیں! الا لعنة الله علی الظالمین!.

اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اُمورِ خمسہ کا علمِ غیب عطا فرمایا

علّامہ باجوری "شرحِ بُردہ شریف" میں فرماتے ہیں: لم يخرج ﷺ من الدّنيا إلّا بعد أن أعلمه الله تعالى بهذه الأمور، أي: الخمسة"(1) نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے، مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالی نے حضور کو ان پانچ ۵ غیبوں کا علم دے دیا۔

علّامہ شنوانی نے "جمع النہایۃ" میں اسے بطور حدیث بیان کیا کہ "قد ورد أنّ الله تعالى لم يُخرِج النبيَّ ﷺ، حتّى أطلعَه على كلّ شيء"(2) "بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالی نبی کریم ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا، جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرمایا"۔

حافظ الحدیث سیّدی احمد مالکی غوث الزمان سید شریف عبد العزیز مسعود حسنی رضی اللہ عنہ سے راوی: "هو ﷺ لا يخفى عليه شيءٌ من الخمس المذكورة في الآية الشّريفة، وكيف يخفى عليه ذلك والأقطابُ السبعةُ من أمّته الشّريفة يعلمونها، وهُم دون الغوث، فكيف بسيّد الأوّلين والآخِرين الذي هو سببُ كلّ شيء، ومنه كلّ شيء؟!" یعنی (۱) قیامت کب آئے گی، (۲) مینہ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا، (۳) مادہ کے پیٹ میں کیا ہے، (۴) کل کیا ہوگا، (۵) فُلاں کہاں مرے گا۔ یہ پانچوں غیب جو آیۂ کریمہ میں مذکور ہیں، ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ پر مخفی نہیں، اور کیونکر یہ چیزیں حضور سے پوشیدہ ہوں، حالانکہ حضور کی امّت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں، اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے، غوث کا کیا کہنا! پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار! اور ہر چیز کے سبب ہیں! اور ہر شے انہیں سے ہے ﷺ!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۹۹)

نیز "ابریز عزیز" میں فرمایا: "قلتُ للشيخ رضي الله عنه: فإنّ علماءَ الظاهر من المحدّثين وغيرهم اختلفوا في النبي ﷺ، هل كان يعلم الخمسَ؟ فقال رضي الله عنه: كيف يخفى أمرُ الخمس عليه ﷺ؟ والواحدُ من أهل التصرّف من أمّته الشريفة، لا يمكنه التصرّفُ إلّا بمعرفة هذه الخمس!"(3) یعنی "میں نے حضرت شیخ رضی اللہ عنہ سے عرض کی، کہ علماء ظاہر محدثین مسئلۂ خمس میں باہم اختلاف رکھتے ہیں، علماء کا ایک گروہ کہتا ہے: نبی کریم ﷺ کو ان کا علم

---

(1) "حاشية الباجوري على البردة" تحت البيت فإنّ من جودك الدنيا ...إلخ، صـ۹۲.
(2) "حاشية الشّيخ محمد الشنواني على مختصرة أبي جمرة (جمع النهاية)" مطلب في نفيه ﷺ ...إلخ، صـ۳۹۲.
(3) "الإبريز" الباب ۲، صـ۱۶۷، ۱۶۸.

تھا، دوسرا انکار کرتا ہے، اس میں حق کیا ہے ؟فرمایا: (جو نبی ﷺ کو پانچوں غیبوں کا علم مانتے ہیں وہ حق پر ہیں) حضور سے یہ غیب کیونکر چھپے رہیں گے ؟ حالانکہ حضور کی امت شریفہ میں جو اولیائے کرام اہلِ تصرّف ہیں (کہ عالَم میں تصرّف فرماتے ہیں) وہ جب تک ان پانچوں غیبوں کو جان نہ لیں، تصرّف نہیں کر سکتے !"۔

"تفسیر کبیر" میں زیر آیۂ کریمہ: ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾[1] فرمایا: "أي: وقت وقوع القيامة من غيبه الذي لا يُظهره اللهُ لأحد، فإن قيل: فإذا حملتم ذلك على القيامة، فكيف قال: ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ مع أنه لا يُظهِر هذا الغيبَ لأحدٍ؟ قلنا: بل يُظهِره عند قُرب القيامة"[2] (ملخصاً). یعنی قیامت کے واقع ہونے کا وقت اس غیب میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں کرے، اگر کہا جائے کہ جب تم نے آیت کو علم قیامت پر محمول کیا، تو کیسے اللہ نے فرمایا: ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ باوجودیکہ یہ غیب اللہ کسی پر ظاہر نہیں کرے گا ؟ ہم جواب دیں گے کہ: قیامت کے قریب ظاہر کرے گا۔ اس نفیس تفسیر نے صاف معنیٔ آیت یہ ٹھہرائے کہ اللہ عالم الغیب ہے، وہ وقتِ قیامت کا علم کسی کو نہیں دیتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۹۹)

علّامہ سعد الدّین تفتازانی "شرح مقاصد" میں فرقۂ باطلہ معتزلہ -خذلہم اللہ تعالیٰ- کے کرامات اولیاء سے انکار، اور ان کے شبہاتِ فاسدہ کے ذکر و ابطال میں فرماتے ہیں: "الخامس وهو في الأخبار عن المغيّبات: قوله تعالى: ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ خصّ الرُّسُلَ من بين المرتضِين بالإطلاع على الغيب، فلا يُطلِع غيرَهم وإن كانوا أولياء مرتضين. الجوابُ: أنّ الغيبَ هاهنا ليس للعموم بل مطلقٌ، أو معيّنٌ هو وقت وقوع القيامة بقرينة السّباق، ولا يبعد أن يُطلعَ عليه بعضَ الرُّسُلَ من الملائكة أو البَشَر، فيصحّ الاستثناءُ"[3].

یعنی معتزلہ کی پانچویں دلیل خاص علم غیب کے بارے میں ہے، وہ گمراہ کہتے ہیں کہ اولیاء کو غیب کا علم نہیں ہو سکتا؛ کہ اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے: "غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر مسلّط نہیں کرتا، مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو"، جب غیب پر اطلاع رسولوں کے ساتھ خاص ہے، تو اولیاء کیونکر غیب جان سکتے ہیں ؟ ائمۂ اہل سنّت[4] نے جواب دیا، کہ یہاں غیب عام نہیں

---

(۱) پ۲۹، الجن: ۲۶، ۲۷۔

(۲) "مفاتيح الغيب (التفسير الكبير)" تحت الآية، ۷۲/ ۴۶، ۳۰/ ۱۶۷.

(۳) "شرح المقاصد" المبحث ۸، أولى هو العارف بالله تعالى، ۲/ ۲۰۴، ۲۰۵.

(۴) فائدہ: اس نفیس عبارت "کتاب العقائد" اہل سنّت سے ثابت ہوا، کہ وہابیہ معتزلہ سے بھی بہت خبیث تر ہیں، معتزلہ کو صرف اولیائے کرام کے علومِ غیب میں کلام تھا، انبیاء کے لیے مانتے تھے، یہ خبیث خود انبیاء سے منکر ہو گئے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ائمۂ اہل سنّت انبیاء و اولیاء سب کے لیے مانتے ہیں، وللہ الحمد۔ منہ [أي: الإمام أحمد رضا خان]

جس کے یہ معنے ہوں کہ "کوئی غیب رسولوں کے سوا کسی کو نہیں بتاتا" جس سے مطلقاً اولیاء کے علومِ غیب کی نفی ہو سکے، بلکہ یہ تو مطلق ہے (یعنی کچھ غیب ایسے ہیں کہ غیر رسول کو نہیں معلوم ہوتے) یا خاص وقت وقوعِ قیامت مراد ہے (کہ خاص اس غیب کی اطلاع رسولوں کے سوا اَوروں کو نہیں دیتے) اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں غیب قیامت ہی کا ذکر ہے۔ (تو آیت سے صرف اتنا نکلا، کہ بعض غیبوں یا خاص وقت قیامت کی تعیین پر اولیاء کو اطلاع نہیں ہوتی، نہ یہ کہ اولیاء کوئی غیب نہیں جانتے، اس پر اگر شبہہ کیجیے کہ اللہ تو رسولوں کا استثناء فرما رہا ہے، کہ وہ ان غیبوں پر مطلع ہوتے ہیں جن کو اَور لوگ نہیں جانتے، اب اگر اس سے تعینِ وقت قیامت لیجیے، تو رسولوں کا بھی استثناء نہ رہے گا؛ کہ یہ تو اُن کو بھی نہیں بتایا جاتا۔ اس کا جواب یہ فرمایا کہ) ملائکہ یا بشر سے بعض رسولوں کو تعینِ وقت قیامت کا علم ملنا کچھ بعید نہیں، تو استثناء کہ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا ضرور صحیح ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۶۰۰)

امام قَسطلانی "شرح بخاری" "تفسیر سورۂ رعد میں فرماتے ہیں: "لا يعلم متى تقوم السّاعةُ إلّا الله، إلّا مَن ارتضى من رسول، فإنّه يُطلعه مَن يشاء من غيبه، والولي التابعُ له يأخذ عنه"[1] کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی، سوا اس کے پسندیدہ رسولوں کے، کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دیتا ہے۔ (یعنی وقتِ قیامت کا علم بھی ان پر بند نہیں۔) رہے اولیاء، وہ رسولوں کے تابع ہیں، ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔ یہاں اس خاص غیب کے علم میں بھی اولیاء کے لیے راہ رکھی، مگر یوں کہ اَصالۃً انبیاء کو ہے، اور اُن کو اِن سے ملتا ہے، اور حق یہی ہے کہ آیۂ کریمہ غیر رُسل سے علم غیوب میں اَصالت کی نفی فرماتی ہے، نہ کہ مطلق علم کی۔

علامہ حسن بن علی مدابغی "حاشية فتح المبين" امام ابن حجر مکّی، اور فاضل ابن عطیہ "فتوحات وهبية شرح أربعين" امام نووی میں نبی ﷺ کو علم قیامت عطا ہونے کے باب میں فرماتے ہیں: "الحقُّ كما قال جمعٌ: إنّ اللهَ ﷻ لم يقبض نبيَّنا ﷺ حتّى أطلعه على كلّ ما أبهمَه عنه، إلّا أنّه أمرَ بكتم بعضٍ والإعلام ببعض"[2] یعنی حق مذہب وہ ہے جو ایک جماعت علماء نے فرمایا، کہ اللہ عزّوجلّ ہمارے نبیِ کریم ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا، یہاں تک کہ جو کچھ حضور سے مخفی رہا تھا، اس سب کا علم حضور کو عطا فرما دیا، ہاں بعض علوم کی بنسبت حضور ﷺ کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتائیں، اور بعض کے بتانے کا حکم کیا۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۶۰۰)

علم غیب پر احادیثِ مبارکہ

"صحیحین" بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: «قام فينا رسولُ الله ﷺ مقاماً، ما ترك شيئاً يكون في مقامه ذلك إلى قيام السّاعة إلّا حدّث به، حفظَه مَن حفظَه، ونسيَه مَن نسيَه»[3] "رسول الله

(۱) "إرشاد السّاري شرح صحيح البخاري" كتاب التفسير، سورة الرعد، ۷/ ۱۸۷.

(۲) "حاشية المدابغي على فتح المبين لشرح الأربعين" الحديث ۲، صـ۸۲.

(۳) "مشكاة المصابيح" برمز متّفق عليه، كتاب الفتن، الفصل ۱، صـ۴٦۱. "صحيح مسلم" كتاب الفتن، =

ﷺ نے ایک بار ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرمادیا، کوئی چیز نہ چھوڑی، جسے یاد رہا یاد رہا، جو بھول گیا بھول گیا"۔

یہی مضمون احمد نے "مسند"، بخاری نے "تاریخ"، طبرانی نے "معجم کبیر" میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا۔ "صحیح بخاری شریف" میں حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: «قام فينا النبيُّ ﷺ مقاماً، فأخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل أهلُ الجنة منازلَهم، وأهلُ النّار منازلَهم، حفظ ذلك من حفظَ، ونسيَه مَن نسيَه»⁽¹⁾ "ایک بار سیدِ عالم ﷺ نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ جانے تک کا حال ہم سے بیان فرما دیا، یاد رکھا جس نے یاد رکھا، اور بھول گیا جو بھول گیا"۔

"صحیح مسلم شریف" میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نمازِ فجر سے غروبِ آفتاب تک خطبہ فرمایا، بیچ میں ظہر و عصر کی نمازوں کے علاوہ کچھ کام نہ کیا: «فأخبرنا بما هو كائنٌ إلى يوم القيامة، فأعلمُنا أحفظُنا»⁽²⁾ "اس میں سب کچھ ہم سے بیان فرمادیا جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جسے زیادہ یاد رہا"۔

"جامع ترمذی شریف" وغیرہ کتب کثیرہ ائمۂ حدیث میں باسانید عدیدہ وطرق متنوعہ دس ۱۰ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فرأيتُه ﷻ وضعَ كفَّه بين كتفيَّ، فوجدتُ بردَ أناملِه بين ثديَيَّ، فتجلّى لي كلُّ شيءٍ وعرفتُ»⁽³⁾ "میں نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا، اس نے اپنا دستِ قدرت میری پشت پر رکھا، کہ میرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، اسی وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی، اور میں نے سب کچھ پہچان لیا"۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: "هذا حديثٌ حسنٌ، سألتُ محمّد بن إسماعيل عن هذا الحديث فقال: صحيح"⁽⁴⁾ "یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس کا حال پوچھا، فرمایا: صحیح ہے"۔

اسی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے اسی معراجِ مَنامی کے بیان میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فعلمتُ ما في السماوات وما في الأرض»⁽⁵⁾ "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب میرے علم میں آگیا"۔

ــ ۲/ ۳۹۰. "مسند الإمام أحمد" من حذيفه رضي الله عنه، ۵/ ۳۸۵-۳۸۹.

(۱) "صحيح البخاري": كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في قول الله وهو الذي يبدء الخلق ...إلخ، ۱/ ۴۵۳.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الفتن، ۲/ ۳۹۰.

(۳) "سنن الترمذي" كتاب التفسير، ر: ۳۲۴۶، ۵/ ۱۶۰.

(۴) "سنن الترمذي" كتاب التفسير، ر: ۳۲۴۶، ۵/ ۱۶۱.

(۵) "سنن الترمذي" كتاب التفسير، ر: ۳۲۴۴، ۵/ ۱۵۹.

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ "شرح مشکاۃ" میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں: "پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین ہا بود عبارت است از حصولِ تمامہ علوم جزوی وکلی واحاطہ آں "(۱)۔

امام احمد "مسند" اور ابن سعد "طبقات" اور طبرانی "معجم" میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، اور ابو یعلی وابن منیع وطبرانی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے راوی: «لقد تركنا رسولُ الله ﷺ وما يحرّك طائرٌ جناحَيه في السّماء إلّا ذكرَ لنا منه علماً»(۲) نبی ﷺ نے ہمیں اس حال پر چھوڑا، کہ ہوا میں کوئی پرندہ پَر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرمادیا ہو۔

نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض" و"شرح زرقانی "للمواہب میں ہے: "هذا تمثيلٌ لبيان كلّ شيء، تفصيلاً تارةً وإجمالاً أخرى"(۳) "یہ ایک مثال دی ہے اس کی کہ نبی کریم ﷺ نے ہر چیز بیان فرما دی، کبھی تفصیلاً کبھی اجمالاً"۔

"مواہب امام قسطلانی" میں ہے: "ولا شكّ أنّ الله تعالى قد أطلعه على أزيَدَ من ذلك، وألقى عليه علمَ الأوّلين والآخِرين"(۴) "اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالی نے حضور ﷺ کو اس سے زیادہ علم دیا، اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور پر اِلقاء کیا" ﷺ۔

طبرانی "معجم کبیر" اور نعیم بن حمّاد "کتاب الفتن" اور ابو نعیم "حلیہ" میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ اللهَ قد رفع لي الدّنيا، فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائنٌ فيها إلى يوم القيامة، كأنّما أنظر إلى كفّيّ هذه، جَلِيّانٌ من الله جلّاه لنبيّه، كما جلّاه للنبيّين من قبله»(۵) "بے شک میرے سامنے اللہ عزوجل نے دنیا اٹھالی ہے، اور میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کچھ ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، اس رَوشنی کے سبب جو اللہ تعالی نے اپنے نبی کے لیے رَوشن فرمائی، جیسے محمد سے پہلے انبیاء کے لیے رَوشن کی تھی" ﷺ۔

اس حدیث سے رَوشن ہے کہ جو کچھ سماوات وارض میں ہے، اور جو قیامت تک ہوگا، اس سب کا علم اگلے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی عطا ہوا تھا، اور حضرت عزّت -عزجلالہ- نے اس تمام ماکان ومایکون کو اپنے ان محبوبوں کے پیش نظر فرما دیا، مثلاً مشرق سے مغرب تک، سماک سے سمک تک، ارض سے فلک تک، اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، سیّدنا ابراہیم خلیل -علیہ

---

(۱) "أشعة اللّمعات" كتاب الصّلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ۱/ ۳۳۳.

(۲) "مسند الإمام أحمد" عن أبي ذر غفاري ﷺ، ۵/ ۱۵۳. "مجمع الزوائد" عن أبي الدرداء، كتاب علامات النبوّة، باب فيما أوتي من العلم ...إلخ، ۸/ ۳٦٤.

(۳) "نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض" فصل ومن ذلك ما اطلع ...إلخ، ۳،۱۵۳. "شرح الزرقاني على المواهب اللدُنية" المقصد ۸، الفصل ۳، القسم ۲، ۷/ ۲۰٦.

(٤) "المواهب اللدنية" المقصد ۸، الفصل ما أخبر به ﷺ من الغيب، ۳/ ۵٦۰.

(۵) "حلية الأولياء" ترجمة: ۳۳۸ حديد بن كريب، ٦/ ۱۰۱.

الصلاۃ والتسلیم- ہزار ہا برس پہلے اس سب کو ایسا دیکھ رہے تھے، گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں، ایمانی نگاہ میں یہ نہ قدرتِ الٰہی پر دشوار، اور نہ عزّت ووجاہت انبیاء کے مقابل بسیار، مگر معترض بیچارے جن کے یہاں خدائی کی حقیقت اتنی ہو کہ ایک پیڑ کے پتے گن دیے! وہ آپ ہی ان حدیثوں کو شرکِ اکبر کہنا چاہیں، اور جو ائمۂ کرام وعلمائے اَعلام ان سے سند لائے، انہیں مقبول مسلّم رکھتے آئے، جیسے امام خاتم الحفاظ جلال الملّۃ والدّین سیوطی مصنّف "خصائص کبری"، وامام شہاب احمد محمد خطیب قسطلانی صاحب "مَواہب لدنّیہ"، وامام ابوالفضل شہاب ابن حجر مکی ہیثمی شارح "ہمزیّہ"، وعلّامہ شہاب احمد مصری خفاجی صاحب "نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض"، وعلّامہ محمد عبد الباقی زرقانی شارح "مَواہب" وغیرہم -رحمہم اللہ تعالیٰ- انہیں مشرک کہیں، والعیاذ باللہ ربّ العالمین!.

"صحیح مسلم" و"مسند امام احمد" و"سُنَن ابنِ ماجہ" میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «عرضتْ عليَّ أمّتي بأعمالها حسنِها وقبيحِها»[1] "میری ساری اُمّت اپنے سب اعمالِ نیک وبد کے ساتھ میرے حضور پیش کی گئی"۔

"طبرانی" اور "ضیاء مختارہ" میں حذیفہ بن اُسید رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «عرضتْ عليَّ أمّتي البارحةَ لدَى هذه الحجرة، حتّى لأنّا أعرف بالرّجل منهم من أحدكم بصاحبه»[2] "گزشتہ رات مجھ پر میری اُمّت اس حجرے کے پاس میرے سامنے پیش کی گئی، بے شک میں ان کے ہر شخص کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جیسا تم میں کوئی اپنے ساتھی کو پہچانے"۔ والحمد للہ ربّ العالمین!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۶۲۱)

نصوصِ حصر

یعنی جن آیات واحادیث میں ارشاد ہوا ہے کہ علمِ غیب خاصۂ خدا تعالیٰ ہے، مولی عزّوجلّ کے سوا کوئی نہیں جانتا، قطعاً حق اور بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان کے ایمان ہیں، مگر منکر متکبر کا اپنے دعوائے باطلہ پر ان سے استدلال، اور اس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ما كان وما يكون بمعنی مذکور ماننے والے پر حکمِ کفر وضلال، نصِ جنون وخام خیال، بلکہ خود مستلزمِ کفر وضلال ہے۔

علم باعتبار منشأ دو۲ قسم ہے: (۱) ذاتی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، (۲) اور عطائی کہ اللہ عزّوجلّ کا عطیہ ہو۔ اور باعتبارِ متعلّق بھی دو۲ قسم ہے: (۱) علم مطلق یعنی محیط حقیقی تفصیلی فعلی فروانی، کہ جمیع معلوماتِ الٰہیہ عزّ وعلا کو جن میں غیر متناہی معلومات کے سلاسل، وہ بھی غیر متناہیہ، وہ بھی غیر متناہی بار داخل، اور خود کنہِ ذاتِ الٰہی واحاطۂ تامّ صفاتِ الٰہیہ نامتناہی سب کو شامل، فرداً فرداً تفصیلاً مستغرق ہو۔ (۲) اور مطلق علم یعنی جاننا، اگر محیط باحاطۂ حقیقیہ نہ ہو۔ ان تقسیمات میں علمِ ذاتی وعلمِ مطلق بمعنی مذکور بلاشبہ اللہ عزّوجلّ کے لیے خاص ہیں، اور ہرگز کسی غیر خدا کے لیے ان کے حصول کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

ہم ابھی بیان کر آئے کہ علم ما كان وما يكون بمعنی مسطور، اگرچہ کیسا ہی تفصیلی بروجہِ اتمّ واکمل ہو، علومِ محمدیہ کی وسعتِ عظیمہ کو نہیں پہنچتا، پھر علومِ محمدیہ تو علومِ الٰہیہ ہیں، جلّ وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم، مطلق علم ہرگز حضرت حق عزّ وعلا سے خاص

(۱) "صحيح مسلم" كتاب المساجد، باب النهي عن البصاق في المسجد، ۱/ ۲۰۷.

(۲) "المعجم الكبير" ر: ۳۰۵٤، ۳/ ۱۸۱.

نہیں، بلکہ قسم عطائی تو مخلوق ہی کے ساتھ خاص ہے۔

مولی عزّوجلّ کا علم عطائی ہونے سے پاک ہے، تو نصوصِ حصر میں یقیناً قطعاً وہی قسم اوّل مراد ہوسکتی ہے، نہ کہ قسم اخیر۔ اور بداہۃً ظاہر کہ علم تفصیلی جملہ ذرّات ما کان وما یکون بمعنی مزبور، بلکہ اس سے ہزار در ہزار اَزید واَفزوں علم بھی کہ بعطائے الٰہی مانا جائے، اسی قسم اخیر سے ہوگا۔ تو نصوصِ حصر کو مدّعائے مخالف سے اصلاً مَس نہیں، بلکہ وہ اس کی صریح جہالت پر نص ہیں، وللہ الحمد! یہ معنی بآنکہ خود بدیہی وواضح ہے، ائمۂ دین نے اس کی تصریح بھی فرمائی۔

امام اجل ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی، پھر امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے "فتاوی حدیثیہ" میں فرماتے ہیں: "لا یعلم ذلك استقلالاً، وعلم إحاطةٍ بكلّ المعلومات إلّا الله تعالى، أمّا المعجزات والكرامات، فبإعلام الله تعالى لهم علمت، وكذا ما عُلِمَ بإجراء العادة"[1] یعنی "آیت میں غیر خُدا سے نفی علم غیب کے یہ معنی ہیں کہ غیب اپنی ذات سے بے کسی کے بتائے جاننا، اور ایسا علم کہ جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہوجائے، یہ اللہ تعالی کے سوا کسی کو نہیں، رہے انبیاء کے معجزے اور اولیاء کی کرامتیں، یہ تو اللہ عزّوجلّ کے بتانے سے انہیں علم ہوا ہے، یونہی وہ باتیں کہ عادت کی مطابقت سے جن کا علم ہوتا ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۶۲۲)

قرآن عظیم کی جمع وترتیبِ آیات، وتکمیل وتفصیلِ سُوَر زمانۂ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بامرِ الٰہی حسبِ بیانِ جبریل واقع ہوئی

قرآن عظیم کی جمع وترتیب آیات وتکمیل وتفصیل سُوَر زمانۂ اقدس حضورِ پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم میں بامرِ الٰہی حسب بیان جبریل امین -علیہ الصلاۃ والتسلیم- وارشاد وتعلیم حضور سیّد المرسلین واقع ہوئی تھی، مگر قرآن عظیم صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے سینوں اور متفرق کاغذوں، پتھر کی تختیوں، بکری، دنبے کی پوستوں، شانوں، پسلیوں وغیرہا میں تھا، ایک جگہ سارا قرآن عظیم مجموع نہ تھا۔ جب جنگ یمامہ میں کہ مُسَیلمہ کذّاب ملعون مدّعی نبوت سے زمانۂ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ میں ہوئی، صدہا صحابۂ کرام حفّاظ قرآن رضی اللہ تعالی عنہم نے شہادت پائی، امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے دل الہام منزل میں حق جلّ وعلا نے اِلقاء کیا، کہ حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزارش کی، کہ اس لڑائی میں بہت صحابہ جن کے سینوں میں قرآن عظیم تھا شہید ہوئے، یونہی جہادوں میں حفّاظ صحابہ شہید ہوتے گئے، اور قرآن عظیم متفرق رہا، تو بہت قرآن جاتے رہنے کا اندیشہ ہے، میری رائے میں حکم دیجیے کہ قرآن عظیم کی سب سورتیں یکجا کر لی جائیں۔ خلیفۂ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ حفّاظ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کو اس امر جلیل کا حکم دیا، کہ بحمد اللہ تعالی سارا قرآن عظیم یکجا ہو گیا، ہر سورت ایک جدا صحیفے میں تھی، وہ صحیفے تاحیات صدیقی حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، اور ان کے بعد حضرت امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم، اوران کے بعد حضرت ام المؤمنین حفصہ بنت الفاروق زوجۂ حضور سیّد المرسلین -صلی اللہ

(۱) "الفتاوى الحديثية" مطلب في حكم ما إذا قال قائل: فلان يعلم الغيب، صـ۲۲۸.

تعالیٰ علیہم وسلم۔ کے پاس رہے۔

عرب میں ہر قوم وقبیلہ کی زبان بعض الفاظ کے تلفظ میں مختلف تھی، مثلاً حرف تعریف میں کوئی الف لام کہتا تھا، کوئی الف میم کہ اسی لغت پر حدیث «لیس من امبر امصیام في امسفر» وارد ہے، علامات مضارع حروف "أتین" کو کوئی مفتوح پڑھتا تھا، کوئی مکسور، ما مشبہ بلیس کی خبر کو کوئی منصوب کرتا، کوئی مرفوع، إنّ وأنّ وغیرہما کے اسم کو کوئی نصب دیتا، کوئی رفع پر رکھتا، بعض قبائل ہر جگہ ب کو م بولتے، م کو ب۔ تاء رحمۃ ونحوہا کوئی حالت وقفی میں، کوئی ہ کہتا کوئی ت منصوب منوّن پر، کوئی الف سے وقف کرتا، کوئی صرف سکون سے، بعض مرفوع ومجرور پر بھی واو ویا سے وقف کرتے، بعض قومیں حروف مدہ سے حرکات موافقہ پر قناعت کرتیں، أعُوْذُ کو أعُذُ، تعالی کو تَعَالَ وغیر ذلك کہتیں۔ اسی قسم کے بہت سے تفاوتِ لہجہ وطرزِ ادا تھے، قرآن عظیم خاص لغت قریش پر اترا تھا؛ کہ صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریشی تھے۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۸۲)

جمع فرمودہ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر حضرت عثمان غنی نے بمشورہ مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلادِ اسلام میں شائع کیے

بالجملہ اصل جمعِ قرآن تو بحکم رب العزۃ حسب ارشاد حضور پرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہولیا تھا، سب سُوَر کا یکجا کرنا باقی تھا، امیر المؤمنین صدیق اکبر نے بمشورہ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا، پھر اسی جمع فرمودہ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المؤمنین عثمان غنی نے بمشورہ امیر المؤمنین مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلادِ اسلام میں شائع کیے، اور تمام امت کو اصل لہجۂ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی، اسی وجہ سے وہ جناب جامع القرآن کہلائے، ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالیٰ شانہٗ ہے، کما قال عزّ مَن قائل: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾[1]۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۸۳)

سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں

اور بنظر ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حاکم "مستدرک" میں بشرط بخاری ومسلم حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی قال: «كنّا عند رسول الله ﷺ نؤلف القرآن من الرّقاع»[2] یعنی "ہم زمانۂ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں قرآن پارچوں میں جمع کرتے تھے۔ امام جلال الدین سیوطی "اِتقان شریف" میں فرماتے ہیں: "قد كان القرآنُ كتب كلّه في عهد رسول الله ﷺ، لكن غيرَ مجموع في موضع واحدٍ، ولا مرتب السّور"[3]۔

"صحیح بخاری شریف" میں انہیں سے مروی قال: «أرسل إليّ أبو بكر مَقْتَلَ أهل اليمامة، فإذا عمر بن

---

(۱) پ۲۹، قیامہ:۱۷۔

(۲) "مستدرك الحاكم" كتاب التفسير، جمع القرآن لم يكن مرّة واحدة، ۲/ ۲۲۹۔

(۳) "الإتقان" النوع ۱۸ في جمعه وترتيبه، ۱/ ۵۷۔

الخطّاب عنده، فقال أبو بكر: إنّ عمرَ أتاني فقال: إنّ القتلَ قد استحر يومَ اليمامة بقرّاء القرآن، وإنّي أخشى أن يستحرَ القتل بقرّاء بالمواطن، فيذهب كثيرٌ من القرآن، وإنّي أرى أن تأمرَ بجمع القرآن، قال زَيد: قال أبو بكر: إنّك رجلٌ شابٌّ عاقلٌ لا نتّهمك، وقد كنتَ تكتب الوحيَ لرسول الله ﷺ، فتتبّع القرآنَ فاجمعْه، فتتبّعتُ القرآنَ أجمعُه من العسب واللّخاف وصدور الرّجال، فكانت الصّحفُ عند أبي بكر، حتّى توفّاه اللهُ، ثمّ عند عمر حياته، ثمّ عند حفصة بنت عمر»(۱) هذا مختصراً.

اس حدیث طویل کا خلاصہ وہی ہے کہ بعد جنگ یمامہ فاروق نے صدیق کو جمع قرآن کا مشورہ، اور صدیق نے زید بن ثابت کو اس کا حکم دیا، کہ متفرق پرچوں سے سب سورتیں یکجا ہو کر صدیق، پھر عمر فاروق، پھر ام المؤمنین کے پاس رہیں، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۸۴)

جمع قرآن کے سلسلے میں حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تین ۳ کام کیے جس کے سبب ان کو جامع قرآن کہا جاتا ہے

قرآن عظیم کا جامع حقیقی اللہ تعالٰی ہے، قال ﷻ: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْاٰنَهُ﴾(۲) "بے شک ہمارے ذمے ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا"۔ پھر جامع ﷻ کے مظہر اوّل واتم واکمل حضور سید المرسلین ﷺ ہوئے، آیاتِ قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مطابق ترتیب لوح محفوظ حسب تبلیغ جبریل و تعلیم جلیل صاحب تنزیل ﷺ زمانہ اقدس میں اپنی اپنی سورتوں میں جمع ہولیں۔ قرآن عظیم ۲۳ برس میں حسب حاجت عباد متفرق آیتیں ہو کر اترا، کسی سورت کی کچھ آیات اترتیں، پھر دوسری سورت کی آیتیں آتیں، پھر سورت اولی کی نازل ہوتیں، حضور پرنور سید عالم ﷺ ہر بار ارشاد فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت کی ہیں، فلاں آیت کے بعد فلاں کے پہلے رکھی جائیں۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۸۷)

قرآن عظیم صرف ایک واحد لغت قریش پر نازل ہوا

اسی طرح سُوَر قرآنیہ منتظم ہوتیں، اور حضور اقدس ﷺ پھر حضور سے سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اسی ترتیب پر اسے نمازوں تلاوتوں میں پڑھتے۔ قرآن عظیم صرف ایک واحد لغت قریش پر نازل ہوا، عرب میں مختلف قبائل اور ان کے لہجے باہم حرکات وسکنات وبعض اجزائے کلمات میں مختلف تھے، علامات مضارع کو قریش مفتوح رکھتے، دیگر بعض قبائل "ا ت ن" کو مکسور کر کے نِعْبد نِستعین کہتے۔ لغت قریش میں "تابوت" آخر میں تائے قرشت سے تھا، دوسروں کے لغت میں "تابوۃ" ہائے ہوز سے۔ اسی قسم کے بالائی اختلافات بکثرت تھے، جن سے معنی کلام، بلکہ جوہر نظم کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچتا، اور مادری لہجہ زبانوں پر چڑھا ہوا دفعۃً بدل دینا سخت دشوار۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۸۷)

---

(۱) "صحیح البخاري" كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۲/ ۷۴۵، ۷۴۶.

(۲) پ۲۹، قیامہ: ۱۷۔

جبریل امین نے سالِ اخیر میں صرف اصل لغت قریش پر حضور پرنور ﷺ کے ساتھ قرآنِ کریم کا دَور کیا

لہٰذا حضور پرنور رحمت مہداۃ ﷺ نے اپنے رب سے عرض کرکے دیگر قبائل والوں کے لیے ان کے لہجوں کی رخصت لے لی تھی، جبریل امین -علیہ التحیۃ والتسلیم- ہر رمضان مبارک میں جس قدر قرآن عظیم اب تک اترا ہوتا، حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس کا دَور کرتے، جو سنت سنیّہ اب تک بحمد اللہ تعالیٰ حفّاظ اہل سنت میں باقی ہے، اور باقی رہے گی، حتّٰی یأتی أمر اللہ وھم علی ذلك!. سال اخیر میں حامل وحی علیہ السلام نے دوبارہ صرف اصل لغت قریش پر (جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا) حضور پرنور ﷺ کے ساتھ دَور کیا، اور اس کی تکرار سے اشارہ ہوا کہ وہ رخصت منسوخ، اور اب صرف اسی لغت پر جس میں اصل نزول ہے استقرار امر ہوا۔ سُوَر اگرچہ زمانۂ اقدس میں مرتب ہوچکی تھیں، مگر یکجا مجتمع نہ تھیں، متفرق پرچوں، بکری کے شانوں وغیرہا میں متفرق جگہ تھیں، سوا ان مبارک سینوں کے جن میں سارا قرآن عظیم محفوظ تھا، حال یہی تھا یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ نے نظر عوام سے احتجاب فرمایا، خلافت خلیفہ برحق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں بکثرت صحابۂ کرام حافظانِ قرآن شہید ہوئے، حافظ حقیقی جامع ازلی عزّ جلالہ نے اپنا وعدہ صادقہ ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[1]۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۸۸)

صدیق اکبر نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مشورہ سے قرآنِ کریم کو یکجا کیا

پورا فرمانے کو چاہے یہ کریم داعیہ قلب کریم حضرت مُوافق الرائے بالوحی والکتاب سیّدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں ڈالا، حضرت فاروق نے بارگاہ صدیقی میں عرض کی کہ جنگ یمامہ میں بہت حفّاظ شہید ہوئے، اور میں ڈرتا ہوں کہ یونہی قرآن متفرق پرچوں میں رہا، اور حفّاظ شہادت پاگئے، تو بہت سا قرآن مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہے گا، میری رائے ہے کہ حضرت جمع قرآن کا حکم فرمائیں! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ابتداءً اس میں تأمل ہوا کہ جو فعل حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا، ہم کیونکر کریں؟! فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ حضور پرنور ﷺ نے نہ کیا، مگر واللہ! وہ کام خیر کا ہے، بالآخر رائے صدیق بھی مُوافق ہوئی، اور زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمانِ خلافت نسبت جمع کتاب اللہ صادر ہوا، زید رضی اللہ عنہ کو بھی وہی شبہ پیش کہ کیونکر کیجیے گا وہ کام جو حضور سیّد الانام -علیہ أفضل الصلاۃ والسلام- نے نہ کیا؟! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا، مگر واللہ! وہ کام خیر کا ہے، یہاں تک کہ صدیق وفاروق وزید بن ثابت وجملہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا، اور قرآن عظیم متفرق مَواضع سے جمع کر لیا گیا، اور وہابیہ کا یہ شبہ جس پر قومی وہابیت کا دارومدار ہے کہ "جو فعل حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا، دوسرا کیا ان سے زیادہ مصالح دیکھ سکتا ہے، کہ اسے کرے گا؟!" باجماع صحابہ مردود قرار پایا! والحمد للہ ربّ العالمین!۔

---

(۱) پ۱۴، الحجر:۹۔

سُوَرِ قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک مجموعہ میں مجتمع ہوگئی تھیں، اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر اُمّ المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس تھا، مگر ہنوز تین ۳ کام باقی تھے:

(۱) ان مجموع صحیفوں کا ایک مصحف واحد میں نقل ہونا۔

(۲) اس مصحف کے نسخے معظم بلادِ اسلام مملکت اسلامیہ کے عظیم عظیم قسمتوں [صوبوں] میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے، اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی اصل منزل مِن اللہ ثابت مستقر غیر منسوخ لہجے سے جُدا تھے، دفع فتنہ کے لیے ان کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظ حافظ حقیقی جامع ازلی جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المؤمنین جامع القرآن ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لیا، اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدۂ الٰہیہ تام وکامل ہوا، اس لیے اس جناب کو جامع القرآن کہتے ہیں، واللہ تعالی أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۸۸)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے

اللہ تعالیٰ سورۂ حجر میں فرماتا ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾[1] "بے شک ہم نے اُتارا یہ قرآن، اور بے شک بالیقین ہم خود اس کے نگہبان ہیں"۔ "بیضاوی شریف" میں ہے: "لحفظون- أي: من التحريف والزيادة والنقص"[2]. "جلالین شریف" میں ہے: "لحفظون من التبديل والتحريف والزيادة والنقص"[3] یعنی حق تعالیٰ فرماتا ہے: "ہم خود اس کے نگہبان ہیں، اِس سے کہ کوئی اُسے بدل دے، یا اُلٹ پلٹ کردے، یا کچھ بڑھادے، یا کچھ گھٹادے"۔

تمام مخلوق جن وانس کسی کی قدرت نہیں کہ قرآنِ کریم میں ایک لفظ یا ایک حرف بڑھادیں یا کم کردیں

"جمل" میں ہے: "یعنی بخلاف اَور کُتبِ آسمانی کے، کہ ان میں تحریف وتبدیل نے دخل پایا، اور قرآن اس سے محفوظ ہے، تمام مخلوق جن وانس کسی کی جان [طاقت وقوت] نہیں کہ اس میں ایک لفظ یا ایک حرف بڑھادیں یا کم کردیں"۔

اللہ تعالیٰ سورۂ حم السجدہ میں فرماتا ہے: ﴿ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۙ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴾[4] "بے شک یہ قرآن شریف معزز کتاب ہے، باطل کو اس کی طرف اصلا راہ نہیں، نہ سامنے سے نہ پیچھے سے، یہ اتارا ہُوا ہے حکمت والے سراہے ہُوئے کا"۔

---

(۱) پ۱۴، حجر:۹۔

(۲) "أنوار التنزيل" المعروف بالبيضاوي: تحت الآية: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ﴾ ...إلخ، ۲/ ۳۰۰.

(۳) "تفسير جلالين" تحت الآية: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ﴾ ...إلخ، صـ ۲۱۱.

(۴) پ۲۴، فصلت:۴۱و۴۲۔

قرآن کریم زیادت و نقصان سے محفوظ ہے

"تفسیر معالم التنزیل" میں ہے: "یعنی قتادہ و سدی مفسرین نے کہا: باطل کہ شیطان ہے، قرآن میں کچھ گھٹا بڑھا نہیں سکتا۔ زجاج نے کہا: باطل کہ زیادت و نقصان ہیں، قرآن ان سے محفوظ ہے، کچھ کم ہو جائے تو باطل سامنے سے آئے، بڑھ جائے تو پس پشت سے، اور یہ کتاب ہر طرح باطل سے محفوظ ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۴، ص۲۰)

قرآن عظیم سے کسی چیز کی تلاوت و حکم دونوں کا منسوخ ہونا زمانہ نبوی ﷺ میں جائز تھا بعد وفاتِ اقدس ممکن نہیں

"کشف الأسرار" امام اجل شیخ عبد العزیز بخاری "شرح اصول امام ہمام فخر الاسلام بزدوی" میں ہے: قرآن عظیم سے کسی چیز کی تلاوت و حکم دونوں کا منسوخ ہونا زمانہ نبوی ﷺ میں جائز تھا، بعد وفات اقدس ممکن نہیں، بعض وہ لوگ کہ رافضی اور نرے زندیق ہیں، بظاہر مسلمانی کا نام لے کر اپنا پردہ ڈھاکتے ہیں، اور حقیقۃً انہیں اسلام کو تباہ کرنا مقصود ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ بعد وفات والا بھی ممکن ہے، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں کچھ آیتیں امامتِ مولی علی اور فضائل اہل بیت میں تھیں، کہ صحابہ نے چھپا ڈالیں، جب وہ زمانہ مٹ گیا باقی نہ رہیں، اور اس قول کے بُطلان پر دلیل خود قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ "بے شک ہم نے اتارا یہ قرآن، اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں"۔ ایسا ہی امام شمس الائمہ کی کتاب "اصول الفقہ" میں ہے۔

امام قاضی عیاض "شفا شریف" میں بہت سے یقینی اجماعی کفر بیان کر کے فرماتے ہیں: یعنی اسی طرح وہ بھی قطعاً یقیناً کافر ہے جو قرآن عظیم یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے، یا اس میں سے کچھ بدلے، یا اس موجودہ قرآن میں کچھ زیادہ بتائے"۔

"فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں ہے: یعنی میں نے طبرسی رافضی کی تفسیر "مجمع البیان" میں دیکھا کہ بعض رافضیوں کے مذہب میں قرآن عظیم (معاذ اللہ) اس قدر موجود سے زائد تھا، جن صحابہ نے قرآن جمع کیا (عیاذاً باللہ) ان کے قصور سے جاتا رہا۔ اس مفسّر نے یہ قول اختیار نہ کیا، جو اس کا قائل ہو کافر ہے: کہ ضروریاتِ دین کا منکر ہے"۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۴، ص۲۱)

❁ ❁ ❁
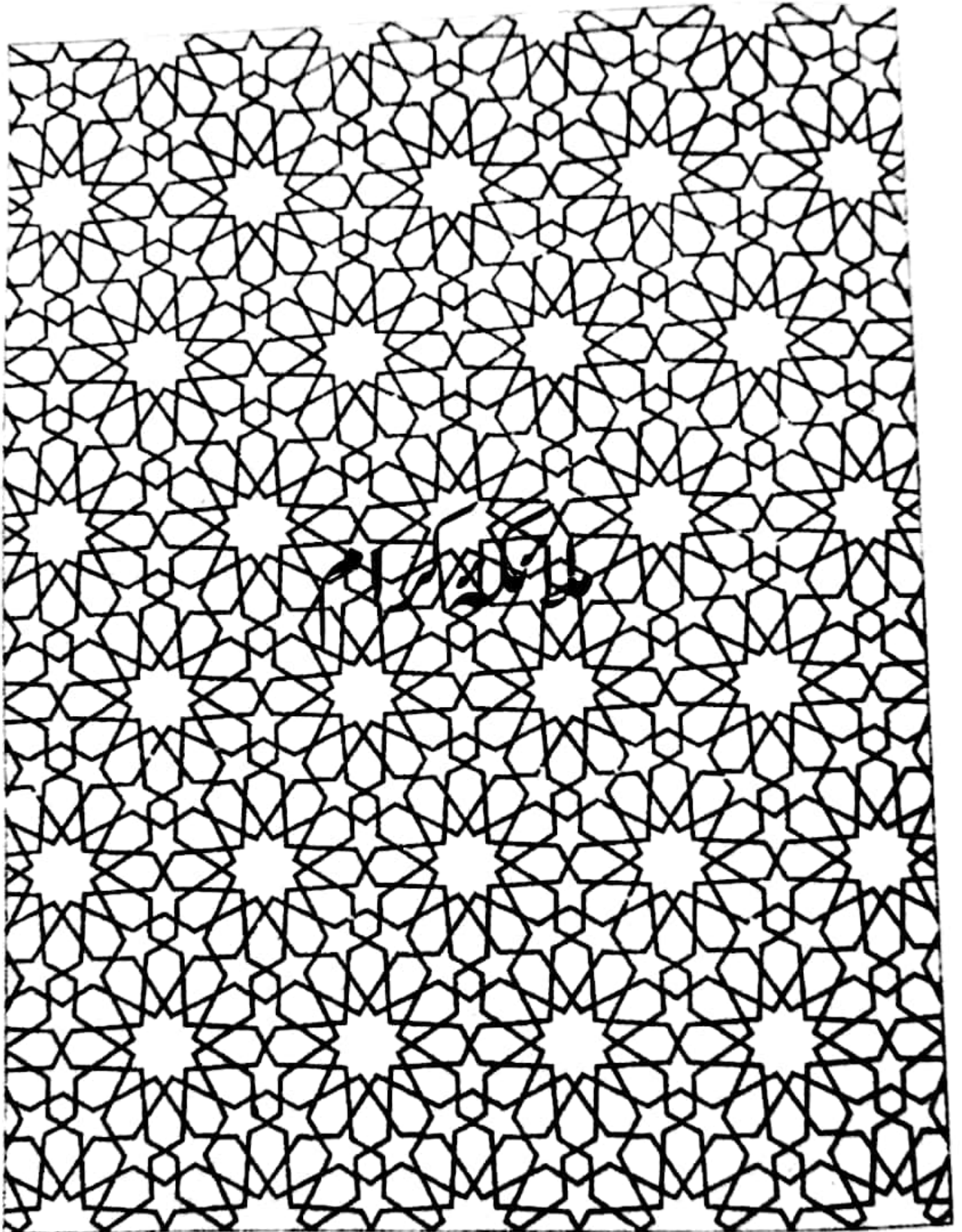
(۴) ملائکہ کرام

اعلیٰ طبقہ ملائکہ مقربین

ان [۱] کے بعد اعلیٰ طبقہ ملائکہ مقربین کا ہے، مثل ساداتنا وموالینا [۲] حضرت جبرائیل [۳] وحضرت میکائیل [۴] وحضرت اسرافیل [۵] وحضرت عزرائیل [۶] وحملہ یعنی حاملانِ عرش جلیل۔صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ان کے علوّشان ورفعت مکان [۷] کو بھی کوئی ولی نہیں پہنچتا [۸]، اور ان کی جناب میں گستاخی کا بھی بعینہ وہی حکم ہے [۹]۔ان ملائکہ مقربین میں بالخصوص جبرئیل علیہ السلام بن وجہ رسول اللہ ﷺ کے استاذ [۱۰] ہیں، قال تعالیٰ: ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ﴾ [۱۱] (سکھایا ان کو یعنی سید عالم۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔کو سخت قوتوں والے طاقتور نے،یعنی جبرائیل علیہ السلام نے جو قوت واجلال خداوندی کے مظہرِ اتم ،قوت جسمانی وعقل ونظر کے اعتبار سے کامل،وحی الٰہی کے بار کے متحمل،چشم زدن میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جانے والے،جن کی دانشمندی اور فراستِ ایمانی کا یہ عالم کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بارگاہوں میں وحی الٰہی لے کر نُزولِ اجلال فرماتے،اور پوری دیانتداری سے اس امانت کو ادا کرتے رہے)۔

پھر وہ کسی کے شاگرد کیا ہوں گے، جسے ان کا استاذ بنائیے!اسے سرورِ عالم ﷺ کا استاذ الاستاذ ٹھہرائیے!یہ وہی ہیں جنہیں حق تبارک و تعالیٰ رسول کریم مکین امین فرماتا ہے [۱۲]۔ نبیِ کریم ﷺ کے سوا دوسرے کے خادم

(۱)(انبیاء ومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام)۔

(۲)(مثلاً ہمارے سرداروں اور پیش رو مددگاروں میں سے۔

(۳)(جن کے ذمہ پیغمبروں کی خدمت میں وحی الٰہی لانا ہے)۔

(۴)(جو پانی برسانے والے اور مخلوقِ خدا کو روزی پہنچانے پر مقرر ہیں)۔

(۵) (جو قیامت کو صور پھونکیں گے)۔

(۶)(جنہیں قبض ارواح کی خدمت سپرد کی گئی ہے)۔

(۷) (شوکت وعظمت اور عالی مرتبت)۔

(۸)(خواہ کتنا ہی مقرب بارگاہِ احدیت ہو)۔

(۹)(جو انبیاء مرسلین کی رفعت پناہ بارگاہوں میں گستاخی کا ہے کہ کفر قطعی ہے)۔

(۱۰) قال الإمام الفخر الرازي: وقوله: ﴿شَدِيدُ الْقُوَىٰ﴾ فيه فوائد، الأولى: أنّ مدحَ المعلِم مدحُ المتعلّم، فلو قال: علّمه جبرائيل ولم يصفه ما كان يحصل للنّبي ﷺ به فضيلة ظاهرة، الثانية: هي أنّ فيه ردّاً عليهم حيث قالوا: أساطير الأوّلين سمعها وقت سفره إلى الشّام فقال: لم يعلمه أحدٌ من النّاس، بل معلّمه شديدُ القوى. ["مفاتيح الغيب" ("التفسير الكبير") تحت الآية: ۵۳/ ۰۵، ۲۸/ ۲۴۵] ولهذا ما قال الإمام أحمد رضا هو حقّ ثابتٌ، والله أعلم. العبد محمّد خليل عُفي عنه.

(۱۱) پ۲۷،نجم:۵۔

(۱۲) (کہ وہ عزت والے مالک عرش کے حضور بڑی عزت والے ہیں، ملاء اعلیٰ کے مقتدا کہ تمام ملائکہ ان کے اطاعت گزار وفرماں بردار،وحیِ =

نہیں[1]۔ اکابر صحابہ واعاظم اولیاء کو[2] آخر ان کی خدمت[3] ملے، دو جہاں کی فخر وسعادت جانیں، پھر یہ کس کے خدمتگار یا ماتحت ہوں گے؟ اور سید عالم۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ تو بادشاہِ کون ومکاں، مخدوم ومطاعِ ہر دو جہاں ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم أجمعین وبارك وسلّم ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۳۵، ۳۳۶)

فرشتے کلمۂ کن سے پیدا کیے گئے

ملائکہ کی پیدائش آدمیوں کی طرح بتدریج نہیں کہ منی خمیر ہوئی، پھر تصویر بنی، پھر روح ڈالی گئی۔ یا پہلے نطفہ تھا، پھر خون کی پھٹکی، پھر گوشت کا ٹکڑا، پھر اعضا کی کلیاں پھوٹیں، پھر صورت بنی، پھر روح پڑی، بلکہ وہ کلمۂ کن سے پیدا کیے گئے۔
("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۵۹)

ملائکہ نور سے، جن آگ کی لو سے جس میں دھواں ملا ہوا تھا اور آدم سیاہ وسپید وسرخ مٹی سے بنائے گئے

حضور اقدس۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلی آلہ۔ فرماتے ہیں: «خُلقت الملائکۃ من نور، وخلق الجان من نار، وخلق آدم مما وصف لکم» ملائکہ (فرشتے) نور سے بنائے گئے، اور جن آگ کی لو سے جس میں دھواں ملا ہوا تھا، اور آدم اس چیز سے جو تمہیں بتائی گئی، یعنی سیاہ وسپید وسرخ مٹی سے "کما عند ابن سعد عن أبي ذر رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم، وهذا رواه الإمام أحمد ومسلمٌ عن أم المؤمنین رضی اللہ عنہا". ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۰)

روح فرشتہ ہر روز بارہ ہزار تسبیحیں کہتا ہے، ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بنتا ہے

ثعلبی نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں، کہ روح ایک ملک (فرشتہ) عظیم ہے، آسمان وزمین وجبال وملائکہ سب سے، اور اس کا مقام آسمان چہارم میں ہے «یسبح کل یوم اثنی عشر ألف تسبیحۃ، یخلق من کل تسبیحۃ ملك» ہر روز بارہ ہزار تسبیحیں کہتا ہے، ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بنتا ہے، یہ روح تنہا فرشتہ روزِ قیامت تنہا ایک صف ہوگا، اور باقی سب فرشتوں کی ایک صف "ذکرہ الإمام البغوي في "المعالم" تحت قولہ تعالیٰ: ﴿یَوْمَ یَقُوْمُ

انہی کے نائب وبرگزیدہ ہیں کی بات میں کسی کو بحال حرف زدن نہیں، ہوا ہر سائل وسی میں امکان نہ ہو کہ کسی ملائکی و طفیلی کا، اور نہ کسی کی بلندی اور قدرت کا، منصبِ رسالت کے پوری طرح حامل، اسرار وانوار کے ہر طرح محافظ، فرشتوں میں سب سے اونچا ان کا مرتبہ ومقام، اور قربِ خاص بلند کرامت اور صاحب جود وعطا اور حرم کی۔
(۱) (اور تمام فتوحات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور ان کا مخدوم ومطاع نہیں، اور جنگ بدر میں فرشتوں کی ایک جمعیت کے ساتھ حضور کے لشکر کا ایک سپاہی بن کر شامل ہوا مشہور [illegible] ہے)۔
(۲) (اکرم وعظیم خیال کرتے ہیں)۔
(۳) (اپنی دولت)۔

الرّوحُ والملٰئكةُ صفًّا﴾. والإمام العيني في "العمدة" تحت قوله تعالى: ﴿ويسئلونك عن الرّوح﴾.

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پروں سے گرنے والی ہر بوند سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے

ابو الشیخ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إنّ في الجنّة لنهراً ما يدخله جبرئيل دخلةً فيخرج فينتفض، إلّا خلق اللهُ من كلّ قطرةٍ تقطر منه ملكاً» "بے شک وشبہ جنت میں ایک نہر ہے، کہ جب جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں جاکر باہر آکر پر جھاڑتے ہیں، جتنی بوندیں ان کے پروں سے گرتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہر بوند سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھ سو ۶۰۰ پر ہیں، کہ اگر ایک پر پھیلا دیں تو افق آسمان چھپ جائے"۔

ابن ابی حاتم و عقیلی و ابن مردویہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «في السّماء الرّابعة نهرٌ يقال له: الحيوان، يدخله جبرئيل كلّ يوم فينغمس فيه انغماسةً، ثم يخرج فينتفض انتفاضةً، فيخرج منه سبعون ألف قطر، يخلق اللهُ من كلّ قطرةٍ ملكاً، هم الذين يؤمرون أن يأتوا البيتَ المعمورَ فيصلّوا فيفعلون، ثم يخرجون فلا يعودون إليه أبداً، ويولّى عليهم أحدهم ثمّ يؤمر أن يقفَ بهم في السّماء موقفاً يسبّحون الله إلى أن تقومَ السّاعةُ».
("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۲)

ستر ہزار فرشتوں کی پیدائش

چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جسے نہر حیات کہتے ہیں۔ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز اس میں ایک غوطہ لگا کر پر جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، انہیں حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور میں جاکر نماز (صلاۃ) پڑھیں، جب پڑھ کر نکلتے ہیں پھر کبھی اس میں نہیں جاتے۔ ان میں سے ایک کو ان پر افسر بنا کر حکم فرمایا جاتا ہے کہ آسمان میں ان کو ایک جگہ لے کر کھڑا ہو، وہ سب مل کر وہاں قیامت تک تسبیح الٰہی کرتے ہیں" وروى ابن المنذر نحوه بدون ذكر النّهر من طريق صحيح عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، لكن موقوفاً قاله الإمام الحافظ ابن حجر، ومعلومٌ أنّ الموقوفَ كالمرفوع".
("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۲)

درود شریف پڑھنے سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے

ابن بشکوال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور پرنور -افضل صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہ وآلہ- فرماتے ہیں.

«من صلّى عليّ تعظيماً لحقّي، خلق اللهُ عزّوجلّ من ذلك القول ملكاً له جناحٌ بالمشرق وآخر بالمغرب، يقول الله عزّوجلّ له: صلّ على عبدي كما صلّى على نبيّ، فهو يصلّي عليه إلى يوم القيامة» جو مجھ پر میرے حق کی تعظیم کے لیے درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس درود سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، جس کا ایک پر مشرق اور دوسرا مغرب میں، اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے کہ درود بھیج میرے بندے پر، جیسے اس نے درود بھیجا میرے نبی -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- پر، تو وہ فرشتہ قیامت تک اس پر درود بھیجا کرتا ہے، وذكره أيضاً ابنا سبع والفاكهاني.

خاتم المحققین سیدنا الوالد -قدس سرہ الماجد- اپنی کتاب مستطاب "الكلام الأوضح في تفسير ألم نشرح" میں

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں: خدائے تعالی کا ایک فرشتہ ہے کہ اس کا بازو مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں، جب کوئی شخص مجھ پر محبت کے ساتھ درود بھیجتا ہے، تو وہ فرشتہ پانی میں غوطہ کھاکر اپنے پَر جھاڑتا ہے، خدائے تعالی ہر قطرے کہ اس کے پر سے ٹپکتا ہے، ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے کہ قیامت تک درود پڑھنے والے کے لیے استغفار کرتا ہے، انتہی کلامُه الشّريف قدّس سرّه اللطيف. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۴)

ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے

"مَواہب شریف" میں ہے: "قد رُوي أنّ ثَمّ الملائكةُ يسبّحون، فيخلق اللهُ بكلّ تسبيحةٍ ملَكًا" مروی ہوا کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں کہ تسبیح الٰہی کرتے ہیں، اللہ عزوجل ان کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۴)

نیک کام اور اچھا کلام فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے

سیّدی شیخ اکبر رضی اللہ تعالی عنہ "فتوحات" کے باب ۲۹۷ میں فرماتے ہیں کہ "نیک کام اور اچھا کلام فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے" ذكره عنه في المبحث السّابع عشر من اليواقيت. ان کے نزدیک آیۂ کریمہ: ﴿اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ﴾ کے یہ معنی ہیں۔

عقیدۂ اہلِ سنّت میں فرشتے نہ مرد ہیں اور نہ عورت

رہا ان کی مَوت کا حال، امام ولی الدّین عراقی سے "اَسئلۂ مکّیہ" میں اسی باب میں سوال ہوا، جواب فرمایا: "لم يثبت في ذلك شيءٌ، ولا يجوز الهجوم عليه بمجرّد الاحتمال، ولا مجالَ للنّظر فيه، ولا دخل للقياس" اس باب میں کچھ ثابت نہ ہوا، اور محض احتمال سے اس پر جرأت رَوا نہیں، نہ نظر کی یہاں گنجائش، نہ قیاس کا دخل۔ نقله العلاّمةُ الفاسي في "مَطالع المسرّات". ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۵)

فرشتے مثل اَرواح کے ہیں کہ نہ تھے، مگر جب ہوئے تو ہمیشہ رہیں گے؛ کہ اَرواح کو کبھی موت نہیں

بلکہ شیخ اکبر قدس سرہ تو انہیں مثل اَرواح مانتے ہیں کہ نہ تھے، مگر جب ہوئے تو ہمیشہ رہیں گے؛ کہ ارواح کو کبھی موت نہیں۔ "فتوحات شریف" کے باب ۵۱۸ میں فرمایا: "إنّه ليس للملائكة آخرة، هو ذلك أنّهم لا يموتون فيبعثون، وإنّما هو صعقٌ وإفاقةٌ كالنّوم والإفاقة منه، عندنا ذلك حالٌ لا يزال عليه المكنُ في التجلّي الإجمالي دنيا وآخرة. إلخ. نقله في "اليواقيت والجواهر".

اقول: شاید یہ مسئلہ تجسّم و تجرّد ملائکہ پر مبنی ہو، جو انہیں نُفوس مجرّدہ مانتے ہیں، جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ، ان کے طور پر ملائکہ کے لیے موت نہ ہونی چاہیے کہ روح کبھی نہیں مرتی۔ موت جسم کے لیے ہے، یعنی روح کا اس سے جدا ہونا، اور ملائکہ کو اَجسامِ لطیفہ کہتے ہیں، جن سے نُفوس شریفہ متعلق ہیں، جیسا جُمہور اہل سنّت کا مسلک ہے، اور صدہا طور پر نصوص اسی طرف ناظر ہیں، ان کے نزدیک ملائکہ کو موت سے چارہ نہیں، اور یہی ظاہر مفاد آیت ہے، اور احادیث تو اس میں بالتصریح

وارد ہیں، تو یہی صحیح و معتمد ہے، وقال: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر جان موت کا مزہ چکھے گی۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۶، ۳۶۷)

ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی رُوح قبض کرنے پر مقرّر ہیں

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، جب آیۂ کریمہ: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ نازل ہوئی کہ "جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں" ملائکہ بولے: زمین والے مرے، یعنی ہم محفوظ ہیں۔ جب آیۂ کریمہ: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ نازل ہوئی کہ "ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے" ملائکہ نے کہا: اب ہم بھی مرے۔ ذكره الإمام الرّازي في "مفاتيح الغيب". ابن جریر انہیں سے راوی، قال: «وُكّل ملكُ الموت بقبض أرواح المؤمنين والملائكة» ...الحديث. یعنی "ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی روح قبض کرنے پر مقرّر ہیں"۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۷)

فرشتوں میں سب سے آخر میں ملک الموت مریں گے

نیز ابن جریر وابو الشیخ وغیرہما ایک حدیث طویل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور اقدس۔صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم۔ نے فرمایا: «آخرُهم موتاً ملكُ الموت» "فرشتوں میں سب سے پیچھے ملک الموت مریں گے"۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۶)

فرشتے قبر پر کھڑے قیامت تک تسبیح و تہلیل و تکبیر کرتے رہتے ہیں

اقول: اس حدیث سے ملائکہ مقرّبین کا روز قیامت تک زندہ رہنا معلوم ہوا، اور سیّدنا علی مرتضی ۔کرّم اللہ تعالی وجہہ۔ سے گزرا کہ یہ بے شمار فرشتے جو روزانہ بنتے ہیں، قیامت تک ملائکہ کے ساتھ اڑتے پھریں گے۔ اور حدیث میں گزرا کہ یہ ستّر ہزار فرشتے جو روز بنتے ہیں، قیامت تک تسبیح الٰہی کرتے رہیں گے، وہ فرشتہ قیامت تک مصلّی (درود خواں) پر درود بھیجتا رہتا ہے۔ روایت سخاوی میں گزرا: اس کے پَر کے قطروں سے جو فرشتے بنتے ہیں، قیامت تک مصلّی (درود خواں) کے لیے استغفار کریں گے۔ ہر مسلمان کے ساتھ جو کراماً کاتبین ہیں ان کے لیے حدیث شریف میں آیا: مرگ مسلمان کے بعد آسمان پر جاتے، اور وہاں رہنے کا اذن طلب کرتے ہیں، حکم ہوتا ہے: میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہیں، کہ وہ میری تسبیح کرتے ہیں۔ پھر عرض کرتے ہیں: جو ہمیں حکم ہو کہ زمین میں رہیں! فرمان ہوتا ہے: میری زمین مخلوق سے بھری ہے کہ میری تسبیح کرتے ہیں، ولكن قُوما على قبر عبدي، فسَبِّحَاني وهلِّلَاني وكَبِّرَاني إلى يوم القيامة، واكتباه بعبدي! "مگر میرے بندے کی قبر پر کھڑے قیامت تک تسبیح و تہلیل و تکبیر کرو، اور اس کا ثواب میرے بندے کے لیے لکھتے رہو!" أخرجه أبو نعيم عن أبي سعيد الخدري، والبيهقي في البعث، وابن أبي الدّنيا عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ.

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۸)

کاروبارِ دنیا کی فرشتے تدبیر کرتے ہیں

آیت: ﴿ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴾[1] "قسم ہے ان فرشتوں کی کہ تمام کاروبارِ دنیا ان کی تدبیر سے ہے"۔ یہ صفت بھی بالذات ذات الٰہی ﷻ کی ہے۔ قال اللہ تعالی: ﴿ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ﴾[2] "کام کی تدبیر فرماتا ہے"۔ "خازن" و"معالم التنزیل" میں ہے: "قال ابن عبّاس: هُم الملائكة وُكّلوا بأمورٍ عرّفهم اللهُ تعالى العملَ بها. قال عبد الرّحمن بن سابط: يدبّر الأمرَ في الدّنيا أربعةٌ: جبريل، وميكائيل، وملَكُ الموت، وإسرافيل عليهم السلام، أمّا جبريلُ فموكّل بالرّياح والجنود، وأمّا ميكائيل فموكّل بالقطر، والنّبات، وأمّا ملَكُ الموت فموكّل بقبض الأنفُس، وأمّا إسرافيل فهو ينزل عليهم بالأمر"[3].

یعنی "عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: یہ مدبرات الامر ملائکہ ہیں، کہ ان کاموں پر مقرر کیے گئے جن کی کارروائی اللہ عزوجل نے انہیں تعلیم فرمائی، عبد الرحمن بن سابط نے فرمایا: دنیا میں چار ۴ فرشتے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں: (۱) جبریل، (۲) میکائیل، (۳) عزرائیل، (۴) اسرافیل علیہم السلام۔ جبریل تو ہواؤں اور لشکروں پر موکّل ہیں (کہ ہوائیں چلانا، لشکروں کو فتح وشکست دینا ان کا تعلق ہے) اور میکائیل باراں وروئیدگی پر مقرر ہیں (کہ مینہ برساتے اور درخت اور گھاس اور کھیتی اگاتے ہیں) اور عزرائیل قبضِ ارواح پر مسلّط ہیں، اسرافیل ان سب پر حکم لے کر اترتے ہیں"، عليهم السّلام أجمعين!.

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۱۴۹)

❀ ❀ ❀

(۱) پ۳۰، النازعات: ۵۔

(۲) پ۲۱، السجدۃ: ۵۔

(۳) "لُباب التأويل" ("تفسير الخازن")، النازعات، تحت الآية: ٥، ٤/ ٣٩١. "معالم التنزيل" ("تفسير البغوي") النازعات، تحت الآية: ٥، ٤/ ٤١١.

Ataunnabi.com

انبیاے کرام

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar
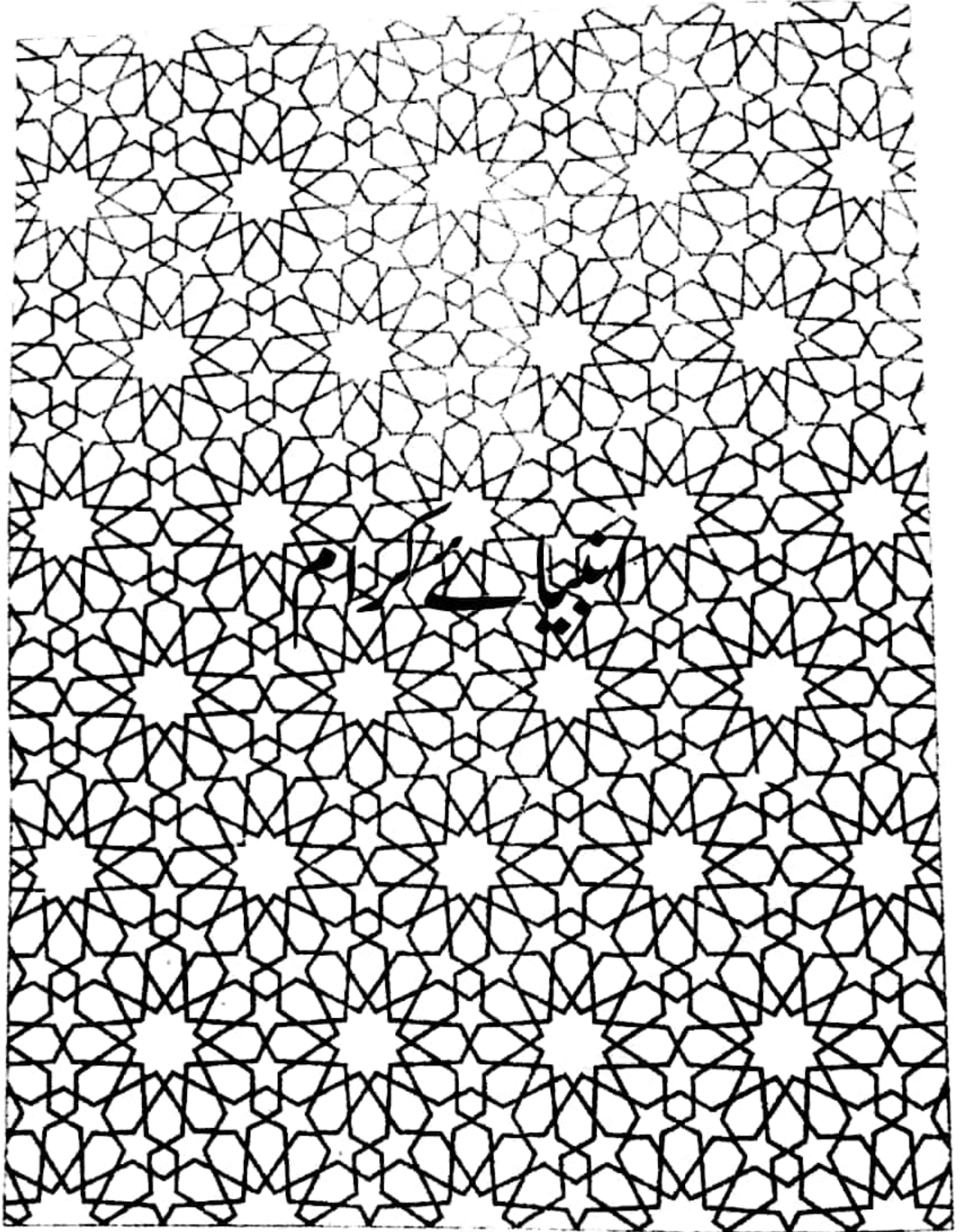
(۵) انبیائے کرام

صدر نشینان بزمِ عزّ و جاہ

اس جناب عرش قباب کے بعد[1] مرتبہ اور انبیاء و مرسلین کا ہے -صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین- کہ باہم ان میں تفاضل[2]، مگر ان کا غیر گو کسی مرتبہ ولایت تک پہنچے، فرشتہ ہو گرچہ مقرب، خواہ آدمی صحابی ہو خواہ اہل بیت[3]، ان کے درجے تک[4] وصول محال ہے، جو قربِ الٰہی انہیں حاصل، کوئی اس تک فائز نہیں، اور جیسے یہ خدا کے محبوب، دوسرا ہرگز نہیں، یہ وہ صدر بالا نشینانِ بزمِ عزّ و جاہ ہیں، اور والا مقامانِ محفلِ عزّت و وجاہت اور مقربانِ حضرت عزّت، کہ رب العالمین -تبارک وتعالیٰ- خود ان کے مولیٰ و سردار نبی مختار ﷺ الی یوم القرار کو حکم فرماتا ہے: ﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾[5] (اللہ اللہ! کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے اس مقدس ذات برگزیدہ صفات کا، جسے اس کے رب تبارک وتعالیٰ نے محامد جمیلہ، محاسنِ جلیلہ، اخلاقِ حسنہ، خصائل محمودہ سے نوازا، سرِ اقدس پر محبوبیت کبریٰ کا تاج والا ابتہاج رکھا، جسے خلافتِ عظمیٰ کا خلعت والا مرتبت پہنایا، جس کے طفیل ساری کائنات کو بنایا، جس کے فیوض و برکات کا دروازہ تمام ماسوی اللہ کو دکھایا، انہیں سے یہ خطاب فرمایا کہ "یہ انبیاء وہ ہیں جنہیں خدا نے راہ دکھائی، تو تُو ان کی پیروی کر!"۔

اور فرماتا ہے: ﴿فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾[6] "تو پیروی کر شریعتِ ابراہیم کی، جو سب ادیانِ باطلہ سے کنارہ کش ہو کر دینِ حق کی طرف جھک آیا"۔ غرض انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام الی یوم الدّین میں سے، ہر نبی، ہر رسول بارگاہِ عزّت -جلّ مجدہٗ- میں بڑی عزّت و وجاہت والا ہے، اور اس کی شان بہت رفیع، ولہٰذا ہر نبی کی تعظیم فرض عین، بلکہ اصل جملہ فرائض ہے اور) ان کی ادنیٰ توہین مثل سید المرسلین ﷺ کفر قطعی ہے[7]۔ اور کسی کی نسبت صدیق ہوں خواہ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان[8] کی خادمی و غاشیہ برادری[9]، اس سے بڑھا کر[10] دعویٰ ہمسری[11]

(۱) (جن کے حجرۂ مطہرہ اور گنبدِ انور کی رفعتیں عرش سے ملتی ہیں)۔
(۲) (اور بعض کو بعض پر فضیلت)۔
(۳) (اگرچہ مکرم تر و معظم ترین)۔
(۴) (اس غیر کی)۔
(۵) پ ۷، انعام: ۹۰۔
(۶) پ ۳، آل عمران: ۹۵۔
(۷) (ان میں سے کسی کی تکذیب و تنقیص، کسی کی اہانت، کسی کی بارگاہ میں ادنیٰ گستاخی ایسے ہی قطعاً کفر ہے، جیسے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جناب پاک میں گستاخی و دریدہ دہنی، والعیاذ باللہ تعالیٰ)۔
(۸) (حضرات قدسی صفات)۔
(۹) (اطاعت و فرمانبرداری کہ یہ ان کے پیش خدمت و اطاعت گزار ہیں)۔
(۱۰) (افضلیت و برتری در کنار)۔
(۱۱) (کہ یہ بھی مراتب رفیعہ اور ان کے درجات علیہ میں ان کے ہمسر و برابر ہیں)۔

محض بے دینی ہے[1]، جس نگاہِ اجلال و توقیر[2] سے انہیں دیکھنا فرض ہے[3]، حاشا کہ اس کے سوحصے سے ایک حصہ (۱/۱۰۰) دوسرے کو دیکھیں، آخر نہ دیکھا کہ صدیق و مرتضے رضی اللہ عنہما جس سرکارِ ابد قرار[4] کے غلام ہیں، اسی کو حکم ہوتا ہے "ان کی راہ پر چل اور ان کی اقتداء سے نہ نکل"[5] اے عقل خبردار! یہاں مجالِ دَم زدن نہیں!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۳۴)

تمام انبیاء علیہم السلام کو اختیار ملا ہے کہ اپنے مزاراتِ طیبہ سے باہر تشریف لائیں، اور جملہ عالم آسمان و زمین میں جہاں جو چاہیں تصرّف فرمائیں

امام جلال الدین سیوطی خاتم حفّاظ الحدیث فرماتے ہیں: "أذِنَ للأنبياء أن يخرجوا من قبورهم ويتصرّفوا في العالَم العُلوي و السُفلي"[6] "تمام انبیاء علیہم السلام کو اختیار ملا ہے کہ اپنے مزاراتِ طیبہ سے باہر تشریف لائیں، اور جملہ عالم آسمان و زمین میں جہاں جو چاہیں تصرّف فرمائیں"۔

روح اقدس کی تشریف آوری کو بعید از اِمکان جاننا، اگر براہِ جہل و بے علمی ہے تو جرأت و بے ادبی ہے، اور برِبنائے وہابیت ہے تو وہابیت خود کفرِ جلی ہے! واللہ تعالی أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۷۹)

زیارتِ قبور سنّت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: «ألا فزُوروها؛ فإنّها تزهدكم في الدّنيا، وتذكّركم الآخرة»[7] "سُن لو! قبور کی زیارت کرو؛ کہ وہ تمہیں دنیا میں بے رغبت کرے گی، اور آخرت یاد دلائے گی"۔ خصوصاً زیارتِ مزاراتِ اولیائے کرام؛ کہ مُوجبِ ہزاروں ہزار برکت و سعادت ہے، اسے بدعت نہ کہے گا مگر وہابی نابکار، ابن تیمیہ کا فضلہ خوار!۔ وہاں جاہلوں نے جو بدعات مثل رقص و مزامیر ایجاد کرلیے ہیں، وہ ضرور ناجائز ہیں، مگر اُن سے زیارت کہ سنّت ہے بدعت نہ ہو جائے گی۔ جیسے نماز میں قرآن شریف غلط پڑھنا، رکوع و سجود صحیح نہ کرنا، طہارت ٹھیک نہ ہونا، عام عوام میں جاری وساری ہے، اس سے نماز بُری نہ ہوجائے گی۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۷۹)

عظمتِ الٰہیہ کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی عظمت ہے

عقیدہ: عظمتِ الٰہیہ کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی عظمت ہے، تو بھائی، باپ، بادشاہ، وغیرہ وغیرہ تمام جہان میں کسی کی عظمت، ان کی عظمت کا پاسنگ [برابر، ہمسر] بھی نہیں ہو سکتی۔ جو ناخلَف اپنے باپ کو اپنا ایک بھائی سمجھے، اور اس کی تعظیم بڑے بھائی کے برابر کرے، وہ بے ادب ناسعاد تمند ہے، تو جو مَردَک حضرات انبیائے کرام اور خود حضور سید الانبیاء -علیہ

---

(۱) (الحاد و زندیقی ہے)۔
(۲) (تکریم و تعظیم)۔
(۳) (اور دائمی فرض)۔
(۴) (دسترِ ہر کار)۔
(۵) (تابہ دیگراں چہ رسد)۔
(٦) "الحاوي للفتاوي" رسالة "تنوير الحوالك في إمكان رؤية النّبي والملَك" ٢/ ٢٦٣.
(٧) "سنن ابن ماجه" أبواب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، صـ١١٤.

علیہم افضل الصلوٰۃ والثنا- کو کہے کہ "جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے" وہ بے باک گستاخ شیطان کا بچہ ہے، پھر محمد رسول اللہ ﷺ کا چھوٹا بھائی کیونکر ہو سکتا ہے!۔

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالی نے اذن (اجازت) دیا ہے کہ تمام آسمانوں زمینوں کی بادشاہی میں تصرّف فرمائیں

عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالی نے اذن (اجازت) دیا ہے کہ تمام آسمانوں زمینوں کی بادشاہی میں تصرّف فرمائیں، خصوصاً حضور پُر نور سیّد عالم ﷺ تو اللہ عزّوجلّ کے خلیفۂ اعظم وماذون (اجازت یافتہ) مطلق ہیں، ان کے حکم سے ان کے غلام دنیا میں تصرّفات کرتے ہیں۔ جو کہے: "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" وہ دل کا اندھا باطن کا گندا ہے۔

عالم میں انبیاء واولیاء کا تصرّف حیاتِ دنیوی میں اور بعدِ وصال بھی بعطائے الٰہی جاری ہے

عقیدہ: عالم میں انبیاء واولیاء کا تصرّف حیات دنیوی میں، اور بعد وصال بھی بعطائے الٰہی جاری ہے، قیامت تک ان کا دریائے فیض مَوجزن رہے گا۔ اللہ عزّوجلّ کی عطا سے ان کو یہ قدرت ماننا ہرگز شرک نہیں ہو سکتا۔ جو کہے کہ "خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ہے" وہ مسلمانوں کو مشرک کہہ کر خود مشرک بنا، اور احادیث وفقہ کی رُو سے اس پر کفر عائد ہوا۔

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام واولیاء کو واسطۂ فیضِ الٰہی جان کر ان سے استمداد واستعانت اور وقتِ حاجت بنیّت توسُّل انہیں ندا کرنا (یعنی) یارسول اللہ، یاعلی، یاحسین، یاشیخ عبدالقادر جیلانی، کہنا ضرور جائز ورَوا ہے

عقیدہ: انبیاء واولیاء -علیہم الصلاۃ والثنا- کو واسطۂ فیض الٰہی جان کر، ان سے استمداد واستعانت اور وقت حاجت بنیّت توسّل انہیں ندا کرنا (یعنی) یارسول اللہ، یاعلی، یاحسین، یاشیخ عبدالقادر جیلانی، کہنا ضرور جائز ورَوا ہے۔ جو کہے کہ "جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے، گو کہ اس کو اللہ کا بندہ ومخلوق ہی سمجھے، سو وہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہے" یہ کہنے والا اور ابولہب، عداوتِ محبوب خدا وایذائے بندگان خدا میں برابر ہے۔

وہ علوم کہ تعلیماتِ شریعت وأحکامِ ملّت ہیں اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے ملتے ہیں، وہ قطعاً یقیناً ہر طرح تحقیقی ہیں

عقیدہ: وہ علوم کہ تعلیمات شریعت وأحکام ملّت ہیں، اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے ملتے ہیں، وہ قطعاً یقیناً ہر طرح تحقیقی ہیں۔ جو "ان کو تقلیدی علم اور بے وساطت انبیاء علوم شرعیہ ملنا جائز ٹھہرا کر، ان ساختہ جہالتوں کو تحقیقی علم کہے" خبیث دجّال ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ۱۸/۲۱۶، ۲۱۷)

عامۂ انبیاء کو صرف ظاہرِ شرع پر عمل کا اذن ہوتا ہے، اور سیّدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے علمِ باطن پر، جبکہ امام الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کو دونوں پر عمل کا اذن ہے

ابو یعلی اور شاشی اور طبرانی "معجم کبیر" اور حاکم "صحیح مستدرک" میں، ضیائے مقدسی "صحیح مختارہ" میں محمد بن حاطب اور حاکم "مستدرک" میں بافادۂ تصحیح ان کے بھائی حارث بن حاطب رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی: "قال: أتي رسولُ الله ﷺ بلصٍّ فأمرَ بقتله، فقيل: إنّه سرق، فقال: «اقطعُوه» ثمّ جيء به بعد ذلك إلى أبي بكرٍ، وقد قُطعتْ قوائمُه،

فقال أبو بكر: ما أجد لك شيئاً إلّا ما قضى فيك رسولُ الله ﷺ يومَ أمرَ بقتلك؛ فإنّه كان أعلَم بك! فأمرَ بقتله"(١) [کہاکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا، آپ نے فرمایا: "اس کو قتل کر دو!" عرض کی گئی کہ اس نے چوری ہی تو کی ہے، فرمایا: "اس کا ہاتھ کاٹ دو!" پھر اسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس اس حال میں لایا گیا، کہ اس کے تمام ہاتھ پاؤں کاٹے جا چکے تھے، تو آپ نے فرمایا: میں اس کے بغیر تیرا علاج نہیں جانتا جو رسول اللہ ﷺ نے تیرے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا، کہ اس کو قتل کر دو؛ وہ تیرا حال خوب جانتے تھے! چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔]

("فتاوی رضویہ" ج١٨، ص٥۴٣)

انبیاء اللہ تعالی کے اسمائے ذاتیہ سے پیدا ہوئے، اولیاء اسمائے صفاتیہ سے پیدا ہوئے

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی "مدارج النبوۃ" میں فرماتے ہیں: "انبیاء مخلوق اند اَز اسمائے ذاتیہ حق، واولیاء اَز اسمائے صفاتیہ، وبقیہ کائنات اَز صفات فعلیہ، وسیّد رُسل مخلوق است از ذات حق، وظہور حق در وے بالذات است"(٢)

[انبیاء اللہ کے اسمائے ذاتیہ سے پیدا ہوئے، اور اولیاء اسمائے صفاتیہ سے، بقیہ کائنات صفات فعلیہ سے، اور سیّد رُسل ذات حق سے، اور حق کا ظہور آپ میں بالذات ہے]۔

ہاں عین ذاتِ الہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ (معاذاللہ) ذاتِ الہی ذاتِ رسالت کے لیے مادہ ہے، جیسے مٹی سے انسان پیدا ہو، یا (عیاذاً باللہ) ذاتِ الہی کا کوئی حصہ یا کُل ذاتِ نبی ہو گیا۔ اللہ عزوجل حصے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہو جانے یا کسی شے میں حلول فرمانے سے پاک ومنزّہ ہے، حضور سیّدِ عالَم ﷺ خواہ کسی شے کو جزء ذاتِ الہی خواہ کسی مخلوق کو عین ونفس ذاتِ الہی ماننا کفر ہے۔

("فتاوی رضویہ" ج١٩، ص٣٣٧)

جمہور ائمۂ کرام کا مذہب یہی ہے کہ سیّدنا عیسی علیہ الصلاۃ والسلام نے ابھی انتقال نہ فرمایا

جمہور ائمۂ کرام کا مذہب یہی ہے کہ سیّدنا عیسی علیہ الصلاۃ والسلام نے ابھی انتقال نہ فرمایا، قریب قیامت نزول فرمائیں گے، دجّال کو قتل کریں گے، برسوں رہ کر انتقال فرمائیں گے، روضۂ پاک حضور سیّدِ عالَم -صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم- میں ایک مزار کی جگہ خالی ہے، وہاں دفن ہوں گے۔ اس کا(٣) وہ جاہلانہ اَحمقانہ خیال تو یُونہیں سے دفع ہو گیا۔

اور فقط آسمان پر ہونا اگر مُوجبِ فضل ہو تو فرشتوں کو تو آسمان پر مانے گا! قال تعالی: ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي

(١) "كنز العمّال" بحوالة ع، والشاشي طب ك ص، ر: ١٣٨٦١، ٥/ ٥٣٨.

(٢) "مدارج النبوۃ" تکملہ در صفات کاملہ، ٢/ ٧٠٩۔

(٣) یعنی قادیانی جو کہتے ہیں کہ "حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام زندہ آسمان پر نہیں گئے، بلکہ اپنی موت مرے، زندہ آسمان پر جانا نہ قرآن سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے؛ کیونکہ اس میں حضرت رسولِ مقبول محمد مصطفی -صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم- کی شان پاک گھٹتی ہے، کہ حضور دونوں عالَم سے افضل واعلی ہو کر وفات پائیں، اور زمین کے نیچے رہیں، اور حضرت عیسی آسمان پر چلے جائیں، یہ ممکن نہیں" وہ جاہلانہ احمقانہ خیال تو یونہیں سے دفع ہو گیا۔

السَّمٰوٰتِ﴾[1] "آسمانوں میں بہتیرے فرشتے ہیں"، خود حضور اقدس -صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم- کو دونوں عالم سے افضل رہا ہے، کیا ملائکہ سے افضل نہ مانے گا؟! یا حضور کے وفات پاکر زمین پر رہنے اور ملائکہ کے آسمان پر ہونے سے (معاذ اللہ) شانِ اقدس کا گھٹنا جانے گا؟! اور فرشتے بھی نہ سہی، چاند سورج ستارے تو آسمان پر ہیں، حالانکہ حضور اقدس ﷺ کی خاکِ پاان سے افضل ہے، خصوصاً محلِ تُربت اقدس؛ کہ عرشِ اعظم سے بھی اعلیٰ وافضل ہے، اندھوں نے جہت میں اوپر نیچے دیکھ لیا، اور یہ نہ جانا کہ دل تمام اعضاء کا سلطان اور سب سے افضل ہے، اگرچہ بہت اعضاء اس سے اوپر ہیں!۔ واللہ تعالی أعلم.
("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۸)

حضرت خضر علیہ السلام علم غیب جانتے تھے، انہیں علم غیب دیا گیا تھا

"تفسیر ابن جریر" میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے: "قال: ﴿إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ «وكان رجلاً يعلم علم الغيب قد علم ذلك»[2] حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا: "آپ میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے" خضر علم غیب جانتے تھے، انہیں علم غیب دیا گیا تھا۔

اسی میں ہے: عبد اللہ بن عباس نے فرمایا: خضر علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا: «لم تحط من علم الغيب بما أعلم»[3] "جو علم غیب میں جانتا ہوں آپ کا علم اُسے محیط نہیں"۔

امام قسطلانی "مَواہبِ لدُنیہ شریف" میں فرماتے ہیں: "النبوة التي هي الاطلاع على الغيب"[4] "نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ علم غیب جاننا"۔
("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۷۶)

آزر باپ نہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا چچا تھا

علماء نے اسی پر "لأبيه آزر" کو حمل فرمایا، اہل تواریخ واہل کتابین (یہود ونصاری) کا اِجماع ہے، کہ آزر باپ نہ تھا، سیدنا خلیل -علیہ السلام الجلیل- کا چچا تھا۔ استغفار سے نہی (معاذ اللہ) عدم توحید پر دالّ نہیں، صدر اسلام میں سید عالم ﷺ مدیون (مقروض) کے جنازے پر نماز نہ پڑھتے، جس کا حاصل اس کے لیے استغفار ہی ہے۔
("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۱۴)۔

❀ ❀ ❀

---

(۱) پ۲۷، النجم: ۲۶۔
(۲) "جامع البيان" (تفسير الطبري) الكهف، تحت الآية: ۶۷،۱۵/ ۳۲۳.
(۳)"جامع البيان" (تفسير الطبري) الكهف، تحت الآية: ۶۷،۱۵/ ۳۲۳.
(٤) "المواهب اللدنية" المقصد ۲، الفصل ۱، ۱/ ٤۷.

Ataunnabi.com
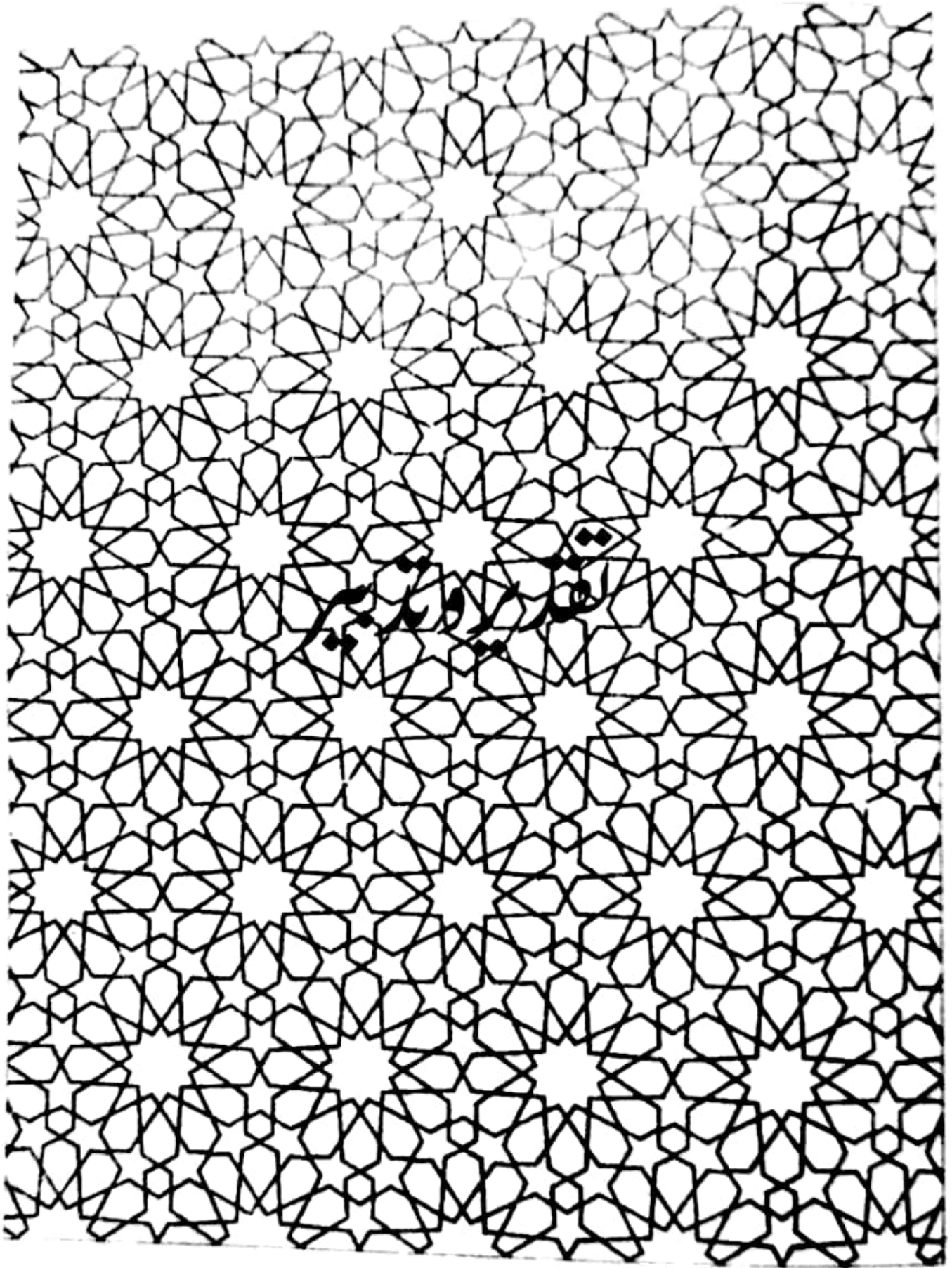
التقدیر و تدبیر

(۶) تقدیر وتدبیر

بسم الله الرّحمن الرّحيم

الحمد لله الذي قدّر الكائنات، وربطَ بالأسباب المسبَّبات، والصّلاةُ والسّلامُ على سيّد المتوكّلين سرّاً وجهراً، وإمام العالمين والمدبّرات أمراً، وعلى آله وصحبه الذين باطنُهم توكُّل، وظاهرُهم في الكدّ والعمل، ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴾!

حق کا راستہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے

اللہ عزّوجلّ نے بندے بنائے، اور انہیں کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہا آلات وجوارح عطا فرمائے، اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ اِلہام کیا، اور ان کے ارادے کا تابع وفرمانبردار کر دیا؛ کہ اپنے مَنافع حاصل کریں، اور مضرتوں سے بچیں۔

پھر اعلی درجہ کے شریف جَوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا، جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا۔ عقل کو ان اُمور کے اِدراک کی طاقت بخشی، خیر وشَر، نفع وضرر، یہ حواسّ ظاہری نہ پہچان سکتے تھے، پھر اسے بھی فقط اپنی سمجھ پر بے کس وبے یاور نہ چھوڑا، ہُنوز لاکھوں باتیں جن کو عقل خود اِدراک نہ کر سکتی تھی، اور جن کا اِدراک ممکن تھا ان میں لغزش کرنے، ٹھوکر کھانے سے پناہ کے لیے کوئی زبردست دامن ہاتھ میں نہ رکھتی، لہذا انبیاء بھیج کر، کتابیں اُتار کر ذرا ذرا بات کا حُسن وقُبح خوب جتا کر اپنی نعمت تمام وکمال فرما دی، کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی، ﴿ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ﴾[1] حق کا راستہ آفتاب سے زیادہ واضح ہوگیا، ہدایت وگمراہی پر کوئی پردہ نہ رہا ﴿ لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙ قَدۡ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ ﴾[2] "کچھ زبردستی نہیں دین میں، بے شک خوب جُدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے" بایں ہمہ کسی کا خالق ہو، یعنی ذات ہو یا صفت، فعل ہو یا حالت، کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال کر لباسِ وجود پہنا دینا، یہ اُسی کا کام ہے، یہ نہ اس نے کسی کے اختیار میں دیا، نہ کوئی اس کا اختیار پا سکتا تھا؛ کہ تمام مخلوقات خود اپنی حدِ ذات میں نیست ہیں، ایک نیست دوسرے نیست کو کیا ہست بنا سکے! ہست بنانا اسی کی شان ہے جو آپ اپنی ذات سے ہست حقیقی وہست مطلق ہے، ہاں یہ اس نے اپنی رحمت اور اپنی غنائے مطلق سے عادات اِجراء فرمائے، کہ بندہ جس امر کی طرف قصد کرے، اپنے جوارح اُدھر پھیرے، مولا تعالی اپنے ارادہ سے اسے پیدا فرما دیتا ہے، مثلاً اس نے ہاتھ دیے، ان میں پھیلنے سمٹنے، اٹھنے جھکنے کی قوت رکھی، تلوار بنائی، اس میں دھار، اور دھار میں کاٹ کی قوت رکھی۔

اس کا اٹھانا، لگانا، وار کرنا بتایا، دوست دشمن کی پہچان کو عقل بخشی، اسے نیک وبد میں تمیز کی طاقت عطا کی، شریعت بھیج کر قتل حق وناحق کی بھلائی بُرائی صاف جتا دی۔ زید نے وہی خُدا کی بنائی ہوئی تلوار، خُدا کے بنائے ہوئے ہاتھ، خُدا کی دی ہوئی قوت سے اٹھانے کا قصد کیا، وہ خُدا کے حکم سے اُٹھ گئی، اور جُھکا کر ولید کے جسم پر ضرب پہنچانے کا ارادہ کیا، وہ خُدا کے حکم سے

(۱) پ۶، النساء: ۱۶۵۔

(۲) پ۳، بقرہ: ۲۵۶۔

جگی اور ولید کے جسم پر لگی، تو یہ ضرب جن امور پر موقوف تھی سب عطائے حق تھے، اور خود جو ضرب واقع ہوئی، بارادۂ خدا واقع ہوئی، اور اب جو اس ضرب سے ولید کی گردن کٹ جانا پیدا ہوگا، یہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگا، وہ نہ چاہتا تو ایک زید کیا تمام اِنس و جن وملک جمع ہو کر تلوار پر زور کرتے تو اٹھنا درکنار، ہرگز جنبش نہ کرتی، اور اس کے حکم سے اٹھنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو زمین، آسمان، پہاڑ سب ایک لنگر بنا کر تلوار کے بیپلے (نوک) پر ڈال دیے جاتے، تام کو بال برابر نہ جھکتی، اور اس کے حکم سے پہنچنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا، گردن کٹنا تو بڑی چیز ہے، ممکن نہ تھا کہ خط بھی آتا۔ لڑائیوں میں ہزاروں بار تجربہ ہو چکا کہ تلواریں پڑیں اور خراش تک نہ آئی، گولیاں لگیں اور جسم تک آتے آتے ٹھنڈی ہوگئیں، شام کو معرکہ سے پلٹنے کے بعد سپاہیوں کے سر کے بالوں میں سے گولیاں نکلی ہیں۔

چنانچہ زید سے جو کچھ واقع ہوا، سب خلقِ خدا و بارادۂ خدا تھا، زید کا بیچ میں صرف اتنا کام رہا کہ اس نے قتلِ ولید کا ارادہ کیا، اور اس طرف اپنے جوارح وآلات کو پھیرا، اب اگر ولید شرعاً مستحق قتل ہے تو زید پر کچھ اِلزام نہیں رہا، بلکہ بارہا ثوابِ عظیم کا مستحق ہوگا؛ کہ اس نے اس چیز کا قصد کیا، اور اس طرف جوارح کو پھیرا جسے اللہ عزّوجلّ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی، اپنا پسندیدہ کام ارشاد فرمایا تھا۔ اور اگر قتل ناحق ہے تو یقیناً زید پر اِلزام ہے، اور عذابِ الیم کا مستحق ہوگا؛ کہ بمخالفت حکم شرع اس شئے کا عزم کیا، اور اس طرف جوارح کو متوجہ کیا جسے مولی تعالی نے اپنی کتابوں کے واسطے سے اپنے غضب، اپنی ناراضی کا حکم بتایا تھا۔ غرض فعل انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتا، بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے، یہ نیکی کا ارادہ کرے، اور اپنے جوارح کو پھیرے، اللہ تعالی اپنی رحمت سے نیکی پیدا کر دے گا، اور یہ بُرے کا ارادہ کرے اور جوارح کو اس طرف پھیرے، اللہ تعالی اپنی بے نیازی سے بدی کو موجود فرما دے گا۔

شہد اور زہر

دو ۲ پیالیوں میں شہد اور زہر ہیں، اور دونوں خود بھی خُدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں، شہد میں شِفا ہے، اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اُسی نے رکھا ہے، رَوشن دماغ حکیموں کو بھیج کر بتا بھی دیا ہے کہ دیکھو یہ شہد ہے، اس کے یہ مَنافع ہیں، اور خبردار! یہ زہر ہے، اس کے پینے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی یہ مبارک آوازیں تمام جہان میں گونجیں، اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں، اس پر کچھ نے شہد کی پیالی اُٹھا کر پی، اور کچھ نے زہر کی، ان اُٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خُدا ہی کے بنائے ہوئے تھے، اور ان میں پیالی اُٹھانے، منہ تک لے جانے کی قوّت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی، منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کرکے اندر لینے کی قوت، اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اس کے مخلوق تھے، اب شہد پینے والوں کے جَوف میں شہد پہنچا، کیا وہ آپ اس کا نفع پیدا کر لیں گے؟ یا شہد بذات خود خالقِ نفع ہو جائے گا؟ حاشا ہرگز نہیں! بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے، اور ہوگا تو اسی کے ارادہ سے ہوگا، وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے، کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے، یونہی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جا کر، کیا وہ آپ ضرر کی تخلیق کر لیں گے؟ یا زہر خود بخود خالقِ ضرر ہو جائے گا؟ حاشا ہرگز نہیں! بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا بھی اسی کے قبضۂ اقتدار میں ہے، اور ہوگا تو

اسی کے ارادے سے ہوگا، بلکہ وہ چاہے تو زہر شہد ہو کر لگے، بایں ہمہ شہد پینے والے ضرور قابلِ تحسین وآفرین ہیں، ہر عاقل یہی کہے گا کہ انہوں نے اچھا کیا، ایسا ہی کرنا چاہیے، اور زہر پینے والے ضرور لائقِ سزا و نفریں ہیں، ہر ذی ہوش یہی کہے گا کہ یہ بدبخت خودکشی کے مجرم ہیں۔

دیکھو! اوّل سے آخر تک جو کچھ ہوا، سب اللہ ہی کے ارادے سے ہوا، اور جتنے آلات اس کام میں لیے گئے، سب اللہ ہی کے مخلوق تھے، اور اسی کے حکم سے انہوں نے کام دیے، جو تمام عقلاء کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے اور دوسرے کی مذمت، تمام کچہریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں، ان زہر نوشوں کو مجرم بنائیں گی، پھر کیوں بناتی ہیں؟ نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا، نہ زہر میں قوتِ اِہلاک ان کی رکھی ہوئی، نہ ہاتھ ان کا پیدا کیا ہوا، نہ اس کے بڑھانے اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ دہن وحلق ان کے پیدا کیے ہوئے، نہ ان میں جذب وکشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ حلق سے اُتر جانا ان کے ارادے سے ممکن تھا، آدمی پانی پیتا ہے اور چاہتا ہے کہ حلق سے اُترے، مگر اُچھو [کھانسی جو سانس کی نالی میں پانی پھنس جانے سے آنے لگتی ہے] ہو کر نکل جاتا ہے، اس کا چاہا نہیں چلتا، جب تک وہی نہ چاہے جو صاحب سارے جہاں کا ہے!۔

اب حلق سے اُترنے کے بعد تو ظاہری نگاہوں میں بھی پینے والے کا اپنا کوئی کام نہیں، خُون میں اس کا ملنا، اور خُون کا اسے لے کر دَورہ کرنا، اور دَورہ میں قلب تک پہنچنا، اور وہاں جا کر اسے فاسد کر دینا، یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادے سے ہے، نہ اس کی طاقت سے، بُہتیرے زہر پی کر نادِم ہوتے ہیں، پھر ہزار کوشش کرتے ہیں، جو ہونی ہے ہو کر رہتی ہے، اگر اس کے ارادہ سے ضرر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر باطل ہو جانا لازم تھا، مگر نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے، پھر اس سے کیوں باز پُرس ہوتی ہے؟ ہاں باز پُرس کی وہی وجہ ہے کہ شہد اور زہر اسے بتا دیے تھے، عالی قدر حکمائے عظام کی معرفت سے نفع نقصان جتا دیے تھے، دست ودہان وحلق اس کے قابو میں کر دیے تھے، دیکھنے کو آنکھ، سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی، یہی ہاتھ جس سے اس نے زہر کی پیالی اُٹھا کر پی، جامِ شہد کی طرف بڑھاتا، اللہ تعالیٰ اسی کا اُٹھنا پیدا کر دیتا، یہاں تک کہ سب کام اوّل تا آخر اسی کی خلق ومشیت سے واقع ہو کر اس کے نفع کے مُوجب ہوتے، مگر اس نے ایسا نہ کیا، بلکہ کاسۂ زہر کی طرف ہاتھ بڑھایا، اور اس کے پینے کا عزم لایا، وہ غنی بے نیاز دونوں جہان سے بے پرواہ ہے، وہاں تو عادت جاری ہو رہی ہے کہ یہ قصد کرے اور وہ خلق فرما دے، اس نے اسی کاسہ کا اٹھنا اور حلق سے اُترنا دل تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرما دیا، پھر یہ کیونکر بے جُرم قرار پا سکتا ہے؟ انسان میں یہ قصد وارادہ واختیار ہونا ایسا واضح وروشن وبدیہی امر ہے، جس سے انکار نہیں کر سکتا مگر مجنون۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے، کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال کے حرکات ارادی ہیں، ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لیے ہاتھ کو حرکت دینا، اور وہ جنبش جو ہاتھ کو رعشہ سے ہو، ان میں صریح فرق ہے، ہر شخص واقف ہے کہ جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا ہے، اور اس کی طاقت ختم ہونے پر زمیں پر گرتا ہے، ان دونوں حرکتوں میں تفرِقہ ہے، اوپر کُودنا اپنے اختیار وارادہ سے تھا، اگر نہ چاہتا نہ کُودتا، اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمین پر آنا اپنے ارادے واختیار سے نہیں۔

لہذا اگر رُکنا چاہے تو نہیں رُک سکتا، بس یہی ارادہ، یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے. عقل کے ساتھ اس کا پایا جاتا، یہی مدار امر ونہی وجزا و سزا و ثواب عقاب و پرسش وحساب ہے، اگرچہ بلا شُبہ بلا ریب قطعاً یقیناً یہ ارادہ واختیار بھی اللہ عزّوجلّ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، جیسے انسان خود بھی اسی کا بنایا ہوا ہے، آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا، نہ اپنے لیے آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہا بنا سکتا تھا، یونہی اپنے لیے طاقت، قوت، ارادہ، اختیار بھی نہیں بنا سکتا، سب کچھ اس نے دیا اور اسی نے بنایا، مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ جب ہمارا ارادہ واختیار بھی خُدا ہی کا مخلوق ہے، تو پھر ہم پتھر ہو گئے، قابل سزا و جزا و باز پُرس نہ رہے، کیسی سخت جہالت ہے!!۔

ارادہ واختیار

صاحبو! تم میں خُدا نے کیا پیدا کیا؟ ارادہ واختیار! تو ان کے پیدا ہونے سے تم صاحبِ ارادہ، صاحبِ اختیار ہوئے یا مضطر، مجبور، ناچار؟ صاحبو! تمھاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا؟ یہ کہ وہ ارادہ واختیار نہیں رکھتا، اور تم میں اللہ تعالی نے یہ صفت پیدا کی، عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے نے تمھاری حرکات کو پتھر کی حرکات سے ممتاز کر دیا، اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو! یہ کیسی اُلٹی مَت ہے؟ اللہ تعالی نے ہماری آنکھیں پیدا کیں، ان میں نُور خلق کیا، اس سے ہم انکھیارے ہوئے، نہ کہ (معاذاللہ) اندھے، یونہی اس نے ہم میں ارادہ واختیار پیدا کیا، اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہوئے، نہ کہ اُلٹے مجبور!۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فَردِ اختیار بھی اسی کی خلق اسی کی عطا ہے، ہماری اپنی ذات سے نہیں، تو مختار کردہ ہوئے، خود مختار نہ ہوئے، پھر اس میں کیا حرج ہے؟ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہو سکے، نہ جزا و سزا کے لیے خود مختار ہونا ہی ضرور، ایک نوعِ اختیار چاہیے، کس طرح ہو، وہ بداہۃً حاصل ہے۔

آدمی انصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر ومثال کافی ہے، شہد کی پیالی اطاعت الٰہی ہے، اور زہر کا کاسہ اس کی نافرمانی، اور وہ عالی شان حکماء انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام، اور ہدایت اس شہد سے نفع پاتا ہے کہ اللہ ہی کے ارادے سے ہوگا، اور ضلالت اس زہر کا ضرور پہنچتا ہے، کہ یہ بھی اسی کے ارادے سے ہوگا، مگر اطاعت والے تعریف کیے جائیں گے، اور تمرّد (سرکشی) والے مذموم وملزَم ہو کر سزا پائیں گے۔

پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾(1) باقی ہے، والحمد لله ربّ العالمين، له الحكمُ وإليه ترجعون! قرآن عظیم میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ "ان اشخاص کو زیادہ ہدایت نہ کرو"، ہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ ہدایت ضلالت سب اس کے ارادہ سے ہے۔ نیز فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾(2) "وہ علم الٰہی میں کافر ہیں، انہیں ایک سا ہے، چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان نہ لائیں گے"۔

---

(1) پ۳، البقرۃ: ۲۸۴۔

(2) پ۱، البقرۃ: ۶۔

ہمارے نبی ﷺ تمام جہان کے لیے رحمت بھیجے گئے، جو کافر ایمان نہ لاتے ان کا نہایت غم حضور ﷺ کو ہوتا، یہاں تک کہ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾[1] "شاید تم ان کے پیچھے اپنی جان پر کھیل جاؤ گے، اس غم میں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں"۔

لہذا حضور کی تسکین خاطر اقدس کو یہ ارشاد ہوا ہے، کہ جو ہمارے علم میں کفر پر مرنے والے ہیں (والعیاذ باللہ تعالی) وہ کسی طرح ایمان نہ لائیں گے، تم اس کا غم نہ کرو!۔ لہذا یہ فرمایا کہ "تمھارا سمجھانا نہ سمجھانا ان کو یکساں ہے"، یہ نہیں فرمایا کہ "تمھارے حق میں یکساں ہے"؛ کہ ہدایت (معاذ اللہ) امر فضول ٹھہرے، ہادی کا اجر اللہ پر ہے، چاہے کوئی مانے نہ مانے، ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾[2] "اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا"۔

﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[3] "اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہاں کا رب ہے"۔ اللہ خوب جانتا ہے، اور آج سے نہیں اَزَل الآزال سے، کہ اتنے بندے ہدایت پائیں گے، اور اتنے چاہِ ضلالت میں ڈوبیں گے، مگر کبھی اپنے رسولوں کو ہدایت سے منع نہیں فرمایا؛ کہ جو ہدایت پانے والے ہیں ان کے لیے سببِ ہدایت ہوں، اور جو نہ پائیں ان پر حجتِ الٰہیہ قائم ہو، وللہ الحجّة البالغة!.

ابن جرير عن أنس ﷺ قال: «لـمّا بعث اللهُ تعالى موسى ﷺ إلى فرعون نُودي: لن يفعل، قال: فلمَ أفعل؟ فقال: فناداه اثنا عشر ملَكاً من علماء الملائكة: امض لما أُمرتَ به، فإنّا جهدنا أن نعلمَ هذا فلم نعلمه» ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ جب سیدنا موسی علیہ السلام کو مولی عزّوجلّ نے رسول کر کے فرعون کی طرف بھیجا، موسی علیہ السلام چلے تو ندا ہوئی: "مگر اے موسی! فرعون ایمان نہ لائے گا"، موسی نے دل میں کہا: پھر میرے جانے سے کیا فائدہ ہے؟ اس پر بارہ ۱۲ علمائے ملائکہ عظام علیہم السلام نے کہا: اے موسی آپ کو جہاں کا حکم ہے جائیے! یہ وہ راز ہے کہ باوصف کوشش آج تک ہم پر بھی نہ کھلا۔

اور آخر نفعِ بعثت سب نے دیکھ لیا، کہ دشمنانِ خدا ہلاک ہوئے، دوستانِ خُدا نے ان کی غلامی، ان کے عذاب سے نجات پائی، ایک جلسے میں ستّر ہزار ساحر سجدہ میں گر گئے اور ایک زبان بولے: ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾[4] "ہم اس پر ایمان لائے جو رب ہے سارے جہاں کا، رب ہے موسی وہارون کا"۔ مولی عزّوجلّ قادر تھا اور ہے، کہ بے کسی نبی و کتاب کے تمام جہان کو ایک آن میں ہدایت فرما دے، ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾[5] "اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا، تو اے سننے والے! تو ہرگز نادان نہ بن!"۔

---

(۱) پ۱۵، کہف: ۶۔
(۲) پ۱۸، نور: ۵۴۔
(۳) پ۱۹، شعراء: ۱۰۹۔
(۴) پ۹، اعراف: ۱۲۱ و ۱۲۲۔
(۵) پ۷، انعام: ۳۵۔

عالَمِ اَسباب

مگر اس نے دنیا کو عالَمِ اسباب بنایا ہے، اور ہر نعمت میں اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف حصہ رکھا ہے، وہ چاہتا تو انسان وغیرہ جانداروں کو بُھوک ہی نہ لگتی، یا بھوکے ہوتے تو کسی کا صرف نام پاک لینے سے، کسی کا ہوا سُونگھنے سے پیٹ بھرتا، زمین جُوتنے سے روٹی پکانے تک جو سخت مشقتیں پڑتی ہیں کسی کو نہ ہوتیں، مگر اس نے یونہی چاہا، اور اس میں بھی بے شمار اختلاف رکھا، کسی کو اتنا دیا کہ لاکھوں پیٹ اس کے دَر سے پلتے ہیں، اور کسی پر اس کے اہل وعیال کے ساتھ تین تین فاقے گزرتے ہیں۔

غرض ہر چیز میں ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ﴾[1] "کیا تمھارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا!" کی نیرنگیاں ہیں۔ احمق بد عقل، یا اجہل بددین وہ جو اس کے ناموس میں چُون وچرا کرے، کہ یوں کیوں کیا؟ یوں کیوں نہ کیا؟ سنتا ہے! اس کی شان ہے ﴿يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾[2] "اللہ جو چاہے کرتا ہے"۔ اس کی شان ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾[3] "اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے"۔ اس کی شان ہے ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾[4] "وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں، اور سب سے سوال ہوگا"۔

زید نے روپے کی ہزار ۱۰۰۰ اینٹیں خریدیں، پانچ سو ۵۰۰ مسجد میں لگائیں، پانسو ۵۰۰ پاخانہ کی زمین اور قدمچوں میں۔ کیا اس سے کوئی اُلجھ سکتا ہے کہ ایک ہاتھ کی بنائی ہوئی، ایک مٹی سے بنی ہوئی، ایک آوے سے پکی ہوئی، ایک روپے کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں، ان پانسو ۵۰۰ میں کیا خوبی تھی کہ مسجد میں صرف کیں؟ اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نَجاست میں رکھیں؟ اگر کوئی احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میری مِلک تھیں، میں نے جو چاہا کیا!۔

جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال ہے، تو حقیقی سچی ملک کا کیا پوچھنا! ہمارا اور ہماری جان ومال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا سچا مالک ہے، اس کے کام، اس کے اَحکام میں کسی کو مجالِ دم زدن کیا معنیٰ! کیا کوئی اس کا ہمسر یا اس پر افسر ہے؟ جو اس سے کیوں اور کیا کہے! مالک علی الاطلاق ہے، بے اشتراک ہے، جو چاہا کیا اور جو چاہے کرے گا، ذلیل فقیر بے حیثیت حقیر اگر بادشاہ جبّار سے اُلجھے، تو اس کا سر کھجایا [پاگل ہوگیا] ہے، شامت نے گھیرا ہے، اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ او بد عقل بے ادب! اپنی حد پر رہ، جب یقیناً معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمیع کمال صفات میں یکتا وکامل ہے، تو تجھے اس کے اَحکام میں دخل دینے کی کیا مجال! ع:

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش | نظامِ مملکت خویش خسرواں دانند[5]

(۱) پ۲۵، زخرف: ۳۲۔
(۲) پ۱۳، ابراہیم: ۲۷۔
(۳) پ۶، مائدہ: ۱۔
(۴) پ۱۷، انبیاء: ۲۳۔
(۵) "دیوان حافظ" ردیف شین معجمہ، ص۲۵۸۔

افسوس کہ دنیوی مجازی جھوٹے بادشاہوں کی نسبت تو آدمی کو یہ خیال ہو، اور ملک الملوک بادشاہ حقیقی جَلَّ جَلالُہٗ کے احکام میں رائے زنی کرے! سلاطین تو سلاطین اپنا برابر زَئی، بلکہ اپنے سے بھی کم رتبہ شخص، بلکہ اپنا نوکر یا غلام جب کسی صفت کا استاد ماہر ہو، اور خود یہ شخص اس سے آگاہ نہیں، تو اس کے اکثر کاموں کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا، یہ اتنا اِدراک ہی نہیں رکھتا، مگر عقل سے حصہ ہے تو اس پر معترض بھی نہ ہوگا، جان لے گا کہ یہ اس کام کا استاد و حکیم ہے، میرا خیال وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

غرض اپنی فہم کو قاصر جانے گا، نہ کہ اس کی حکمت کو! پھر رب الارباب، حکیم حقیقی، عالم السر والخفی -عزّ جلالہ- کے اَسرار میں خَوض کرنا، اور جو سمجھ میں نہ آئے اس پر معترض ہونا، اگر بے دینی نہیں جنون ہے، اگر جنون نہیں بے دینی ہے، والعیاذ باللہ ربّ العالمین!۔

مقناطیس اور قطب ستارہ

اے عزیز! کسی بات کو حق جاننے کے لیے اس کی حقیقت جاننی لازم نہیں ہوتی، دنیا جانتی ہے کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، اور مقناطیسی قوت دیا ہوا لوہا ستارۂ قطب کی طرف توجہ کرتا ہے، مگر اس کی حقیقت وکُنہ کوئی نہیں بتا سکتا، کہ اس خاکی لوہے اور اس اَفلاکی ستارے میں (کہ یہاں سے کروڑوں میل دُور ہے) باہم کیا اُلفت ہے؟ اور کیونکر اسے اس کی جہت کا شعور ہے؟ اور ایک یہی نہیں، عالَم میں ہزاروں ایسے عجائب ہیں کہ بڑے بڑے فلاسفہ خاک چھان کر مر گئے، اور ان کی کُنہ نہ پائی۔ پھر اس سے ان باتوں کا انکار نہیں ہو سکتا، آدمی اپنی جان ہی کو بتائے، وہ کیا شے ہے جسے یہ "میں" کہتا ہے؟ اور کیا چیز جب نکل جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر بے حس و حرکت رہ جاتا ہے؟!۔

اللہ کے سوا خالق کون ہے؟!

اللہ جَلَّ جَلالُہٗ فرقان حکیم میں فرماتا ہے: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾[1] "تم کیا چاہو، مگر یہ کہ چاہے اللہ رب سارے جہان کا"، اور فرماتا ہے: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ﴾[2] "کیا کوئی اَور بھی کسی چیز کا خالق ہے سوا اللہ کے؟!" اور فرماتا ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾[3] "سنتے ہو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کے لیے ہے، بڑی برکت والا ہے اللہ مالک سارے جہان کا"۔ یہ آیات کریمہ صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ پیدا کرنا، عدم سے وجود میں لانا، خاص اسی کا کام ہے، دوسرے کو اس میں اصلاً (بالکل) شرکت نہیں، نیز اصل اختیار اسی کا ہے، نیز بے اس کی مشیت کے کسی کی مشیت نہیں ہو سکتی۔

بندہ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے

وہی مالک و مولی ﷻ اسی قرآن کریم میں فرماتا ہے: ﴿ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۗ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾[4] "یہ ہم نے ان کی

---

(۱) پ۳۰، تکویر: ۲۹۔
(۲) پ۲۲، فاطر: ۳۔
(۳) پ۸، اعراف: ۵۴۔
(۴) پ۸، انعام: ۱۴۶۔

سرکشی کا بدلہ انہیں دیا، اور بے شک بالیقین ہم سچے ہیں"، اور فرماتا ہے: ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾[1] "ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے"، اور فرماتا ہے: ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾[2] "جو تمہارا جی چاہے کیے جاؤ! اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے!"، اور فرماتا ہے: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾[3] "اے نبی تم فرما دو! کہ حق تمہارے رب کے پاس سے ہے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، بے شک ہم نے ظالموں کے لیے وہ آگ تیار کر رکھی ہے، جس کے سرا پردے [بڑے پردے] انہیں گھیر لیں گے، ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی"، اور فرماتا ہے: ﴿قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ۝ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾[4] "کافر کا ساتھی شیطان بولا: اے رب ہمارے! میں نے انہیں سرکش نہ کر دیا تھا، یہ آپ ہی دُور کی گمراہی میں تھا، رب عزّوجلّ نے فرمایا: میرے حضور فضول جھگڑا نہ کرو! میں تو تمہیں پہلے ہی سزا کا ڈر سنا چکا تھا، میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی، اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں"۔

یہ آیتیں صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ بندہ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، وہ اپنی ہی کرنی بھرتا ہے، وہ ایک حرام کا اختیار وارادہ ضرور رکھتا ہے، اب دونوں قسم کی سب آیتیں قطعاً مسلمان کا ایمان ہیں۔ بے شک بے شبہ بندہ کے افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے، بے شک بندہ بے ارادۂ الٰہیہ کچھ نہیں کر سکتا، اور بے شک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، بے شک وہ اپنی ہی بداَعمالیوں کے سبب مستحقِ سزا ہے۔ یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں، مگر یونہی کہ عقیدۂ اہل سنّت وجماعت پر ایمان لایا جائے، وہ کیا بات ہے؟ وہ جو اہل سنّت کے سردار و مولی امیر المؤمنین علی مرتضی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- نے انہیں تعلیم فرمایا:

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھے گئے تقدیر سے متعلق سوالات کے جوابات

ابو نعیم "حلیۃ الاولیاء" میں بطریق امام شافعی عن یحیی بن سلیم امام جعفر صادق سے، وہ حضرت امام باقر، وہ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیّار، وہ امیر المؤمنین مولی علی رضی اللہ تعالی عنہم سے راوی: "إنّه خطب النّاسَ یوماً (فذکر خطبتَه، ثمّ قال) فقام إلیه رجلٌ ممن کان شهد معه الجمل، فقال: یا أمیرَ المؤمنین أخبِرنا عن القدر! فقال: «بحرٌ عمیقٌ فلا تلجه!» قال: یا أمیرَ المؤمنین أخبِرنا عن القدر! قال: «سِرُّ الله فلا تتکلّفه!» قال: یا أمیرَ المؤمنین أخبِرنا عن القدر! قال: «أمّا إذا أبیت، فإنّه أمرٌ بین أمرَین، لا جبرَ ولا تفویض» قال یا أمیرَ المؤمنین! إنّ فُلاناً یقول بالاستطاعة، وهو حاضرُك، فقال: «عليَّ به!» فأقاموه، فلمّا راه سلّ سیفَه قدرَ أربع أصابعَ فقال: «الاستطاعةُ تملکها مع الله أو من دون الله؟ وإیّاك أن تقولَ أحدهما فترتدّ، فأضربُ

(۱) پ۱۴، نحل: ۱۱۸۔

(۲) پ۲۵، حٰم السجدہ: ۴۰۔

(۳) پ۱۵، کہف: ۲۹۔

(۴) پ۲۶، قٓ: ۲۷-۲۹۔

عنقَك!» قال: فما أقول: يا أميرَ المؤمنين! قال: «قُل: أملكُها بالله الذي إن شاء ملّكنيها».

یعنی ایک دن امیر المؤمنین خطبہ فرما رہے تھے، ایک شخص نے (کہ واقعہ جمل میں امیر المؤمنین کے ساتھ تھے) کھڑے ہوکر عرض کی: یا امیر المؤمنین ہمیں مسئلہ تقدیر سے خبر دیجیے! فرمایا: "گہرا دریا ہے، اس میں قدم نہ رکھ!" عرض کی: یا امیر المؤمنین ہمیں خبر دیجیے! فرمایا: "اللہ کا راز ہے، زبردستی اس کا بوجھ نہ اُٹھا!" عرض کی: یا امیر المؤمنین ہمیں خبر دیجیے! فرمایا: "اگر نہیں مانتا تو ایک امر ہے دو ۲ امروں کے درمیان، نہ آدمی مجبورِ محض ہے، نہ اختیار اسے سپرد ہے"، عرض کی: یا امیر المؤمنین! فلاں شخص کہتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے، اور وہ حضور میں حاضر ہے، مولیٰ علی نے فرمایا: "میرے سامنے لاؤ!" لوگوں نے اسے کھڑا کیا، جب امیر المؤمنین نے اسے دیکھا تیغ مبارک چار انگل کے قدر نیام سے نکال لی اور فرمایا: "کام کی قدرت کا تو خُدا کے ساتھ مالک ہے یا خدا سے جُدا مالک ہے؟ اور سنتا ہے خبردار! ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا؛ کہ کافر ہو جائے گا، اور میں تیری گردن مار دوں گا!" اس نے کہا: یا امیر المؤمنین! پھر میں کیا کہوں؟ فرمایا: "یوں کہہ کہ: اس خُدا کے دیے سے اختیار رکھتا ہوں، کہ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے، بے اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں"۔

تقدیر سے متعلق عقیدۂ اہلِ سنّت

بس یہی عقیدۂ اہلِ سنّت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے نہ خود مختار، بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے، جس کی کُنہ رازِ خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے۔ اللہ عزّوجلّ کی بے شمار رضائیں امیر المؤمنین علی پر نازل ہوں؛ کہ ان دونوں الجھنوں کو دو ۲ فقروں میں صاف فرما دیا۔ ایک صاحب نے اسی بارے میں سوال کیا کہ کیا مَعاصی بھی بے ارادۂ الٰہیہ واقع نہیں ہوتے؟ فرمایا: تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرے گا؟ «أ فيعصي قهراً» یعنی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو، مگر اس نے کر ہی لیا، تو اس کا ارادہ زبردست پڑا (معاذاللہ)، خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا، کہ وہ ڈاکوؤں چوروں کا بُہتیرا بندوبست کریں، پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کر ہی گزرتے ہیں۔ حاشا! وہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی قادرِ مطلق ہرگز ایسا نہیں کہ اس کے ملک میں بے اس کے حکم کے ایک ذرّہ جنبش کر سکے، وہ صاحب کہتے ہیں: "فكأنّما ألقمَني حجراً" "مولیٰ علی نے یہ جواب دے کر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا"؛ کہ آگے کچھ کہتے بن ہی نہ پڑا۔

اَوندھی مَت اسی کو آتی ہے جس پر مَوت سوار ہے

عَمرو بن عبید معتزلی کہ بندے کے افعال خدا کے ارادہ سے نہ جانتا تھا؛ کہ خود کہتا ہے کہ مجھے کسی نے ایسا اِلزام نہ دیا جیسا ایک مجوسی نے دیا، جو میرے ساتھ جہاز میں تھا، میں نے کہا: تُو مسلمان کیوں نہیں ہوتا؟ کہا: خدا نہیں چاہتا، میں نے کہا: خُدا تو چاہتا ہے مگر شیطان تجھے نہیں چھوڑتے، کہا: تو میں شریکِ غالب کے ساتھ ہوں۔ اسی ناپاک شناعت کے رَد کی طرف مولیٰ علی نے اشارہ فرمایا، کہ وہ نہ چاہے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرلے گا؟! باقی رہا اس مجوسی کا عذر، وہ بعینہ ایسا ہے کہ کوئی بُھوکا ہے، بھوک سے دم نکلا جاتا ہے، کھانا سامنے رکھا ہے اور نہیں کھاتا؛ کہ خُدا کا ارادہ نہیں، اس کا ارادہ ہوتا تو میں ضرور کھا لیتا، اس احمق سے یہی کہا جائے گا کہ خُدا کا ارادہ نہ ہونا تُو نے کاہے سے جانا؟ اسی سے کہ تُو نہیں کھاتا، تُو کھانے کا قصد تو کر، دیکھ

تو ارادۂ الٰہیہ سے کھانا ہو جائے گا! ایسی اوندھی مت اسی کو آتی ہے جس پر موت سوار ہے۔ غرض مولی علی نے یہ تو اس کا فیصلہ فرمایا، کہ جو کچھ ہوتا ہے بے ارادۂ الٰہیہ نہیں ہو سکتا۔

جزاو سزا کیوں ہے؟

دوسری بات کہ جزاو سزا کیوں ہے؟ اس کا یوں فیصلہ ارشاد ہوا، ابن ابی حاتم و اصبہانی و لالکائی و خلعی حضرت امام جعفر صادق، وہ اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: "قال: قيل لعليّ بن أبي طالب: إنّ هاهنا رجلاً يتكلّم في المشيئة، فقال له عليٌّ: «يا عبدَ الله! خلقَك اللهُ لما يشاء أو لما شئتَ؟» قال: بل لما يشاء، قال: «فيُمرِضك إذا شاء أو إذا شئتَ؟» قال: بل إذا شاء، قال: «فيُميتك إذا شاء أو إذا شئتَ؟» قال: إذا شاء، قال: «فيُدخِلك حيث شاء أو حيث شئتَ؟» قال: بل حيث شاء، قال: «والله! لو قلتَ غير ذلك لضربتُ الذي فيه عيناك بالسَّيف» ثمّ تلا علي: ﴿يَشَآءَ اللهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾[1].

مولی علی سے عرض کی گئی کہ یہاں ایک شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے، مولی علی نے اس سے فرمایا: "اے خدا کے بندے! خدا نے تجھے اس لیے پیدا کیا جس لیے اس نے چاہا، یا اس لیے جس لیے تو نے چاہا؟" کہا: جس لیے اس نے چاہا۔ فرمایا: "تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے یا جب تو چاہے؟" کہا: بلکہ جب وہ چاہے۔ فرمایا: "تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے، یا جب تو چاہے؟" کہا جب وہ چاہے۔ فرمایا: "تو تجھے وہاں بھیجے گا جہاں وہ چاہے، یا جہاں تو چاہے؟" کہا: جہاں وہ چاہے۔ فرمایا: "خدا کی قسم تو اس کے سوا کچھ اور کہتا تو یہ جس میں تیری آنکھیں ہیں [یعنی تیرا سر] تلوار سے مار دیتا!" پھر مولی علی نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: "اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے، وہ تقوی کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے"۔

خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا، اور جو چاہے گا کرے، بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا، بھیجتے وقت بھی نہ لے گا، تمام عالم اس کی ملک ہے، اور مالک سے دربارۂ ملک سوال نہیں ہو سکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی: ایک شخص نے آکر امیر المؤمنین مولی علی سے عرض کی: یا امیر المؤمنین مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجیے! فرمایا: "تاریک راستہ ہے اس میں نہ چل!" عرض کی: یا امیر المؤمنین مجھے خبر دیجیے! فرمایا: "گہرا سمندر ہے اس میں قدم نہ رکھ!" عرض کی: یا امیر المؤمنین مجھے خبر دیجیے! فرمایا: "اللہ کا راز ہے، تجھ پر پوشیدہ ہے، اسے نہ کھول!" عرض کی: یا امیر المؤمنین مجھے خبر دیجیے! فرمایا: «إنّ اللهَ خالقُك كما شاء أو كما شئتَ؟» "اللہ نے تجھے جیسا چاہا بنایا، یا جیسا تو نے چاہا؟" عرض کی: جیسا اس نے چاہا۔ فرمایا: «فيستعملك كما شاء أو كما شئتَ؟» "تو تجھ سے کام ویسا لے گا جیسا وہ چاہے یا جیسا تو چاہے؟" عرض کی: جیسا وہ چاہے۔ فرمایا: «فيبعثك يومَ القيامة كما شاء أو كما شئتَ؟» "تجھے قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے گا اٹھائے گا، یا جس طرح تو چاہے؟" کہا: جس طرح وہ چاہے۔ فرمایا:

(۱) "الدّر المنثور" پ۱۷، الحج، تحت الآية: ۱۸، ۶/۱۸، ۱۹ نقلاً عن ابن أبي حاتم، واللالكائي في "السنّة" والخلعي في "فوائده" عن علي.

«أيها السائل! تقول لا حول ولا قوة إلا بمن؟» "اے سائل! تو کہتا ہے کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے، مگر کس کی ذات سے؟" کہا: اللہ علی عظیم کی ذات سے۔ فرمایا: "تو اس کی تفسیر جانتا ہے؟" عرض کی: امیر المومنین کو جو علم اللہ نے دیا ہے اس سے مجھے تعلیم فرمائیں! فرمایا: «إن تفسيرها: لا يقدر على طاعة الله، ولا يكون قوة في معصية الله في الأمرين جميعاً إلا بالله» "اس کی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت، نہ معصیت کی قوت، دونوں اللہ ہی کے دیے سے ہیں"۔ پھر فرمایا: «أيها السائل! ألك مع الله مشية أو دون الله مشية؟ فإن قلت: إن لك دون الله مشية، فقد اكتفيت بها عن مشية الله، وإن زعمت أن لك فوق الله مشية، فقد ادعيت مع الله شركاً في مشيه!» "اے سائل! تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے یا بے خدا کے؟ اگر تُو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے، تو تُو نے ارادۂ الٰہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی، جو چاہے خود اپنے ارادے سے کر لے گا، خدا چاہے یا نہ چاہے، اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے، تو تُو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعویٰ کیا"۔ پھر فرمایا: «أيها السائل! الله يشج ويداوي، فمنه الداء ومنه الدواء، أعقلت عن الله أمره؟» "اے سائل! بے شک اللہ زخم پہنچاتا ہے، اور اللہ ہی دوا دیتا ہے، تو اسی سے مرض ہے اور اسی سے دوا، کیوں تُو نے اب تو اللہ کا حکم سمجھ لیا؟" اس نے عرض کی: ہاں، حاضرین سے فرمایا: «الآن أسلم أخوكم، فقوموا فصافحوا!» "اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا، کھڑے ہو، اس سے مصافحہ کرو!"۔ پھر فرمایا: «لو أن عندي رجلاً من القدرية لأخذت برقبته، ثم لا أزال أجزها حتى أقطعها؛ فإنهم يهود هذه الأمة ونصاراها ومجوسها» "اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتا، اور تقدیرِ الٰہی سے وقوعِ طاعت ومعصیت کا انکار کرتا ہو، تو میں اس کی گردن پکڑ کر دبوچتا رہوں گا، یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں؛ اس لیے کہ وہ اس امت کے یہودی ونصرانی ومجوسی ہیں"۔

یہودی اس لیے فرمایا کہ ان پر خدا کا غضب ہے، اور یہود مغضوب علیہم ہیں، اور نصرانی ومجوسی اس لیے فرمایا کہ نصاریٰ تین ۳ خدا مانتے ہیں، مجوسی یزدان واہرمن دو ۲ خالق مانتے ہیں۔ یہ بے شمار خالقوں پر ایمان لا رہے ہیں: کہ ہر جن وانس کو اپنے افعال کا خالق گا رہے ہیں، والعياذ بالله ربّ العالمين!.

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے، مگر ان شاء اللہ تعالی کافی ووافی وشافی ہے، جس سے ہدایت والے ہدایت پائیں گے، اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ ہے، ولله الحمد! والله ﷻ أعلم.

تقدیر و تدبیر

بسم الله الرّحمٰن الرّحیم

الحمد لله الذي قدّر الكائنات، وربط بالأسباب المسبّبات، والصّلاةُ والسّلامُ على سيّد المتوكّلين سرّاً وجهراً، وإمام العالمين والمدبّرات أمراً، وعلى آله وصحبه الذين باطنُهم توكّل، وظاهرُهم في الكدّ والعمل [وبعد:]

فی الواقع عالم میں جو کچھ ہوتا ہے، سب اللہ عزوجل کی تقدیر سے ہے، قال تعالیٰ: ﴿ کُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴾[1] "ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے"۔ قال تعالیٰ: ﴿ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴾[2] "اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں"۔ قال تعالیٰ: ﴿ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴾[3] "اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو"۔۔۔ الی غیر ذلک من الآیات والاحادیث۔

دنیا عالم اسباب ہے

مگر تدبیر زنہار معطل نہیں، دنیا عالم اسباب ہے، رب جل مجدہٗ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق اس میں مسبَّبات کو اسباب سے ربط دیا اور سنّتِ الٰہیہ جاری ہوئی، کہ سبب کے بعد مسبّب پیدا ہو۔ جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کُفّار کی خصلت ہے، یونہی تدبیر کو محض عبث و مطرود و فضول و مردود بتانا، کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے، جس کی رُو سے صدہا آیات واحادیث سے اعراض، اور انبیاء و صحابہ وائمہ و اولیاء سب پر طعن واعتراض لازم آتا ہے۔ حضرات مرسلین۔صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین۔ سے زیادہ کس کا توکّل ہوگا؟! اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان ہوگا؟! پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے، اور اس کی راہیں بتاتے، اور خود کسبِ حلال میں سعی کر کے رزقِ طیب کھاتے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۴۸)

خود حضرت عزت۔جل مجدہٗ۔ نے قرآنِ عظیم میں تلاش و تدبیر اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کی ہدایت فرمائی، قال تعالیٰ: ﴿ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى٘ وَ اتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾[4] "اور توشہ ساتھ لو، کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے، اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو"۔ یمن کے کچھ لوگ بے زادِ راہ لیے حج کو آتے اور کہتے: ہم متوکّل ہیں، ناچار بھیک مانگنی پڑتی، حکم آیا: توشہ ساتھ لیا کرو!۔ کچھ اصحابِ کرام نے موسمِ حج میں تجارت سے اندیشہ کیا، کہ کہیں اخلاصِ نیت میں فرق نہ آئے! فرمان آیا: کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل ڈھونڈو!۔ اسی طرح تلاشِ فضلِ الٰہی کی آیتیں بکثرت ہیں۔

وقال تعالیٰ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[5] "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو! اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ!"۔ صاف حکم دیتے ہیں کہ رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈو! تاکہ مراد کو پہنچو! اگر تدبیر و اسباب معطل و مُہمل ہوتے تو اس کی کیا حاجت تھی؟! بلکہ انصاف کیجیے تو تدبیر کب تقدیر سے باہر ہے! وہ خود ایک تقدیر ہے، اور اس کا بجا لانے والا ہرگز تقدیر سے رُوگرداں نہیں۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۵۴)

---

(۱) پ۲۷، القمر: ۵۳۔
(۲) پ۲۲، یٰس: ۱۲۔
(۳) پ۷، الانعام: ۵۹۔
(۴) پ۲، البقرۃ: ۱۹۷، ۱۹۸۔
(۵) پ۶، المائدۃ: ۳۵۔

Ataunnabi.com

صحابہ کرام

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar
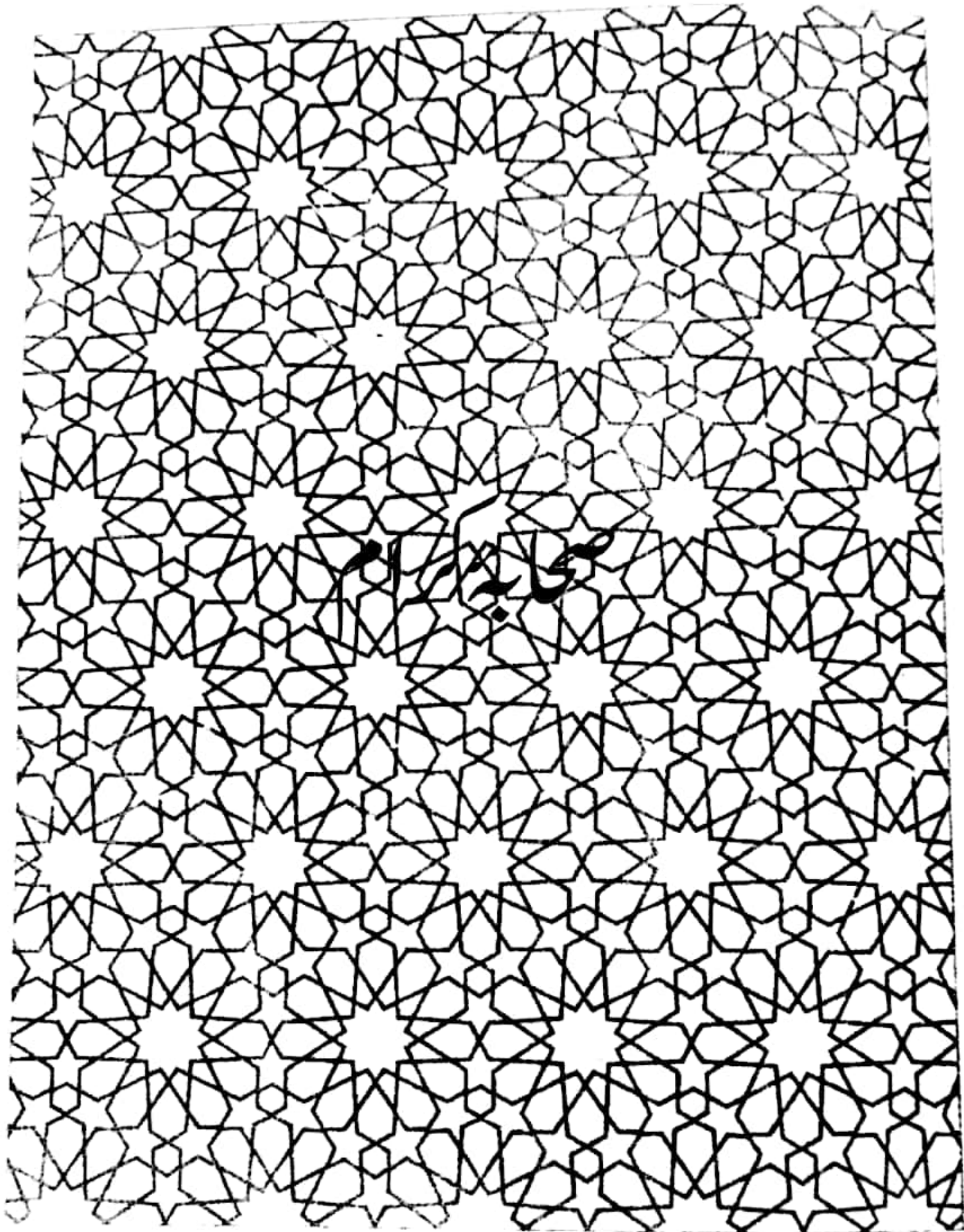
(۷) صحابۂ کرام

اصحاب سیّد المرسلین واہلِ بیت کرام

ان[1] کے بعد بڑی عزّت و منزلت اور قُربِ قبولِ اَحدیت پر فائز اصحابِ سیّد المرسلین۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ ہیں، اور انہیں میں حضرت بتول، جگر پارۂ رسول، خاتونِ جہاں، بانُوے جہاں، سیّدۃ النساء فاطمہ زَہراء شامل، اور اس دو جہاں کی آقازادی کے دونوں شہزادے، عرشِ اعظم کی آنکھ کے دونوں تارے، چرخِ سیادت[2] کے مہ پارے، باغِ تطہیر کے پیارے پھول، دونوں قرّۃ العینِ رسول، امامین کریمین[3]، سعیدین شہیدین[4] تقیین نقیین[5] نیرین قمرین[6] طاہرین[7] ابو محمد حضرت امام حسن وابو عبد اللہ حضرت امام حسین، اور تمام مادرانِ اُمّت، بانوانِ رسالت اُمّہات المؤمنین ازواجِ مطہّرات ۔علی المصطفٰی وعلیہم کلہم الصلاۃ والتحیۃ[8]۔داخل؛ کہ صحابی ہر وہ مسلمان ہے جو حالتِ اسلام میں اس چہرہ خُدانما[9] کی زیارت سے مشرّف ہوا، اور اسلام ہی پر دنیا سے گیا[10]۔ ان[11] کی قدر و منزلت وہی خُوب جانتا ہے جو سیّد المرسلین ﷺ کی عزّت و رفعت سے آگاہ ہے[12]۔ آفتاب نیم روز[13] سے رَوشن تر، کہ مُحب[14] جب قدرت پاتا ہے اپنے محبوب کو صحبتِ بد[15] سے بچاتا ہے[16]، حق تعالیٰ قادر مطلق ہے[17]، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اس کے محبوب

(۱) (ملائکہ مرسلین وسادات فرشتگان مقربین)۔
(۲) (آسمانِ کرامت)۔
(۳) (ہادیانِ باکرامت وباصفا)۔
(۴) (نیک بخت وشہیدانِ جفا)۔
(۵) (پاکدامن، پاک باطن)۔
(۶) (آفتاب رُخ وماہتاب رُو)۔
(۷) (پاک سیرت، پاکیزہ خو)۔
(۸) (ان صحابۂ کرام کے زمرہ میں)۔
(۹) (اور اس ذاتِ حق رسا)۔
(۱۰) (مرد ہو خواہ عورت، بالغ ہو خواہ نابالغ)۔
(۱۱) (اعلیٰ درجات والا مقامات)۔
(۱۲) (اس کا سینہ انوارِ عرفان سے منوّر، اور آنکھیں جمالِ حق سے مشرّف ہیں، حق پر چلتا، حق پر جیتا اور حق کے لیے مرتا ہے، اور قبولِ حق اس کا وطیرہ ہے)۔
(۱۳) (دوپہر کے چڑھتے سورج)۔
(۱۴) (سچا چاہنے والا)۔
(۱۵) (برے ہمنشینوں اور بدکار رفیقوں)۔
(۱۶) (اور مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا مانتا ہے کہ)۔
(۱۷) (اور ہر ممکن اس کے تحت قدرت ہے)۔

وسیدُ المحبوبین ہیں[1]، کیا عقلِ سلیم[2] تجویز کرتی اور جائز وگوارہ رکھتی ہے، کہ ایسا قدیر فعّالٌ لما یُرید (جو چاہے اور جیسا چاہے کرے) ایسے عظیم ذی وجاہت، جانِ محبوبی وکانِ عزّت[3] کے۔لیے خیارِ خلق کو)[4] جلیس وانیس[5] ویارو مددگار مقرّر نہ فرمائے![6] جو اِن میں سے کسی پر طعن کرتا ہے، جنابِ باری تعالی کے کمالِ حکمت وتمامِ قدرت[7]، یا رسول اللہ ﷺ کی غایتِ محبوبیت[8] ونہایتِ منزلت[9] پر حرف رکھتا ہے[10]، اسی لیے سرورِ عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«الله الله في أصحابي! لا تتّخذوهم غرضاً من بعدي! فمَن أحبَّهم فبحُبّي أحَبَّهم، ومَن أبغضَهم فببُغضي أبغضَهم، ومَن آذاهم فقد آذاني، ومَن آذاني فقد آذَى الله، ومَن آذَى اللهَ فيوشك أن يأخذَه»

خدا سے ڈرو! خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں! انہیں نشانہ نہ بنا لینا میرے بعد! جو انہیں دوست رکھتا ہے میری محبت سے انہیں دوست رکھتا ہے، اور جو اِن کا دشمن ہے میری عداوت سے ان کا دشمن ہے، جس نے انہیں اِیذا دی اس نے مجھے اِیذا دی، اور جس نے مجھے اِیذا دی اس نے اللہ کو اِیذا دی، اور جس نے اللہ کو اِیذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالی اس کو گرفتار کرلے۔ (یعنی زندہ عذاب وبلا میں ڈال دے) رواہ الترمذي[11] وغیرہ.

اب اے خارجیو! ناصبیو![12] کیا رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا اس ارشادِ عام، اور جنابِ باری تعالی نے آیۂ کریمہ ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ﴾[13] سے کہ "اللہ تعالی ان سے یعنی ان کی اطاعت واخلاص سے راضی، اور وہ اس سے یعنی

(۱) (تمام محبوبانِ بارگاہ کے سردار وسر کے تاج)۔
(۲) (بشرطیکہ وہ سلیم ہو)۔
(۳) (کہ جو ہوگیا، جو ہوگا، اور جو ہو رہا ہے، انہیں کی مرضی پر ہوا۔ انہیں کی مرضی پر ہوگا، اور انہیں کی مرضی پر ہو رہا ہے۔ ایسے محبوب ایسے مقبول)۔
(۴) (کہ انبیاء ومرسلین کے بعد تمام خلائق پر فائق ہوں۔ حضور کا صحابی)۔
(۵) (ہمنشین وغمخوار)۔
(۶) (نہیں ہرگز نہیں، تو جبکہ مولائے قادر وقدیر ﷻ نے انہیں، ان کی یاری ومددگاری، رفاقت وصحبت کے لیے منتخب فرمالیا تو اب)۔
(۷) (پر الزامِ نقص وناتمامی کا لگاتا ہے)۔
(۸) (کمالِ شانِ محبوبی)۔
(۹) (وہ انتہائے عزّت ووجاہت اور ان مراتبِ رفیعہ اور مناصبِ جلیلہ)۔
(۱۰) (جو انہیں بارگاہِ صمدیت میں حاصل ہیں، تو یہ مولائے قدّوس تعالی شانہ کی بارگاہ میں، یا اس کے محبوب ﷺ کی جنابِ پاک میں گستاخانہ زبان درازی ودریدہ دہنی ہے اور کھلی بغاوت)۔
(۱۱) "سنن الترمذي" كتاب المناقب، باب في من سبّ أصحاب النبي ﷺ، ر: ۳۸۸۸، ۵/ ٤٦٣. "مسند الإمام أحمد" عن عبد الله بن مغفل المزني، ۵/ ٥٤- ٥٧.
(۱۲) (حضراتِ ختنین وامامین جلیلین سے خصوصاً اپنے سینوں میں بغض وکینہ رکھنے، اور انہیں چنین وچناں کہنے والو!)۔
(۱۳) پ۱۱، التوبة: ۱۰۰۔

اس کے کرم وعطا سے راضی"۔ جناب ذو النورَین امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی، وحضرت اسد اللہ غالب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، وحضرات سبطین کریمین امام حسن وامام حسین -رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- (کو مستثنیٰ کر دیا، اور اس استثناء کو تمھارے کان میں پھونک دیا ہے)۔ یا اے شیعو! اے رافضیو! ان اَحکامِ شاملہ سے[1] خدا ورسول ﷺ وﷺ نے امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین جناب صدیق اکبر، وامیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین جناب فاروق اعظم، وامیر المؤمنین کامل الحیاء والایمان حضرت مجہّز جیش العسرۃ فی رضی الرحمن، عثمان بن عفّان، وجناب اُمّ المؤمنین، محبوبۂ سیّد العالمین طیّبہ طاہرہ عفیفہ عائشہ صدیقہ بنتِ صدیق، وحضرات طلحہ وزبیر ومُعاویہ...

(کہ اوّل کے بارے میں ارشاد وارد کہ "اے طلحہ! یہ جبریل ہیں تجھے سلام کہتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ میں قیامت کے ہَولوں میں تمھارے ساتھ رہوں گا"[2] اور ثانی کے باب میں ارشاد فرمایا: "یہ جبریل ہیں تجھے سلام کہتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ میں روزِ قیامت تمھارے ساتھ رہوں گا، یہاں تک کہ تمھارے چہرہ سے جہنم کی اڑتی چنگاریاں دُور کر دُوں گا"[3]۔ امام جلال الدّین سیوطی "جمع الجوامع" میں فرماتے ہیں: "سَنَدُہ صحیح" "اس حدیث کی سند صحیح ہے"۔ اور حضرت امیر مُعاویہ تواوّل ملوکِ اسلام اور سلطنتِ محمدیہ کے پہلے بادشاہ ہیں، اسی کی طرف تُورات مقدّس میں اشارہ ہے کہ "مولدُہ بمكة، ومهاجَرُہ طَيبة، ومُلكه بالشّام" "وہ نبی آخر الزماں ﷺ مکہ میں پیدا ہوگا، اور مدینہ کو ہجرت فرمائے گا، اور اس کی سلطنت شام میں ہوگی" (تو امیر مُعاویہ کی بادشاہی اگرچہ سلطنت ہے، مگر کس کی؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی)۔

...وغیرهم -رضوان اللہ تعالی علیهم إلی یوم الدّین- کو خارج کر دیا، اور تمھارے کان میں اللہ کے رسول نے چپ چاپ کہہ دیا، کہ "أصحابي" سے ہماری مراد اور آیت میں ضمیر "هُم" کے مصداق ان لوگوں کے سوا اَور دوسرے صحابہ ہیں، جو تم ان کے اے خوارج! اور اے روافض! دشمن ہوگئے؟! اور (عیاذًا باللہ) انہیں لعن طعن سے یاد کرنے لگے؟! اور شُومئ بخت سے نہ یہ جانا کہ یہ دشمنی در حقیقت رسول اللہ ﷺ سے دشمنی ہے، اور ان کی ایذاء حق تبارک وتعالیٰ کی ایذاء اور جہنم کا دائمی عذاب جس کی سزا، مگر اے اللہ! تیری برکت والی رحمت اور ہیشگی والی عنایت اس پاک فرقہ اہل سنّت وجماعت پر، جس نے تیرے محبوب ﷺ کے سب ہمنشینوں اور گلستانِ محبت کے گل چینوں کو ہمیشہ ہمیش کسی استثناء کے بغیر نگاہِ تعظیم واجلال (اور نظرِ تکریم وتوقیر) سے دیکھنا اپنا شِعار ودِثار، اور اپنی علامت ونشان کر لیا، اور سب کو چرخِ ہدایت کے ستارے اور فلکِ عزّت کے سیّارے جاننا عقیدہ کر لیا، کہ ہر ہر فرد بشر ان کا (بار ونیکوکار) سرورِ عدول، وأخیار وأتقیاء، وأبرار کا سردار اور امت کے تمام عدل گستر، عدل پرور، نیکوکار، پرہیزگار اور صالح بندوں کے سر کا تاج ہے، تابعین سے لے کر تا بقیامت امت کا کوئی ولی کیسے ہی پایۂ عظیم کو پہنچے، صاحبِ سلسلہ ہو خواہ غیر ان کا، ہرگز ہرگز ان میں سے

---

(۱) (کہ سب صحابہ کو شامل ہیں، اور جملہ صحابۂ کرام ان میں داخل ہیں)۔

(۲) "کنز العمّال" ر: ۳۶۷۳۶، ۱۳/ ۲٤٦.

(۳) "کنز العمّال" ر: ۳۳۲۹٤، ۱۱/ ٦۸۳.

ادنی سے ادنی کے رُتبہ کو نہیں پہنچتا، اور ان میں ادنی کوئی نہیں، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد صادق کے مطابق اَوروں کا کوہِ اُحد کے برابر سونا، ان کے نیم صاع تقریباً دو ۲ کلو جَو کے برابر نہیں[1]۔ جو قُربِ خُدا انہیں حاصل، دوسرے کو میسر نہیں، اور جو درجاتِ عالیہ یہ پائیں گے غیر کو ہاتھ نہ آئیں گے۔

اہلِ سنّت کے خواص تو خواص، عوام تک ان سب کو بالاجمال کہ کوئی فرد ان کا شمول سے نہ رہ جائے، از اوّل تا آخر پرلے درجے کا بِر و تقی، نیکوکار متّقی جانتے، اور تفاصیلِ اَحوال (کہ کس نے کس کے ساتھ کیا کیا اور کیوں کیا، اس) پر نظر حرام مانتے ہیں، جو فعل (ان حضرات صحابۂ کرام میں سے) کسی کا اگر ایسا منقول بھی ہوا، جو نظرِ قاصر و نگاہ کوتاہ بیں میں ان کی شان سے قدرے گرا ہوا ٹھہرے، (اور کسی کوتاہ نظر کو اس میں حرف زنی کی گنجائش ملے) اسے محملِ حَسن پر اتارتے ہیں، اور اسے ان کے خلوصِ قلب وحُسنِ نیت پر محمول کرتے ہیں، اور اللہ کا سچا قول: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾[2] سُن کر آئینہ دل میں زنگِ تفتیش کو جگہ نہیں دیتے، اور تحقیقِ اَحوالِ واقعی کے نام کا میل کچیل، دل کے آئینے پر چڑھنے نہیں دیتے۔

رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم حکم فرما چکے: «إذا ذكر أصحابي فأمسِكوا»[3] "جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو باز رہو!" سُوءِ عقیدت و بدگمانی کو قریب نہ پھٹکنے دو! تحقیقِ حال و تفتیشِ مآل میں نہ پڑو! ناچار اپنے آقا کا فرمان عالی شان، اور یہ سخت وعیدیں، ہَولناک تہدیدیں[4] سُن کر زبان بند کرلی، اور دل کو سب کی طرف سے صاف کرلیا، اور بلاچون وچرا جان لیا کہ ان کے رُتبے ہماری عقل سے وراہیں، پھر ہم اُن کے مُعاملات میں کیا دخل دیں؟! ان میں جو مُشاجَرات صورۃً نزاعات واختلافات واقع ہوئے، ہم ان کا فیصلہ کرنے والے کون؟!

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش رُموزِ مملکت خویش خسرواں دانند[5]

تُو خاک نشین گدا گر ہے اے حافظ! شور مت کر؛ کہ اپنی سلطنت کے بھید بادشاہ جانتے ہیں

؎ تیرا منہ ہے کہ تُو بولے یہ سرکاروں کی باتیں ہیں

حاشا! کہ ایک کی طرفداری میں دوسرے کو بُرا کہنے لگیں، یا ان نزاعوں میں ایک فریق کو دنیا طلب ٹھہرائیں، بلکہ بالیقین جانتے ہیں کہ وہ سب مصالحِ دین کے خواستگار تھے، اسلام ومسلمین کی سربلندی ان کا نصب العین تھی، پھر وہ مجتہد بھی تھے، تو

---

(۱) "صحيح البخاري" مناقب أصحاب النبي ﷺ، فضل أبي بكر بعد النبي ﷺ ۱/ ۵۱۸. "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب تحريم سبّ الصحابة، ۲/ ۳۱۰. "سنن ابن ماجه" فضل أهلِ بدر، صـ ۱۵. "سنن أبي داود" كتاب السنة، باب في النهي عن سبّ أصحاب رسول الله، ۲/ ۲۸٤.

(۲) پ۱۱، التوبہ: ۱۰۰۔

(۳) "المعجم الكبير" ر: ۱٤۲۷، ۲/ ۹٦.

(۴) (ڈراوے اور دھمکیاں)

(۵) "دیوانِ حافظ" ردیف شین: ص ۲۵۸۔

جس کے اجتہاد میں جو بات دینِ الٰہی و شرعِ رسالت پناہی جَلَّ جَلالُہٗ و ﷺ کے لیے اصلح وانسب[1] معلوم ہوئی اختیار کی، گو اجتہاد میں خطا ہوئی، اور ٹھیک بات ذہن میں نہ آئی، لیکن وہ سب حق پر ہیں، اور سب واجب الاحترام، ان کا حال بعینہ ایسا ہے جیسا فروعِ مذہب میں (خود علمائے اہلِ سنّت، بلکہ ان کے مجتہدین مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ، امام) شافعی وغیرہما کے اختلافات، نہ ہرگز ان مُنازعات کے سبب ایک دوسرے کو گمراہ فاسق جاننا، نہ ان کا دشمن ہو جانا، جس کی تائید مولیٰ علی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "إخواننا بغَوا علينا"[2] "یہ سب ہمارے بھائی ہیں، کہ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے"۔ مسلمانوں کو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ سب حضرات آقائے دوعالم ﷺ کے جاں نثار اور سچے غلام ہیں، خدا ورسول کی بارگاہوں میں معظّم و معزز اور آسمانِ ہدایت کے رَوشن ستارے ہیں: «أصحابي كالنّجوم»[3].

بالجملہ ارشاداتِ خدا ورسول -عزّ مجدُہٗ و ﷺ- سے اس پاک فرقہ اہلِ سنّت و جماعت نے اپنا عقیدہ اور ایسا یقین کرلیا، کہ سب صحابۂ کرام اچھے اور عدول و ثقہ، تقی، نقی، اَبرار خاصانِ پروَردگار ہیں، اوران مُشاجرات ونزاعات کی تفاصیل پر نظر گمراہ کرنے والی ہے، نظیر اس کی عصمتِ انبیاء -علیہم الصلاۃ والثنا- ہے؛ کہ اہلِ حق اہلِ اسلام، اہلِ سنّت وجماعت شاہراہِ عقیدت پر چل کر منزلِ مقصود کو پہنچے، اور اَربابِ غوایت واہلِ باطل تفصیلوں میں خَوض وناحق غور کرکے مغاکِ ضلالت اور بددینی کی گمراہیوں میں جا پڑے۔

کہیں دیکھا: ﴿وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾[4] کہ اس میں عصیاں اور بظاہر تعمیل حکمِ ربانی سے رُوگردانی کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی جانب کی گئی ہے۔ کہیں سنا: ﴿لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾[5] (جس سے ذنب یعنی گناہ وغفرانِ ذنب یعنی بخششِ گناہ کی نسبت کا حضور اقدس ﷺ کی جنابِ والا کی جانب گمان ہوتا ہے) کبھی موسیٰ (علیہ السلام) وقبطی قومِ فرعون) کا قصہ یاد آیا، کہ آپ نے قبطی کو آمادۂ ظلم پاکر ایک گھونسا مارا، اور وہ قبطی قعرِ گور میں پہنچا۔ کبھی حضرت داؤد (علیہ السلام) اور اُن کے ایک اُمّتی اوریا کا فسانہ سُن پایا، حالانکہ یہ اِلزام تھا یہود کا حضرت داؤد علیہ السلام پر، جسے انہوں نے خوب اُچھالا، اور زبان زد عوام الناس ہوگیا۔ حتی کہ بَربنائے شہرت بلاتحقیق وتفتیشِ اَحوال، بعض مفسّرین نے اس واقعہ کو مِن وعَن بیان فرما دیا، جبکہ امام رازی فرماتے ہیں کہ "یہ واقعہ میری تحقیق میں سراسر باطل ولغو ہے"[6]۔

غرض بے عقل بے دینوں اور بے دین بدعقلوں نے یہ افسانہ سُن پایا تو لگے چُون وچرا کرنے، تسلیم وگردن نہادوں کے زمرہ

---

(۱)(زیادہ مصلحت آمیز اور احوالِ مسلمین سے مناسب تر)۔
(۲) "السنن الكبرى" كتاب قتال أهل البغي، ۸/ ۱۷۳.
(۳) "كشف الخفاء" حرف الهمزة مع الصاد، ر: ۳۸۱، ۱/ ۱۱۸.
(۴) پ۱۶، طٰہٰ: ۱۲۱۔
(۵) پ۲۶، فتح: ۲۔
(٦) "مفاتيح الغيب" ("التفسير الكبير") صٓ، تحت الآية: ۲۳، ۲٦/ ۱٦٥.

سے اُترنے، پھر ناراضی خدا اور رسول کے سوا اور بھی کچھ پھل پایا؟ اور (اُلٹا) ﴿خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا﴾ [1] "اور تم بے ہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے، اور اتباعِ باطل میں ان کی راہ اختیار کی" نے ﴿وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [2] "مگر عذاب کا قول کافروں پر ٹھیک اُترا" کا دن دکھایا ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا﴾ [3] ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ [4]۔

مسلمان ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھیں، کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کبیرہ گناہوں سے مطلقاً، اور گناہِ صغیرہ کے عمداً اِرتکاب، اور ہر ایسے امر سے جو خَلق کے لیے باعث نفرت ہو، اور مخلوقِ خدا ان کے باعث ان سے دُور بھاگے، نیز ایسے افعال سے جو وجاہت و مروّت اور معززین کی شان و مرتبہ کے خلاف ہیں، قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں۔ اللّٰهم أثبت على الهدى إنّك أنت العلي الأعلى! "اے اللہ! ہم تجھ سے ہدایت پر ثابت قدمی مانگتے ہیں، بے شک تو ہی بلند و برتر ہے"۔

صحابۂ کرام کے باب میں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ حضرات رضی اللہ عنہم انبیاء نہ تھے، فرشتے نہ تھے کہ معصوم ہوں، ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں صادر ہوئیں، مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ و رسول کے اَحکام کے خلاف ہے، اللہ تعالی نے سورۂ حدید میں صحابۂ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں:

(۱) ﴿مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ (۲) ﴿اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا﴾ [5] یعنی ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرّف بایمان ہوئے، راہِ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا، جبکہ ان کی تعداد بھی بہت قلیل تھی، اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے، انہوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کر کے، اور اپنی جانوں کو خطروں میں ڈال ڈال کر، بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمت کی نذر کر دیا، یہ حضرات مہاجرین وانصار میں سے سابقین اوّلین ہیں، ان کے مَراتب کا کیا پوچھنا!۔

دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ ایمان لائے، راہِ مولا میں خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا۔ ان اہلِ ایمان نے اس اِخلاص کا ثبوت جہادِ مالی وقتالی سے دیا، جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی، اور مسلمان کثرتِ تعداد اور جاہ ومال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے، اجر اُن کا بھی عظیم ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان سابقون اوّلون والوں کے درجہ کا نہیں۔ اسی لیے قرآن عظیم نے ان پہلوں کو ان پچھلوں پر تفضیل دی اور پھر فرمایا: ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ [6] "ان سب سے اللہ تعالی نے بھلائی کا وعدہ فرمایا" کہ اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔ اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کے حق

(۱) پ۱۰، توبہ: ۶۹۔

(۲) پ۲۴، زمر: ۷۱۔

(۳) پ۷، انعام: ۸۰۔

(۴) پ۱۲، ہود: ۱۰۷۔

(۵) پ۲۷، حدید: ۱۰۔

(۶) پ۲۷، حدید: ۱۰۔

میں فرماتا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾[1] "وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں"۔ ﴿ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ﴾[2] "وہ جہنم کی بھنک تک نہ سنیں گے"۔ ﴿ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴾[3] "وہ ہمیشہ اپنی من مانتی جی بھاتی مرادوں میں رہیں گے"۔ ﴿ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ﴾[4] "قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی"۔ ﴿ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ "فرشتے ان کا استقبال کریں گے"۔ ﴿ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾[5] "یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا!"۔

رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ تعالیٰ بتاتا ہے، تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے، اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا، اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی آیت حدید میں اس کا منہ بھی بند کر دیا، کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا: ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴾[6] "اور اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرو گے" بایں ہمہ اس نے تمہارے اعمال جان کر حکم فرما دیا، کہ وہ تم سب سے جنّت بے عذاب، وکرامات و ثواب بے حساب کا وعدہ فرما چکا ہے، تو اَب دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے، کیا طعن کرنے والا اللہ تعالیٰ سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے؟ اس کے بعد جو کوئی کچھ بکے وہ اپنا سر کھائے اور خود جہنم میں جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی "نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض" میں فرماتے ہیں: جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے، وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کُتا ہے[7] ("احکام شریعت"[8] وغیرہ)۔

تنبیہ ضروری

صحابۂ کرام کا جب بھی ذکر ہو تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے

اہلِ سنّت کا یہ عقیدہ کہ "ونكف عن ذكر الصّحابة إلّا بخير"[9] یعنی "صحابۂ کرام کا جب بھی ذکر ہو تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے"، انہیں صحابۂ کرام کے حق میں جو ایمان وسنّت واسلام حقیقی پر تادمِ مرگ ثابت قدم رہے، اور صحابۂ کرام کے جمہور کے خلاف، اسلامی تعلیمات کے مقابل، اپنی خواہشات کے اتباع میں کوئی نئی راہ نہ نکالی، اور وہ بدنصیب کہ اس

---

(۱) پ۱۷، الانبیاء: ۱۰۱۔
(۲) پ۱۷، الانبیاء: ۱۰۲۔
(۳) پ۱۷، الانبیاء: ۱۰۲۔
(۴) پ۱۷، الانبیاء: ۱۰۳۔
(۵) پ۱۷، الانبیاء: ۱۰۳۔
(۶) پ۲۷، الحدید: ۱۰۔
(۷) "نسيم الرياض" الباب ۳، ۳/ ۴۳۰.
(۸) "احکام شریعت" حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عقیدہ، حصہ اوّل، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔
(۹) "شرح العقائد النسفية" صـ ۱۱٦.

سعادت سے محروم ہو کر اپنی دکان الگ جا بیٹھے، اور اہل حق کے مقابل قتال پر آمادہ ہو گئے، وہ ہرگز اس کا مصداق نہیں اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنگ جمل و صفین میں جو مسلمان ایک دوسرے کے مقابل آئے، ان کا حکم خطائے اجتہادی کا ہے، لیکن اہل نہروان جو مولا علی -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم- کی تکفیر کر کے بغاوت پر آمادہ ہوئے، وہ یقیناً فساق، فجار، طاغی وباغی تھے، اور ایک نئے فرقہ کے سائی وساعی جو خوارج کے نام سے موسوم ہوا، اور اُمّت میں نئے فتنے اب تک اسی کے دم سے پھیل رہے ہیں۔ ("سراج العوارف" وغیرہ). ("فتاوی رضویہ" ج ۱۸، ص ۲۴۳)

عشرۂ مبشّرہ وخلفائے اربعہ

اب ان سب میں افضل واعلیٰ واکمل حضرات عشرۂ مبشّرہ ہیں، وہ دس ۱۰ صحابی جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت وخوش خبری رسول اللہ ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں سنادی تھی، وہ عشرۂ مبشّرہ کہلاتے ہیں، یعنی حضرات خلفائے (۱تا۴) اربعہ راشدین، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوعبیدہ بن الجرّاح، ؎

دہ یار بہشتی اند قطعی	بوبکر و عمر، عثمان وعلی
سعد ست سعید وبوعبیدہ	طلحہ ست وزبیر وعبدالرحمن

اور ان میں خلفائے اربعہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- اور ان چار ۴ ارکان قصر ملّت[۱] وچار ۴ انہار باغ شریعت[۲] کے خصائص وفضائل، کچھ ایسے رنگ پر واقع ہیں کہ ان میں سے جس کسی کی فضیلت پر تنہا نظر کیجیے، یہی معلوم وتبادر ومفہوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہیں یہی ہیں، ان سے بڑھ کر کون ہوگا! ؎

علی الخصوص شمع شبستانِ ولایت، بہار چمنستانِ معرفت، امام الواصلین، سیّد العارفین[۳] خاتم خلافت نبوت، فاتح طریقت، مولی المسلمین، امیر المؤمنین ابو الائمۃ الطاہرین[۴] طاہر مطہّر، قاسم کوثر، اسد اللہ الغالب، مظہر العجائب والغرائب، مطلوب کل طالب، سیّدنا ومولانا علی بن ابی طالب -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، وحشرنا فی زمرتہ فی یوم عقیم- کہ اس جناب گردوں قباب[۵] کے مناقب جلیلہ، اوصافِ حمیدہ، محامد جمیلہ وخصائل حسنہ جس کثرت وشہرت کے ساتھ کثیر ومشہور، زبان زدعام وخواص) ہیں دوسرے کے نہیں۔

---

(۱) (ملّت اسلامیہ کے عالی شان محل کے چار ۴ ستونوں)۔
(۲) (اور گلستان شریعت کی ان چار ۴ نہروں)۔
(۳) (واصلانِ حق کے امام، اہلِ معرفت کے پیش رو)۔
(۴) (پاک طینت، پاکیزہ خصلت، اماموں کے جدِ امجد)۔
(۵) (جن کے قبہ کی کلس آسمان برابر ہے، ان)۔

پھر حضرات شیخین، صاحبین صہرین[1] وزیرین[2][3] (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)، امیرین[4] مشیرین[5] (ضجیعین ہم خواجہ اور دونوں اپنے آقا و مولیٰ کے پہلو بپہلو آج بھی معروفِ استراحت) رفیقین[6] سیدنا و مولانا عبد اللہ العتیق ابو بکر صدیق، وجناب حق مآب ابو حفص عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شانِ والا سب کی شانوں سے جدا ہے، اور ان پر سب سے زیادہ عنایت خدا اور رسولِ خدا جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ بعد انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین کے جو مرتبہ ان کا خدا کے نزدیک ہے دوسرے کا نہیں، اور رب عزوجل سے جو قرب و نزدیکی اور بارگاہِ عرش اشتباہ رسالت میں جو عزت و سربلندی ان کا حصہ ہے اَوروں کا نصیبا نہیں، اور منازل جنت و مواہب بے منت میں انہیں کے درجات سب پر عالی فضائل و فواضل[7] وحسنات طیبات[8] میں انہیں کو تقدم وپیشی[9]۔ ہمارے علماء و ائمہ نے اس باب میں مستقل تصنیفیں فرما کر سعادتِ کونین و شرافت دارین حاصل کی[10]، ورنہ غیر متناہی[11] اس کا شمار کس کے اختیار؟! واللہ العظیم! اگر ہزاروں دفتر ان کے شرح فضائل اور بسط فواضل میں لکھے جائیں، یکے از ہزار تحریر میں نہ آئیں، ع

"اور اس کے حُسن کی تعریف کرنے والوں کی عمدہ بیانی کی بنیاد پر زمانہ فنی ہوگیا

اور اس میں ایسی خوبیاں ہیں جنہیں بیان نہیں کیا جاسکتا!"

مگر کثرتِ فضائل و شہرتِ فواضل[12] چیزے دیگر[13]، اور فضیلت و کرامات[14] امرے آخر[15]، فضل اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) (کہ ان کی صاحبزادیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شرفِ زوجیت سے مشرف ہوئیں، اور امہات المؤمنین، مسلمانوں ایمان والوں کی مائیں کہلائیں)۔
(۲) (جیساکہ حدیث شریف میں وارد، کہ میرے دو ۲ وزیر آسمان پر ہیں: جبرائیل و میکائیل، اور دو ۲ وزیر زمین پر ہیں: ابو بکر و عمر)۔
(۳) "کنز العمال" ر: ۳۲۶۶۱، ۱۱/ ۵۶۳.
(۴) (کہ ہر دو ۲ امیر المؤمنین ہیں)۔
(۵) (دونوں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ کے رکن اعظم)۔
(۶) (ایک دوسرے کے یار و غمگسار)۔
(۷) (فضیلتوں اور خصوصی بخششوں)۔
(۸) (نیکیوں اور پاکیزگیوں)۔
(۹) (یہی سب پر مقدم، یہی پیش پیش)۔
(۱۰) (ان کے خصائل تحریر میں لائے، ان کے محاسن کا ذکر فرمایا، ان کے اوّلیات و خصوصیات گنائے)۔
(۱۱) (جو ہماری فہم و فراست کی رسائی سے ماوراء ہو)۔
(۱۲) (کثیر در کثیر فضیلتوں کا موجود، اور پاکیزہ و برتر عزتوں مرحمتوں کا مشہور ہونا)۔
(۱۳) (اور بات ہے)۔
(۱۴) (سب سے افضل اور بارگاہِ عزت میں سب سے زیادہ قریب ہونا)۔
(۱۵) (ایک اور بات ہے اس سے جدا و ممتاز)۔

ہاتھ ہے، جسے چاہے عطا فرمائے ﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾[1]۔ اس کی کتاب کریم اور اس کا رسول عظیم -علیہ وعلی آلہ الصلاۃ والتسلیم- علی الاعلان گواہی دے رہے ہیں، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد مولی علی -کرّم اللہ وجہہ الکریم- سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: «كنتُ عند النبي ﷺ فأقبلَ أبو بكر وعمرُ فقال: يا علي! هذان سيّدا كهول أهل الجنّة وشبابها، بعد النبيّين والمرسَلين»[2] رواه الترمذي، وابن ماجه وعبد الله بن الإمام أحمد. "میں خدمت اقدس حضور افضل الانبیاء ﷺ میں حاضر تھا کہ ابوبکر و عمر سامنے آئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی! یہ دونوں سردار ہیں اہل جنّت کے سب بوڑھوں اور جوانوں کے، بعد انبیاء و مرسَلین کے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سیّد المرسلین ﷺ سے راوی، حضور کا ارشاد ہے: «أبو بكر وعمر خيرُ الأوّلين والآخِرين، وخير أهل السماوات، وخير أهل الأرضين، إلّا النّبيين والمرسَلين»[3] رواه الحاكم في "الكنٰى" وابن عدي وخطيب. ابوبکر و عمر بہتر ہیں سب اگلوں پچھلوں سے، اور بہتر ہیں سب آسمان والوں سے، اور بہتر ہیں سب زمین والوں سے، سوا انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کے۔ خود حضرت مولی علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- نے بار بار اپنی کرسی مملکت و سطوت و دَبدَبہ خلافت میں افضلیت مطلقہ شیخین کی تصریح فرمائی، اور صاف صاف واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا، کہ یہ دونوں حضرات علی الاطلاق بلا قیدِ جہت و حیثیت تمام صحابۂ کرام سے افضل ہیں، اور یہ ارشاد ان سے بتواتر ثابت ہوا، کہ اسّی ۸۰ سے زیادہ صحابہ و تابعین نے اسے روایت کیا۔ اور فی الواقع اس مسئلہ افضلیت شیخ کریمین کو جیسا حق مآب مرتضوی نے صاف صاف واشگاف بکرّات و مرّات[4] جَلوات و خلوات[5] و مشاہد عامّہ و مساجد جامعہ کہ عامّۃ النّاس کی مجلسوں اور جامع مسجدوں میں ارشاد فرمایا، دوسروں سے واقع نہیں ہوا۔

(ازاں جملہ وہ ارشاد گرامی کہ) امام بخاری رحمہ اللہ، حضرت محمد بن حنفیہ صاحبزادہ جناب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے راوی "قال: قلتُ لأبي: أيُّ النّاس خيرٌ بعد النّبي ﷺ؟ قال: «أبو بكر» قال قلتُ: ثمّ مَن؟ قال: «عُمر»[6] یعنی میں نے اپنے والد ماجد امیر المؤمنین مولی علی -کرّم اللہ وجہہ- سے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد

(۱) پ۳، آل عمران: ۷۳۔

(۲) "مسند الإمام أحمد" عن علي رضي الله عنه: ۱/ ۸۰. "سنن الترمذي" أبواب المناقب، مناقب أبي بكر الصديق، ر: ۳۶۸۵، ۵/ ۳۷۶.

(۳) "كنز العمّال" بحوالة الحاكم في "الكنٰى" ر: ۳۲۶٤٥، ۱۱/ ۵٦۰. "الصواعق المحرقة" بحوالة الحاكم وابن عدي والخطيب: الباب ۳، الفصل ۳، صـ۱۱۹.

(۴) (بار بار موقع بہ موقع اپنی)۔

(۵) (عمومی محفلوں، خصوصی نشستوں)۔

(٦) "صحيح البخاري" مناقب أصحاب النبي ﷺ، باب فضل أبي بكر بعد النبي ﷺ، ۱/ ۵۱۸.

سب آدمیوں سے بہتر کون ہیں؟ارشاد فرمایا: "ابوبکر"، میں نے عرض کیا: پھر کون؟فرمایا: "عمر"۔

ابو عمر بن عبد اللہ، حکم بن حجل سے دار قطنی اپنی "سنن" میں راوی، جناب امیر المؤمنین علی-کرّم اللہ وجہہ تعالی- فرماتے ہیں: «لا أجد أحداً فضّلني على أبي بكر وعمر، إلّا جلدتُه حدّ المفتري»[1] "جسے میں پاؤں گا کہ شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مجھے افضل بتاتا، اور مجھے ان میں سے کسی پر فضیلت دیتا ہے، اسے مفتری افتراء و بہتان لگانے والے کی حد ماروں گا"، کہ اَسی ۸۰ کوڑے ہیں۔

ابوالقاسم طلحی "کتاب السنّۃ" میں جناب علقمہ سے راوی: "بلغ علياً أنّ أقواماً يفضّلونه على أبي بكر وعمر، فصعد المنبرَ فحمد الله وأثنى عليه، ثمّ قال: «أيها النّاس! إنّه بلغَني أنّ أقواماً يفضّلوني على أبي بكر وعمر، ولو كنتُ تقدّمتُ فيه لعاقبتُ فيه، فمَن سمعتُه بعد هذا اليوم يقول هذا فهو مفترٍ، عليه حدُّ المفتري» ثمّ قال: «إنَّ خيرَ هذه الأمّة بعد نبيِّها ﷺ أبو بكر، ثمّ عُمر، ثمّ اللهُ أعلَم بالخير بعده» قال: وفي المجلس الحَسن بن علي فقال: والله! لو سَمَّى الثالثَ لسمّى عثمان"[2].

یعنی جناب مولیٰ علی کو خبر پہنچی کہ لوگ انہیں حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تفضیل دیتے (اور حضرت مولیٰ کو ان سے افضل بتاتے) ہیں، پس منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: "اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر و عمر سے افضل بتاتے ہیں، اور اگر میں نے پہلے سے سنا ہوتا تو اسے میں سزا دیتا، یعنی پہلی بار تفہیم (و تنبیہ) پر قناعت فرماتا ہوں، پس اس دن کے بعد جسے ایسا کہتے سنوں گا، تو وہ مفترِی (بہتان باندھنے والا) ہے، اس پر مفتری کی حد لازم ہے، پھر فرمایا: "بے شک بہتر اس امت کے بعد ان نبی ﷺ کے ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر خدا خوب جانتا ہے بہتر کو ان کے بعد"۔ اور مجلس میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جلوہ فرما تھے، انہوں نے ارشاد کیا: خدا کی قسم! اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے۔

بالجملہ احادیثِ مرفوعہ، واقوالِ حضرت مرتضوی، واہل بیت نبوت اس بارے میں لاتعداد ولا تحصی، اور بے شمار ولا انتہاء ہیں، کہ بعض کی تفسیر فقیر نے اپنے رسالہ تفضیل میں کی۔ اب اہل سنت کے علمائے ذوی الاحترام نے ان احادیث و آثار میں جو نگاہ غور کو کام فرمایا، تو تفضیل شیخین کی صدہا تصریحیں[3] علی الاطلاق پائیں، کہیں جہت و حیثیت کی قید نہ دیکھی، کہ یہ صرف فُلاں حیثیت سے افضل ہیں، اور دوسری حیثیت سے دوسروں کو افضیلت حاصل ہے، لہذا انہوں نے عقیدہ کر لیا کہ گو فضائل خاصّہ و خصائص فاضلہ[4] حضرت مولیٰ علی مشکل کُشا-کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ- اور ان کے غیر کو بھی ایسے حاصل، اور بعطائے الٰہی وہ ان خصوصیات کے تنہا حامل، جو حضرات شیخین کریمین جلیلین نے نہ پائے، جیسے کہ اس کا عکس بھی صادق ہے کہ امیرَین

---

(۱) "الصواعق المحرقة" بحوالة "الدارقُطني" الباب ۳، صـ۹۱.
(۲) "إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" بحوالة أبي القاسم مسند علي بن أبي طالب، ۱/ ۶۸.
(۳) (سیکڑوں صراحتیں)۔
(۴) (مخصوص فضیلتیں اور فضیلت میں خصوصیتیں)۔

وزیرین کو وہ خصائصِ غالیہ اور فضائلِ عالیہ، بارگاہِ الٰہی سے مرحمت ہوئے کہ ان کے غیر نے اس سے کوئی حصّہ نہ پایا، مگر فضلِ مطلق کُلّی[1] جو کثرتِ ثواب وزیادتِ قُربِ ربّ الاَرباب سے عبارت ہے، وہ انہیں کو عطا ہوا، اوروں کے نصیب میں نہ آیا۔ (یعنی اللہ تعالی کے یہاں زیادہ عزّت و منزلت جسے کثرتِ ثواب سے بھی تعبیر کرتے ہیں، وہ صرف حضرات شیخین نے پائی، اس سے مراد اجر وانعام کی کثرت وزیادت نہیں، کہ بارہا مفضول کے لیے ہوتی ہے۔

حدیث میں ہمراہیانِ سیدّنا امام مہدی رضی اللہ عنہ کی نسبت آیا، کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے پچاس ۵۰ کا اجر ہے، صحابہ نے عرض کیا: ان میں کے پچاس ۵۰ کا یا ہم میں کے؟ فرمایا: "بلکہ تم میں کے"۔ تو اجر اُن کا زائد ہوا، انعام ومُعاوضۂ محنت انہیں زیادہ ملا، مگر افضلیت میں وہ صحابہ کے ہمسر بھی نہیں ہوسکتے، زیادت درکنار! کہاں امام مہدی کی رفاقت! اور کہاں حضور ﷺ کی صحابیت! اس کی نظیر بلا تشبیہ یوں سمجھیے کہ سلطان نے کسی مہم پر وزیر اور بعض دیگر افسروں کو بھیجا، اس کی فتح پر ہر افسر کو لاکھ لاکھ روپے انعام دیے، اور وزیر کو خالی پروانۂ خوشنودیٔ مزاج دیا، تو انعام انہیں افسروں کو زیادہ ملا، اور اجر ومُعاوضہ انہوں نے زیادہ پایا، مگر کہاں وہ اور کہاں وزیرِ اعظم کا اِعزاز!۔

اور یہ اہل سنّت وجماعت کا وہ عقیدہ ثابتہ محکمہ ہے، کہ اس عقیدہ کا خلاف اوّل تو کسی حدیث صحیح میں ہے ہی نہیں، اور اگر بالفرض کہیں بُوئے خلاف پائے بھی تو سمجھ لے کہ یہ ہماری فہم کا قصور ہے، اور ہماری کوتاہ فہمی، ورنہ رسول اللہ ﷺ اور خود حضرت مولی علی واہل بیت کرام "صاحب البيت أدرى بما فيه" کے مصداق، اَسرار خانہ سے مطّلع وواقف تر، کیوں بلا تقیید کسی جہت وحیثیت کی قید کے بغیر انہیں افضل وخیر امت وسردار اوّلین وآخرین بتاتے؟ کیا آیۂ کریمہ: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾[2] (تو ان سے فرمادو! کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے، اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں، اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلہ کریں، تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں!)۔ وحدیث صحیح: «مَن كنتُ مولاه فعليٌّ مولاه»[3] (جس کا میں مولا ہوں تو علی بھی اس کا مولا ہے) اور خبر شدید الضعف وقوی الجرح (نہایت درجہ ضعیف وقابلِ شدید جرح وتعدیل) «لحمُك لحمي ودمُك دمي»[4] (تمہارا گوشت میرا گوشت، اور تمہارا خون میرا خون ہے) برتقدیر ثبوت وغیر ذلک احادیث واخبار سے انہیں آگاہی نہ تھی۔ ہوش وحواس، علم وشعور اور فہم وفراست میں یگانہ روزگار ہوتے ہوئے، ان اَسرارِ درون خانہ سے یگانہ

---

(۱) (کسی جہت وحیثیت کا لحاظ کیے بغیر فضیلت مطلقہ کلّیہ)۔

(۲) پ ۳، آل عمران: ۶۱۔

(۳) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب علي رضي الله عنه، ۲/ ۲۱۳. "مسند الإمام أحمد" عن علي رضي الله عنه، ۱/ ۸۴، ۱۱۸ و۱۱۹ و۱۵۲. "سنن ابن ماجه" فضل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، صـ۱۲. "مستدرك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة من كنت مولاه فعلي مولاه، ۳/ ۱۱۰. "المعجم الكبير" ر: ۳۰۴۹، ۳/ ۱۸۹.

(٤) "كنز العمّال" ر: ۳۲۹۳۶، ۱۱/ ۶۰۷.

رہے اور اسی بیچارگی میں عمریں گزار دیں! یا انہیں آگاہی اور ان اسرار پر اطلاع تھی، تو وہ ان واضح الدلالۃ الفاظ کا مطلب نہ سمجھے، اور غیرت وشرم کے باعث اور کسی سے پوچھ نہ سکے، یا سمجھے، حقیقتِ حال سے آگاہ ہوئے، اور اس میں تفضیلِ شیخین کا خلاف پایا، مگر خاموش رہے اور جمہور صحابۂ کرام کے برخلاف عقیدہ رکھا، زبان پر اس کا خلاف نہ آنے دیا، اور حالانکہ یہ ان کی پاک جنابوں میں گستاخی اور ان پر تقیہ ملعونہ کی تہمت تراشی ہے، تو اب ہم کیونکر خلاف سمجھ لیں؟ کیسے کہہ دیں کہ ان کے دل میں خلاف تھا، زبان سے اقرار اور تصریحاتِ بیّنہ و قاطع الدلالۃ[1] و غیر محتملۃ الخلاف کو[2] کیسے پس پشت ڈال دیں؟ الحمد للہ رب العالمین کہ حق تبارک وتعالیٰ نے فقیر حقیر کو یہ ایسا جوابِ شافی تعلیم فرمایا، کہ منصف[3] کے لیے اس میں کفایت[4] اور متعصب کو وہ آتشِ غلو میں سلگتا، اور ضد ونفسانیت کی راہ چلتا ہے، اس میں غیظ بے نہایت ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ﴾[5] انہیں آتشِ غضب میں جلنا مبارک! (مسلمانانِ اہل سنّت کے نزدیک حضرت مولیٰ کی ماننا) یہی محبت علی مرتضیٰ ہے، اور اس کا بھی یہی تقاضا یہی مقتضی ہے کہ محبوب کی اطاعت کیجیے، اور اس کے غضب اور اسی کے کروڑوں کے استحقاق سے بچیے! (والعیاذ باللہ)۔

اللہ اللہ! وہ امام الصدیقین، اکمل اولیاء العارفین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت کو حقیقۃً جان پر مقدم رکھا، حالانکہ جان کا رکھنا سب سے زیادہ اہم فرض ہے، اگر بوجہِ ظلم عدو مُکابر وغیرہ نماز پڑھنے میں (معاذ اللہ) ہلاکِ جان کا یقین ہو، تو اس وقت ترکِ نماز کی اجازت ہوگی۔ یہی تعظیم ومحبت وجاں نثاری وپروانہ وارئ شمعِ رسالت -علیہ الصلاۃ والتحیۃ- ہے، جس نے صدیق اکبر کو بعد انبیاء ومرسلین -صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین- تمام جہان پر تفوق بخشا، اور ان کے بعد تمام عالم، تمام خلق، تمام اولیاء، تمام عرفاء سے افضل واکرم واکمل واعظم کر دیا۔

وہ صدیق جس کی نسبت حدیث میں آیا کہ "ابوبکر کو کثرتِ صوم وصلاۃ کی وجہ سے تم پر فضیلت نہ ہوئی، بلکہ اس سِر کے سبب جو اس کے دل میں راسخ ومتمکن ہے"[6]۔

وہ صدیق جس کی نسبت ارشاد ہوا: "اگر ابوبکر کا ایمان میری تمام اُمت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے، تو ابوبکر کا ایمان غالب آئے"[7]۔

وہ صدیق کہ خود ان کے مولائے اکرم وآقائے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی کا ہمارے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں ہے جس کا ہم نے عوض نہ کر دیا ہو، سوا ابوبکر کے، کہ ان کا ہمارے ساتھ وہ حسنِ سلوک ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں روز

---

(۱) (روشن صراحتیں قطعی دلالتوں)۔

(۲) (جن میں کسی خلاف کا احتمال نہیں، کوئی ہیر پھیر نہیں)۔

(۳) (انصاف پسند لوگوں)۔

(۴) (اس پر مطلب اس کی جگہ رہنمائی وہدایت کے لیے کافی)۔

(۵) پ۴، آل عمران: ۱۱۹۔

(٦) "كشف الخفاء" ر: ٢٢٢٦، ٢/ ١٧٠. "شعب الإيمان" ر: ٣٦، ١/ ٦٩.

(٧) "تاريخ الخلفاء" فصل فيما ورد من كلام الصحابة ...إلخ، صـ٧٨.

قیامت دے گا"[1]۔

وہ صدیق جس کی افضلیت مطلقہ پر قرآنِ کریم کی شہادت ناطقہ ہے کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾[2] "تم میں سب سے زیادہ عزّت والا اللہ کے حضور وہ ہے جو تم سب میں اتقی ہے"۔ اور دوسری آیۂ کریمہ میں صاف فرمادیا: ﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴾[3] "قریب ہے کہ جہنم سے بچایا جائے گا وہ اتقی"۔ بشہادتِ آیت اُولی ان آیات کریمہ سے وہی مراد ہے جو افضل واکرم امتِ مرحومہ ہے، اور وہ نہیں مگر اہل سنّت کے نزدیک صدیق اکبر۔ اور تفضیلیہ وروافض کے نزدیک یہاں امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، مگر اللہ تعالی کے لیے حمد کہ اس نے کسی کی تلبیس و تدلیس اور حق وباطل میں آمیزش وآویزش کو جگہ نہ چھوڑی، آیۂ کریمہ نے ایسے وصفِ خاص سے اتقی کی تعیین فرمادی، جو حضرت صدیق اکبر کے سوا کسی پر صادق آہی نہیں سکتا، فرماتا ہے: ﴿ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴾[4] "اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے"، اور دنیا جانتی مانتی ہے کہ وہ صرف صدیقِ اکبر ہی ہیں، جن کی طرف سے ہمیشہ بندگی وغلامی وخدمت ونیازمندی اور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے براہِ بندہ نوازی قبول وپذیرائی کا برتاؤ رہا، یہاں تک کہ خود ارشاد فرمایا کہ: "بے شک تمام آدمیوں میں اپنی جان ومال سے کسی نے ایسا سلوک نہیں کیا، جیسا ابو بکر نے کیا"[5]۔ جبکہ مولی علی نے مولائے کُل، سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، اور جو کچھ پایا بظاہر حالات یہیں سے پایا، تو آیۂ کریمہ ﴿ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴾[6] (اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے) سے مولا علی قطعاً مراد نہیں ہوسکتے، بلکہ بالیقین صدیقِ اکبر ہی مقصود ہیں، اور اسی پر اجماعِ مفسّرین موجود ہے۔

وہ صدیق جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیتِ حج کے بعد پہلے ہی سال میں امیر الحجاج مقرّر فرمایا، اور انہیں کو اپنے سامنے اپنے مرض الموت شریف میں اپنی جگہ امام مقرّر فرمایا۔ حضرت مولی علی مرتضی ۔کرّم اللہ تعالی وجہہ۔ کا ارشاد ہے، کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ہم نے غور کیا (تو اس نتیجہ پر پہنچے) کہ نماز تو اسلام کا رُکن ہے، اور اسی پر دین کا قیام ہے، اس لیے ہم نے اُمورِ خلافت کی انجام دہی کے لیے بھی اس پر رضامندی ظاہر کردی، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا، اور اسی لیے ہم نے ابو بکر کی بیعت کرلی[7]۔

اور فاروق اعظم تو فاروق اعظم ہیں رضی اللہ عنہ! وہ فاروق جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ "اللّٰھمّ أعز

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، ۲/ ۲۰۷.

(۲) پ۲۶، حجرات: ۱۳۔

(۳) پ۳۰، لیل: ۱۷۔

(۴) پ۳۰، لیل: ۱۹۔

(۵) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، ۲/ ۲۰۷.

(۶) پ۳۰، لیل: ۱۹۔

(۷) "الصواعق المحرقة" الباب ۱، الفصل ٤، صـ۴۳.

الإسلامَ بعمر بن خطّاب خاصّة»(۱) "الٰہی! اسلام کی خاص عمر بن خطاب کے اسلام سے عزّتیں بڑھا"، اس دعائے کریم کے باعث عمر فاروق اعظم کے ذریعہ سے جو جو عزّتیں اسلام کو ملیں، جو جو بلائیں اسلام ومسلمین سے دفع ہوئیں، مخالف مُوافق سب پر رَوشن ومبین ہیں، ولہذا سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ «ما زلنا أعزةً منذ أسلَم»(۲) "ہم ہمیشہ معزّز رہے جب سے عمر اسلام لائے"۔

وہ فاروق جن کے حق میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا"(۳) رضی اللہ عنہ، (یعنی آپ کی فطرت اتنی کاملہ تھی کہ اگر دروازۂ نبوت بند نہ ہوتا، تو محض فضلِ الٰہی سے وہ نبی ہوسکتے تھے، کہ اپنی ذات کے اعتبار سے نبوت کا کوئی مستحق نہیں)۔

وہ فاروق جن کے بارے میں ارشادِ محبوب رب العالمین موجود کہ: "عمر کہیں ہو حق اس کی رفاقت میں رہے گا"(۴)۔

وہ فاروق جن کے لیے صحابۂ کرام کا اِجماع کہ "عمر علم کے نَو حصے لے گئے"(۵)، جبکہ ابو بکر صدیق صحابہ میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔

وہ فاروق کہ جس راہ سے وہ گزر جائیں شیاطین کے دل دہل جائیں(۶)۔

وہ فاروق کہ جب وہ اسلام لائے، ملأ اعلی کے فرشتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تہنیت ومبارکبادیوں کی ڈالیاں نذرانے میں پیش کیں(۷)۔

وہ فاروق کہ ان کے روزِ اسلام سے اسلام ہمیشہ عزّتیں اور سربلندیاں ہی پاتا گیا، ان کا اسلام فتح تھا، ان کی ہجرت نصرت، اور ان کی خلافتِ رحمت رضی اللہ عنہ، اور جب ثابت ہوگیا کہ قربِ الٰہی (معرفت وکثرت ثواب میں) شیخین رضی اللہ عنہما کو مزیّت وتفوّق (زیادت وفَوقیت) ہے، تو ولایت (خاصہ جو کہ ایک قُربِ خاص ہے، کہ مولی تعالی اپنے برگزیدہ بندوں کو محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرماتا ہے، یہ) بھی انہیں کی اعلی ہوئی (اور ولایتِ شیخین، جملہ اکابر اولیاء کی ولایت سے بالا)۔

ہاں مگر ایک درجہ قُربِ الٰہی -جلّ جلالہ ورزقنا اللہ- کا (ضروریُ اللحاظ، اور خصوصاً حضرات علماء وفضلائے اُمّت کی توجہ کا مستحق ہے، اور وہ یہ ہے کہ مرتبۂ تکمیل پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جانب کمالات نبوّت حضرات شیخین کو قائم فرمایا، اور جانبِ کمالاتِ ولایت حضرت مولا علی مشکل کشا کو۔ تو جملہ اولیائے مابعد نے مولی علی ہی کے گھر سے نعمت پائی، انہیں کے دستِ نگر

(۱) "سنن ابن ماجه" فضل عمر رضي الله عنه، صـ۱۱.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب مناقب أصحاب النبي ﷺ، مناقب عمر بن خطاب رضي الله عنه، ۱/ ۵۲۰.

(۳) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، مناقب عمر بن خطاب رضي الله عنه، ۲/ ۲۰۹.

(٤) "كنز العمّال" ر: ۳۲۷۱۵ و ۳۲۷۳۵، ۱۱/ ۵۷۳ و۵۷۷.

(٥) "تاريخ الخلفاء" ذكر عمر بن الخطاب، فصل في أقوال الصحابة فيه، صـ۹۸.

(٦) "صحيح البخاري" مناقب عمر فاروق رضي الله عنه، ۱/ ۵۲۰.

(۷) "كنز العمال" ر: ۳٦۷۳۸، ۱۱/ ۵٦۷.

الإسلامَ بعمر بن خطّاب خاصّة»[1] "الٰہی! اسلام کی خاص عمر بن خطاب کے اسلام سے عزتیں بڑھا"، اس دعائے کریم کے باعث عمر فاروق اعظم کے ذریعہ سے جو جو عزتیں اسلام کو ملیں، جو جو بلائیں اسلام و مسلمین سے دفع ہوئیں، مخالف مُوافق سب پر روشن و مبین ہیں، ولہذا سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ «ما زلنا أعزةً منذ أسلَم»[2] "ہم ہمیشہ معزز رہے جب سے عمر اسلام لائے"۔

وہ فاروق جن کے حق میں خاتم النبیین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا"[3] رضی اللہ تعالی عنہ، یعنی آپ کی فطرت اتنی کاملہ تھی کہ اگر دروازۂ نبوت بند نہ ہوتا، تو محض فضلِ الٰہی سے وہ نبی ہوسکتے تھے، کہ اپنی ذات کے اعتبار سے نبوت کا کوئی مستحق نہیں)۔

وہ فاروق جن کے بارے میں ارشادِ محبوب رب العالمین موجود کہ: "عمر کہیں ہو حق اس کی رفاقت میں رہے گا"[4]۔

وہ فاروق جن کے لیے صحابۂ کرام کا اِجماع کہ "عمر علم کے نَو حصے لے گئے"[5]، جبکہ ابوبکر صدیق صحابہ میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔

وہ فاروق کہ جس راہ سے وہ گزر جائیں شیاطین کے دل دہل جائیں[6]۔

وہ فاروق کہ جب وہ اسلام لائے، ملأ اعلی کے فرشتوں نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تہنیت و مبارکبادیوں کی ڈالیاں نذرانے میں پیش کیں[7]۔

وہ فاروق کہ ان کے روزِ اسلام سے اسلام ہمیشہ عزتیں اور سربلندیاں ہی پاتا گیا، ان کا اسلام فتح تھا، ان کی ہجرت نصرت، اور ان کی خلافتِ رحمت رضی اللہ تعالی عنہ، اور جب ثابت ہوگیا کہ قربِ الٰہی (معرفت و کثرت ثواب میں) شیخین رضی اللہ تعالی عنہما کو مزیّت و تفوّق (زیادت و فوقیت) ہے، تو ولایت (خاصہ جو کہ ایک قُربِ خاص ہے، کہ مولی تعالی اپنے برگزیدہ بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے، یہ) بھی انہیں کی اعلی ہوئی (اور ولایتِ شیخین، جملہ اکابر اولیاء کی ولایت سے بالا)۔

ہاں مگر ایک درجہ قُربِ الٰہی -جل جلالہ ورزقنا اللہ- کا (ضروریُ اللحاظ، اور خصوصاً حضرات علماء و فضلائے اُمّت کی توجہ کا مستحق ہے، اور وہ یہ ہے کہ مرتبۂ تکمیل پر حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جانبِ کمالاتِ نبوت حضرات شیخین کو قائم فرمایا، اور جانبِ کمالاتِ ولایت حضرت مولا علی مشکل کشا کو۔ تو جملہ اولیائے مابعد نے مولی علی ہی کے گھر سے نعمت پائی، انہیں کے دستِ نگر

---

(۱) "سنن ابن ماجه" فضل عمر رضي الله عنه، صـ۱۱.
(۲) "صحيح البخاري" كتاب مناقب أصحاب النبي ﷺ، مناقب عمر بن خطاب رضي الله عنه، ۱/ ۵۲۰.
(۳) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، مناقب عمر بن خطاب رضي الله عنه، ۲/ ۲۰۹.
(٤) "كنز العمّال" ر: ۳۲۷۱۵ و ۳۲۷۳۵، ۱۱/ ۵۷۳ و۵۷۷.
(٥) "تاريخ الخلفاء" ذكر عمر بن الخطاب، فصل في أقوال الصحابة فيه، صـ۹۸.
(٦) "صحيح البخاري" مناقب عمر فاروق رضي الله عنه، ۱/ ۵۲۰.
(۷) "كنز العمال" ر: ۳٦۷۳۸، ۱۱/ ۵٦۷.

تھے، انہیں کے دستِ نگر ہیں، اور انہیں کے دستِ نگر رہیں گے) پُر ظاہر ہے کہ سَیرالی اللہ میں تو سب اولیاء برابر ہوتے ہیں، اور وہاں ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾[1] (ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے) کی طرح "لا نفرّق بين أحدٍ من أوليائه" (ہم اس کے دوستوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے) کہا جاتا ہے، (یعنی تمام اولیاء اللہ اصل طریقِ ولایت یعنی سَیرالی اللہ میں برابر ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے پر سبقت وفضیلت کا قول باعتبار سَیرفی اللہ کیا جاتا ہے، کہ جب سالک عالَمِ لاہُوت پر پہنچا، سَیر وسُلوک تمام ہوا، یعنی سَیرالی اللہ سے فراغت کے بعد سَیرفی اللہ ہوتی ہے، اور اس کی نہایت وحَد نہیں) جب عالَمِ لاہُوت پر پہنچ کر ماسوائے الٰہی آنکھوں سے گِر گیا، اور مرتبۂ فنا تک پہنچ کر آگے قدم بڑھا، تو وہ سَیر فی اللہ ہے، اس کے لیے انتہاء نہیں، اور یہیں تفاوتِ قُرب[2] جلوہ گر ہوتا ہے، جس کی سَیرفی اللہ زائد وہی خدا سے زیادہ نزدیک۔ پھر بعضے بڑھتے چلے جاتے ہیں (اور جذبِ الٰہی انہیں اپنی جانب کھینچتا رہتا ہے، ان کی یہ سَیر کبھی ختم نہیں ہوتی) اور بعض کو دعوتِ خَلق ورَہنمائیِ مخلوقِ الٰہی کے لیے منزلِ ناسُوتی عطا فرماتے ہیں، جسے عالَمِ شہادت وعالَمِ خَلق وعالَمِ جسمانی وغیرہ بھی کہتے ہیں، اور اس منزل میں تعلّق مع اللہ کے ساتھ ان میں خلائق سے علاقہ پیدا کر دیا جاتا ہے، اور وہ خلقِ خدا کی ہدایت کی طرف بھی متوجہ رہتے ہیں، ان سے طریقہ خرقہ وبیعت کا رَواج پاتا ہے، اور سلسلۂ طریقت جنبش میں آتا ہے، مگر یہ معنی اسے مستلزِم نہیں[3]، ان کی سَیرفی اللہ اگلوں سے بڑھ جائے۔ (اور یہ دعوتِ خَلق ورَہنمائیِ مخلوق کے باعث بارگاہِ الٰہی میں ان سے سِوا عزّت ومنزلت اور ثواب میں کثرت پاجائیں)۔

ہاں یہ ایک فضل جداگانہ ہے کہ انہیں ملا، اور دوسروں کو عطا نہ ہوا، تو یہ کیا اور اسی کی تخصیص کیسی؟! اس کے سِوا صدہا خصائص حضرت مولیٰ کو ایسے ملے کہ شیخین کو نہ ملے!۔ مگر بارگاہِ الٰہی میں قرب ورفعتِ درجات میں انہیں کو افزونی رہی، انہیں کو مزیّت ملی، اور انہیں کے قدم پیش پیش رہے، ورنہ کیا وجہ ہے کہ ارشاداتِ مذکورہ بالا میں انہیں ان سے افضل وبہتر کہا جاتا ہے؟! اور وہ بھی علی الاِطلاق کسی جہت وحیثیت کی قید کے بغیر! اور ان (یعنی حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ -کرّم اللہ وجهه الأسنى- کی افضلیت اور ان کی ان حضرات پر تفضیل) کا بتاکیدِ اکید (مؤکد در مؤکد) انکار کیا جاتا ہے! حالانکہ ادنیٰ ولی اعلیٰ ولی سے افضل نہیں ہوسکتا ہے، آخر دیکھیے حضرت امیر مولیٰ علی -کرّم اللہ وجهه الکریم- کے خلفائے کرام میں حضرت سبطِ اصغر سیّدنا امام حسین وجناب خواجہ حَسن بصری کو تنزّل ناسُوتی ملا، اور حضرت سبطِ اکبر سیّدنا امام حَسن رضی اللہ تعالی عنہ سے صرف ایک سلسلہ جاری ہوا، حالانکہ قربِ ولایت امام مجتبیٰ سیّدنا امام حَسن رضی اللہ تعالی عنہ ولایت وقربِ خواجہ حَسن بصری سے بالیقین اتمّ واعلیٰ، بر تر وبالا، اور ظاہر احادیث سے سبطِ اصغر شہزادۂ گلگلوں قبا، شہیدِ کرب وبلا پر بھی ان کا فضل ثابت، رضي الله تعالى عنهم أجمعين۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۵۱)

---

(۱) پ۳، بقرہ: ۲۸۵۔

(۲) (بارگاہِ الٰہی میں عزّت ومنزلت اور کثرتِ ثواب میں فرق)۔

(۳) (اور اس سے یہ لازم نہیں آتا)۔

افضل البشر بعد الانبیاء علی الاطلاق ابو بکر صدیق ہیں

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما بوجہ جزئیت کریمہ، ایک فضل جزئی حضرات عالیہ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم پر رکھتے ہیں، اور مرتبہ حضرات خلفاء کا اعظم واعلی ہے تو حق ہے، مگر کسی نے اپنی جہالت سے فضل کلی سبطین کو دیا، اور افضل البشر بعد الانبیاء ابو بکر الصدیق کو عام مخصوص منہ البعض ٹھہرایا، اور انہیں امیر المؤمنین مولی علی سے افضل کہا، تو یہ سب باطل اور خلاف اہل سنّت ہے، اس عقیدۂ باطلہ سے توبہ فرض ہے، ورنہ وہ سنّی نہیں۔ اور اس کی دلیل محض مردود وذلیل ہے، اگر جزئیت موجب افضلیت مرتبہ عند اللہ ہو، تو لازم کہ آج کل کے بھی سارے میر صاحب (اگرچہ کیسے ہی فسق وفجور میں مبتلا ہوں) اللہ تعالی کے نزدیک امیر المؤمنین مولی علی سے افضل واعلی ہوں، اور یہ نہ کہے گا مگر جاہل اجہل مجنون یا ضالّ مضِلّ مفتون، قال اللہ ﷻ: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[1] "تم فرمادو: کیا برابر ہوجائیں گے عالم اور بے علم؟!"۔

اور فرماتا ہے: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾[2] "اللہ بلند فرمائے گا تم میں سے مؤمنوں اور بالخصوص عالموں کے درجے"۔ تو عند اللہ فضلِ علم فضلِ نسب سے اشرف واعظم ہے، یہ میر صاحب کہ عالم نہ ہوں اگرچہ صالح ہوں، آج کل کے عالم سُنّی صحیح العقیدہ کے مرتبہ کو شرعاً نہیں پہنچتے، نہ کہ ائمہ، نہ کہ صحابہ، نہ کہ مولی علی، نہ کہ صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ "تنویر الأبصار" و"در مختار" میں ہے: "للشّاب العالم أن يتقدّم على الشيخ الجاهل ولو قريشاً، قال تعالى: ﴿وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ فالرافع هو الله، فمن يضعه يضعه اللهُ في جهنّم"[3].

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۶۴)

ولہذا رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے سرداریٔ حضرات سبطین کریمین کو حفظِ تعمیم کے لیے جوانانِ اہلِ جنّت سے خاص فرمایا: «الحسنُ والحسَين سيّدا شبابِ أهل الجنّة» "حسن وحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما جنّتی جوانوں کے سردار ہیں"؛ کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شامل نہ ہو، اور متعدد صحیح حدیثوں میں اسی کے تتمہ میں فرما دیا: «وأبو هما خيرٌ منهما» "حسن وحسین جوانانِ اہلِ جنّت کے سردار ہیں، اور ان کے باپ ان سے افضل ہیں"۔ رواه ابن ماجه والحاكم[4] عن ابن عمر، والطبراني في "الكبير" عن قرة بن إياس بسندٍ حَسنٍ، وعن مالك بن الحويرث والحاكم، وصحّحه عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنهم.

اور ارشاد ہوا: «أبو بكر وعمر خيرُ الأوّلين والآخِرين، وخيرُ أهل السماوات وخيرُ أهل

---

(1) پ۲۳، زمر: ۹۔

(2) پ۲۸، مجادلۃ: ۱۱۔

(3) "الدر المختار" مسائل شتّى، ۲/ ۳۵۱.

(4) "سنن ابن ماجه" فضل علي ابن أبي طالب رضي الله عنه، صـ ۲. "مستدرك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ۳/ ۱۶۸. "المعجم الكبير" ر: ۶۵۰، ۱۹/ ۲۹۲.

الأرضين، إلا النبيّين والمرسلين»[1] "ابوبکر و عمر سب اگلوں پچھلوں سے افضل ہیں، اور سب آسماں والوں اور سب زمین والوں سے افضل ہیں، سوا انبیاء و مرسلین کے، علیہم الصلاۃ والتسلیم۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۶۵)

تکمیل: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سولہ ۱۶ برس کی عمر میں سیّدعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے

بحمد اللہ تعالیٰ یہی فضل اجل واجمل، بلکہ اس سے بھی اعلیٰ واکمل، نصیب حضرت امیر المؤمنین، امام المشاہدین، افضل الاولیاء المحمدیین، سیّدنا و مولانا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، حکم تبعیت توانہیں وُجوہِ بالا سے باطل ہے، چند برس کی عمر شریف ہوئی، کہ پر تو شانِ خلیل اللّٰہی بُت خانہ میں بُت شکنی فرمائی، ان کے والد ماجد سیّدنا ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ وہ بھی صحابی ہوئے) اس زمانۂ جاہلیت میں انہیں بُت خانے لے گئے اور بتوں کو دکھا کر کہا: هذه آلهتُك الشم العلي، فاسجدْ لها! "یہ تمھارے بلند وبالا خُدا ہیں، انہیں سجدہ کرو!" وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے، سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قضائے مبرَم کی طرح بُت کے سامنے تشریف لائے، اور براہِ اظہارِ عجزِ صنم وجہلِ صنم پرست ارشاد فرمایا: إنّي جائعٌ فأطعمني! "میں بُھوکا ہوں مجھے کھانا دے!" وہ کچھ نہ بولا، فرمایا: إنّي عارٍ فاكسني! "میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا!" وہ کچھ نہ بولا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا: میں تجھ پر پتھر ڈالتا ہوں، فإن كنتَ إلٰهاً فامنعْ نفسَك! "اگر تو خُدا ہے تو اپنے آپ کو بچا!" وہ اب بھی نِرا بُت بنا رہا، آخر بقوت صدیقی پتھر پھینکا کہ وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گرا، والد ماجد واپس آتے تھے، یہ ماجرا دیکھا، کہا: اے میرے بچے! یہ کیا کیا؟ فرمایا: وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں؟ وہ انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (کہ یہ صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے، اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا، انہوں نے فرمایا: اس بچے سے کچھ نہ کہو، جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا، میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے: «يا أمةَ الله على التحقيق! أبشري بالولد العتيق، اسمُه في السماء الصّديق، لمحمّد صاحب ورفيق» رواه القاضي أبو الحسين أحمد بن محمّد الزبيدي بسندِه في "معالي الفرش إلى عوالي العرش"[2]. وقد ذكرنا الحديثَ بطوله في كتابنا المبارك إن شاء الله تعالى "مَطلع القمرَين في إبانة سبقة العمرَين" "اے اللہ کی سچی لونڈی تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی! اس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔

سولہ ۱۶ برس کی عمر میں حضور پُرنُور سیّدعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے، اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں، روزِ قیامت دست بدست حضور اٹھیں گے، سایہ کی طرح ساتھ ساتھ داخل خُلدِ بریں ہوں گے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے فوراً بے تأمل ایمان لائے، ولہذا سیّدنا امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "لم يزل

(۱) "كنز العمّال" ر: ۳۲٦٤٥، ۱۱/ ٥٦۰.
(۲) "إرشاد الساري" مناقب الأنصار، باب إسلام أبي بكر الصّديق رضي الله عنه، تحت ر: ۳۸۸٥٦، ۸/ ۳۷۰، ۳۷۱.

أبو بكر الصّديق ﷺ بعين الرّضا منه"(۱).

امام قسطلانی "ارشاد الساری شرح صحیح البخاری" میں فرماتے ہیں: "اختلف النّاسُ في مراده بهذا الكلام، فقيل: لم يزل مؤمناً قبل البعثة وبعدها، وهو الصّحيح المرتضى "(۲).

امام اجل سید ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی -قدّس سرہ الملکی- فرماتے ہیں: "الصّوابُ أن يقال: إنّ الصّديق ﷺ لم يثبت عنه حالةَ كفرٍ بالله، كما ثبتت عن غيره ممن آمَن، وهو الّذي سمعناه من أشياخنا، ومَن يقتدَى به، وهو الصّوابُ إن شاء الله تعالى"(۳). ("فتاوی رضویہ"ج۱۹، ص۴۷۰)

حضرت امیر المؤمنین، مولی المسلمین، امام الواصلین، سیدنا علی المرتضی مشکل کشا -کرّم اللہ تعالی وجہہ الاسنی- اور حضرت امیر المؤمنین، امام المشاہدین، افضل الاولیاء المحمدیین، سیّدنا و مولانا صدیق اکبر عتیق اطہر -علیہ الرضوان الاجل الاظہر- دونوں حضرات عالم ذرّیت سے روزِ ولادت، روزِ ولادت سے سنّ تمیز، سنّ تمیز سے ہنگام ظہورِ پُرنور آفتاب بعثت، ظہورِ بعثت سے وقتِ وفات، وقتِ وفات سے ابدالآباد تک، بحمداللہ تعالی موحد و مُوقِن و مسلم و مؤمن و طیب و زکی و طاہر و نقی تھے، اور ہیں، اور رہیں گے، کبھی کسی وقت، کسی حال میں، ایک لحہ، ایک لحظہ، ایک آن کو لَوثِ کفر و شرک وانکار ان کے پاک مبارک ستھرے دامنوں تک اصلاً نہ پہنچا نہ پہنچے، والحمد للہ رب العالمین!۔

عالمِ ذُرّیت سے روزِ ولادت تک اسلام میثاقی تھا کہ ﴿ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۚ قَالُوْا بَلٰى ﴾(۴) "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟! انہوں نے کہا: کیوں نہیں!۔

روزِ ولادت سے سنِ تمیز تک اسلام فطری کہ: «كلُّ مولودٍ يُولَد على الفطرة»(۵). ("فتاوی رضویہ"ج۱۹، ص۴۷۲)

سنِ تمیز سے روزِ بعثت تک ان حضرات نے زمانۂ فترت میں کبھی بُت کو سجدہ نہیں کیا

سنِ تمیز سے روزِ بعثت تک اسلام توحیدی، کہ ان حضراتِ والاصفات نے زمانۂ فترت میں بھی کبھی بُت کو سجدہ نہ کیا، کبھی غیرِ خدا کو خدا نہ قرار دیا، ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا، ایک ہی سے کام رہا، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء، والله ذو الفضل العظيم.

---

(۱) انظر: "إرشاد السّاري" باب إسلام أبي بكر الصّديق ﷺ، تحت ر: ۳۸۸۵٦، ۸/ ۳۷۰ نقلاً عن الأشعري.
(۲) "إرشاد السّاري" باب إسلام أبي بكر الصّديق ﷺ، تحت ر: ۳۸۸۵٦، ۸/ ۳۷۰.
(۳) انظر: "إرشاد السّاري" باب إسلام أبي بكر الصّديق ﷺ، تحت ر: ۳۸۸۵٦، ۸/ ۳۷۰ نقلاً عن السبكي.
(۴) پ۹، اعراف: ۱۷۲۔
(۵) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين، ۱/ ۱۸۵. "سنن أبي داود" كتاب السنة، ۲/ ۲۹۲. و"سنن الترمذي" أبواب القدر، ۲/ ۳٦. "مسند الإمام أحمد" عن أبي هريرة ﷺ، ۲/ ۲۳۳.

پھر ظہور بعثت سے اَبدالآباد تک حال توظاہر و قطعی و متواتر ہے، والحمد للہ رب العالمین!.

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۷۴)

ثم اقول وباللہ التوفیق: ظاہر ہے کہ تا آوان (وقت) فترت اس زمانِ جاہلیت و مکانِ اُمّیت وہیجانِ غفلت میں سمعیات پر اطلاع کے توکوئی معنی ہی نہ تھے، اسی طرح نبوت وکتاب کہ وہ لوگ ان اُمور سے واقف ہی نہ تھے، ولہذا براہِ عجب کہتے ہیں: ﴿ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾[1] "کیا خدا نے آدمی کو رسول بنایا؟" اور کہتے: ﴿ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾[2]۔ اور پرظاہر کہ حکم بے تصورِ محکوم علیہ محالِ قطعی ہے، توجس چیز سے ذہن اصلاً خالی ہے، اس کی تصدیق و تکذیب دونوں ممتنع عقلی ہے، وقد قال تعالیٰ: ﴿ مَاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾[3] "بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے، تو وہ بے خبر ہیں"۔

لہذا اس زمانے میں صرف توحید مدارِ اسلام ومناطِ نجات ونافیٔ کفر تھی، موحّدانِ جاہلیت کا مسئلۂ اجماعیہ کے نہیں معلوم؟ بایں ہمہ وہ اسلام ضروری تھا؛ کہ اس وقت اسی قدر ممکن تھا، اصل دین و مرضی رب العالمین جسے ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾[4] "بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے" فرمایا گیا، تمام ایمانیات پر ایمان لاتا ہے، ﴿ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ﴾[5] یہ بغیر بعثت وبلوغِ دعوت ناممکن تھا۔ اور اس کا بھی فردِ اکمل وہ ہے جس کی نسبت ابراہیم خلیل واسماعیل ذبیح۔صلی اللہ تعالیٰ علیہما وسلم۔نے دعا کی: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ﴾[6] "اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار"، جس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے: ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ ﴾[7] یعنی اس نبی کریم افضل المرسلین، خاتم النبیین۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین۔کی امت مرحومہ میں داخل ہونا، یہ اسلام کا اطلاقِ اخص واکمل واجل واجمل ہے۔ ان دونوں معنوں پر ان حضرات عالیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی نسبت کہا جاتا ہے، کہ وہ آٹھ ۸ یا دس ۱۰ برس کی عمر میں اسلام لائے، یہ ارشاد اقدس سنتے ہی فوراً بلا تأمل مسلمان ہوئے، مع ہذا اس میں ایک سِر یہ ہے کہ بعد بعثت وبلوغِ دعوت صرف اس اسلام ضروری پر قناعت کافی ووجہ نجات نہیں، اگر کوئی شخص فترت میں صدہا سال موحّد رہتا، اور بعد دعوت تصدیق نہ کرتا، وہ اسلام سابق یقیناً زائل ہو کر کافر مخلّد فی النار ہوجاتا۔ توجس نے فوراً تصدیق کی اس پر حکم اسلام اس وقت سے تام و قائم ومحکم ومستقر ہوا۔ علاوہ بریں رب العزت عزّوجل اپنے خلیل جلیل سیدنا ابراہیم۔علیہ الصلاۃ والتسلیم۔کی نسبت فرماتا ہے: ﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ

(۱) پ۱۵، بنی اسرائیل: ۹۴۔
(۲) پ۱۸، فرقان: ۷۔
(۳) پ۲۲، یٰس: ۶۔
(۴) پ۳، آل عمران: ۱۹۔
(۵) پ۳، بقرہ: ۲۸۵۔
(۶) پ۱، بقرہ: ۱۲۸۔
(۷) پ۱۷، حج: ۷۸۔

أَسْلِمْ ۙ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾[1] "جب اس سے فرمایا اس کے رب نے، کہ اسلام لا! بولا: میں اسلام لایا رب العالمین کے لیے"۔ جب خلیل کبریاء -علیہ الصلاۃ والثناء- کو اسلام لانے کا حکم ہونا، اوران کا عرض کرنا کہ "اسلام لایا" (معاذ اللہ) ان کے ایمانِ قدیم واسلامِ مستمر کا مُنافی نہ ہوا، کہ حضرات انبیاء -علیہم التحیۃ والثناء- کی طرف بعد نبوت وپیش از نبوت کبھی کسی وقت، ایک آن کے لیے بھی غیر اسلام کو اصلاً راہ نہیں، توصدیق ومرتضی رضی اللہ تعالی عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ "فلاں دن مسلمان ہوئے، اس روز اسلام لائے" ان کے اسلامِ سابق کے (معاذ اللہ) کیا مخالفت ہو سکتے ہیں؟! هذا كلّه واضحٌ مبين، والحمد لله ربّ العالمين!.

بحمد اللہ تعالی فقیر کی اس تقریر سے جس طرح روافض کا نئی خلافت صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے براہِ عِناد ومکابرہ آیۂ کریمہ ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾[2] سے سفیہانہ استدلال، جس کا نہ صغریٰ صحیح نہ کبریٰ ٹھیک، ہباءً منثوراً ہوگیا، یونہی تفضیلیہ کاوہ باطل خیال کہ "قِدمِ اسلام خاصۂ حضرت مرتضوی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- ہے، لہذا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالی عنہم سے افضل ہیں" مدفوع ومقہور ہوگیا۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۷۴)

فضائل امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ

صدیق اکبر کے خصائص سے اس قدر بس، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان کی شان گرامی کو تمام شانوں سے الگ کردیا، اورانہیں خاص اپنی ذات پاک کے لیے چُن لیا، کہ صحابہ سے ارشاد ہوتا ہے: "کیوں تم سے ہوسکتا ہے، کہ میرے یار کو میرے لیے چھوڑدو! کیوں تم سے ہوسکتا ہے کہ میرے یار کو میرے لیے چھوڑدو!" حق جلّ وعلا نے انہیں ثانی اثنین خطاب دیا[3]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر! تیرا کیا گمان ہے ان دو۲ کے ساتھ جن کا تیسرا خدا ہے؟!" سبحان اللہ! کن دو۲ کے تیسرے؟ ایک ربّ العالمین ﷻ، دوسرے أفضل المرسلین، ﷺ

ان تین کا چوتھا نظر آتا نہیں کوئی | واللہ کہ صدیق کا ہمتا نہیں کوئی

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۸۶)

صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر وآشکارا کردیا

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا فرمان، کہ بے شک ابوبکر چار۴ باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں

اسلام اُخص میں یوں کہ صدیق اکبر نے فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر وآشکارا کردیا، ہدایتیں فرمائیں، کفّار کے ہاتھوں سے اذیتیں پائیں، جن کی تفصیل ہماری کتاب "مَطلع القمرَين في إبانة سبقة العمرَين" وغیرہ کتب حدیث میں ہے۔ اور امیر المؤمنین

---

(۱) پ۱، البقرۃ: ۱۳۱۔
(۲) پ۱، البقرۃ: ۱۲۴۔
(۳) پ۱۰، التوبۃ: ۴۰۔

مولی علی کی نسبت آیا، کہ کچھ دنوں اپنے باپ ابوطالب کے خوف سے (کہ لازمۂ صغر سن ہے) اپنے اسلام کا اخفاء فرمایا۔ امام حافظ الحدیث خیثمہ بن سلیمان قرشی، وامام دار قطنی، ومحب الدین طبری وغیرہم، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے راوی، حضرت سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- فرماتے ہیں: «إنّ أبا بكرٍ سبقني إلى أربعٍ لم أوتهنّ: (۱) سبقني إلى إفشاء (۲) وقدم الهجرة، (۳) ومصاحبته في الغار، (٤) وإقام الصّلاة وأنا يومئذٍ بالشّعب، يُظهر إسلامَه وأخفيه»[۱] ...الحديث "بے شک ابو بکر چار۴ باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں: (۱) انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام آشکارا کیا، (۲) اور مجھ سے پہلے ہجرت کی، (۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار ہوئے، (۴) اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا، وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۷۵)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اسلام سب کے اسلام سے افضل اور ان کا ایمان تمام امت کے ایمان سے زیادہ وکامل ہے

امام قسطلانی "المواہب اللدنیہ" میں فرماتے ہیں: "أوّلُ مَن أسلَم: عليٌّ ابن أبي طالب، وهو صبيٌّ لم يبلغ الحلم، وكان مستخفياً بإسلامه، وأوّلُ رجلٍ عربيٍ بالغ أسلَم وأظهرَ إسلامَه: أبو بكر بن أبي قحافة رضي الله عنه"[۲].

امام ابو عمر ابن عبد البرّ روایت فرماتے ہیں: "سُئل محمّد بن كعب القرظي عن أوّل مَن أسلَم: أعليٌّ أو أبو بكر رضي الله عنهما؟ قال: سبحان الله! عليٌّ أوّلُهما إسلاماً، وإنّما شبه على النّاس؛ لإنّ علياً أخفى إسلامَه من أبي طالب، وأسلَم أبو بكر فأظهرَ إسلامَه"[۳].

ولہذا احادیث حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم وآثار صحابۂ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سے ثابت، کہ صدیق کا اسلام سب کے اسلام سے افضل، اوران کا ایمان تمام امت کے ایمان سے أزيد وأكمل ہے، كما بيّنّاه في كتابنا المذكور المبارك بحمد الله تعالى. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۷۵)

فضائل صدیق وعمر رضی اللہ تعالی عنہما

امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "واللہ ابو بکر کا ایک دن رات، عمر کی تمام عمر سے بہتر ہے"[۱]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابھی میرے پاس جبریل آیا، میں نے کہا: اے جبریل! میرے سامنے عمر بن الخطاب کی فضیلتیں بیان کرو! جبریل نے عرض کیا: اگر میں عمر کے فضائل اس قدر مدت تک حضور سے کہوں جب تک نُوح اپنی قوم میں رہے، فضائل عمر ختم نہ

(۱) "المواهب اللدنية" ذكر أوّل من آمن، إسلام علي رضي الله عنه، ۱/ ۲۱۸، ۲۱۹.
(۲) "المواهب اللدنية" ذكر أوّل من آمن، إسلام علي رضي الله عنه، ۱/ ۲۱۹.
(۳) "الاستيعاب في معرفة الأصحاب" ترجمه: ۱۸۷۵، علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ۳/ ۱۹۹.
(٤) "جامع الأصول في أحاديث الرسول" ر: ٦٤٢٦، ۸/ ٦٣٢.

ہوں، اور بے شک عمر ایک نیکی ہے ابوبکر کی نیکیوں سے"۔ قلتُ: والحديثُ فيه شيءٌ، ولكنّه في الفضائل مغتفر.
("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۹۷)

[1] تبصرۂ رابعہ ۴: جب توفیقِ الٰہی ہدایت اور عنایتِ اَزلی تربیت فرماتی ہے، بندہ دامنِ شریعت کو مضبوط تھام کر مَناہجِ سُلوک میں گرمِ جولاں ہوتا ہے، اور اثنائے راہ میں اُس کا پہلا کام غیرِ حق سے انقطاع و تبتّل ہے، لہٰذا پہلی منزل تصحیحِ خیال و تصفیۂ تصور کی پڑتی ہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ لطیف تدبیروں اور پیاری تصویروں سے جی بہلا کر پریشان نظری کی عادت چُھٹاتے، اور کشاکشِ این و آں سے نجات دے کر نقشِ اَحدیت لوحِ دل میں جماتے ہیں۔

اس سفر کو سَیر الی اللہ، اور اس کے منتہی کو مقامِ فنا فی اللہ کہتے ہیں، اس مرحلہ کے طے میں سب اولیاء برابر ہوتے ہیں، اور وہاں ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ کی طرح لا نفرّق بين أحدٍ من أوليائه کہا جاتا ہے۔ جب ماسوا اللہ آنکھوں سے گر گیا، اور مرتبہ فنا تک پہنچ کر قدم آگے بڑھا تو وہ سَیر فی اللہ ہے، اس کے لیے انتہاء نہیں، اور یہیں تفاوتِ قُرب جلوہ گر ہوتے ہیں۔ جس کی سَیر فی اللہ زائد، وہی خدا سے زیادہ نزدیک۔ پھر بعض بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور بعض کو دعوتِ خلق کے لیے تنزلِ ناسوتی عطا فرماتے ہیں، اس کا نام سَیر من اللہ ہے، ان سے طریقہ خرقہ وبیعت کا رَواج پاتا ہے، اور سلسلۂ طریقت جنبش میں آتا ہے، یہ معنی اسے مستلزم نہیں کہ ان کی سَیر فی اللہ اگلوں سے بڑھ جائے، اور نزدیکی وبالا روی میں تفوّق ہاتھ آئے، اگرچہ یہ ایک فضل جُداگانہ تھا جو انہیں ملا، اور دوسروں کو عطا نہ ہوا۔ آخر نہ دیکھا کہ حضرت مولا ﷺ کے خلفائے کرام میں حضرت سبطِ اصغر وجناب خواجہ حسن بصری کو تنزلِ ناسوتی و مرتبۂ ارشاد وتکمیل ملا، اور حضرت سبطِ اکبر سے کوئی سلسلہ جاری ومشتہر نہ ہوا، حالانکہ قرب وولایت امام مجتبیٰ ولایت وقرب خواجہ سے بالیقین اتم واعلیٰ، اور ظاہر احادیث سے سبطِ اصغر شہزادۂ گلگوں قبا پر بھی ان کا فضل ثابت۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۹۹)

تبصرۂ خامسہ ۵: طبیعت کو مُعاملہ فہمی سے مناسبت، فصل قضا میں اَفکار کی متانت، حسنِ روی ثقوبِ رائے وشجاعت وسخاوت زور وطاقت وأمثال ذلك، ملکاتِ نفسانیہ وکمالاتِ خلقیہ میں مزیت مدارِ افضلیت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرما چکے: اے لوگو! تمہارا رب ایک، اور تمہارا باپ ایک، آدمی سب آدم وحوا کی اولاد، اور آدم کی اصل مٹی، خُدا روزِ قیامت حسب ونسب نہ پوچھے گا[2]۔ اگر ایسے ہی اُمور پر مدارِ کار ہوتا، تو جزئیت سیّد المرسلین ﷺ اس کے ساتھ احق واَلیق۔

عزیزا! انصاف کر کہ ان خصائص میں تو کفار بھی اہلِ اسلام کے شریک ہیں: حکومت کسریٰ، وحسن پدم، وذہن افلاطون، وشجاعت رستم، وطاقت اسفندیار، وسخاوت حاتم یادگارِ زمانہ ہیں، پھر ایسے فضائل پر ساداتِ مؤمنین صحابہ سیّد المرسلین ـ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین ـ کے تفاضُل باہمی کو بنا کرنا ان کی شانِ رفیع میں گستاخی ہے، عياذاً بالله!.

تبصرۂ سادسہ ۶: اس میں شک نہیں کہ نکوئی زَن وخوبیٔ اولاد سعاداتِ مطلوبہ سے ہے، اور اہلِ فضل سے مُصاہرت ترقی

---

(۱) تبصرۂ ثالثہ کا ابتدائی حصہ اس بحث سے متعلق نہیں اس لیے مذکور نہیں، البتہ آخری حصہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

(۲) "الطبقات الكبرى" لابن سعد: ۱/ ۳٤.

بخش وجاہت، علی الخصوص انبیاء، لاسیّما سیّد الوری -علیه وعليهم التحية الثناء- سے یہ علاقہ، کہ اس عظیم شرف سے ممتاز، اگر ہنگامِ فخر وناز آسمان پر قدم نہ رکھیں تو بجا، مگر تاہم یہ باتیں اُمور خارجیہ ہیں، نہ محاسن ذاتیہ، لہٰذا اہل وعیال کی برائی سے نہ ذاتِ مرد میں کوئی نقص پیدا ہو، اور نہ ان کی خوبی و بہتری سے نفسِ شخص میں کچھ فضیلت زیادہ ہو۔ غیر کا فضل اپنا کمال ٹھہر تا تو باپ دادا سے اکتسابِ فضیلت زیادہ سزاوار تھا، حالانکہ پہلے ثابت ہو چکا کہ شرفِ نسب یہاں مطمحِ نظر نہیں؛ اسی لیے آج تک کسی نے عثمان ذوالنورین کو حضرات شیخین سے افضل نہ بتایا، باوجودیکہ اِن کی بیبیاں خاندانِ نبوّت سے تھیں، اور ان کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کے دو ۲ جگر پارہ والا تمکین۔ نہ کسی نے ابوقُحافہ والدِ صدیق کو صدیقِ عتیق سے بہتر ٹھہرایا، حالانکہ صدیق کی تمام اولاد مل کر ابوقحافہ کے ایک بیٹے صدیق کو نہیں پہنچتی، رضي الله تعالى عنهم أجمعين.

پس نساء واَطفال میں باہم مُوازنہ کر کے تفضیل پر دلیل چاہنا، ابرِ تصویر سے بہار، یا شیرِ قالین سے شکار مانگنا ہے! ہاں جہاں فضل فی نفسہ دلائل اُخَر سے ثابت ہو، اس کی مؤیدات دملایمات میں ایسے اُمور کی تذکیر، یا جس جگہ ایسی قسم کے مفاخر میں کلام ہو، وہاں باقتضائے مقام ان باتوں پر بِنائے تقریر بجا وزیبا ہے، جیسا حضرت مولا -کرّم اللہ تعالی وجہہ- سے جواب جناب مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں واقع ہوا، ورنہ ان زوائد کو افضلیتِ متنازع فیہا کی دلیلِ ابتدائی مستقل ٹھہرانا، مجمع عقلاء میں زعفران زار کشمیر یاد دلانا ہے۔

نُوح علیہ السلام کی زوجہ اور ان کا بیٹا کنعان کفار بد دین تھے، اس سے فضلِ نُوح میں (عياذاً بالله) کیا بٹا لگا؟ اور یعقوب علیہ السلام کی بیبیاں بیٹے سب صلحائے مؤمنین تھے، اس سے ان کا مرتبہ نُوح علیہ السلام پر کب بڑھ گیا؟!۔

وا أسفاه! یہ بدیہی مقدمات بھی ایسے تھے جن کے لیے یہ اہتمام کرنا پڑتا؟ جُدا تبصرہ ان کی غرض سے وضع کیا جاتا؟ مگر کیا کیجیے! رشتۂ سخن دست مخاطب میں ہے، جب اہلِ عصر ایسی کھلی کھلی باتوں میں اُلجھیں، تو ہمیں اِزاحتِ شکوک سے کیا چارہ! واللهُ المستعان وإليه الشَّكوى![1]. ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۰۰)

تبصرۂ سابعہ: سنّیت اس صراطِ مستقیم کا نام ہے جس میں ﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾[2] طرفین اِفراط و تفریط کی طرف میلان بحمد للہ حرام ہے، لہٰذا ہم جس طرح ان تبصرات میں اپنے مخالف اوّل یعنی فرقۂ تفضیلیہ کے خیالاتِ باطلہ واَوہامِ عاطلہ کی بیخ کنی کرتے آئے ہیں، واجب کہ کچھ دیر اِدھر سے باگ پھیر کر دو چار باتیں ان حضرات سے بھی کر لی جائیں، جنہوں نے بعض متأخرینِ ہند کے بعض کلماتِ زور آزمائی دیکھ کر بداہتِ عقل و شہادتِ نقل کو بالائے طاق رکھا، اور حضرات شیخین یا جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تفضیل من جمیع الوجوہ کا دعویٰ کر دیا، کہ جس طرح وہ فرقۂ متفرقہ ہمارے طریق مراد میں سنگِ راہ ہے، ان لوگوں کی خلش بھی چشمِ انصاف میں خارِ دامانِ نگاہ ہے۔ جب طرفین کے شبہات کا علاج ہو جائے گا، تو ہم ان شاء اللہ تعالی اپنے نزدیک جو معنیٔ تفضیل ہیں، ان کے چہرۂ تحقیق سے نقاب اُٹھائیں گے؛ کہ مقصود اعظم ان مَباحث سے وہی ہے، وبالله التوفيق!.

اب ذرا تبصرۂ اُولیٰ کی تقریر پر دوبارہ نظر ڈالیے، کہ جس طرح اس سے یہ امر منقّحۂ وضوح پر جلوہ گر ہو چکا، کہ مجرّد کسی

(۱) اللہ تعالی ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے، اور اسی کی بارگاہ میں معاملہ عرض کیا جاتا ہے۔

(۲) اور اس میں اصلاً کجی نہ رکھی۔ (پ۱۵، سورۃ الکہف، آیت نمبر۱)۔

فضیلت سے اختصاص مَناطِ افضلیت واکرمیت نہیں، ورنہ تناقُض بیّن لازم آئے! کہ صحابہ میں اکثر حضرات فضائل خاصّہ سے ممتاز تھے، جو اُن کے غیر میں نہ پائے جاتے، اور یہ ہمیں وجہ بعض آحاد صحابہ خلفائے اربعہ سے افضل قرار پائیں، اور وہ خلاف اِجماع ہے۔ اسی طرح یہ مقدمہ بھی اِنجلائے تام پا چکا کہ ان حضرات میں ایک کو دوسرے سے بجمیع وُجوہ افضل اور تمام اَفرادِ مَحامد میں اعلیٰ واکمل نہیں کہہ سکتے، ورنہ خصائص خصائص نہ رہیں، کما لا یخفی!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۰۱)

ابوبکر و عمر بہتر ہیں سب اگلوں پچھلوں سے، اور بہتر ہیں سب آسمان والوں اور سب زمین والوں سے، سوا انبیاء و مرسلین کے

خدارا ذرا خدا لگتی کہو! اگر سنّیوں کا یہی مذہب تھا کہ جناب مولیٰ کی شانِ کریم شانِ شیخین سے ارفع و اعلیٰ، اور ان کا مقام وجاہت اُن کے مقامِ عزّت سے بلند و بالا، تو یوں سلسلہ قائم کرتے ان کا کیا خرچ ہوتا تھا، کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل انبیاء و مرسلین مولیٰ علی، پھر جناب مولیٰ علی کے بعد شیخین، کہ ان حضرات کو نہ خدمتِ حدیث سے سروکار رہا، نہ کلماتِ علماء کا مُطالعہ، تفصیلی ملا، جو منہ میں آتا ہے بے تکلّف کہہ دیتے ہیں، اس سے غرض نہیں کہ توجیه القول بما لا یرضی به قائلہ کون سنے گا، ذرا صبر کریں! اور ہم اس رسالہ کے دونوں باب میں جو احادیث واقوالِ صحابہ و تابعین و خود ارشاداتِ حضرت ابوالائمۃ الطاہرین، و کلماتِ اہلِ بیتِ کریم، و تحقیقاتِ صوفیہ مستندین ذکر کریں گے، انہیں بنظرِ انصاف دیکھیں کہ ان سے یہی تاویلاتِ بعیدہ رنگِ ثبوت پاتی ہیں جو تم نکالتے ہو؟! یا صاف صاف حضرات شیخین کا رفعتِ شان وعُلوِ مکان و بلند پائیگی و والا رتبگی میں تمام اُمّتِ مرحومہ سے اکرم واَقدم ہونا ظاہر ہوتا ہے؟! زیادہ توان شاء اللہ تعالیٰ دَورِ آئندہ پر موقوف ہے، سرِ دست اتنا ہی سن لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «أبو بكر وعمر خيرُ الأوّلين والآخرين، وخيرُ أهل السّماوات وخيرُ أهل الأرضين، إلّا النبيّين والمرسَلين»[1] لـ حا خط عن أبي هريرة ﷺ. ابوبکر و عمر بہتر ہیں سب اگلوں پچھلوں سے، اور بہتر ہیں سب آسمان والوں اور سب زمین والوں سے، سوا انبیاء و مرسلین کے۔

للہ ذرا انصاف کیجیے! اگر مرتبہ مولا علی کا زیادہ ہوتا، تو یہ الفاظ شیخین ہی کی نسبت تو فرمائے جاتے؟! ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک جس کی قدر زیادہ، وہی سب زمین وآسمان والوں، اور اگلوں پچھلوں سے بہتر ہوگا، یہ طُرفہ تماشا ہے کہ مرتبہ میں وہ بڑے، اور جہان بھر سے بہتری ان کو!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۲۷)

(۲) تنقیح نمبر۲: اہلِ سنّت کہتے ہیں: افضل الصحابہ صدیق ہیں، پھر فاروق، پھر ذی النورین، پھر ابوالحسنین، پھر بقیہ عشرہ، پھر سائر صحابہ۔ جو حضرات امرِ خلافت میں تفاضُل مانتے ہیں، تو چاہیے کہ یہ حیثیت آپ کی آگے کیونکر چلی؟ کیا بقیہ عشرہ و باقی صحابہ بھی خلفاء تھے؟ (پھر کیونکر کمالات میں) تفضیل ہوگی؟!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۲۷)

---

(۱) "العلل المتناهية" لابن جوزي: أحاديث في فضل أبي بكر، ر: ۳۱۱، ۱/۱۹۸.
(۲) تنقیح نمبر۱ کافی پیچھے ہے، اور اس میں تفضیل کی تفصیل ہے، جو اس کے مقام پر ہو چکی۔

تنقیح نمبر ۳: جب یہ ٹھہراتے ہو کہ ایک جہت سے افضل یہ، اور ایک جہت سے وہ، جیسا کہ اکثر بلکہ تمام مفضلیہ[1] کا مقولہ ہے، تو علمائے سنّت کو کیا ہوا ہے کہ صحابہ سے لے کر اب تک اسی جہت کا اعتبار کرتے ہیں جس سے شیخین افضل ہوئے؟ کبھی تو جہت آخر کا بھی خیال چاہیے تھا! اور دوبارۂ سلسلہ تفضیل قائم کرکے جناب مولا کو تقدیم دینی تھی! جیسے عقیدۂ "أفضل البشر بعد نبيّنا أبو بكر، ثمّ عمر، ثمّ عثمان، ثمّ علي"[2] سے کتابیں مالا مال کردی ہیں، دس بیس یا دس بیس نہ کی تین چار کتابوں میں "أفضل البشر بعد نبيّنا علي، ثمّ أبو بكر، ثمّ عمر" بھی تو کہتے! یہ کیا ہوا کہ اس جہت کو یک لخت بُھول گئے، اور ہمیشہ صدیق افضل، صدیق افضل، کہتے رہے! خصوصاً جبکہ قُرب و وجاہت عنداللہ میں حضرت مرتضوی زیادہ تھے، تو ترجیح تفضیل توانہی کو دینا تھی!۔ پس خُوب معلوم ہوا کہ سنّیوں کے نزدیک گو مولا علی کو فضائلِ خاصّہ حاصل، جن میں شیخین کو اشتراک نہیں، مگر وہ سب ان کے مقابل فضلِ جُزئی ہیں، کہ فضلِ کلّی شیخین کی مزاحمت نہیں کرتے[3]۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۲۸)

تنقیح نمبر ۴: فضلِ جزئی و فضلِ کلّی کا فرق تو ہم پہلے سمجھا آئے، کہ یہ افضل بالاطلاق اور وہ افضل بالتقیید کا مصداق ہے۔ اب ہم آپ صاحبوں کی یہ کیفیت دیکھتے ہیں کہ شیخین کی نسبت جیسا قرآن وحدیث واجماعِ امت سے ثابت، اور زبانِ حق ترجمان حضور سید الانس والجانّ، و مولا علی، واہل بیت کرام، وصحابۂ عظام ﷺ و رضی اللہ تعالی عنہم پر جاری، یہ کلمہ تم سے صاف صاف بطیبِ خاطر نہیں کہا جاتا، کہ وہ سب صحابہ سے افضل ہیں، بلکہ جب کہتے ہو، اس میں کسی جہت و حیثیت کی قید لگا لیتے ہو! تمہارا یہ قید لگانا ہی دلیلِ باہر ہے کہ تم اس عقیدہ پر ثابت نہیں جسے قرآن وحدیث واجماع ثابت کر رہے ہیں، ورنہ جس طرح رسول اللہ ﷺ، اور مولا علی، واہلِ بیت، وسائر صحابہ بے تخصیص و تقییدان پر لفظِ افضل کا اطلاق کرتے رہے، تم بھی ایسا ہی کرتے: کہ فضلِ کلّی کا تقاضا ہی اِطلاق وارسال ہے، خیر تم نے تو یہ کہہ کر کہ "شیخین اگر افضل ہیں تو اس بات میں، اور دوسری وجہ سے مولا علی افضل" بجائے خود سمجھ لیا کہ ہمارے مطلب کا مطلب حاصل، اور مخالفت سنّیان کی عار بھی زائل، حالانکہ تمہاری یہ توزیع و تقسیم خود مخالفتِ اہل سنّت پر اوّل دلیل ہے، لیکن ہم ان کلمات کو یونہی گول نہ رہنے دیں گے، تم سے سوال ہوگا: آیا یہ دونوں جہتیں دونوں جانب فضلِ جزئی کی ہیں، یا کوئی فضلِ کلّی کی بھی ہے؟ بر تقدیرِ اوّل کس قدر منہجِ عقل سے دُور پڑتا ہے! سوال یہ کہ افضل کون؟ جواب یہ کہ سب ذی فضل۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۲۸)

---

(۱) ایک فرقہ جنھوں نے تفضیل کے معنی کثرت نفع فی الاسلام ٹھہرائے، اور کبھی من حیث الخلافہ کی قید لگائی۔ ("فتاوی رضویہ" "کتاب الرد والمناظرۃ، رسالہ "مطلع القمرین" ۲۱/ ۷۱)۔

(۲) "شرح العقائد النسفية" صـ۹٤.

(۳) امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ "المقاصد الحسنہ" میں فرماتے ہیں، کہ "مولا علی - کرّم اللہ وجہہ الکریم - کے خصائص و فضائل اجماعِ اہلِ سنّت پر طعن کا سبب نہیں بن سکتے؛ کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان - رضوان اللہ علیہم اجمعین - ہیں" ("المقاصد الحسنة" تحت ر: ۱۸۹، صـ۱۰۷).

حکیم ازلی کی طرف رُجوع کرنے سے جہلِ مرکب کی بیماری سے شِفامل جاتی ہے

اس کا انکار کسے تھا، اور ایک معنی ان الفاظ کے کہ "یہ فضل اِن میں اور وہ اُن میں تسویۃً ہو سکتے ہیں" یعنی سب برابر، تو یہ قطعاً تمہیں بھی مقصود نہیں ہوتا، نہ یہ تمہارا عقیدہ ہے، اور ہو تو نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے، اہلِ سنت تو کہیں گے: تم نے قرآن و حدیث و اِجماع کے خلاف کیا، تفضیلیہ بھی اپنے میں نہ آنے دیں گے، اور دُور ہی سے دیکھ کر الگ الگ کریں گے۔ اور ایک محتمل اس کلام کا یہ بھی متصوّر کہ "یہ بھی فاضل اور وہ بھی فاضل، افضلیت کو خدا جانے!" تو اب ہم کہتے ہیں: الحمد للہ تم نے بیماریٔ (لاعلاج) جہلِ مرکّب سے انکار، اور مرضِ سہل الزوال جہلِ بسیط کا اِقرار کیا، اگر یہ مرض واقعی ہے تو ان شاء اللہ علاج آسان ہے، حکیم ازلی کی طرف رجوع لائیے! اور دیکھیے وہ اس درد کی کیا دوا بتاتا ہے!

وہ فرماتا ہے: ﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ "ذکر والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو!" تم نے اس کے عوض ذکر والوں سے تو لڑائی ٹھان لی! اور ان کی بات کو غلط کہنے لگے! سبحان اللہ! جب تم جانتے ہی نہیں کہ کون افضل ہے، تو جاننے والوں سے کیوں اُلجھتے ہو؟! اور انہیں عقیدۂ باطلہ پر کیوں سمجھتے ہو؟! بعضے سنفضیہ کہتے ہیں: یہ کلمہ نیا ہمارا نہیں، بلکہ ہمارے مشائخ وقتِ خلوتِ خاص میں ہمارے کان میں ایسا ہی کہہ دیتے تھے، اور طُرفہ یہ کہ یہ تہمت ان اَجلّہ اَفاضل واکابر اولیاء پر رکھتے ہیں، جن کے فضل و معرفت کا چراغ اب تک ضیاء بخشِ عالَم ہے، اور ان کی خاکِ آستاں چُومنے والا ایک آن میں سچا پکا سُنّی ہو جاتا ہے، خیر ان سے کہیے: اگر بفرضِ غلط بعض مشائخِ مستقدمین سے ایسا کلمہ صادر ہوا بھی، اور انہوں نے کسی کی تفضیل پر اطلاع نہ پائی، تو جانِ برادر! تقلید علم میں ہوتی ہے، نہ کہ ناواقفی میں! انہوں نے نہ جانا، تو اَور جاننے والے تو ہیں! قرآن کا حکم دیکھیے! یہ فرمایا کہ "نہ جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھو!" یہ ارشاد نہیں ہوا کہ "تمہارے بُزرگوں میں کوئی نہ جاننے والا گزر گیا ہو، تو اس کی پیروی کر کے تم بھی تعلّم سے باز آؤ!"۔ اب جاننے والوں سے پوچھیے تو ایک ان میں مسلمانوں کے مولا حضرت اسد اللہ الغالب ۔کرّم اللہ وجہہ۔، ان سے تو سُنو! وہ کس کس طرح تفضیلِ شیخین کی تصریح فرماتے، اور اس کے مخالف کو [حدِ مفتری کا حقدار] ٹھہراتے ہیں، پھر بھی مُجالِ عذر باقی ہے؟!۔

اب آیئے دوسری شق کہ فرمایئے: ہم فضلِ کُلّی کی دو ۲ جہتیں مانتے ہیں، تو بالیقین دونوں جہتیں تو فضلِ کُلّی کی ہو نہیں سکتیں، ورنہ تناقض لازم آئے کما لایخفٰی! اب ایک جہت کو جہت فضل کلّی مانو گے، اب ہم طالبِ تعیین ہوں گے کہ اگر وہ جہت وہ ہے جس سے حضرات شیخین متصف ہیں، جب تو ہماری عین مراد پر آگئے، ع

للہ الحمد میان من و او صلح فتاد حوریاں رقص کناں دست بشکرانہ زدند[1]

اب کیوں خواہ مخواہ اُلجھتے اور ہمارے عقیدہ سے بگڑتے ہو! ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ فضل دونوں طرف ہے، اور افضلیت شیخین کو ہے! اور جناب مرتضوی میں بہت فضائل خاصّہ ایسے ہیں جو شیخین میں نہیں، پھر یہ نزاع کاہے پر تھے؟ اور جو

(۱) ترجمہ: الحمد للہ ہمارے اور ان کے درمیان صلح ہو گئی (اسی وجہ سے) حوران بہشت خوشی میں رقص کناں ہیں، اور بطور شکرانہ ان کے ہاتھ بلند ہیں۔

اس جہت کو جہت فضلِ کلّی ٹھہرایئے، جس سے جناب ولایت مآب متصف ہے، تواب وہ جو پردہ رکھ لیا تھا کہ کھلے کھلے اہلِ سنّت کے مخالف نہ بن جائیں، بالکل ٹوٹ گیا، ع

کھل گیا عشقِ صنم طرزِ سخن سے مؤمن اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ حضرات شیخین اگرچہ ذی فضل ہیں، مگر ہم مولیٰ علی کو ان سے افضل، اور درجۂ قرب ووجاہت میں اعلیٰ واکمل مانتے ہیں۔ اب تمھارے سامنے ان دلائلِ قاہرہ و بیّناتِ باہرہ کی بے امان شمشیریں چمکائی جائیں گی! جن کے حضور عقولِ سلیمہ گردن جھکائیں! اور ان کی آنچ کے آگے اَوہام وخیالات کی آنکھیں جھپک جائیں!۔

ہاں ابھی یہ کاہے کو ہوگا! پہلے تو تم ہی سے دلیل مانگی جائے گی! اور کہا جائے گا: اس جہت کا مولیٰ علی سے اختصاص، پھر یہ کہ جس میں یہ صفت ہو وہی عند اللہ قرب ربّ الأرباب وکثرتِ ثواب میں تمام اُمّت سے زائد ہوگا، اور یہ کہ جو وُجوہ فضل شیخین کو حاصل ہیں، اس کی مُعارض نہیں ہوسکتیں، قرآن وحدیث سے ثابت کردو! ورنہ صاف سینہ زوری اور اتباعِ حق سے پہلوتہی کا اِقرار کرو!۔ غرض ہزار رنگ بدلیے گا! مگر.........[1] سے چھپ کر کہاں جایئے گا، ع:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدرت را می شناسم

ولعلّ هذه الأبحاثَ كلَّها ممّا تفرّدَ به الفقيرُ الضعيف، والحمدُ لربّي الخبير اللّطيف![2]۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۳۰،۲۳۱)

[3]تنبیہ نمبر۳: بعض حضرات گمان کرتے ہیں، کہ جب ہم نے قرب وعزّو جاہ میں شیخین کو افضل بتایا، تو یہ تفضیل من جمیع الوجوہ ہوگئی، حالانکہ وہ عقلمند اتنا نہیں دیکھتے، کہ ہم بتصریح تفضیل من جمیع الوجوہ کے منکر ہیں، اور اس کے ماننے والوں کا ردِ بلیغ کرتے ہیں، مگر ابھی وہ نہ سمجھے کہ شئون عزّ ووجاہت ومُوجبات نفسِ فضیلت بکثرت وبے نہایت ہیں، اور ان میں سے بہت جناب مولیٰ سے خاص ہیں، لیکن صیغۂ افعل التفضیل کے اِطلاق علی الاطلاق کے جو مَناط ہیں، وہ مُوازنۂ شیخین وختنین میں شیخین سے مختص ہیں، جیسا کہ ہماری تقریراتِ سابقہ سے واضح ہو چکا، پھر تفضیل من جمیع الوجوہ کہاں؟ خیر یہ گمان تو بے چارے عوام سنفضیہ کے تھے، شاباشی دیجیے ان مدعیانِ علم وفضل کو جو فضلِ کلّی کے معنیٰ افضلیت من جمیع الوجوہ سمجھے، منشأ اس کا اصطلاحِ علماء سے ناواقفی ہے، فضلِ کلّی کے یہ معنیٰ کہ مصحّح اِطلاق افضل باطلاق ہو، اور اِطلاقِ افضل مقید کا مصحّح، فضلِ جزئی آفضال جزئیہ کا حصول مفضول کو معقول، پھر تفضیل من جمیع الوجوہ سے کیا علاقہ؟۔

---

(۱) مخطوط سمیت تمام نسخوں میں اسی طرح پایا۔

(۲) یہ تمام اَبحاث ان میں سے ہیں جن کو صرف اس فقیر ضعیف نے بیان کیا ہے، اور حمد میرے خبیر ولطیف رب کے لیے ہے۔

(۳) تنبیہ نمبر۱اور ۲ کانی پیچھے ہیں، جن کے تحت کچھ تنقیحات ہیں، وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

حدیث: "فُضِّلْتُ علی الأنبياء بستٍّ"(۱) کی شروح ملاحظہ کیجیے! وہاں علماء کیا فرماتے ہیں، کہ حضور سید المرسلین ﷺ کو کافۂ انبیاء و مرسلین پر فضل کُلّی ہے۔ بعض افضالِ جزئیہ سے اگر خلیل وکلیم وغیرہما علیہم السلام مختص ہوئے، تو کیا مضر ہے؟"(۲) ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۳۰، ۱۳۱)

بعض حضرات کا یہ گمان محض نادانی ہے کہ "ہم حضرت مَولی علی کے درپے توہین ہیں" جو ہم مرتبۂ شیخین کو ان کے رُتبہ سے بڑھاتے ہیں

تنبیہ نمبر۴: بعض حضرات گمان کرتے ہیں کہ "ہم (عیاذاً باللہ تعالی) حضرت مولی -روحنا فداہ- کے درپے توہین ہیں، جو مرتبۂ شیخین کو ان کے رُتبہ سے بڑھاتے ہیں، حالانکہ یہ ان کی محض نادانی، اور مسلمان پر بلاوجہ سُوئے ظن ہے، مگر کریمہ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾(۳) سے ابھی ان کے کان آشنا نہیں۔

عزیزو! ہمیں حکم ہے کہ ہر ذی فضل کو اس کا فضل دیں، جب ہم نے مرتبہ حضرت مولی رضی اللہ تعالی عنہ کا بعد ان تین ۳ حضرات کے تمام صحابۂ کرام واہل بیت عظام و کافۂ مخلوق الٰہی، جن و بشر و ملائکہ سے زیادہ جانا، تو ان کا مرتبہ عند اللہ ایسا ہی تھا، پھر توہین کیا ہوئی؟ توہین تو (عیاذاً باللہ) جب ہوتی کہ ان تین ۳ حضرات کے سوا اور کسی کو حضرت مولا سے افضل بتاتے، جیسا تم فضل حضرات شیخین کو کس کس طرح ہلکا کرتے ہو! اور جو اسی کا نام توہین ہے کہ جن کا فضل قرآن وحدیث سے ثابت ان سے مفضول مانے، تو جو حضرات انبیائے سابقین -صلاۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین- کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے درجۂ عالیہ سے کم مانے، وہ (معاذاللہ) ان کی توہین کرنے والا ٹھہرے! اور توہین انبیاء قطعاً کفر ہے، وائے مصیبت اس کی! بے چارہ کس آفت میں پڑا! حضور کو تفضیل نہ دے تو خدا کا غضب نازل ہو! اور انبیاء کی توہین قرار پاکر جہنم اَبدی کا مستحق بنے! ع

نہ رائے رفتن نہ روئے ماندن

اے عزیز! اسی لیے ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ فضلِ شیخین فضلِ ختنین سے زائد ہے، بے اس کے کہ فضل ختنین میں کوئی قصور وفتور راہ پائے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۳۱)

علمائے سنفضیہ کی انکارِ افضلیتِ شیخین کی عجب تازہ تدبیر

تنبیہ نمبر۵: بعض علمائے سنفضیہ کو انکارِ افضلیت شیخین کی عجب تازہ تدبیر سُوجھی! فرماتے ہیں: اس قدر اپنا عقیدہ کہ خلفائے اربعہ سب اہل فضیلت وعالی مرتبت تھے، باقی ان میں ایک کو دوسرے پر تفضیل ہمارا منصب نہیں، ہماری عقول اُن کے رُتبہ کو کیا جانیں؟! ایک سُنّی نے عرض کیا: حضرت کا ارشاد مسلّم، مگر اکابر سلف جو تفضیل میں حکم کرتے آئے، ان کی تقلید سے کیا چارہ؟ فرمایا: وہ بھی ان کے مَراتب سے ناواقف تھے۔ أقول وربّي يغفر لي: تو حاصل مطلب یہ، کہ ائمۂ اہل سنّت

---

(۱) "سنن الترمذي" باب ما جاء في الغنيمة، ر: ۱٤٧٤، ۲/ ٤٦.

(۲) "فیض القدیر" للمُناوي، ر: ٥٨٨٠، ٤/ ٥٧٦٥.

(۳) اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو، بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے (پ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت نمبر۱۲)۔

نے جو تفضیل شیخین کا حکم دیا، محض رجماً بالغیب تھا[1] إنا لله وإنا إليه راجعون! حَقَّا

الحق ادب دولتے ست عجب[2]

ایمان اور انکار نہ کیجے، مولیٰ علی سے جو تفضیل شیخین کا تواتر ہے، اس کا کیا علاج؟ کیا وہ بھی اپنے مراتب سے آگاہ نہ تھے؟ اور ان کا یہ اصرار محض بلا وجہ و راہ و نا فہمیدہ کار (معاذاً باللہ منہ) یا عین الیقین پر مبنی؟ تو بے اتباع کب بنی؟! یہ بھی نہ سہی! حضور سید المرسلین ﷺ کے ارشادات کا کیا جواب؟ ہائے خوبیٔ قسمت نوبت تا بکجا رسید! اور ہنوز اختتام نہ جانیے! ابھی تو آیات سے سوال ہو گا! خدا نے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ﴾ کس طرح فرمایا؟ خیر اتنا اور ارشاد ہو جائے کہ حضور سید المرسلین کو بے ہمتا و ہمسر اور کافۂ انبیاء و رُسل کا سرور مانتے ہیں یا نہیں؟ نہ مانیں تو مجھ سے نہ کہلوائیں! علماء سے حکم مسئلہ دریافت فرمائیں! اور مانیں تو زہے عقلِ سلیم و فکرِ حکیم، جو خلفائے اربعہ کے اوراک فضائل میں عاجز آئے، اور ان کے مَوالی و سادات کا مرتبہ فوراً سمجھ لے، اب گھبرا کر فرمایئے گا: ہم نے کہاں سمجھا، نصوصِ شرع نے حضور کو تفضیل دی، ہم نے ان کی تقلید کی! ہاں اب راہ پر آگئے! تفضیلِ شیخین میں بھی نصوص دیکھ لیجے! کون کہتا ہے اپنی عقل کو دخل دیجیے! غرض دونں متین میں کوئی راہِ عذر نہیں، ولكنّ اللهَ يهدي مَن يشاء إلى صراط مستقيم، هذا آخِر المقدّمة، والحمد لله ما أكرمَه!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۳۱)

سلسلۂ مَبادی بانجام رسیدن ورخت بمنزل مقصود کشیدن

اب کہ ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ راستہ کو سب کانٹوں سے صاف کر لیا، اور بتوفیق ربانی مادّۂ نزاع کو اس عمدہ طور پر تحریر کیا کہ شاید ان تحقیقات رائقہ و تدقیقات فائقہ کے ساتھ اس رسالہ کے غیر میں نہ پایا جائے، تو اب وقت وہ آیا کہ حَول و قوتِ الٰہی پر توکّل کر کے گل گوں آسمان خرام، فکر کو رخصت جولان ہو، اور نیزہ باز ترکتاز خامہ کو اجازت میداں، تاہم تبلیغ انجام پائے، اور حجت الٰہی تمام ہو جائے، ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾[3].

اللّهم إليك فوّضتُ أمري، وإليك ألجأتُ ظهري، فأصلِح لي شأني كلَّه، واغفرْ لي ذنبي دقَّه وجلّه، وحسبُنا الله ونعم الوكيل، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العلي العظيم، وصلّى الله تعالى على خير خلقه محمّدٍ وآله وأصحابه أجمعين[4].

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۳۲)

---

(۱) بے جانے بوجھے بات کرنا۔

(۲) حق یہ ہے کہ ادب عجیب دولت ہے۔

(۳) جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو، اور جو زندہ رہے دلیل سے رہے (پ۱۰، سورۃ الانفال، آیت ۴۲)۔

(۴) اے اللہ! میں نے اپنا معاملہ تیرے حوالے کیا، میں خود کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں، پس میرے تمام معاملات کو درست فرما۔ میرے صغیرہ و کبیرہ گناہ معاف فرما دے! ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نیک کام کرنے کی طاقت اور گناہوں سے بچنے کی قوت عظمت و بزرگی والے اللہ ہی کی طرف سے ہے، اور اللہ کی رحمتیں ہوں اس کی مخلوق میں سب سے بہتر حضرت محمد ﷺ، اور ان کی آل اور ان کے تمام اصحاب پر۔

باب اوّل

نُصوص واَخبار واِجماع وآثار سے افضلیتِ شیخین کے اِثبات میں

اس باب میں بعدد سبع سماوات سات ۷ فُصول رفعت سمات ہیں:

الفصل الأوّل في الإجماع

جانا جس نے جانا، اور فلاح پائی اگر مانا! اور جس نے نہ جانا وہ اب جانے کہ حضرت سیّد المؤمنین، امام المتقین، عبد اللہ بن عثمان ابی بکر صدیق اکبر، وجناب امیر المؤمنین، امام العادلین، ابو حفص عمر بن الخطاب فاروق اعظم -رضي الله تعالى عنهما وأرضاهما- کا جناب مولی المؤمنین، امام الواصلین، ابوالحسن علی بن ابی طالب مرتضیٰ اسد اللہ -كرّم الله تعالى وجهه- بلکہ تمام صحابۂ کرام -رضوان الله تعالى عليهم أجمعين- سے اَفضل وبہترین اُمت ہونا مسئلہ اِجماعیہ ہے، اصحاب رسول اللہ ﷺ کہ ساداتِ اُمت، ومقتدایانِ ملّت، وحاملانِ شریعت، وناصرانِ بزم رسالت ہیں، قرآنِ مجید خود صاحبِ قرآن کی زبان سے سنا، اور اسبابِ فضل وکرامت کو بچشم خود مُشاہدہ کیا، دربارِ نبوت میں لوگوں کے قرب ووجاہت اور اس میں باہمی امتیاز وتفاوت سے جو آگاہی انہیں حاصل ہے، دوسرے کو میسر نہیں، بالاتفاق انہیں افضل امت جانتے، اور ان کے برابر کسی کو نہ مانتے۔ یہاں تک کہ جب زمانۂ فتن آیا اور بدعات واَہوا نے شیوع پایا، شیعہ شنیعہ وبعض دیگر اہلِ بدعت نے خرقِ اِجماع کیا، شقِ عصائے مسلمین کا ذمہ لیا، مگر یہ فرقۂ حقہ وطائفہ ناجیہ کہ اَہل سُنّت وجماعت جن سے عبارت قرناً فقرناً وطبقةً فطبقةً اس مسئلہ پر متفق اللفظ رہا۔

سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "ہم گروہ صحابہ زمانۂ رسول اللہ ﷺ میں ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان کے برابر کسی کو نہ گنتے"[1]۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "ہم اصحابِ رسول اللہ ﷺ کثیر ومتوافر کہا کرتے: "افضل اُمت بعد رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر فاروق"[2]۔ حضرت میمون بن مہران سے سوال ہوا: شیخین افضل یا علی؟ اس کلمہ کے سنتے ہی ان کے بدن پر لرزہ پڑا، یہاں تک کہ عصا دست مبارک سے گر گیا، اور فرمایا: "مجھے گمان نہ تھا کہ اس زمانے تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ ابوبکر وعمر کے برابر کسی کو بتائیں گے"[3]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۳۴)

زمانۂ صحابہ وتابعین میں تفضیلِ شیخین پر اِجماع تھا

یہاں سے ظاہر کہ زمانۂ صحابہ وتابعین میں تفضیلِ شیخین پر اِجماع تھا[4]، اور اس کے خلاف سے ان کے کان محض

---

(۱) "صحيح البخاري" باب فضل أبي بكر بعد النبي، ر: ۳۳۸۲، ۲/ ٤٨٩٥.

(۲) "مسند الحارث" باب فيما اشترك فيه أبو بكر وغيره من الفضل، ر: ۹۵۹، ۲/ ۸۸۸.

(۳) "السنّة" للخلال: باب الإنكار على من قدم علياً على عثمان، ۵۲۹، ۲/ ۳۷۹.

(۴) جیساکہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "ما اختلف أحد من الصحابة والتابعين في تفضيل أبي بكر وعمر، تقديمهما على جميع الصحابة". صحابۂ کرام اور تابعین میں کسی نے بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے افضل ہونے، اور باقی تمام صحابہ

ناآشنا تھے، اور اسے ایسا جلی وصریح، اور خلاف کو ناگوار وقبیح سمجھتے، کہ بمجرّد سوال صدمۂ عظیم گزرا، دفعۃً بدن کانپ اٹھا۔ اسی طرح امام شافعی وغیرہ اکابر ائمہ وسادات الائمہ اس معنی پر اجماعِ صحابہ وتابعین نقل کرتے ہیں[1] كما حكاه البيهقي وغيرُه، وكفى بهم قدوة في الدّين[2].

مع ہذا خلافت میں تقدیم شیخین باجماع صحابہ وتابعین متواتر ومعلوم بالقطع ہے، جس میں کسی مخالف حیادار غیر منکر آفتاب کو بھی مُجال نہیں، اور ان اساطین ملّت کے مُعاملات ومُحاورات علی الاعلان شہادت دے رہے ہیں، کہ یہ تقدیم برہنائے تفضیل ہوئی، اور انہیں افضل کے حضور تقدیم مفضول گوارانہ تھی، تو یہ اتفاق ان کا تفضیل شیخین پر دلیل کافی ہے۔ ہم ان شاء اللہ تعالی باب ثانی کی فصل میں اس مبحث کی تنقیح وتوضیح کی طرف عود کریں گے، والعودُ أحمد فانتظر!.

اسی طرح عامّہ کتبِ اصول میں اس مسئلہ پر بتصریح اجماع نقل کیا، یا بلا ذکرِ خلاف اسے مذہب اہلِ سنّت قرار دیا، امام علّام ابوزکریا محی الملۃ والدّین نووی رحمۃ اللہ علیہ "شرح صحیح مسلم" شریف میں فرماتے ہیں: "اتفق أهلُ السنّة على أنّ أفضلَهم أبو بكر ثمّ عمر"[3] "سنّیوں نے اتفاق کیا کہ افضل صحابہ ابوبکر ہیں پھر عمر"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۳۵)

حکم تفضیلیہ وسنفضیہ

بالجملہ بیّن ومبین ہوگیا کہ اہلِ بدعت کیسی افسوس ناک حالت میں ہیں! اور تفضیلیہ وسنفضیہ ان کی شاخ ہیں! پس حکم نماز کا ان کے پیچھے وہی ہے جو مبتدعہ کے پیچھے، یعنی مکروہ بکراہتِ شدیدہ، جیسا کہ علامہ بحر العلوم -قدّس سرّہ الشریف- نے تصریح فرمائی کما مرّ، اگرچہ ان کی بدمذہبی اَور روافض کے فسادِ عقیدہ سے کم ہے۔ اب جو شخص ایسا اعتقاد رکھتا، اور اپنے آپ کو سُنّی، اور ان کی تصانیف کو مقبول کہتا ہے، تو اس کے لیے اہل سنّت وجماعت کا زمانۂ صحابہ کرام -رضي الله تعالیٰ عنہم اجمعین- سے اب تک اِجماع دلیلِ کافی وبرہانِ وافی ہے[4]، سنّیوں کی کتابیں بنظر تعمّق وتحقیق دیکھے، اور ان کے مطابق عقیدہ درست کرے، ورنہ دعوی تسنّن سے دست بردار ہو! وبالله التوفيق، وبيده أزمّة التحقيق![5]. ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۵۴)

= رضوان اللہ علیہم اجمعین- سے مقدّم ہونے کے اعتبار سے اختلاف نہیں کیا۔ "الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد" للبيهقي: باب استخلاف عثمان بن عفّان، ر: ۳۵۶، صـ صـ ۳۹۶.

(۱) "مسند الحارث" باب فيما اشترك فيه أبوبكر وغيره من الفضل، ۲/ ۸۸۸.

(۲) جیسا کہ اس کو امام بیہقی نے حکایت کیا ہے، اور ان کا دین میں پیشوا وحجت ہونا کافی ہے۔

(۳) "شرح النووي على صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة، ۱۵/ ۱۴۸۰.

(۴) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "أفضلهم على الإطلاق أبو بكر، ثمّ عمر، رضي الله عنهما بإجماع أهل السنّة" ("تدريب الراوي"، معرفة الصحابة، صـ۴۹۸) یعنی "صحابۂ کرام میں علی الاطلاق سب سے افضل حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے، جو کہ اجماع اہل سنّت سے ثابت ہے"، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اجماع صحابہ اس باب میں گزشتہ اوراق میں نقل کیا جاچکا ہے۔

(۵) اور اللہ ہی کی توفیق سے ہے، اور تحقیق کی نکامیں اسی کے ہاتھ ہیں۔

الفصل الثاني في الآيات القرآنية والنّجوم الفرقانية

آیت اولیٰ: قال الله ربّنا ﷻ: ﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾(۱) "بے شک تم سب میں بزرگ تر اللہ کے نزدیک تمہارا اَتقی ہے، یعنی بڑا پرہیزگار"۔ یہاں تو "اتقی" کو سب پر تفضیل اور زیادتِ کرامت عند اللہ میں ترجیح دیتے ہیں۔

اس آیت کا محمل صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴾(۲) یعنی "اور نزدیک ہے کہ جہنم سے بچایا جائے وہ بڑا پرہیزگار، جو اپنا مال دیتا ہے ستھرا ہونے کو، اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، مگر تلاش اپنے برتر پروردگار کی رضامندی کی، اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا"۔

آیت کریمہ میں باجماعِ مفسّرین "اتقی" سے جناب سیّدنا امام المتقین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ امام محی السنۃ بغوی فرماتے ہیں: "يعني أبا بكر في قول الجميع"(۳)۔ اور امام علامہ شمس الدین ابن الجوزی نے بھی اس پر اجماع نقل کیا(۴) اور یہ معنی ابو بکر بن ابی حاتم، و طبرانی، و ابن زہیر، و محمد بن اسحاق وغیرہم محدثین کی احادیث میں وارد ہے(۵)، حتی کہ طبرسی نے باوجود رفض، تفسیر "مجمع البیان" میں اسی کو مقبول رکھا، اور انکار کا یارا اور اقرار سے چارہ نہ پایا(۶)۔

مع ہذا آیت کے لیے دوسرا محمل صحیح متصوّر ہی نہیں؛ کہ بالضرور یہاں وہی مقصود جو افضل امتِ محمدی ہے(۷)، ورنہ آیۃ

---

(۱) پ۲۶، حجرات: ۱۳۔

(۲) پ۳۰، لیل: ۱۷ تا ۲۰۔

(۳) "تفسير معالم التنزيل" سورة الليل: ۱۸، ۸/ ٤٤٨.

(۴) علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ "الأتقى يعني أبا بكر الصّديق في قول جميع المفسّرين".

("زاد المسير في علم التفسير" تفسير سورة اليل: ۱۷، ٦/ ١٦٧).

(۵) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر "در منثور" میں لکھتے ہیں کہ "امام بزّار، ابن جریر، ابن منذر، طبرانی، ابن عدی، ابن مردویہ اور ابن عساکر ایک دوسری سند سے حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے، اور انہوں نے اپنے والد سے یہ روایت کی ہے، کہ یہ آیت مبارکہ، کہ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دیتا ہو، بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلبگار ہے، اور وہ ضرور اس سے خوش ہوگا"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

("الدرّ المنثور" سورة الليل: ١٩، ١٠/ ٢٨٢).

(۶) مشہور شیعی مفسّر علامہ ابن الحسن طبرسی نے تفسیر "مجمع البیان" میں اس آیت (سورہ لیل، آیت ۱۸) کا نزول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں تسلیم کیا ہے، آپ لکھتے ہیں، کہ "ابن زبیر سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی، آپ نے بہت سے غلام خریدے جو مسلمان ہو گئے تھے، جیسا کہ بلال، عامر بن فہیرہ اور ابو بکر نے ان کو آزاد بھی کر دیا"۔

("تفسير مجمع البيان" جلد ٥، جز ١٠، صـ ٥٠١).

(۷) مفسّرین کی تصریحات سے اس دعوی کو گزشتہ اوراق میں مزیّن کر دیا گیا ہے، کہ "الاتقی" سے بالاتفاق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات =

اولیٰ سے منافقت لازم آئے، اور ہم اور ہمارے مخالفین متفق ہیں کہ ماورائے صدیق ومرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما افضل امت نہیں، پس بالاتفاق تیسرا مراد نہیں ہو سکتا۔ مگر آیتِ اخیرہ کا سیاق شاہد کہ مولیٰ علی -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ- مراد نہیں؛ کہ آگے ارشاد ہوتا ہے:
﴿وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى﴾[1] "اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا عوض دیا جائے"۔
یہ صفت جناب مولیٰ -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ- پر کب صادق ہے؟ کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احسانات دُنیویہ بھی جن میں معاوضہ ومکافات جاری بکثرت ہیں؛ کہ انہوں نے اس پاک گود میں تربیت پائی، حضور والا نے اولاد کی طرح پالا، پرورش کیا، طعام وشراب سے خبر گیری فرمائی، اور انتہائے نعمت تزویج بتول زہرا پر ہوئی[2]۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بخلاف صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے؛ کہ ہر چند جس قدر نعمتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان پر ہیں تمام امت میں کسی پر نہیں، مگر وہ نعمتیں ایسی نہیں جن کا عوض ہو سکے"[3]۔ وہ انعام اس قسم کے ہیں جن کی نسبت حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾[4] "کہ میں نہیں مانگا ہدایت پر تم سے کچھ نیگ، میرا نیگ تو اللہ ہی پر ہے جو پالنے والا سارے جہان کا"۔
شاید اسی لحاظ سے قرآن عظیم میں قید "تُجزیٰ" ذکر فرمائی گئی، پس بالیقین آیۂ کریمہ جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل، اور شانِ نُزول بھی کہ ولی اللہ صدیق وعدو اللہ امیہ بن خلف کا قصہ مشہور بھی اسی پر شاہد ہے[5]۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۵۷)

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضلِ امت ہیں

اب اس آیت کو صغریٰ اور پہلی کو کبریٰ کیجیے، تو شکل اوّل بدیہی الانتاج سے یہ نتیجہ بشہادتِ قرآن عزیز نکلتا ہے کہ

=

مبارکہ مروی ہے۔ مولا علی -کرّم اللہ وجہہ الکریم- کا سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول روایت کرنا، حضرت ابوبکر صدیق کی شان میں ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کو تقویت پہنچانے کے لیے کافی ووافی ہے، جیسا کہ ارشاد مبارکہ ہے کہ «ما خلق اللّٰه مولودًا في الإسلام أنقى، ولا أتقى، ولا أزكى، ولا أعدل، ولا أفضل من أبي بكر الصديق» "اللہ تعالیٰ نے اسلام میں کوئی ایسا بچہ پیدا نہیں فرمایا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ نفیس، متقی، پاکباز، عادل اور افضل ہو۔
("جامع الأحاديث" مسند علي بن أبي طالب، ر: ۳٤۱۹۵م ۱۱/ ۲٦۰. "كنز العمّال" ۱۳، ۳٦۷۰۱/ ۲۳۳).

(۱) پ۳۰، لیل: ۱۹۔
(۲) یہ زبردست عقلی استدلال امام رازی نے تفسیر "مفاتیح الغیب" میں شیعہ حضرات کو رَد کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: "التفسير الكبير" سورة الليل: ۱۷، ۱۱/ ۱۸۰۵.
(۳) "سنن الترمذي" باب مناقب أبي بكر، ر: ۳٥۹٤، ۲/ ٤۷۸٥.
(٤) پ۱۹، شعراء: ۱۰۹۔
(٥) "تفسير ابن أبي حاتم" ر: ۱۹۳٥۹، ۱۰/ ٦۱۳٥.

"صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالی کے نزدیک افضل امت ہیں"[1] وهو المقصود، وكفى بالله شهيداً[2].

تنبیہ: جس طرح علماء کے اس استدلال سے صدیق کی افضلیت ثابت ہوئی، یونہی یہ معنی بھی خوب روشن ہو گئے، کہ مناط افضلیت اکرمیت عند اللہ ہے[3]، اور خدا کے نزدیک عزت ووجاہت وقدر ومنزلت کا زیادہ ہونا ہے، نہ کہ وہ جو حضرات متفضلہ اپنی خیالی قینچیوں سے ہوائی پھول تراشتے ہیں، کہ مناط کثرت لذائذ جنت، یا اوّلیت فی الفلانیۃ وغیرہا امور کم وقعت ہیں۔

تنبیہ: آیۂ کریمہ جس طرح افضلیتِ صدیق پر دلیل ساطع ہے، یونہی ان کے عرفانِ الٰہی وولایتِ ذاتی[4] میں کافۂ امت سے زیادت پر برہانِ قاطع ہے؛ کہ بداہتِ ایمانی شاہد کہ کم رُتبہ کا ولی ہرگز ہرگز اعلیٰ درجہ کے ولی سے اکرم عند اللہ وکثیر العزوالجاہ نہیں ہو سکتا، اور اس کا انکار محض مُکابرہ ہے!۔

اب نہیں معلوم جنہیں صدیق کے أعرَف باللہ وأعظم الاولیاء ہونے میں تردُّد ہے، آیۂ کریمہ سے انکار کر جائیں گے، یا ولی اونیٰ کا ولی اعلیٰ سے اکرم عند اللہ ہونا تسلیم فرمائیں گے۔ ہم ان شاء اللہ اس مبحث کی غایت تنقیح فصل سابع میں بر سر توضیح لائیں گے، فانتظروا إنّي معكم من المنتظرين!۔

صدیق اکبر کو اتقیٰ کہنا درست ہے

اِشتباہ: حضرات تفضیلیہ کو جبکہ آیت میں لفظ "اتقی" جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محمول کرنے سے مفرّنہ ملی، ناچار باعانتِ واہمہ یہ تقریر تراشی، کہ یہاں "اتقی" سے مجرّد "تقی" مراد ہے، یعنی پرہیزگار، نہ وہ کہ اپنے سب ما سواسے پرہیزگار ہو؛ کہ آخر تقوائے صدیق تقوائے حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بالیقین کم تھا، تو ان پر لفظ "اتقی" کا بمعنی متبادر اطلاق کیونکر درست ہوتا؟! اور جب تقی مراد لے لیا تو اب کریمہ کو تفضیل سے کچھ علاقہ نہ رہا[5]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۸، ص۱۵۶)

---

(۱) جیسا کہ خود مولا علی فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں"۔ ("فضائل أبي بكر الصّديق" للعشاري، ر: ۲۳، صـ ٦٥).

(۲) اور یہی مقصود ہے اور اللہ گواہ کافی ہے!۔

(۳) جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارکہ ہے کہ "کسی شخص کو کسی دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں مگر بسبب دین اور تقویٰ کے"۔ ("مسند الإمام أحمد" حديث عقبة بن عامر، ۱۷۹۰۹، ٤/ ١٥٨٥)

(۴) ولایت ذاتی اس لیے، کہ ولایت متعدیہ میں مولیٰ کا تقدّم سبھی کو مسلَّم۔ منہ (امام احمد رضا خان)۔

(۵) "اہل سنت اس کا جواب یہ دیتے ہیں، کہ "اتقی" کو "تقی" کے معنوں میں لینا لغت عربیہ کے خلاف ہے، تو کلام الٰہی کو جو کہ قرآن عربی ہے، اس پر محمول کرنا درست نہ ہوگا، اور اس معنی پر محمول کرنے کی جو ضرورت بیان کی گئی ہے، وہ یوں دُور ہو جاتی ہے کہ کلام سارے لوگوں کے بارے میں ہے، نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں؛ اس لیے کہ شریعت سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور عزت اور مرتبے میں انبیاء علیہم السلام ممتاز ہیں انہیں سارے لوگوں پر، اور سارے لوگوں کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔
پس عُرفِ شرع میں درجات کی فضیلت، اور بڑائی کے سلسلے میں اس قسم کے الفاظ امت کے لیے مخصوص کیے جاتے ہیں، اور عُرف کی تخصیص ذکر کی تخصیص سے زیادہ قوی ہے، اور اہل سنت کے بعض بزرگوں سے سنا گیا ہے، فرماتے تھے کہ یہاں "اتقی" اپنے معنوں میں ہے، یعنی وہ جو اپنے ماسوا سے تقویٰ میں بڑا ہو، خواہ پیغمبر ہو خواہ امت، لیکن ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت حیات تھے، پس =

آپ کے دو ۲ نائب ہوں گے: ایک صدیق اکبر اور دوسرے فاروق اعظم

کتب سابقہ میں حضور اقدس ﷺ کے ذکر شریف میں ہے: ان کے دو ۲ نائب ہوں گے: ایک بن رسیدہ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اور دوسرے جوان یعنی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ: «أما الفتی فخواض غمرات ودفاع معضلات»(۱) "وہ جوان تو سختیوں میں گھس پڑنے والے، اور بڑے دافع البلاء، بڑے مشکل کشا ہوں گے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۵، ص۱۰۰)

فضائل امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

فاروق اعظم، امیر المؤمنین، امام العادلین رضی اللہ عنہ کے جوہر نفس کو خدا جانے صبغۃ اللہ نے کس رنگ پہ رنگا تھا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: «لو كان بعدي نبيٌّ، لكان عمر بن الخطاب»(۲) "اگر میرے بعد نبی ہوتا، تو عمر بن الخطاب ہوتا"۔ شیطان اس جناب کے سایہ سے بھاگتا، اور جب چہرۂ اقدس پہ نظر پڑتی، تازیانۂ جلال فاروقی کی تاب نہ لا کر جھٹ پٹ گر پڑتا۔ سب نے اسلام کی طرف رغبت کی، اور انہیں اس سے عزت ملی، بخلاف عمر بن الخطاب: کہ اسلام نے ان کی طرف رغبت کی، اور اسے ان سے عزت ملی، نہ آئے جب تک نہ بلایا، اور نہ اٹھے جب تک نہ اٹھایا۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۵، ص۱۰۹)

فضائل امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ

ذو النورین غنی رضی اللہ عنہ کو انفاق مال میں وہ رتبہ بخشا، یعنی "اس کے بعد عثمان کچھ بھی کرے، اس پہ مؤاخذہ نہیں، اس کے بعد عثمان کچھ بھی کرے، اس پہ مؤاخذہ نہیں"(۳)۔ تجہیز جیش العسرۃ، وقف بیر رومہ، وزیادتِ مسجد نبوی روز اوّل سے انہی (ذو النورین) کا بہرۂ خاص تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دو ۲ جگر پارے نکاح میں آئے، اور ان دو ۲ چاند سورج کے سبب ذی النورین

---

* حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آخری عمر میں اس کلمہ کے مصداق تھے، کہ حضور کے وصال ظاہری کے بعد خلافت آپ کے لیے ہوئی، اور حضرت عیسی علیہ السلام آسمان میں اٹھائے گئے ہیں، اور وہ اس سے مستثنی ہیں، اور "اتقی" کے لیے لازم نہیں ہے کہ ہر وقت زندوں اور فوت شدگان میں سے ہر شخص کی نسبت سے تقوی میں بڑھا ہوا ہو، ورنہ کسی کو "اتقی" کہنا درست نہ ہوگا کیونکہ طفل (بچپن) کے زمانہ میں تقوی کا تصور نہیں ہے، اور شرعی طور پر قابل تعریف ہر منصب میں اعتبار آخری عمر کا ہے، جیسے صلاحیت، قرشیت، تعلیت، ولایت اور نبوت، لہذا ان لوگوں کو جو عمر کے آخری حصے میں ان درجات سے مشرف ہوئے ہیں، ان درجات کے القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں اگرچہ اوّل عمر میں انہیں یہ مراتب حاصل نہ تھے، پس "اتقی" وہ ہے جو عمر کے آخری حصے میں (جو کہ اعمال کے اعتبار کا وقت ہے) دوسرے موجود لوگوں سے تقوی میں بڑھا ہوا ہو، اور اسی کے ساتھ کسی تخلف اور تاویل کے بغیر تقوی ثابت ہو جاتا ہے"۔

("فتاوی رضویہ" رسالہ "مطلع القمرين في إبانة سبقة العمرين" ۱۱/۶۱۸)

(۱) "السيرة الحلبية" ذكر غزوة أحد، ۲/ ۲٤۷.

(۲) "سنن الترمذي" باب في مناقب عمر بن الخطاب، ر: ۳۷۰٦، ٥/ ۳۸٥.

(۳) "أسد الغابة" رقم: ۳٥۸۳، ٦/ ٥۱۷-٥۱۸.

لقب پایا، اور فضیلت پر فضیلت یہ کہ حضور نے ارشاد فرمایا: "اگر میری چالیس ۴۰ بیٹیاں ہوتیں، ایک کے بعد ایک سب عثمان کے نکاح میں دیتا"۔ کتابت قرآن عظیم سے پہلے مشرّف ہوئے، اور لُوط علیہ السلام کے بعد اوّل مہاجر خدا کی طرف ہوئے رضی اللہ عنہ۔ اگر کلام کو اس کے نظام سے خارج کرنا، اور سوق بیان کی غرض وغایت سے دُور جاپڑنا محل مرام نہ ہوتا، تو سمند خامہ کو کہ اشتیاق جولان میں لگامیں چاہتا، اور باگیں توڑاتا ہے، چندے رخصت خرام دی جاتی، مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا ایک جواب یاد آیا، اس نے تسکین کر دی: کسی سردار نصرانی نے آپ سے حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت دریافت کی، فرمایا: "تفصیل تو میری قدرت میں نہیں، اور اجمال یہ ہے کہ جیسا مرسِل ویسا رسول"۔ اسی طرح شرف مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حضرات کے فضائل کو اندازہ کیا چاہیے۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۸۷)

فضائل امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ

علی الخصوص شمع شبستانِ ولایت، بہارِ چمنستانِ معرفت، خاتم خلافت نبوت، فاتح سلاسلِ طریقت، طاہر مطہّر، قاسم کوثر، إمام الواصلين، سيّد العارفين، مولى المسلمين، أمير المؤمنين، أبو الأئمّة الطاهرين، مطلوب كلّ طالب، أسدُ الله الغالب، مَظهَر العجائب والغرائب، سيّدنا ومولانا علي بن أبي طالب، كرّم الله تعالى وجهَه الكريم، وحشرَنا في زُمرته في يوم عقيم، آمين! کہ اس جناب گردوں قباب کی محامدِ جلیلہ ومَناقب جمیلہ جس کثرت وشہرت کے ساتھ ہیں، دوسرے کے لیے وارد نہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کے لیے اس قدر فضائل وارد نہ ہوئے، جس قدر علی ابن ابی طالب کے[1]۔ ہمارے ائمہ وعلماء نے ان میں مستقل تصنیفیں فرماکر سعادت کونین وشرافت دارَین حاصل کی، والحق غیر متناہی کا شمار کس کا اختیار؟!۔ واللہِ العظیم! اگر ہزار دفتر اس جناب کے شرح فضائل میں لکھے جائیں، یکے از ہزار تحریر میں نہ آئیں[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مُواخات کی، عُلوِ نسب وشرافت صِہر میں سب پر برتری ملی۔ جہاد ستانی ولشکر شکنی تھی کہ قوّت الٰہی کا نمونہ، رُوئے انور کی تاب وتجلّی تھی کہ عارض ایمان کا گلگونہ، تلوار تھی یا چہرۂ اسلام کی ڈھال، اور بازو تھے کہ زورِ نبوی کی تمثال، انہیں بازوؤں نے درِ خیبر اکھیڑ کر سپر بنایا، اور اسد اللہ الغالب لقب پایا!۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۸۵، ۸۶)

فضائل علی المرتضی رضی اللہ عنہ

فقیر حیران ہے! یہ حضرات مفضولیتِ مطلقہ واختصاص بخصائص میں مُنافات نہ مانیں گے! یا مولا علی کے مناقبِ خاصّہ

---

(۱) "المستدرك الحاكم" ر: ٤٦٢٨، ٤/ ٦٩. "تفسير الكشف والبيان" تحت الآية: ٥٥، ١/ ٤٢١.

(۲) اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن عباس مولا علی -کرّم اللہ وجہہ الکریم- کے متعلّق فرماتے ہیں کہ "ما نزل في أحد من كتاب الله تعالى ما نزل في علي" کہ قرآن پاک کی جتنی آیات حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہیں، کسی اور کے حق میں نازل نہیں ہوئیں۔ ("تاريخ دمشق الكبير" لابن عساكر، ٤٢/ ٣٦٣).

ہی سے انکار کر جائیں گے! خدارا ذرا آنکھ کھول کر کتبِ حدیث دیکھیں! جس قدر خصائصِ وافرہ حضرت مولا کے مالک و مولا نے انہیں عطا فرمائے، دوسرے کو تو ملے بھی نہیں! پھر صریح آفتاب کا انکار کیونکر بن پڑے گا؟! بحمد اللہ ہمارے آقائے نامدار پر ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ [1] کا ایسا پَرتوِ جلیلہ ہے کہ ان کے فضائل ہماری نشر و تذکیر کے محتاج نہیں، نہ ہماری قدرت اس کی وسعت رکھے، مگر حبیب کا ذکر حبیب، اور رحمتِ الٰہی کا نزول قریب! لہٰذا شوقِ دلی جوش زن ہے کہ شیخین کی تفضیل من جمیع الوجوہ ماننے والے ذرا سنبھل کر ہمیں بتائیں کہ:

وہ کون تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگ مختلف پیڑوں میں سے ہیں، اور میں اور وہ ایک درخت سے "[2]؟ ہاں وہ علی مرتضی ہے! مصطفےٰ کی شاخ اور آلِ مصطفیٰ کی جڑ!۔

ہاں وہ کون تھا جسے نبی ﷺ نے ایک لشکر میں بھیجا، جب وہ پیارا محبوب روانہ ہوا، محبت مصطفیٰ نے جوش فرمایا، حضور اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھ بلند فرما کر دعا کی: "الٰہی مجھے دنیا سے نہ اُٹھانا جب تک علی کو نہ دیکھ لوں!"؟ ہاں وہ علی ہے! محبوبِ خدا و مطلوبِ مصطفیٰ ﷺ!۔

ہاں وہ کون ہے جس کی نسبت مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ہے: "اللہ نے ہر نبی کی ذُرّیت اس کے صُلب میں رکھی، اور میری ذُرّیت اس کی پشت میں "[3]؟ ہاں وہ علی ہے! أبو الأئمة الطاهرين! كرّم الله تعالى وجهه.

ہاں وہ کون ہے جسے بشارت دیتے ہیں: "تُو روزِ قیامت قسیم نار و جنان ہے "[4]؟ ہاں وہ علی ہے! سیّد الأبرار و قاتل الکفار رضی اللہ عنہ!۔

ہاں وہ کون ہے جسے معراج کے جانے والے، عرش پر قدم رکھنے والے نے حکم دیا: "میرے کندھوں پر چڑھ کر سقفِ کعبہ سے بُت گرا دو!" اور جب وہ بلند اختر چڑھا، اپنے کو ایسے مقامِ رفیع پر پایا کہ فرماتا ہے کہ "مجھے خیال آتا تھا، اگر چاہوں آسمان کا کنارہ چھو لوں"؟ ہاں وہ علی ہے! بالا منزلت والا مرتبت! اکرّم اللہ تعالی وجہہ۔

ہاں وہ کون ہے جسے رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک میں ساتھ نہ لے گئے، عرض کیا: حضور مجھے عورتوں بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں! ارشاد ہوا: "کیا تُو راضی نہیں کہ تُو مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو موسیٰ سے، مگر میرے بعد نبی نہیں "[5]؟ یعنی جس طرح موسی علیہ السلام تیس ۳۰ راتوں کے وعدے پر حق سبحانہ وتعالی سے کلام کرنے گئے، تو ہارون علیہ السلام سے فرما گئے تھے کہ ﴿اخلفني في قومي﴾ "میری قوم میں میرے بعد نیابت کرنا!" یونہی ہم بھی جہاد کو تشریف لے جاتے ہیں، اور

(۱) اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ (پ ۳۰، سورۃ الم نشرح، آیت نمبر ۴)۔

(۲) "المعجم الأوسط" باب من اسمه علي، ر: ٤١٥٠، ٤/ ٢٦٣.

(۳) "المعجم الكبير" باب من اسمه حسن بن علي، ر: ٢٦٣١، ٣/ ٤٣.

(٤) "علل الدّارقطني" ر: ١١٣٢، ٦/ ٢٣٣.

(٥) اخ م عن سعد ابن أبي وقاص، ا ر عن أبي سعيد الخدري، طب عن أسماء بنت عميس، وأمّ سلمة، وحبش بن جنادة، وابن عمر، وابن عباد، وجابر بن سمُرة، وعلي، والبراء بن عازب، وزيد بن أرقم رضي الله تعالى عنهم أجمعين. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

تمہیں پسماندوں پر اپنا خلیفہ اور نائب چھوڑتے ہیں، تو تمھاری ہماری نسبت اس وقت بالکل ایسی ہوئی جیسی اس وقت موسیٰ وہارون کی، فرق اس قدر ہے کہ ہارون صرف نائب ہی نہ تھے، بلکہ امام مستقل بھی تھے، کہ خود بھی نبوت رکھتے تھے، تم فقط نائب ہو، امامت بالاستقلال نہیں رکھتے؛ کہ ہمارے بعد کوئی نبی ہے ہی نہیں جو بذاتِ خود والی ہو، یہ ہیں معنیٔ حدیث، اور اس کے سوا جو معنی اَوہام تراشیں، وہ ان پر مردود ہیں، واللہ أعلم. ہاں وہ علی ہے! برادرِ احمد خلیفۂ امجد رضی اللہ عنہ۔

ہاں وہ کون ہے جو تمام مسلمانوں کا مولا بنا؟ اور بتاکیدِ اکید ارشاد ہوا: "جس کا میں مولا اس کا یہ مولا، الٰہی دوست رکھ اسے جو اسے دوست رکھے، اور دشمن رکھ اسے جو اس سے دشمنی کرے" حدیث صحیح ہے۔ اور اس میں بعض علمائے شان نے جو کلام کیا، مقبول نہیں، مگر تفضیلیہ یا رافضیہ کا مطلب اس سے کچھ نہیں نکلتا!!۔

ہاں وہ کون ہے رَخ م طب و روزِ خیبر مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کل یہ نشان اسے دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی، خدا اور رسول اسے پیارے اور وہ خدا اور رسول کا پیارا" رات بھر لوگوں میں چرچا رہا، دیکھیے کسے عطا ہو! صبح حضور نے اس فتح نصیب کو بلا کر نشان عطا کیا[1]؟ ہاں وہ علی ہے! حرزِ اسلام و شیرِ ضرغام رضی اللہ عنہ!۔

ہاں وہ کون ہے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجدِ اقدس میں بحالتِ جنابت گزرنا اپنے لیے جائز رکھا، یا اس کے لیے[2]؟ ہاں وہ علی ہے! طاہر اطہر اعطر! کرّم اللہ وجہہ۔

ہاں وہ کون ہے جب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام میں مُواخات کی، وہ مصطفی کا پیارا روتا آیا، کہ مجھے کسی کا بھائی نہ بنایا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تُو تو میرا بھائی ہے، دنیا وآخرت میں!"؟ ہاں وہ علی ہے! آفتابِ مَکارم ماہتابِ بنی ہاشم رضی اللہ عنہ!۔

ہاں وہ کون ہے جسے فصلِ قضا ورفعِ خصومات میں تمام صحابہ پر ترجیح بیّن ہے[3]؟ یہاں تک کہ فاروق جیسا خلیفۂ بلند رُتبہ پناہ مانگے اس قضیۂ دشوار سے جس میں وہ حاضر نہ ہو۔ اور بارہا کہے: "اگر وہ نہ ہوتا عمر ہلاک ہوجاتا"[4]؟ ہاں وہ علی ہے! صاحبِ رائے ثاقب و فکرِ صائب اکرّم اللہ تعالی وجہہ[5]۔

ہاں آج سق کس شیر شرزا [شیر ببر] نے غضبناک ہوکر سپر ہاتھ سے گرائی ہے، تو خیبر جیسے قلعہ کا دروازہ اکھیڑ کر سپر بنایا ہے[6]؟ جس کے زورِ بازو کا ملأ اعلیٰ میں شور پڑ گیا ہے؟ ہاں وہ علی ہے! اسدِ حیدر ضیغم غضنفر رضی اللہ عنہ!۔

---

(۱) "السنن الكبرى" ر: ٧٤٢، ٧/ ٤١٢.
(۲) "السنن الكبرى" باب دخول المسجد جنب، ر: ١٣٧٨٥، ٧/ ٦٦.
(۳) "الجوهر النقي" لابن التركماني، ٢/ ٢١١.
(٤) "الاستيعاب في معرفة الأصحاب" ذكر علي بن أبي طالب، ٣/ ١١٠٢.
(٥) "البحر الزخار مسند البزّار" مما روى ابو البختري عن علي، ر: ٨٢٠، ٣/ ١١.
(٦) "مصنف ابن أبي شيبة" باب فضائل علي بن أبي طالب، ر: ٣٢٨٠٢، ١٢/ ٨٥.

ہاں فتح میدانِ اُحد میں کس صف شکن شمشیر زن شیر اَفگن نے تیغ شرر بار کی وہ بجلیاں چمکائی ہیں؟ کہ لشکرِ ظفر پیکر مصطفی ﷺ میں مُنادی پکار رہا ہے: «لا سيفَ إلّا ذو الفقار! ولا فتى إلّا عليّ الكرّار»[1]؟ ہاں وہ علی ہے! شیرِ خدا بازوئے مصطفی ﷺ!۔

ہاں وہ کون ہے جسے روزِ قیامت ساقیِ کوثر بنائیں گے؟ اور اس کے ہاتھ سے تشنگانِ اُمّت کو سیراب فرمائیں گے؟ ہاں وہ علی ہے ابرِ سخاوت بحرِ کرامت اکرَم اللہ تعالیٰ وجہہ۔

ہاں وہ کون ہے کہ معرکۂ محشر میں صراط کا بندوبست اس کے ہاتھ ہوگا؟ جب تک وہ پروانہ اجازت نہ لکھ دے گا، گزر نہ ملے گا[2]؟ ہاں وہ علی ہے ہادیِ کریم و صراطِ مستقیم!۔

اے رضائے دل افگار! ہماری تو جان زار اس ماہروئے گل عذار و گل روئے ماہ رخسار کی ہر ادائے شیریں پہ نثار، جو فاطمہ جیسی دلہن کا دولہا بنا![3] «أنتَ منّي وأنا منك!»[4] کا سہرا باندھا، صدیق و فاروق نے درخواست کی، صغرِ سن کے عذر سے قبول نہ ہوئی[5] جب علی نے عرض کیا: «مرحباً وأهلاً»[6] جواب ملا، ذلك فضل الله يؤتيه مَن يشاء، والله ذو الفضل العظيم!۔

ابن عباس فرماتے ہیں: علی کے لیے اٹھارہ ۱۸[7] منقبتیں ایسی تھیں، کہ اس امت میں دوسرے کے لیے نہیں: امیر المومنین فاروقِ اعظم فرماتے ہیں: علی تین ۳ خصلتیں ایسی دیے گئے، کہ اگر میرے لیے ان میں سے ایک ہوتی، تو سُرخ اونٹوں سے زیادہ مجھے پیاری ہوتی (اور یہ ایک مثل ہے عرب میں نہایت محبوب چیز کے لیے) دریافت کیا گیا: وہ خصلتیں کیا ہیں؟ فرمایا: "(۱) نبی کا اپنی بیٹی انہیں دینا، (۲) اور ان کا مسجد میں رہنا، کہ میرے لیے اس میں حلال نہیں جو انہیں حلال ہے، (۳) اور روزِ خیبر کا نشان"[8]۔

---

(۱) "الروض الأنف" ۳/ ۲۸۸.

(۲) "الرياض النضرة" ذكر اختصاصه، بأنّه من النبي وإنّه ولي كلّ مؤمن بعده، ۱/ ۲۵۲.

(۳) "مستدرك الحاكم" ر: ٤٢١٤، ۳/ ۱۳۰. (وقال الذهبي: صحيح).

(٤) "السنن الكبرى" للنسائي، كتاب الخصائص، ذكر اختلاف أبي إسحاق، ر: ۸۲۵٦، ٥/ ۱۲۷.

(٥) "السنن الكبرى" كتاب النكاح، تزوج المرأة مثلها من الرجال في السن، ر: ٥٣۱۰، ٥/ ۱٥۳.

(٦) "الطبقات الكبرى" ذكر بنات الرسول، فاطمة بنت رسول الله، ۸/ ۱۷.

(۷) اصول میں مبرہن ہو چکا کہ عدد کے لیے مفہوم نہیں، اور ایک عدد کا ذکر زیادت کا منافی یا نائد کا نافی نہیں۔ سرورِ عالم ﷺ فرماتے ہیں: «فضلتُ على الأنبياء بستّ» ["صحيح مسلم" كتاب المساجد، ر: ٥٢٣، صـ ۲٥٦] "میں انبیاء پر چھ ٦ باتوں میں تفضیل دیا گیا ہوں"، حالانکہ حضور کی وجوہ تفضیل حدِ احصاء سے خارج ہیں۔ ہم نے یہاں بتبعیت حضرت ابن عباس اٹھارہ ۱۸ خصائص پر اقتصار کیا، اور جو چھوڑ دیا اس سے بدرجہا اکثر ہے جو قیدِ تحریر میں آیا۔ والله تعالى أعلم. منہ [امام احمد رضا].

(۸) "مصنف ابن أبي شيبة" فضائل علي بن أبي طالب، ر: ۳٦، ۷/ ٥۰۰.

اے عزیز! صوفیہ کے دل سے پوچھ! جو احسانات ان پر اس جنابِ آسمان قباب کے ہیں، خدا تک وصول بے ان کا دامن پکڑے مُحال ہے، اور راہِ سُلوک میں قدم رکھنا بے اِن کی عنایت واِعانت کے خام خیال ہے، تکمیل وارشادِ باطنی کا سہرا اسی نُوشاہِ بزمِ عرفان کے سر ٹھہرا، غوث وقطب واَبدال واَوتاد اِسی سرکار کے محتاج ہیں، اور طالبانِ وصلِ الٰہی کو اسی بارگاہ کی جبیں سائی معراج ہے ع

سلامی جس کے در کا ہر وَلی ہے
علی ہے علی ہے علی ہے

اللہ تبارک وتعالی کی نیابتِ عامّہ وخلافتِ تامّہ حضور سیّد المرسلین -صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین- کو حاصل ہے، عالَمِ عُلوی وسُفلی میں ان کا حکم جاری ہے، فرمان روائے کُن کوان کی زبان کی پاسداری ہے، تدابیر وتصرّف کی باگیں ان کے ہاتھ میں دی گئیں ہیں، اور کاروبارِ عالَم کی کنجیاں ان کے قبضۂ اقتدار میں رکھی گئیں ہیں، منشور خلافتِ مطلقہ وتفویضِ تام کا ان کے نامِ نامی پر پڑھا گیا، اور سکّہ وخطبہ ان کا ملأ اَوّل سے عالَمِ بالا تک جاری ہوا، دنیا ودین میں جو جسے ملتا ہے، ان کی بارگاہِ عرش اشتباہ سے ملتا ہے۔

حضور ارشاد فرماتے ہیں: «أُعطيتُ مفاتيح الأرض»[1] "مجھے زمین کی کنجیاں دی گئیں" اور فرماتے ہیں: «أُوتيتُ مفاتيح كلّ شيء»[2] "مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا ہوئیں"۔ علمائے کرام فرماتے ہیں: نبی خزانۂ راز ہیں، اور انہیں کے توسّط سے عالَم کے سب کام نفاذ پاتے ہیں، ان کے غیر سے نہ کوئی حکم نافذ ہو، نہ ان کے سوا دوسری سرکار سے کوئی نعمت خلق پر فائض ہو، جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے، عالَم میں کوئی ان کے ارادہ ومشیئت کا پھیرنے والا نہیں۔

امام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی شارح "صحیح بخاری شریف"، "مواہب لدُنیہ" و"منح محمدیہ" میں فرماتے ہیں: پھر حضور کی بارگاہ میں یہ کارِ خطیر ومنصبِ جلیل حضرت مولا علی -کرّم اللہ وجہہ- کو مرحمت ہوا، تمام اَقطابِ عالَم اس جناب کے زیرِ حکم مدبّرات الأمر میں، سروَروں پر سروَری، افسروں پر افسری، جملہ اَحکام عزل ونصب، وعطاومنع، وکُن ومکن انہیں کی سرکارِ والااِقتدار سے شرفِ اِمضاء پاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حاجتمندانِ عالَم اپنے مَطالب ومقاصد میں ان سے استمداد کرتے، اور آستانِ فیض نشان پر سرِ ارادت دھرتے ہیں، یہاں تک کہ عُرفِ مسلماناں میں "مولا مشکل کشا" اس جناب کا نام ٹھہرا، اور "نادِ عليّاً مَظهَر العجائب" کا غلغلہ سمک سے سماک تک پہنچا۔ پھر بنیابتِ مرتضوی حضرت محبوب ذی الجلال، قطب الارشادوالابدال، تفسیر باطن قرآن، راحت روحِ ایمان، قبلۂ جان ودل، بے لَوث آب وگِل، سرّالسر، نورُالنور، سیّد الکونین، غوث الثقلین، قطبِ ربانی، محبوب سبحانی، سیّدنا ومولانا محی الدّین ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی -قدّسنا اللهُ بسرّه الكريم، ورحمنا به يومَ لا وليَّ

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، ر: ١٣٤٤، صـ٢١٥.
(٢) "المعجم الكبير" عبد الله بن عمر، ١٢/ ٢٧٦.

و لا حیم، آمین !۔ وسادۂ خسروی [شاہی مسند] و مسندِ حاجت روائی پر جلوہ افروز ہوئے۔

فاضل علی قاری "نزہۃ الخاطر" اور "شطنوفی" "بہجۃ الاسرار" اور امام یافعی اپنی بعض تالیفات میں، اور شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی "اخبار الاخیار" میں اس جناب ملائک رکاب سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور فرماتے ہیں: "جو کسی سختی میں مجھ سے توسّل کرتا ہے، وہ سختی اس کی دُور ہو جاتی ہے، اور جو کسی حاجت میں مجھ سے فریاد کرتا ہے، وہ حاجت اس کی بر آتی ہے، اور جو بعد نمازِ مغرب دو ۲ رکعتیں پڑھے، پھر نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجے، پھر عراق کی طرف گیارہ ۱۱ قدم چلے، ہر قدم پر میرا نام لیتا جائے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت رَوا فرمائے !۔

اے عزیز! ساداتِ صوفیائے کرام کہ ائمۂ باطن و حضار مواطن ہیں، ان اُمور کو اپنے مُشاہدے سے بیان فرماتے ہیں، اور علمائے شرع ان سے تسلیم و تائید پیش آتے ہیں۔ آنکھوں والوں نے دیکھ کر جانا، ماننے والوں نے سن کر مانا، حرمان نشانہ وہ جسے نہ یہ ملا نہ وہ! اے مدّعی کج فہم! کہنہ تختۂ مشق وہم، کیوں بچشمِ خشم نگراں ہے؟ چھوڑ کہ تیرا دست تعنّت میرے دامن پر گراں ہے! سمجھا نہ سمجھا عبث الجھا! بے وجہ جھگڑا ناحق بگڑا! خدا کو مان! رُوئے سخن اپنی طرف نہ جان! بے گانہ وار اِدھر نہ گزر! مجلس یاراں منغّص [گدلا] نہ کر! اُٹھ کہ اس باطنی دفتر میں لِمَ، و لا نُسلّم کا قصّہ نہیں، ہمارے گرم تر ساغر میں فقیہِ سرد و زاہدِ خشک کا حصہ نہیں، غوثِ اعظم کا ارشاد ہمارا دین ہے، اور مُشاہداتِ صوفیہ پر کامل یقین! مورِ ناتواں تھے پرِ ہُدہُد سے لپٹ گئے، قسمت میں ہے تو سلیمان تک پہنچ ہی جائیں گے، ورنہ پامالیوں سے تو نجات پائیں گے! تجھے اگر یہ روش ناپسند ہے، جا انہی بو علی و فلاطون کے کھودے ہوئے کنوؤں میں گر! یا تیرہ ۱۳ صدی کی تازہ بدعتوں کے بارہ باٹ راستوں میں پھر! ہمارا وقت پریشان کرنے سے کیا فائدہ؟! ع

ناواقفانِ راز کے منہ کہاں تک لگیے! تفریحِ قلب کو کوئی منقبت سراپا برکت چھیڑیے !۔

("فتاوی رضویہ" ج ۲۱، ص ۱۰۷، ۱۰۸)

أجلّ التبصرات

تبصرۂ ثامنہ ۸: صدرِ اوّل کے بعد مسئلۂ تفضیل میں عہدِ قدیم سے دو ۲ مذہب تھے: (۱) اہلِ سنّت حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو افضل، اور عُلوِ جاہ و رفعت پائے گاہ میں اعلیٰ و اکمل جانتے۔ (۲) اور تفضیلیہ ان اُمور میں حضرت مولا علی ۔کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ کو سب پر تفوّق مانتے۔ اب مرورِ زمانہ و کثرت اَہواء و تشتّت آراء سے ہر مذہب میں ایک شاخ پھوٹ کر دو ۲ کے چار ۴ ہو گئے۔ اِدھر والوں میں بعض غصہ ناکوں پر ان کے تعصب کا یہ فرمان جاری ہوا، کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفضیل میں جمیع الوجوہ کا دعوی کر دیا، جن کی خدمت گزاری ہم تبصرہ سابعہ ۷ میں کر آئے۔ اور اُدھر والوں میں جن کے قلوب نے غلبۂ ہَوا و غلظت و جفا سے تفضیلِ شیخین کو گوارا نہ کیا، اور صریح انکار میں نامِ سنّیت مسلوب ہوتے دیکھا، نا چار تحصیلِ مطلوب و دفعِ مکروہ کی یہ راہ نکالی، کہ زبان سے تفضیلِ شیخین کا اقرار، اور ترتیبِ مذکورۂ اہلِ سنّت پر بکشادہ پیشانی اِصرار رکھا، مگر افضلیت کے معنی وہ تراشے جس سے ان کا مرتبہ حضرتِ مولا پر بڑھنے نہ پائے، اور اپنا مطلبِ فاسد ہاتھ سے نہ جائے۔

اس فرقہ کے سامنے جس قدر دلائل قرآن وحدیث وآثار اہل بیت واقوال علماء سے پیش کیجیے، محض بے سود پڑتے ہیں، وہ سب کے جواب میں ایک ذرا سی بات کہہ دیتے ہیں کہ "ہمیں تفضیل شیخین سے کب انکار ہے؟! ہم خود انہیں بعد انبیاء افضل البشر جانتے ہیں، مگر افضلیت کے معنی یہ ہیں، نہ کہ وہ جو تم سمجھے!"۔ لیجیے آدھے فقرہ میں سارا دفتر گاؤ خور ہو گیا، کی کرائی محنت برباد ہو گئی، لہذا واجب کہ اوّل معنیٔ افضلیت کی تحقیق وتنقیح، اور اس فرقۂ جدیدہ کے اوہام کا قلع قمع ہولے، اس کے بعد نظم حجج واقامت براہین کا دروازہ کھلے، پھر ان شاء اللہ تعالی حجت الہی اتمام پائے گی، اور مخالف کو کوئی راہ مفر نظر نہ آئے گی!(۱)۔

جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان سے مشرف ہوئے، اس وقت آپ کی عمر آٹھ دس سال تھی

أقول وبالله التوفيق: یہ تو ظاہر ومعلوم وثابت ہے، کہ حضرت امیر المؤمنین، مولی المسلمین، سیدنا علی مرتضی -کرّم اللہ وجہہ الاسنی- وقتِ بعثت سراپا برکت حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مشرف بتصدیق وایمان ہوئے، اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ دس سال تھی، اور بالیقین جو عاقل بچہ اسلام لائے، حکم اسلام میں مستقل بالذات ہے، پھر کسی کی تبعیت سے اس پر حکم دیگر حلال نہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۶۰)

مولا علی نے آنکھ کھولی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا جمالِ جہاں آرا دیکھا

فأقول وبالله التوفيق: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لحاظ سے تو یہ تخصیص ہی غلط ہے، کہ وہ بھی اس فضلِ جلیل میں شریکِ حضرت اسد اللہ الغالب، بلکہ انصاف کیجیے تو شریکِ غالب ہیں، اگرچہ دونوں حضرات قدیمُ الاسلام ہیں؛ کہ ایک آن ایک لمحہ کو ہرگز ہرگز متصف بکفر نہ ہوئے، مگر اسلامِ میثاقی واسلام فطری کے بعد اسلامِ توحیدی واسلامِ اخص دونوں میں صدیق اکبر کا پایہ ارفع واعلی ہے۔ توحیدی میں یوں کہ صدیق اکبر کی ایک عمر کثیر اس زمانۂ ظلمت وجہالت میں گزری، ابتداء میں مدتوں حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اسلام پناہ سے دُوری ہی رہی، اس پر بچپنے کی کچی سمجھ میں ان کے والد ماجد رضی اللہ عنہ کا (کہ اس وقت تک مبتلائے شرک تھے) اپنے دینِ باطل کی تعلیم دینا، بُت خانے میں لے جا کر سجدۂ بُت کی تفہیم کرنا، غرض رَہنما مفقود، رَہزنی موجود۔ بایں ہمہ ان کا توحیدِ خالص پر قائم رہنا، اللہ اکبر! کیسا اجل واعظم ہے!۔

حضرت امیر المؤمنین مولا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الاسنی- نے آنکھ کھولی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا جمالِ جہاں آرا دیکھا، حضور ہی کی گود میں پرورش پائی، حضور ہی کی باتیں سنیں، حضور ہی کی عادتیں سیکھیں، شرک وبُت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالی نے کبھی نہ دکھائی، آٹھ یا دس سال کے ہوئے کہ آفتاب جہاں تابِ رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اٹھا، والحمد لله ربّ العالمين!. ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۷۴)

سیدنا فاروقِ اعظم وسیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہما کا مقام ومرتبہ، اور فضل جزئی وکلی میں فرق

رہے امیر المؤمنین فاروق وامیر المؤمنین غنی رضی اللہ عنہما، مذہبِ جمہور اہل سنت میں امیر المؤمنین حیدر رضی اللہ عنہ سے تو وہ

(۱) اس سے آگے لفظ فضل، افضل اور دیگر پر ابحاث ہیں، جو متعلق اس مقام کے نہیں، لہذا انہیں یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

دونوں افضل، اور امیر المؤمنین صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ سب سے افضل ہیں، مگر اس وجہ سے افضل نہیں کہ یہ قدیمُ الاسلام ہیں اور وہ جدیدُ الاسلام؛ کہ یہ فضل جزئی ہے، جو مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے، فضل کلّی اور شے ہے، جس کی تحقیقِ اَنیق ہم نے کتابِ مذکور [مطلع القمرین] میں ذکر کی۔ قدم اسلام اگر مُوجِبِ افضلیت ہو تو لازم آئے کہ مَن و تُو زید و عَمرو کہ بعونہٖ تعالیٰ باپ دادا پردادا پشت ہا پشت سے مسلمان چلے آتے ہیں، عمر و عثمان ابوذر و سلمان و حمزہ و عباس وغیرہم صحابۂ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (معاذ اللہ) افضل ٹھہریں! تو اس بنا پر دعوائے افضلیت محض جہالت، اور فضل جزئی و کلّی کے تفرِقہ سے غفلت ہے۔

واللهُ الهادي ووليُّ الأيادي، والله ﷻ أعلَم، وعلمُه -جلّ مجدُه- أتمّ وأحكَم!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۷۵)

خلفائے ثلاثہ سے آیا حضرت علی افضل تھے یا کم؟

اہل سنّت و جماعت -نصرہم اللہ تعالیٰ- کا اِجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورُسل وانبیائے بشر -صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم- کے بعد حضرات خلفائے اربعہ -رضوان اللہ تعالیٰ علیہم- تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں۔ تمام اُمم عالَم اوّلین وآخرین کوئی شخص ان کی بزرگی و عظمت و عزّت و وجاہت و قبول و کرامت و قرب و ولایت کو نہیں پہنچتا، ﴿ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾[1]. ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۵۴)

خلفائے اربعہ میں باہم ترتیب

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے، کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولیٰ علی -صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیّدہم و مولاہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلّم-، اس مذہبِ مُہذّب پر آیاتِ قرآن عظیم، واحادیثِ کثیرہ حضور پُرنور نبی کریم -علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلاۃ والتسلیم- وارشاداتِ جلیّہ واضحہ امیر المؤمنین مولیٰ علی مرتضی، ودیگر ائمۂ اہل بیت طہارت وارتضا، واِجماعِ صحابۂ کرام و تابعین عظام، وتصریحاتِ اولیائے ملّت و علمائے امت -رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- سے وہ دلائلِ باہرہ و حُجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہوسکتا۔ یہاں صرف چند ارشاداتِ ائمۂ اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اقتصار ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمت و رضوان وبرکت امیر المؤمنین اسد حیدر، حق گو، حق داں، حق پرور -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ- پر کہ اس جناب نے مسئلۂ تفضیل کو بغایت مفصّل فرمایا، اپنی کرسی خلافت و عرش زعامت پر بر سرِ منبر مسجد جامع ومشاہد و مجامع، وجلوات عامّہ، وخلوات خاصّہ میں بطُرق عدیدہ مدیدہ سپید وصاف، ظاہر وواشگاف، محکم و مفسّر، بے احتمالِ دگر، حضرات شیخین کریمین وزیرَین جلیلین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنی ذاتِ پاک، اور تمام امّتِ مرحومۂ سیّد لَولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل وبہتر ہونا، ایسے روشن واَبیَن طور پر ارشاد کیا، جس میں کسی طرح شائبۂ شک و تردّد نہ رہا، مخالفِ مسئلہ کو مفتری بتایا، اسے کوڑے کا مستحق ٹھہرایا، حضرت سے ان اقوالِ کریمہ کے راوی، اسّی ۸۰ سے زیادہ صحابہ و تابعین ہیں، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

---

(۱) پ۲۷، حدید: ۲۹۔

"صواعق" امام ابن حجر مکّی میں ہے: ذَہبی نے کہا: تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ بات اپنے دَورِ خلافت و حکومت میں، اور کثیر مصاحبین کے در میان فرمائی، بعد ازاں اس بارے میں صحیح سندوں کو تفصیل سے ذکر کیا، یہ بھی کہا کہ محدثین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اس امر کی روایت کرنے والے اسّی ۸۰ سے زیادہ حضرات ہیں، ان میں سے ایک جماعت کا ذکر بھی کیا اور فرمایا: خدا روافض کو ذلیل کرے! کس قدر جاہل ہیں!۔

یہاں تک کہ بعض منصفانِ شیعہ مثل عبدالرزّاق محدّث صاحبِ "مصنَّف" نے باوصف تشیّع تفضیلِ شیخین اختیار کی اور کہا: جب خود حضرت مولی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الاسنی- انہیں اپنے نفسِ کریم پر تفضیل دیتے ہیں، تو مجھے اس کے اعتقاد سے کب مَفر ہے؟! مجھے یہ کیا گناہ تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں!۔

"صواعق" میں ہے: بعض منصف شیعہ مثلاً عبدالرزّاق محدّث نے کیا ہی عمدہ طریقہ اختیار کیا ہے! وہ کہتے ہیں: میں شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما) کو اس لیے افضل مانتا ہوں، کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں اپنے آپ سے افضل قرار دیا، ورنہ میں انہیں افضل نہ مانتا۔ میرے لیے یہی گناہ کیا کم ہے کہ میں ان کی محبت کرتے ہوئے ان کی مخالفت کروں![1]۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۵،۵۶)

چند احادیثِ مرتضویہ

اب چند احادیث مرتضوی سنیے:

حدیث اوّل: "صحیح بخاری شریف" میں سیدنا و ابن سیدنا امام محمد بن حنفیہ، صاحبزادہ مولی علی -کرّم اللہ تعالی وجوہہما- سے مروی: میں نے اپنے والد ماجد -کرّم اللہ تعالی وجہہ- سے عرض کی: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں میں بہتر کون ہے؟ فرمایا: ابو بکر، میں نے عرض کی: پھر کون؟ فرمایا: عمر، رضي الله تعالى عنهم أجمعين.

حدیث دُوم ۲: امام بخاری اپنی "صحیح" اور ابن ماجہ "سنن" میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المؤمنین -کرّم اللہ تعالی وجہہ- سے روای کہ فرماتے تھے: بہترین مرد بعد سیدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ابو بکر ہیں، اور بہترین مرد بعد ابو بکر عمر ہیں رضی اللہ تعالی عنہما۔

حدیث سوم ۳: امام ابو القاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل الطلحی "کتاب السنۃ" میں راوی: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: امیر المؤمنین -کرّم اللہ تعالی وجہہ- کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ تعالی عنہما سے افضل بتاتے ہیں، یہ سُن کر منبر پر جلوہ فرما ہوئے، حمد و ثناءِ الٰہی بجا لائے، پھر فرمایا: "اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابو بکر و عمر سے افضل کہتے ہیں، اس بارے میں اگر میں نے پہلے سے حکم سنا دیا ہوتا تو بے شک سزا دیتا، آج سے جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری ہے، اس پر مفتری کی حد یعنی اسّی ۸۰ کوڑے لازم ہیں!"۔ پھر فرمایا: "بے شک نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد افضلِ امت ابو بکر ہیں پھر عمر، پھر خُدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سب سے بہتر ہے!"۔ علقمہ فرماتے ہیں: مجلس میں سیدنا امام حسن مجتبی رضی اللہ تعالی عنہ بھی

---

(۱) "الصواعق المحرقة" الباب ۳، الفصل ۱، صـ۹۳.

تشریف فرما تھے، انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے، رضي الله تعالى عنهم أجمعين.

حدیث چہارم ۴: امام دار قطنی "سنن" میں، اور ابو عمر بن عبد البرّ "استیعاب" میں حکم بن حجل سے راوی، حضرت مولی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- فرماتے ہیں: "میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر و عمر سے افضل کہتا ہے، اسے مفتری کی حد لگاؤں گا!"۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: "یہ حدیث صحیح ہے"۔

حدیث پنجم ۵: "سنن دار قطنی" میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے، کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے صحابی، اور امیر المؤمنین علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- کے مقرب بارگاہ تھے، جناب امیر انہیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے، مروی: یعنی ان کے خیال میں مولی علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- تمام اُمت سے افضل تھے، انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا، سخت رنج ہوا، حضرت مولی ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانۂ ولایت میں لے گئے، غم کی وجہ پوچھی، گزارش کی، فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ اُمت میں سب سے بہتر کون ہے؟ ابوبکر ہیں پھر عمر۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا، اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا! بعد اس کے کہ خود حضرت مولی نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔

حدیث ششم ۶: امام احمد "مسند ذی الیدین" رضی اللہ تعالی عنہ میں ابن ابی حازم سے راوی: یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہو کر عرض کی: حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں ابوبکر و عمر کا مرتبہ کیا تھا؟ فرمایا: جو مرتبہ ان کا اب ہے، کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں!۔

حدیث ہفتم ۷: دار قطنی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، کہ ارشاد فرماتے ہیں: یعنی اولادِ امجاد حضرت بتول زہرا -صلی اللہ علی ابیہا الکریم وعلیہا وتلیہم وبارک وسلم- کا اجماع واتفاق ہے، کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو!۔

حدیث ہشتم ۸: امام ابن عساکر وغیرہ سالم بن ابی الجعد سے راوی: یعنی میں نے امام محمد بن حنفیہ سے عرض کی: کیا ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا: نہ۔ میں نے کہا: پھر کیا بات ہے کہ ابوبکر سب سے بالا رہے اور پیش لے گئے؟ یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے! فرمایا: یہ اس لیے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے، یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔

حدیث نہم ۹: امام ابو الحسن دار قطنی جندب اسدی سے راوی، کہ امام محمد بن عبد اللہ محض، ابن حسن مثنی بن حسن مجتبی بن علی مرتضی -کرّم اللہ تعالی وجوہہم- کے پاس کچھ اہل کوفہ وجزیرہ نے حاضر ہو کر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے بارے میں سوال کیا، امام ممدوح نے میری طرف ملتفت ہو کر فرمایا: اپنے شہر والوں کو دیکھ! مجھ سے ابوبکر و عمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں، "وہ دونوں میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں" رضي الله تعالى عنهم أجمعين.

یہ امام اجل حضرت امام حسن مجتبی کے پوتے، اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے نواسے ہیں، ان کا لقب مبارک نفس زکیہ ہے، ان کے والد حضرت عبد اللہ محض، کہ سب میں پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے، لہذا "محض" کہلوائے۔ اپنے زمانے میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والد ماجد امام حسن مثنی اور والدۂ ماجدہ حضرت فاطمہ صغری بنت امام

حسین ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علی أبیھم و علیھم وبارك وسلّم

حدیث ۹۰: امام حافظ عمر بن شبہ، حضرت امام اجل سیّد زید شہید، ابن امام علی سجاد زین العابدین، ابن امام حسین شہید۔ صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی جدّہم الکریم وعلیہم۔ سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا: یعنی خارجیوں نے اتنا کہ ان سے تبرّی کی جو ابوبکر و عمر سے کم تھے، یعنی عثمان وعلی رضی اللہ عنہما، مگر ابوبکر و عمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ پائی، اور تم نے اسے کوفیو اوپر جست کی کہ ابوبکر و عمر سے تبرّی کی، تو اب کون رہ گیا؟ خدا کی قسم اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تبرّا نہ کیا ہو۔ والعیاذ باللہ ربّ العالمین!۔
("فتاوی رضویہ" ج ۲۱، ص ۵۸)

فضل لغت میں بمعنی زیادت ہے، اور افضل وہ جو اپنے غیر سے زیادہ ہو

فأقول وباللہ التوفیق: فضل لغت میں بمعنی زیادت ہے، اور افضل وہ جو اپنے غیر سے زیادہ ہو، مگر ہم جو نظر کرتے ہیں تو بعض فضائل ایسے ہیں جن کی رُو سے ان کے متصف پر لفظ افضل بارسال واطلاق محمول ہوتا ہے، کسی جہت و حیثیت سے تقیید کی حاجت نہیں ہوتی، اور بعض کی رُو سے قیدِ خاص لگا کر اطلاق کرتے ہیں، مطلق چھوڑ نا روا نہیں رکھتے۔

مثلاً ایک شخص فنونِ سپہ گری [گھوڑ سواری کی ایک قسم] میں طاق، بانک بنوٹ میں مشاق، گھوڑا اچھا پھراتا ہے، تیغ و تیر خوب لگاتا ہے، دوسرا عالم نحریر، فاضلِ بے نظیر۔ جب ان دونوں کی نسبت سوال ہوگا، ان میں کون افضل ہے؟ جواب دیا جائے گا: عالم۔ اور اس وقت کسی قید و خصوصیت کی احتیاج نہ ہوگی، اور عسکری کی فضیلتِ خاصہ بیان کرنا چاہیں گے تو یوں کہیں گے، کہ یہ سپاہی اس عالم سے فنونِ سپہ گری میں افضل ہے، بغیر اس قید کے اس کی افضلیت کا حکم درست نہ ہوگا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ فضائل باہم درجاتِ شرف میں متفاوت ہیں، نہ متساویۃ الاقدام۔ پس جب دو ۲ فضیلتوں متفاوتہ کے متصفین سے سوال ہوگا، افضل مطلق صاحبِ فضل و شرف پر محمول ہوگا، اور دوسرے کو افضل کہیں گے تو اس فضلِ خاص کو قید لگا کر، نہ کہ مطلقاً وھذا ظاھر جدّاً۔

اب وہ شخص جسے تمام آدمیوں خواہ کسی قومِ خاص میں سب سے افضل کہیے، اور اسے اپنے ان اغیار میں جس کے ساتھ ملا کر دیکھیے، افضل مطلق کا حمل اسی پر کیا جائے۔ بالضرور ایسے فضل میں فائق ہونا چاہیے جو ان سب اغیار کے فضائل سے اشرف واجل ہو، جیسے علم و تفقہ فی الدین بنسبت مہارتِ فنونِ حرب وغیرہ کے، ورنہ اگر ان میں کوئی شخص اس سے بہتر فضیلت رکھتا ہے، تو جب اس کے ساتھ ملا کر دریافت کریں گے، افضل بالاطلاق اسی پر اطلاق ہوگا۔ پھر یہ شخص ان سب سے افضل کب ہوا؟ ھذا خلف۔ ہم ایسے ہی فضل کا نام فضلِ کلّی و فضیلتِ مطلقہ رکھتے ہیں، اور جن فضائل کی رُو سے یہ اطلاق بعد تقییدِ جہت و حیثیت صحیح ہوتا ہے، وہ فضائلِ جزئیہ و خاصہ ہیں۔ اور زبانِ عرب میں فضلِ اوّل سے تعریف لفظ فضل اخبار ہوتا ہے، اور ثانی سے اس کی تنکیر کے ساتھ، فیقال: للعالم الفضلُ علی العسکري، وھٰذا العسکري فضل ما علی العالم[1]

(1) یعنی کہا جاتا ہے کہ عالم کے لیے سپاہی پر فضیلت ہے، اور اس سپاہی کو عالم پر جزوی فضیلت ہو سکتی ہے۔

پس ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے، کہ جب کلام اپنے مخصوص میں ہو، جن میں ہر ایک خصوصیاتِ خاصہ رکھتا ہے، کہ اس کے غیر میں نہیں پائی جاتیں، اور ان میں ایک کو سب سے افضل کہا جائے، اور وہ حکم جہاتِ خاصہ کی تقیید سے عاری ہو، تو اس کلام سے یہی معنی سمجھے جائیں گے، کہ یہ شخص اپنے اصحاب پر فضلِ کلّی رکھتا ہے، اور اس جماعت میں ایسی فضیلت سے مختص ہے، کہ اَوروں کا کوئی فضل اس کے مُوازی و ہمسر نہیں۔ اور تبصراتِ سابقہ سے واضح ہو چکا کہ صحابہ میں اکثر حضرات خلعت ہائے خاص سے مشرّف تھے، کہ ہر ایک کو اپنی اس فضیلتِ خاصہ میں افضل کہہ سکتے ہیں، تو بالضرور فضائلِ جزئیہ کہ حملِ افضل بالتقیید کے مجوِّز ہیں، موردِ نزاع وصالحِ اختلاف نہیں ہو سکتے، بلکہ مابہ النزاع وہی فضلِ کلّی ہے کہ مصحّحِ اطلاقِ افضل بالاطلاق ہے، پس مطمحِ نظرِ فریقین اس مسئلہ میں یہ ٹھہرا، کہ صحابہ سیّد المرسلین -صلی اللہ تعالی علیہ وسلّم وعلیہم اجمعین- میں کون ایسے فضل وبزرگی والا ہے، جو تمام فضائل وکمالات سے بلند وبالا ہے؟ جس کی رُو سے ہم اسے علی العموم سب صحابہ سے بے تقییدِ جہت وتخصیصِ حیثیت افضل کہیں؟ اور فضلِ کلّی کا صاحب بتائیں؟۔

اب ہم دونوں فریق کو عنانِ توجہ اس طرف منعطف کرنا لازم، کہ آخر مَناط اس فضل کا کیا ہے؟ اور کس بات کے سبب یہ اطلاق صحیح ہوتا ہے؟ مگر اَطراف وجوانب کے ملاحظہ سے روشن ہوا کہ یہ حکم باختلافِ مقاصد مختلف ہو جاتا ہے۔ کفّار کا غایت مرام ونہایت مراد مال وغنا وزینتِ حیاتِ دنیا ہے، تو وہ اسی کے لیے فضلِ کلّی ثابت کرتے ہیں جو ثروت وجاہِ دنیوی میں اپنے اَغیار پر فائق ہو، اور اسی پر بلا تقییدِ لفظِ خیر وافضل کا اطلاق کرتے ہیں: كما أخبر الحقّ سبحانه في القرآن العظيم: ﴿وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَؕ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ﴾ (۱) "اور پکارا فرعون اپنی قوم میں، بولا: اے قوم میری! کیا نہیں ہے میرے لیے بادشاہت مصر کی؟ اور یہ نہریں بہتیں میرے نیچے؟ سو کیا تمہیں سُوجھتا نہیں! یا میں بہتر ہوں اس سے یعنی موسیٰ سے؟ وہ ذلیل ہے اور قادر نہیں بات صاف کہنے پر!"۔

کفّارِ مکّہ سے نقل فرماتا ہے: ﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ (۲) "اور بولے: کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی عظمت والے مرد پر دونوں بستیوں مکّہ مدینہ میں سے؟!"۔

اہلِ تکبّر نجابتِ اصل وشرافتِ نسب ونسل پر نازاں ہوتے ہیں اور اسی کو اپنے زعم کے مطابق مدارِ خیریّت ومَناطِ مُفاخرت سمجھتے ہیں

اہلِ تکبّر نجابتِ اصل، وشرافتِ نسب ونسل پر نازاں ہوتے ہیں، اور اسی کو اگرچہ خلافِ واقع ہو، اپنے زعم کے مطابق مدارِ خیریت ومَناطِ مُفاخرت سمجھتے ہیں، كما حكى الكتاب المبين عن اللئيم الرّجيم اللعين: ﴿قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ﴾

---

(۱) پ۲۵، زخرف: ۵۱، ۵۲۔

(۲) پ۲۵، زخرف: ۳۱۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴾[1] "بولا: میں اس سے بہتر ہوں، تُو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا!"۔

عشّاق صورت کے دل سے تناسُبِ اعضاء، وحسنِ دل رُبا، وصفائے چہرہ، ونزاکتِ بشرہ، وصباحتِ خَد، ورَشاقتِ قَد کی لو لگی ہے، وہ اپنے محاورات میں اسی کو افضل کہتے ہیں جو سب سے زیادہ حسین، اور صاحب ادائے شیریں وحسنِ نمکین ہو۔ ایسے ہی ہر فرقہ وطائفہ اپنے مقصود پر نظر رکھتا ہے۔ ہم معشرِ اسلام کا مقصدِ اعلیٰ ومرامِ اسنیٰ، حضرت الٰہی تبارک وتعالیٰ سے تقرب، وحصولِ عرفان، وبلوغِ رضوان، وعزّ وجاہ وکرامت عند اللہ ہے، کما قال ربّنا عزّ من قائل: ﴿ وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴾[2]۔

تو فضلِ کلّی ہم گروہِ مسلمانان کے نزدیک اسی کا حصہ، جو اِن اُمور میں اپنے غیر پر پیشی وبیشی رکھتا ہو۔ زید میں اگر ہزار کمالات ہوں، اور وہ فضیلتیں اسے خدا کے قریب نہ کریں، فضائل نہیں رزائل ہیں۔ آخر نہ دیکھا! علم جیسی فضیلت جس کے غایتِ شرف پر قرآنِ عزیز شاہد: ﴿ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾[3] ابلیس جیسے ذی علم کو جو مدتوں معلّمِ ملکوت رہا، اور اس کی مسندِ تدریس ملأ اعلیٰ میں بچھائی گئی، اسی وجہ سے کہ عند اللہ باعثِ قرب ووجاہت نہ تھی، کچھ کام نہ آئی، اور کوئی اسے فضائل سے شمار نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ مرتبہ مجرّد ایک منقبت خاصہ سے اتّصاف، یا کثرت شمار اوصاف سے ہاتھ نہیں آتا۔ زید کو اگر ہزار برس کی عمر دی جائے، اور تا دمِ مرگ عبادت میں بسر کرلے، اور عَمرو سے عمر بھر میں ایک کام ایسا ہو جائے جو قرب ورضائے ربّانی وعزّت وجاہِ ایمانی میں ایسے ذُروۂ اعلیٰ تک پہنچادے کہ زید اس تک نہ پہنچا ہو، فضلِ کلّی خاص بہرہ عَمرو رہے گا، کما یشهد به العقلُ الشرعي، قال اللہ ﷻ: ﴿ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴾[4] "شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے"۔

پس خوب ثابت ہوگیا کہ ہمارا کسی شخص کو دوسرے سے افضل کہنا، بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ وہ عزّت ووجاہتِ دینی میں اپنا ہمسر نہیں رکھتا، اور ان خوبیوں میں جو خُدا سے زیادہ قریب کریں، اور اس کی رضامندی کی بیشتر باعث ہوں، سب پر تفوّق والا ہے۔ اب اگر کسی کے بعض فضائل پر نظر کرکے بلا تقیید حکم افضلیت لگادیں، اور ہمارے گمان میں یہ ہو کہ فُلاں شخص اس سے اُمورِ مذکورۂ قرب ورضا وکرامت وجاہ میں زیادہ ہے، تو ہم خود اپنے قول کے مبطِل یا معنیٰ فضل سے غافل قرار پائیں گے۔ پس بغایت تنقیح منقح ہولیا، کہ افضل عند اللہ، واقرب الی اللہ، وارضیٰ للہ، واکرم علی اللہ، یہ سب الفاظ مترادفہ ہیں، ایک معنیٰ کو مؤدّی ہیں، اور محلِ نزاع میں افضل سے یہی مقصود، کہ خُدا سے زیادہ قریب، اور اس کی بارگاہ میں وجاہت اَفزوں رکھتا ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۱۰)

---

(۱) پ۲۳، ص: ۷۶۔

(۲) بے شک تمھارے رب ہی کی طرف انتہا ہے۔ (پ۲۷، نجم: ۴۲)

(۳) آپ فرماؤ: کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ (پ۲۳، زمر: ۹)

(۴) پ۳۰، قدر: ۳۔

دلائل عدمِ اعتبار کثرتِ ثواب بمعنی مزعوم عوام

مجرّد کثرتِ ثواب بایں معنی کہ جنّت کے مطاعم وملابس وازواج وخدم وحور وقصور میں زیادتی ہو، ہرگز فضلِ کلّی کا مصداق نہیں ہوسکتا۔

مردانِ راہِ خدا عبادت بلحاظ جنّت کو شرکِ خفی سمجھتے ہیں

دلیل اوّل: ہم اہلِ انصاف کی عقلِ ایمانی سے پوچھتے ہیں، کہ ان اُمور میں مزیت زیادت قرب ووجاہت کے حضور کچھ بھی حقیقت رکھتی ہے؟! ان چیزوں پر تو ناقصوں کی نظر مقتصر رہتی ہے، مردانِ راہِ خُدا عبادت بلحاظ جنّت کو شرکِ خفی سمجھتے ہیں۔ "توریت مقدّس" میں ہے: "اس سے زیادہ ظالم کون جو بہشت ملنے، یا دوزخ سے بچنے کو میری عبادت کرے، اگر میں بہشت ودوزخ نہ بناتا تو کیا مستحقِ عبادت نہ ہوتا؟!"۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں: عبد الرحمن وعبد الرحیم وعبد الرزّاق بکثرت ہیں، اور عبد اللہ نہایت نادر ہیں۔ بندۂ خدا وہ جو خدا کو خدا کے لیے پُوجے، اپنے مُزد [صلہ] واجر کا لحاظ وقت میں تیرگی لاتا ہے۔ آیت کریمہ ﴿فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ﴾[1] میں تقدیم ضمیر جس طرح شرکِ عبادت کی نافی ہے، یونہی شرکِ مقصد کے مُنافی ہے، گویا ارشاد ہوتا ہے: "مجھ ہی کو پُوجو اور میری عبادت سے مجھ ہی کو چاہو!"۔ جس دل میں میرے غیر کا خیال ہو، میری ساحتِ قرب میں لائقِ حضوری نہیں، مَن التفتَ إلی غیرنا فلیس منّا[2] ؏

زہے عشق 'مار بر شدت دوست خواہی داشت جاناں را[3]

اکابر صحابہ خصوصاً خلفائے اربعہ -رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین- کی شان اس سے بس [بہت زیادہ] ارفع واعلیٰ ہے، کہ ایسے مقاصدِ ناقصہ ان کے مطمعِ نظر رہے ہوں ؏

کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے[4]

نہیں نہیں، بلکہ بالیقین ان کا غایت مرمی واقصائے مرام ہے، وہی حصول قرب ووجاہت ورضائے احدیت تھا، جیساکہ کلامِ عتیق حالِ صدیق سے خبر دیتا ہے: ﴿الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۚ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى﴾[5] "اپنا مال دیتا ہے ستھرا ہونے کو، اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، مگر چاہنا اپنے برتر رب کی رضامندی کا"۔ پھر وہی ان میں باہم تفاضُل کا مبنی، نہ یہ اُمورِ دانیہ متعلقہ بشہواتِ نفسانیہ۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۱۱)

دلیل دُوم۲: اسی لیے محدّث جلیل فاضل محمد طاہر گجراتی کتاب مستطاب "مجمع بحار الأنوار" میں تصریح فرماتے ہیں، کہ

---

(۱) تو میری ہی بندگی (عبادت) کرو۔ (پ۲۱، عنکبوت:۵۶)

(۲) جو ہمارے غیر کی طرف التفات کرے وہ ہمارا نہیں۔

(۳) یہ کتنی عمدہ بات ہے کہ تو آتشِ عشق کو عزیز رکھتا ہے۔

(۴) اس سے اور غیر کی تمنا سے صد افسوس ہے۔

(۵) پ۳۰، لیل:۱۸تا۲۰۔

زیادتِ اَجر مُنافیٔ افضلیت نہیں، ممکن ہے مفضول کو اَجر میں زیادتی ہو، حیث قال: "مجرّد زيادة الأجر لا تستلزم ثبوتَ الأفضلية المطلقة"(۱)۔ اور "صواعق" علّامہ ابن حجر شہاب الدّین احمد مکی میں ہے: "مجرّد زيادة الأجر لا تستلزم الأفضليةَ المطلقة"(۲)۔ پس اگر مَناطِ افضلیت یہی کثرتِ اجر بمعنی مذکور ہوتی، تو مفضول کو اس کا حصول کیونکر معقول ہوتا؟! وما ذكر ابنُ عبد البرّ، فقد أتى بما لم يسبق إليه، ولا معوَّل عليه.

اہلِ سنّت کا اِجماع ہے کہ صحابۂ کرام افضلِ اُمت ہیں

دلیل سوم ۳: اَور لیجیے! اہلِ سنّت کا اِجماع ہے کہ صحابۂ کرام افضلِ اُمّت ہیں، اگر مدارِ افضلیت یہی زیادتِ اجر ہے، تو اس حدیث کا کیا جواب ہوگا جسے ابوداؤد وترمذی نے روایت کیا؟ کہ سیّد المرسلین فرماتے ہیں: «يأتي أيّامٌ للعامل فيهنّ أجرُ خمسين» قيل: منهم أو مِنّايا رسول الله؟ قال: «بل منكم»(۳) "وہ زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں نیک عمل کرنے والا پچاس ۵۰ عاملوں کا اجر پائے گا" عرض کیا گیا: یارسول اللہ! اُن میں سے پچاس ۵۰ کا یا ہم میں سے؟ فرمایا: "بلکہ تم میں سے"۔

اقول: اگر مدارِ افضلیت کثرتِ قرب ووجاہت ٹھہرے کما هو الحقّ، تو اس حدیث کو حدیث صحیحین: «ولو أنّ أحداً أنفقَ مثلَ أُحُدٍ ذهباً، ما بلغ مُدَّ أحدِكم ولا نصفيه»(۴) سے بھی عمدہ تطبیق حاصل ہوتی ہے؛ کہ اعمالِ صحابہ جس قدر، انہیں خدا سے قریب اور اُس کی بارگاہ میں کریم ووجیہ کرتے ہیں، دوسروں کے اعمال ہرگز اس درجے تک نہیں پہنچ سکتے، گو مقدار میں ان سے اس قدر زیادہ ہوں جتنا نیم صاع جَو سے کوہِ اُحد برابر سونا، اگرچہ متأخرین کو بوجہِ کثرتِ عوائق وفسادِ زمانہ بعض وُجوہ سے اجر زیادہ مل سکے۔ اسی حدیث کے جواب میں علماء نے تصریح فرمائی، کہ کثرتِ اجر مدارِ افضلیت نہیں۔

دلیل چہارم ۴: اے عزیز! حکمت ضالّۂ مؤمن ہے، اور حق احقّ بالاتباع ہے، کیا مزے کی بات ہے! یہ تو قطعاً مسلّم کہ فضائلِ جزئیہ موردِ نزاع نہیں ہو سکتے، اور اس میں بھی کلام کی مجال نہیں کہ فضلِ کلّی جو اِطلاقِ افضل علی الاطلاق کا مصحّح ہے، لاجرم وہ اَوروں کے فضائل سے عالی وشامخ ہوگا، ورنہ جسے افضل مطلقاً کہیے بعض سے مفضول ہو جائے گا، کما ذکرنا۔ اب میزانِ عقل میں تول لیجیے کہ قربِ الٰہی اور اس کی بارگاہ میں وجاہت اعلیٰ واشرف ہے؟ یا جنّت میں لذیذ کھانے، خوشگوار شرابیں، نرم ونازک کپڑے، بلند جڑاؤ تخت، دِلرُبا شوخانِ طنّاز [دل لگی سے طنزیہ گفتگو کرنے والے] عروسانِ سراپا ناز، ع

بہبیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا(۵)

وائے خوبیٔ فہم! دو ۲ درباریوں نے بادشاہ کو اپنی عمدہ کارگزاریوں سے راضی کیا، تاجدار نے ایک کو ہزار اشرفی انعام

---

(۱) "مجمع بحار الأنوار" فعل في الصحابة، التكلمة، ٥/ ٧٣٨.

(۲) "الصواعق المحرقة" الفصل ٣ في الأحاديث الواردة، صـ٦١٣.

(۳) "سنن أبي داود" باب الأمر والنهي، ر: ٣٧٧٨، ٣/ ٤١٦٥.

(٤) "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سبّ الصحابة، ر: ٦٣٨٣، صـ١٢٣٨.

(۵) راستے کا تفاوت دیکھ کہاں سے کہاں جا رہا ہے!۔

دے کر پایۂ تخت کے نزدیک جگہ دی، دوسرے کو انعام لاکھ اشرفی ملا، اور مقام اس کی کرسئ منصب سے نیچے۔ اے انصاف والی نگاہ! اہلِ دربار میں افضل کسے کہا جائے گا؟ بالجملہ کثرتِ ثواب بمعنی مذکور ہرگز فضلِ کلّی کا مَناط نہیں!۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۱۲تا۱۱۴)

باہم ملائکہ میں بھی ایک دوسرے سے افضل ہے

دلیل پنجم۵: آخر باہم ملائکہ میں بھی ایک کو دوسرے سے افضل کہا جاتا ہے، حدیث میں آیا، عن ابن عباس ﷺ: «ألا أخبرُكم بأفضل الملائكة؟ جبريلُ»(۱) "کیا میں تمہیں نہ بتاؤں سب ملائکہ میں افضل کون ہے؟ جبریل ہیں"۔ کتبِ عقائد میں اِنس وملک کا تفاضُل ذکر کرتے ہیں، حدیث قدسی میں وارد ہوا: طس فر كلاهما عن أبي هريرة عن النبي عن ربّه ﷻ: «عبدِي المؤمنُ أحبُّ إليَّ من بعضِ ملائكتِي»(۲) "میرا بندۂ مسلمان مجھے اپنے بعض فرشتوں سے زیادہ پیارا ہے"۔

وہاں یہ معنی کب بن پڑے؟! کثرت وقلت درکنار، ملائکہ رأساً اہلِ ثواب ہی سے نہیں، تو بالضرور وہاں وہی معنی کہنا پڑیں گے، کہ جبریل افضل الملائکہ ہیں، یعنی ان کا قرب اور بارگاہِ الٰہی میں وجاہت، اَور فرشتوں کی وجاہت وقرب سے زیادہ ہے۔ اسی طرح تفاضُل انسان وملک میں ہے، پھر یہ معنی کہ درحقیقت لفظِ افضل سے تراوِش [اندازے سے معلوم] کرتے ہیں، یہاں آکر کیوں بدل گئے؟ اور کون سی ضرورت ان سے رجوع پر باعث ہوئی؟!۔

دلیل ششم۶: علمائے اہلِ سنّت -شكر الله مَساعيهم- نے تفضیلِ صدیق کو عقیدہ ٹھہرایا، اور اس پر کریمہ ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۳) اور حدیث: «أبو بكر وعمرُ خيرُ الأوّلين والآخِرين، وخيرُ أهل السّماوات والأرضين، إلّا النبيّين والمرسَلين»(٤) سے استدلال لائے، اور یہ دلائل سلفاً خلفاً ان میں شائع وذائع رہے، اور پُر ظاہر کہ اکرم عند اللہ اور اکثر وجاہۃً عند اللہ کے ایک ہی معنی ہیں، اور خدا کے نزدیک جو اکرم وبزرگ تَر ہوگا، لاجَرم خدا سے زیادہ قریب ہوگا، نہ وہ جسے اجر بمعنی مذکور زیادہ عطا ہو۔

اسی طرح بعد انبیاء ومرسلین اوّلین وآخرین وکافۂ اہلِ آسمان وزمین سے بہتری بھی اس زیادتِ اجر کا ثمرہ نہیں ہوسکتی، تو یہ استدلال ہمارے علمائے کرام کا باعلٰی نداء مُنادی کہ "وہ شیخین کو ہمیں معنی زیادت قرب ووجاہت افضل کہتے ہیں"، ورنہ دلیلیں اِنتاجِ دعویٰ میں قُصور کریں گی؛ کہ مدّعا تو مثلاً "صدیق کو اجر زیادہ ملنا تھا"، اور دلیل یہ کہ "وہ اکرم عند اللہ ہیں"، یا "انبیاء ومرسلین کے بعد سردارِ سابقین ولاحقین وبہترین سکّانِ چرخ وزمین ہیں"۔

---

(۱) "المعجم الكبير" أحاديث عبد الله بن عبّاس، ر: ۱۱۳۸۵، ۱۱/ ۱٦۰.

(۲) "المعجم الأوسط" ر: ٦٦٣٤، ٦/ ۳٦۷.

(۳) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (پ۲٦، حجرات: ۱۳)۔

(٤) "تاريخ دِمشق" ذكر عمر بن الخطاب بن نفيل، ٤٤/ ۱۹٥.

پس اِتمام تقریب کے لیے ہر جگہ ایک مقدمہ اَور بڑھانا پڑتا کہ "جو ایسا ہے اسے اجر زیادہ ملے گا"، اب قیاس مرکّب ہو کر نتیجہ نکلتا، کہ "صدیق اکبر کو اجر بیشتر حاصل ہوگا"، حالانکہ یہ مقدمہ کوئی ذکر نہیں کرتا، اور دلیل کو اسی قدر پر تمام کردیتے ہیں، مع ہٰذا ایسا ہوتا تو اس مقدمۂ زائدہ میں پھر خلشیں نکلتیں، اور بنی بنائی دلیل کا سنوارنا مشکل پڑ جاتا، مخالف سہل طریقے سے منع وارد کرسکتا، کہ ہم نہیں مانتے "جو اکرم عند اللہ اور اہل سماوات وارض سے بہتر ہو، اسے اجر مذکور زیادہ ملنا ضرور ہو"، اللہ تبارک وتعالی کو اختیار ہے، مطیع کو کم عطا فرمائے، اور عاصی کا دامن مالا مال کر دے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۱۳)

دلیل ہفتم: لیجیے خوب یاد آیا! کیوں تکلیفِ تکلّف گوارا کیجیے؟ گوہر مقصود کے لیے دریا پیرتے پھریے [تیرتے رہیے]، آفتابِ عالَم تاب جس کی روشنی میں راہِ راست مل جائے، اور تمام شکوک واَوہام کا دفتر جل جائے، کلامِ ہدایت نظام حضور سیّد الانام -علیه وعلی آله أفضل الصلاة والسلام- ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں: «فُضِّلتُ على الأنبياء بستٍّ: (١) أُعطِيتُ جوامع الكلِم، (٢) ونُصرتُ بالرُّعب، (٣) وأُحلَّتْ لي الغنائم، (٤) وجُعلتْ لي الأرضُ طهوراً ومسجداً، (٥) وأُرسلتُ إلى الخَلق كافةً، (٦) وخُتم بي النبيّون»[1] "میں انبیاء پر چھ۶ باتوں میں تفضیل دیا گیا: (۱) مجھے جامع کلمے، مختصر لفظ بے شمار معنی والے عطا ہوئے، (۲) اور میری مدد کی گئی رعب سے، (۳) اور حلال کی گئیں میرے لیے غنیمتیں، (۴) اور کی گئی میرے لیے زمین پاک کرنے والی اور مسجد، (۵) اور بھیجا گیا میں تمام مخلوقِ الٰہی کی طرف، (۶) اور ختم کیے گئے مجھ سے پیغمبر۔

اور اسی مضمون کی حدیث میں بروایت سائب بن یزید واقع ہوا: «وادّخرتُ شفاعتي لأُمّتي إلى يوم القيامة»[2] "اور اٹھا رکھی میں نے اپنی شفاعت اپنی امت کے لیے روزِ قیامت تک"۔ اب تو خوشۂ مقصود بے پردہ وحجاب جلوہ آرا ہے، چشم بصیرت سے غطائے عصبیت اتاریے! اور دیکھ لیجیے کہ حضور نے جن وُجوہ سے کافۂ انبیائے کرام -علیه وعلیهم الصلاة والسلام- پر اپنی افضلیت ثابت فرمائی، ان کا منشأ زیادتِ قرب ووجاہت ہے؟ یا طعام وشراب ولباس واَکواب واَبکار واَتراب جنّت سے بیشتر متلذّذ ہونا؟۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا ارشاد ہے: «إنّ الله تعالى فضّل محمّداً ﷺ على الأنبياء وعلى أهل السّماء» فقالوا: يا أبا عبّاس! بمَ فضّله على أهل السّماء؟ قال: «إنّ الله تعالى قال لأهل السّماء: ومَن يقل منهم: إنّي إلهٌ من دونه، فذلك نجزيه جهنّم، كذلك نجزي الظالمين، وقال الله تعالى لمحمّد: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾» قالوا: وما فضلُه على الأنبياء؟ قال: «قال الله تعالى: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ فيضلّ الله مَن يشاء،

(١) "صحيح مسلم" كتاب المساجد، مواضع الصلاة، ٣/ ١٠٩.

(٢) "المعجم الأوسط" من اسمه عبدان، ر: ٤٥٨٦، ٥/ ٣٠.

وقال الله تعالی لمحمد: ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ فأرسله إلى الجنّ والإنس»[1].

"بے شک اللہ تعالی نے بزرگی بخشی محمد ﷺ کو تمام پیغمبروں اور آسمان والوں پر"، لوگوں نے کہا: اے ابو عباس![2] کس بات سے فضیلت بخشی انہیں آسمانیوں پر؟ کہا: "اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں کے حق میں فرمایا: "جو کہے گا ان میں سے کہ میں معبود ہوں اللہ کے سوا، سوا سے بدلہ دیں گے جہنم، ہم یونہی عوض دیتے ہیں ستمگاروں کو!" اور محمد ﷺ سے فرمایا: "بے شک ہم نے فتح کی تمھارے لیے کھلی فتح؛ تاکہ بخش دے تمھارے لیے اگلے پچھلے گناہ"، بولے: اور انبیاء پر ان کے لیے بڑائی کیا ہے؟ کہا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نہ بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ؛ تاکہ ان کے لیے بیان کرے"، پھر خدا گمراہ کرتا ہے جسے چاہے۔ اور محمد ﷺ سے فرمایا: "ہم نے نہ بھیجا تمہیں مگر تمام آدمیوں کے لیے، پس انہیں سب جن وانس کی طرف رسول کیا"۔

اس تقریر کے پھول بھی اسی باغِ قرب ووجاہت وعزّت وکرامت کا پتا دیتے ہیں، کثرت اجر بمعنی مذکور کی کہیں بُو بھی نہیں، اور ایک اس پر کیا موقوف ہے، جہاں صحابۂ کرام میں تفضیل وترجیح کا چرچا ہوا ہے، اکثر اسی قسم کے امور ذکر فرمائے جاتے ہیں، مجرد اجر بمعنی مذکور کا حرف شاید کسی کی زبان پر نہ آیا ہو۔ آخر فصول آتیہ باب اوّل وباب ثانی میں بھی ان شاء اللہ تعالی اس مضمون کی حدیثیں سن ہی لوگے!۔

پس بشہادت دو ۲ گواہ عدل عقل ونقل خوب محقق ومنقح ہو گیا، کہ مَناطِ افضلیت زیادت قرب ووجاہت ہے، نہ کہ کثرت لذائذ جنّت۔ سنّیہ وتفضیلیہ کہ مسئلہ تفضیل میں متنازع ہیں، ان کا معرکہ بھی اسی میدانِ قرب وجاہ میں ہے، اور احادیث میں جو شیخین یا بزعم تفضیلیہ جناب مولا کی افضلیت وارد ہوئی، وہاں بھی یہی معنی نگاہ میں، اور ہر چند یہ امر عقول سلیمہ کے نزدیک غایت جلاو ظہور میں تھا، جس کے لیے اس قدر تطویل وتجشم تفصیل محض بے کار تھی، مگر مجبور کہ ہمارے بعض معاصرین کے افکار بلند وافہام آسمان پیوند فقیر کو کشاں کشاں اس طرف لائیں، کہ بدیہی کو نظری کا جامہ پہنایئے، اور آفتاب دکھانے کو مشعل جلایئے!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۱۵)

دلیل ہشتم ۸: عزیزا! اگر اہل سنّت کا یہی مذہب ہوتا، کہ مرتبہ حضرت مولا کا بڑا اور قرب وکرامت انہیں کی زیادہ ہوتی، شیخین کو ان پر صرف ثوابِ لذائذِ جنانی میں مزیت ہوتی، تو دلائلِ مذکورۂ سنّیاں اور اس کی اَمثال اکثر براہین (کہ عمدہ کار اور فرقۂ ناجیہ کے اکابر واصاغر میں بلانکیر رائج ہیں) سب یک قلم منقلب ہو جاتے، جن کی کثرت ثواب کا اِثبات منظور تھا، ان کی اکرمیت ثابت ہوتی، اور جن کی اکرمیت کا دعویٰ تھا ان کی کثرتِ ثواب ظہور پاتی۔

مثلاً کریمہ ﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَى ﴾[3] کو آیت ﴿ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ﴾[4] سے ملا کر کثرتِ اجرِ صدیق پر

---

(۱) "مستدرك الحاكم" باب تفسير سورة إبراهيم، ر: ۳۳۳۵، ۲/ ۳۱۸.

(۲) ابو عباس حضرت ابن عباس کی کنیت ہے۔ منہ [امام احمد رضا]

(۳) اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار۔ (پ۳۰، لیل:۱۷)

(۴) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (پ۲۶، حجرات:۱۳)

استدلال کیا، تو ہماری پہلی تقریر کو خزانۂ حافظہ سے پھر جنبش دے کر پیش نفس حاضر لائیے! کہ یہاں تتمیم تقریب کے لیے ایک مقدمہ بڑھانے کی ضرورت ہوگی، اور یہ قیاس قیاسِ مرکب، تو نظم دلیل اور اس سے اِنتاجِ دعوی یوں ہوگا کہ "صدیق اتقی ہیں، اور ہر اتقی اکرم عند اللہ، اور ہر اکرم عند اللہ اجر میں زیادہ، پس صدیق اجر میں زیادہ ہیں"۔

اب نتیجۂ قیاس اوّل سے صدیق کی اکرمیت نکلی، حالانکہ اس کا نسبت جناب مرتضوی دعوی تھا، اور کبرائے قیاس ثانی سے اکرم کی زیادت اجر ثابت ہوئی، تو مولا علی جنھیں اکرم کہا تھا، اجر میں زیادہ ٹھہرے۔ دلیل دونوں دعوؤں پر صاف لَوٹ گئی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون!۔

عقل سے ایسی بے گانگیاں خدا نہ کرے کہ سنّیوں کے ادنیٰ نوآموز سے بھی صادر ہوں! یہ ناموزونی تو روزِ اَزل سے بدعتیوں کے حصے میں آئی ہے۔ پھر اپنے خیالاتِ خام جو قوتِ واہمہ سے تراشے ہیں، سنّیوں کے سر دھر کر کیوں ناحق ان کے بلند پایہ کلمات کو خبطِ بے ربط کیے دیتے ہو! ان کے دشمنوں کو سودا ہوا تھا کہ فضلِ کلّی کا مَناط ایسی چیز کو ٹھہراتے، جو کسی طرح اس کا مصداق نہیں ہو سکتی، نہ احادیث وآثار میں جو وُجوہِ افضلیت وارد ہوئیں، وہ اس کی مُساعدت کرتیں، نہ اس مسئلہ کے نظائر میں ہرگز وہ معنیٰ درست آتے، نہ خود اپنے دلائل کا اس پر کسی صورت اِنطباق ہوتا، مَناط نہ ہوا، فلک سَیر کی ترنگ ہوا ...! یا ہوش رُبا کی اُمنگ جس کا تھل نہ بیڑا ...!۔

دلیل نہم ۹: اور مزہ یہ ہے کہ یہ مَناط برادری یعنی حضرات تفضیلیہ میں بھی مقبول نہیں ہوتا، نزاع کے لیے ضرور ہے کہ ما فیہ التنازُع میں تخالُف موجود ہو۔ اگر ہم زید کے لیے سرداریٔ خاوَر ثابت کریں، اور دوسرا عَمرو کے واسطے سلطنت باختر [وسیع] کو مانے، تو اس میں تخالُف ہی کا ہے کا ہوا؟ مُنازعت تو جب ہو کہ ایک ہی مرتبہ غیر مشترکہ ہم زید کو بتائیں، اور طرف مقابل عَمرو کو۔ اب اگر تفضیلیہ سے پوچھتے ہیں کہ "تم جو حضرت مولا -کرّم اللہ وجہہ- کو افضل بتاتے ہو، یہی کثرتِ اجر وتمتّعِ لذائذ مراد لیتے ہو؟" تو وہ کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں: "حاشا وکلّا! یہ بالائی بات کس قابل ہے؟! شانِ مرتضوی اس سے بس ارفع واعلیٰ ہے، ہم تو اس جناب کو رفعتِ مکان، وعُلوِّ شان، وبلندیٔ جاہ، ووُفورِ کرامت عند اللہ میں اجلّ واکمل مانتے ہیں"۔ سنّی بھی اگر اس دعویٰ میں ان کے مُوافق تھے تو اس نزاعِ ہزار سالہ کا مبنیٰ کیا؟ اور ادھر جو تفضیلیہ دلیل پیش کرتے ہیں، جس سے بُوئے اکرمیت نکلتی ہے، خدا جانے کیا ماجرا ہے؟ کہ سنّی مستعدِ جواب ہو جاتے ہیں، اور اس کی وہ بُری حالت بناتے ہیں کہ الٰہی توبہ!! کوئی نہیں پوچھتا کہ جب ان کے نزدیک افضلیتِ شیخین بمعنیٰ اکرمیت وعُلوِّ جاہ ومنزلت نہیں، بلکہ اسے مولا علی کے لیے ثابت ماننے میں یہ بھی تفضیلیہ کے شریک ہیں، تو اس دلیل کے رَد پر کیوں کمر کستے ہیں؟! سیدھی سی بات کہ "جو کچھ اس سے ثابت ہوا ہمارا عین مدّعا ہے" کیوں نہیں کہہ گزرتے؟! غرض اس مَناط مقدّس میں جو جو خوبیاں ہیں، زبانِ قلم وقلم زبان اس کی تحریر وبیان سے عاجز ہیں!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۴۹)

دلیل دہم ۱۰: مگر ہُوا یہ کہ ان صاحبوں نے ہمارے بعض علماء کے کلام میں کثرتِ ثواب کا لفظ دیکھ لیا، اور مطلب سمجھنا نصیبِ اَعداء! اب مخالفتِ اہل سنّت کی رگِ خفی نے جوش کیا، اور خیالی طومار بندھنے [جھوٹ بیان ہونے] لگے! اگر مثلاً حضرت شیخ محقق

قدس سرہا کی "تکمیل الایمان" میں یہ لفظ نظر سے گزرا تھا، تو "فتح الباری"، "صواعق المحرقہ"، "مجمع البحار" وغیرہا کی وہ تقریر بھی تو دیکھی ہوتی، جس میں زیادتِ اجر کے (مناطِ افضلیت) ہونے کی بتصریح نفی ہے، اور اس کے سوا کتبِ اہلِ سنّت پر بھی نگاہ ڈالی ہوتی، جن میں کرامت ومنزلت عند اللہ کو بھی شریک کیا ہے! افسوس صد افسوس! حفظتَ شيئاً وغابتْ عنك أشياء![1] خیراب تک نہ سنا تھا تو اب سنیے! "شرح مقاصد" میں ہے: "الكلامُ في الأفضلية بمعنى الكرامة عند الله تعالى، وكثرة الثواب"[2]. ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۱۷)

ابو بکر وعمر سب مسلمانوں سے اعلیٰ ہیں صفت میں، اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے ہیں قدر ومنزلت میں

کلام افضلیت میں ہے، بمعنی خُدا کے نزدیک بزرگی وکثرتِ ثواب کے۔ علامہ مُناوی "تیسیر شرح جامع صغیر" امام علامہ سیوطی میں زیر حدیث: «صالح المؤمنين: أبو بكر وعمر» فرماتے ہیں: "أي: هُما أعلى المؤمنين صفةً وأعظمُهم بعد الأنبياء"[3] یعنی "ابو بکر وعمر سب مسلمانوں سے اعلیٰ ہیں صفت میں، اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے ہیں قدر ومنزلت میں"۔

شیخ محقق مولانا عبد الحق محدّث دہلوی "اشعۃ اللمعات" میں بیانِ وجہِ تفضیلِ شیخین میں فرماتے ہیں: "ایشان (یعنی شیخین رضی اللہ تعالی عنہما) بزرگ بودند ومقرب ودر کاروبار دنیا ودین مقدّم وابوبکر وعمر ہر دو وزیر ومشیر آنحضرت بودند صلی اللہ تعالی علیہ وسلم"[4]۔

"صواعق" میں ہے: "پھر واجب ہے ایمان لانا اور پہچاننا، کہ تمام جہان سے بہتر وافضل، اور خدا کے نزدیک مرتبہ میں بڑے، انبیاء ومرسلین کے بعد، اور خلافت رسول اللہ کے مستحق تر ابو بکر صدیق ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، اور رُوئے زمین پر یہ وصف کسی میں نہ تھا سوائے صدیق کے، پھر ان کے بعد اسی ترتیب وصفت پر عمر بن الخطاب ہیں رضی اللہ تعالی عنہ، پھر ان کے بعد اسی ترتیب ووصف پر عثمان بن عفّان، پھر اسی نعت ووصف پر ان سب کے بعد ابوالحسن علی بن ابی طالب" رضي الله تعالى عنهم أجمعين.

"شرح مواقف" پسند ہو تو اس میں دیکھیے: "مرجع اس افضلیت کا جس کے ہم درپےِ اِثبات ہیں، کثرتِ ثواب وکرامت عند اللہ کی طرف ہے"۔

مولانا ملک العلماء بحر العلوم -قدس سرہ العزیز- "فقہِ اکبر" حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی شرح فارسی میں فرماتے ہیں:

---

(۱) ایک شے کی تو نے حفاظت کی، اور بہت سی اشیاء تجھ سے غائب ہوگئیں!۔

(۲) "شرح المقاصد" الفصل ٤ في الإمامة، المبحث٦، الأفضلية بين الخلفاء، ٣/ ٥٢٣.

(۳) "فيض القدير" ر: ٤٩٨٥، ٤/ ٢٥١.

(۴) "اشعۃ اللمعات" باب مناقب ابی بکر، ۴/ ۶۵۰۔

"بدانکہ مراد از افضلیت اکثریتِ ثواب واعظمیتِ مرتبہ است نزد اللہ تعالیٰ"(۱)۔

بات یہ ہے کہ بندہ جب اپنے مولا کی اِمتثالِ اَوامر واجتنابِ نَواہی میں حتی الوسع سرگرم رہتا ہے، تو کریم قدیر جل جلالہ اپنے فضل ورحمت سے اسے بارگاہِ ناز میں قرب اور وجاہت بخشتا ہے، اور زیادتِ انعام کے لیے لذّاتِ جنّت بھی مرحمت فرماتا ہے..... (۲) جب بندہ کو بذریعۂ عمل حاصل ہوئے، تو دونوں کو ثواب کہنا درست ٹھہرا۔ قال ﷻ: ﴿تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾(۳) "یہ باغ تم وارث کیے گئے اس کے! اپنے ان کاموں کے عوض جو تم کرتے تھے" وقال تعالی: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾(۴) "اور سجدہ کر اور قریب ہو جا!" وقال تعالی فیما حکاہ عنہ نبیُّہ: «لا يزال عبدي يتقرّب إليَّ بالنَّوافل»(۵) "ہمیشہ میرا بندہ میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے نوافل سے" وقال النبيُّ ﷺ: «أقرب ما يكون العبدُ من ربِّه وهو ساجدٌ، فأكثِروا الدّعاءَ»(۶) "سب حالتوں سے زیادہ نزدیک بندہ اپنے رب سے حالتِ سجدہ میں ہوتا ہے، تو اس وقت دعا زیادہ مانگو!"۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۱۸)

تبصرۂ عاشرہ ۱۰: دفعِ بقیہ اَوہامِ فرقۂ سنفضیہ میں مشتمل چند تجیبہ پر

تجیبہ نمبر۱: ہماری تقریراتِ رائقہ وتحریراتِ سابقہ سے خوب مُندفع ہو گیا، خیال ان لوگوں کا جنھوں نے بعض کلماتِ علماء میں یہ لفظ دیکھ کر کہ "مرجعِ تفضیل کثرتِ نفع فی الاسلام ہے" مقصود شناسی کا یک لخت دامن چھوڑ، یہ نیا عجوبہ تراشا! اور اسے مذہبِ سنّیان کا حاصل ٹھہرایا کہ "شیخین کی تفضیل صرف اس بات میں ہے، کہ اسلام ومسلمین کو ان سے نفع زیادہ پہنچا، ان کے عہدِ خلافت میں شہر بہت فتح ہوئے، ملکوں میں امن وامان رہے، انتظام اچھا بن پڑا، ان باتوں پر جو ثواب مترتّب ہوا وہ شیخین نے زیادہ پایا، باقی مرتبہ کی بڑائی، کرامت کی افزونی، وجوہِ اُخر سے ثواب کی بیشی، جنابِ مولیٰ ہی کو رہی"۔

أقول واللہ یغفر لي: اس کلام میں جو کچھ معنی رسی سے بیگانگی، اور تہافت وتناقض کا جوش ہے، اس سے صرفِ نظر کی گئی، اپنی بات سے ڈھول نہ کیجیے کہ "فضلِ جزئی جو اطلاقِ افضل بتقییدِ جہت ہو، وہ مصحّح صالح بحث ونزاع نہیں" کہ اس مقام میں تو بالیقین شیخین کو جنابِ مولیٰ سے، اور جنابِ مولیٰ کو شیخین، اور بعض آحادِ صحابہ کو خلفائے اربعہ سے افضل کہہ سکتے ہیں -رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین-۔ موردِ نزاع فضلِ کلّی ہے، جو اطلاقِ افضل بالاطلاق کا مجوِّز ہے۔

---

(۱) جان لے کہ افضل ہونے سے مراد کسی کا اللہ کے ہاں ثواب میں زیادہ ہونا اور افضل المرتبت ہونا ہے۔ ("شرح فقہ اکبر")۔

(۲) مخطوط ودیگر نسخ میں یہاں بیاض ہے، جس سے عبارت میں اِشکال ہے، غالبًا امتثال اَوامر اور اجتنابِ نواہی کی طرف اشارہ ہے، "کہ قرب ووجاہت اور زیادت انعام"۔

(۳) پ۲۵، زخرف: ۷۲۔

(۴) پ۳۰، علق: ۱۹۔

(۵) "صحيح البخاري" باب التواضع، ر: ۶۰۲۱، ۳/ ۱۲۰.

(۶) "سنن أبي داود" باب في الدعا في الركوع والسجود، ر: ۷۴۱، ۲/ ۴۱۵.

کثرتِ ثواب جانبِ شیخین رہتی ہے

اب ہم ثواب نفع فی الاسلام میں شیخین، اور ثواب دیگر اعمال میں جناب مولیٰ کی مزیت تسلیم کر کے پوچھتے ہیں کہ دونوں طرف کے ثواب جمع کرنے سے کثرتِ ثواب جانبِ شیخین رہتی ہے؟ یا جانبِ جناب مرتضوی؟ یا دونوں پلّے برابر؟ برتقدیرِ ثالث افضلِ مطلق کا اطلاق نہ اِدھر ہو سکے اور نہ اُدھر، بلکہ ایک جہت کی قید سے انہیں افضل کہیں گے، دوسری حیثیت کی تقیید سے انہیں! پھر فضلِ کلّی جو متنازع فیہ تھا، کسی کو بھی نہ رہا! تم نے تو وہ صورت نکالی کہ سنّی تفضیلی دونوں کا مذہب رَد کر دیا، اور شقِ اوّل پر افضلیت خاص نصیبۂ حضرت مولیٰ رہی، اور شیخین کا فضل محض جزئی۔ پھر سنّیوں کا مذہب جسے تم بزورِ زبان تاویلات دُور اَز کار کر کے اپنی مرضی کے مطابق گڑھا چاہتے تھے، ہزاروں منزل گیا! خاصے تفضیلیے ہو چکے، پھر چھپانے سے کیا حاصل؟! ع

ہم نے پردے میں تجھے پردہ نشین دیکھ لیا!

اب رہی شقِ ثانی، اسے اختیار کیجیے تو آپ کا مطلب ہاتھ سے جاتا، اور کرّ اِلٰی ما فرّ[1] لازم آتا ہے! چاہتے تو یہ تھے کہ خدا کا دھرا سر پر، سنّی کہلانے کی شرم کیسی؟ ایسی ہلکی سی بات میں شیخین کی افضلیت مان لیجیے، جو فضائل حضرت مولیٰ کے حضور وقعت نہ رکھتے ہوں، جس سے حضرت مولیٰ پر ان کا رُتبہ بھی نہ بڑھے، اور اپنا تفضیلیہ نام بھی نہ ٹھہرے! وہ ہو رہی اُلٹی؛ کہ حضرات شیخین کی فضیلت ایسا گراں سنگ عالی قدر رہا، کہ ہر چند صدہا فضائل میں جناب ولایت مآب کو ہی جاتی ہیں، مگر ان کا فضل کسی طرح نہیں گھٹتا، اور سب پر بلند و بالا رہتا ہے، ع

ہم اِلزام ان کو دیتے تھے قُصور اپنا نکل آیا!

اور کہیں خدا کے لیے وہ تقریر نہ بُھول جانا کہ یہاں ثواب سے مراد لذائذِ جنانی نہیں۔

تنبیہ نمبر۲: عجب تماشا ہے! فرقۂ سنفضیہ جن کے قلوب تفضیلِ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما میں اتباعِ کتاب و سنّت و اجماعِ اُمّت، علماء اہلِ حق کے لیے منشرح نہیں ہوتے، اور دلائلِ قاہرہ کی تابشیں دل کو گونہ نرم بھی کرتی ہیں، تو ﴿یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ﴾[2] کی آفت راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے! اور بایں ہمہ سنّیت وہ پیارا پیارا میٹھا میٹھا نام ہے، کہ علانیہ اس سے انکار بھی گوارا انہیں ہوتا! اپنی پردہ پوشی کو طرح طرح کی بعید توجیہیں، رکیک تاویلیں نکالتے، اور وہ ساری خیالی بلائیں سنّیوں کے سر ڈھالتے ہیں کہ "ان کے مذہب کا یہی محصل ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۴۴)

مذہبِ اہلِ سنّت ایک مومی تصویر کا نام نہیں کہ جسے جیسا چاہا پلٹا دیا

پھر بعنایتِ الٰہی اہلِ حق کی ہمت بازو سے دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے، اور طرّہ یہ کہ جس سے سنیے نئی تقریر تراشے گا! اور اس کے مذہبِ سنّیاں ہونے کا دعویٰ کر دے گا! گویا مذہبِ اہلِ سنّت ایک تصویرِ مومی کا نام ہے، جسے جیسا چاہے پلٹا

(۱) جس سے بھاگا اسی کی طرف لَوٹا!۔

(۲) اس کا سینہ تنگ، خوب رُکا ہوا کر دیتا ہے، گویا وہ آسمان میں چڑھ رہا ہے۔

دے لیجیے! بعض صاحبوں نے تو وہ تنقیحِ بلیغ کی جس کی خدمت گزاری تنبیہِ سابق میں گزری، اور حضرات کے ذہن رسا نے ان سے بھی آگے قدم رکھا، اور عقیدۂ اہلِ سنّت کو یوں شرفِ تلخیص بخشا، کہ "حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما من حیث الخلافۃ افضل ہیں، اور حضرت مولا علی -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ- من حیث الولایۃ"۔ اور ان کے کلام کی تقریر میں ان کی زبان سے یوں مترشح ہوتی ہے کہ خلافت حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہلے پہنچی، اور حضرت مرتضوی -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ- کو بعد میں، اور سلاسلِ اہلِ طریقت جناب ولایت مآب پر منتہی ہوتے ہیں، نہ کہ شیخین پر، تو اِس وجہ سے یہ افضل، اور اُس وجہ سے وہ!۔

أقول وربّي يغفر لي: یہ ایک کلام ہے کہ عالمِ اضطرار میں ان حضرات کی زبان سے نکلتا ہے، اور تنقیح کیجیے تو خود ان کے اذہان اس کے معنیٔ نامحرّر سے خالی ہوتے ہیں، اگر مقصود اس سے وہی ہے جو اثنائے گفتگو میں ان کی تقریر سے تراوش [ظاہر ہونا] کرتا ہے، تو محض خبطِ بے ربط ہے، خلافت انہیں پہلے اور انہیں پیچھے ملنا، اوّلیت من حیث الخلافۃ ہے، نہ کہ افضلیت من حیث الخلافۃ، یعنی وہ خلافت میں پہلے ہوئے، نہ یہ کہ بجہتِ خلافت افضل ہوئے!۔

اسی طرح انتہائے سلاسلِ سُلوک کا باعثِ تفضیلِ متنازع فیہ ہونا دعویٰ بلا دلیل ہے، بلکہ دلیل اس کے خلاف پر ناطق ہے، كما مرّ منّا في التبصرة الرّابعة[1]. اور جو یہ مراد ہے کہ شیخین کو امرِ خلافت میں اچھا سلیقہ تھا، اور ملک داری وملک گیری انہیں خوب آتی تھی، تو عزیزِ مَن! یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر اس قدر شور وشغب ہوتا! سنّی تفضیلی دو ۲ مذہب متفرق ہو جاتے! اہلِ سنّت ترتیبِ فضیلت میں انبیاء کے بعد شیخین کو گنتے! ہر جمعہ کو "أفضل البشر بعد الأنبياء بالتّحقيق سيّدنا أبو بكر الصّديق" خطبوں میں پڑھا جاتا! احادیث میں شیخین کو انبیاء ومرسلین کے بعد سردارِ اوّلین وآخرین وبہترینِ اہلِ آسمان وزمین فرمایا جاتا! مولیٰ علی کو اپنی تفضیل سے بایں شدّ ومد انکار ہوتا، کہ جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری ہے، اسے مفتری کی حد ماروں گا![2] یہ باتیں تو دنیا کے کام ہیں، گو دین کے لیے وسیلہ وذریعہ ہوں۔ اسی لیے مولیٰ علی -کرّم اللہ وجہہ الکریم- فرماتے ہیں: «مَن رضيَه رسولُ الله لِدينِنا، أفلا نرضاه لدنيانا؟!»[3] "رسول اللہ نے انہیں ہمارے دین یعنی نماز کے لیے پسند فرمایا، کیا ہم انہیں اپنی دنیا یعنی خلافت کے لیے پسند نہ کریں؟!" پھر اس میں افزونی ہوئی تو کیا؟ اور نہ ہوئی تو کیا؟ اتنی ہی بات پر تنازع تھا؟ تو سنّیوں نے ناحق بے چارے تفضیلیوں پر قیامتیں توڑیں! اور مولیٰ علی نے اسّی ۸۰ کوڑوں کا مستحق ٹھہرایا![4] اور جو اس کے سوا کچھ اَور مقصود ہے، تو اس کا جواب تنبیہِ سابق سے لیجیے!۔

ثمّ أقول والله يغفر لي: اب ہمیں چند باتیں ان حضرات، یعنی مطلقاً سب سنفضیہ سے دریافت کرنا ہیں، بالا بالا نہ جائیں! اور ان کا جوابِ شافی عطا فرمائیں! یا مذہبِ اہلِ سنّت کی طرف بلا تبدیل وتاویل رجوع لائیں!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۶، ص۱۲۵)

---

(۱) جیسا کہ ہماری طرف سے تبصرۂ رابعہ میں گزرا۔

(۲) "لوامع الأنوار البهية" للسفاريني الحنبلي، ۲/ ۳۱۱.

(۳) "المؤتلف والمختلف" باب حجل، ۳/ ۹۲.

(٤) "الطبقات الكبرى" لابن سعد، ۳/ ۳۱۸.

عقیدۂ اہلِ سنّت یہ ہے کہ افضل العالمین محمد رسول اللہ ہیں، پھر انبیائے سابقین، پھر ملائکۂ مقرّبین، پھر شیخین، پھر ختنین، پھر بقیہ صحابۂ کرام

تنقیح نمبرا: سلسلۂ تفضیل عقیدۂ اہل سنّت میں یوں منتظم ہوا ہے، کہ افضل العالمین واکرم الخلوقین محمد رسول رب العالمین ہیں ﷺ، پھر انبیائے سابقین، پھر ملائکۂ مقرّبین، پھر شیخین، پھر ختنین، پھر بقیہ صحابۂ کرام۔صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔، اور پُر ظاہر کہ سلسلۂ واحدہ میں ما فیہ التفاضل، یعنی وہ امر جس میں کمی بیشی کے اعتبار سے سلسلہ مرتب ہوا، ایک ہی ہوگا۔ اور وہ اَفراد جن کی زیادتی اپنے ماتحت پر دوسرے اعتبار سے ہوگی، اس سلسلہ کی ترتیب میں نہیں آسکتے، بلکہ وہ دو ۲ سلسلے ہوجائیں گے، مثلاً سلسلۂ روشنی میں آفتاب سب سے افضل ہے، پھر ماہتاب، پھر نجوم، پھر چراغ، اور سلسلۂ جرح وقتل میں شمشیر سب سے اکمل ہے، پھر چھری، پھر چاقو۔ اب اگر کوئی کہنے والا یوں کہے، کہ افضل آفتاب ہے، پھر ماہتاب، پھر چاقو۔ یا افضل تلوار ہے، پھر چھری، پھر چراغ۔ تو یہ کلام اس کا کلامِ مجانین میں داخل ہوگا؛ کہ اس نے ایک ہی سلسلہ میں ما فیہ التفاضل کو بدل دیا[1]۔ پس بالضرور وہ امر یہاں بھی ایک ہی ہوگا، اور جس بات میں رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاء، اور انبیاء کو تمام ملائکہ، اور ملائکۂ مقرّبین کو شیخین پر زیادتی مانی گئی ہے، بعینہ اسی امر میں شیخین کو جنابِ عثمان وحضرتِ مرتضوی پر پیشی وسبقت حاصل ہے، صلّی اللہ تعالی علیہم وسلّم أجمعین.

اب ہم پوچھتے ہیں! جب رسول اللہ ﷺ کو انبیاء سے افضل کہا جاتا ہے، تو آیا اس کے سوا کچھ اَور معنی مفہوم ہوتے ہیں کہ "حضور کا رُتبہ عالی اور قرب ووجاہت وعزّ وکرامت اُن سے زیادہ ہے"؟! اسی طرح جب انبیاء کو ملائکہ، اور ملائکہ کو صحابہ سے افضل کہتے ہیں، اس معنی کا غیر ذہن میں نہیں آتا، تو شیخین کو جو مولی علی سے افضل کہا، وہاں بھی قطعاً یہی معنی لیے جائیں گے، ورنہ سلسلہ بکھر جائے گا، اور ترتیب غلط ہوجائے گی۔ اور جو یہاں زیادتِ اجر وغیرہا معانیٔ مخترعہ مراد لیتے ہو، تو بحکمِ مقدمۂ مذکورہ اوپر بھی یہی لینا پڑے گا، حالانکہ فرشتے بایں معنی اہل ثواب نہیں، نہ بعض ملائکۂ مقرّبین مثل حملۂ عرشِ عظیم میں باعتبار نفع فی الاسلام کلام جاری ہوا، اور خلافت تو خلفائے اربعہ سے اوپر کسی میں نہیں، پھر یہ معانی تراشیدہ کیونکر درست ہو سکتے ہیں؟!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۳۹)

---

(۱) **اقول:** اگر کسی تیز ہوش کی قوت واہمہ یوں رنگ لائے، کہ ہم وحدتِ سلسلہ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ سلسلۂ تفضیل نبی ﷺ وانبیاء وملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام اور ہے، اور یہ سلسلہ جس میں شیخین کو تفضیل دی گئی ہے دوسرا قائم کیا گیا، تو ممکن کہ وہاں مافیہ التفاضل اَور ہو، اور یہاں اَور۔ تو اس کے معالجہ کو وہ احادیث جنہیں افضلیت شیخین بلفظ بعد الانبیاء والمرسلین کلمۂ "إلّا أن یکونَ نبیّاً" وجملہ "إنّ خیرَ ھذہ الأمّۃ بعد نبیّھا ﷺ" وارد، اور تصریحِ مشہورہ کتب عقائد "أفضل البشر بعد نبیّنا ﷺ وأمثال ذلك" کافی۔ جس سے ظاہر کہ اسی ترتیب میں انبیاء ومرسلین کے بعد شیخین کو شمار کیا ہے، تو اتحادِ سلسلہ یقینی، واللہ تعالی أعلم. منہ [امام احمد رضا].

بنی نوعِ انسان میں قُرب بذریعۂ اعمال حاصل ہوتا ہے

(۱)لطف یہ ہے کہ جیسے اُوپر کی ترتیبوں میں تفضیل بمعنی عُلوِّشان ورفعت مکان لیتے آئے، یونہی جب نیچے آکر مولا علی کو بقیہ صحابہ سے افضل کہتے ہیں، وہاں بھی اسی معنی پر ایمان لاتے ہیں؟! بیچ میں شیخین کی نوبت آتی ہے تو اگلا پچھلا کچھ یاد نہیں رہتا، نئے نئے معنی گھڑے جاتے ہیں! اور اس معنی کے رَد پر بڑے بڑے اہتمام ہوتے ہیں، اب بھی دعویٔ انصاف باقی ہے؟! لا حولَ و لا قوّةَ إلّا باللهِ العليِّ العظيمِ!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۱۲۷)

مقدمہ تحقیق معنیٔ افضلیت میں۔مشتمل دس ۱۰ تبصروں پر

تبصرۂ اُولیٰ: حضرت حق ۔سبحانہ وتعالیٰ۔ نے جب انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو آرام گاہِ عالَمِ اَرواح سے ہدایتِ خَلق کے لیے دار الہُموم والاَحزان میں بھیجا، ہروقت وہر زمانہ میں خیارِ اُمم ان کی صحبت ومعیت واِیتلاف ومُوانست کے لیے پیدا کیے؛ تاکہ زمانۂ نبی میں اُس کی خدمت ورَفاقت ونصرت واِعانت سے بہرہ یاب ہوں، اوراس کے سایۂ عاطفت میں دودھ پیتے بچوں کی طرح پرورش پاکر اسی کی عادتیں سیکھیں، اور متخلّق باخلاقِ اللہ ہو جائیں، پھر جب پیغمبر رحلت فرمائے، اس کی نیابت اور خلق کو اُس کی روِش پر ہدایت، اور اس کی شرع کی طرف ارشاد ودعوت کریں، اور جو لوگ مشرّف بایمان ہوں اِن کے اَخلاق وعادات دیکھ کر نبی کی عادات واَخلاق سیکھیں، اور ہمنشینانِ گُل میں بُوئے گُل پاکر مشامِ جان تازہ کریں۔ بعدہ جب ان لوگوں کی تعلیم وارشاد وتخلیق واعتیاد کا اثر عالَم سے زائل، اور یہ سلسلہ متناہی ہو جائے، اور خلق اَز سرِ نو مرشدِ مستقل کی محتاج ہو، اس کے بعد دوسرا پیغمبر بھیجا جائے، اور وہ سلسلۂ طیّبہ جیسے پہلے شروع ہوا تھا، یہاں پھر نظام پائے، عرصۂ بعید ومدّتِ مدید ایک عالَم اسی ذِہاب واِیاب اور نجومِ رسالت کے طلوع وغروب میں تھا «كُلَّمَا هلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَه نَبِيٌّ»(۲).

حکمتِ الٰہیہ نے صحبت ونیابت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ لوگ پسند فرمائے جو بہترین عالَم تھے

فَترتِ عیسوی میں، جو ظلمت وتاریکی عالَم پر چھائی، کبھی نہ تھی، مذاہبِ فاسدہ وعقائدِ کاسدہ پیش از پیش مجتمع ہوئے، فِرقِ کفّار کا اِنشعاب بکثرت تھا، اور اُممِ سابقہ کی گمراہی وضلالت اور تازہ اِحداث وابتداع علاوہ۔ اب وقت وہ آیا کہ آفتابِ ختمیت طلوع فرمائے، اور عالَم میں اس بادشاہِ عرش بارگاہ کا حکمِ اَحکم جاری ہو، جسے جنابِ باری کی خلافتِ عظمیٰ حاصل ہو، اور اس کی دعوت وہدایت سب سے قوی وکامل ہو، شریعت اس کی کہ خاتم الشرائع ہے، ایسی عمدہ تہذیب وغایت اعتدال میں واقع ہو، جسے اختلافِ اَمصار وتبدّلِ اَعصار نہ بدل سکے، اور اصحاب واَحباب اس کے صفاتِ فاضلہ میں ایسے کامل ومنتہی ہوں، جس کے

---

(۱) اورکلمات علماء کی توجیہ ہم تبصرات سابقہ میں بیان کرآئے، کہ وہ کثرت ثواب سے زیادت قرب مراد لیتے ہیں، کہ بنی نوع انسان میں قرب بذریعہ اعمال حاصل ہوتا ہے، اسی طرح کثرت نفع فی الاسلام قوت کیفیت ایمانیہ کا اثر وثمرہ، اور یہی کیفیت وجہ تفاضل انبیاء وملائکہ ہے۔منہ [امام احمد رضا]

(۲) جب ایک نبی وصال پاتا تو دوسرا نبی تشریف لے آتا۔ "صحيح البخاري" باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ر: ۳۱۹۶، ۲/ ۲۷۱. "صحيح مسلم" باب وجوب الوفا، ر: ۳۴۳۹، ۲/ ۳۷۸. "السنن الكبرى" باب لا يصلح إمامان في عصر واحد، ر: ۱۶۹۸۹، ۸/ ۱۴۴.

تخلق واعتیاد وہدایت وارشاد کا اثر تا قیامِ قیامت زائل نہ ہونے پائے، کہ یہ سلسلہ معدوم ہو کر عالَم کو پھر ہادی بالاستقلال کی حاجت پڑے۔ گویا آیتِ کریمہ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾[1] میں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ پس حکمتِ الٰہیہ نے صحبت ونیابت سیّد المرسلین، خاتم النبیین، محمد مصطفی ﷺ کے لیے وہ لوگ پسند فرمائے، جو بہترینِ عالَم تھے، اور نُفوسِ قُدسیہ ان کے فضائلِ محمودہ میں سب سے اعلیٰ واکرم تھے، تربیتِ ربانی نے انہیں اس خوبی سے سنوارا کہ شریعتِ غرّائے بیضائے سیّد الانبیاء ﷺ کا بارِ گراں جسے قولِ ثقیل سے تعبیر فرماتے ہیں ﴿ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴾[2] اپنے دوشِ ہمت پر اُٹھا لیا، اور بااَحسن وُجوہ اس کی ترویج وتبلیغ کو انجام دیا، اپنے مولیٰ وآقا کی عادتیں اختیار کرنا، اور ان کی چال چلنا ایسا سکھایا، کہ سراپا ان کا آفتابِ رسالت کے رنگ میں رنگ گیا، اور ہر رگ وریشہ گلِ اصطفائی کی بُو سے مہک اٹھا، اثر ان کے تخلق وتعلّم عادات کا ہمیشہ باقی رہے گا، اور نورِ اخلاقِ مصطفائی کا عالَم سے کبھی محو نہ ہوگا!۔

اسی لیے سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یعنی حق سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں نظر فرمائی، تو محمد ﷺ کا دل تمام جہان کے دل سے بہتر پایا، پس انہیں چُن لیا، اور اپنا پیغمبر کر کے بھیجا، پھر قلبِ محمد ﷺ کے بعد قلوبِ بندگاں ملاحظہ فرمائے، تو اصحابِ محمد ﷺ کے دل سب دلوں سے بہتر نظر آئے، پس انہیں اپنے نبی ﷺ کا وزیر کیا، کہ اس کے دین کی طرف سے قِتال کرتے ہیں۔

آفتابِ نیم روز سے روشن تر، کہ محب جب قدرت پاتا ہے، اپنے محبوب کی رَفاقت وملازمت، اور دربارداری وخدمت گزاری کے لیے نہایت سنجیدہ وپسندیدہ، اور وفادار وکارگزار، ونیک اَطوار لوگ (جنہیں اپنی نظر میں تمام دنیا سے بہتر، اور ان کے ملکاتِ نفسانیہ کو کُل عاداتِ حسنہ کا عطر سمجھتا ہے) مقرر کرتا ہے۔ حق تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق اور رسول اللہ ﷺ اس کے محبوب سیّد المحبوبین ہیں، کیا عقلِ سلیم تجویز کرتی ہے کہ ایسے حکیم بلند قدرت نے، ایسے عظیم ذی وجاہت، جانِ محبوبی کانِ عزّت کے لیے خیارِ خلق کو جلیس وانیس نہ فرمائے؟!۔

حضورِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، کہ عائشہ میری بی بی ہے جنّت میں

ایک روز جناب طیّبہ طاہرہ صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا پر خشیتِ الٰہی مستولی، اور محاسبۂ نفس میں کمال مشغولی تھی، سیّدنا وابن سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حاضری چاہی، فرما بھیجا: اس وقت میں ایک غم وکَرب میں ہوں، لَوٹ جاؤ!۔ حضرت ابن عباس نے کہا: میں وہ نہیں کہ بے حاضر ہوئے لَوٹ جاؤں! آخر اِذن دیا اور فرمایا: مجھے اس وقت ایک غم اور بے چینی ہے، اور بعض خوفناک باتوں سے ڈر رہی ہوں! حضرت ابن عباس نے فرمایا: آپ کو مژدہ ہو، خُدا کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: "عائشہ میری بی بی ہے جنّت میں" اور رسول اللہ ﷺ کا رُتبہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ہے کہ جہنم کی چنگاریوں سے ایک چنگاری ان کے نکاح میں دے۔ جناب عفّت مآب نے فرمایا: تم نے میرا غم دُور کیا، اللہ تمھارا غم دُور کرے!۔

---

(۱) تم بہتر ہو ان سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے اور بُرائی سے منع کرتے ہو۔ (پ۴، آل عمران: ۱۱۰)۔

(۲) بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ (پ۲۹، مزمل: ۵)۔

جناب سیّدِ عالم ﷺ کی جلالت شان، یا ان کے اصحاب میں سے کسی پر طعن سے اپنی زبان کو آلودہ کرنا ہزار خباثت ہے

بالجملہ جناب سیّدِ عالم ﷺ کی جلالت شان ان کے اصحاب کرام کی رفعت مکان کو مستلزم ہے، جو کور باطن بے بصیرت ان میں سے کسی پر طعن سے اپنی زبان کو آلودۂ ہزار خباثت کرتا ہے، جنابِ الٰہی کی کمال قدرت وعظیم حکمت، یا رسول اللہ ﷺ کی غایت محبوبیت ونہایت کرامت ومنزلت پر حرف رکھتا ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا: "اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں! اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں! اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں! انہیں نشانہ نہ بنا لینا میرے بعد! جو ان سے دوستی رکھتا ہے، میری محبت کے سبب ان سے دوستی رکھتا ہے، اور جو ان سے کینہ رکھتا ہے، وہ میرے بغض کے سبب ان سے بیر رکھتا ہے، اور جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذاء دی، سو قریب ہے کہ اللہ اُسے گرفتار کرے!"۔

فرقۂ ناجیہ اہلِ سنّت وجماعت کا صحابۂ کرام کے بارے میں عقیدہ محکم ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں، ہم ان کے حق میں خیر کے سوا کچھ نہ کہیں گے

اللہ راضی ہو فرقۂ ناجیہ اہلِ سنّت وجماعت سے! وہ ایسے ہی اُمور پر لحاظ کر کے فرماتے ہیں: "الصّحابةُ كلُّهم خيارٌ عدولٌ، لا نتكلّم فيهم إلّا بخير"[1] اور اہلِ سنّت کیا کہتے ہیں؟ خود صاحبِ سنّت -علیہ الصلاۃ والتحیۃ- نے فرمایا: "جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو زبان روک لو!"۔

تمام صحابۂ سرورِ عالم ﷺ بعد انبیاء ومرسلین کے خیر الخلق وافضل النّاس ہیں

غرض اس میں شک نہیں کہ صحابۂ سرورِ عالم ﷺ بعد انبیاء ومرسلین کے خیر الخلق وافضل النّاس تھے، مگر جبکہ منظورِ الٰہی تھا، کہ شریعتِ محمدیہ -علیہ أفضل الصلاۃ والتحیۃ- قوم دُون قوم، یا یوم غیر یوم سے خاص، اور بعثت والا کسی زمان ومکان پر مقتصر نہ ہو، اور یہ ظاہر کہ قلوبِ ناس قبولِ نصح واستفادہ واسترشاد میں مختلف ہوتے ہیں، بعض پر نرمی سریع الاثر ہوتی ہے، اور بعض شدّت وسختی مانتے ہیں۔ لہٰذا حکمتِ الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ حاملانِ شریعت ونائبانِ رسالت ایک رنگ پر نہ ہوں، کسی کے سر پہ «أرحم أمّتي بأمّتي» کا تاج رکھا جائے، اور کوئی «أشدُّهم في أمر الله» کا خطاب پائے۔ علاوہ بریں جب رحمتِ الٰہی ان کی طرف بے حد وپایاں متوجہ ہے، اور سب تشریف شریف ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ سے بہرہ مند ہوئے، عزّت ووجاہت ان کی خواستگار ہوئی، کہ ان میں سے اکثر کو خلعت ہائے خاصہ کرامت فرمائیں، تاکہ باعث ان کی زیادتِ اعزاز ودُفورِ امتیاز کا ہو، بنا بر آں بہت اصحاب کرم اَلطاف وعنایاتِ خاصّہ سے ممتاز ہوئے، کہ ان کے غیر میں نہ پائی جائیں، گو ان سے اعلیٰ وافضل دوسروں میں موجود ہوں۔

---

(۱) "أصول الدّين عند الإمام أبي حنيفة" لابن عبد الرّحمن الخميس، المبحث ١، الإمام أبوحنيفة يحب جميع الصحابة، صـ١٥٤١. "العقيدة الطحاوية" باب حب أصحاب النبي، صـ٥٧.

مثلاً: اوّل تیر کہ راہِ خدا میں پھینکا گیا، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تھا[1]۔

اور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو تشریف «فداك أبي وأمي!»[2] سے مشرّف فرمایا

اور حواری حضور کے حضرت زبیر ہیں[3]۔

اور عبد اللہ بن عبّاس دوبار رؤیتِ جبریل علیہ السلام سے ممتاز[4]۔

اور سیدنا وابن سیدنا اُسامہ بن زید بن حارثہ کی نسبت ارشاد ہوا: "مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ ہے، پھر علی"[5]۔

اور ابو ذر سا راست گفتار زیرِ آسمان نہیں[6]۔

اور حُسنِ قراءت میں اُبَی بن کعب کو سب پر سبقت[7]۔

زید بن ثابت فرائض دانی[8]۔

اور مُعاذ بن جبل علم حلال وحرام میں فائق[9]۔

ابو عبیدہ اس اُمّت کے امین[10]۔

اور سعد بن مُعاذ کے انتقال سے عرشِ خُدا ہل گیا[11]۔

اور اللہ تعالیٰ نے ام المؤمنین خدیجہ کو سلام کہلا بھیجا[12]۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب المغازي، باب غزوة الطائف، ر: ٤٣٢٦، ٥/ ١٥٦. "صحيح مسلم" كتاب الزهد والرقاق، ٢٩٦٦، صـ ١٥٨٦.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب مناقب زبير، ر: ٣٧٢٠، ٢/ ٣٤٠. "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب من فضائل طلحة والزبير رضي الله عنهما، ر: ٢٤١٦، ٤/ ١٨٧٩.

(٣) "صحيح البخاري" كتاب الجهاد والسير، باب فضل الطليعة، ر: ٢٨٢٦، ٢/ ٢٦٧. "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب من فضائل طلحة والزبير رضي الله عنهما، ر: ٢٤١٥، ٤/ ١٨٧٩.

(٤) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب عبد الله، ر: ٣٨٤١، ٥/ ٤٤٨.

(٥) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أسامة بن زيد، ر: ٣٨٤٥، ٥/ ٤٤٨.

(٦) "سنن الترمذي" أبواب المناقبمباب مناقب أبي بن كعب، ر: ٣٨٢٧، ٣٨٢٨، ٥/ ٤٤٠.

(٧) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أبي بن كعب، ر: ٣٩٠١، صـ ٨٧٥.

(٨) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب زيد بن ثابت، ر: ٣٧٩٧، صـ ٨٥٩.

(٩) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل، ر: ٣٨٤٥، ٥/ ٤٤٧.

(١٠) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أبي عبيدة، ر: ٣٧٤٤، صـ ٩١٥.

(١١) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب مناقب سعد بى معاذ، ر: ٣٨٠٣، ٢/ ٥٠١. "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب من فضائل سعد بن معاذ رضي الله عنه، ر: ٢٣٦٦، ٤/ ١٩١٥.

(١٢) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب مناقب تزويج النبي، ر: ٣٨٢٠، ٢/ ٥٦٥. "صحيح مسلم" كتاب =

اور سیدنا ابو موسیٰ کو مزمارِ آلِ داؤد عطا ہوا[1]۔

اور حذیفہ صاحبِ اَسرار ہوئے[2]۔

اور تمیم داری سے رسول اللہ ﷺ نے قصہ جساسہ بلفظ: "حدّثنا تميمُ الدّاري" حکایت فرمایا[3]۔

اور صدیق کا سباق بالخیر ہونا فاروق سے بکلمة: "حدّثني عمرُ" نقل کیا[4]۔

اور حضرت جُلیبیب جب شہید ہوئے، حضور ان کی نعش اپنے دستِ اقدس پر اُٹھا کر لے چلے اور ارشاد فرماتے تھے: «جُلَيبيب منّي وأنا من جُلَيبيب! جُلَيبيب منّي وأنا من جُلَيبيب! جُلَيبيب منّي وأنا من جُلَيبيب!»[5] یعنی "جُلیبیب میرا اور میں جلیبیب کا! جلیبیب میرا اور میں جلیبیب کا! جلیبیب میرا اور میں جلیبیب کا!" رضي الله تعالى عنهم أجمعين، وحشرَنا في زمرة محبّيهم يومَ الدين، آمين![6]۔

یہ تو عمومِ صحابہ کے بحارِ فضائل سے ایک خفیف قطرہ تھا، اور صحرائے فواضل کا ادنیٰ ذرّہ۔ پھر اے اشتیاق بھرے دل اور انتظار والے کان! کیا پوچھتا ہے حال اُن چار سروَرانِ اَبرار و سیّدانِ اَخیار کا، جو اس بارگاہِ عرش اشتباہ کے پہلے صدر نشینانِ بزمِ عزّ و جاہ ہیں! جن کی کرسئ عزّت خاص پایۂ تختِ سلطانی سے پہلو بپہلو بچھائی جاتی ہے، اور اس خُسرو کون و مکان کے بعد فخرِ شہریاری [ماہر حکومت] ان کے پاک مبارک سروں پر قربان ہوتا ہے! ؏

قیاس کن زگلستان من بہارم را

رُوئے زمین کے ریگ دانے ایک ایک کرکے گِن لیجیے! آسمان کے تارے فرداً فرداً شمار کر دیجیے! مگر حاشا کہ ان کے فضائل خاصّہ و مناقب مختصر پابندِ زنجیرِ حصر و شمار ہوں!۔

عزیزا! اگر درخت قلمیں، اور دریا سیاہی، اور طباقِ آسمان اَوراق ہو جائیں، اور تمام جن و اِنس تا قیامِ قیامت لکھنے پر کمر باندھیں، عجب کیا کہ ہُنوز روزِ اوّل ہو! ؏

=

الفضائل، باب من فضائل خديجة أمّ المؤمنين رضي الله عنها، ر: ۲٤۳۲، ٤/ ۱۸۸۷.

(۱) "صحيح البخاري" كتاب فضائل القرآن، باب حسن صوت بالقرأة، ر: ۵۰٤۸، ۳/ ٤۱٦. "صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن، ر: ۷۹۳، ۱/ ۵٤٦.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب مناقب عمّار وحذيفة، ر: ۳۷٤۳، ۲/ ۵٤۵.

(۳) "صحيح مسلم" كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب قصة الجساسة، ر: ۲۹٤۲، ٤/ ۲۲٦۵.

(٤) "تاريخ دمشق" حرف العين، تحت ر: ۳۳۹۸، ۳۰/ ٦۵.

(۵) أي: في "السنن الكبرى" كتاب المناقب، جليبيب رضي الله عنه، ر: ۸۱۸۹، ۷/ ۳٤۷.

(٦) اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارا حشر ان کے محبین میں فرمائے، آمین!۔

وعلى تفنّن واصفِيه بحُسنه — يفنى الزّمانُ وفيه ما لم يوصَف

یہی سبب ہے کہ ان چار ۴ ارکانِ قصرِ ملّت، و چار ۴ انہارِ باغِ شریعت کے خصائص و فضائل کچھ ایسے رنگ پر واقع ہیں، کہ ان میں سے جس کسی کے مناقب پر تنہا نظر کیجیے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہیں یہی ہیں، اور ان سے بڑھ کر کون ہوگا؟!۔

بہر گلے کہ ازیں چار باغ می نگرم — بہار دامن دل می کشد کہ جا اینجا

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۸۳، ۸۵)

صحابۂ کرام میں سے کسی کو کافر بے دین نہ کہے گا، مگر کافر بے دین یا گمراہ بددین

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلا شِعار اہل سنّت کا یہ بتایا ہے: "أن تفضّلَ الشّيخين"[1] "یہ کہ تُو صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تمام اُمّت سے افضل مانے"۔ یہ عقیدۂ حمیدہ خود امیر المؤمنین مولا علی -کرّم اللہ وجہہ الکریم- سے اسّی ۸۰ صحابہ و تابعین نے روایت کیا، اس میں ہماری حافل کافل کتاب "مَطلع القمرَين في إبانة سبقة العُمرَين" ہے، جس میں اس مطلبِ شریف پر قرآن عظیم و احادیث سیّد المرسلین -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین- و آثارِ اہل بیت کرام، و صحابۂ عظام، وارشاداتِ امیر المؤمنین حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و نصوصِ ائمہ و علماء و اولیاء و عرفاء قدست اسرارہم سے دریا لہرا رہے ہیں۔ ہر بچہ جانتا ہے کہ اہل سنّت کی تمام کتبِ عقائد میں ہے: "أفضل البَشر بعد الأنبياء أبو بكر الصّديق"[2] "انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں"۔ اگر نہایت صاف دن میں، کف دستِ میدان میں، منہ پر آنکھیں ہوتے ہوئے، ٹھیک دوپہر کو انکارِ آفتاب رَوا ہے، تو اس کا انکار[3] بھی اُسی منکر کا سا مجنون کر سکتا ہے، یونہی حضرات اولیائے کرام -قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم- کی طرف اس عقیدۂ باطلہ کی نسبت کُھلا افتراء ہے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۶)

صحابۂ کرام میں کسی کو کافر بے دین نہ کہے گا، مگر کافر بے دین یا گمراہ بددین۔ عزیز جبّار واحد قہار جلّ وعلا نے صحابۂ کرام کو دو ۲ قسم کیا: (۱) ایک وہ کہ قبل فتح مکہ جنہوں نے راہِ خدا میں خرچ و قتال کیا، (۲) دوسرے وہ جنہوں نے بعد فتح۔ پھر فرما دیا کہ دونوں فریق سے اللہ عزوجل نے بھلائی کا وعدہ فرمایا، اور ساتھ ہی فرما دیا کہ اللہ کو تمھارے کاموں کی خُوب خبر ہے، کہ تم کیا کیا کرنے والے ہو، باایں ہمہ اس نے تم سب سے حُسنیٰ کا وعدہ فرمایا۔

یہاں قرآن عظیم نے ان دریدہ ذہنوں، بے باکوں، بے ادب، ناپاکوں کے منہ میں پتھر دے دیا، جو صحابۂ کرام کے افعال سے اُن پر طعن چاہتے ہیں، وہ بشرطِ صحت اللہ عزوجل کو معلوم تھے، پھر بھی اُن سب سے حُسنیٰ کا وعدہ فرمایا، تو اب جو معترض

---

(۱) "منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر" أفضل الناس بعده ﷺ ...إلخ صـ ٦٣.

(۲) "شرح العقائد النسفية" صـ ١٠٧.

(۳) بددینی و گمراہی دوسری چیز ہے، مگر ذی عقل مشہور کی طرف ایسے انکارِ آفتاب کی نسبت سے یہ سہل معلوم ہوتا ہے، کہ کسی یزیدی نے "یزید نامہ" لکھ کر اس کے نام کردیا، یا کم از کم ایسی وقاحتیں اس میں ملا دیں۔ منہ [امام احمد رضا]

ہے، اللہ واحد قہار پر معترض ہے، جنّت و مدارجِ عالیہ اس معترض کے ہاتھ میں نہیں، اللہ عزّوجلّ کے ہاتھ ہیں! معترض اپنا سر کھاتا رہے گا، اور اللہ نے جو حُسنیٰ کا وعدہ اُن سے فرمایا ہے، ضرور پورا فرمائے گا! اور معترض جہنم میں سزا پائے گا!۔ وہ آیۂ کریمہ یہ ہے: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [1] "اے محبوب کے صحابیو! تم میں برابر نہیں، وہ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ و قتال کیا وہ رُتبے میں بعد والوں سے بڑے ہیں، اور دونوں فریق سے اللہ نے حُسنیٰ کا وعدہ کر لیا، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو!"۔

صحابۂ کرام کے لیے اللہ کا وعدۂ حُسنیٰ

اب جن کے لیے اللہ کا وعدہ حُسنیٰ کا ہو لیا، اُن کا حال بھی قرآنِ عظیم سے سُنیے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ [2] "بے شک جن کے لیے ہمارا وعدہ حُسنیٰ کا ہو چکا، وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں، اس کی بھنک تک نہ سُنیں گے، اور ہمیشہ اپنی مَن مانتی مُرادوں میں رہیں گے، وہ بڑی گھبراہٹ قیامت کی ہلچل انہیں غم نہ دے گی، اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۶۷)

فضیلتِ امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ ہے جمیع صحابۂ کرام سیّد الأنام -علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام- کے لیے قرآنِ کریم کی شہادت، امیر المؤمنین مولی المسلمین علی مرتضی مشکل کشا -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- قسمِ اوّل میں ہیں، جن کو فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً﴾ [3] "اُن کے مرتبے قسمِ دُوم والوں سے بڑے ہیں"۔ اور امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسمِ دُوم میں ہیں، اور حُسنیٰ کا وعدہ، اور یہ تمام بشارتیں سب کو شامل ہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۶۷)

صحابۂ کرام کی لغزشوں کو اللہ تعالی نے مُعاف فرما دیا

ولہذا امیر المؤمنین مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن عساکر کی حدیث ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «تكون لأصحابي زَلّةٌ يغفرها اللهُ لهم لسابقتهم معي، ثمّ يأتي قومٌ بعدَهم يكبُّهم اللهُ على مَناخرهم في النّار»[4] "میرے اصحاب سے لغزش ہوگی، جسے اللہ عزّوجلّ مُعاف فرمائے گا؛ اُس سابقہ کے سبب جو اُن کو میری بارگاہ میں ہے، پھر اُن

[1] پ۲۷، حدید: ۱۰۔

[2] پ۱۷، انبیاء: ۱۰۱ و ۱۰۲۔

[3] پ۲۷، حدید: ۱۰۔

[4] "المعجم الأوسط" ر: ۳۲۴۳، ٤/ ۱٤۲. و"مجمع الزوائد" ۷/ ۲۳٤.

کے بعد کچھ لوگ آئیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے منہ کے بل جہنم میں اَوندھا کرے گا"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۷۷)

حضرتِ امیر مُعاویہ پر طعن کرنے والا جہنمی کُتّا ہے

یہ ہیں وہ کہ صحابہ کی لغزشوں پر گرفت کریں گے، ولہذا علامہ شہاب خَفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے "نسیم الریاض شرح شفاامام قاضی عیاض" میں فرمایا: "ومَن يكون يطعن في مُعاوية، فذلك كلبٌ من كِلاب الهاوية"[1] "جو امیر مُعاویہ پر طعن کرے، وہ جہنم کے کتّوں میں سے ایک کُتّا ہے"۔ والله يقول الحقّ ويهدي السّبيل! والله تعالى أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۹۸)

اہلِ سنّت کے عقیدہ میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم فرض ہے، اور ان میں سے کسی پر بھی طعن حرام ہے

اہلِ سنّت کے عقیدہ میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم فرض ہے، اور ان میں سے کسی پر بھی طعن حرام ہے، اور ان کے مُشاجَرات میں خَوض ممنوع ہے۔ حدیث میں ارشاد: «إذا ذكر أصحابي فأمسِكوا!»[2]. ربّ عزّوجلّ کہ عالم الغیب والشہادہ ہے، اس نے صحابۂ سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں: (۱) مؤمنین قبل الفتح، جنہوں نے فتح مکّہ سے پہلے راہِ خدا میں خرچ و جہاد کیا، (۲) اور مؤمنین بعد الفتح، جنہوں نے بعد کو۔ فریقِ اوّل کو دُوم پر تفضیل عطا فرمائی کہ: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾[3].

اور ساتھ ہی فرما دیا: ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾[4] "دونوں فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرما لیا"۔ اور ان کے افعال پر جاہلانہ نکتہ چینی کا دروازہ بھی بند فرما دیا؛ کہ ساتھ ہی ارشاد ہوا: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾[5] "اللہ کو تمہارے اعمال کی خوب خبر ہے" یعنی جو کچھ تم کرنے والے ہو، وہ سب جانتا ہے، بایں ہمہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا، خواہ سابقین ہوں یا لاحقین۔

اور یہ بھی قرآن عظیم سے ہی پوچھ دیکھیے کہ مولیٰ عزّوجلّ جس سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا، اس کے لیے کیا فرماتا ہے؟ ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَى أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝

(۱) "نسيم الرياض" الباب ۳، ۳/ ۴۳۰.
(۲) "المعجم الكبير" ر: ۱۴۲۷، ۲/ ۹۶.
(۳) پ۲۷، حدید: ۱۰۔
(۴) پ۲۷، حدید: ۱۰۔
(۵) پ۲۷، حدید: ۱۰۔

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ هٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾(۱) "بے شک جن سے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا، وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں، اس کی بھنک تک نہ سُنیں گے، اور وہ اپنی مَن مانتی مُرادوں میں ہمیشہ رہیں گے، انہیں غم میں نہ ڈالے گی بڑی گھبراہٹ، فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے یہ کہتے ہوئے، کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا"۔

سچا اسلامی دل اپنے رب عزّوجل کا یہ ارشادِ عام سن کر کبھی کسی صحابی پر نہ سُوئے ظن کر سکتا ہے، نہ اس کے اعمال کی تفتیش۔ بفرضِ غلط کچھ بھی کیا، تم حاکم ہو یا اللہ؟ تم زیادہ جانو یا اللہ؟ ﴿ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾(۲) دلوں کی جاننے والا سچا حاکم یہ فیصلہ فرما چکا، کہ مجھے تمہارے سب اعمال کی خبر ہے، میں تم سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد مسلمان کو اس کے خلاف کی گنجائش کیا ہے؟ ضرور ہر صحابی کے ساتھ حضرت کہا جائے گا! ضرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جائے گا! ضرور اس کا اِعزاز واحترام فرض ہے! ﴿وَلَوْ کَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾(۳).

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۷۷، ۷۸)

بلاشُبہ امیر مُعاویہ کی خطا خطائے اجتہادی تھی، اور اس پر اِلزامِ معصیت عائد کرنا، اس ارشادِ الٰہی کے صریح خلاف ہے

بلاشُبہ اُن کی خطا خطائے اجتہادی تھی، اور اس پر الزامِ معصیت عائد کرنا، اس ارشادِ الٰہی کے صریح خلاف ہے۔ مسلمانوں کا اِجماع ہے کہ کوئی غیرِ نبی کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، جو کسی غیرِ نبی کو کسی نبی کے ہمسر یا افضل جانے، وہ بالاجماع کافر مرتد ہے۔ مولیٰ علی -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ- کا مرتبہ انبیائے بنی اسرائیل، یا کسی نبی سے بالا یا برابر ماننا، واجب در کنار، کفرِ خالص ہے۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۷۹)

فضائلِ صحابہ

اللہ عزّوجل نے سورۂ حدید میں صحابۂ سیّد المرسلین -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم- کی دو قسمیں فرمائیں: (۱) ایک وہ کہ قبل فتح مکّہ شریف مشرّف بایمان ہوئے، اور رَاہِ خُدا میں مال خرچ کیا، جہاد کیا، (۲) دوسرے وہ کہ بعد فتح مکّہ شریف مشرّف بایمان ہوئے۔

پھر فرمایا: ﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی﴾(۴) "دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا"، اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے ان کو فرماتا ہے: ﴿اُولٰٓئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ "وہ جہنم سے دُور رکھے گئے" ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا﴾ "اس کی بھنک تک نہ سنیں گے" ﴿وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۚ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ﴾(۵) "اور وہ اپنی مَن مانتی

---

(۱) پ۱۷، انبیاء: ۱۰۱ و ۱۰۳۔

(۲) پ۱، بقرۃ: ۱۴۰۔

(۳) پ۹، انفال: ۸۔

(۴) پ۲۷، حدید: ۱۰۔

(۵) پ۱۷، انبیاء: ۱۰۱ تا ۱۰۳۔

خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے، قیامت کی سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی" ﴿وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ "فرشتے اُن کا استقبال کریں گے" ﴿هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ "یہ کہتے ہوئے کہ یہ تمھارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ تھا"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۹)

رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے، تو جو کسی صحابی پر طعن کرے، اللہ واحد قہّار کو جھٹلاتا ہے۔ اور اُن کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشادِ الٰہی کے مقابل پیش کرنا، اہلِ اسلام کا کام نہیں! ربّ عزوجل نے اُسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرما دیا، کہ دونوں فریقِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾[1] "اور اللہ تعالیٰ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے"۔ بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔

جو حضرت مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے

اس کے بعد کوئی بکے اپنا سر کھائے، خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدّین خفاجی "نسیم الریاض شرح شفا امام قاضی عیاض" میں فرماتے ہیں: "ومَن يكون يطعن في مُعاوية، فذلك كلبٌ من كلاب الهاوية"[2] "جو حضرت مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے، وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۱، ۳۲)

عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد و مدارِ سُنّیت، اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردّد، گمراہی و ضلالت ہے، اس قسم کے امور ان مسائل سے نہیں ہوتے، ہاں وہ مسلک جو ہمارے نزدیک محقق ہے، اور بشہادت اولیاء و شہادت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام، وبمرویات اکابر ائمہ کرام ثابت ہے، یہی ہے کہ باستثناء ان کے جن کی افضلیت منصوص ہے، جیسے جملہ صحابۂ کرام وبعض اکابر تابعین عظام کہ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ ہیں، اور اپنے ان اَلقاب سے ممتاز ہیں۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴)

مُشاجراتِ صحابۂ کرام

حضرت مرتضوی امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنھوں نے مشاجرات و منازعات کیے، اور اس حق مآب صائب الرائے کی رائے سے مختلف ہوئے، اور ان اختلافات کے باعث ان میں جو واقعات رُونما ہوئے، کہ ایک دوسرے کے مدّمقابل آئے، مثلاً جنگِ جمل میں حضرت طلحہ وزبیر و صدیقہ عائشہ، اور جنگِ صفّین میں حضرت امیر مُعاویہ بمقابلہ مولیٰ علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ہم اہلِ سنّت ان میں حق جانبِ جناب مولیٰ علی مانتے ہیں، اور ان سب کو مُوردِ لغزش بر غلط و خطا، اور حضرت اسدُ اللّٰہی کو بدر جہا ان سے اکمل و اعلیٰ جانتے ہیں، مگر بایں ہمہ بلحاظِ احادیثِ مذکورہ کہ ان حضرات کے مناقب و فضائل میں مروی ہیں، زبانِ طعن و تشنیع ان دوسروں کے حق میں نہیں کھولتے، اور انہیں ان کے مَراتب پر رکھتے ہیں، جو اِن کے لیے شرع میں ثابت ہوئے، کسی کو کسی پر اپنی ہَوائے نفس سے فضیلت نہیں دیتے، اور ان کے مشاجَرات میں دخل اندازی کو حرام

---

(۱) پ۲۷، حدید: ۱۰۔

(۲) "نسیم الریاض" الباب ۳، ۳/ ۴۳۰۔

جانتے ہیں، اور ان کے اختلافات کو ابو حنیفہ و شافعی جیسا اختلاف سمجھتے ہیں۔ تو ہم اہل سنّت کے نزدیک ان میں سے کسی ادنیٰ صحابی پر بھی طعن جائز نہیں، چہ جائیکہ اُمّ المؤمنین صدیقہ عائشہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جنابِ رفیع اور بارگاہِ وقیع میں طعن کریں، حاش! یہ اللہ و رسول کی جناب میں گستاخی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی تطہیر و بریّت (پاکدامنی و عفت اور براءت) میں آیات نازل فرمائے، اور ان پر تہمت دھرنے والوں کو وعیدیں عذابِ الیم کی سنائے[1]۔ اور منافقین کی بہتان تراشی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں اپنی سب ازواجِ مطہّرات میں زیادہ چاہیں، جہاں منہ رکھ کر عائشہ صدیقہ پانی پئیں، حضور اسی جگہ اپنا لبِ اقدس رکھ کر وہیں سے پانی پئیں، یوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب ازواج (مطہّرات، طیبات طاہرات) دنیا و آخرت میں حضور ہی کی بیبیاں ہیں، مگر عائشہ سے محبت کا یہ عالم ہے کہ ان کے حق میں ارشاد ہوا، کہ یہ حضور کی بی بی ہیں دنیا و آخرت میں۔ حضرت خیر النساء یعنی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم ہوا ہے کہ فاطمہ! تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو عائشہ سے بھی محبت رکھ؛ کہ میں اسے چاہتا ہوں۔ (چنانچہ "صحیح مسلم" میں ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ سے فرمایا): «اَيْ بُنَيَّةُ! ألستِ تحبّينَ ما أُحِبُّ؟!» فقالت: بلى، قال: «فأحبّي هذه!»[2] "پیاری بیٹی! جس سے میں محبت کرتا ہوں، کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی؟! عرض کیا: بالکل یہی درست ہے، (جسے آپ چاہیں میں ضرور اسے چاہوں گی) فرمایا: تب تُو بھی عائشہ سے محبت رکھا کر، سوال ہوا: سب آدمیوں میں حضور کو کون محبوب ہیں؟ جواب عطا ہوا: عائشہ[3]۔

وہ عائشہ صدیقہ بنت الصدیق، اُمّ المؤمنین، جن کا محبوبۂ محبوبِ ربّ العالمین ہونا آفتابِ نیم روز سے روشن تر! وہ صدیقہ جن کی تصویر بہشتی حریر میں رُوح القدس خدمتِ اقدس سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر لائیں! وہ ام المؤمنین کہ جبرئیل امین باں فضلِ مبین انہیں سلام کریں! اور ان کے کاشانۂ عزّت وطہارت میں بے اذن لیے حاضر نہ ہو سکیں! وہ صدیقہ کہ اللہ تعالیٰ وحی نہ بھیجے ان کے سوا کسی کے لحاف میں! وہ ام المؤمنین کہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر سفر میں بے ان کے تشریف لے جائیں، ان کی یاد میں «وا عروساه!»[4] فرمائیں!۔

وہ صدیقہ کہ یوسف صدیق علیہ الصلاۃ والسلام کی براءت وپاکدامنی کی شہادت اہلِ زُلیخا سے ایک بچہ ادا کرے، بتول مریم کی تطہیر وعفّت کلمۃ اللہ روح اللہ کلمۃ اللہ فرمائیں، مگر ان کی براءت، پاک طینتی، پاکدامنی وطہارت کی گواہی میں قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ نزول فرمائیں! وہ امّ المؤمنین کہ محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پانی پینے میں دیکھتے رہیں کہ کوزے میں کس جگہ لَبِ مبارک رکھ کر پانی پیا ہے؛ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے لَب ہائے مبارک وخدا پسند وہیں رکھ کر پانی نوش فرمائیں! صلّى الله تعالى عليه وعليها وعلى أبيها وبارَكَ وسلَّم.

---

(۱) پ۱۸، نور: ۱۹۔

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، فضائل عائشة رضي الله عنها، ۲/ ۲۸۵.

(۳) "صحيح البخاري" أبواب مناقب أصحاب النبي ﷺ، ۱/ ۵۱۷. "صحيح مسلم" باب فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، ۲/ ۲۷۳. "مسند الإمام أحمد" عن عمرو بن العاص ۴/ ۲۰۳.

(۴) "مسند الإمام أحمد" عن عائشة رضي الله عنها، ۶/ ۲۴۸.

آدمی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھے! اگر کوئی اس کی ماں کی توہین کرے، اس پر بہتان اُٹھائے، یا اسے بُرا بھلا کہے، تو اس کا کیسا دشمن ہو جائے گا! اس کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں خون اتر آئے گا! اور مسلمانوں کی مائیں یوں بے قدر ہوں، کہ کلمہ پڑھ کر ان پر طعن کریں! تہمت دھریں! اور مسلمان کے مسلمان بنے رہیں؟! لا حول و لا قوۃ إلّا باللہ العلي العظیم۔

اور زبیر و طلحہ ان سے بھی افضل؛ کہ عشرۂ مبشرہ سے ہیں، وہ (یعنی زبیر بن العوام) رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور حواری (جاں باز، مُعاون و مددگار) اور یہ (یعنی طلحہ) رسول اللہ ﷺ کے چہرے انور کے لیے سپر، وقتِ جاں نثاری (جیسے ایک جاں نثار نڈر سپاہی و سرفروش محافظ)۔

رہے امیر مُعاویہ رضی اللہ عنہ تو ان کا درجہ ان سب کے بعد ہے، اور حضرت مولیٰ علی مرتضی -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ- کے مقامِ رفیع (مراتب بلند و بالا) وشانِ منیع (عظمت و منزلت محکم واعلیٰ) تک توان سے وہ دُور دراز منزلیں ہیں، جن ہزاروں ہزار رہوارِ برق کردار[1] صبا رفتار[2] تھک رہیں، اور قطعِ مسافت نہ کر سکیں۔[3] مگر فضلِ صحبت وشرفِ صحابیت، وفضل وشرفِ سعادت خدائی دَین ہے، جس سے مسلمان آنکھ بند نہیں کر سکتے، تو ان پر لعن طعن، یا ان کی توہین تنقیص کیسے گوارا رکھیں؟! اور کیسے سمجھ لیں کہ مولیٰ علی کے مقابلے میں انہوں نے جو کچھ کیا بر بنائے نفسانیت تھا؟! صاحبِ ایمان مسلمان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی!۔

ہاں ایک بات کہتے ہیں، اور ایمان لگتی کہتے ہیں! کہ ہم تو بحمد اللہ سرکار اہل بیت کرام کے غلامانِ خانہ زاد ہیں، اور مَوروثی خدمتگار و خدمت گزار ہیں۔ ہمیں امیر مُعاویہ رضی اللہ عنہ سے کیا رشتہ؟ جو خدانخواستہ ان کی حمایتِ بے جا کریں! مگر ہاں اپنی سرکار کی طرفداری (اور امرِ حق میں ان کی حمایت و پاسداری) اور ان حضرت امیر مُعاویہ کا خصوصاً الزام بدگویاں اور دریدہ دہنوں، بدزبانوں کی تہمتوں سے بَری رکھنا منظور ہے، کہ ہمارے شہزادۂ اکبر حضرت سبط اکبر، حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے حسبِ بشارت اپنے جدّ امجد سیّد المرسلین ﷺ کے بعد اختتامِ مدّتِ خلافتِ راشدہ، کہ منہاجِ نبوت پر تیس ۳۰ سال رہی، اور سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے چھ ۶ ماہ مدّتِ خلافت پر ختم ہوئی، عین معرکۂ جنگ میں ایک فوج جرار کی ہمراہی کے باوجود ہتھیار رکھ دیے (بالقصد والاختیار) اور ملک (اور اُمورِ مسلمین کا انتظام وانصرام) امیر مُعاویہ کو سپرد کر دیا، اور ان کے ہاتھ پر بیعتِ اطاعت فرما لی، اگر امیر مُعاویہ رضی اللہ عنہ (العیاذ باللہ) کافر یا فاسق تھے، یا ظالم جائر تھے، یا غاصب جابر تھے، ظلم و جور پر کمربستہ تھے، تو الزام امامِ حسن پر آتا ہے کہ انہوں نے کاروبارِ مسلمین وانتظامِ شرع ودین باختیارِ خود، بلا جبر واِکراہ، بلا ضرورتِ شرعیہ،

---

(۱) (ایسے کشادہ فراخ قدم گھوڑے جیسے بجلی کا کوندا)۔

(۲) (ہواسے بات کرنے والے، تیز رو، تیز گام)۔

(۳) نوٹ: بریلی شریف سے شائع ہونے والے رسالہ میں مذکور، کہ یہاں اصل میں بہت بیاض ہے، درمیان میں کچھ ناتمام سطریں ہیں، مناسبتِ مقام سے جو کچھ فہم قاصر میں آیا بنا دیا۔ اس فقیر نے ان اضافوں کو اصل عبارت سے ملا کر قوسین میں محدود کر دیا ہے؛ تاکہ اصل واضافہ میں امتیاز رہے، اور ناظرین کو اس کا مطالعہ سہل ہو۔ اس میں غلطی ہو تو فقیر کی جانب منسوب کیا جائے۔ (محمد خلیل عفی عنہ)

باوجود مقدرت، ایسے شخص کو تفویض فرما دیا! اور اس کی تحویل میں دے دیا! اور خیر خواہئ اسلام کو (معاذاللہ) کام نہ فرمایا! اس سے ہاتھ اٹھا لیا! اگر مدّت خلافت ختم ہو چکی تھی، اور آپ خود بادشاہت منظور نہیں فرماتے تھے، تو صحابۂ حجاز میں کوئی اور قابلیت نظم ونسق دین نہ رکھتا تھا؟ جو انہیں کو اختیار کیا! اور انہیں کے ہاتھ پر بیعت اطاعت کر لی!۔

حاش للہ! بلکہ یہ بات خود رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے، کہ حضور ﷺ نے اپنی پیش گوئی میں ان کے اس فعل کو پسند فرمایا، اور ان کی سیادت کا نتیجہ ٹھہرایا، كما في "صحيح البخاري". صادق ومصدوق ﷺ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا: «إنّ ابني هذا سيّدٌ، لعلّ الله أن يُصلِحَ به بين فئتَين عظمتَين من المسلمين!»[1] (میرا یہ بیٹا سید ہے، سیادت کا علمبردار ہے) میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے باعث دو ۲ بڑے گروہِ اسلام میں صلح کرا دے۔ آیۂ کریمہ کا ارشاد ہے: ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾[2] "اور ہم نے ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لیے"۔ جو دنیا میں ان کے درمیان تھے، اور طبیعتوں میں جو کدُورت وکشیدگی تھی، اسے رفق واُلفت سے بدل دیا، اور ان میں آپس میں نہ اتی رہی مگر مودّت ومحبت۔ اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی کہ آپ نے فرمایا کہ "ان شاء اللہ تعالی میں اور عثمان اور طلحہ وزبیر ان میں سے ہیں، جن کے حق میں اللہ تعالی نے یہ ارشاد فرمایا کہ: ﴿نزعنا﴾ ...الآية". حضرت مولیٰ علی کے اس ارشاد کے بعد بھی ان پر اِلزام دینا عقل وخِرد سے جنگ ہے، مولیٰ علی سے جنگ ہے، اور خدا اور رسول سے جنگ ہے، والعياذ بالله!. جبکہ تاریخ کے اوراق شاہدِ عادل ہیں، کہ حضرت زبیر کو جُونہی اپنی غلطی کا احساس ہوا، انہوں نے فوراً جنگ سے کنارہ کشی کر لی۔ اور حضرت طلحہ کے متعلق بھی روایات میں آتا ہے، کہ انہوں نے اپنے ایک مددگار کے ذریعے حضرت مولیٰ علی سے بیعتِ اطاعت کر لی تھی۔

اور تاریخ سے ان واقعات کو کون چھپا سکتا ہے، کہ جنگِ جمل ختم ہونے کے بعد حضرت مولیٰ علی مرتضی نے حضرت عائشہ کے برادرِ معظم محمد بن ابی بکر کو حکم دیا، کہ وہ جائیں اور دیکھیں کہ حضرت عائشہ کو خدانخواستہ کوئی زخم وغیرہ تو نہیں پہنچا؟! بلکہ بعجلت تمام خود بھی تشریف لے گئے اور پوچھا: آپ کا مزاج کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: الحمدللہ اچھی ہوں، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی بخشش فرمائے! حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا: اور تمہاری بھی!۔

پھر مقتولین کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہو کر حضرت مولیٰ علی نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی واپسی کا انتظام کیا، اور پورے اِعزاز واکرام کے ساتھ محمد بن ابی بکر کی نگرانی میں چالیس ۴۰ معزّز عورتوں کے جھرمٹ میں ان کو جانبِ حجاز رخصت کیا، خود حضرت علی نے دُور تک مشایعت کی [یعنی ساتھ چلے]، ہمراہ رہے، امام حسن میلوں تک ساتھ گئے۔ چلتے وقت حضرت صدیقہ نے مجمع میں اِقرار فرمایا کہ مجھ کو علی سے نہ کسی قسم کی کدُورت پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ ہاں ساس، داماد (دیور، بھاوج) میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے، اس سے مجھے انکار نہیں۔ حضرت علی نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: لوگو! حضرت عائشہ سچ کہہ

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن ...إلخ، ومناقب الحسن والحسين، ۱/ ۳۷۳ و ۵۳۰.
(۲) پ۸، اعراف: ۴۳۔

رہی ہیں، خدا کی قسم! مجھ میں اور ان میں اس سے، زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ بہر حال خواہ کچھ ہو، یہ دنیا و آخرت میں تمہارے نبی کریم ﷺ کی زوجہ ہیں! (اور ام المؤمنین ہیں)۔

اللہ اللہ! ان یاران پیکر صدق و صفا میں باہمی یہ رفق، مودّت اور عزت و اکرام اور ایک دوسرے کے ساتھ یہ معاملہ تعظیم و احترام ہے۔ اور ان عقل سے بیگانوں اور نادان دوستوں کی حمایت علی کا یہ عالم، کہ ان پر لعن طعن کو اپنا مذہب اور اپنا شعار بنائیں اور ان سے کدورت و دشمنی کو مولی علی سے محبت و عقیدت ٹھہرائیں! لا حولَ ولا قوّةَ إلّا باللہ العلیِّ العظیم!

مسلمانانِ اہل سنّت اپنا ایمان تازہ کرلیں اور سن رکھیں، کہ اگر صحابۂ کرام کے دلوں میں کھوٹ، نیتوں میں فتور اور معاملات میں فتنہ و فساد ہو، تو رضی اللہ عنہم کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے!۔ صحابۂ کرام کے عند اللہ مرضی و پسندیدہ ہونے کے معنی یہی تو ہیں، کہ وہ مولائے کریم ان کے ظاہر و باطن سے راضی، ان کی نیتوں اور مافی الضمیر سے خوش ہے، اور ان کے اخلاق و اعمال بارگاہِ عزت میں پسندیدہ ہیں، اسی لیے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾[1] ...الآیۃ. یعنی "اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے، اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے، اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دیے"۔ اب جو کوئی اس کے خلاف کہے، اپنا ایمان خراب کرے، اور اپنی عاقبت برباد، والعیاذ باللہ!۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۵۵)

سیّد المرسلین ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے ادنیٰ انتساب بھی دو جہان کی عزت و عمدہ شرافت ہے

سیّد المرسلین ﷺ کی ذات بابرکات سے ادنیٰ انتساب، دو جہان کی عزت اور کیسی عمدہ شرافت ہے! اولادِ انصار سے ایک مرد کو کسی نے بعد ان کے انتقال کے خواب میں دیکھا، پوچھا: خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ کہا: بخش دیا، کہا: کس سبب سے؟ کہا: بسبب اس مشابہت کے جو مجھے رسول اللہ ﷺ سے تھی، کہا: کیا تم سید ہو؟ کہا: نہیں، کہا: پھر مشابہت کیسی؟ کہا: ایسی جیسے کتّے کو راعی سے ہوتی ہے۔ ابن عدیم[2] کہتے ہیں: میں نے اس مشابہت کی یہ تعبیر دی، کہ وہ مرد انصاری النسب تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں: میں نے اسے انتسابِ علم خصوصاً علم حدیث کے ساتھ تاویل کیا؛ کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "سب سے زیادہ قریب مجھ سے وہ لوگ ہیں، جو مجھ پر دُرود بہت بھیجتے ہیں"۔

فقیر کہتا ہے غفر اللہ لہ: قولِ ثانی اظہر ہے؛ کہ وجہ شبہ سگ و شبان میں محافظت گوسپند ہے، اور علماء بھی رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے اس گرگ خونخوار یعنی شیطان ستمگار سے نگہبان ہیں۔

جب مجرّد انتساب پر یہ حال ہے، تو ان کا تو کیا کہنا جو رسول اللہ ﷺ کے جگر پارے ہیں! اور حضور ۔صلی اللہ علیہ

---

(۱) پ۲۶، الحجرات: ۷۔

(۲) ابراہیم بن محمد بن عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ عقیلی حلبی المعروف بہ ابن عدیم۔

وآلہ وسلم- کے بدنِ اقدس کے ٹکڑے، گوشت و پوست ان کا رسول اللہ ﷺ کے خون سے بنا! اور سراپا ان کا اس جوہر شریف میں خمیر کیا گیا!۔ اللہ اللہ! وہ رخشندہ موتی جو بحرِ اصطفاء سے نکلے! اور وہ زینِندہ [زیب دینے والا] پھول جو شاخِ نبوت میں پھولے، علی الخصوص حضرت بتول جگر پارۂ رسول، خاتونِ جہاں، بانوے جناں، سیدۃ النساء فاطمہ زہراء، اور اس دو جہان کی آقازادی کے دونوں شاہزادے، عرش کی آنکھ کے دونوں تارے، چرخِ سیادت کے مہ پارے، باغِ تطہیر کے پیارے پھول، دونوں قرۃ العینین رسول، امامین کریمین، سعیدین، شہیدین، تقیین، نقیین، نیرین، زاہرین، ابو محمد حسن وابو عبداللہ حسین، رضي الله عنهم وأرضى، ورحمنا بهم يوم تعرض الأعمال عرضاً، آمين![1]۔

پھر ان سے جو آگے نسل چلی، وہ بھی وہ پاک نونہال ہیں، جنہیں آبشار ﴿یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾[2] سے پانی ملا، اور نسیم «أخرج منكما كثيراً طيباً»[3] نے نشوونما دیا، سبحان اللہ! وہ برکت والی نسل جس کے منتہی حضور سید الانبیاء! -علیہ التحیۃ والثناء- اور وہ شجرۂ طیبہ جس کی توقیع مدح ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ﴾[4]. ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۸۸ تا ۹۰)

حضور اکرم ﷺ کا خون مبارک پینے والا دوزخ کی آگ سے بچ گیا

ایک غلام قرشی نے سید العالمین ﷺ کا خونِ حجامت پی لیا، حضور نے ارشاد فرمایا: «احترزتَ من النار!» ويُروى: قال: «اذهبْ فقد أحرزتَ نفسَك من النّار!»[5] یعنی "تو دوزخ سے بچ گیا! یا فرمایا: جا کہ تُو نے اپنے آپ کو دوزخ سے بچا لیا۔

عزیزا! جب حضور کے خونِ پاک کی برکت سے آتشِ دوزخ حرام ہوگئی، تو جو اسی خون سے بنے ہیں، اور وہ ان کی رگ وپے میں ساری ہے، ان کے غلاموں کو دوزخ کی آنچ کیونکر پہنچ سکتی ہے؟! اسی لیے ارشاد ہوتا ہے: بے شک فاطمہ نے اپنی عِفّت نگاہ رکھی [حفاظت کی]، پس خدا نے اسے اور اس کی اولاد کو دوزخ پر حرام کر دیا!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۸۹)

اللہ کی بارگاہ میں عزّ ووجاہت والا پرہیزگار ہے

قال ربنا ﷻ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾[6] یعنی "اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک نر اور ایک مادہ سے، اور کیا تم کو شاخیں اور قبیلے؛ تاکہ آپس

---

(۱) اللہ تعالی ان سے خوب راضی، اور اللہ تعالی ان کے صدقے اعمال پیش ہونے کے دن ہم پر رحم فرمائے!۔

(۲) تمہیں پاک کرکے خوب صاف ستھرا کردے۔ (پ۲۱، احزاب، آیت ۳۲)۔

(۳) تم دونوں سے بہت سی طیّب اولاد پیدا کرے۔ "الصواعق المحرقة" الباب ١١ في فضائل أهل البيت النبوي، ٢/ ٤١٩. "المرقاة" باب مناقب علي بن أبي طالب، ١٢/ ٤٥٣. "الرياض النضرة" ذكر أن تزويج فاطمة من علي كان بأمر الله، ١/ ٢٥٩.

(۴) جس کی اصل ثابت ہے اور شاخیں آسمان پر ہیں۔ (پ۱۳، ابراہیم، آیت نمبر ۲۴)

(۵) "كتاب المجروحين" للابن حبّان، باب النّون، الجزء ٣، صـ٥٩.

(۶) پ۲۶، حجرات: ۱۳۔

میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک بزرگ تر تمہارا خدا کے نزدیک تمہارا بڑا پرہیزگار ہے"۔ یعنی اصل تم سب کی ایک مرد و عورت سے ہے، نسب کی شاخیں اور قبیلوں کی جدائیاں تو اس غرض سے ہیں کہ اپنے اقرباء کو پہچان کر صلہ رحمی کرو [illegible] بارگاہ میں زیادت عزّ و وجاہت اسی سے ہے کہ پرہیزگاری زیادہ ہو۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲، ص۱۹)

تجلیۂ نسب

سید المرسلین ﷺ کی ابوت صرف ابوت جسمانی پر مقتصر نہیں، بلکہ اس کی دوسری قسم روحانی ہے، اور یہ قسم [illegible] سے اعلیٰ و اکمل ہے، تمام مسلمان حضور کے لیے مثل اولاد ہیں: کہ زیر سایۂ رحمت تربیت و پرورش پاتے [illegible] اس لیے [illegible] ہے: «إنّما أنا لكم بمنزلة الوالد، أعلّمكم»[1] یعنی "میں تمہارے لیے بجائے باپ کے ہوں، تمہیں تعلیم [illegible]" اور قراءت شاذہ میں وارد: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ وَهُوَ اَبُوْهُمْ ﴾[2] یعنی [illegible] زیادہ والی ہے مسلمانوں کا ان کی جانوں سے، اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں، اور وہ ان کا باپ ہے"۔ علماء فرماتے ہیں: حضور کی کنیتوں میں سے ایک کنیت ابو المؤمنین ہے، یعنی سب مسلمانوں کے باپ۔ پھر جو شخص مشیمۂ [پردہ] نفس و ظلمات [illegible] کی ظلمات سے باہر آکر، فضائے وسیع اتقاء میں قدم رکھتا ہے، اور اس ولادت ثانیہ کے بعد ذکر خدا سے استہلال کرتا ہے، اور خون ناپاک حب دنیا کا تغذیہ چھوڑ، شیر خوشگوار شریعت سے نشوونما پاتا ہے، اس کا نسب معنوی نہایت مستحکم ہوکر تربیت محمدیہ کا سچا پیارا فرزند گنا جاتا ہے، اور یہ نسب نسب ظاہری سے بغایت اعلیٰ و اتم ہوتا ہے، اس لیے شرافت عالم کو شرف سیادت پر ترجیح و تفوق ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "محمد ﷺ کی آل ہر پرہیزگار ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲، ص۱۹)

بعض فضیلتیں اس درجہ قبول و رضا میں واقع ہوتی ہیں، کہ وہ ایک عند اللہ ہزار پر غالب آتی ہیں، جس کا مسئلہ [illegible] شرع پر جبیں سائی سے متور ہے، اس پر یہ امر شمس و امس سے اظہر ہے، احادیث صحیحہ نصوص معتبرہ سے ثابت کہ: "ایک ساعت صف جہاد میں کھڑا ہونا، ہزار دن کی عبادت سے افضل ہے، اور ایک رات راہ خدا میں پاسبانی، ہزار رات کے صیام و قیام سے افضل ہے، اور م: ایک شبانہ روز سرحد کفار پر گھوڑے باندھنا، مہینہ بھر کی روزہ داری و شب بیداری سے افضل ہے،[3] اور عالم کی خدمت میں گھڑی بھر کی حاضری، ہزار دن کی ریاضت سے افضل ہے"[4]، اور عالم کی ایک ساعت کہ اپنے بچھونے پر تکیہ لگائے علم دین کا مطالعہ کرے، عابد کی ستر برس کی عبادت سے افضل ہے، اور رمضان کا ایک روزہ ماہ حرام، اور ماہ حرام اور دنوں کے تیس ۳۰ روزوں[1] سے افضل ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲، ص۱۹)

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الطهارة، ر: ۸، صـ۳۷.
(۲) "الدرّ المنثور" ٦/ ٥٠٠
(۳) "صحيح مسلم" كتاب الأمارة، ر: ۱۹۱۳، صـ۱۰۵۹.
(٤) "كنز العمّال" كتاب العلم، الباب ۱ في ترغيب فيه، ر: ۲۸۷۸۵، ۱۰/ ٦۷.

Ataunnabi.com

شہدائے کرام

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar

(۸) شہدائے کرام

قرآن عظیم نے شہدائے راہ خدا کو مُردہ کہنے سے منع فرمایا

قرآن عظیم نے شہدائے راہِ خدا کو مُردہ کہنے سے منع فرمایا

قرآن عظیم نے شہدائے راہِ خدا کو مُردہ کہنے سے منع فرمایا ہے، اور صاف ارشاد فرمایا کہ وہ زندہ ہیں، قال اللہ تعالی: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ [1] "شہیدوں کو مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں خبر نہیں"۔

اور فرماتا ہے۔جلّ ذِکرہ۔: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [2] "خبردار! شہیدوں کو مُردہ خیال نہ کرنا، بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی دیے جاتے ہیں، شاد ہیں اس پر جو اُن کو اللہ تعالی نے اپنے فضل سے دیا، اور اپنے پیچھے آنے والوں کی خوشیاں منا رہے ہیں، جو ابھی اُن سے نہ ملے؛ اس لیے کہ نہ ان پر کوئی ڈر ہے نہ انہیں غم ہو، خوش ہیں اللہ کے احسان اور فضل سے، اور اس سے کہ اللہ ایمان والوں کا نیگ ضائع نہیں کرتا"۔

جو شخص شہیدوں کو محض مٹی کہتا ہے، قرآن عظیم کا منکر ہے، اس پر لازم ہے کہ نئے سرے سے ایمان لائے، اور عورت رکھتا ہو تو نئے سرے سے اس سے نکاح کرے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۲)

❁ ❁ ❁

---

(۱) پ۲، البقرۃ: ۱۵۴۔

(۲) پ۴، آل عمران: ۱۶۹ تا ۱۷۱۔

Ataunnabi.com
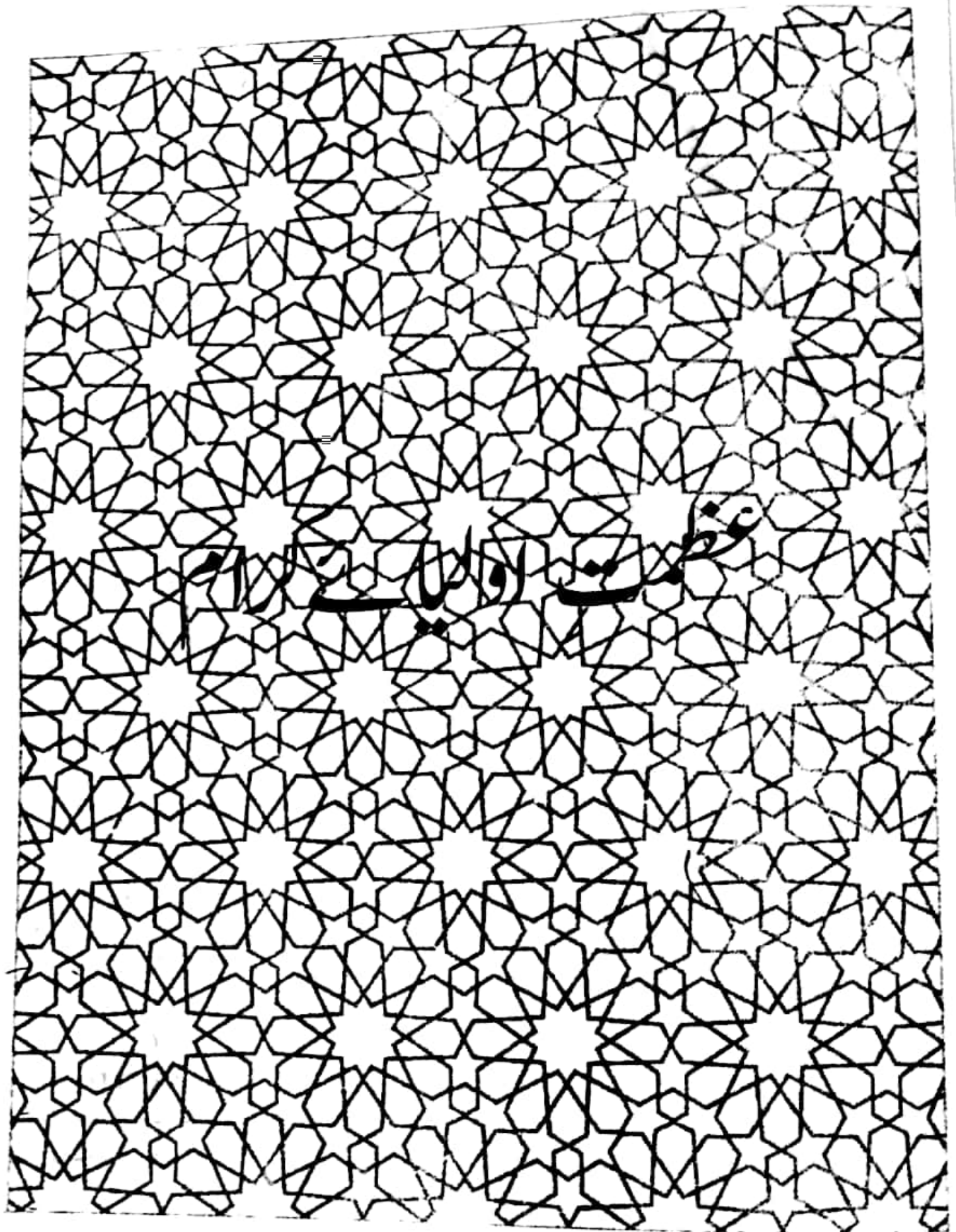
عظمتِ اولیائے کرام

(۹) عظمت اولیائے کرام

امامِ اعظم اور غوثِ اعظم کے درمیان تفاضُل

امام عبد الوہاب شَعرانی "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں: "الإمام أبو حنيفة ﷺ سُئل عن الأسوَد والعطاء وعلقمة، أيّهم أفضل؟ فقال: والله! ما نحن بأهلِ أن نذكرَهم، فكيف نفاضِل بينهم!" یعنی "ایک روز امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا: امام علقمہ وامام اسود شاگردانِ حضرت سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وامام عطاء ابن ابی رباح استاذ امامِ اعظم -رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین- میں سے کون افضل تھا؟ فرمایا: ہم تو ان کا ذکر کرنے کے بھی قابل نہیں، نہ کہ ان میں ایک کو دوسرے سے افضل بتائیں!"۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد تواضعاً تھا، اور یہاں قطعاً حقیقت امر ہے، حاش للہ! ہمارے منہ اس قابل نہیں کہ حضور سیدنا امامِ اعظم یا حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا نام پاک اپنی زبان سے لیں، یہ بھی رحمت الٰہیہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوبوں کے ذکر کی اجازت دی ہے، ہم کس منہ سے ان میں تفاضل بیان کریں! وہ ہماری شریعت کے امام، اور یہ ہماری طریقت کے امامِ مفرَد!۔

اور یہاں اسی "میزان" میں انہیں امام شعرانی کا یہ قول: "اعتقادُنا أنّ أكابر الصّحابة والتابعين والأئمّة المجتهدين، كان مقامُهم أكبر من مقام باقي الأولياء بيقينٍ" وارد ہے، اور یہ بھی وارد ہے کہ حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بلا شُبہ واصلانِ عین الشریعۃ الکبریٰ کے سرداروں میں سے ہیں، اور اس کے واصلوں کو یہی امام شعرانی اسی "میزان" میں فرماتے ہیں: "مَن أشرفَ على عين الشّريعة الأولى يشارِك المجتهدين في الاغتراف من عين الشّريعة؛ فإنّه مأثمُ أحدٍ حتّى له قدم الولاية المحمديّة إلّا ويصير بأخذ أحكام شرعِه ﷺ من حيث أخذَها المجتهدون، وينفكّ عنه التقليدُ لجميع العلماء إلّا لرسول الله ﷺ، ثمّ إن نقلَ عن أحدٍ من الأولياء أنّه كان شافعياً أو حنيفياً مثلاً، فذلك قبل أن يصلَ مقامَ الكمَال"(۱)۔

"جو عینِ شریعت کے چشمہ صافی پر پہنچ جاتا ہے، وہ اس نہرِ حقیقت سے چلّو لینے میں مجتہدین کا شریک و سہیم ہوتا ہے، اور جو شخص ولایتِ محمدیہ کے درجۂ عظمیٰ پر فائز ہو جاتا ہے، وہ وہیں سے اَحکام حاصل کرتا ہے جہاں سے ائمۂ مجتہدین -رحمہم اللہ تعالی علیہم اجمعین-، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کے سوا تمام علمائے امت کی تقلید سے آزادی ہے۔ اور بعض اولیاء کے بارے میں جو یہ آیا ہے، کہ یہ حنفی یا شافعی تھے وغیرہ، تو یہ ان حضرات کے مقامِ کمال تک پہنچنے سے پہلے کی بات ہے"۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ محی الدّین ہیں، اِحیائے دین کے لیے قائم کیے گئے، اور مذہب حنبلی اسلام کا رُبع ہے، حضور سید المرسلین ﷺ نے سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «جعلتُك ربعَ الإسلام» "ہم نے تمہیں اسلام کا چہارُم کیا"۔ یہ مذہب قریبِ اِندراس تھا، لہٰذا اس کے اِحیاء کے لیے اس پر اِفتاء فرماتے۔ ہاں حضور سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے حضرات عالیہ امام مالک و امام شافعی و امام احمد ومَن بعدهم من الأئمة الكرام رضی اللہ عنہم پر فضلِ تابعیت ہے، امام

---

(۱) "الميزان الكبرى" فصل إن قال قائل: كيف الوصول إلى الاطلاع على عين الشريعة المطهّرة، ۱/ ۲۱، ۲۲ ملتقطاً.

تابعی ہیں: رأی أنساً ، اور باقی حضرات میں اور کوئی تابعی نہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۵)

علم اگر ثریا پر آویزاں ہوتا، تو ایک مرد فارسی وہاں سے لے آتا

اسی تفاوتِ ہمّت کے باعث ہے، کہ دنیا و دین دونوں کی سلطنتیں، یعنی سلطنتِ ملک و سلطنتِ علم ہمیشہ شریف ہی اقوام میں رہی، دوسری قوموں کا اس میں حصہ معدوم یا کالمعدوم ہے۔ عجم میں جو شریف قومیں تھیں اور ہیں، خصوصاً اہلِ فارس، حدیث میں ہے: «وخير العجم فارس»[1] "عجمیوں میں بہتر فارس ہیں"، تو مصداق حدیث صحیح: «لو كان العلمُ معلّقاً بالثريّا، ليناله رجلٌ من أهل فارس» أصل الحديث في "الصّحيحين" عن أبي هريرة ولفظ مسلم: «لو كان الدِّينُ عند الثريّا، لذهبَ به رجلٌ من فارس» أو قال: «من أبناء فارس حتّى يتناوله»[2] أعني إمام الأئمة، مالك الأزمة، كاشف الغمّة، سراج الأمّة، سيّدنا الإمام أبو حنيفة. ورواه الطّبراني[3] في "الكبير" عن ابن عبّاس .

"علم اگر ثریا پر (کہ آٹھویں آسمان کے ستاروں میں سے ہے) آویزاں ہوتا، تو ایک مرد فارسی وہاں سے لے آتا۔ اصل حدیث "بخاری" و "مسلم" میں ابوہریرہ سے ہے، اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں: "اگر دین ثریا پر ہوتا، تب بھی فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کر لیتا"۔ یا فرمایا: "فارس کی اولاد میں سے اس کو حاصل کر لیتا"۔ وہ شخص امام الائمہ، مالک الازمہ، کاشف الغمہ، سراج الائمہ، سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ ہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۵۳۰)

فضائل ومناقب وکراماتِ سیّدنا غوثِ اعظم

[4] اولیاء وصوفیہ ومشائخ کے ان الفاظ[5] سے ان کی طرف ذہن نہیں جاتا، اگرچہ وہ خود سردارانِ اولیاء ہیں، وہ کہ ان الفاظ سے مفہوم ہوئے ہیں، حضور سیدنا غوث اعظم کے زمانہ میں ہوں، جیسے سائر اولیائے عشرہ کہ احیائے موتٰی فرماتے تھے، خواہ حضور سے متقدّم ہوں، جیسے حضرت معروف کرخی، وبایزید بسطامی، وسید الطائفہ جنید، وابوبکر شبلی، وابوسعید خزار، اگرچہ وہ خود حضور کے مشائخ ہیں، اور جو حضور کے بعد ہیں جیسے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند، وحضرت شیخ الشیوخ

---

(۱) "الفردوس بمأثور الخطاب" ر: ۲۸۹۲، ۲/ ۱۷۸. "كنز العمال" ر:۳٤۱۰۹، ۱۲/ ۸۷.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب فضل فارس، ۲/ ۳۱۲.

(۳) "المعجم الكبير" عبد الله ابن عباس، ر: ۱۰٤۷۰، ۱۰/ ۲۵۱.

(۴) اس بحث سے پچھلا مضمون فضائل صحابہ میں گزر چکا، دیکھیے: صفحہ ۲۴۴۔

(۵) یعنی حضرت غوث الثقلین نے: "قدمي هذه على رقبة كلّ وليّ الله" ["بهجة الأسرار ومعدن الأنوار" ذكر نعتهم الأولياء له ...إلخ، صـ۱۸] فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ جن کی تفضیل قرآن واحادیث سے منصوص نہیں، ایسے ماوراء متقدّمین ومتاخرین سے ان کو فضیلت ہے۔ اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے آخر "مکتوبات" میں ہے، کہ مجدّد نائب مناب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے ہیں، اصل منبع فیوض حضرت غوث الثقلین ہیں"۔ ["مکتوبات امام ربانی" دفتر سوم ۳، مکتوب ۱۲۳۔]

("فتاوی رضویہ" کتاب المناقب والفضائل، ۱۹/ ۳۳)

شہاب الدّین سُہروردی، و حضرت سیّدنا بہاؤ الملۃ والدّین نقشبند، اور ان اکابر کے خلفاء، و مشائخ و غیرہم - قدّس اللہ تعالیٰ أسرارهم، وأفاض علينا بركتهم وأنوارهم - حضور سرکار غوثیت مدار بلا استثناء ان سب سے اعلی و اکمل، و افضل ہیں، اور حضور کے بعد جتنے اکابر ہوئے اور تا زمانہ سیّدنا امام مہدی ہوں گے، کسی سلسلہ کے ہوں، یا سلسلہ سے جدا افراد ہوں، غوث، قطب، امامین، اوتاد اربعہ، بدلائے سبعہ، ابدال سبعین، نقباء، نجباء، ہر دور کے عظماء کبراء، سب حضور سے مستفیض، اور حضور کے فیض سے کامل و مکمل ہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص ۳۴)

لبّرِ شیطان ولبّرِ تلکی

لبّرِ شیطان ولبّرِ تلکی دونوں مشہور اور حدیثوں میں مذکور ہیں، پھر اولیائے کرام کو قلوب میں تصرّف کی قدرت عطا ہونی کیا محلِ انکار ہے؟! حضرت علّامہ سلجماسی رحمۃ اللہ علیہ کتاب "ابریز" میں اپنے شیخ حضرت سیّدی عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ عوام جو اپنی حاجات میں اولیائے کرام مثل حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے استعانت کرتے ہیں، نہ کہ اللہ عزّوجلّ سے، حضرات اولیاء نے ان کو قصداً اُدھر لگا لیا ہے؛ کہ دعا میں مراد ملنی نہ ملنی دونوں پہلو ہیں، عوام (مراد) نہ ملنے کی حکمتوں پر مطلع نہیں کیے جاتے، تو اگر بالکلیہ خالص اللہ عزّوجلّ ہی سے مانگتے، پھر مراد ملتی نہ دیکھتے، تو احتمال تھا کہ خدا کے وجود ہی سے منکر ہو جاتے؛ اس لیے اولیاء نے ان کے دلوں کو اپنی طرف پھیر لیا؛ کہ اب اگر (مراد) نہ ملنے پر بے اعتقادی کا وسوسہ آیا بھی، تو اس ولی کی نسبت آئے گا جس سے مدد چاہی تھی، اس میں ایمان تو سلامت رہے گا۔

حدیث اوّل: اور سُنیے! مولانا علی قاری -علیہ رحمۃ الباری- کتاب مستطاب "نُزْهةُ الخَاطِر الفَاتِر في ترجمة سيّدي الشريف عبد القادر" رضی اللہ عنہ میں فرماتے ہیں: "روى الشَّيخُ الجليل أبو صالح المغربي رحمه الله أنّه قال: قال لي سيّدي الشَّيخ أبو مَدين -قدّس الله سرّه-: يا أبا صالح! سافِر إلى بغداد وأْتِ الشَّيخ محيَ الدين عبد القادر؛ ليُعلِّمَكَ الفقرَ، فسافرتُ إلى بغداد، فلمّا رأيتُه رأيتُ رجلاً ما رأيتُ أكثرَ هيبةً منه -فساق الحديثَ إلى آخره، إلى أن قال-: قلتُ: يا سيّدي! أريد أن تمدّني منك بهذا الوصف. فنظر نظرةً، فتفرّقتْ عن قلبي جواذِبُ الإرادات، كما يتفرّق الظّلامُ بهُجوم النّهار، وأنا الآن أنفِق من تلك النّظرة"[1]۔

یعنی "شیخ جلیل ابو صالح مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی، کہ مجھ کو میرے شیخ حضرت شعیب ابو مدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو صالح! سفر کرکے حضرت شیخ محی الدّین عبد القادر کے حضور حاضر ہو؛ کہ وہ تجھ کو فقر تعلیم فرمائیں، میں بغداد گیا، جب حضور پُر نور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا، میں نے اِس ہیبت و جلال کا کوئی بندہ نہ دیکھا تھا، حضور نے مجھ کو ایک سو بیس ۱۲۰ دن یعنی تین ۳ چلّے خلوت میں بٹھایا، پھر میرے پاس تشریف لائے اور قبلہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اے ابو صالح اِدھر کو دیکھ! تجھ کو کیا نظر آتا ہے؟ میں نے عرض کی: "کعبۂ معظّمہ"۔ پھر مغرب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اِدھر کو دیکھ! تجھے کیا نظر آتا ہے؟ میں نے عرض کی: "میرے پیر ابو مدین"۔ فرمایا: کدھر جانا چاہتا ہے؟ کعبہ کو یا اپنے پیر کے پاس؟

[1] ... "نزهة الخاطر الفاتر في ترجمة سيّدي الشريف عبد القادر" صـ ٤٧.

میں نے کہا: اپنے پیر کے پاس، فرمایا: ایک قدم میں جانا چاہتا ہے یا جس طرح آیا؟ میں نے عرض کی: بلکہ جس طرح آیا تھا۔ فرمایا: یہ افضل ہے! پھر فرمایا: اے ابو صالح! اگر تو فقر چاہے تو ہرگز اس تک بے زینہ نہ پہنچے گا، اور اس کا زینہ توحید ہے، اور توحید کا مدار یہ ہے کہ عین السر کے ساتھ دل سے ہر خطرہ مٹا دے، لوحِ دل بالکل پاک وصاف کر لے۔ میں نے عرض کی: اے میرے آقا! میں چاہتا ہوں کہ حضور اپنی مدد سے یہ صفت مجھ کو عطا فرمائیں! یہ سُن کر حضور نے ایک نگاہِ کرم مجھ پر فرمائی، کہ ارادوں کی تمام کششیں میرے دل سے ایسے کافور ہوگئیں، جیسے دن کے آنے سے رات کی اندھیری۔ اور میں آج تک حضور کی اسی ایک نگاہ سے کام چلا رہا ہوں"۔

دیکھیے! خاطر پر اس سے بڑھ کر اَور کیا قبضہ ہوگا، کہ ایک نگاہ میں دل کو تمام خطرات سے پاک فرما دیا! اور نہ فقط اسی وقت بلکہ ہمیشہ کے لیے!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۴۸)

حدیث دُوم ۲: اور سنیے! اسی حدیث جلیل میں ہے، کہ حضرت صالح یہ روایت فرما چکے، تو حضرت سیّد عمر بزاز رحمہ اللہ نے فرمایا: "وأنا أيضاً كنتُ جالساً بين يدَيه في خلوته، فضربَ بيدِه في صدري فأشرقَ في قلبي نورٌ على قدرِ دائرة الشّمس، ووجدتُ الحقَّ من وقتي، وأنا إلى الآن في زيادةٍ من ذلك النّور"[1] یعنی "یونہی میں بھی ایک روز حضور پُر نور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے حضور کی خلوت میں حاضر تھا، حضور نے اپنے دست مبارک کو میرے سینے پر مارا، فوراً ایک نور قُرصِ آفتاب کے برابر میرے دل میں چمک اٹھا، اور اسی وقت سے میں نے حق کو پایا، اور آج تک وہ نور ترقی کر رہا ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۵۱)

حدیث سوم ۳: اور سنیے! امام ممدوح اسی "بہجۃ الأسرار شریف" میں باسند راوی: "حدّثنا الشّيخُ أبو الفُتوح محمّد ابن الشّيخ أبي المَحاسن يوسف بن إسماعيل التّيمي البكري البغدادي، قال: أخبرنا الشّيخُ الشّريف أبو جعفر محمّد بن أبي القاسم العَلوي، قال: أخبرنا الشّيخُ العارف أبو الخير بِشر بن محفوظ ببغداد بمنزله" ...الحديث.

یعنی "ہم سے شیخ ابو الفتوح محمد صدیقی بغدادی نے حدیث بیان کی، کہ ہم کو سیّد ابو جعفر محمد علوی نے خبر دی، کہ ہم سے شیخ عارف باللہ ابو الخیر بشر بن محفوظ بغدادی نے اپنے دولت خانے پر بیان فرمایا، کہ ایک روز میں اور بارہ ۱۲ اصحاب اَور، خدمت اقدس حضور پُر نور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں حاضر تھے کہ حضور نے فرمایا: "لِيَطلُبْ كُلٌّ مِنكُمْ حَاجَةً أُعْطِيهَا لَه" تم میں سے ہر ایک، ایک ایک مراد مانگے؛ کہ ہم عطا فرمائیں! (اس پر دس ۱۰ اصحابوں نے دینی حاجتیں متعلق علم ومعرفت، اور تین ۳ شخصوں نے دنیوی عہدہ ومنصب کی مرادیں مانگیں جو تفصیل مذکور ہیں) حضور پُر نور رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "كلاً نمدّ هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربّك، وما كان عطاء ربّك محظوراً" "ہم ان اہلِ دین اور ان اہلِ دنیا سب کی مدد کرتے ہیں تیرے رب کی عطا سے، اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں!"۔ خُدا کی قسم! جس نے جو مانگا تھا پایا، میں نے یہ مراد

---

(۱) "بهجة الأسرار" ذكر فصول من كلامه مرصعا بشيء ...إلخ، صـ٥٣.

چاہتی تھی کہ ایسی معرفت مل جائے کہ وارداتِ قلبی میں مجھے تمیز ہو جائے، کہ یہ وارد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور یہ نہیں۔

(اوروں کو ان کی مرادیں ملنے کی تفصیل بیان کرکے فرماتے ہیں): "وأمّا أنا فإنّ الشيخ ﷺ وضعَ يدَه على صدري، وأنا جالسٌ بين يدَيه في مجلسه ذلك، فوجدتُ في الوقت العاجل نوراً في صدري، وأنا إلى الآن أفرّق به بين موارد الحقّ والباطل، وأميّز به بين أحوال الهدى والضّلال، وكنتُ قبل ذلك شديدَ القلَق لالتباسها عليّ"[1] "اور میری یہ کیفیت ہوئی کہ میں حضور کے سامنے حاضر تھا، حضور نے اسی مجلس میں اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا، فوراً ایک نور میرے سینے میں چمکا، کہ آج تک میں اسی نور سے تمیز کر لیتا ہوں، کہ یہ وارِد حق ہے اور یہ باطل، یہ حال ہدایت ہے اور یہ گمراہی۔ اور اس سے پہلے مجھے تمیز نہ ہو سکنے کے باعث سخت قلق رہا کرتا تھا"۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۹، ص۴۵۱)

سرکارِ غوث پاک نے ایک شخص کا سینہ علم لدنی سے بھر دیا

حدیث چہارم ۴: اور سنیے! امام ممدوح اسی کتاب جلیل میں اس سندِ عالی سے راوی کہ: "أخبرنا أبو محمّد الحسن ابن أبي عمران القرشي، وأبو محمّد سالم بن علي الدّمياطي قال: أخبرنا الشّيخُ العالم الرّبّاني شهاب الدّين عمر السّهروردي" ...الحديث. یعنی "ہمیں ابو محمد قرشی و ابو محمد دمیاطی نے خبر دی، دونوں نے فرمایا کہ ہمیں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدّین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ سردارِ سلسلۂ سہروردیہ نے خبر دی، کہ مجھے علم کلام کا بہت شوق تھا، میں نے اس کی کتابیں از بر حفظ کر لی تھیں، اور اس میں خوب ماہر ہو گیا تھا، میرے عم مکرم پیرِ معظم حضرت سیّدی نجیب الدّین عبد القاہر سہروردی رضی اللہ عنہ مجھ کو منع فرماتے تھے، اور میں باز نہ آتا تھا، ایک روز مجھے ساتھ لے کر بارگاہِ غوثیت پناہ میں حاضر ہوئے، راہ میں مجھ سے فرمایا: اے عمر! ہم اس وقت اس کے حضور حاضر ہونے کو ہیں، جس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتا ہے، دیکھو ان کے سامنے باحتیاط حاضر ہونا! کہ ان کے دیدار سے برکت پاؤ!۔

جب ہم حاضرِ بارگاہ ہوئے، میرے چچا نے حضرت سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی: اے میرے آقا! یہ میرا بھتیجا علم کلام میں آلودہ ہے، میں منع کرتا ہوں نہیں مانتا، حضور نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تم نے علم کلام میں کون سی کتاب حفظ کی ہے؟ میں نے عرض کی: فلاں فلاں کتابیں "فأمرَّ يدَه على صدري، فوالله! ما نزعها وأنا أحفظ من تلك الكتب لفظةً، وأنساني اللهُ جميعَ مسائلها، ولكن وقر اللهُ في صدري العلمَ اللّدُني في الوقت العاجل، فقمتُ من بين يدَيه وأنا أنطق بالحِكمة، وقال لي: يا عمر! أنت آخِرُ المشهورين بالعراق، قال: وكان الشّيخ عبد القادر ﷺ سلطانَ الطّريق والمتصرّف في الوجود على التّحقيق".

"حضور نے دستِ مبارک میرے سینے پر پھیرا، خدا تعالیٰ کی قسم! ہاتھ ہٹانے نہ پائے تھے کہ مجھے ان کتابوں سے ایک لفظ بھی یاد نہ رہا، اور ان کے تمام مطالب اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلا دیئے، ہاں اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں فوراً علم لدنی بھر

(۱) "بهجة الأسرار" ذكر فصول من كلامه مرصّعاً بشيء...إلخ، صـ ۳۰، ۳۱.

دیا، تو میں حضور کے پاس سے علمِ الٰہی کا گویا ہو کر اٹھا، اور حضور نے مجھ سے فرمایا، کہ ملکِ عراق میں سب سے پچھلے (آخری) نامور تم ہو گے، یعنی تمھارے بعد عراق بھر میں کوئی اس درجۂ شہرت کو نہ پہنچے گا، اس کے بعد امام شیخ الشیوخ سُہروردی فرماتے ہیں، کہ حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ بادشاہِ طریق ہیں، اور تمام عالم میں یقیناً تصرّف فرمانے والے ہیں۔

پھر امام مذکور بسندِ خود حضرت شیخ نجم الدّین تفلیسی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرماتے ہیں، کہ میرے شیخ حضرت شیخ الشیوخ نے مجھے بغداد مقدّس میں چلّے میں بٹھایا تھا، چالیسویں روز میں واقعہ میں کیا دیکھتا ہوں، کہ حضرت شیخ الشیوخ ایک بلند پہاڑ پر تشریف فرما ہیں، اور ان کے پاس بکثرت جواہر ہیں، اور پہاڑ کے نیچے انبوہِ کثیر جمع ہے، حضرت شیخ پیمانے بھر بھر کر وہ جواہر خَلق پر پھینکتے ہیں، اور لوگ لُوٹ رہے ہیں، جب جواہر کمی پر آتے ہیں، خود بخود بڑھ جاتے ہیں، گویا چشمے سے اُبل رہے ہیں، دن ختم کر کے میں خلوَت سے باہر نکلا، اور حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوا؛ کہ جو دیکھا تھا عرض کروں، میں کہنے نہ پایا تھا کہ حضرت شیخ نے فرمایا: "جو تم نے دیکھا وہ حق ہے"۔ اور اس جیسے کتنے ہی، یعنی صرف اتنے ہی جواہر نہیں جو تم نے دیکھے، بلکہ اتنے اتنے اَور بہت سے ہیں، یہ وہ جواہر ہیں کہ حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ نے علم کلام کے بدلے میرے سینے میں بھر دیے ہیں[1]۔ اس سے بڑھ کر دلوں پر قابو اَور کیا ہو گا، کہ ایک ہاتھ مار کر تمام حفظ کی ہوئی کتابیں یکسر محو فرما دیں، کہ نہ ان کا ایک لفظ یاد رہے، اور نہ اس علم کا کوئی مسئلہ، اور ساتھ ہی علم لدُنی سے سینہ بھر دیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۵۲)

حضور سیِّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر روضۂ انور کے سامنے اَشعار پڑھے، اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ انور باہر آیا، اور آپ نے مصافحہ کیا، بوسہ لیا اور سر پر رکھا

کتاب "تفريح الخاطر في مناقب الشّيخ عبد القادر" میں ہے: "ذكروا أنّ الغوثَ الأعظم رضي الله عنه، جاء مرّةً إلى المدينة المنوّرة، وقرأ بقُرب الحجرة الشّريفة هذَين البيتَين (فذكرهما كما مرّ وقال:) فظهرتْ يدُه صلى الله عليه وسلم فصافحَها وقبّلها ووضعَها على رأسه رضي الله عنه"[2]. یعنی "راویوں نے ذکر کیا کہ حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک بار حاضرِ سرکارِ مدینۂ نُور بار ہو کر روضۂ انور کے قریب وہ دونوں شعر[3] پڑھے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ انور ظاہر ہوا، حضرت غوث نے مصافحہ کیا، اور بوسہ لیا، اور اپنے سر مبارک پر رکھا۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۴۹۳)

---

(۱) "بهجة الأسرار" ذكر فصول من كلامه مرصعا بشيء ...إلخ، صـ ۷۰، ۷۱.

(۲) "تفريح الخاطر" مترجَم معه أصل عربي متن، المنقبة ۲۲، صـ ۵۶،۵۷.

(۳) فتاوی میں اس مضمون سے پہلے ذکر ہیں:

في حالة البُعد رُوحي كنتُ أرسلُها ... تقبّل الأرضَ عنّي وهي نائبتي

وهذه دولةُ الأشباح قد حضرتْ ... فامدُد يمينَك كي تحظى بها شفتي

محبوبانِ خدا کی طرف تقرب مطلقاً ممنوع نہیں، جب تک بروجہِ عبادت نہ ہو

محبوبانِ خُدا کی طرف تقرب مطلقاً ممنوع نہیں، جب تک بروجہِ عبادت نہ ہو، تقرب نزدیکی چاہنے، رضامندی تلاش کرنے کو کہتے ہیں، اور محبوبانِ بارگاہ عزت، مقرّبانِ حضرت صمدیت ﷺ کی نزدیکی ورضا ہر مسلمان کو مطلوب ہے، اور وہ اَفعال کہ اس کے اسباب ہوں، بجالانا ضرور محبوب؛ کہ ان کا قرب بعینہٖ قربِ خُدا، اور ان کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ قال اللہ تعالی: ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾[1] ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۹۹)

حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل کہنا گمراہی ہے

حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل کہنا گمراہی ہے، اور بعطائے الٰہی مالکِ نفع وضرر کہنے میں حرج نہیں، مسلمان جب ایسا لفظ کہتا ہے، اس کی مراد یہی ہوتی ہے، نہ یہ کہ (معاذ اللہ) بذاتِ خود بے عطائے الٰہی مالکِ نفع وضرر جانے؛ کہ یہ کفرِ خالص ہے، اور کوئی مسلمان اس قصد سے نہیں کہتا۔ مجلسِ میلاد مبارک ویازدہم ۱۱ شریف میں دو ۲ حیثیتیں ہیں: (۱) ایک حیثیت خصوص فعل، اس طور پر تو فرائض، حتی کہ نماز وروزہ بھی داخلِ ایمان وجزء ایمان نہیں، آمنتُ باللہ میں ان کا بھی ذکرِ صریح نہیں۔ (۲) دوسری حیثیت مقصد ومنشاء، یعنی محبت وتعظیم حضور پُر نور سیّد المرسلین ﷺ؛ کہ محبت وتعظیم اہل بیت وصحابہ واولیاء وعلماء رضی اللہ عنہم بھی اس میں داخل ہے، یہ ضرور رکنِ ایمان ہے: قال اللہ تعالی: ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾[2] وقال ﷺ: «لا یؤمن أحدُکم حتّی أکونَ أحبَّ إلیه من والده وولده والنّاس أجمعین»[3] واللہ تعالی أعلم. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۱۰۳)

کراماتِ اولیاء حق ہیں

عقیدہ: کراماتِ اولیاء حق ہیں، اور انہیں میں سے ہے ان کا کشف، اور اس کے ذریعہ سے انہیں علومِ غیب عطا ہونا، جو بامدادِ نبیٔ کریم ﷺ ہوتا ہے (یہ حق ہے)، (تو) جو مطلقاً کہے کہ "شرک سب عبادت کا نور کھو دیتا ہے، کشف کا دعوی کرنے والے بھی اس میں داخل ہیں"، وہ خبیث، گمراہ، معتزلی ہے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۱۸)

اولیائے کرام کو بھی علمِ غیب حاصل ہے

امام ابن حجر مکّی "کتاب الاعلام" پھر علامہ شامی "سل الحسام" میں فرماتے ہیں: "الخواصّ یجوز أن یعلموا الغیبَ في قضیةٍ أو قضایا، کما وقع لکثیرٍ منهم واشتهر"[4] "جائز ہے کہ اولیاء کو کسی واقعے یا وقائع میں علمِ غیب ملے، جیساکہ ان میں بہت کے لیے واقع ہو کر مشتہر ہوا"۔

---

(۱) پ۱۰، توبہ: ۶۲۔
(۲) پ۲۶، فتح: ۹۔
(۳) "صحیح البخاري" کتاب الإیمان، باب حب الرسول ﷺ من الإیمان، ۱/ ۷.
(٤) "الإعلام بقواطع الإسلام" صـ۳۵۹. "سل الحسام" رسالة من رسائل ابن عابدین، ۲/ ۳۱۱.

"تفسیر معالم" و "تفسیر خازن" میں زیرِ قولہ تعالیٰ: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾[1] ہے: "يقول: إنه ﷺ يأتيه علمُ الغيب، فلا يبخل به عليكم، بل يعلّمكم"[2]. یعنی "اللہ عزّوجل فرماتا ہے کہ میرے نبی ﷺ کو غیب کا علم آتا ہے، وہ تمہیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے، بلکہ تم کو بھی اس کا علم دیتے ہیں"۔

"تفسیر بیضاوی" زیرِ قولہ تعالیٰ: ﴿وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾[3] ہے: "أي: ممّا يختص بنا ولا يعلم إلاّ بتوفيقنا، وهو علم الغيوب"[4]. یعنی "اللہ عزّوجل فرماتا ہے کہ وہ علم کہ ہمارے ساتھ خاص ہے، اور بے ہمارے بتائے ہوئے معلوم نہیں ہوتا، وہ علمِ غیب ہم نے خضر کو عطا فرمایا ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۷۵)

رَدِ معتزلہ کے لیے حقیقتِ کراماتِ اولیاء پر دلائل

امام رازی "تفسیر کبیر" میں رَدِ معتزلہ کے لیے حقیقتِ کراماتِ اولیاء پر دلائل قائم کرنے میں فرماتے ہیں: "الحجة السادسة: لا شك أنّ المتولي للأفعال هو الرُّوح لا البدن، ولهذا نرى أنّ كلَّ مَن كان أكثر علماً بأحوال عالم الغيب، كان أقوى قلباً، ولهذا قال علي -كرّم الله تعالى وجهه-: «والله! ما قلعتُ باب خيبرَ بقوّة جسدانية، ولكن بقوّةٍ ربّانية!» وكذلك العبدُ إذا واظَب على الطاعات، بلَغ إلى المقام الذي يقول اللهُ تعالى: كنتُ له سَمعاً وبصَراً، فإذا صار نورُ إجلال الله تعالى سمعاً له، سمعَ القريبَ والبعيدَ، وإذا صار ذلك النورُ بصراً له رأى القريبَ والبعيد، وإذا صار ذلك النورُ يداً له قدرَ على التصرّف في الصعب والسّهل والبعيد والقريب"[5].

یعنی "اہلِ سنت کی چھٹی دلیل یہ ہے، کہ بلاشبہ افعال کی متولّی تو رُوح ہے نہ کہ بدن۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جسے احوالِ عالَمِ غیب کا علم زیادہ ہے، اس کا دل زیادہ زبردست [قوی] ہوتا ہے، ولہذا مولی علی نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسم کی قوّت سے نہ اکھیڑا، بلکہ ربّانی طاقت سے۔ اسی طرح بندہ جب ہمیشہ طاعت میں لگا رہتا ہے، تو اس مقام تک پہنچتا ہے جس کی نسبت ربّ عزّوجل فرماتا ہے، کہ وہاں میں خود اس کے کان آنکھ ہو جاتا ہوں، تو جب اجلالِ الٰہی کا نور اس کا کان ہو جاتا ہے، بندہ نزدیک دُور سب سنتا ہے، اور جب وہ نور اس کی آنکھ ہو جاتا ہے، بندہ نزدیک ودُور سب دیکھتا ہے، اور جب وہ نور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے، بندہ سہل ودشوار ونزدیک ودُور میں تصرّفات کرتا ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۹۶)

اولیائے کرام بعدِ انتقال تمام عالَم میں تصرّف کرتے ہیں، اور کاروبارِ جہاں کی تدبیر فرماتے ہیں

"تفسیر بیضاوی شریف" میں ہے: "أو صفات النّفوس الفاضلة حال المفارقة؛ فإنّها تنزع عن الأبدان

---

(۱) پ۳۰، التکویر: ۲۴۔

(۲) "معالم التنزيل" تحت الآية: ۲٤، ۲/ ٤۲۲. "لباب التاويل في معاني التنزيل" (تفسير الخازن) ٤/ ۳۹۹.

(۳) پ۱۵، الکہف: ۶۵۔

(٤) "أنوار التنزيل" (تفسير البيضاوي) تحت الآية: ۶۵، ۳/ ۵۱۰.

(۵) "مفاتيح الغيب" (تفسير كبير) تحت الآية: ۹، ۲۱/ ۷۷.

عن الأبدان غرقاً أي نزعاً شديداً من إغراق النازع في القوس، وتنشط إلى عالم الملكوت، وتسبح فيه فتسبق إلى حظائر القدس، فتصير لشرفها وقوتها من المدبرات"(۱) یعنی "یا ان آیاتِ کریمہ میں اللہ عزوجل ارواحِ اولیائے کرام کا ذکر فرماتا ہے، جب وہ اپنے پاک مبارک بدنوں سے انتقال فرماتی ہیں، کہ جسم سے بجبرت تمام جدا ہو کر عالمِ بالا کی طرف تیز روی اور دریائے ملکوت میں شناوری کرتی، حظیرہائے حضرتِ قدس تک جلد رسائی پاتی ہیں۔ پس اپنی بزرگی وطاقت کے باعث کاروبارِ عالم کے تدبیر کرنے والوں میں سے ہو جاتی ہیں"۔ اب تو بحمد اللہ تعالیٰ اولیائے کرام بعد وصال عالم میں تصرف کرتے اور اس کے کاموں کی تدبیر فرماتے ہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۹، ص۲۹۵)

مزاراتِ اولیائے کرام سے استمداد کے منکر ملحد بے دین ہوتے

علامہ احمد بن محمد شہاب خفاجی "عنایۃ القاضي وکفایۃ الراضي" میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی سے امام رازیؒ سے اس حدیث کی توجیہ میں نقل فرماتے ہیں: "ولذا قيل: إذا تحيّرتم في الأمور، فاستعينوا من أصحاب القبور، إلا أنه ليس بحديث كما توهم، ولذا اتفق النّاسُ على زيارة مَشاهد السَّلَف، والتوسُّل بهم إلى الله، وإن أنكره بعض الملاحدة في عصرنا، والمشتكى إليه هو الله"(۲) یعنی "اسی لیے کہا گیا کہ جب تم کاموں میں متحیر ہو تو مزاراتِ اولیاء سے مدد مانگو۔ مگر یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا اور اسی لیے مزاراتِ سلف صالحین کی زیارت اور انہیں اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، اگرچہ ہمارے زمانے میں بعض ملحد بے دین لوگ اس کے منکر ہوئے، اور خدا ہی کی طرف ان کے فساد کی فریاد ہے! لا حول ولا قوّۃ إلّا باللہ العلي العظیم!۔

ہاں! ہم نے کہا تھا کہ یہ صفت حضرت عزت کی ہے، نہیں نہیں یہ خاص صفت اسی کی ہے۔ رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾(۳) "اے نبی! ان کافروں سے فرماؤ: کون ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا؟ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردے سے؟ اور کون نکالتا ہے مردے کو زندے سے؟ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ اب کہہ دیں گے کہ "اللہ"۔ تو فرما: تو پھر ڈرتے کیوں نہیں؟!"۔

قرآن عظیم خود ہی فرماتا ہے، کہ یہ صفت اللہ عزوجل کے لیے ایسی خاص ہے، کہ کفار مشرک تک اس کا اختصاص جانتے اور اس کا اقرار کرتے ہیں، اگر ان سے بھی پوچھو کہ کاموں کی تدبیر کرنے والا کون ہے؟ تو اللہ ہی کو بتائیں گے، دوسرے کا نام نہ لیں گے، اور خود ہی اس صفت کو اپنے مقبول بندوں کے لیے ثابت فرماتا ہے، کہ قسم ان محبوبانِ خدا کی! جو عالم میں تدبیر وتصرف کرتے ہیں۔ ایمان سے کہنا! وہابیہ کے دھرم پر یہ قرآن عظیم شرک سے کیوں کر بچا!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۹، ص۲۹۶)

---

(۱) "أنوار التنزيل" ("تفسير البيضاوي") تحت الآية: ۵، ۵/۵۴۵.

(۲) "عناية القاضي وكفاية الراضي" ("حاشية الشهاب على البيضاوي") تحت الآية: ۵، ۹/۳۹۹.

(۳) پ۱۱، یونس: ۳۱.

Ataunnabi.com
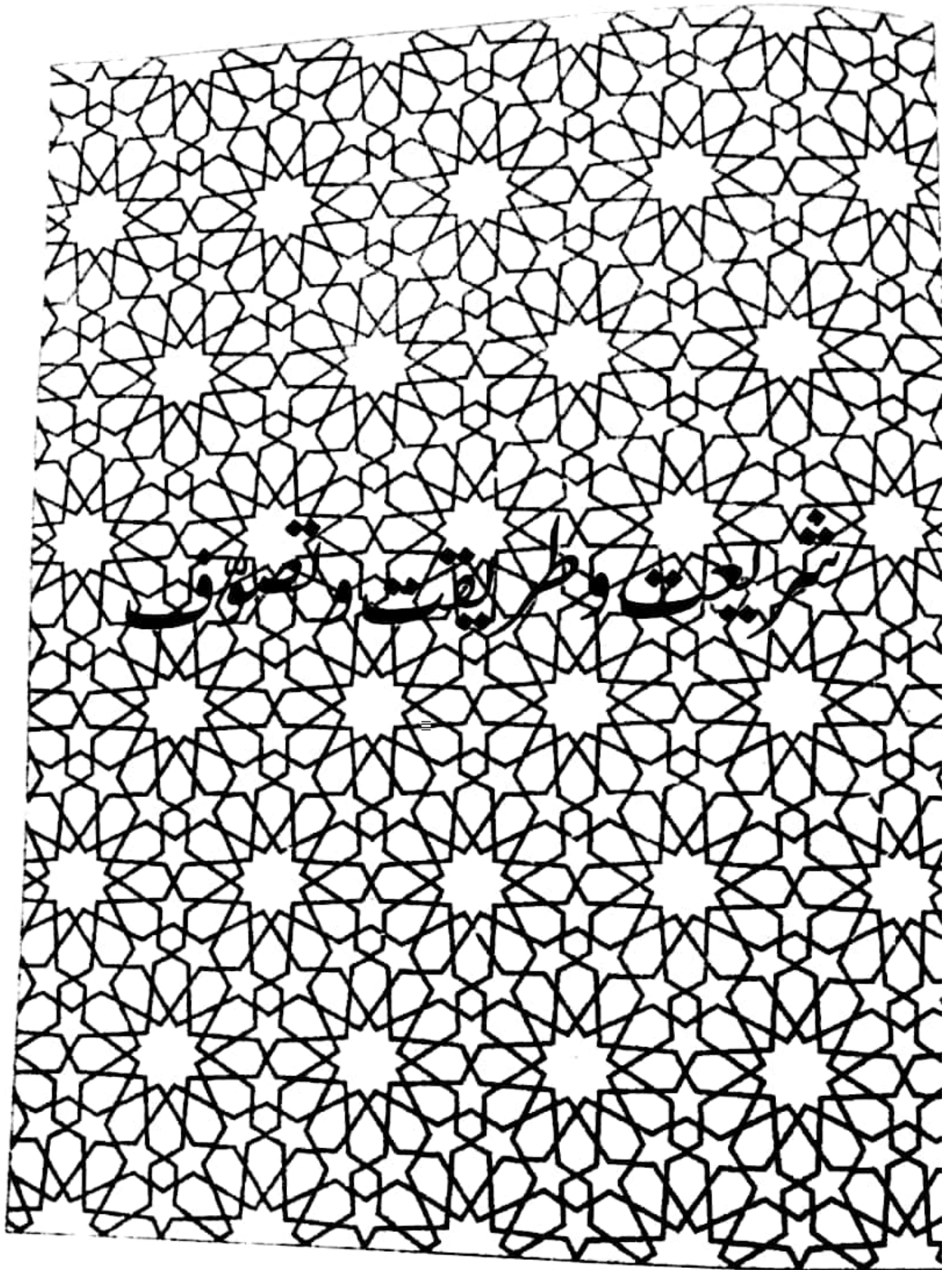
شریعت و طریقت و تصوف

(۱۰) شریعت وطریقت وتصوف

شریعت وطریقت دو ۲ راہیں متباین نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا، اور ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اتباعِ شریعت، خدا تک وصول محال ہے، شریعت تمام اَحکامِ جسم وجان ورُوح، قلب وجملہ علومِ الٰہیہ ومَعارفِ نامتناہیہ کو جامع ہے، جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے۔ ولہٰذا باجماعِ قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں، حق وقبول ہیں، ورنہ مردود ومخذول (مطرود ونامقبول) ہیں۔

(تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصلِ کار ہے، شریعت ہی مناط ومدار ہے، شریعت ہی محک [کسوٹی] ومعیار ہے، اور حق وباطل کے پرکھنے کی کسوٹی ہے، شریعت راہ کو کہتے ہیں، اور شریعتِ محمدیہ -علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ- کا ترجمہ ہے: "محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ"۔ اور یہ قطعاً عام ومطلق ہے، نہ کہ صرف چند اَحکامِ جسمانی سے خاص۔ یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت، ہر نماز ہر رکعت میں اس کا مانگنا، اور اس پر صبر واستقامت کی دُعا کرنا، ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے، کہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾[1] "ہم کو سیدھا راستہ چلا!"، ہم کو محمد ﷺ کی راہ پر چلا، ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ!۔

یونہی طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں، نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے، اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو، تو بشہادتِ قرآنِ عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی، بلکہ شیطان تک، جنّت تک نہ لے جائے گی، بلکہ جہنم میں؛ کہ شریعت کے سواسب راہوں کو قرآنِ عظیم باطل ومردود فرما چکا۔

لاجَرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے، اسی راہِ روشن کا ٹکڑا ہے، اِس کا اُس سے جدا ہونا محال وناسزا ہے، جو اسے شریعت سے جدا مانتا ہے، اسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے، مگر حاشا! طریقتِ حقہ راہِ ابلیس نہیں، قطعاً راہِ خدا ہے، نہ بندہ کسی وقت کیسی ہی ریاضات ومجاہدات بجالائے (کیسی ہی ریاضتوں، مجاہدوں اور چلّہ کشیوں میں وقت گزارا جائے، اس درجہ تک پہنچ کہ تکالیفِ شرع (شریعتِ مطہرہ کے فرامین واَحکامِ امر ونہی) اس سے ساقط ہو جائیں، اور اسے اَسپ [گھوڑا] بےلگام وشترِ بے زمام کر کے چھوڑ دیا جائے۔

قرآنِ عظیم میں فرمایا: ﴿اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾[2] "بے شک اسی سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے"۔ اور فرمایا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾[3] شروعِ رکوع سے اَحکامِ شریعت بیان کر کے فرماتا ہے: "اور اے محبوب! تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے، تو اس کی پیروی کرو! اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ لگ جاؤ! کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے"۔ دیکھو! قرآنِ عظیم نے صاف فرما دیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے، جس کا منتہا اللہ ہے، اور جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ کی راہ سے دُور پڑے گا، طریقت میں جو کچھ منکشف

---

(۱) الفاتحۃ: ۵۔

(۲) پ ۱۲، ہود: ۵۶۔

(۳) پ ۸، الانعام: ۱۵۳۔

ہوتا ہے، شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، ورنہ بے اتباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو دیے جاتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں، اسی نارِ جحیم وعذابِ الیم تک پہنچاتے ہیں۔ ("مقالِ عرفاء"[1])۔

صوفی وہ ہے کہ اپنے ہَوا، اپنی خواہشوں، اپنی مُرادوں کو تابع شرع کرے، بے اتباعِ شرع کسی خواہش پر نہ لگے، نہ وہ کہ ہَوا وہوس اور نفسانی خواہشوں کی خاطر شرع سے دستبردار ہو، اور اتباعِ شریعت سے آزاد ہو۔ شریعت غذا ہے، اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی، قوت آپ زوال پائے گی۔ شریعت آنکھ ہے، اور طریقت نظر، اور آنکھ پھوٹ کر نظر کا باقی رہنا غیر متصوّر ہے۔ عقلِ سلیم قبول نہیں کرتی تو شریعتِ مطہّرہ میں کب مقبول ومعتبر ہوگی؟! بعد از وصولِ منزل اگر اتباعِ شریعت سے بے پروائی ہوتی، اور اَحکامِ شرع کا اتباع لازم وضرور نہ رہتا، یا بندہ اس میں مختار ہوتا، تو سیّد العالمین ﷺ اور امام الواصلین علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- اس کے ساتھ احق ہوتے، (اور ترکِ بندگی و اتباعِ شرع کے باب میں سب سے مقدّم وپیش رفت) نہیں[2] بلکہ جس قدر قُربِ حق زیادہ ہوتا ہے، شرع کی باگیں اَور زیادہ سخت ہوتی جاتی ہیں: "حسنات الأبرار سيئات المقرّبين"[3] "اَبرار کی نیکیاں بھی مقرّبین کے لیے عیب ہوتی ہیں" اور ع

جن کے رُتبے ہیں سِوا، ان کو سِوا مشکل ہے

آخر نہ دیکھا کہ سیّد المعصومین ﷺ رات رات بھر عبادات ونوافل میں مشغول، اور کارِ امت کے لیے گریاں وملول رہتے! نمازِ پنجگانہ تو حضور پر فرض تھی ہی، نمازِ تہجد کا ادا کرنا بھی حضور ﷺ پر لازم، بلکہ فرض قرار دیا گیا، جبکہ اُمت کے لیے وہی سنّت کی سنّت ہے۔ حضرت سیّد الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کیا گیا، کہ کچھ لوگ زعم کرتے ہیں، کہ اَحکامِ شریعت تو وصول کا ذریعہ تھے، اور ہم واصل ہوگئے، یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت؟! فرمایا: "وہ سچ کہتے ہیں! واصل ضرور ہوئے، مگر کہاں تک؟ جہنم تک! چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں، اگر ہزار برس جیوں تو فرائض وواجبات تو بڑی چیز ہیں، جو نوافل ومستحبات مقرّر کر دیے ہیں، بے عذرِ شرعی ان میں کچھ کم نہ کروں"۔ تو خَلق پر تمام راستے بند ہیں، مگر وہ جو رسول اللہ ﷺ کی نشانِ قدم کی پیروی کرے، ع

"جس کسی نے پیغمبر ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا، ہرگز منزلِ مقصود پر نہ پہنچے گا"۔

توہینِ شریعت کفر ہے[4]، اور اس کے دائرہ سے خروج فِسق وگناہ ہے۔ صُوفی تقوٰی شِعار صادق العمل عالم سُنی صحیح العقیدہ پر خدا ورسول کے فرمان واجب الاِذعان کے مطابق، ہمیشہ یہ عقیدت رکھتا ہے، کہ (یہاں اصل میں بیاض ہے) (علمائے شرعِ مبین وارثانِ خاتم النبیین ہیں، اور علومِ شریعت کے نگہبان وعلمبردار ہیں، توان کی تعظیم وتکریم صاحبِ شریعت ﷺ کی تعظیم وتکریم ہے، اور اس پر دین کا مدار ہے) اور عالم متدیّن خُدا طلب، خُدا پرست، خُدا ترس، خُدا آگاہ ہمیشہ صوفی سے

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والاباحۃ، رسالہ "مقالِ عرفاء"، ۱۷/۱۳۲، ۱۳۳۔

(۲) (یہ بات نہیں اور ہرگز نہیں)۔

(۳) "كشف الخفاء" ر: ۱۱۳۵، ۱/ ۳۱۸.

(۴) (اور علمائے دین کو سبّ وشتم، آخرت میں فضیحت ورُسوائی کا مُوجِب ہے)۔

(یہاں اصل میں بیاض ہے) (بتواضع وانکسار پیش آئے گا؛ کہ وہ حق آگاہ اور حق کی پناہ میں ہے) اور اسے اپنے سے افضل واکمل جانے گا؛ کہ وہ دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے، جو اعمال اس صوفی صاف حق پرست وحق آگاہ کے، اس کی نظر میں قانونِ تقویٰ سے باہر نظر آئیں گے، ان سے صرفِ نظر کر کے مُعاملہ عالم الغیب والشہادۃ پر چھوڑے گا، بمصداق ؏

"اے اپنے عیبوں کو اُٹھانے والو! دوسروں کے عیب پر طعنہ زنی مت کرو!"

اے اللہ! سب کو ہدایت اور اس پر ثبات واستقامت، اور اپنے محبوبوں اور سچے پکّے عقیدوں پر جہانِ گزران [گزر جانے والے] سے اٹھا، آمین يا أرحم الراحمين! اللّٰهم لك الحمدُ وإليك المشتكى، وأنت المستعانُ، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العلي العظيم، وصلّى الله تعالى على الحبيب المصطفى، وعلى آله الطيّبين، وصحبه الطاهرين أجمعين!. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۶۱)

نمازِ تہجد کو لازم جانو؛ کہ وہ تم سے پہلے نیکوں کی عادت ہے، اور اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے

وقال ﷺ: «عليكم بقيام اللّيل؛ فإنّه دابُ الصّالحين من قبلِكم، وقربةٌ إلى الله تعالى» ...الحديث[1] "لازم جانو رات کی نماز؛ کہ وہ عادت ہے تم سے پہلے نیکوں کی، اور نزدیکی ہے طرف اللہ تعالیٰ کے"۔ وقال: «قضاءُ الصّلاة قربانُ كلِّ تقيٍ»[2] "نماز سے خدا کا قرب پاتا ہے ہر پرہیزگار"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۱۱۹)

زیادتِ قُرب وزُلفے کے برابر کیا ثواب ہوگا! یہ نعمت سب نعمتوں کی جان ہے

سچ ہے! زیادتِ قُرب وزُلفی [نزدیکی] کے برابر کیا ثواب ہوگا! یہ نعمت سب نعمتوں کی جان ہے! جس کے حضور حظوظِ نفسانیہ -استغفر اللہ- کہ کچھ بھی وقعت رکھیں ہیں؟! کہ زید کو اس کے اعمالِ حسنہ پر لذّات، اور عَمرو کو قربِ ذات عطا ہوا، ثواب کس کا زیادہ رہا؟ عقل ہے تو خواہی نخواہی کہنا پڑے گا کہ عَمرو کا ثواب بس ارفع واعلیٰ ہے۔ پس کثرتِ قربِ وکثرتِ ثواب کا ایک ہی حاصل ٹھہرا، اور اِس پر اقتصار بعینہ اُس پر اقتصار ہوا۔ اور جنہوں نے زیادتِ اجر کو مدارِ افضلیت ہونے سے انکار کیا، انہوں نے اجر بمعنی ثانی لیا، وہ بے شک زیادتِ زُلفی کے حضور مِتّی نہیں ہو سکتا۔ غرض مطلب سب کا ایک ہے، اور لفظ مختلف، ؏

عباراتنا شتّى وحُسنك واحد[3]

توفیق رفیق ہو تو تطبیق وتوفیق ہو! بالجملہ سنّیوں کا حاصلِ مذہب یہ ہے، کہ بعد انبیاء ومرسلین -علیہم الصلاۃ والتسلیم- جو قرب ووجاہت، وعزّت وکرامت، وعلوِّشان، ورفعتِ مکان، وغزارتِ فخر، وجلالتِ قدر بارگاہِ حق تبارک وتعالیٰ میں، حضرات خلفائے اربعہ -رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین- کو حاصل، ان کا غیر اگرچہ کسی درجۂ علم وعبادت ومعرفت وولایت کو

(۱) "السنن الكبرى" للبيهقي، باب الترغيب في قيام الليل، ر: ۴۸۳۳، ۲/ ۵۰۲۵.

(۲) "بحر الفوائد المشهود بمعاني الأخبار" صـ۱۵۹۵.

(۳) عبارات ہماری مختلف ہیں اور تیرا حُسن ایک ہے۔

کتنی، اولی ہویا اُخری، اہل بیت ہو یا صحابی، ہرگز ہرگز اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر شیخین کو امورِ مذکورہ میں ختنین پر تفوق ظاہر و رجحان باہر ہے، بغیر اس کے کہ (عیاذاً باللہ) فضل و کمال ختنین میں کوئی قصور و فتور راہ پائے، اور تفضیلیہ دربارۂ جناب مولا اس کا عکس مانتے ہیں۔

یہ ہے تحریر ملاذ نزاع! بحمد اللہ اس نہجِ قویم و اسلوب حکیم کے ساتھ، جس میں ان شاء اللہ تعالیٰ شکِ مشکک و وہم واہم کو اصلاً محلِ طمع نہیں، اور ہر چند جو کچھ ہے، علماء کے بحارِ فیض سے چھینٹا ہے، اور انہیں کے خرمنِ تحقیق سے خوشہ ہے، الخ۔

لے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

("فتاویٰ رضویہ" ج ۱۲، ص ۱۲۰)

تبصرہ تاسعہ:[1] اب ہم جس کے لیے افضلیت بمعنیٰ مذکورہ کا اثبات چاہیں، تو اس کے لیے دو ۲ طریقے متصور ہیں:

(۱) بالنصوصِ شرعیہ میں کسی کی نسبت تصریح ہو، کہ وہ اکرم و افضل و اعلیٰ و اجل ہے۔ اور یہ طریقہ تمام طرق سے احسن و اسلم، کہ بعد نصِ شارع کے چون و چرا، و مداخلتِ عقل نا تر سا کی مجال نہیں رہتی، اور قطعِ منازعت کے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں۔ تبصرہ سابقہ میں شرفِ ایضاح پا چکا کہ جب ایک جماعت اہلِ فضل میں کسی شخص کو ان سب سے افضل کہا جائے، اور وہ کسی قیود خاص سے اقتران نہ پائے، تو اس سے یہی معنیٰ مفہوم ہوں گے کہ "یہ شخص اپنے تمام اصحاب پر فضلِ کلی رکھتا، اور وہ وجاہت و مرتبہ و منزلت میں ان سب سے بلند و بالا ہے"۔ پس بعد تصریحِ شارع کہ "فلاں افضل ہے" کوئی حالتِ منتظرہ باقی نہیں رہتی، اور دلیل اپنی منزل منتہی و ذروۂ اعلیٰ کو پہنچ جاتی ہے۔

(۲) یا دوسرا طریقہ استدلال و استنباط و تالیفِ مقدمات کا ہے، یہ معرکہ البتہ تنقیح طلب ہے:

فاقول وباللہ التوفیق: بنائے تفضیل کی اساس جس پر اس کی تعمیر اٹھائی جاتی ہے، دو ۲ امر ہیں: (۱) ایک ما فیہ التفاضل، (۲) دوسرا ما بہ الافضلیت۔

ما فیہ التفاضل تو وہ جس میں افضل و مفضول کی کمی بیشی مانی جاتی ہے، اور یہ امر دونوں طرف مشترک ہوتا ہے، مگر بالتشکیک، کہ افضل میں زیادہ اور مفضول میں کم۔

اور ما بہ الافضلیت وہ جو ما فیہ التفاضل میں افضل کی زیادت کرے۔ یہ خاص ذاتِ افضل سے قائم ہوتا ہے، مفضول کو اس میں اس کم و کیف کے ساتھ اشتراک نہیں، اگرچہ کہیں بجنس وصف سے اتصاف پایا جائے، ورنہ اس میں تساوی ہو تو بنائے تفاضل ما سنا انہدام پائے، مثلاً: شمشیرِ تیز براں کو تیغ کند ناکارہ پر تفضیل ہے، ما فیہ التفاضل قطع و جرح، کہ وہ خوب کاٹتی ہے، اور یہ قصور کرتی ہے، اور ما بہ الافضلیت خوش آبی و پاکیزہ جوہری، کہ تیغِ اوّل سے مختص ہے، جس کے سبب اسے قطع و برش میں مزیت ہوئی۔

جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو چکا، تو اب سمجھنا چاہیے کہ ما فیہ التفاضل کا اِدراک تو ترتیبِ دلیل کیا، نفسِ تحقق نزاع حقیقی سے مقدم ہوتا ہے؛ کہ یہاں منازعت کے اصل معنیٰ ہی یہ ہیں، کہ فریقین ایک امرِ معین مشترک بین الاثنین میں مزیت کی

---

(۱) اس سے پہلے والا تبصرہ نمبر ۸ مسئلہ تفضیل کے بارے میں صحابہ کرام کے عنوان کے تحت اسی کتاب کے ص ۲۳۰ اور ۲۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نسبت مختلف ہو جائیں، یہ زید کے لیے ثابت کرے، وہ عمرو کے واسطے مانے۔ اسی امرِ مشترک بالتشکیک کا نام ما بہ الاتفاضل ہے، جس کا بہ الافضلیت کا ادراک، اور اس کا اپنے مدعیٰ لہ سے خاص ہونے کا اثبات بکشف خاص عقل و عزل لاقتحام ہے، اور یہی امر مقتضاء اختلاف اولی الافہام ہے۔ پس مانحن فیہ میں طریقۂ استدلال یہ ہے، کہ مدعیٰ لہ کا ایک فضیلت میں تمام حضرات سے بالاتر ہو کر اسے امتیاز، پھر اس خاصہ کا تمام مفضولین سے زیادتِ قرب و کثرتِ وجاہت عند اللہ کا موجب ہونا ثابت کیا جائے، اگر یہ دونوں مقدمے حسبِ مراد منزلِ ثبوت تک پہنچ گئے، دلیل تمام ہو کر احقاقِ حق و الزامِ خصم کر دے گی۔ اس میدان میں اگر سنیہ و تفضیلیہ دو ۲ راہ ہو گئے: اہلِ تفضیل قرآن و حدیث کو پسِ پشت ڈال کر، ہوائے تخیل میں بے پر کی اڑانے لگے، کہیں محض بعض صفات سے اختصاص کو فضلِ کلی کا مدار ٹھہرایا، کہیں کثرتِ فضائل و شہرت کو پکڑا، کبھی شرفِ نسب و علو حسب و کرامتِ صبر و نفاستِ عیال پر نظر ڈالی، کبھی ملکات میں عزت، سلاسلِ طریقت کی مبدئیت، تنزلِ ناصواب کی خصوصیت سے راہ نکالی، کہ ہم بحمد اللہ تحریراتِ سابقہ میں ان اوہام کی قطعِ عرق کر آئے ہیں۔

سُنّیوں کا مرجع و ملاویٰ ہر بات میں حدیث شریف و قرآن اشرف ہے، اور مقام شرح و تفسیر میں پیشوا و مقتدا اکابر سلف ہیں۔ اب جو ہم قلب ہیں نظر کو ان باغوں میں اجازتِ گل گشت دیتے ہیں، تو اشیائے متعددہ کو اس دائرہ کا مرکز پاتے ہیں۔ آیۂ کریمہ: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[1] تو نصِ جلی ہے، کہ مدارِ افضلیت زیادتِ تقویٰ ہے، اور وفورِ احادیث و اخبار بھی اسی کے مثبت ہیں۔ اور کریمہ: ﴿وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ﴾[2] (مشعر) سبقت الی الخیرات ہے، اور کریمہ: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ﴾[3] ...الآیۃ.

اور بعض احادیث و اکثر محاورات صحابہ میں سوابقِ اسلامیہ کو، اور زمانۂ غربت و شدتِ ضعف میں دین کی اعانت کو، اور احادیث کثیرہ مرفوعہ و موقوفہ میں فضلِ صحبت سید المرسلین ﷺ کو، اور بعض اقوالِ علماء میں کثرتِ نفع فی الاسلام کو، اور صاحبِ الامر میں ان کے سوا اور امور کو بھی مناطِ تفضیل و ما بہ الافضلیت قرار دیا کہ ہم بحول اللہ و قوتہ۔ ان مختلفات کو [رسالہ مطلع القمرین کے] باب ثانی میں بسط کریں گے، لیکن مُحرِّرِ کامل و مُحصِّلِ بالغ کو کام فرمایئے، تو در حقیقت کچھ اختلاف نہیں! اصل مدار و محطِ پرکار ان سب امور کا واحد ہے، جس منبع سے یہ سب نہریں نکل کر پھر اسی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ وہ کیا ہے، یعنی کمالِ قوتِ ایمان؟ کہ ایک صفت مجہولۃ الکیفیت ہے، جو قلبِ مؤمن پر کنوزِ عرش سے فائض ہوتی ہے، عبارت اس کے ادا بالفعل سے قاصر ہے، جو کچھ کہا جاتا ہے، سب اس کے آثار و قرائن ہیں، و

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

الملک العارف باللہ سیدنا الحکیم محمد بن علی الترمذی الصوفی۔ قدس سرہ الصبوح۔ فرماتے ہیں: دولت صحبہ جب محمد صلی

(۱) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (پ۲۶، الحجرات:۱۳)
(۲) اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔ (پ۲۲، فاطر:۳۲)
(۳) تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا۔ (پ۲۷، الحدید:۱۰)

میں استقرار کرتی ہے، اور مجامعِ قلب کو اندرون و بیرون سے گھیر لیتی ہے، اور ہر رگ و ریشہ باطن میں (شیر میں دسومت، یا شہد میں حلاوت کی طرح) پَیر جاتی ہے، اس کا نام علم باللہ و کمال معرفتِ الٰہی قرار پاتا ہے۔ پھر اسی سے خوف و رجا، تسلیم و رضا، شرم و حیاء، ورع و تقویٰ، صبر و شکر، اخلاص و توکل، انقطاع و تبتّل، تواضع و عفّت، اور حلم و دیانت وغیرہا تمام خصالِ محمودہ جنہیں حدیث میں: «الإيمان بضعٌ وسبعون شعبةً»[1] "ایمان کی کئی اوپر ستر ۷۰ شاخیں ہیں" سے تعبیر کیا، خود بخود منشعب ہوتے، اور بندہ کو اپنے مولا کا سچا بندہ کردیتے ہیں۔

یہی ہے جس کے باعث یہ مائے مہین و خاکِ ذلیل اس ساحتِ سُبّوحیت میں قرب و وجاہت پاتا، اور جملہ نشینانِ بزمِ قُدس کا محرمِ راز، بلکہ سرتاجِ افتخار و اعتزاز ہو جاتا ہے۔ پس لاجرم جسے اس صفت میں مزیت ہوگی، وہی کمالِ خوف و خشیۃِ الٰہی و امتثالِ اَوَامر و اجتنابِ نواہی میں گوئے [یعنی غالب آئے] سبقت لے جائے گا، اور یہی روحِ معنی و صورتِ تقویٰ ہے، اور پُر ظاہر کہ ایسے شخص کا بسبب قوتِ اِنبعاث داعیہ خیر کے سبّاق الی الخیر ہونا لازم ہے، اور جب سبّاق الی الخیر ہوا تو اسلام کو نفع بھی اسی سے زیادہ پہنچے گا: اور حکمتِ الٰہی تقاضا کرے گی کہ ایسے ہی لوگوں کو سلطانِ رسالت -علیہ الصلاۃ والتحیۃ- کا مونس و رفیق و وزیر و مشیر کیا جائے، اور ابتدائے اسلام میں جو وقت نہایت ضعف، و قوتِ اعداء، و مزلّتِ اقدام، و تراکمِ آلام، و دلوں کے ہل جانے، اور جگروں کے کانپ اٹھنے کا ہے، اس میں اسلام کے حفظِ ناموس کو گلہائے ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ کا سہرا، انہیں کے سوابقِ اسلامیہ کا بھی یہی منشا، اور سوابقِ اسلامیہ پھر کثرتِ نفع فی الاسلام ہی کی خبر دیں گے۔

بالجملہ یہ سب اُمور ایک دوسرے سے دست و بغل ہیں، اور ہم اس امر کی تحقیق کی طرف کہ "قوتِ ایمان و علم باللہ کے سوا یہاں دوسری چیز مابہ الأفضلیت نہیں ہو سکتی، اور احادیثِ کثیرہ میں جو اُمورِ مختلفہ کو مَناطِ تفضیل ٹھہرایا ہے، کیونکر اسی امرِ واحد کی طرف عود کر آتے ہیں؟" ان شاء اللہ تعالیٰ [رسالہ مطلع القمرین کے] اوائل بابِ ثانی میں بمالا مزید علیہ رجوع کریں گے۔

سبحان اللہ! ہر چیز اسم و صفتِ الٰہی کی مظہر ہوتی ہے، ان فضائل کی وحدتِ مصداق و کثرتِ مفاہیم بھی اسی رنگ پر آئے، ﴿اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾[2] جو کہہ پکارو سو اسی کے نام ہیں خاصے، ع

عباراتنا شتّى وحسنك واحد ("فتاوی رضویہ" ج۲۸، ص۶۴۳)

❁ ❁ ❁

---

(۱) "سنن النّسائي" ذكر شعب الإيمان، ر: ۱۱۷۳۵، ۶/ ۵۳۲.
(۲) جو کہہ کر پکارو، سب اسی کے اچھے نام ہیں۔ (پ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۱۰)
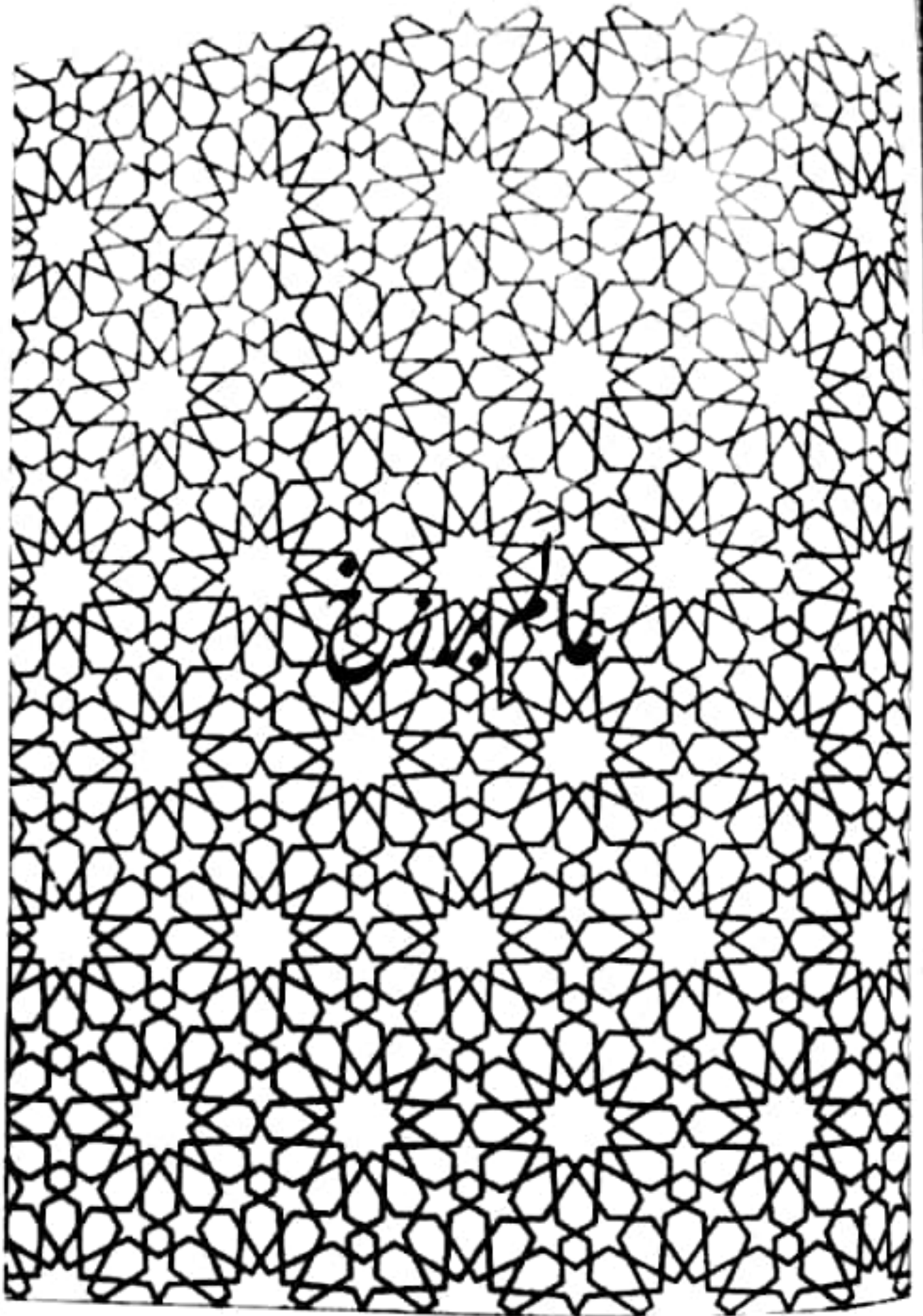
(۱۱) عالم برزخ

مسلمان کی رُوح بعد انتقال جہاں چاہے جاتی ہے

(۱) مسلمان کی رُوح بعد انتقال جہاں چاہے جاتی ہے، حدیث میں ہے: "إذا مات المؤمنُ يخلّى سربُه يسرح حيث يشاء."[1] "جب مسلمان مرتا ہے، اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے"۔ اس کا مفصّل بیان ہماری کتاب "حياة الموات في بيان سماع الأموات" میں ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی شانِ اقدس تمام جہاں سے ارفع واعلی ہے، وہاں یہ سوال کرنا بھی بے جا ہے۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ ایک وقت میں ستر ۷۰ ہزار جگہ تشریف فرما ہو سکتے ہیں"[2]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۶۸)

❀ ❀ ❀

[1] "إتحاف السّادة المتقين" كتاب ذكر الموت، فضيلة ذكر الموت، ۱۰/ ۲۲۷.

[2] "الفتاوى الكبرى" لابن الحجر الهيتمي، باب الجنائز، ۲/ ۹.

Ataunnabi.com

علامات و احوالِ قیامت

(۱۲) علامات واحوالِ قیامت

حضرت امام مہدی و حضرت عیسیٰ کے بارے میں احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہیں

حضرت مہدی و عیسیٰ کے بارے میں احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہیں، یہاں تک کہ ائمۂ دین نے ان کا نزول، اور ان کا ظہور عقائد میں داخل فرمایا۔ قرآن عظیم کی جتنی آیتیں تعظیم انبیاء علیہم السلام کا حکم دیتی ہیں، ان کی تکذیب پر تکفیر فرماتی ہیں، معجزات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام گناتی ہیں، ان کی نبوت ورسالت کی شہادت دیتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بتاتی ہیں، جھوٹے مدعیٔ نبوت پر لعنت فرماتی ہیں، وہ سب قادیانی کے رد ہیں، واللہ تعالی أعلم.

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۷۷)

دجّال کا زمانہ بالکل قریب قیامت کے ہوگا

عقیدہ: جب دجال نکل چکے گا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرما لیں گے، اسلام کا دَور دَورہ ہولے گا، مدتوں بعد بالکل قریب قیامت وہ آئے گا کہ اب تمام رُوئے زمین پر نِرے کافرہ جائیں۔ اس وقت اللہ عزوجل ایک ٹھنڈی خوشبودار ہوا بھیجے گا، کہ دنیا بھرسے مسلمانوں کو اٹھالے گی، صرف کافرہ جائیں گے۔ یہ اس وقت (یعنی قیامت کے قریب) کا واقعہ ہے۔ جو شخص مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لیے اس حدیث کو اپنے زمانۂ موجودہ پر جمائے اور کہے کہ "سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مُوافق ہوا"، وہ تمام امتِ مرحومہ کو کافر بناتا ہے، اس پر کفریوں لازم ہے، اور خود وہ اور اس کے پیرو سارے کے سارے اس کے اپنے اِقرار سے کافر مرتد ہوئے؛ کہ آخر یہ بھی دنیا کے پردے سے الگ نہیں بستے۔ جب اس کے نزدیک تمام دنیا میں نِرے کافر رہ گئے، مسلمان کا نام ونشان نہیں، تو یہ خود بھی اپنے ہی منہ سے یقیناً کافر اور اس کے تمام پَیرو بھی۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۲۱)

میزانِ عدل یہاں کے ترازُو کے خلاف ہے، وہاں نیکیوں کا پلہ اگر بھاری ہوگا تو اُوپر اُٹھے گا اور بدی کا پلہ نیچے بیٹھے گا

وہ میزان یہاں کے ترازُو کے خلاف ہے، وہاں نیکیوں کا پلّہ اگر بھاری ہوگا تو اُوپر اُٹھے گا، اور بدی کا پلّہ نیچے بیٹھے گا۔ قال اللہ تعالی: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾[1] "اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام، اور جو نیک کام ہے وہ اس کو بلند کرتا ہے"۔ جس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ نیکیوں کا پلّہ نیچا ہوگا غلط ہے، واللہ تعالی أعلم.

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۷)

حشر کے دن سب مسلمان کفن میں اٹھیں گے، پھر وہ کفن طُولِ مدت کی وجہ سے گل کر گر جائیں گے

حشر کے دن سب مسلمان کفن میں اٹھیں گے، پھر وہ کفن طُولِ مدت کی وجہ سے گل کر گر جائیں گے۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۷)

✿ ✿ ✿

[1] پ۲۲، فاطر: ۱۰۔

Ataunnabi.com

تخلیقِ عالم

(۱۴) تخلیقِ عالَم

رُوحیں اَزَل میں پیدا نہ ہوئیں، ہاں جسم سے دو ہزار برس پہلے بنیں

رُوحیں اَزَل میں پیدا نہ ہوئیں، ہاں جسم سے دو ہزار برس پہلے بنیں۔ وَلَدُ الحرام کا اپنا قصور نہیں، مگر جبکہ وہ حرام سے پیدا ہوا، وَلَدُ الحرام ہونے میں کیا شک ہے؟! نہ اس سے اس کی رُوح کی ناپاکی لازم ہے۔ رُوح کفر وضلالت سے ناپاک ہوتی ہے، بددین کی رُوح ناپاک ہے، اگرچہ وَلَدُ الحلال ہو۔ اور دیندار کی رُوح پاک ہے، اگرچہ اس کی ولادت حرام سے ہو۔ رُوح کے پاک ہونے سے جسم کا نطفۂ حرام سے بننا کیونکر ہٹ گیا؟! بے علم کو ایسی جہالتوں اور ایسی باتوں میں خوض سے فائدہ نہیں ہوتا، سوا اس کے کہ شیطان کسی گھاٹی میں راہ مار کر ہلاک کر دے! واللہ تعالی أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۷)

رُوح بعدِ ایجاد کبھی فنا نہ ہوگی

حاشاللہ! رُوح بعدِ ایجاد کبھی فنا نہ ہوگی؛ إنما خُلقتم للأبد[1] بدن کے ساتھ حُدوثِ نفس خیالِ باطل فلاسفہ ہے، قال اللہ ﷻ: ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾[2] اگر بعدِ میثاق رُوحیں معدوم کر دی گئی ہوتیں، تو تین ۳ موتیں ہوتیں، اور یوں فرمایا جاتا: "كنتم أمواتاً فأحياكم، ثمّ أماتكم، ثمّ أحياكم، ثمّ يُميتكم، ثمّ يحييكم". یہ عقیدۂ اجماعی ہے، مگر نہ اس درجہ پر واضح کہ جو شخص بحال ناواقفی اس کا خلاف کرے، اُسے اہلِ سنّت سے خارج کیا جائے، بلکہ غلط کار خاطی ہے وبس! اور اس پر یہ اِلزام ہے کہ بے جانے لَب کُشائی کی جرأت کی! واللہ تعالی أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۸۲)

رُوح اصل خلقت میں پاک ہے

روح اصل خلقت میں پاک ہے، پھر اگر بد اعتقاد بد اعمال اختیار کیے، تو ان سے ناپاک ہو جاتی ہے، جس کے سبب مستحقِ عذاب ہوتی ہے، واللہ تعالی أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۷)

رُوح کے لیے قُرب وبُعد یکساں ہے

شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں: "رُوح را قرب وبُعد مکانی یکساں ست"۔ تو وہ سب وقت سُن سکتے ہیں، مگر ملأ اعلی کی طرف توجہ، اور اس میں استغراق اکثر کو ہر وقت سننے سے مانع ہو سکتا ہے۔ مگر اکابر جن کو شاہ عبد العزیز صاحب نے "تفسیر عزیزی" میں لکھا: "استغراق آنہا بہ جہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد، وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود از انہا می طلبند وی یابند"[3]۔ [ترجمہ: کامل وسعتِ مدارک کے سبب ان کا استغراق اس طرف متوجہ ہونے سے مانع نہیں ہوتا، اور غرض مند محتاج لوگ اپنی مشکلات کا حل ان سے طلب کرتے اور پاتے ہیں۔] یہ ہر وقت سنتے اور حاجت روائی فرماتے ہیں، کہ باذنہ تعالی اسم قاضی الحاجات کے مظہر ہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۷)

---

(۱) "شرح الصدور" باب فضل الموت خلافت، صـ۵.
(۲) پ۱، البقرة: ۲۸۔
(۳) "فتح العزيز" ("تفسیر عزیزی") پارہ عم، سورۃ الانشقاق، ص ۱۴۳ ملتقطاً۔

میں، اولیٰ وآخرت میں، دین ودنیا میں، روح وجسم میں، چھوٹی یا بڑی، بہت یا تھوڑی، جو نعمت ودولت کسی کو ملی، یا اب ملتی ہے، یا آئندہ ملے گی، سب حضور کی بارگاہ جہاں پناہ سے بٹی اور بٹتی ہے اور ہمیشہ بٹے گی، کما بیّناہ بتوفیق اللہ تعالیٰ في رسالتنا "سلطنة المصطفی في ملکوت کلّ الوری".

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیۂ کریمہ کے تحت لکھا: "لما کان رحمة للعالمین، لزم أن یکون أفضل من کلّ العالمین"[1]. قلتُ: وادّعاءُ التخصیص خروجٌ عن الظاهر بلا دلیل، وهو لا یجوز عند عاقل، فضلاً عن فاضل، والله الهادي!.
("فتاوی رضویہ"، ج۱۹، ص۲۹)

تیسری آیت: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ﴾

آیت ثالثہ: قال جلّ ذکرُه: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ﴾[2] علماء فرماتے ہیں: یہ آیۂ کریمہ دلیل ہے کہ انبیائے سابقین سب خاص اپنی قوم پر رسول کرکے بھیجے جاتے، اگلے انبیاء صرف اپنی قوم کے رسول ہوئے، اور ہمارے رسول ہر فرد مخلوق کے لیے۔ أقول: وقال الله تعالی: ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾[3] وقال تعالی: ﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا﴾[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تحقیق ہم نے نوح کو بھیجا اس کی قوم کی طرف" اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا"۔

وقال تعالی: ﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾[5] وقال تعالی: ﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ﴾[6] وقال تعالی: ﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾[7] وقال تعالی: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ﴾[8] وقال تعالی: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ﴾[9] وقال تعالی في یونس علیہ السلام: ﴿وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ﴾[10] وقال تعالی في عیسی علیہ السلام: ﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾[11] اور یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "اور

---

(۱) "مفاتیح الغیب" (التفسیر الکبیر) البقرة، تحت الآیة: ۲۵۳، ۶/ ۱۶۵.
(۲) پ۱۳، ابراھیم: ۴۔
(۳) پ۸، الاعراف: ۵۹۔
(۴) پ۸، الاعراف: ۶۵۔
(۵) پ۸، الاعراف: ۷۳۔
(۶) پ۸، الاعراف: ۸۰۔
(۷) پ۸، الاعراف: ۸۵۔
(۸) پ۹، الاعراف: ۱۰۳۔
(۹) پ۷، الانعام: ۸۳۔
(۱۰) پ۲۳، الصّٰفّٰت: ۱۴۷۔
(۱۱) پ۳، آل عمران: ۴۹۔

Ataunnabi.com
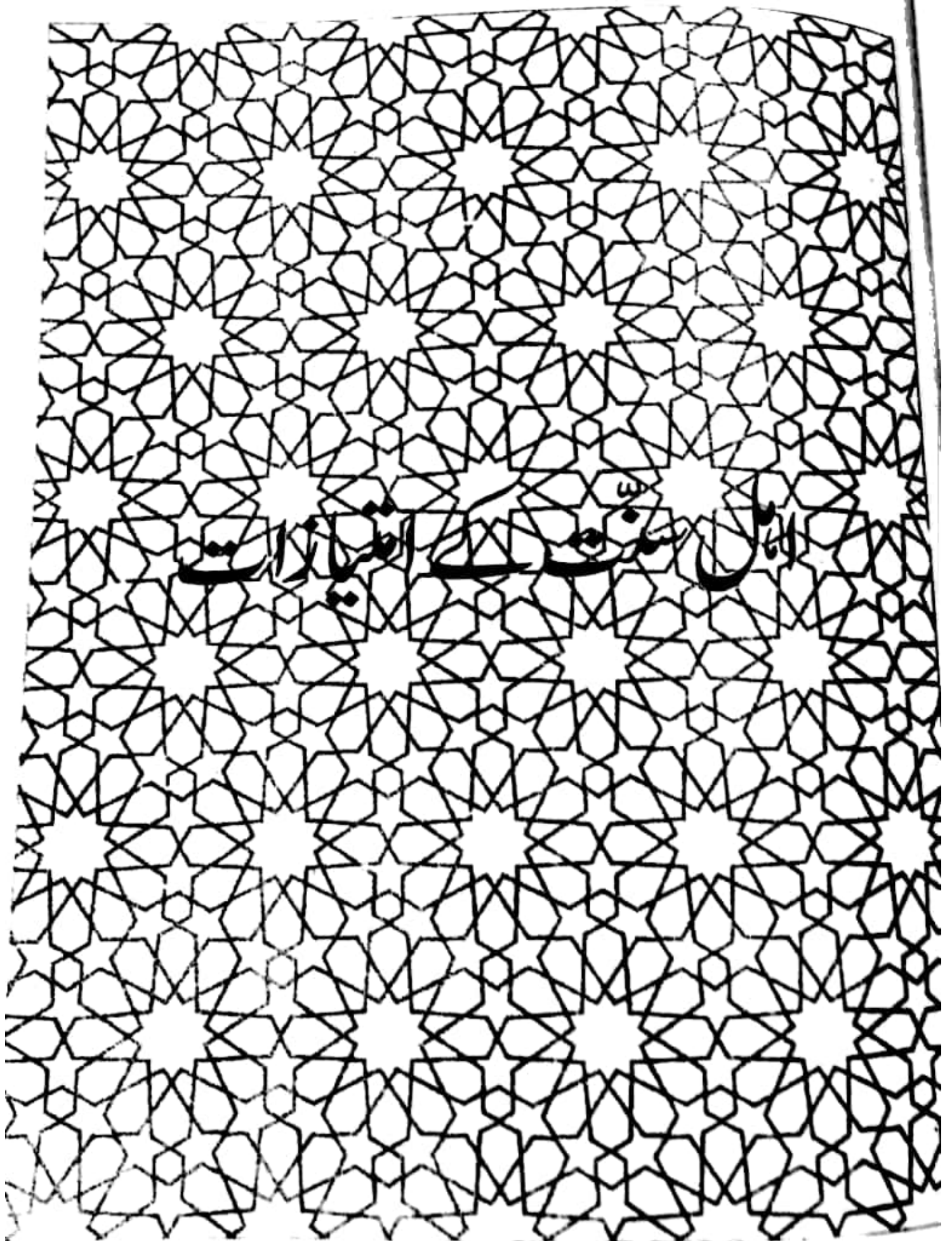
اہل سنت کے امتیازات

(۱۴) اہلِ سنّت کے امتیازات

اشیاء میں اصل اباحت ہے

اصل اشیاء میں اباحت (جائز ہونا) ہے، یعنی جس چیز کی ممانعت شرعِ مطہّر سے ثابت، اور اس کی برائی پر دلیل شرعی ناطق، وہی ممنوع ومذموم ہے، باقی سب چیزیں جائز ومُباح رہیں گی، خاص ان کا ذکر جواز قرآن وحدیث میں منصوص ہو، یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو۔ تو جو شخص جس فعل کو ناجائز یاحرام یا مکروہ کہے، اس پر واجب ہے کہ اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے، اور جائز ومُباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں؛ کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا، یہی جواز کی دلیل کافی ہے!! "جامع ترمذی" و"سنن ابن ماجہ" و"مستدرک حاکم" میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الحلالُ ما أحلَّ اللهُ في كتابه، والحرامُ ما حرّم اللهُ في كتابه، وما سكت عنه فهو مما عفا عنه"[1] "فيه أنّ الأصلَ في الأشياء الإباحةُ"[2]۔

اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہوناہے۔ شیخ محقق شرح میں فرماتے ہیں: "وایں دلیل ست برآنکہ اصل در اشیاء اباحت است"[3]۔ نصر "کتاب الحجۃ" میں امیر المؤمنین عمر فاروق أعظم رضی اللہ عنہ سے راوی: "قال: إنّ اللهَ ﷻ خلقَكم، وهو أعلَم بضَعفكم، فبعثَ إليكم رسولاً من أنفسِكم، وأنزلَ عليكم كتاباً، وحدَّ لكم فيه حُدوداً أمرَكم أن لا تعتدُوها، وفرضَ فرائضَ أمرَكم أن تتبعوها، وحرّم حرماتٍ نهاكم أن تنتهوها، وتركَ أشياء لم يدعْها نسياناً، فلا تتكلّفوها، وإنّما تركَها رحمةً لكم!"[4]۔

"مرقاۃ" میں فرماتے ہیں: "فيه أن الأصلَ في الأشياء الإباحةُ"[5] "اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہوناہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۴۵)

مذہب اہلِ سنّت پر قائم رہنا فرضِ اعظم ہے

مذہب اہلِ سنّت پر قائم رہنا فرضِ اعظم ہے، اور فقہ میں ایک مذہب مثلاً حنفی مذہب پر قائم رہنا۔ اور جو کسی مذہب پر قائم نہیں، پہلی صورت میں دہریہ، اور دوسری صورت میں غیر مقلّد ہے، اور یہ فرقہ بھی بدمذہب ناری ہے۔

"طحطاوی علی الدرّ المختار" میں ہے: "فمَن كان خارجاً عن هذا الأربعة، فهو من أهل البدعة

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب اللباس، باب ما جاء في لبس الفراء، ۱/ ۲۰۶. "سنن ابن ماجه" أبواب الأطعمة، باب أكل الجبن والسمن، صــ۲٤۹. "مستدرك الحاكم" كتاب الأطعمة" ۲/ ۱۱۵.

(۲) "مرقاة المفاتيح" كتاب الأطعمة، تحت ر: ٤۲۲۸، ۸/ ۵۷.

(۳) "اشعۃ اللمعات" کتاب الاطعمہ، الفصل ۲، تحت ر: ۴۲۲۸، ۳/۵۰۶۔

(٤) "كتاب الحجة".

(۵) "مرقاة المفاتيح" كتاب الأطعمة، تحت ر: ٤۲۲۸، ۸/ ۵۷.

والنار"(۱) واللہ تعالیٰ أعلم ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۶۶)

کسی عقیدۂ قطعیہ اجماعیہ اہلِ سنت کے خلاف اعتقاد رکھنے والا، ضرور ہر کبیرہ عمل سے بدتر کبیرہ کا مرتکب ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۶۶)

اہلِ سنت کے دو ۲ مسلک آیاتِ متشابہات میں ہیں

اہلِ سنت کے دو ۲ مسلک آیاتِ متشابہات میں ہیں:

(۱) سلف صالح کا مسلک تفویض کا ہے، ہم نہ ان کے معنی جانیں، نہ ان سے بحث کریں، جو کچھ ان کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے، وہ قطعاً مراد نہیں، اور جو کچھ ان کے رب عزّوجلّ کی مراد ہے، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ﴿ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ ﴾(۲)

(۲) دوسرا مسلک متاخرین کا، کہ حفظِ دینِ عوام کے لیے معنیٔ مُحال سے پھیر کر، کسی قریب معنیٔ صحیح کی طرف لے جائیں، مثلاً: اِستواء بمعنی اِستیلاء بھی آتا ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۶۷)

تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والثناء حیاتِ حقیقی دُنیاوی جسمانی سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے

عقیدہ: تمام انبیاء -علیہم الصلاۃ والثناء- حیاتِ حقیقی دنیاوی جسمانی سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے، ان کی موت صرف ایک آن کو ہوتی ہے، کہ نگاہِ عوام سے چھپ جاتے ہیں، اپنے مزاراتِ طیبہ میں نمازیں پڑھتے ہیں، کھانا تناول فرماتے ہیں، حج کو آتے ہیں، مجالس میں شریک ہوتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے۔ جو کہے کہ "وہ مرکر مٹی میں مل گئے" خبیث بددین ہے، اور خصوصاً خود حضور اقدس ﷺ پر اس کا اِفتراء کرے! کہ حضور نے فرمایا: "میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔ اس نے رسول اللہ ﷺ پر اِفتراء کر کے اور زیادہ لعنتِ الٰہی کا حصہ لیا۔

جو شخص انبیاء و اولیاء کے پکارنے پر شرک کہے، گستاخ ہے

عقیدہ: جو شخص انبیاء و اولیاء کے پکارنے پر شرک ثابت کرنے کو کہے کہ "اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا، کہ کچھ فائدہ و نقصان نہیں پہنچا سکتے، محض بے انصافی ہے"! کہ ایسے عظیم الشان مالک کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجیے؛ اس ناکارہ ابلیس کارہ نے انبیاء اللہ کو "ناکارے لوگ" کہہ کر ان کی شان میں گستاخی کی!!۔

شفاعت کے لیے تائب و نادِم ہو کر مرنا بھی اہلِ سنت کے نزدیک شرط نہیں

عقیدہ: شفاعت کے لیے تائب و نادِم ہو کر مرنا بھی اہلِ سنت کے نزدیک شرط نہیں۔ حدیث میں فرمایا: "ندامت توبہ ہے"۔ اور فرمایا: "توبہ کرنے والا گنہگار بے گناہ کے مثل ہے"۔ تو جو شخص شفاعت کی صرف یہ صورت گڑھے کہ "چور، چوری تو ثابت ہوگئی، مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں، قصور پر شرمندہ ہے، اور رات دن ڈرتا ہے، ایسے کی شفاعت ہوسکتی ہے"۔ حقیقۃً شفاعت کا منکر اور معتزلی بددین گمراہ ہے۔

---

(۱) "حاشية الطحطاوي على الدر المختار" كتاب الذبائح، ٤/ ١٥٣.

(۲) پ۳، آل عمران:۷۔

اہلِ سنّت کے نزدیک اللہ عزّوجل فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے، وہ جو چاہے کرے

عقیدہ: اہلِ سنّت کے نزدیک اللہ عزّوجل فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے، جو چاہے کرے، اس پر کسی طرح اعتراض نہیں ہو سکتا، اپنے نہ کسی فعل میں کسی سبب کی اسے حاجت ہے، ہزاروں کو بے شفاعت محض اپنی رحمت سے بخشے گا۔ تو جو شخص شفاعت کی بابت کرے کہ "بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے، مگر آئینِ بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا، کہیں لوگوں کے دل میں اس کے آئین کی قدر نہ گھٹ جائے، سو کوئی امیر و وزیر اس کی مرضی پاکر اس تقصیروار کی سفارش کرتا ہے، اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے، اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے، جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے، اس کے معنی یہی ہیں"، وہ جھوٹا کذّاب ہے! اللہ و رسول پر افتراء کرتا ہے! اللہ عزّوجل کو اپنی مراد پوری کرنے میں سبب کا پابند ٹھہراتا ہے! حیلہ گر ظاہری جھوٹا نام کر کے کام نکالنے والا بتاتا ہے! غرض وہ گمراہ، بددین، معتزلی ہے!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۲۰)

دینِ اسلام اور نزولِ قرآن مجید کا مقصود تین ۳ باتیں ہیں

تمہارا رب عزّوجل فرماتا ہے: ﴿ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴾[1] "اے نبی! بے شک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ، اور خوشخبری دیتا، اور ڈر سناتا؛ تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ! اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو! اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو!"۔

مسلمانو! دیکھو دینِ اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمہارا مولیٰ تبارک و تعالیٰ تین ۳ باتیں بتاتا ہے:

اوّل یہ کہ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔

دوم ۲ یہ کہ رسول اللہ کی تعظیم کریں۔

سوم ۳ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو! سب میں پہلے ایمان کو ذکر فرمایا، اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو، اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کی تعظیم کو؛ اس لیے کہ بغیر ایمان تعظیم بکار آمد نہیں، بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم، اور حضور پر سے دفعِ اعتراضاتِ کافرانِ لئیم میں تصنیفیں کر چکے، لکچر دے چکے، مگر جبکہ ایمان نہ لائے، کچھ مفید نہیں؛ کہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس ﷺ کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔ پھر جب تک نبی ﷺ کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادتِ الٰہی میں گزرے، سب بے کار و مردود ہے، بہتیرے جوگی اور راہب ترکِ دنیا کر کے، اپنے طور پر ذکر و عبادتِ الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں، بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لاالٰہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے، اور ضربیں لگاتے ہیں، مگر از آنجا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم نہیں، کیا فائدہ؟ اصلاً قابلِ قبول بارگاہِ الٰہی نہیں، اللہ عزّوجل

---

(1) پ۲۶، الفتح: ۸،۹۔

ایسوں ہی کو فرماتا ہے: ﴿ وَقَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ [1] "جو کچھ اعمال انہوں نے کیے تھے، ہم نے سب برباد کر دیے"۔ ایسوں ہی کو فرماتا ہے: ﴿ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِیَةً ﴾ [2] "عمل کریں، مشقتیں بھریں، اور بدلہ کیا ہوگا؟ یہ کہ بھڑکتی آگ میں بیٹھیں گے، والعیاذ باللہ تعالیٰ!۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم مدارِ ایمان ومدارِ نجات ومدارِ قبولِ اعمال ہے

مسلمانو! کہو: محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم مدارِ ایمان ومدارِ نجات ومدارِ قبولِ اعمال ہوئی یا نہیں؟! کہو ہوئی اور ضرور ہوئی!۔

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴾ [3] "اے نبی تم فرمادو! کہ اے لوگو! اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ، اور تمہاری کمائی کے مال، اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے، اور تمہاری پسند کے مکان، ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اللہ کے رسول، اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے، تو انتظار رکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب اُتارے! اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا!"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے دنیا جہان میں کوئی معزز، کوئی عزیز، کوئی مال، کوئی چیز، اللہ ورسول سے زیادہ محبوب ہو، وہ بارگاہِ الٰہی سے مردود ہے، اللہ اسے اپنی طرف راہ نہ دے گا، اسے عذابِ الٰہی کے انتظار میں رہنا چاہیے، والعیاذ باللہ تعالیٰ!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۸۸)

ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو ۲ باتیں ضروری ہیں:
تعظیمِ نبی ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو تمام جہاں پر مقدم ماننا

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿ الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾ [4] "کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں، کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیے جائیں گے، کہ ہم ایمان لائے، اور کیا ان کی آزمائش نہ ہوگی؟!"۔

یہ آیت مسلمانوں کو ہوشیار کر رہی ہے، کہ دیکھو کلمہ گوئی اور زبانی اِدّعائے مسلمانی پر تمہارا چھٹکارا نہ ہوگا، ہاں ہاں سنتے ہو! آزمائے جاؤ گے! آزمائش میں پورے نکلے تو مسلمان ٹھہرو گے! ہر شے کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو باتیں اس کے حقیقی وواقعی ہونے کو درکار ہیں، وہ اس میں ہیں یا نہیں؟ ابھی قرآن وحدیث ارشاد فرما چکے کہ ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو ۲ باتیں ضرور ہیں:

---

(۱) پ۱۸، فرقان: ۲۳۔
(۲) پ۲۹، مرسلات: ۳و۴۔
(۳) پ۱۰، توبہ: ۲۴۔
(۴) پ۲۰، عنکبوت: ۱و۲۔

(۱) محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم۔

(۲) اور محمد رسول اللہ کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم۔

تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے، کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کریں، اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے، فوراً ان سے الگ ہو جاؤ! دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو! ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ! پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت، مشیخیت، بزرگی، فضیلت، کو خطرے میں لاؤ! آخر یہ جو کچھ تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کی بنا پر تھا، جب یہ شخص انہی کی شان میں گستاخ ہوا، پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟! اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں! کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ عمامے نہیں باندھتے؟ اس کے نام وعلم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں! کیا بہتیرے پادری، بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے؟!۔

اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی، اس نے حضور سے گستاخی کی، اور تم نے اس سے دوستی نباہی، یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا، یا اسے برا کہنے پر برا مانا، یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پروائی منائی، یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی، تو للہ اب تم ہی انصاف کر لو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے؟! قرآن وحدیث نے جس پر حصولِ ایمان کا مدار رکھا تھا، اس سے کتنے دور نکل گئے؟!۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۸۹)

بے شک انبیاء ومرسلین واولیاء وعلماء سے مدد مانگی جاتی ہے، اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں

امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے "فتاوی" میں ہے: "سُئل عمّا يقعُ من العامّة من قولهم عند الشدائد: يا شيخ فُلان! ونحو ذلك من الاستغاثة بالأنبياء والمرسلين والصّالحين، وهل للمشايخ إغاثةٌ بعد موتهم أم لا؟ فأجاب بما نَصُّه: إنّ الاستغاثة بالأنبياء والمرسلين والأولياء والعلماء الصّالحين جائزةٌ، وللأنبياء وللرُّسل والأولياء والصّالحين إغاثةٌ بعد موتهم"...إلخ"[1]

یعنی "ان سے استفتاء ہوا، کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء ومرسلین واولیاء وصالحین سے فریاد کرتے، اور یا شیخ فلاں! (یا رسول اللہ! یا علی! یا شیخ عبد القادر جیلانی!) اور ان کی مثل کلمات کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیاء بعد انتقال کے بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا، کہ بے شک انبیاء ومرسلین واولیاء وعلماء سے مدد مانگی جائز ہے، اور وہ بعد

(۱) "فتاوی الرملي" في فروع الفقه الشافعي، مسائل شتى، ٤/ ٧٣٣.

انتقال بھی اِمداد فرماتے ہیں ...الخ۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۰۴)

مصیبت کے وقت یا رسولَ الله! یا علي! یا شیخ عبد القادر! کہنا یہ شرعاً جائز ہے؟

علامہ خیر الدین رَملی اُستاذ صاحبِ "دُرِّ مختار"، "فتاوی خیریہ" میں فرماتے ہیں: "قولھم: یا شیخ عبد القادر! فھو نداءٌ، فما الموجِبُ لحرمته؟"[1] "لوگوں کا کہنا کہ یاشیخ عبد القادر! یہ ایک نداء ہے، پھر اس کی حرمت کا سبب کیا ہے؟

سیّدی جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی اپنے "فتاوی" میں فرماتے ہیں: "سُئلتُ ممّن یقول في حال الشدائد: یا رسولَ الله! أو یا علي! أو یا شیخ عبد القادر! مثلاً، ھل ھو جائزٌ شرعاً أم لا؟ اجبتُ: نعم الاستغاثةُ بالأولیاء ونداؤُھم والتوسُّل بھم أمرٌ مشروعٌ، وشيءٌ مرغوبٌ، لا ینکِرہ إلّا مکابرٌ أو معاندٌ، وقد حرم برکة الأولیاء الکرام"[2] ...إلخ. یعنی "مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں، جو مصیبت کے وقت کہتا ہو: یا رسول الله! یا علي! یا شیخ عبد القادر! مثلاً، آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں اولیاء سے مدد مانگنی اور انہیں پکارنا، اور ان کے ساتھ توسّل کرنا شرع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے، جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم، یا صاحبِ عناد، اور بے شک وہ اولیائے کرام کی برکت سے محروم ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۰۹)

ایمان رسول اللہ ﷺ کی محبت سے مربوط ہے

اے عزیز! ایمان رسول اللہ ﷺ کی محبت سے مربوط ہے، اور آتشِ جاں سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط ہے، جو اِن سے محبت نہیں رکھتا، واللہ! کہ ایمان کی بُو اس کے مشام (ناک) تک نہ آئی، وہ خود فرماتے ہیں: «لا یؤمن أحدُکم حتّی أکونَ أحبَّ إلیه من والدِہ وولدِہ والنّاس أجمعین»[3] "تم میں سے کسی کو ایمان حاصل نہیں ہوتا، جب تک میں اس کے ماں باپ، اولاد، اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں"۔

اور آفتابِ نیم روز کی طرح روشن، کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشرِ فضائل وتکثیرِ مدائح میں مشغول رہتا ہے، اور جو بات اس کی خوبی اور تعریف کی سنتا ہے، کیسی خوشی اور طیبِ خاطر سے اظہار کرتا ہے، نہ کہ فضیلتوں کا مٹانا، اور شام وسحر کم اَوصاف کی فکر میں رہنا، کام دشمن کا ہے نہ کہ دوست کا۔

جانِ برادر! تُو نے کبھی سنا ہے کہ جس کو تجھ سے اُلفتِ صادقہ ہے، وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو؟! اور اس کے محو کی فکر میں رہے؟! اور پھر محبوب بھی کیسا؟ جانِ ایمان وکانِ اِحسان! جس کے جمالِ جہاں آراء کا نظیر کہیں نہ ملے گا! اور خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا! کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا! کیسا محبوب؟ جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لیے

(۱) "الفتاوی الخیریة" کتاب الکراھیة والاستحسان، ۲/ ۲۸۲.

(۲) "فتاوی جمال بن عبد الله بن عمر مکّي".

(۳) "صحیح البخاري" کتاب الإیمان، باب حب الرسول ﷺ، ۱/ ۷. "صحیح مسلم" کتاب الإیمان، باب وجوب محبة الرسول ﷺ، ۱/ ۴۹.

رحمت بیچارا کیسا محبوب ؟ جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھا لیا! کیسا محبوب ؟ جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا! تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک، اور لہو ولعب میں مشغول، اور وہ تمہاری بخشش کے لیے شب وروز گریاں وملول!۔
("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۷۰)

شب کہ اللہ عزوجل نے آسائش کے لیے بنائی، اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے، ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے، بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے، اور جو محتاج بے نوا ہے، اس کے بھی پاؤں دو گز کی کملی میں دراز ہیں، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ، اپنی راحت وآسائش کو چھوڑ کر، خواب وآرام سے منہ موڑ کر، جبینِ نیاز آستانۂ عزت پر رکھے ہے، کہ الٰہی! میری امت سیاہ کار ہے، درگزر فرما! اور ان کے تمام جسموں کو آتشِ دوزخ سے بچا!۔
("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۷۰)

مقدمۂ ایمانیہ کے تین ہی احتمال ہیں

اوّل: مقدمۂ ایمانیہ کا انکار کرو، اور اپنے خدا کا جہل مرکب میں گرفتار ہونا بھی جائز جانو! جب تو قیامت وحشر ونشر وجنت ونار جملہ سمعیات، اور خود اصلِ اصولِ دین لا إله إلّا الله پر ایمان کو استعفا دو! اور کھلے کافر بنو!۔

دوم ۲: اقرار کرو کہ مقدمۂ وہابیہ، یعنی دہلوی ضلیل کی دلیلِ ذلیل کا وہ شیطانی کلیہ مردود وملعون ومطرود تھا، ہیہات!! اول تو اُسے تمہارا دل کب گوارا کرے ع

أنّى لكم إلى الهدى تحويلُ　　قد أشرِبَ في القلوب إسماعيلُ

اور خدا کا دھرا اسی پر، براہ ناچاری اس کے انکار پر آؤ بھی تو تمہارا خصم کب مانے! وہ کہے گا: میرا استدلال اسی مقدمہ کی بنا پر الزامی تھا اور خصم جب دلیلِ الزامی قائم کرے، تو فریق کو اپنے مقدمۂ مسلّمہ سے پلٹ جانے کی گنجائش نہیں، کما صرّح[1] به العلماء الکرام۔ ورنہ کوئی دلیلِ الزامی قائم ہی نہ ہو سکے، ہمیشہ مغلوب کے لیے یہ بھاگنے کا راستہ کھلا ہے، کہ دلیل جس مقدمۂ مسلّمہ پر مبنی ہو، اس سے انحراف کر جائے، اور بالفرض وہ بھی درگزر کرے، تو کیا یہ اقرار نرے قول کی ضلالت پر اقتصار ہو گا؟ نہیں نہیں! صاف صاف کہنا پڑے گا، کہ امام الوہابیہ باری سُبّوح قُدّوس عزّ جلّ کو ایسی شنیع ناپاک گالی (کہ کروڑوں گالیوں پر مشتمل ہے) دے کر صریح ضالّ مضِلّ بے دین ہوا، اور تم اور فُلاں وفُلانی اس کے سارے معتقدین بھی اسی کی طرح گمراہ بددین ہو!۔

---

(۱) في "مسلَّم الثبوت" وشرحه "فواتح الرّحموت" للمولى بحر العلوم: "لو تمّ هذا لم يكن الدّليل الجَدَلِيّ مفيداً للإلزام أصلاً؛ إذ يمكن اعترافه بالخطاء في تسليم إحدى المسلّمات، ولم تكن القضايا المسلّمة من مقاطع البحث، والكل باطلٌ على ما تقرّر في محلّه، والحقّ أنّ المسلّمة كالمفروض في حكم الضروري، لا يصحّ إنكارُه، فإنكارُه أشدّ من الإلزام" ("فواتح الرّحموت" الأصل ٤: القياس، صـ٥٢٧) اهـ باختصار منه [أي: من الإمام أحمد رضا] رحمه الله.

سوم سوم: اگر ان دونوں سے فرار کرو، تو اب نہ رہا مگر یہ تیسرا، کہ ان سب نتائج کو جو تمھارے امام ہی کے گھر سے پیدا ہوئے، حق جانو، اور دہلوی اوّل[1] ودہلوی آخر[2] وگنگوہی ونانوتی وانبیٹھی وتھانوی ودیوبندی، اور خود اپنے آپ اور جملہ وہابیہ، اور سارے غیر مقلدین سب کو کافر مرتد، اور "تقویۃ الایمان" و"براہینِ قاطعہ" و"تحذیر الناس" و"معیار الحق" وغیرہ تمام تصانیف وہابیہ کو کفری قول اور پیشاب سے زیادہ نجس وبدمانو!۔

فرمایئے! ان میں کونسا آپ کو پسند ہے جسے اختیار کیجیے؟ اپنے اور اپنے امام سب کے کفرِ دَنی [حقیر] یا کم از کم گمراہی وبددینی کا اقرار کیجیے! کہو کچھ جواب فرماؤ گے؟! یا آج ہی سے ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ﴾[3] کا رنگ دکھاؤ گے؟! کیوں؟ هل ثوب الفُجّار ما كانوا يأفكون! والحمد لله ربّ العالمين! وصلّى الله تعالى على سيّدنا ومولانا محمّدٍ وآله وصحبه أجمعين، والله تعالى أعلم، وعلمُه -جلّ مجدُه- أتمّ وأحكم.

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۷)

مقامِ اوّل[4]

الله عزّوجل نے شریعت غرّاء، بیضاء، زہراء، عامّہ، تامّہ، کاملہ، شاملہ اُتار دی، اور بحمدہ تعالیٰ ہمارے لیے ہمارا دین کامل فرما دیا، اور اس کے کرم نے اپنے حبیب اکرم حضور پُر نور سید عالم ﷺ کے صدقہ میں اپنی نعمت ہم پر تمام فرما دی، قال الله تعالى: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[5] "آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا! اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی! اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند فرمایا!" والحمد لله ربّ العالمين! وصلّى الله تعالى على مَن به أنعمَ علينا في الدّنيا والدّين! وبه ينعم إن شاء الله تعالى في الآخِرة إلى أبد الآبدين!.

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۲۰)

عام اور نامقدور لوگوں کے لیے قرآن کریم کے دو مبارک قانون

الحمد للہ ہماری شریعتِ مطہّرہ کا کوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں، امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «حسبنا كتاب الله»[6] "ہمیں قرآن عظیم بس ہے"۔ مگر قرآن عظیم کا پورا سمجھنا، اور ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکال لینا عام کو نامقدور ہے؛ اس لیے قرآن کریم نے دو ۲ مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے:

---

(۱) اسماعیل۔

(۲) نذیر حسین۔

(۳) پ۲۳، صافات: ۲۵، ۲۶۔

(۴) اس سے قبل خطبہ وتمہید ہے، جس میں اِجمال پھر اس کے بعد تفصیل ہے، جو اگلی عبارات میں آرہی ہے۔

(۵) پ۶، مائدہ: ۳۔

(٦) "صحيح البخاري" كتاب العلم، باب كتابة العلم، ١/ ٢٢.

Ataunnabi.com

اوّل: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ﴾[1] "جو کچھ رسول تمھیں دیں وہ لو! اور جس سے منع فرمائیں باز رہو!"۔

اقول: "لو" صیغہ امر کا ہے، اور امر وجوب کے لیے ہے، تو پہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی، اور "باز رہو" نہی ہے، اور نہی منع فرماتا ہے، یہ دوسری قسم ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ کہ اگرچہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾[2] "اے محبوب! ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں ہر شے ہر چیز ہر موجود کا روشن بیان ہے"۔

مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی، ولہذا فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾[3] "اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا؛ کہ تم لوگوں کے لیے بیان فرما دو جو کچھ ان کی طرف اترا ہے"۔ یعنی اے محبوب! تم پر تو قرآن حمید نے ہر چیز روشن فرما دی، اس میں جس قدر امت کے بتانے کو ہے، وہ تم ان پر روشن فرما دو! لہذا کریمۂ اولیٰ میں ﴿نَزَّلْنَا عَلَيْكَ﴾ فرمایا، جو خاص حضور کی نسبت ہے، اور کریمۂ ثانیہ میں ﴿مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ فرمایا، جو نسبت بامت ہے۔

دوم: ﴿فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[4][5][6] "علم والوں سے پوچھو جو تمھیں نہ معلوم ہو!"۔

حوادث غیر متناہی ہیں، احادیث میں ہر جزئیہ کے لیے نام بنام تصریحِ احکام اگر فرمائی بھی جاتی، ان کا حفظ وضبط نامقدور ہوتا، پھر جو مدارجِ عالیہ مجتہدانِ امت کے لیے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے، وہ نہ ملتے، نیز اختلافاتِ ائمہ کی رحمت و وسعت نصیب نہ ہوتی۔ لہذا احادیث نے بھی جزئیاتِ معدودہ سے کلیاتِ حاویہ مسائلِ نامحدودہ کی طرف اشعار فرمایا، اس کی تفصیل وتفریع وتاصیل مجتہدین کرام نے فرمائی، اور احاطہ[7] تصریحِ جزئیات کے تعذر نے یہاں بھی حاجتِ ایضاحِ مشکل وتفصیل

---

(۱) پ۲۸، حشر: ۷۔
(۲) پ۱۴، نحل: ۸۹۔
(۳) پ۱۴، نحل: ۴۴۔
(۴) پ۱۴، نحل: ۴۳۔
(۵) اس آیۂ کریمہ کے متصل ہی کریمۂ ثانیہ ہے: ﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ﴾ ...الآية.
(۶) مصنف نے یہاں "معالم التنزیل" کے حاشیہ پر تحریر فرمایا: أقول: هذا من محاسن نظم القرآن العظيم، أمر الناس أن يسألوا أهل العلم بالقرآن العظيم، وأرشد العلماء أن لا يعتمدوا على أذهانهم في فهم القرآن، بل يرجعوا إلى ما بيّن لهم النبيّ ﷺ فردّ الناس إلى العلماء، والعلماء إلى الحديث، والحديث إلى القرآن، وإنّ إلى ربّك المنتهى، فكما أن المجتهدين لو تركوا الحديث ورجعوا إلى القرآن لضلّوا، كذلك العامّة لو تركوا المجتهدين ورجعوا إلى الحديث لضلّوا، ولذا قال الإمام سفيان بن عيينة أحدُ أئمة الحديث، قريب زمن الإمام الأعظم والإمام مالك رضي الله عنهما: "الحديث مضلّة إلّا للفقهاء"، نقله عنهم الإمام ابن الحاج المكي في "المدخل".
("تعليقات المؤلف على معالم التنزيل" تحت الآية: ۶۱/ ۴۳، ۴۴).
(۷) حوادث کا پیدا ہونا ہے، ہر لحظہ ان کے احکام کا ادراک یہ کہ جو ہر بات ہے کہ [illegible] مجتہدین کی سند لاؤ یا امام ابو حنیفہ کا قول [illegible]۔

مجمل و تقیید مرسَل باقی رکھی، جو قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً مشایخ کرام وعلمائے اَعلام کرتے چلے آئے، ہر زمانہ کے حوادث تازہ کے اَحکام اس زمانے کے علمائے کرام، حاملانِ فقہ وحامیانِ اسلام نے بیان فرمائے، اور یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف راجع ہوئے اور ہوتے رہیں گے، حتى يأتِيَ أمرُ الله، وهُم على ذلك!. ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۳۰)

نو پید مسائل میں اس زمانہ کے مستند علماء کی سند کافی ہے

"در مختار" میں ہے: "ولا يخلو الوجود عمّن يميّز هذا حقيقةً لا ظنّاً، وعلى مَن لم يميّز أن يرجع لمن يميّز لبراءة ذمّته"[1] "زمانہ ان لوگوں سے خالی نہ ہوگا، جو یقینی طور پر، نہ کہ محض گمان سے، اس کی تمیز رکھیں، اور جسے اس کی تمیز نہ ہو، اس پر واجب ہے کہ تمیز والے کی طرف رجوع کرے؛ کہ بریُ الذمّہ ہو"۔

"ردالمحتار" میں ہے: "جزم بذلك أخذاً ممّا رواه البخاري من قوله ﷺ: «لا تزال طائفةٌ من أمّتي ظاهرين على الحقّ، حتّى يأتِيَ أمرُ الله». (قوله: وعلى مَن لم يميّز) عبّر بـ"على" المفيدة للوجوب؛ للأمر به في قوله تعالى: ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾"[2] "شارح علّامہ نے اس پر جزم فرمایا، اس حدیث سے لے کر جو "صحیح بخاری" میں ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ غلبہ کے ساتھ حق پر رہے گا، یہاں تک کہ حکم الٰہی آئے"، اور جسے اس کی تمیز نہ ہو، اس پر علماء کی طرف رجوع لانے کو اس لیے واجب کہا؛ کہ قرآن عظیم میں اس کا حکم فرمایا ہے، کہ علماء سے پوچھو اگر تمہیں نہ معلوم ہو!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۵۶۱، ۵۶۲)

ہر طبقۂ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے

امام عارف باللہ سیّدی عبد الوہّاب شعرانی -قدّس سرّہ الربّانی- کتاب مستطاب "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں: "ما فصّل عالمٌ ما أجملَ في كلام مَن قبلَه من الأدوار، إلّا للنّور المتّصل من الشّارع ﷺ، فالمنّةُ في ذلك حقيقةً لرسول الله ﷺ الذي هو صاحبُ الشّرع؛ لأنّه هو الذي أعطى العلماءَ تلك المادّةَ التي فصّلوا بها ما أجملَ في كلامه، كما أنّ المنّةَ بعده لكلّ دَورٍ على مَن تحته، فلو قدر أنّ أهلَ دَورٍ تعدوا من فوقهم إلى الدَّور الذي قبلَه، لانقطعتْ وصلتُهم بالشّارع، ولم يهتدوا لإيضاح مشكِلٍ ولا تفصيل مجمَلٍ، وتأمّل يا أخي! لو لا أنّ رسولَ الله ﷺ فصّل بشريعته ما أجملَ في القرآن، لبقِيَ القرآنُ على إجماله، كما أنّ الأئمةَ المجتهدين لو لم يفصّلوا ما أجملَ في السنّة، لبقيتْ السنّةُ على إجمالها، وهكذا إلى عصرنا هذا، فلو لا أنّ حقيقةَ الإجمال ساريةٌ في العالَم كلّه، ما شرحتْ الكتبُ ولا ترجمتْ من لسانٍ إلى لسانٍ، ولا وضع العلماءُ على الشّروح حواشي كالشّروح للشّروح"[3].

(۱) "الدرّ المختار" مقدّمة الكتاب، ۱/ ۱۵.

(۲) "ردّ المحتار" مقدّمة الكتاب، ۱/ ۵۳.

(۳) "ميزان الشريعة الكبرى" فصل وممّا يدلك على صحة ارتباط جميع أقوام علماء الشريعة ...إلخ، ۱/ ۳۷.

ترجمہ: "جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانے کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے، وہ اسی نور سے ہے جو صاحب شریعت ﷺ سے اسے ملا۔ تو حقیقت میں رسول اللہ ﷺ ہی کا تمام امت پر احسان ہے، انہوں نے علماء کو یہ استعداد عطا فرمائی، جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔ یونہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے، اگر فرض کیا جائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے، تو شارع علیہ السلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے وہ کٹ جائے گا، اور یہ کسی مشکل کی توضیح، مجمل کی تفصیل پر قادر نہ ہوں گے۔ برادرم! غور کر، اگر رسول اللہ ﷺ اپنی شریعت سے مجملاتِ قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے، قرآن عظیم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے، حدیث یونہی مجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک۔ تو اگر یہ نہیں کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کیے ہوئے ہے، تو نہ متون کی شرحیں لکھی جاتیں، نہ ترجمے ہوتے، نہ علماء شرحوں کی شرحیں اور حواشی لکھتے"۔

اب یہیں دیکھیے! کہ کتب ظاہر الروایۃ ونوادر ائمہ تھیں، پھر کتب نوازل وواقعات تصنیف فرمائی گئیں، پھر متون وشروح وحواشی وفتاوی وقتاً فوقتاً تصنیف ہوتے رہے، اور ہر آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافہ کیے، اور مقبول ہوتے رہے، کہ سب اسی اجمالِ قرآن وسنت کی تفصیل ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۳۱)

نو پید مسائل میں کوئی صحابی یا حدیث سے صریح دلیل طلب کرے، وہ احمق ہے

"نصاب الاحتساب" و"فتاوی عالمگیری" زمانۂ سلطان عالمگیر -اَنارَ اللّٰہُ تعالی بُرہانہ- کی تصنیف ہیں، ان میں بہت ان جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتبِ سابقہ میں نہیں؛ کہ وہ جب تک واقع ہی نہ ہوئے تھے، اور کتبِ نوازل وواقعات کا تو موضوع ہی حوادثِ جدیدہ کے اَحکام بیان فرمانا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ وتابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ! یا خاص امام اعظم وصاحبین کا نص لاؤ! تو وہ احمق مجنون یا گمراہ مفتون ہے۔

پھر "عالمگیری" کے بھی بہت بعد اَب قریب زمانہ کی کتابیں "فتاوی اسعدیہ" و"فتاوی حامدیہ" و"طحطاوی علی الدّر" و"طحطاوی علی مراقی الفلاح" و"عقود الدُریہ" و"ردّ المحتار" و"رسائل شامی" وغیرہا کتبِ معتمدہ ہیں، کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہو رہا ہے، دو ۲ اوّل کے سوا یہ سب تیرہویں صدی کی تصنیف ہیں، مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں، ان میں صدہا وہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے، اور مانعین کے یہاں تو "فتاوی شاہ عبدالعزیز صاحب" بلکہ "مائۃ مسائل" و"اربعین" تک پر اعتماد ہو رہا ہے! کیا "مائۃ مسائل" و"اربعین" کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ وتابعین وائمہ تو بہت بالا ہیں، "عالمگیری" و"ردالمحتار" تک کہیں دکھا سکتے ہیں؟! اب ان کے بعد بھی ریل، تار برقی، نوٹ، منی آرڈر، فونوگراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے، اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ وتابعین یا امام ابو حنیفہ، یا یہ نہ سہی، "ہدایہ" یا "در مختار"، یا یہ بھی نہ سہی، "عالمگیری" و"طحطاوی" و"ردّ المحتار"، یا یہ سب جانے دو، شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ! تو اسے مجنون سے بہتر اور کیا لفظ کہا جا سکتا ہے؟! ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جُدا ہے، کہ اپنے آپ تو تیرہویں صدی کی اربعین تک معتبر جانیں، اور دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ وتابعین کی سند مانگیں!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۳۱)

خطبہ میں ذکر حرمین شریفین اور خلفائے راشدین کا ذکر بدعت حسنہ ہے

خطبہ[1] میں ذکرِ عمّین شریفین حادث ہے، مگر جب سے حادث ہے علماء نے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی، "درّ مختار" میں ہے: "یندب ذكرُ الخلفاء الرّاشدين والعمّين"[2] "خطبہ میں چاروں خلفائے کرام اور دونوں عم کریم سید الانام -علیہ ثم علیہم الصلاۃ والسلام- کا ذکر فرمانا مستحب ہے"۔ اور حضرت شیخ مجدّد الف ثانی صاحب نے تو ایک خطیب پر اپنے مکتوبات میں اس لیے کہ اس نے ایک خطبہ میں خلفائے کرام کا ذکر نہ کیا تھا، سخت نکیر فرمائی، اور اسے خبیث تک لکھا۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۳۲)

اذان کے بعد صلاۃ وسلام پڑھنا

اذان کے بعد حضور اقدس ﷺ پر صلاۃ وسلام عرض کرنا، جس طرح حرمین طیبین میں رائج ہے۔ "درمختار" میں فرمایا: "التّسليم بعد الأذان حدثَ في ربيع الآخِر، سنة سبعمئة وإحدى وثمانين في عشاء ليلة الاثنين ثمّ يوم الجمعة، ثمّ بعد عشر سنين حدثَ في الكلّ، إلّا المغرب، ثمّ فيها مرّتين، وهو بدعةٌ حسَنةٌ"[3] "اذان کے بعد صلاۃ بھیجنا، ربیع الآخر ۷۸۱ھ کی عشاء، شب دوشنبہ میں حادث ہوا، پھر اذانِ جمعہ کے بعد بھی صلاۃ کہی گئی، پھر دس ۱۰ برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد، پھر مغرب میں بھی دوبار کہنی شروع ہوئی، اور یہ ان نوپیدا باتوں سے ہے جو شرعاً مستحب ہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۳۲)

جو مسئلہ جس زمانہ میں پیدا ہو، اسی زمانہ کے علماء سے تصریح مانگی جائے

کتب میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے، اسی وقت کے علمائے معتمدین سے ان کے جزئیہ کی تصریح مل سکتی ہے، مجلسِ میلاد مبارک وقیام کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے، مگر صحابہ وتابعین وائمۂ مجتہدین کے کلام میں، ان کے نام کی تصریح مانگنی اسی جنون پر مبنی ہوگی، ان پر انہیں علمائے کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا، جن کے زمانے میں ان کا وجود تھا، جیسے مجلسِ مبارک کے لیے امام حافظ الشان ابن حجر عَسقلانی، وامام خاتم الحفاظ جلال الدّین سُیوطی، وامام خطیب احمد قسطلانی وغیرہم اکابر -رحمہم اللہ تعالی- جن کے نام وکلام کی تصریح بار بار کر دی گئی۔ یونہی مسئلۂ قیام میں ان علمائے کرام کی سند لی جائے گی جن کا ذکر شریف آتا ہے، وبالله التوفيق!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۳۲)

غیر مقلدین کا قرآن "تقویۃ الایمان" ہے، اور وہ صرف اسی کی مانتے ہیں

بحمد اللہ تعالی مُوافقین اہلِ حق وانصاف ودین کے لیے یہ کافی ہوگا۔ رہا مخالفین کا نہ ماننا، ان کی پروا کیا! وہ اور ہی کے مانتے ہیں؟ کہ ان علمائے کرام کو مانیں! ان کے غیر مقلدین تو علانیہ امام اعظم وجملہ ائمۂ دین پر منہ آتے، اور اپنے مہمل

---

(۱) بعض ان باتوں کا بیان، کہ حادث ہو کر مستحب ٹھہریں۔
(۲) "الدّر المختار" كتاب الصلاة، باب الجمعة، ۱/ ۱۱۱.
(۳) "الدّر المختار" كتاب الصّلاة، باب الجمعة، ۱/ ٦٤.

اَوہام واَوہام کے آگے ان کے اجتہاداتِ عالیہ کو باطل بتاتے، اور ان کے ماننے والوں کو (معاذاللہ) مشرک وگمراہ بتاتے ہیں، جو ان میں بظاہر نامِ تقلید لیتے ہیں، وہ بھی غیر مقلدین کی طرح، اپنے اَہوائے باطلہ کے سامنے، قرآن وحدیث کی تو سنتے نہیں، پھر ائمہ کی کیا گنتی؟! اُن کے منہ سے تقلیدِ امام، اور ان سب کے منہ سے قرآن وحدیث کا نام محض برائے تسکینِ عوام ہے؛ کہ کھلا منکِر نہ جان لیں! ورنہ حالت وہ ہے جو اُن کے مذہبی قرآن "تقویۃ الایمان" سے ظاہر ہے، جو کہے: "اللہ ورسول نے دولتمند کر دیا" وہ مشرک ہے"[1]، حالانکہ خود قرآن عظیم فرماتا ہے: ﴿أَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾[2] "اللہ ورسول نے انہیں دولتمند کر دیا اپنے فضل سے"۔

محمد بخش، احمد بخش نام رکھنا شرک، حالانکہ خود قرآن حمید فرماتا ہے کہ جبریل امین -علیہ الصلاۃ والتسلیم- جب حضرت سیدتنا مریم کے پاس آئے، کیا کہا؟ یہ کہ ﴿إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾[3] "میں تمہارے رب کا رسول ہوں؛ اس لیے کہ میں تم کو ستھرا بیٹا دُوں"۔

صرف محمد بخش نام شرک ہوا! حالانکہ وہ معنیٔ عطا میں متعیّن بھی نہیں، بخش بہرہ وحصّہ کو بھی کہتے ہیں، تو جبریل کہ صریح لفظوں میں اپنا بیٹا دینا کہہ رہے ہیں، دینِ اسماعیلی میں کیسے مشرک نہ ہوں گے؟! اور قرآن عظیم کہ اس شرکِ وہابیت کو ذکر فرما کر مقرّر رکھتا ہے، کیوں نہ اسے شرک پسند کتاب ٹھہرائیں گے؟! اس کی مثالیں بہت ہیں کہ وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ، نہ صحابہ، نہ انبیاء، نہ جبریل، نہ خود رب العالمین۔ جلّ وعلا، وصلی اللہ تعالی علی الحبیب وعلیہم وسلّم۔

یہ بحث فقیر کے اَور رسائل[4] میں مفصّل ملے گی، یہاں تو اتنا کہنا کافی ہے، کہ مخالفین کی نہ ماننے کی پروا کیا ہے؟! انہوں نے اَور کسے مانا ہے کہ علماء ہی کو مانیں گے؟! لہٰذا اس مقامِ اوّل میں رُوئے سخن مُوافقین اہلِ حق ویقین کی طرف کریں، واللهُ الموفّق والمعين، وبه نستعين، وصلّى اللهُ تعالى على سيّدنا محمدٍ وآله وصحبه وابنه وحزبه أجمعين، آمين! مولی عزّوجلّ توفیق دے تو یہاں منصِف غیر متعسف کے لیے اسی قدر کافی ہے، کہ یہ فعل مبارک، اَعنی قیام وقتِ ذکرِ ولادتِ حضور خیر الاَنام -علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ والسلام- صدہا سال سے بلادِ دار الاسلام میں رائج ومعمول ہے، اور اکابر ائمہ وعلماء میں مقرّر ومقبول ہے، شرع میں اس سے منع مفقود ہے، اور بے منعِ شرع منع مردود ہے، ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾[5] «وإنّما الحرامُ ما حرّم اللهُ في كتابه، وما سكتَ عنه فهو ممّا عفَا عنه»[6].

(۱) "تقویۃ الایمان" پہلا باب توحید وشرک، ص۲۲ ملخصاً۔

(۲) پ۱۰، توبہ: ۷۴۔

(۳) پ۱۶، مریم: ۱۹۔

(۴) خصوصاً کتاب مستطاب "إكمال الطامّة على شركٍ سُوّيَ بالأمور العامّة". مصحّح.

(۵) پ۷، انعام: ۵۷۔

(٦) "سنن الترمذي" أبواب اللباس، باب ما جاء في لبس الفراء، ١/ ٢٠٦. "سنن ابن ماجه" أبواب الأطعمة باب أكل الجبن والسمن، صـ ٢٤٩. "مستدرَك الحاكم" كتاب الأطعمة، ٤/ ١١٥.

Ataunnabi.com

علی الخصوص حرمین طیبین تک معظمہ و مدینہ منورہ۔ صلی اللہ تعالی علی منوّرھما وبارك وسلّم۔ کہ مہبط و مرجع دین و ایمان ہیں، وہاں کے اکابر علماء و مفتیانِ مذاہبِ اربعہ نے تہا مدت سے اس فعل کے فاعل و عامل و قائل و قابل ہیں، ائمہ معتمدین نے اسے حرام نہ فرمایا، بلکہ بالاشبہ مستحب و مستحسن ٹھہرایا۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۲۴۳)

کتبِ علماء سے قیام کا ثبوت

عبارت ۱: علامہ جلیل الشان علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرتِ مبارکہ "انسانُ العیون" میں تصریح فرمائی کہ یہ قیام بدعتِ حسنہ ہے، اور ارشاد فرماتے ہیں: "قد وجد القيامُ عند ذكر اسمه ﷺ من عالم الأمّة ومقتدى الأئمة ديناً وورعاً، تقي الدين السُّبكي رحمه الله، وتابعه على ذلك مشايخُ الإسلام في عصره، فقد حكى بعضهم أنّ الإمامَ السُّبكي اجتمع عنده جمع كثير من علماء عصره، فأنشدَ فيه قولَ الصرصري في مدحه ﷺ:

قليلٌ لمدح المصطفى الخطُّ بالذهب — على ورقٍ من خطّ أحسنِ مَن كتب

وأن تنهضَ الأشرافُ عند سماعه — قياماً صُفوفاً أو جثياً على الرّكب

فعند ذلك قام الإمامُ السُّبكي وجميعُ مَن في المجلس، فحصلَ أُنسٌ كبيرٌ بذلك المجلس، ويكفي مثلُ ذلك في الاقتداء"[۱]۔

بے شک وقتِ ذکرِ نامِ پاکِ حضور سید الانام۔علیہ افضل الصلاۃ والسلام۔قیام کرنا، امام تقی الملّۃ والدّین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے پایا گیا، جو امتِ مرحومہ کے عالم، اور دین وتقوی میں اماموں کے امام ہیں، اور اس قیام پر ان کے معاصرین ائمہ کرام مشائخ الاسلام نے ان کی متابعت کی، بعض علماء یعنی انہیں امام اجل کے صاحبزادے امام شیخ الاسلام ابو نصر عبد الوہاب ابن ابی الحسن تقی الملّۃ والدّین سبکی نے "طبقاتِ کبریٰ" میں نقل فرمایا، کہ امام سبکی کے حضور ایک جماعت کثیر اس زمانہ کے علماء کی مجتمع ہوئی، اس مجلس میں کسی نے امام صرصری کے یہ اشعار نعت حضور سید الابرار ﷺ میں پڑھے، جن کا خلاصہ یہ ہے، کہ مدحِ مصطفی ﷺ کے لیے یہ بھی تھوڑا ہے، کہ جو سب سے اچھا خوشنویس ہو، اس کے ہاتھ سے چاندی کے پتر پر سونے کے پانی سے لکھی جائے، اور جو لوگ شرف دینی رکھتے ہیں، وہ ان کی نعت سُن کر صف باندھ کر سر وقد، یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں۔ ان اشعار کے سنتے ہی حضرت امام سبکی و جملہ علمائے کرام حاضرینِ مجلس مبارک نے قیام فرمایا، اور اس کی وجہ سے مجلس میں نہایت اُنس حاصل ہوا۔ علامۂ جلیل حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس قدر پیروی کے لیے کفایت کرتا ہے، انتہی۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۴۳۵)

---

[۱] إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون" باب تسميته ﷺ محمّدًا وأحمد، ۱/ ۸٤.

میلادی محافل حرمین شریفین میں بھی رائج تھیں

عبارت ۲: عالم کامل عارف باللہ سید سند مولانا سید جعفر برزنجی -قُدِّس سِرُّہ العزیز- جن کا رسالہ "عقد الجوهر في مولد النبي الأزهر ﷺ" حرمین محترمین ودیگر بلاد دار الاسلام میں رائج ہے، اور مستند مانعین مولانا رفیع الدین نے "تاریخ الحرمین" میں اس رسالے، اور ان مصنف جلیل القدر کی نہایت مدح وثنا لکھی ہے، اپنے اسی رسالۂ مبارکہ میں فرماتے ہیں: "قد استحسن القيامَ عند ذكر مولده الشريف أئمةٌ ذوُو روايةٍ ودراية، فطوبى لمن كان تعظيمُه ﷺ غايةَ مرامه ومرماه"(۱) "بے شک نبی ﷺ کے ذکرِ ولادت کے وقت قیام کرنا، اُن اماموں نے مستحسن سمجھا ہے، جو صاحبِ روایت ودرایت تھے، تو شادمانی ہے اس کے لیے جس کی نہایت مراد ومقصود نبی ﷺ کی تعظیم ہے"۔

عبارت ۳: فاضل اجل سیدی جعفر بن اسماعیل بن زین العابدین علوی مدنی نے اس کی شرح "الكوكب الأزهر على عقد الجوهر" میں اس مضمون پر تقریر فرمائی۔

عبارت ۴: فقیہ محدّث مولانا عثمان بن حسن دمیاطی اپنے رسالہ "اثبات قیام" میں فرماتے ہیں: "القيام عند ذكر ولادة سيد المرسلين ﷺ أمرٌ لا شكَّ في استحبابه واستحسانه وندبه، يحصل لفاعله من الثواب الأوفر، والخير الأكبر؛ لأنّه تعظيم، أي: تعظيمٌ للنبي الكريم ذي الخُلُق العظيم، الذي أخرجَنا اللهُ به من ظُلُمات الكُفر إلى الإيمان، وخلّصنا اللهُ به من نار الجهل إلى جنّات المَعارف والإيقان، فتعظيمُه ﷺ فيه مُسارعةٌ إلى رضاءِ ربِّ العالمين، وإظهار أقوى شَعائر الدّين، ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾"(۲). ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۳۵)

جو تعظیم کرے شعائرِ خدا کی، تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے

قراءتِ مولد شریف میں ذکرِ ولادتِ سید المرسلین ﷺ کے وقت، حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کو قیام کرنا، بے شک مستحب ومستحسن ہے، جس کے فاعل کو ثوابِ کثیر وفضلِ کبیر حاصل ہوگا؛ کہ وہ تعظیم ہے، اور کیسی ہے تعظیم؟ اُن نبی کریم صاحب خُلقِ عظیم -علیہ الصلاۃ والتسلیم- کی، جن کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالی ہمیں ظلماتِ کفر سے نورِ ایمان کی طرف لایا، اور ان کے سبب ہمیں دوزخِ جہل سے بچا کر، بہشتِ معرفت ویقین میں داخل فرمایا، تو حضور اقدس ﷺ کی تعظیم میں خوشنودیٔ رب العالمین کی طرف دَوڑنا ہے، اور قوی ترین شعائرِ دین کا آشکارا ہونا ہے، اور جو تعظیم کرے شعائرِ خدا کی، تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے، اور جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی، تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۳۵)

---

(۱) "عقد الجوهر في مولد النبي الأزهر" (مترجم بالأروية)، صـ۲۵، ۲٦.
(۲) "إثبات القيام".

بے شک قیام تو بدعت ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ ہر بدعت بُری نہیں ہوتی

عبارت۵: پھر بعد نقل دلائل فرمایا:

یعنی ان سب دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر ولادت شریف کے وقت قیام مستحب ہے؛ کہ اس میں نبی ﷺ کی تعظیم ہے کوئی یہ نہ کہے کہ یہ قیام تو بدعت ہے، اس لیے کہ ہم کہتے ہیں: ہر بدعت بُری نہیں ہوتی، جیسا کہ یہی جواب دیا امام محقق ولی ابو ذرعہ عراقی نے، جب ان سے میلاد کو پوچھا گیا تھا، کہ مستحب ہے یا مکروہ؟ اور اس میں کچھ وارد ہوا ہے، یا کسی پیشوا نے کی ہے؟ تو جواب میں فرمایا: ولیمہ اور کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے، پھر اس صورت میں کیا پوچھنا جب اس کے ساتھ اس ماہ مبارک میں ظہور نور نبوت کی خوشی مل جائے! اور ہمیں یہ امر سلف سے معلوم نہیں، نہ بدعت ہونے سے کراہت لازم، کہ بہتیری بدعتیں مستحب، بلکہ واجب ہوتی ہیں، جب ان کے ساتھ کوئی خرابی مضموم نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے!۔

اُمتِ مصطفی ﷺ سے اہلِ سنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہے کہ قیامِ میلاد مستحسن ہے

عبارت۶: پھر ارشاد فرماتے ہیں: "قد اجتمعت الأمّةُ المحمديّة من أهل السنّة والجماعة، على استحسان القيام المذكور، وقد قال ﷺ: «لا تجتمع أمّتي على الضلالة» "بے شک امتِ مصطفی ﷺ سے اہل سنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہے، کہ یہ قیام مستحسن ہے، اور بے شک نبی ﷺ فرماتے ہیں، کہ "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی"۔

جب مدح خواں ذکرِ میلادِ حضور اقدس ﷺ تک پہنچتا ہے تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہ بدعتِ مستحبہ ہے

عبارت۷: امام علّامہ مدابغی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جرتْ عادةُ القوم بقيام النّاس، إذا انتهى المدّاحُ إلى ذكر مولدِه ﷺ، وهي بدعةٌ مستحبة؛ لما فيه من إظهار السُّرور والتعظيم ...إلخ، نقلَه المولى الدّمياطي" یعنی "عادت قوم کی جاری ہے، کہ جب مدح خواں ذکرِ میلادِ حضور اقدس ﷺ تک پہنچتا ہے، تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہ بدعتِ مستحبہ ہے؛ کہ اس میں نبی ﷺ کی پیدائش پر خوشی، اور حضور کی تعظیم کا اظہار ہے۔

عبارت۸: علّامہ ابو زید رسالہ "میلاد" میں لکھتے ہیں: "استحسن القيام عند ذكر الولادة" "ذکرِ ولادت کے وقت قیام مستحسن ہے"۔

سابقہ صدی ہجری میں مکّہ مکرمہ کے مشہور عالم احمد زَینی دَحلان رحمۃ اللہ علیہ نے میلاد اور اس میں قیام وتقسیم طعام کو نیکی کی بات فرمایا

عبارت۹: خاتمۃ المحدثین، زین الحرم، عین الکرم، مولانا سید احمد زَینی دَحلان مکی۔قدّس سرُہ الملکی۔اپنی کتاب مستطاب "الدُّرر السَنيّة في الرَدّ على الوهابية" میں فرماتے ہیں: یعنی "نبی ﷺ کی تعظیم سے حضور کی شبِ ولادت کی خوشی کرنا، اور مولد شریف پڑھنا، اور ذکر ولادت اقدس کے وقت کھڑا ہونا، اور مجلس شریف میں حاضرین کو کھانا دینا، اور ان

نیکی کی باتیں کہ مسلمانوں میں رائج ہیں، کہ یہ سب نبی ﷺ کی تعظیم سے ہیں، اور یہ مسئلہ مجلس میلاد اور اس کے سوا اور متعلقات کا ایسا ہے جس میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں، اور بکثرت علمائے دین نے اس کا اہتمام فرمایا، اور دلائل و براہین سے بھری ہوئی کتابیں اس میں تالیف فرمائیں، تو ہمیں اس مسئلہ میں تطویلِ کلام کی حاجت نہیں!"۔

عبارت ۱۰: شيخ مشايخنا، خاتمة المحققين، إمام العلماء، سيد المدرّسين، مفتي الحنفية بمكة المحمية، سيدنا وبركتنا، علامہ جمال بن عبد اللہ بن عمر کی اپنے "فتاوی" میں ارشاد فرماتے ہیں: "القيام عند ذكر مولده الأعطر ﷺ، استحسنه جمعٌ من السلف، فهو بدعةٌ حسنة" "ذکر مولد اعطر حضور انور ﷺ کے وقت، قیام کو ایک جماعت سلف نے مستحسن کہا، تو وہ بدعتِ حسنہ ہے۔

عبارت ۱۱: پھر علامہ انباری کی "مورد الظمآن" سے نقل فرماتے ہیں: "قام الإمام السُّبكي وجميعُ مَن بالمجلس، وكفى بمثل ذلك في الاقتداء" اهـ ملخصاً. "امام سبکی اور تمام حاضرینِ مجلس نے قیام کیا، اور اس قدر اقتداء کے لیے بس ہے"۔

میلاد، قیام، قرآن، طعام، گھر سجانا وغیرہ امور کا انکار وہی کرے گا جو بدعتی ہے اس کی بات نہیں سننی چاہیے، بلکہ حاکمِ اسلام پر واجب ہے کہ اُسے سزا دے!

آخر "روضۃ النعیم" میں جو فتاوائے علمائے کرام مطبوع ہوئے، ان میں فتاوائے حضرات علمائے مدینۂ منورہ میں بعد اثباتِ حُسن و خوبیِ محفلِ میلاد شریف مذکور ہے:

یعنی خلاصۂ مقصود یہ ہے کہ میلاد شریف میں ولیمے کرنا، اور حالِ ولادت مسلمانوں کو سنانا، اور خیرات و مبرّات بجا لانا، اور ذکرِ ولادتِ رسول امین ﷺ کے وقت قیام کرنا، اور گلاب چھڑکنا، اور خوشبوئیں سُلگانا، اور مکان آراستہ کرنا، اور کچھ قرآن پڑھنا، اور نبی ﷺ پر درود بھیجنا، اور فرحت و سُرور کا ظاہر کرنا، بے شک بدعتِ حسنہ مستحبہ اور فضیلت شریفہ مستحسنہ ہے؛ کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی، بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے، جیسے گمراہ فرقوں کے رَد کے لیے دلائل قائم کرنا، اور نحو وغیرہ وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن و حدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں۔ اور کبھی مستحب ہوتی ہے، جیسے سرائیں اور مدرسے بنانا۔ کبھی مُباح، جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا، جیسا کہ علامہ مُناوی نے "شرح جامع صغیر" میں "تہذیب" امام علامہ نووی سے نقل کیا۔ تو اِن اُمور کا انکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا، اس کی بات سننا نہ چاہیے، بلکہ حاکم اسلام پر واجب ہے کہ اسے سزا دے! واللہ تعالیٰ أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج ۲۰، ص ۵۴۰)

مطلق حکم اس کی تمام خصوصیتوں میں جاری رہتا ہے

نکتہ: عموم واطلاق سے استدلال زمانۂ صحابۂ کرام ﷺ سے آج تک علماء میں شائع وذائع ہے، یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا، تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی، ہمیشہ محمود رہے گی، تاوقتیکہ کسی صورتِ خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے، مثلاً مطلق ذکرِ الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت ہے، تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا

کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں، مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یادِ الٰہی کہ ممنوع ہے؛ کہ اس خاص صورت کی بُرائی شرع سے ثابت ہے۔ غرض جس مطلق کی خوبی معلوم ہے، اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خُوبی ثابت کرنا ضرور نہیں؛ کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں، جس کی بھلائی ثابت ہو چکی، بلکہ کسی خصوصیت کی بُرائی ماننا، یہ محتاجِ دلیل ہے!۔

"مسلّم الثبوت" میں ہے: "شاعَ وذاعَ احتجاجُهم سلفاً وخلفاً، بالعمومات من غير نكير"[1]، اسی میں ہے: "العمل بالمطلق يقتضي الإطلاق"[2]. "تحریر الأصول" علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے: "العمل به أن يجريَ في كلّ ما صدقَ عليه المطلَق"[3]. یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیریہ میں ہے: "جب عام و مطلق کچھ ہو تو یقیناً اپنے عموم و اطلاق پر رہے گا، عموم و اطلاق سے استدلال برابر زمانۂ صحابۂ کرام سے آج تک بلا نکیر رائج ہے"۔

اب سنیے! ذکرِ الٰہی کی خوبی شرع سے مطلقاً ثابت ہے، قال الله تعالى: ﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾[4] اور نبی ﷺ بلکہ تمام انبیاء الله[5] و اولیاء الله علیہم السلام کی یاد میں خُدا کی یاد ہے؛ کہ ان کی یاد ہے تو اسی لیے ہے؛ کہ وہ الله کے نبی ہیں یہ الله کے ولی ہیں، مع ہذا نبی ﷺ کی یاد مجالس و محافل میں یونہی ہوتی ہے، کہ حضرت حق تبارک وتعالیٰ نے انہیں یہ مراتب بخشے، یہ کمال عطا فرمائے، اب چاہے اسے نعت سمجھ لو، یعنی ہمارے آقا ﷺ ایسے ہیں جنہیں حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے درجے دیے، اس وقت یہ کلام کریمہ: ﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾[6] کی تفصیل سے ہوگا۔ چاہے حمد کہہ لو، یعنی وہ مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رُتبے بخشے، اس وقت یہ کلام کریمہ: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾[7] و کریمہ: ﴿هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى﴾[8] کے طور پر ہو جائے گا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی کریم -علیہ الصلاۃ والتسلیم- سے فرماتا ہے: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾[9] "اور بلند کیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر"۔ امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ "شفا شریف" میں اس آیتِ کریمہ کی تفسیر سیّدی ابن عطا قدس سرّہ

---

(۱) "مسلّم الثبوت" الفصل ٥، مسألة للعموم صيغ، صـ٧٣.
(۲) "مسلّم الثبوت" فصل المطلق ما دلّ على فرد منتشر، ١١٩.
(۳) "كتاب التقرير والتحبير" التقسيم ٣، البحث ٥، مسألة: إذا اختلف حكم المطلق ومقيّده، ١/ ٣٦٤، ٣٦٥.
(۴) پ۲۲، الأحزاب: ۴۱۔
(۵) نبی ﷺ کا ذکر بعینہٖ الله تعالیٰ کا ذکر ہے۔
(۶) پ۳، البقرة: ۲۵۳۔
(۷) پ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۔
(۸) پ۱۰، التوبة: ۳۳۔
(۹) پ۳۰، الانشراح: ۴۔

العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں: "جعلتُك ذكراً من ذكري، فمَن ذكرَك ذكرَني"[1]. یعنی "حق تعالی اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے، کہ میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا، تو جو تمہارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا"۔

بالجملہ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کر سکتا، کہ مصطفی ﷺ کی یاد بعینہ خدا کی یاد ہے، پس بحکمِ اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی، حَسن ومحمود ہی رہے گی، اور مجلسِ میلاد وصلاۃ بعد اذان وغیرہما کسی خاص طریقے کے لیے ثبوت مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہوگی، ہاں جو کوئی ان طُرق کو ممنوع کہے، وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے!۔

اسی طرح نعمتِ الٰہیہ کے بیان واظہار کا ہمیں مطلقاً حکم دیا گیا، قال الله تعالی: ﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾[2] "اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو!" اور ولادت اقدس حضور صاحبِ لولاک ﷺ تمام نعمتوں کی اصل ہے، تو اس کے خوب بیان واظہار کا نصِ قطعیٔ قرآن سے ہمیں حکم ہو، اور بیان واظہار مجمع میں بخوبی ہوگا، تو ضرور چاہیے کہ جس قدر ہو سکے، لوگ جمع کیے جائیں، اور انہیں ذکرِ ولادتِ باسعادت سنایا جائے، اسی کا نام مجلسِ میلاد ہے۔

علی ہذا القیاس، نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر مسلمان کا ایمان ہے، اور اس کی خوبی قرآنِ عظیم سے مطلقاً ثابت ہے، قال الله تعالی: ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ﴾[3] "اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ، اور خوشخبری دینے والا، اور ڈر سنانے والا! تاکہ اے لوگو! تم خدا ورسول پر ایمان لاؤ! اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو!"۔ وقال تعالی: ﴿وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾[4] "جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے، تو وہ بے شک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے"۔ وقال تعالی: ﴿وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾[5] "جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی، تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے یہاں"۔

نبی اکرم ﷺ کی ہر قسم کی تعظیم درست ہے، جب تک الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو

پس بوجہِ اطلاقِ آیات، حضور اقدس ﷺ کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی، حَسن ومحمود رہے گی، اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی بُرائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی، تو وہ بے شک ممنوع ہوگا، جیسے حضور اقدس ﷺ کو سجدہ کرنا، یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا۔ اسی لیے علامہ ابن حجر مکی "جَوہرِ منظّم" میں فرماتے ہیں: "تعظيم النبي ﷺ بجميع أنواع التعظيم، التي ليس فيها

---

(۱) "الشفا بتعريف حقوق المصطفى" الباب ۱: الفصل ۱، ۱/ ۱۵.

(۲) پ۳۰، سورۃ الضحی: ۱۱۔

(۳) پ۲۶، الفتح: ۸، ۹۔

(۴) پ۱۷، الحج: ۳۲۔

(۵) پ۱۷، الحج: ۳۰۔

مشاركةُ الله تعالى في الألوهية، أمرٌ مستحسنٌ عند مَن نوّر اللهُ أبصارَهم"(۱) یعنی "نبی ﷺ کی تعظیم تمام اقسامِ تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالی کے ساتھ اُلوہیت میں شریک کرنا نہ ہو، ہر طرح امر مستحسن ہے، ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے"۔

پس یہ قیام کہ وقتِ ذکرِ ولادت شریفہ، اہلِ اسلام محض بنظرِ تعظیم واکرام حضور سیّد الأنام-علیہ أفضل الصلاۃ والسلام- بجا لاتے ہیں، بے شک حُسن ومحمود ٹھہرے گا، تاوقتیکہ مانعین خاص اس صورت کی بُرائی کا قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دیں، وأنى لهم ذلك؟!۔

تنبیہ: یہاں سے ثابت ہوا، کہ تابعین وتبع تابعین تو درکنار، خود قرآنِ عظیم سے مجلس وقیام کی خوبی ثابت ہے، الحمد لله ربّ العالمین! ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۵۵۲)

عقائد وہ سنّت ہیں جو حضور سیّد المرسلین ﷺ وصحابہ وتابعین وسلَف صالحین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں

فأقول وبالله التوفيق: مسلمانو! عقائد وہ سنّت ہیں جو حضور پُر نور سیّد المرسلین ﷺ وصحابہ وتابعین وسلَف صالحین-رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین- سے ثابت ہیں، انہیں کے بیان کے لیے کتبِ عقائد کے متون موضوع ہوتے ہیں، زمانۂ خیر میں یہ عقائد صُدور وأسرۂ ائمہ سے تلقّی کیے جاتے تھے، اور مسلمان اپنی سلامتِ صدر سے ان پر ایمان لاتے تھے، انہیں چُون وچِرا و"لِمَ" و"لا نسلّم" کی علّت نہ تھی، جب بد مذہبوں کا شُیوع ہُوا، اور گمراہ متکلّموں نے عوام مسلمین کو بہکانے کے لیے اپنے عقائدِ باطلہ پر عقلی ونقلی مغالطے پیش کرنے شروع کیے، تو علمائے سنّت وجماعت کو حاجت ہُوئی کہ ان کے دلائلِ باطلہ کا رَد کریں، اپنے عقائدِ حقّہ پر دلائل قائم فرمائیں، یہاں سے کلامِ متاخرین کی بنا پڑی۔

اب کہ استدلال وبحث ومُناظرہ کا پھاٹک کُھلا، خود اپنے دلائل وجوابات کی جانچ پرکھ کی بھی حاجت ہوئی، اَذہان مختلف ہوتے ہیں، اور بحث واستخراج میں خطا واِصابت آدمی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، ایک نے مذہب پر ایک دلیل قائم فرمائی، یا مخالفت کی، یا کسی اعتراض کا جواب دیا، دوسرے نے اس پر بحث کردی کہ اپنے مذہب پر یہ دلیل کمزور ہے، مخالف کی طرف سے اس کا رَد یہ ہو سکتا ہے، یا اعتراض کا یہ جواب کافی نہیں۔ مخالف اس میں یوں کہہ سکتا ہے، اس رَد وبحث کا اثر فقط اسی دلیل وجواب تک ہوتا ہے، عام ازیں کہ اس دلیل وجواب ہی میں قصور ہو، جیسا کہ بحث کرنے والے کا بیان ہے، یا خود اس باحث کی نظر نے خطا کی، دلیل وجواب صحیح وصواب ہو۔

بہرحال (معاذ اللہ) اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا، کہ اپنا اصل مذہب باطل، یا مخالف کا ضلال حق ہے، ہر عاقل جانتا ہے کہ کسی کی قائم کی ہُوئی ایک دلیل، یا دیا ہُوا جواب بگڑ جانے سے اصل مسئلہ باطل نہیں ہو سکتا، نہ (معاذ اللہ) یہ بحث کرنے والا اپنا عقیدہ بدلتا ہے، اور مذہبِ اہلِ سنّت کو باطل جان کر اس سے باہر نکلتا ہے، یہ ایک ایسی بات ہے جسے نہ فقط اہلِ سنّت بلکہ ہر

(۱) "الجوهر المنظّم" مقدّمة في آداب السَّفر، الفصل ۱، صـ۱۲.

مذہب و ملت والا اپنے یہاں دیکھتا جاتا ہے، پھر بھی جب تک زمانۂ خیر کا قرب تھا، اس رد و کد [بحث و تکرار] میں ایک اعتدال باقی تھا، جب فنِ کلام فلسفہ دانِ متاخرین کے ہاتھ پڑا، اب تو بات بات میں وجہ بے وجہ نکتہ چینی کی لے بڑھی، جس مقصود صرف بُرد و مات [کامیابی و ناکامی] وردّ و اثبات ومنع ونقض بحث واخذ میں ذہن آزمائی، اور اپنی طاقت سخن کی نمائی ہوتی ہے وبس۔ نہ کہ (معاذاللہ) مذہب سے پھریں، دین و عقائد کو باطل کریں۔ حاشاللہ! ہزار حاشاللہ! یہاں سے ہر ذی انصاف پر ظاہر ہے، کہ یہ متأخر شارحِ محشّی جو کچھ بحث میں لکھ جایا کرتے ہیں، وہ مطلقاً خود ان کا اپنا بھی اعتقاد نہیں ہوتا، نہ کہ تمام اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہو۔ عقیدہ وہ ہوتا ہے جو متون و مسائل میں بیان کر دیا، بالائی تقریریں اس کے موافق ہیں تو حق ہیں، مخالف ہیں تو وہی ان کی بحث بازیاں، اور ذہن آزمائیاں، اور قلم کی جولانیاں ہیں، جن کا خود انہیں اقرار ہے، کہ ان میں قواعدِ اہلِ حق کی پابندی نہیں کی جاتی، اور معرفتِ سامع پر چھوڑا جاتا ہے کہ عقیدۂ اہلِ حق اسے معلوم ہے، اس کی مراعات کر لے گا۔

"مواقف" میں ہے: "أنت تعرف مذهبَ أهل الحقّ، وإنّما لا نتعرّض لأمثاله؛ للاعتماد على معرفتك بها في مواضعها"[1]. "شرح" میں ہے: "فعليك برعايةِ قواعد أهل الحقّ في جميع المباحث، وإن لم نصرّح بها"[2]. "شرح مقاصد" میں ہے: "كثيراً ما تورَد الآراءُ الباطلة للفلاسفة من غير تعرُّض لبيان البُطلان، إلّا فيما يحتاج إلى زيادة بيان"[3]. بعینہٖ اسی طرح "حسن چلپی علی السیّد" میں ہے۔

تو عقائد ان کے وہی ہیں جو مُتون، اور خود ان کے کلام میں جابجا مصرّح ہیں، اگرچہ بحث مباحث میں کچھ کہیں، خصوصاً وہ جن پر فلسفہ کا رنگ چڑھا، اُن کو تو "لِمَ" و "لا نسلّم" کا وہ لپکا بڑھا، جس کے آگے کھائی، خندق، دریا، پہاڑ سب یکساں ہیں، مطارحات میں وہ باتیں کہہ جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ! "شرح فقہِ اکبر" میں ہے: سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "لقد اطلعتُ من أهل الكلام على شيء، فما ظننتُ مسلماً يقوله"[1] "میں نے اہلِ کلام سے بعض باتیں وہ سنیں، کہ مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا کہتا"۔

وہ تو سمجھ لیے کہ بحث مذہب پر حاکم نہیں، ہمارے عقائد معلوم و معروف ہیں، "لِمَ" و "لا نسلّم" میں جوبات اس کے خلاف ہوگی، ناظرین خود ہی سمجھ لیں گے، اور ان کے متعدد اکابر نے اس پر تنبیہ بھی کر دی، مگر مضلِ مُغوی کا کیا علاج؟ وہ تو ایسے ہی موقع کی تاک میں رہتا ہے، ادھر عامی بے چارہ مارا پڑا! یا وادیٔ حیرت میں سرگرداں رہا! اسے ہر بات میں قاعدۂ اہلِ حق کہاں معلوم کہ اس کی مراعات کر لے گا؟! یہی وہ باتیں ہیں جنہوں نے اس قسم کے کلامِ متأخرین کو ائمۂ دین کی نگاہ

---

(1) "المواقف شرح المواقف" القسم ١، المقصد ٢، ٥/ ٢٤٤.

(2) "المواقف شرح المواقف" القسم ١، المقصد ٢، ٥/ ٢٤٤.

(3) "شرح المقاصد" المقصد ٣، الفصل ٣، القسم ١، النوع ٣، المسموعات، ١/ ٣١٦.

(1) "منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر" خطبة الكتاب، صـ٤.

میں سخت ذلیل وبے قدر بنادیا، یہاں تک کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "طلبُ العلم بالکلام تزندق"... ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۲۰۹)

اس کے نظائر نظرِ فقیر میں کثیر ووافر ہیں، سرِ دست انہیں تین ۳ کتابوں سے نظائر لیجیے، کہ مکذّبانِ خدا نے قرآن عظیم ونصوص صریحہ، متون وعقائد واجماع قطعیٔ ائمۂ سلف وخلف کو یکسر چھوڑ کر، ابحاثِ زائدہ میں ان کی تراشیدہ تقریروں کا دامن پکڑا ہے، یعنی "مُسایرہ" و"شرحِ مَواقف" جن کی دو ۲ عبارتیں دیوبندیوں کی بُرائی دست مال ہیں، اور تیسری "حاشیہ سیالکوٹی" کی یہ عبارت کہ سوال میں گزری[2]۔ ان کے بعد بحمد اللہ تعالی مکذّبوں کا ہاتھ بالکل خالی رہ جائے گا، اور وسوسۂ ابلیس مردود ومطرود ہوکر ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ﴾[3] کا نقشہ ان پر یہیں سے نظر آئے گا، وباللہ التوفیق!

پہلی نظیر اور مُلّا عبد الحکیم سیالکوٹی کے اس خیال کا رَد کہ "اللہ تعالی کو اُمورِ غیر متناہیہ حاصل نہیں"

نظیرِ اوّل: مُلّا عبد الحکیم سیالکوٹی کی سنیے! "منہیۂ خیالی" سے منقول ہُوا، کہ اس میں باری تعالی کے علم کا اُمورِ متناہیہ سے تفصیلاً متعلق ہونا ممنوع کہہ دیا، مُلّا نے "خیالی" کا خیال خبالی [زہرِ قاتل] نقل کرکے اس پر رجسٹری کردی: "حیث قال

قوله: فتأمّل، نقل عنه وجهَ التأمّل، أنّ علمَه تعالى الشّامل، إنّما يشتمل ما لا يمتنع العلمُ به، كما أنّ قدرتَه الشّاملةَ إنّما تشتمل ما لا يمتنع وجودُه، وإمكانُ تعلّق العلم بالمراتب الغيرِ المتناهية مفصّلةً ممنوعٌ، انتهى. فإن قيل: فيلزم الجهلُ على الله. قلتُ: الجهلُ عدمُ العلم بما يصحّ تعلّق العلم به، كما أنّ العجزَ عدمُ تعلّق القدرة بما يصحّ أنّ تتعلّقَ به، فتأمّل اهـ"[4]. ممنوع کہتے تو کہہ گئے، لیکن نظر کرتے کہ یہ وسوسۂ باطلہ جو عدوِ مبین -أعاذنا الله تعالى من شرّه المهين!- نے اِلقاء کیا، اس کی تہہ میں کیا کیا آفاتِ قاہرہ ہیں، تو ہرگز خامہ ونامہ کو اس سے آلودہ کرنا روا نہ رکھتے!۔

فأقول اوّلاً: دونوں مُلّا صاحب فرمائیں تو! کہ سلسلۂ اعداد سے کس قدر پر مولی تعالی کا علم جاکر رُک گیا؟ کہ اس سے آگے کا عدد خدا کو معلوم نہیں! سلسلۂ ایامِ آخرت سے کتنے دن خدا کو معلوم ہیں؟ آگے مجہول!۔ نعیمِ جنان وعذابِ نیران سے کتنی مقدار علم الٰہی میں ہے؟ زیادہ کی اسے خبر نہیں! کیا کوئی عاقل مُسلم سوچ سمجھ کر ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ حاشا وکلّا! دیکھو، کیسی صریح

---

(۱) "منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر" خطبة الكتاب، صـ٤.

(۲) سوال میں عبارت یوں ہے: قلت: الكذبُ نقصٌ، والنقصُ عليه تعالى محال، فلا يكون من الممكنات ...إلخ قوله: والنقص عليه ...إلخ لا يخفى أنّه موقوف على كونه ممتنعا بالذات، ولا نسلّم ذلك؛ إذ لو كان ممتنعا لما وقع الكذب من أحد، فهو ممتنع بواسطة أنّه معائب لكماله تعالى، فيكون ممتنعا بالغير، والامتناع بالغير لا ينافي الإمكان الذاتي.

(۳) پ۲۹، المرسلات: ۳۷۔

(٤) "حاشية عبد الحكيم سيالكوتي على الخيالي" صـ٦٥.

تصدیق ہے امام شافعی کے اس ارشاد کی کہ "فما ظننتُ مسلماً يقوله"[1]؟! ہاں انہوں نے "اطّلعت على شيء" فرمایا، وقد اطّلعنا على أشياء إذ فسد الزّمان! وإلى الله المشتكى وعليه التكلان![2].

ثانیاً: جو حد مقرر کیجیے، وہاں وہ فارق بتایئے کہ حد بندی کرے! کیا سبب کہ یہاں تک کا علم ہو، اَبعد کا نہیں؟! علم کے لیے معلوم کا وجودِ خارجی درکار ہو، تو آخرت درکنار (معاذ اللہ) کل آئندہ کا علم نہ ہو، بلکہ اَزل میں جملہ ماوراسے (عیاذاً باللہ) جہلِ مطلق ہو، پھر خَلق کیونکر ہو، اور جب وجود ضرور نہیں، تو معدوم ہوا، اور معدوم سب یکساں ہیں، کسی حدِ خاص پر رُکنا ترجیح بلا مرجّح ہے، بخلاف علومِ عالم؛ کہ وہاں مرجّح ارادۂ الٰہیہ ہے، جسے جتنا دیا اُتنا ملا: ﴿لَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ﴾[3]. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۲۰۸)

ثالثاً: جو حد مقرر کیجیے، یقیناً معلوم کہ ایام وایلام وانعام اس سے آگے بڑھیں گے؛ کہ لا تقف عند حدّ ہیں، اب جو بعد کو آئے، ان کا علم باری عزّوجل کو ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو جہل موجود! اور جو عذر کیا تھا ناحق ومردود! کہ اب تو وہ خود عِباد کو معلوم ومشہود! مع ہذا انہیں پیدا کون کرے گا؟ وہی خبیر شہید! تو نہ جاننا کیا معنی؟! ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾[4] "کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ اور وہی ہے ہر باریکی جانتا خبردار!"۔

اور اگر ہاں، تم نے اَور مانا کہ ان کا علم پہلے نہ تھا، تو اس کا علم (معاذ اللہ) حادِث ہُوا، متجدِّد ہوا، کیا یہ عقیدۂ اہلِ سنّت کا ہے؟! جو ہمارے رب عزّوجل نے فرمایا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾[5].

عقیدہ وہ ہے جو خود سیالکوٹی نے "حاشیہ شرح عقائد جلالی" میں لکھا: "معلوماتٌ في أنفسها، غيرُ متناهية؛ لشمولها الموجوداتِ والمعدومات"[6]. خود "شرح" میں ہے: "اعلمْ أنّ المتكلّمين ينفُون الوجودَ الذّهني، ويُثبِتون علمَ الله تعالى بالحوادِث الغير المتناهية"[7]، بلکہ خود اسی "حاشیہ سیالکوٹی علی الخیالی" میں ہے: "هذه التعلّقاتُ قديمةٌ غيرُ متناهيةٍ بالفعل، ضرورة عدم تناهي متعلّقاتها، أعني جميعَ ما يُمكن أن يعلمَ من الأمور الكلّية والجزئية الأزلية والمتجدّدة؛ لشموله الممكنَ والممتنعَ والواجبَ"[8].

عقیدہ وہ ہے جو "مقاصد" و "شرح" میں فرمایا: "علمُه تعالى لا يتناهى، ومحيطٌ بما لا يتناهى، كالأعداد

---

(۱) "منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر" خطبة الكتاب، صـ٤.

(۲) "منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر" خطبة الكتاب، صـ٤.

(۳) پ۳، البقرۃ: ۲۵۵۔

(۴) پ۲۹، الملک: ۱۴۔

(۵) پ۲۶، الفتح: ۲۶۔

(٦) "حاشية شرح عقائد جلالي" صـ٢١.

(٧) "شرح الدوّاني على العقائد العضديّة" صـ٢١.

(٨) "حاشية عبد الحكيم سيالكوتي على الخيالي" صـ٢٨.

والأشكال ونعيم الجنان، وشاملٌ لجميع الموجودات، والمعدومات الممكنة والممتنعة، وجميع الكلّيات والجزئيات، سمعًا وعقلًا"[1].

عقیدہ وہ ہے جو "مواقف" و"شرح" میں بیان فرمایا: "علمُه تعالى يعمُّ المفهوماتِ كلّها الممكنة والواجبة والممتنعة، والمخالف في هذا الفصل فِرَقٌ، الأُولى مَن قال: لا يعلم نفسَه -إلى أن قال- الرّابعةُ مَن قال: لا يعقل غيرَ المتناهي"[2].

عقیدہ وہ ہے جو "حدیقۂ ندیہ" میں فرمایا: "المعلوماتُ موجودةٌ أو معدومةٌ، محالةٌ أو ممكنةٌ، قديمةٌ أو حادثةٌ، متناهيةٌ أو غير متناهية، جزئيةٌ أو كلّية، وبالجملة جميعُ ما يمكن أن يتعلّقَ به العلمُ، فهو معلومٌ لله تعالى"[3].

عقیدہ وہ ہے جو اس فقیرِ ربِ قدیر نے "الدّولة المكّية" میں لکھا، اور علمائے کرام حرمین طیبین نے مزیّن بتصدیقاتِ جلیلہ کیا: "إنّ ربّنا ﷻ يعلم ذاتَه الكريمةَ وصفاتِه الغيرَ المتناهية، والحوادثَ التي وُجدت، والتي توجَد غيرَ متناهيةٍ إلى أبَد الأبد، والممكناتِ التي لم توجَد، ولن توجَد، بل والمحالات بأسرِها، فليس شيءٌ من المفاهيم خارجاً عن علمِه ﷻ، يعلمها جميعاً تفصيلاً تامّاً أزَلًا أبدًا، وذاتُه ﷻ غيرُ متناهية، وصفاتُه غيرُ متناهية، وكلُّ صفةٍ منها غيرُ متناهية، وسلاسلُ الأعداد غيرُ متناهية، وكذا أيّامُ الأبد وساعاتُه وآناتُه، وكلُّ نعيمٍ من نِعم الجنّة، وكلُّ عذابٍ من عقوبات جهنّم، وأنفاسُ أهل الجنّة وأهل النّار، ولمحاتُهم وحركاتُهم، وغيرُ ذلك كلّها غيرُ متناهٍ، والكلُّ معلومٌ لله تعالى أزَلاً وأبداً، بإحاطةٍ تامّةٍ تفصيليّة، ففي علمِه ﷻ سلاسلُ غيرِ المتناهيات بمرّاتٍ غيرِ متناهية، بل له ﷻ في كلّ ذرّةٍ علومٌ لا تتناهى؛ لأنّ لكلّ ذرّةٍ مع كلّ ذرّةٍ، كانت أو تكون أو يمكن أن تكونَ، نسبةً بالقرب والبُعد، والجهةُ مختلفةٌ في الأزمنة باختلاف الأمكِنة الواقعة والممكنة، مِن أوّلِ يومٍ إلى ما لا آخِرَ له، والكلُّ معلومٌ له ﷻ بالفعل، فعلمُه -عزّ جلالُه- غيرُ متناهٍ في غيرِ متناهٍ في غيرِ متناهٍ، كأنّه مكعّب غيرُ المتناهي على اصطلاح الحِساب، وهذا جميعاً واضحٌ عند مَن له من الإسلام نصيباً"[4].

عقیدہ وہ ہے جو فقیر نے اس کی تعلیقات "الفُيوضات المِلكيّة" میں نقل کیا: "حيث كتبتُ على قولي: "بل له سبحانه في كلّ ذرّةٍ علومٌ لا تتناهَى" ما نصُّه: "الحمد لله هذا الذي كتبتُه مِن عندي إيمانًا بربّي، ثمّ

---

(۱) "المقاصد" و"شرح المقاصد" خاتمة: علمه لا يتناهى ...إلخ، ۲/ ۹۰.

(۲) "المواقف" و"شرح المواقف" المقصد ۳ في علمه تعالى، ۸/ ۷۰.

(۳) "الحديقة النّدية شرح الطريقة المحمديّة" ۱/ ۲۵٤.

(٤) "الدولة المكّية" النظر ۱، صـ۹۷-۱۰۰

رأيتُ التصريحَ به في "التفسير الكبير" إذ يقول تحت كريمة: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ﴾ سمعتُ الشيخَ الإمام الوالدَ عمرَ ضياء الدين ﷺ قال: سمعتُ الشيخ أبا القاسم الأنصاري، يقول: سمعتُ إمام الحرمين يقول: معلوماتُ الله تعالى غيرُ متناهية، ومعلوماتُه في كلّ واحدٍ من تلك المعلومات أيضاً غيرُ متناهية؛ وذلك لأنّ الجوهرَ الفرد يمكن وقوعُه في أحيازٍ لا نهايةَ لها على البدل. ويمكن اتّصافُه بصفاتٍ لا نهايةَ لها على البدل"[1] ...إلخ. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۲۱۲)

دوسری نظیر

نظیرِ دوم ۲: "مُسایرہ" میں اصل عقیدہ تو وہی لکھا، جو ائمۂ اہلِ سنّت و جماعت کا ہے، کہ "اللہ کے سوا اصلاً کسی شے کا کوئی خالق نہیں، بندوں کے اَفعال اختیاریہ بھی تمام وکمال اسی کے مخلوق ہیں، بندہ صرف کاسِب ہے، اور اسے دلائل عقلیہ ونقلیہ سے روشن کیا"۔

پھر حسبِ عادت متاخرینِ اہلِ کلام بحث کے طور پر ایک بات لکھ گئے، اگر مسلّم ہو تو اس بحرِ عمیق مسئلۂ قدر میں شناوری اور سِرِّ الٰہی کی جلوہ گری چاہے، جس میں بحث سے محمد رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ممانعت فرمائی، اور آخر نتیجہ وہی ہُوا جو ہونا چاہیے، کہ گوہر کی جگہ خزف پر ہاتھ پڑے، اور وہ بھی محض ﴿لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴾.

صدقے سے اللہ تعالیٰ کی رِضا مطلوب ہوتی ہے، اور ہدیہ سے رسول اللہ ﷺ کی رِضا اور اپنی حاجت رَوائی منظور ہوتی ہے

حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ الصَّدقةَ يبتغى بها وجهُ الله تعالى، والهدية يبتغي بها وجهُ الرسول وقضاءُ الحاجة»[2] رواه الطبَراني في "الكبير" عن عبد الرّحمن بن علقمة ﷺ. "صدقے سے اللہ تعالیٰ کی رِضا مطلوب ہوتی ہے، اور ہدیہ (تحفے) سے رسول اللہ ﷺ کی رِضا اور اپنی حاجت روائی منظور ہوتی ہے۔

"درمختار" میں ہے: "في "المنية": إنّا لا نُسيئ الظنَّ بالمسلِم، أنه يتقرّب إلى الآدمي بهذا النّحر. ونحوُه في "شرح الوهبانيّة" عن "الذخيرة"[3]. "ردالمحتار" میں ہے: "قوله: "أنه يتقرّب إلى الآدمي" أي: على وجه العبادة؛ لأنّه المكفر، وهذا بعيدٌ من حال المسلِم"[4]. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۹۸)

❀ ❀ ❀

---

(۱) "الفيوضات الملكية تعليقات الدّولة المكّية" صـ۱۰۰.

(۲) "كنز العمّال" بحواله طب عن عبد الرحمن بن علقمة، حديث: ۱۵۹۹۷، ۶/ ۳۴۸.

(۳) "الدّر المختار" كتاب الذبائح، ۲/ ۲۳۰.

(٤) "ردّ المحتار" كتاب الذبائح، ۵/ ۱۹۷.

Ataunnabi.com

تقلید

(۱۵) تقلید

تقلیدِ غیر اُن شرائط پر جو "بحر الرائق" و "دُرِّ مختار" وغیرہ میں مصرّح ہیں، بالاتفاق جائز ہے اگر موقع ووقت سے مراد ضرورتِ شرعیہ ہے، جس کے بغیر شرعاً چارہ نہیں، تو اس محلِ ضرورت میں قدرِ ضرورت تک تقلیدِ غیر اُن شرائط پر کہ "بحرالرائق" و "دُرِّ مختار" وغیرہ میں مصرّح ہیں، بالاتفاق جائز ہے، اور اگر وقت وموقع سے یہ مراد کہ اپنی خواہشِ نفسانی کے مطابق، جہاں جس بات میں مزہ پایا اختیار کرلیا، تو یہی تلاعُب بالدین ہے، اور ناجائز وحرام ہے، کما نصّ علیه أئمة الکرام، والله تعالیٰ أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج ۱۸، ص ۴۲)

علماء کی اصطلاح میں حنفی وہ ہے جو فروع میں مذہبِ حنفی کا پیرو ہو

علماء کی اصطلاح میں حنفی وہ ہے، کہ فُروع میں مذہبِ حنفی کا پیرو ہو۔ پھر اگر اصول میں بھی حق کا متبع ہے، تو سُنی حنفی ہے، ورنہ گمراہ، جیسے معتزلہ۔ والله تعالیٰ أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج ۱۸، ص ۵۶)

اولیائے کرام بعدِ وفات زندہ ہیں، مگر نہ مثل حضراتِ انبیاء علیہم السلام۔ انبیاء کی حیات روحانی جسمانی دنیاوی ہے، بعینہ اسی طرح جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس طرح دنیا میں تھے، اور اولیاء کی حیات اُن سے کم، اور شہداء ان سے زائد، جن کے لیے قرآن عظیم میں دو ۲ جگہ ارشاد ہوا کہ "ان کو مُردہ نہ کہو! وہ زندہ ہیں"۔ یہ حیات حیاتِ روحانی وجسمانی برزخ ہے، حیاتِ روح سب کو حاصل ہے؛ کہ رُوح بعدِ موت فنا نہیں ہوتی۔ ("فتاوی رضویہ" ج ۱۸، ص ۵۷)

تقلیدِ ائمہ فرضِ قطعی ہے، بے حصولِ منصبِ اجتہاد اس سے رُوگردانی گمراہ بددینں کا کام ہے، غیر مقلدین مذکورین اور ان کے اَتباع واَذناب کہ ہندوستان میں نامقلّدی کا بیڑا اُٹھائے ہیں، محض سفیہان نامشخّص ہیں، ان کا تارکِ تقلید ہونا، اور دوسرے جاہلوں، اپنے سے بھی اَجہلوں کو ترکِ تقلید کا اِغواء کرنا، صریح گمراہی وگمراہ گری ہے۔

مذاہبِ اربعہ اَہلِ سنّت سب رُشد وہدایت ہیں، جو ان میں سے جس کی پیروی کرے، اور عمر بھر اسی کا پیرو رہے، کبھی کسی مسئلے میں اس کے خلاف نہ چلے، وہ ضرور صراطِ مستقیم پر ہے، اس پر شرعاً کوئی اِلزام نہیں، ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نَجات کو کافی ہے۔ تقلیدِ شخصی کو شرک یا حرام ماننے والے، گمراہ ضالّین متبع غیر سبیل المؤمنین ہیں۔

متعلقاتِ انبیاء واولیاء -علیہم الصلاۃ والثنا- مثل استعانت، ونِدا، وعلم، وتصرّف بعطائے خدا وغیرہ مسائل متعلقہ اَموات واَحیاء میں نجدی اور دہلوی اور ان کے اَذناب نے جو اَحکامِ شرک گڑھے، اور عامۂ مسلمین پر بلاوجہ ایسے ناپاک حکم جڑے، یہ اُن گمراہوں کی خباثتِ مذہب ہے، اور اس کے سبب انہیں استحقاقِ عذاب وغضب ہے!۔ ("فتاوی رضویہ" ج ۲۱، ص ۵۵۸)

تقلیدِ شخصی کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کی گواہی

امرِ اوّل: امام الطائفہ کے عِلماً و نسباً دادا، اور بیعۃً پردادا، یعنی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی گواہی کافی ہے، وہ رسالہ "انصاف" میں انصاف کرتے ہیں: یعنی "دو ۲ صدی کے بعد، خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا، اہلِ اسلام میں شائع ہوا۔ کم کوئی شخص تھا جو ایک امامِ معیّن کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو، اور اس وقت یہی واجب ہوا"۔

اسی میں لکھتے ہیں: یعنی "خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ ایک مذہب کا اختیار کر لینا ایک راز ہے، کہ حق سبحانہ وتعالی نے علماء کے قلوب میں اِلقاء فرمایا، اور انہیں اس پر جمع کر دیا، چاہے اس راز کو سمجھ کر اس پر متفق ہوئے ہوں، یا بے جانے"۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۹۴)

اہلِ سنّت کا گروہِ ناجی اب چار مذاہب میں مجتمع ہے: حنفی، مالکی، شافعی حنبلی اب جو اِن چار سے باہر ہے، بدعتی جہنمی ہے

زید بے قید دیکھے کہ اُس نے بشہادت شاہ ولی اللہ صاحب گیارہ ۱۱۰۰ سو برس سے زائد کے ائمہ و علماء و مشائخ و اولیاء و عامۂ اہل سنّت و جماعت کو (معاذ اللہ) رافضی وخارجی بتایا، اور اللہ تعالی کے سِرِّ جلیل والہام جمیل کو (جس پر اس نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق علمائے امت کو مجتمع ومتفق فرمایا) ضلالت وگمراہی ٹھہرایا۔ علامہ سیّد احمد مصری طحطاوی رحمہ اللہ "حاشیہ دُرِّ مختار" میں ناقل: "هذه الطائفةُ النّاجية قد اجتمعت اليومَ في مذاهب أربعة، وهُم الحنفيّون والمالكيّون والشّافعيّون والحنبليّون رحمهم الله، ومَن كان خارجاً عن هذه الأربعة في هذا الزّمان، فهو من أهل البدعة والنّار"[1]. یعنی "اہل سنّت کا گروہِ ناجی اب چار ۴ مذاہب میں مجتمع ہے: (۱) حنفی، (۲) مالکی، (۳) شافعی، (۴) حنبلی اللہ تعالی ان سب پر رحمت فرمائے، اب جو اِن چار ۴ سے باہر ہے، بدعتی جہنمی ہے"۔

واقعی اِن حضرات نے اس ارشادِ علماء کا خُوب ہی جواب تُرکی بترکی دیا: یعنی "علمائے اہل سنّت ہمیں بدعتی ناری بتاتے ہیں، ہم گیارہ ۱۱۰۰ سو برس تک کے ان کے اکابر وائمہ کو رافضی وخارجی بتائیں گے!" ع

کہ تو ہم در میان ما تلخی

مولی تعالی ہدایت بخشے، آمین!۔

یہ ناپاک تر، کہ اسی بے باک اَخبث امامِ اوّل دینِ مستحدث، یعنی ابن عبد الوہاب نجدی -علیہ ماعلیہ- کا ہے، کہ اپنے مُوافقانِ ناخِرد مند نفرے چند بے قید وبند آزادی پسند کے سوا تمام عالَم کے مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتا ہے، اور خود اپنے باپ داوا، اساتذہ مشائخ کو بھی صراحۃً کافر کہہ کر پوری سعادتمندی ظاہر کرتا ہے، اور نہ صرف انہیں پر قانع ہوتا ہے، بلکہ آج سے آٹھ سو ۸۰۰ برس تک کے تمام علماء واولیاء سائرِ اُمّتِ مرحومہ کو (خاک بدہانِ ناپاک) صاف صاف کافر بتاتا ہے، اور جو شخص اس کے جال میں پھنس کر اس کے دستِ شیطان پرست پر بیعت کرتا ہے، اس سے آج تک اس کے اور اس کے ماں باپ اور اکابر علمائے سلَف نام بنام سب کے کفر پر اِقرار لیتا ہے، اور اگرچہ بظاہر ادّعائے حنبلیت رکھتا ہے، مگر مذاہبِ ائمہ کو مطلقاً باطل جانتا ہے، اور سب پر طعن کرتا ہے، اور اپنے اَتباع ہر کندہ ناتراشیدہ کو مجتہد بننے کا حکم دیتا ہے۔ یہ دو چار حرف اردو کے پڑھ کر اُستر [خچر] بے لگام واشتر بے مہار [بے لگام اُونٹ] ہو جانا بھی اسی خرِ نا مشخص کی تعلیم ہے۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۵۱)

---

(۱) "حاشية الطحطاوي على الدّر المختار" كتاب الذبائح، ٤/ ١٥٣.

زید کے اس دعوے کا رد، کہ چاروں ائمہ کے مسائل لینے میں کُل دینِ محمدی ﷺ پر بخوبی عمل ہو سکتا ہے، اور ایک کی تقلید میں یہ ناممکن ہے

امرِ دوم ۲: کہ "چاروں ائمہ کے مسائل لینے میں کُل دینِ محمدی ﷺ پر بخوبی عمل ہو سکتا ہے، اور ایک کی تقلید میں ناممکن ہے"۔ یہ وہ پوچ دعوے کا ضعیف کید ہے، کہ نِرے ناخواندہ بے چاروں کو سنا کر بہکا لیں، مگر جب کسی ادنیٰ طالبِ علم، یا صحت یافتہ ذی فہم کے سامنے کہیں، تو خود ہی ﴿ كَانَ ضَعِيفًا ﴾[1] ماننا پڑے، اس مغالطہ فاحشہ کا حاصل جیسا کہ ان کے خواص و عوام کے زبان زد ہے، یہ کہ چاروں مذہب حق ہیں، اور سب دینِ متین کی شاخیں ہیں، تو ایک کی تقلید سے گویا چہارم دین پر عمل ہوا، بخلاف اس کے کہ کبھی کبھی ہر مذہب پر چلے: کہ یُوں سارے دین پر عمل ہو جائے گا۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۵۵۷)

پہلا رد: مثال سے وضاحت

اقول اوّلاً: یہ اس مدہوش کا جنونی خیال ہے، جسے دربارِ شاہی تک چار ۴ سیدھے راستے معلوم ہوئے، رعایا کو دیکھا کہ ان کا ہر گروہ ایک راہ پر ہو لیا، اور اسی پر چلا جاتا ہے۔ مگر اِن حضرات نے اسے بے جا حرکت سمجھا، کہ جب چاروں راستے یکساں ہیں، تو وجہ کیا کہ ایک ہی کو اختیار کر لیجیے! پکارتا رہا کہ صاحبو! ہر شخص چاروں راہ پر چلے، مگر کسی نے نہ سُنی، ناچار آپ ہی تنہا متوجہ ہوا، کوس بھر شرقی راستہ چلا، پھر اسے چھوڑا، جنوبی کو دَوڑا، پھر اس سے بھی منہ موڑا، غربی کو پکڑا، پھر اس سے بھاگ کر شمالی پر ہو لیا، اُدھر سے پلٹ کر پھر شرقی پر آرہا، تیلی کے سے بیل کو گھر ہی کوس پچاس!۔ عقلاء سے پُوچھ دیکھو! ایسے کو مجنون کہیں گے یا صحیح الحواس؟!

یہ مثال میری ایجاد نہیں، بلکہ علمائے کرام و اولیائے عظام کا ارشاد ہے، اور ان سے امام علام عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی - قدس سرہ الربانی - نے "میزان الشریعۃ الکبریٰ"[2] میں نقل فرمائی، اور اس کے مشابہ دوسری مثال اپنے شیخ حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، یہ امامِ ہُمام وہ ہیں: جن کی اسی کتاب مستطاب سے اسی مسئلۂ تقلید میں غیر مقلدانِ زمانہ کے معلّم جدید میاں نذیر حسین دہلوی، براہِ اِغواء سند لائے، اور اسی کتاب میں ان کی ہزار در ہزار قاہر تصریحوں سے (کہ جہالاتِ طائفہ کا پورا علاج تھیں) آنکھ بند کر گئے، مگر کیا جائے شکایت: کہ ﴿ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ﴾[3] "تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو، اور کچھ سے انکار کرتے ہو!" اس نئے طائفہ کی پرانی خصلت ہے، جسے اس کی سَیر دیکھنی منظور ہو، بعض اَحبابِ فقیر کا رسالہ "سَیف المصطفیٰ علی أدیان الافتراء" (۱۲۹۹ھ) مطالعہ کرے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۵۵۹)

---

(۱) پ۴، النساء: ۷۶۔

(۲) "ميزان الشريعة الكبرى" فصل فإن قلت: فإذا انفك قلب الولي ...إلخ، الجزء۱، صـ۲۲.

(۳) پ۱، البقرۃ: ۸۵۔

دوسرا رد

ثانیاً: کُل دینِ متین پر ایسے عمل کا صحابہ و تابعین و سائر ائمہ مجتہدان دین کو بھی حکم تھا، یا خدا اور سول نے خاص آپ ہی کے واسطے رکھا؟! بر تقدیرِ اوّل ثبوت دو کہ وہ حضرات ہرگز اپنے مذہب پر قائم نہ رہتے تھے! بلکہ نماز و روزہ و تمام اعمال میں آج اپنے اجتہاد پر چلتے، تو کل دوسرے کے، پرسوں تیسرے کے! بر تقدیرِ ثانی یہ اچھی دولت دین ہے، جس سے سرداران اُمت و پیشوایانِ ملت باز رہ کر محروم گئے! کیا ان کے وقت میں یہ اختلاف مذاہب نہ تھا؟! یا انہیں نہ معلوم تھا کہ ناحق کُل دینِ متین پر عمل چھوڑے بیٹھے ہیں؟!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۹۹)

تیسرا رد

ثالثاً: اُف رے مغالطہ! کہ کُل دین پر یک لخت عمل چھوڑنے کا نام، سارے دین پر عمل کر نا رکھا! ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

بھلا مسائلِ اختلافیہ میں سب اقوال پر ایک وقت میں عمل تو محالِ عقلی ہے، ہاں یوں ہو کہ مثلاً آج امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی، کل نہ پڑھی، مگر یہ کُل دینِ متین کے خلاف ہوا! کیا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مقتدی کو قراءت بعض اوقات میں ناجائز تھی؟ حاشا بلکہ ہمیشہ! کیا امام شافعی کی رائے میں ماموم پر فاتحہ اَحیاناً واجب تھی؟ حاشا بلکہ دَواماً! تو جو نہ دائماً تارک نہ دائماً عامل، وہ دونوں قول کا مخالف و نافی!!۔ پُر ظاہر کہ ایجاب و سَلبِ کلی، سَلب وایجابِ دَوامی دونوں کا دافع و مُنافی ہے، اب تو کُھلا کہ تم نفی و خروج دونوں کے جامع ہو! کہ چاروں میں سے کسی کے نہ معتقد ہو، نہ کسی کے تابع۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۹۹)

چوتھا رد

رابعاً: جو امر ایک مذہب میں واجب، دوسرے میں حرام ہے، مثلاً قراءتِ مقتدی، تو عامل بالمذہبین فی وقتین کو کیا حکم دیتے ہو؟ آیا اسے ہمیشہ اپنے حق میں حرام سمجھے؟ یا ہمیشہ واجب؟ یا وقتِ عمل واجب؟ وقتِ ترک حرام؟ یا بالعکس؟ یا جس وقت جو چاہے سمجھے؟ یا کبھی کچھ نہ سمجھے؟ یعنی واجب غیر واجب، حرام غیر حرام، کچھ تصور نہ کرے؟ یا مذہبِ ائمہ یعنی واجب و حرام دونوں کے خلاف محض مُباح جانے؟ شقین اوّلین پر یہ ٹھہرتا ہے، کہ حرام جان کر ارتکاب کیا، یا واجب مان کر اجتناب۔

اور شقِ رابع پر دونوں سے صریح اجازتِ قصدِ فسق و تمرُّد معصیت ہے۔

اور شقِ ثالث مثل رابع کھلم کھلا ﴿یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا﴾ میں داخل ہوتا ہے: کہ ایک ہی چیز کو آج واجب جان لیا، کل حرام مان لیا، پرسوں پھر واجب ٹھہرا لیا! دین نہ ہوا کھیل ہوا! یا کفار سوفسطائیہ عندیہ کا میل ہوا! کہ جس چیز کو ہم جو اعتقاد کر لیں، وہ نفس الامر میں ویسی ہی ہو جائے۔

شقِ خامس پر یہ دونوں استحالے قائم، کہ جب اجازت مطلقہ ہے، تو عاماً شہراً یوماً درکنار، یحلونہ آناً و یحرمونہ آناً (ایک گھڑی اسے حلال ٹھہراتے ہیں، اور دوسری گھڑی اسے حرام مانتے ہیں) لازم آیا۔ اور نیز وقتِ عمل اعتقادِ حرمت، وقتِ ترک اعتقادِ وجوب کی اجازت۔

رہی شق سادس، وہ خود معقول نہیں، بلکہ صریح قول بالمتناقضین ہے، کہ آدمی جب عمل بالمذہبین جائز جانے گا، قطعاً فعل و ترک روا مانے گا، اس کا حکم اور اس سے منع بے ہودہ ہے، مع ہذا یہ شق بھی استحالۂ اولیٰ کے حصہ سے سلامت نہیں۔ بہا تم دیتے ہو کہ آدمی نماز میں ایک فعل کرے، مگر خبر دار! یہ نہ سمجھے کہ خدا نے میرے لیے جائز کیا ہے!۔

لاجرم شق ہفتم رہے گی، اور کُل وہی کھلے گا، کہ کُل دین متین کا خلاف، یعنی محصل جواز فعل و ترک نکلا، اور وہ وجوب و حرمت دونوں کے منافی ہے۔

بالجملہ حضرات براہِ فریبِ ناحق چاروں مذاہب کو حق جاننے کا ادّعاء کرتے ہیں، اور اس دھوکے سے عوام بے چاروں کو بے قیدی کی طرف بلاتے ہیں، ہاں یوں کہیں! کہ "ائمۂ اہل سنّت کے سب مذہبوں میں کچھ کچھ باتیں خلافِ دینِ محمدی ﷺ ہیں، لہذا ان میں تنہا ایک پر عمل ناجائز و حرام بلکہ شرک ہے! لاجرم ہر ایک کے دینی مسئلے چُن لیے جائیں، اور بے دینی کے چھوڑ دیئے جائیں!"۔

صاحبو! یہ تمھارا خاص دلی عقیدہ ہے، جسے تمھارے عمائد طائفہ لکھ بھی چکے، پھر ڈر کس کا ہے؟! یہ بلاد مدینہ طیبہ و بلد حرام نہیں، حجاز و مصر و روم و شام نہیں، زیر سلطنت سنّت و اسلام نہیں، کُھل کر کہو کہ "چاروں اماموں کے مذاہب (معاذ اللہ) بے دینی ہیں" کہ آخر دین و خلافِ دین کا مجموعہ ہرگز دین نہ ہوگا، بلکہ یقیناً بے دینی ہے، والعیاذ باللہ ربّ العالمین!۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۶۰۰)

پانچواں رَد

خامساً: فقیر ایک لطیفۂ تازہ عرض کرتا ہے، جس سے غیر مقلّدینِ عصر کی تمام جہالت کا دفعۃً تصفیہ ہو!: آج کل وہ محدّث حادث جو سب غیر مقلّدوں کے مقلّد و امامِ معتمَد ہیں، یعنی میاں نذیر حسین صاحب دہلوی، اپنے فتوٰی مصدّقہ مُہرِ دستخطی میں (کہ ان کے زعم میں ردِ تقلید تھا، اور مِن حیث لا یشعرون اِثباتِ تقلید) مع اخوان و ذرّیات اہلِ خواتیم فرما چکے ہیں کہ "جیسے ائمۂ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہو سکتا، ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت نہیں ٹھہر سکتا، جو ایسا کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار و رہبان پرست ہے"۔

بہت اچھا! چشم ما روشن، دلِ ماشاد! اب یہ بھی حضرت سے پُوچھ دیکھیے! کہ ائمۂ اربعہ کے سوا کون کون مجتہد ہیں؟! اسی فتوے میں تصریح کی، کہ امام الحرمین، و حجۃ الاسلام غزالی، و کیا ہراسی[1] و ابن سمعانی و غیر ہم ائمہ محض انتساب میں شافعی تھے، اور حقیقۃً مجتہد مطلق[2]۔ اور اسی میں لکھا: "بے شک جو منصف مزاج ہے، وہ ہرگز امام شعرانی کے منصب کامل اجتہاد میں کلام نہیں کر سکتا"[3]۔ بہت بہتر! کاش اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیتے! کہ "کلام کرے، یا ان اِقراروں سے پھرے"، تو اسے کہ معظمہ

---

(۱) یہ مشہور شافعی فقیہ علی بن محمد بن علی طبری ہیں، جن کا لقب عماد الدّین ہے، اور جو کیا ہراسی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ۵۰۴ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ ("وفیات الاعیان" ۲/۱۳۶، ۱۳۸، ملتقطاً)۔

(۲) پ۱۰، التوبۃ: ۳۷۔

(۳) "میزان الشريعة الكبرى" فصل في بيان استحاله خروج شيء ...إلخ، ۱/ ۵۳، ۵٤.

میں ٹری پاشا کا حوالہ دیکھیے، خود حضرت کے اقراروں سے ثابت ہو لیا کہ "ان پانچوں اماموں کا قول بھی ہرگز گمراہی نہیں ہو سکتا، اور جو ان کے فرمان پر چلے، اصلاً موردِ اعتراض نہیں، جو اسے بدعتی کہے، وہ خبیث خود بدعتی، احبار و رہبان پرست ہے"۔ اب ان حضرات سے کہیے کہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو! غیر مقلدی کی بے چارگی کا سویرا ہو گیا، ملاحظہ تو ہوا کہ یہی امام عبد الوہاب شعرانی، انہیں چاروں امام مجتہد سے اپنی "میزان مبارک" میں کس زور و شور سے وجوب تقلید شخصی نقل فرماتے، اور اسے مقبول و مسلم رکھتے ہیں!۔

امام شعرانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ اسی کی تصریح کی امام الحرمین و ابن السمعانی و غزالی و کیا ہراسی وغیرہم ائمہ نے، اور اپنے شاگردوں سے فرمایا: "تم پر واجب ہے خاص اپنے امام کے مذہب کا پابند رہنا، اگر ان کے مذہب سے عدول کیا تو خدا کے حضور تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہوگا"۔

اب ایمان سے کہنا! وجوب تقلید شخصی کی حقانیت کس شد و مد سے ثابت ہوئی! اور سارے غیر مقلدین (کہ اسے بدعت وضلالت کہتے ہیں) کیسے علانیہ خبیث بدعتی احبار و رہبان پرست ٹھہرے! الحمد للہ رب العالمین! ﴿وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ [۱] "اور کہا گیا کہ ظالم لوگ دور ہوں"۔ ("فتاوی رضویہ" ج ۲۱، ص ۲۰۱)

سنتِ الٰہیہ ہے کہ گمراہوں پر خود انہیں کے قول سے حجت قائم فرماتا ہے

واقعی سنتِ الٰہیہ ہے، کہ گمراہوں پر خود انہیں کے قول سے حجت قائم فرماتا ہے، ومنها على بطلانها الشواهد! ہم نہ صرف ترکِ تقلید، بلکہ بعونہ تعالیٰ ساری نجدیت، پوری وہابیت ان شاء العزیز انہیں ائمہ کرام کے ارشاد سے باطل ہو جائے گی۔ حضرات! ذرا ان اقراروں پر جمے رہیں، اور اپنے ایک ایک عقیدہ ناکدہ کا رد لیتے جائیں، وباللہ التوفیق!۔ اصل تحریر مجتہد صاحب اور ان کے مقلدوں کی مُہری، بعض احبابِ فقیر -غفر اللہ تعالیٰ لہ- کے پاس موجود ہے۔ والحمد لله العزيز الودود، والصلاة والسلام على النبي المحمود، وآله وصحبه إلى يوم الخلود، والله ﷻ أعلم، وعلمه -جلّ مجده- أتمّ، وحكمه -عزّ شأنه- أحكم. ("فتاوی رضویہ" ج ۲۱، ص ۲۰۱)

غیر مقلدین کا ہم سے اختلاف صرف فروعی نہیں، بلکہ بکثرت اصولِ دین میں ہمارا اُن کا اختلاف ہے۔ ہماری تمام کتب اصول مالا مال ہیں، کہ ہمارے اور جملہ ائمہ اہل سنت کے نزدیک اصولِ شرع چار ۴ ہیں: (۱) کتاب (۲) وسنت (۳) واجماع (۴) وقیاس۔ لامذہبوں نے اجماع وقیاس کو بالکل اُڑا دیا، ان کا پیشوا صدیق حسن بھوپالی لکھتا ہے: "قیاس باطل اور اجماع بے اثر آمد"۔

ان کی تمام کتابیں اس سے بھری ہیں، کہ وہ سوا قرآن وحدیث کے کسی کا اتباع نہیں کرتے، اور اجماع وقیاس کے سخت منکر ہیں، اور ہمارے ائمہ نے اجماع وقیاس کے ماننے کو ضروریاتِ دین سے گنا ہے، اور ان کے منکر کو ضروریاتِ دین کا منکر کہا ہے، اور ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے۔ پھر ہمارا ان کا اختلاف فروعی کیسے ہو سکتا ہے؟! "مواقف" و"شرح مواقف" "مواقف"

---

(۱) پ۱۱، ہود: ۴۴۔

اول، مرصد خامس، مقصد سادس میں ہے: "کونُ الإجماعِ حجةً قطعيةً معلومٌ بالضرورة من الدين"[1] یعنی "اجماع کا حجت قطعی ہونا ضروریاتِ دین سے ہے"۔

"کشف البزدوی شریف" میں ہے: "قد ثبت بالتواتر أنّ الصحابة رضي الله عنهم عملوا بالقياس، وشاع وذاع ذلك فيما بينهم، من غير ردّ وإنكار"[2] یعنی "تواتر سے ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قیاس پر عمل فرماتے تھے، اور یہ ان میں مشہور ومعروف تھا، جس پر کسی کو اعتراض وانکار نہ تھا"۔

اسی میں امام غزالی سے ہے: یعنی "قطعی دلیلوں سے ثابت ہے، کہ جمیع صحابۂ کرام اجتہاد وقیاس کو مانتے تھے، اور اس کے ماننے والوں پر انکار نہ کرتے تھے، اور یہ مشہور واقعوں میں تواتر کے ساتھ ثابت ہوا، اور امت میں سے کسی نے اس کا انکار نہ کیا، تواس سے علم ضروری پیدا ہوا، توجوبات ضروریاتِ دین سے ہے، کیونکر چھوڑی جائے گی؟!"۔

"درِ مختار" "کتاب السیر، باب المرتد میں ہے: یعنی "ضروریاتِ دینِ نبیِ کریم ﷺ میں سے کسی شئے کا انکار کفر ہے"۔ بالخصوص امام الائمہ، مالک الأزمّہ، کاشف الغمّہ، سراج الامّہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قیاس سے، ان گمراہوں کو جس قدر مخالفت ہے، عالَم آشکار ہے، ان کی کتابیں "ظفر المبین" وغیرہ امام وقیاساتِ امام پر طعن سے مملو ہیں۔

اور "فتاویٰ عالمگیری" جلد ثانی میں ہے: یعنی "جو شخص کہے کہ امام ابو حنیفہ کا قیاس حق نہیں، وہ کافر ہو جائے گا، ایسا ہی "تاتارخانیہ" میں ہے"۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۶۶)

جو بدمذہبوں جہنمیوں کو اہلِ سنّت جانے اور ان کا خلاف مثلِ اختلافِ صحابہ مانے خود بدعتی ناری جہنمی ہے

ثالثاً: لامذہبوں کا اہل سنّت کے ساتھ اختلاف، مثلِ اختلافِ صحابۂ کرام بتانا، صراحۃً انہیں اہل سنّت بناتا ہے، حالانکہ ہمارے علماء صاف فرماتے ہیں کہ وہ گمراہ بدعتی جہنمی ہیں۔ یہ نجات والا گروہ، یعنی اہل سنّت وجماعت آج چار ۴ مذاہب: (۱) حنفی، (۲) مالکی، (۳) شافعی، (۴) حنبلی میں جمع ہوگیا ہے، اب جو اِن چار ۴ سے باہر ہے، وہ بدمذہب جہنمی ہے، اور جو بدعتیوں جہنمیوں کو اہل سنّت جانے، اوران کا خلاف مثلِ اختلافِ صحابہ مانے، خود بدعتی ناری جہنمی ہے۔

رابعاً: اس بیان سے غیر مقلدوں لامذہبوں کی وقعت وتوقیر مسلمان بچوں کے دلوں میں جمے گی؛ کہ ان کا اختلاف مثلِ اختلافِ صحابۂ کرام ہے، اور حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَن وقّر صاحبَ بدعةٍ، فقد أعانَ على هدم الإسلام» "جو کسی بدمذہب کی توقیر کرے، اس نے دینِ اسلام کے ڈھانے پر مدد دی"۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۶۰۹)

❀ ❀ ❀

---

(۱) "شرح المواقف" الموقف ۱، المرصد ۵، المقصد ۶، ۱/ ۲۵۵.
(۲) "كشف الأسرار عن أصول البزدوي" باب القياس، ۳/ ۲۸۰.

Ataunnabi.com

خلافت و امارت

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar

(۱۶) خلافت وامارت

امامتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت مطلقہ کو امامت کبریٰ، اور اس منصب عظیم پر فائز ہونے والے کو امام کہتے ہیں۔ امام المسلمین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے مسلمانوں کے تمام امور دینی ودنیوی میں حسبِ شرع تصرّف عام کا اختیار رکھتا ہے، اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہوتی ہے۔

اس امام کے لیے مسلمان آزاد، عاقل، بالغ، قادر، قرشی ہونا شرط ہے، ہاشمی علوی اور معصوم ہونا اس کی شرط نہیں، ان کا شرط کرنا روافض کا مذہب ہے، جس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ برحق اُمرائے مؤمنین، خلفائے ثلاثہ: ابو بکر صدیق، عمر فاروق وعثمان غنی رضی اللہ عنہم کو خلافتِ رسول سے جدا کر دیں، حالانکہ ان کی خلافتوں پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم -، حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما نے ان کی خلافتیں تسلیم کیں۔ اور علویت کی شرط نے تو مولیٰ علی کو بھی خلیفہ ہونے سے خارج کر دیا! مولا علی کیسے علوی ہو سکتے ہیں؟! رہی عصمت، تو یہ انبیاء وملائکہ کا خاصہ ہے، امام کا معصوم ہونا روافض کا مذہب ہے۔

ہم مسلمانانِ اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت وامامتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بالقطع والتحقیق (قطعاً، یقیناً، تحقیقاً) حقّہ راشدہ ہے، ثابت ودرست، رُشد وہدایت پر مبنی ہے، نہ غاصبہ جائرہ کہ غصب یا جور وجبر سے حاصل کی گئی، رحمت ورافت، مہربانی وشفقت، حُسنِ سیادت، بہتر ولائق تر امارت، ولحاظِ مصلحت، تمام مصلحتوں سے ملحوظ، وحمایتِ ملت [۱] وپناہِ اُمّت سے مزیّن [۲] اور عدل وداد [۳] وصدق وسداد [۴] ورُشد وارشاد [۵] وقطعِ فساد وقمعِ اہلِ ارتداد [۶] سے محلّی [۷] اول تلویحات وتصریحات روشن وصریح ارشادات سید الکائنات -علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات والتحیات- اس بارے میں بکثرت وارد ہیں۔

دوسرے خلافت اس جنابِ تقویٰ مآب کی باجماعِ صحابہ واقع ہوئی، اور آپ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تختِ خلافت پر جلوس فرمانا، فرامین واحکام جاری کرنا، ممالکِ اسلامیہ کا نظم ونسق سنبھالنا، اور تمام اُمورِ مملکت ورزم وبزم کی باگیں اپنے دستِ حق پرست میں لینا، وہ تاریخی واقعہ مشہور ومتواتر اظہر من الشمس ہے، جس سے دنیا میں موافق مخالف حتی کہ نصاریٰ ویہود

---

(۱) (شریعت کی حمایتوں سے معمور)
(۲) (آراستہ وپیراستہ)
(۳) (انصاف وبرابری)
(۴) (راستی ودرستی)
(۵) (راست روی وحق نمائی)
(۶) (مرتدین کی بیخ کنی)
(۷) (سنواری ہوئی)۔

ومجوس وہنود کسی کو انکار نہیں۔ اور ان محبانِ خدا و تابانِ مصطفٰی ﷺ ابداً آبداً سے شیعانِ علی کو زیادہ عداوت کا مبنٰی یہی ہے، کہ ان کے زعمِ باطل میں استحقاقِ خلافت حضرت مولٰی۔ کرّم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی۔ میں منحصر تھا۔

جب بحکمِ الٰہی خلافتِ راشدہ، اوّل ان تین ۳ سردارانِ مؤمنین کو پہنچی، روافض نے انہیں (معاذ اللہ) مولٰی علی کا حق چھیننے والا، اور ان کی خلافت وامامت کو غاصبہ جائرہ ٹھہرایا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ تقیۂ شقیہ کی تہمت کی بدولت حضرت اسد اللہ غالب کو (عیاذاً باللہ) سخت نامرد و بزدل و تارکِ حق و مطیعِ باطل ٹھہرایا، ع

دوستی بے خرداں دشمنی ست

الغرض آپ کی امامت وخلافت پر تمام صحابۂ کرام کا اجماع ہے، اور باطل پر اجماعِ امت، خصوصاً اصحابِ حضرت رسالت۔ علیہ وعلیہم الصلاۃ والتحیۃ۔ کا ممکن نہیں، اور مان لیا جائے تو غصب وظلم پر اتفاق سے (عیاذاً باللہ) سب فُسّاق ہوئے، اور یہی لوگ حاملانِ قرآنِ مبین و راویانِ دینِ متین ہیں، جو انہیں فاسق بتائے، اپنے لیے نبی کریم ﷺ تک دوسرا سلسلہ پیدا کرے! یا ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے! اسی طرح ان کے بعد خلافتِ فاروق، پھر امامتِ ذی النورین، پھر جلوہ فرمائی ابو الحسنین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۵۴، ۲۵۵)

امامتِ کبرٰی صرف قریش کے ساتھ خاص ہے

اور امامتِ کبرٰی میں تو شرعِ مطہّر نے اس درجہ کا لحاظ فرمایا ہے، کہ اسے صرف قریش کے ساتھ مخصوص فرما دیا، غیر قریش اگرچہ عالمِ اجل ہو، امام وخلیفہ نہیں ہو سکتا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «الأئمةُ من قريش»[1] رواه أحمدُ، وابنُ أبي شيبة، والنَّسائي، وابنُ جرير، والحاكم، والبيهقي، والضّياء في "المختارة" (۱) عن أنس رضي الله عنه. (۲) ورواه الطبَراني في "الكبير" عن أبي ذرٍ رضي الله عنه. (۳) وأبو بكر بن أبي شَيبة، ونعَيم بن حمّاد، وابنُ السُنّي في "كتاب الإخوة"، والبيهقي عن أمير المؤمنين علي كرّم الله تعالى وجهه. "تمام خلفاء قریش سے ہوں گے!"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۵۱۹)

انتہائی تحقیق حضرت علی المرتضٰی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی امامت کے بارے میں

جانشینی ونیابت دو ۲ قسم ہے:

اوّل جزئی مقیّد کہ امام کسی خاص کام، یا خاص مقام پر، عارضی طور پر، کسی خاص وقت کے لیے، دوسرے کو اپنا نائب کرے، جیسے بادشاہ کا لڑائی میں کسی کو سردار بنا کر بھیجنا، یا کسی کو ضلع کی حکومت دینا، یا تحصیل خراج پر مامور کرنا، یا کہیں جاتے دے انتظامِ شہر سپرد کر جانا۔

---

[1] "مسند الإمام أحمد" عن أنس رضي الله عنه، ۳/ ۱۸۳. "مستدرك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ۴/ ۷۶. "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب من قال يؤمهم ذو نسب ...إلخ، ۳/ ۱۲۱.

اس قسم کا استخلاف صریح حضور پُر نور سیّد یوم النشور -صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وعترتہ وأزواجہ وصحابتہ أجمعین وبارک وسلم- سے بارہا واقع ہوا، جیسے بعض غزوات میں امیر المؤمنین صدیق اکبر، بعض میں حضرت اُسامہ بن زید، غزوۂ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہم کو سپہ سالار بناکر بھیجا۔ تحصیلِ زکاۃ پر امیر المؤمنین فاروق اعظم و حضرت خالد بن ولید وغیرہما رضی اللہ تعالی عنہم کو مقرر فرمایا۔ یہ بھی یقیناً حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نیابت تھی، کہ اخذ صدقات اصل کام حضور والا -صلوات اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ- کا ہے، قال تعالی: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾[1] "اے محبوب! ان کے مال سے زکاۃ تحصیل کرو، جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو! ان کے حق میں دعائے خیر کرو! بے شک تمھاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے!"۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے امامتِ کبری کی وصیت کسی کے لیے نہ فرمائی

دوم کلّی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہو سکتی، یعنی امام کا اپنے بعد کسی کے لیے امامت کبری کی وصیت فرمانا، اس کا نص صریح علی الاعلان بتصریح تام حضور اعلی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کسی کے واسطے نہ فرمایا، ورنہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ضرور پیش کرتے، اور قریش وانصار میں دربارۂ خلافت مباحثے مشاورے نہ ہوتے، امیر المؤمنین، امام الا تجمعین، اسد اللہ الغالب علی مرتضی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- سے باسانیدِ صحیحہ قویہ ثابت، کہ جب ان سے عرض کی گئی استخلفْ علینا! "ہم پر کسی کو خلیفہ کر دیجیے!" فرمایا: لا، ولکن أترُککم کما ترککم رسولُ الله ﷺ "میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا، بلکہ یونہی چھوڑوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے۔ أخرجه الإمام أحمد بسندٍ حسنٍ، والبزّارُ بسندٍ قويٍ، والدّارقُطني[2] وغيرهم.

دارقطنی کی روایت میں ہے، ارشاد فرمایا: "دخلنا علی رسول الله ﷺ فقلنا: یا رسولَ الله استخلفْ علینا! قال: «لا، إن یعلم اللهُ فیکم خیراً، یولّ علیکم خیرَکم» قال علي رضي الله عنه: فعلِم اللهُ فینا خیراً، فولّی علینا أبا بکرٍ رضي الله تعالی عنهم أجمعین"[3] "ہم نے خدمت اقدس حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ہم پر کسی کو خلیفہ فرما دیجیے! ارشاد ہوا: "نہ، اگر اللہ تعالی تم میں بھلائی جانے گا، تو جو تم سب میں بہتر ہے اُسے تم پر والی فرما دے گا"۔ حضرت مولی علی -کرّم اللہ وجہہ- نے فرمایا: رب العزۃ جل وعلا نے ہم میں بھلائی جانی، پس ابوبکر کو ہمارا والی فرمایا" رضي الله تعالی عنهم أجمعین.

امام اسحاق بن راہُویہ، ودارقطنی، وابن عساکر وغیرہم بطرقِ عدیدہ واسانیدِ کثیرہ راوی: دو ۲ شخصوں نے امیر المؤمنین مولی علی -کرّم اللہ وجہہ الکریم- سے ان کے زمانۂ خلافت میں دربارۂ خلافت استفسار کیا: کیا یہ کوئی عہد و قرارداد حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

---

(1) پ۱۱، التوبۃ: ۱۰۳۔

(2) "مسند الإمام أحمد" عن علي رضي الله عنه، ۱/ ۱۳۰. "کشف الأستار عن زوائد البزّار" باب في قتله، ر: ۲۵۷۲، ۳/ ۲۰۳. "الصواعق المحرقة" بحوالة الدّارقُطني، الباب ۱، الفصل ۵، صـ۷۰.

(3) "الصواعق المحرقة" بحوالة الدّارقُطني، الباب ۱، الفصل ۵، صـ۷۰.

کی طرف سے ہے، یا آپ کی رائے؟ فرمایا: "بلکہ ہماری رائے ہے! رہا یہ کہ اس باب میں میرے لیے حضور پُر نور ﷺ نے کوئی عہد و قرارداد فرما دیا ہو، سو خدا کی قسم ایسا نہیں! اگر سب سے پہلے میں نے حضور کی تصدیق کی، تو میں سب سے پہلے حضور پر افتراء کرنے والا نہ ہوں گا! اور اگر اس باب میں حضور والا ﷺ کی طرف سے میرے پاس کوئی عہد ہوتا، تو میں ابو بکر و عمر کو منبرِ اطہر حضور اقدس ﷺ پر جست نہ کرنے دیتا! اور بے شک اپنے ہاتھ سے ان سے قتال کرتا! اگرچہ اپنی اس چادر کے سوا کوئی ساتھی نہ پاتا! بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) کچھ قتل نہ ہوئے، نہ یکایک انتقال فرمایا، بلکہ کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے، مؤذّن آتا، نماز کی اطلاع دیتا، حضور ابو بکر کو امامت کا حکم فرماتے، حالانکہ میں حضور کے پیشِ نظر موجود تھا، پھر مؤذّن آتا، اطلاع دیتا، حضور ابو بکر ہی کو حکمِ امامت دیتے، حالانکہ میں کہیں غائب نہ تھا!"۔

اور خدا کی قسم ازواجِ مطہّرات میں سے ایک بی بی نے اس معاملہ کو ابو بکر سے پھیرنا چاہا تھا، حضور اقدس ﷺ نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا: "تم وہی یوسف علیہ السلام والیاں ہو! ابو بکر کو حکم دو کہ امامت کرے" پس جگہ حضور پُر نور ﷺ نے انتقال فرمایا، ہم نے اپنے کاموں میں نظر کی، تو اپنی دنیا یعنی خلافت کے لیے اسے پسند کر لیا جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین یعنی نماز کے لیے پسند فرمایا تھا؛ کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی، لہٰذا ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور وہ اس کے لائق تھے، ہم میں کسی نے اس بارے میں خلاف نہ کیا۔

یہ سب کچھ ارشاد کر کے حضرت مولیٰ علی -کرّم اللہ وجہہ الاسنیٰ- نے فرمایا: "فأدّيتُ إلى أبي بكرٍ حقَّه، وعرفتُ له طاعتَه، وغزوتُ معه في جُنودِه، وكنتُ آخُذ إذا أعطاني، وأغزُو إذا غزاني، وأضربُ بين يدَيه الحدودَ بسوطي"[1] "پس میں نے ابو بکر کو اُن کا حق دیا، اور ان کی اطاعت لازم جانی، اور ان کے ساتھ ہو کر ان کے لشکروں میں جہاد کیا، جب وہ مجھے بیت المال سے کچھ دیتے، میں لے لیتا، اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے، میں جاتا، اور ان کے سامنے اپنے تازیانہ سے حد لگاتا"۔

پھر بعینہٖ یہی مضمون امیر المؤمنین فاروق اعظم، و امیر المؤمنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ہاں البتہ اشاراتِ جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے، مثلاً:

(۱) ایک بار ارشاد ہوا کہ میں نے خواب دیکھا، کہ میں ایک کنوئیں پر ہوں، اس پر ایک ڈول ہے، میں اس سے پانی بھرتا رہا، جب تک اللہ نے چاہا، پھر ابو بکر نے ڈول لیا، دو ایک بار کھینچا، پھر وہ ڈول ایک چَرَس [بڑا ڈول] ہو گیا، جسے چرسہ کہتے ہیں، اسے عمر نے لیا، تو میں نے کسی سردار زبردست کو اس کام میں ان کے مثل نہ دیکھا، یہاں تک کہ تمام لوگوں کو سیراب کر دیا، کہ پانی پی پی کر اپنی فرودگاہ کو واپس ہوئے، رواه الشيخان[2] عن أبي هريرة وعن ابن عمر رضي الله عنهم.

---

(1) "تاريخ دِمشق الكبير" ترجمة: ٥٠٢٩، علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ٢٥/ ٢٣٧-٢٣٩. "الصواعق المحرقة" بحوالہ الدّارقُطني، وابن عساكر وإسحاق بن رَاهوَيه، الباب ١، الفصل ٥، صـ٧٠-٧٢.

(2) "صحيح البخاري" فضائل أصحاب النّبي ﷺ، ٢/ ٥١٧، و٥١٩، ٥٢٠. "صحيح البخاري" كتاب التعبير، ٢/ ١٠٣٩، ١٠٤٠. "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب من فضائل عمر، ٢/ ٢٧٥.

(۲) امیر المؤمنین مولی علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- فرماتے ہیں، کہ میں نے بارہا بکثرت حضور اقدس ﷺ کو فرماتے سنا کہ "ہوا میں اور ابو بکر و عمر"۔ "کیا میں نے اور ابو بکر و عمر نے"۔ چلا میں اور ابو بکر"۔ رواه الشيخان[1] عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

(۳) ایک بار حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "آج کی رات ایک مرد صالح (یعنی خود حضور پُر نور ﷺ) نے خواب دیکھا، کہ ابو بکر رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہیں، اور عمر ابو بکر سے، اور عثمان عمر سے"۔ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: جب ہم خدمتِ اقدس حضور والا ﷺ سے اٹھے، آپ [آپس] میں تذکرہ کیا کہ مرد صالح تو حضور اقدس ﷺ ہیں، اور بعض کا بعض سے تعلق، وہ اس امر کا والی ہونا، جس کے ساتھ حضور پُر نور ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔ رواه عنه أبو داود والحاكم[2].

(۴) انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بنی المصطلق نے خدمت حضور سیّد المرسلین ﷺ میں بھیجا، کہ حضور سے دریافت کروں: حضور کے بعد ہم اپنے أموالِ زکاۃ کس کے پاس بھیجیں؟ فرمایا: "ابو بکر کے پاس" عرض کی: اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو کسے دیں؟ فرمایا "عمر کو"، عرض کی: جب ان کا بھی واقعہ ہو؟ فرمایا: "عثمان کو"۔ رواه عنه في "المستدرَك" وقال: "هذا حديث صحيح الإسناد"[3].

(۵) ایک بی بی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور کچھ سوال کیا، حضور اقدس ﷺ نے حکم فرمایا کہ "پھر حاضر ہو"، انہوں نے عرض کی: آؤں اور حضور کو نہ پاؤں؟ فرمایا: "مجھے نہ پائے تو ابو بکر کے پاس آنا"۔ رواه الشيخان[4] عن جبَير بن مطعم رضی اللہ تعالی عنہ۔

(۶) یونہی ایک مرد سے ارشاد فرمانا مروی ہے کہ "میں نہ ہوں تو ابو بکر کے پاس آنا"، عرض کی: "جب انہیں نہ پاؤں؟ فرمایا: "تو عمر کے پاس"، عرض کی: جب وہ بھی نہ ملیں؟ فرمایا: "تو عثمان کے پاس"۔ أخرجه أبو نعَيم[5] في "الحلية"، و"الطبَراني" عن سهل بن أبي حيثمة رضی اللہ تعالی عنہ۔

---

(۱) "صحيح البخاري" فضائل أصحاب النبي ﷺ قبيل مناقب عمر، ۱/ ۵۱۹. "مشكاة المصابيح" بحوالة متفق عليه، باب مناقب أبي بكر وعمر رضی اللہ عنہما، صـ۵۵۹.

(۲) "سنن أبي داود" كتاب السنة، باب في الخلفاء، ۲۸۲۸۱. "مستدرَك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ۳/ ۷۱، ۷۲ و۱۰۲.

(۳) "مستدرَك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ۳/ ۷۷.

(٤) "صحيح البخاري" مناقب أصحاب النبي ﷺ فضائل أبي بكر رضی اللہ عنہ، ۱/ ۵۱٦. "صحيح البخاري" كتاب الأحكام، باب الاستخلاف، ۲/ ۱۰۷۲. "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر، ۲/ ۲۷۳.

(۵) انظر: "إزالة الخفاء" عن سهل بن أبي حثمة، فصل پنجم، مقصد أوّل، ۱/ ۱۲٤.

(۷) ایک شخص سے کچھ اونٹ قرضوں خریدے، یہ واپس جاتا تھا کہ مولی علی -کرّم اللہ وجہہ- ملے، حال پوچھا، اس نے بیان کیا، فرمایا: حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پھر حاضر ہو اور عرض کر: اگر حضور کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ قیمت کون ادا کرے گا؟ فرمایا: "ابو بکر"، پھر دریافت کرایا: اور جو ابو بکر کو کچھ حادثہ پیش آئے تو کون دے گا؟ فرمایا: "عمر"، پھر دریافت کرایا: انہیں بھی کچھ حادثہ در پیش ہو؟ فرمایا: «ویحك! إذا مات عمرُ، فإن استطعتَ أن تموت فمُتْ!» ہائے نادان! جب عمر مر جائے، تو اگر مر سکے تو مر جانا!"۔ رواه الطبَراني في "الكبير"[1] عن عصمة بن مالك ﷺ، وحسّنه الإمام جلال الدّين السُّيوطي.

(۸) انہیں اشاراتِ جلیلہ سے ہے حضور پُر نور ﷺ کا ایامِ مرضِ وفاتِ اقدس میں صدیق اکبر ﷺ کو اپنی جگہ امامتِ مسلمین پر قائم کرنا، اور دوسرے کی امامت پر راضی نہ ہونا، غضب فرمانا، جس سے امیر المؤمنین مولی علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- نے استناد فرمایا کہ «رضيَه رسولُ الله ﷺ لدِيننا، أفلا نَرضاه لدُنيانا؟»[2] "رسول اللہ ﷺ نے انہیں چُن لیا ہمارے دین کی پیشوائی کو، کیا انہیں ہم پسند نہ کریں اپنی دنیا کی امامت کو؟!"۔

(۹) اور نہایت روشن صریح کے قریب نص و تصریح وہ ارشاد اقدس ہے، کہ امام احمد و ترمذی نے بافادۂ تحسین، اور ابن ماجہ وابن حِبان وحاکم نے بافادۂ تصحیح، اور ابو المحاسن رویانی نے حضرت حذیفہ بن الیمان ﷺ، اور ترمذی وحاکم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ، اور طبرانی نے حضرت ابو درداء ﷺ، اور ابن عدی نے "کامل" میں حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت کیا، کہ حضور پُر نور سید یوم النشور -صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم- نے فرمایا: «إنّي لا أدري ما بقائي فيكم، فاقتدوا بالّذين من بعدي: أبي بكر!»[3]، وفي لفظ «اقتدوا بالّذين من بعدي من أصحابي: أبي بكر وعمر»[4] "میں نہیں جانتا میرا رہنا تم میں کب تک ہو، لہذا تمہیں حکم فرماتا ہوں کہ میرے ان دو صحابیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے !: ابو بکر و عمر ﷺ۔

(۱۰) ایک بار آخر حیاتِ اقدس میں نصِ صریح بھی فرما دینا چاہا تھا، پھر خدا اور مسلمانوں پر چھوڑ کر حاجت نہ سمجھی۔ امام احمد، وامام بخاری، وامام مسلم ام المؤمنین صدیقہ محبوبہ سید المرسلین -صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم- سے راوی، کہ وہ ارشاد

---

(۱) "المعجم الكبير" ر: ٤٧٨، ١٧/ ١٨١.

(۲) "الصواعق المحرقة" بحواله ابن سعد، الباب ۱، الفصل ٤، صـ٤٣، ٧١، ٩٣.

(۳) "مسند الإمام أحمد" حديث: حذيفه بن اليمان، ٥/ ٣٨٥، و٣٩٩، و٤٠٢. "سنن الترمذي" أبواب المناقب مناقب أبي بكر وعمار بن ياسر، ٢/ ٢٠٧، و٢٢١. "سنن ابن ماجه" فضل أبي بكر الصديق ﷺ، صـ١٠. "كنز العمال" ر: ٣٣١١٥، ١١/ ٦٤٠. "موارد الظمآن" ر: ٢١٩٣، صـ٥٣٩.

(٤) "الكامل" لابن عدي: ترجمة حماد بن دليل، ٢/ ٦٦٦. "مستدرَك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ٣/ ٧٥. "كنز العمال" ر: ٣٥٦٢٣، ١١/ ٥٦٠، و٧٥٥. "المعجم الكبير" ر: ٦٢٤٨، ٩/ ٦٨. "مسند الإمام أحمد" عن حذيفة، ٥/ ٣٨٢.

ربانی ہے: قال لي رسول الله ﷺ في مرضه الذي مات فيه: «ادعي لي أباك وأخاك، حتى أكتب كتابا، فإني أخاف أن يتمنى متمنٍ ويقول: أنا أولى، ويأبى الله والمؤمنون إلا أبا بكر»[1] "حضرت اقدس سید عالم ﷺ جس مرض میں انتقال فرمانے کو ہیں، اس میں مجھ سے فرمایا: "اپنے باپ اور بھائی کو بلا لے، کہ میں ایک نوشتہ تحریر فرما دوں، کہ مجھے خوف ہے، کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے، اور کوئی کہنے والا کہہ اٹھے، کہ میں زیادہ مستحق ہوں! اور اللہ نہ مانے گا اور مسلمان نہ مانیں گے مگر ابو بکر کو!"۔

امام احمد کے ایک لفظ یہ ہیں کہ فرمایا: «ادعي لي عبد الرحمن بن أبي بكر، أكتب لأبي بكر كتابا، لا يختلف عليه أحد، ثم قال: دعيه! معاذ الله أن يختلف المؤمنون في أبي بكر»[2] "عبد الرحمن بن ابی بکر کو بلا لو کہ میں ابو بکر کے لیے نوشتہ لکھ دوں؛ کہ ان پر کوئی اختلاف نہ کرے، پھر فرمایا: رہنے دو! خدا کی پناہ کہ مسلمان اختلاف کریں ابو بکر کے بارے میں!"۔ صلّى الله تعالى على الحبيب وآله وصحبه وبارك وسلّم. والله ﷻ أعلم، وعلمه أحكم!
("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص سو)

❁ ❁ ❁

(1) "صحيح البخاري" كتاب المرض، ۲/ ۸٤٦، وكتاب الأحكام، باب الاستخلاف، ۲/ ۱۰۷۲ "صحيح مسلم" كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب من فضائل أبي بكر، ۲/ ۲۷۳ "مسند الإمام أحمد" عن عائشة ؓ، ٦/ ١٤٤. "الصواعق المحرقة" الباب ١، الفصل ۳، صـ۳۷

(2) "الصواعق المحرقة" الباب ١، الفصل ۳، صـ۳۷. "مسند الإمام أحمد" عن عائشة ؓ، ٦/ ١٤٤

Ataunnabi.com

ایمان و کفر کا بیان

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar

(۱۷) ایمان وکفر کا بیان

بسم الله الرّحمن الرّحيم

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاة والسّلام على سيّد المرسَلين، خاتم النّبيين، محمّدٍ وآله وأصحابه أجمعين، إلى يوم الدّين بالتبجيل، وحسبنا الله ونعم الوكيل! [وبعد:]

کوئی کافر اللہ تعالی کو نہیں جانتا، اس پر ناواقفوں کے شبہ کا جواب

تصوّرِ الٰہ

بسم الله الرّحمن الرّحيم

الحمد للذي هدانا للإيمان، وآتانا القرآنَ والفرقان، والصّلاةُ والسّلام الأتمّان الأكمَلان، على مَن أعطانا العلمَ بربّنا فصحّ لنا الإيمان، وعلى آله وصحبِه وتابعِيهم بإحسان، [أما بعد:]

جانا جس نے جانا، اور جس نے نہ جانا وہ اب جانے، کہ اللہ تعالی کو جاننا بحمدہ تعالی مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، کوئی کافر کسی قسم کا ہو، ہرگز اُسے نہیں جانتا، کفر کہتے ہی جہل باللہ کو ہیں۔ یہاں ناواقفوں کو ایک شبہ گزرتا ہے، جس کا جوابِ کاشفِ صواب ورافعِ حجاب، والتّوفيق من الله الوهّاب!:

تقریرِ شبہ

کافروں کے صدہا فرقے اللہ تعالی کو جانتے، بلکہ مانتے بھی ہیں، فلاسفہ تو اس کی توحید پر دلائل قائم کرتے ہیں، یہود ونصاریٰ تورات وانجیل، اور مجوس اپنے زعم میں [زرتشت کی مقدس کتاب] ژند واُستا کو اسی کا کلام جان کر اعتقاد رکھتے ہیں، آریہ اگرچہ وید کو اس کا کلام نہیں جانتے، مگر بزعمِ خود اسی کا اِلہام مانتے، اور اسی کو مالک وخالقِ کُل اعتقاد کرتے، اور توحید کا محض جھوٹا دَم بھرتے ہیں، ہنود وغیرہم بُت پرست تک کہتے ہیں، کہ سارے جہاں کا مالک، سب خداؤں کا خدا ایک ہی ہے، عرب کے مشرک کہا کرتے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾[1] یعنی "وہ تو ان بتوں کو صرف اس لیے پُوجتے ہیں، کہ بُت انہیں اللہ سے قریب کر دیں"، اور لبیک میں کہا کرتے: "لبيك لا شريكَ لك، إلّا شريكاً هو لك تملكُه وما ملك"[2] "ہم تیری خدمت کو حاضر ہیں! تیرا کوئی شریک نہیں، مگر وہ شریک کہ تیرا ہی مملوک ہے، تُو اُس کا بھی مالک، اور اس کی مِلک کا بھی مالک!"۔ جب وہ لا شريكَ لك تک پہنچتے کہ تیرا کوئی شریک نہیں، حضور اقدس ﷺ فرماتے: «وَيلكم قطْ قطْ»[3] "تمھیں خرابی ہو! بس بس!" یعنی آگے نہ بڑھو! استثناء نہ گڑھو!۔ رب عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿وَلَىٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ

---

(۱) پ۲۳، الزمر: ۳۔

(۲) "صحيح مسلم" باب التلبية وصفتها ووقتها، ۱/ ۳۷۶.

(۳) "صحيح مسلم" باب التلبية وصفتها ووقتها، ۱/ ۳۷۶.

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ﴾ [1] "اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے بنائے؟ضرور کہیں گے: اللہ نے۔" اور کلمہ گو فرقوں میں جو مرتد ہیں، وہ تو نبی و قرآن سبھی کو جانتے، قال اللہ و قال الرّسول سے سندلاتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، جیسے قادیانی، نیچری، چکڑالوی، وہابی، رافضی، دیوبندی، غیر مقلد۔خذلھم اللہ تعالٰی أجمعین۔، پھر کیونکر کہا جائے کہ یہ اللہ عزّوجلّ کو جانتے ہی نہیں؟ ہاں نرے دہریوں کی نسبت یہ کہنا ٹھیک ہے، جو اللہ تعالٰی کو مانتے ہی نہیں۔

تقریر جواب بعون الوھّاب

أقول وباللہ التوفیق: ایجاب وسَلب متناقض ہیں، جمع نہیں ہوسکتے، وجودِ شَے اس کے لوازم کے وجود کا مقتضی، اور ان کے نقائض ومُنافیات کا نافی ہے، کہ لازم کا مُنافی موجود ہو تو لازم نہ ہو، اور لازم نہ ہو تو شَے نہ ہو، تو ظاہر ہوا کہ سلبِ شَے کے تین ۳ طریقے ہیں: ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۶۶)

سلبِ شَے کے تین طریقے

اوّل: خود اس کی نفی، مثلاً کہے: انسان ہے ہی نہیں۔

دوم ۲: اس کے لوازم سے کسی شَے کی نفی، مثلاً کہے: انسان تو ہے، لیکن وہ ایک ایسی شَے کا نام ہے، جو حیوان یا ناطق نہیں۔

سوم ۳: ان کے مُنافیات سے کسی شَے کا اِثبات، مثلاً کہے: انسان حیوانِ ناہق یا صاہل سے عبارت ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں پچھلوں نے اگرچہ زبان سے انسان کو موجود کہا، مگر حقیقۃً انسان کو نہ جانا، وہ اپنے زعمِ باطل میں کسی ایسی چیز کو انسان سمجھے ہوئے ہیں جو ہرگز انسان نہیں۔ تو انسان کی نفی اور اس سے جہل میں یہ دونوں، اور وہ پہلا جس نے سرے سے انسان کا انکار کیا، سب برابر ہیں، فقط لفظ میں فرق ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۶۷)

اللہ تعالٰی کو جمیع صفاتِ کمال لازمِ ذات ہیں اور جمیع عیوب ونقائص اس پر مُحال بالذات ہیں، جو اس کے کمالِ ذاتی کے مُنافی ہیں

مولٰی عزّوجلّ کو جمیع صفاتِ کمال لازمِ ذات ہیں۔ اور جمیع عیوب ونقائص اس پر مُحال بالذات ہیں، کہ اس کے کمالِ ذاتی کے مُنافی ہیں۔ کفار میں ہرگز کوئی نہ ملے گا جو اس کی کسی صفتِ کمالیہ کا منکر، یا (معاذاللہ) اس کے لیے کسی عیب ونقص کا مثبت نہ ہو، تو دہریے اگر قسمِ اوّل کے منکر ہیں، کہ نفسِ وجود سے انکار رکھتے ہیں، باقی سب کفار دو ۲ قسمِ اخیر کے منکر ہیں، کہ کسی کمالِ لازمِ ذات کے نافی، یا کسی عیبِ مُنافیٔ ذات کے مُثبِت ہیں۔ بہرحال اللہ عزّوجلّ کو نہ جاننے میں وہ اور دہریے برابر ہوئے، وہی لفظ وطرزِ ادا کا فرق ہے، دہریوں نے سرے سے انکار کیا، اور ان قہریوں نے اپنے اَوہامِ تراشیدہ کا نام خدا رکھ کر لفظ کا اِقرار کیا۔

---

(۱) پ۲۱، لقمان: ۲۵۔

اس شبہ کا ازالہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ﴿ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ میں اکثر کفّار سے نفیٔ علم فرمائی، سب سے نہیں

مولیٰ ﷻ فرماتا ہے: ﴿ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾(۱) "دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا!"۔ ولہذا کریمہ ﴿ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ کے تتمہ میں ارشاد ہوا: ﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴾(۲) "اگر ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ کہیں گے: ﴿ اللّٰهُ ۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ "تم کہو: حمد اللہ کو"، کہ اس کے منکر بھی ان صفات میں اسی کا نام لیتے ہیں، اپنے معبودانِ باطل کو اس لائق نہیں جانتے، مگر کیا اس سے کوئی یہ سمجھے کہ وہ اللہ کو جانتے ہیں، نہیں نہیں! ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴾ "بلکہ اکثر اسے جانتے ہی نہیں" ﴿ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴾(۳) "وہ تو یونہی اپنی سی اٹکلیں دوڑاتے ہیں" جیسے اور بہتیرے معبود گڑھ لیے کہ ﴿ اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾(۴) "وہ تو نرے نام ہیں کہ تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے دھر لیے، اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری"۔

یونہی اپنی اندھی اٹکل سے ایک سب سے بڑی ہستی خیال کر کے اس کا نام اللہ رکھ لیا ہے، حالانکہ وہ اللہ نہیں؛ کہ جن صفات کو اسے بتاتے ہیں، اللہ عزّوجلّ ان سے بہت بلند وبالا ہے۔ تعالی اللہ عمّا یقول الظالمون علوًّا کبیرًا، سبحان ربّ العرش عمّا یصفون. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۷)

کفّار کا اقرار باللہ ان کے جہل باللہ کے منافی نہیں

رہا یہ کہ یہاں اکثر سے نفیٔ علم فرمائی۔ **اقول اوّلاً:** دفعِ شبہ کو اتنا ہی کافی کہ آخر یہ اُن کے اکثر سے نفی ہے، جو اقرار کرتے ہیں، کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کا اقرار باللہ منافیٔ جہل باللہ نہیں، اور ہمارے سالبہ کلّیہ کی نفی نہ ہوئے گا؛ کہ یہ مفہوم لقب سے استدلال ہوا، اور وہ صحیح نہیں، اکثر سے نفی سلبِ جزئی ہوئی، اور سلبِ جزئی سلبِ کلّی کو لازم ہے نہ اس کا منافی۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۸)

متعدد آیاتِ کریمہ جن میں اکثر سے کُل مراد ہے

ثانیاً: ایسی جگہ اکثر پر حکم فرمانا قرآن عظیم کی سنّتِ کریمہ ہے، حالانکہ وہ احکام یقیناً سب کفّار پر ہیں: ﴿ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾(۵) ﴿ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾(۶) ﴿ وَ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

(۱) پ۲۵، جاثیہ: ۲۳۔
(۲) پ۲۱، لقمان: ۲۵۔
(۳) پ۲۵، زخرف: ۲۰۔
(۴) پ۲۷، نجم: ۲۳۔
(۵) پ۱، بقرہ: ۱۰۰۔
(۶) پ۶، مائدہ: ۵۹۔

یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ وَ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴾[1] ﴿وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ یَجْھَلُوْنَ﴾[2] ﴿یُرْضُوْنَکُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ وَتَاْبٰی قُلُوْبُھُمْ ۚ وَ اَکْثَرُھُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾[3] ﴿یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا وَ اَکْثَرُھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴾[4] کافروں کو فرمایا: "ان میں اکثر ایمان نہیں رکھتے، ان کے اکثر فاسق ہیں، ان کے اکثر بے عقل ہیں، ان کے اکثر جاہل ہیں، ان کے اکثر کافر ہیں" حالانکہ وہ سب ایسے ہی ہیں۔

یونہی یہاں فرمایا کہ ان کے اکثر نہیں جانتے، حالانکہ ان میں کوئی بھی نہیں جانتا، یہاں تک کہ شیاطین کے بارے میں فرمایا: ﴿یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ ﴾[5] "ان میں اکثر جھوٹے ہیں" حالانکہ یقیناً وہ سب جھوٹے ہیں۔ اور ان کے سوا اور آیاتِ کثیرہ۔

اب یا تو یہ کہ اکثر سے کُل مراد ہے، جیسے کبھی کُل سے اکثر مراد ہوتا ہے، کریمہ ﴿وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا﴾ کے تحت میں "مدارک التنزیل" میں ہے: "المراد بالأكثر الجميع"[6]. "معالم التنزیل" میں ہے: "أراد بالأكثر جميع من يقول ذلك"[7]. "شہاب علی البیضاوی" میں ہے: "يعني أنّ الأكثرَ يستعمل بمعنى الجميع، كما يرد القليل بمعنى العدم، وحمل النقيض على النقيض حسن وطريقة مسلوكة"[8] اھ

أقول: لكن لا شكّ أنّ منهم مَن لا يتبع ظنّاً ولا وهماً ولا أدنى شبهة، إنّما يتّبع هوًى نفسه عناداً واستكباراً ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ﴾[9] ﴿فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ﴾[10] ﴿وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾[11] "وقد سلفت الآية يعرفون نعمة الله ثمّ ينكرونها، نعمة الله: محمّد ﷺ"[12] قاله ابن عبّاس رضي الله عنهما.

---

(۱) پ۶، مائدۃ: ۱۰۳۔
(۲) پ۷، انعام: ۱۱۱۔
(۳) پ۱۰، توبہ: ۸۔
(۴) پ۱۴، نحل: ۸۳۔
(۵) پ۱۹، شعراء: ۲۲۳۔
(٦) "مدارك التنزيل" سورة يونس، تحت الآية: ﴿وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا﴾، ۲/ ۱۶۳.
(٧) "معالم التنزيل على هامش الخازن" سورة يونس، تحت الآية: ﴿وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا﴾، ۱/ ۱۸۹.
(٨) "حاشية الشهاب على البيضاوي" سورة يونس، تحت الآية: ﴿وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا﴾، ٥/ ۲۸.
(۹) پ۱۲، یوسف: ۲۰ و پ۷، انعام: ۲۰۔
(۱۰) پ۱، بقرہ: ۸۹۔
(۱۱) پ۱، بقرہ: ۹۳۔
(١٢) "الجامع لأحكام القرآن" بحوالة السدي، ۱۰/ ۱٦۱.

اوّل: یا یہ کہ ان میں سے جو علمِ الٰہی میں ایمان لانے والے ہیں، ان کا استثناء فرمایا جاتا ہے، وهو مسلك حسن ذهب إليه خاطري -بحمد الله تعالى- أوّل وهلة، ثمّ رأيتُ العلاّمةَ أبا السُّعود أشار إليه في "إرشاد العقل السّليم" حيث قال: "تخصيصُ أكثرِهم للتلويح بما سيكون من بعضهم من اتباع الحقّ والتوبة"(۱) "مشرکین کا جہل باللہ تو اسی کریمہ سے ثابت ہے، جس سے ان کے جاننے پر شبہ میں استدلال تھا، مدعیانِ توحید پر کلام کیجیے! جن میں نصاریٰ بھی باوصفِ تثلیث اپنے آپ کو شریک کرتے ہیں، اور شرعِ مطہّر نے بھی ان کے اَحکام کو اَحکامِ مشرکین سے جدا فرمایا(۲)"۔

فلاسفہ کا تصوّرِ اِلٰہ

فاقول وباللہ التوفیق:

- فلاسفہ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو صرف ایک عقلِ اوّل کا خالق ہے، دوسری چیز بنا ہی نہیں سکتا۔
- [ایسے کو خدا کہتے ہیں جو] تمام جزئیاتِ عالَم سے جاہل ہے۔
- [ایسے کو خدا کہتے ہیں جو] اپنے افعال میں مختار نہیں۔
- [ایسے کو خدا کہتے ہیں جو] اَجسام کو معدوم کر کے پھر نہیں بنا سکتا، ولہٰذا حشرِ اَجساد کے منکِر ہیں۔
- [ایسے کو خدا کہتے ہیں جس نے] آسمان نہ بنائے، بلکہ عقلوں نے بنائے، اور ایسے مضبوط گڑھے کہ فلسفی کا خدا انہیں شق نہیں کر سکتا، ولہٰذا قیامت کے منکِر ہیں، وغیرہ وغیرہ خرافاتِ ملعونہ۔

کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا يصفون. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۷۰)

آریہ کا تصوّرِ اِلٰہ

- آریہ ایسے کو ایشوَر کہتے ہیں جس کے برابر کے ہم عمر، دو ۲ واجب الوجود اَور ہیں: روح ومادّہ۔ ایشوَر نہ ان کا خالق، نہ ان کا مالک، اور ناحق ناروا انہیں دبا بیٹھا، ان پر ظالمانہ حکم چلا رہا ہے۔
- ایسے کو [ایشوَر کہتے ہیں] جس کا اصلاً کوئی ثبوت ہی نہیں، آریہ نے زبردستی مان رکھا ہے۔
- جب روح ومادّہ بے کسی کے بنائے آپ ہی اَزل سے موجود ہیں، تو کیا آپ ہی اپنا میل نہیں کر سکتے؟ تو جونوں [شکلوں، صورتوں] کے بننے میں بھی اس کے وجود پر دلیل نہیں، رہا جونوں کا بدلنا، وہ کرم کے ہاتھ ہے، ایشوَر کی کیا حاجت؟ اور اس کے ہونے پر کیا دلیل؟۔

---

(۱) "إرشاد العقل السّليم" سورة يونس، تحت الآية: ﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا﴾، ٤/ ١٤٥.

(۲) نصاریٰ صراحۃً تثلیث کے قائل ہیں، مگر تاویل کے ساتھ۔ لہٰذا شرعِ مطہّر نے انہیں مشرک نہ ٹھہرایا، ان کے اور مشرکوں کے اَحکام میں فرق فرمایا، مگر وہابیہ اللہ ورسول سے آگے بڑھتے، اور پوری توحید لا إله إلّا الله ماننے والے مسلمانوں کے لیے بات بات پر شرک کا لقب گڑھتے ہیں! وسيعلم الذين ظلموا أيّ منقلب ينقلبون!.

- ایسے کو [ایشور کہتے ہیں] جو ماں رکھتا ہے، اور وہ اس کی جان کی حفاظت کرتی ہے[1]۔ تو باپ بھی ضرور ہوگا؛ گر خود آریہ ولادت مسیح علیہ السلام پر کہتے ہیں کہ "بے باپ ولادت نرا مضحکہ ہے!"۔
- ایسے کو [ایشور کہتے ہیں] جو بستر پر بیمار پڑا، اور اپنی ماں کو دوا کے لیے پکار رہا ہے، وید آتے اور اس کا تنگ حال دیکھ کر سخت کڑھتے اور سر ہلاتے ہیں[2]۔
- ایسے کو [ایشور کہتے ہیں] جس سے زیادہ علم وعقل والے موجود ہیں، یہ اپنی بیماری میں جن کی دُہائی دیتا ہے، اور چیخ رہا ہے کہ او سیکڑوں طرح کے عقل وعلم والو! تمھاری ہزاروں بُوٹیاں ہیں، ان سے میرے شریر کو نروگ کرو، اے اماں جان! تو بھی ایسا ہی کر"۔
- ایسے کو [ایشور کہتے ہیں] جو گونگا ہے، اصلاً بول نہیں سکتا (اور یہ دوا کے لیے دوہائی تہائی کون مچا رہا تھا؟)۔ بات تو یوں نہیں کرتا: کہ انسان کی مشابہت نہ پیدا ہو، مگر وید اُتارنے کے لیے رشیوں کو بینڈ باجے کی طرح بجاتا، اور کٹھ پتلیوں کی مانند نچاتا ہے، فضیلتِ انسانی میں مشابہت گوارا نہ ہوئی، اور بجانے نچانے کے رذیل کاموں میں شرکت کی!! ع:

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس بجنے ناچنے میں جو کچھ رشیوں کے سُر بولے، وہ اس کی اِلہامی کتاب وید ہے۔
- ایسے کو [ایشور کہتے ہیں][3] جس کے ہزار سر ہیں، دو۲ مُونہے سانپ سے پانسو حصے۔ سوا ہزار آنکھ ہیں، ہر سَر میں ایک، ہر منہ سے کانا، یا بعض چہروں میں کئی کئی، باقی چہروں سے اندھا۔ ہزار پاؤں ہیں، کنکھجورا تو نہیں؟ جسے ہزار پا کہتے ہیں!۔
- ایسے کو [ایشور کہتے ہیں] جو زمین پر ہر جگہ ہے، اُلٹا سیدھا۔

یہ ہیں آریہ اور اُن کا ایشور! کیا اُنھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون.

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۷۱)

مجوس کا تصورِ اِلٰہ

- مجوس ایسے کو خُدا کہتے ہیں جس کے برابر کی چوٹ کا دوسرا خالق شیطان ہے۔
- پھر بعض کے نزدیک تو شیطان اُس کا مخلوق ہی نہیں، اُسی کی طرح واجب الوجود ہے، خود بخود موجود ہے۔ جب تو شیطان اُس کا ہمسر ہونا ظاہر ہے، اور جن کے نزدیک وہ بھی اسی سے پیدا ہوا، وہ اَور سخت عجوبہ ہے! یزدان سے

---

[1] ...یجر وید ۱۲۔

[2] ...رِ وید اودھیا نمبر ۱۲ او ۱۴۔

[3] ...اس سے اُن الفاظ تک کہ ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے، جس جس عبارت پر خط ہے، یہ مضمون یجر وید ادھیا ۳۱، منتر اوّل کا ہے۔

کوئی جزئی شر تو اس لیے نہ بن سکا؛ کہ وہ خیرِ محض ہے، اُس سے شر کیونکر پیدا ہو؟ مگر اہر من کہ ہر شر کی جڑ اور کلی شَر ہے، اس سے پیدا ہو گیا، اور جب سب شَر اہر من سے پیدا ہیں، اور اہر من یزدان سے، تو جملہ شُرور کا ٹیکا یزدان ہی کے ماتھے رہا!۔

- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جسے بیٹھے بٹھائے ایک دن فکر ہوئی کہ اگر کوئی میرا مخالف ہو تو کیسا ہو؟ اس خیالِ فاسد سے ایک دُھواں اُٹھا، جو شیطان بنا، اور اس نے قوت پکڑی، یہاں تک کہ لشکر جوڑ کر یزدان کے مقابل ہُوا، مجوس کا یزدان اُس کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگا، اور جنّت میں قلعہ بند ہوا۔ اہر من تین ہزار برس جنّت کا محاصرہ کیے رہا، یزدان اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا، آخر فرشتوں نے بیچ بچاؤ کر کے تصفیہ کرا دیا، کہ سات ہزار برس دنیا میں شیطان سلطنت کرے، پھر ملک یزدان کو سونپ دے۔ مجوس کا یزدان طولِ محاصرہ سے عاجز آچکا تھا، جبراً قہراً قبول کیا، اور اب اس سے دعا فضول ہے؛ کہ وُہ دنیا کی سلطنت سے معزول ہے۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جس نے بیٹے کے لیے ماں، باپ کے لیے بیٹی جیسی بے حیائیاں حلال کی ہیں۔

کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۷۱)

یہود کا تصورِ اِلٰہ

- یہود ایسے کو خدا کہتے ہیں جو آسمان و زمین بنا کر اتنا تھکا، کہ عرش پر جا کر پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹ گیا۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جو اُن میں بعض کے نزدیک عُزَیر کا باپ ہے۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جو ایک حکم دے کر اُس کا پابند ہو جاتا ہے، زمانہ و مصالح کتنے ہی بدلیں، اس کے بدلے دوسرا حکم نہیں بھیج سکتا۔ ولہٰذا نسخ کے منکر ہیں، اور شریعتِ مُوسوی کو اَبدی کہتے، اور اس صریح کذب کا اِفتراء اپنے معبود کے سَر دھرتے ہیں۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جس نے آپ ہی قومِ نُوح پر طوفان بھیجا، پھر اپنی اس حرکت پر ایسا نادِم ہُوا، اتنا رویا کہ آنکھیں دُکھ آئیں۔ نسخ تو پچتانا ٹھہر کر محال، حالانکہ اُسے پچھتانے سے کوئی تعلق نہیں۔ رات کو دن کرتا ہے، پھر دن کو رات کر دیتا ہے، کوئی مجنون ہی اسے پچتانا کہے گا!۔ جب اَحکامِ تکوینیہ میں یہ ہے، اَحکامِ تشریعیہ میں کون مانع ہے؟ خیر وہ تو پچتانے کے خوف سے نہ بدل سکے، مگر آدم کو بنا کر پچتایا اور طوفان بھیج کر تو پچتانے کا وُہ طوفان آیا، جس نے رُلا رُلا کر آنکھوں کا یہ دن کر دکھایا!۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] کہ نہ توریت اُس کی کتاب، نہ موسیٰ سے اُس کا کلام، یہ سارے کرشمے ایک فرشتے کے ہیں۔

کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۷۱)

نصاریٰ کا تصورِ الٰہ

نصاریٰ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے، اور مزہ یہ کہ اُس کے بھائیوں[1] کا بھی باپ ہے، اُس[2] کے شاگردوں کا باپ ہے، اُس[3] کے چھوٹے جُھنڈ کا باپ ہے۔ ہر عیسائی[4] کا باپ ہے، پھر[5] ہر مصلح کا باپ ہے، خود[6] آدم کا باپ ہے، تو ہر بشر کا باپ ہے، یہاں تک کہ حکم[7] ہے کہ زمین پر کسی کو اپنا باپ مت کہو، کیونکہ تمھارا ایک باپ ہے، جو آسمان پر ہے۔ یہ کچھ ٹونات پودھ پھیلی ہوئی ہے، اور پھر اکیلا مسیح اُس کا اکلوتا۔

- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جو اپنے اکلوتے کو سُولی سے نہ بچا سکا۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] کہ جب اس کا بے گناہ اکلوتا یہاں کی مصیبت جھیل کر، ہاں ہاں عیسائیوں کا خدا اخلوق کے مارے سے دَم گنوا کر باپ کے پاس گیا، اُس نے اکلوتے کی یہ عزت کی، اُس کی مظلومی و بے گناہی کی یہ داد دی، کہ اُسے[8] دوزخ میں جھونک دیا، اَوروں کے بدلے اسے تین ۳ دن جہنم میں بُھونا۔
- ایسے کو[9] [خُدا کہتے ہیں] جو روٹی اور گوشت کھاتا ہے، اور سفر سے آکر اپنے پاؤں دُھلوا کر درخت کے نیچے آرام کرتا ہے، درخت اُونچا اور وُہ نیچا ہے۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جو فقط زندوں[10] کا خدا ہے، مُردوں کا نہیں، جو جو مرتے جاتے ہیں، اس کی خدائی سے نکلتے جاتے ہیں۔
- ایسے کو جو اپنے ایک بندے[11] سے رات کو صبح ہونے تک کشتی لڑا، اور اُسے گِرا نہ سکا، جب دیکھا کہ میں اس پر غالب نہیں آتا، اُس کے پاؤں کی نس چڑھا کر کمزور کیا۔

---

(۱) "انجیل یوحنا" باب ۲۰، ورس ۱۷۔
(۲) "انجیل متی" باب ۵، ورس ۴۵ و ۴۸، و باب ۶، ورس ۲ و ۴ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۶ و ۳۲، و باب ۷، ورس ۱۱۔ و "انجیل لوقا" باب ۱۱، ورس ۲، و باب ۱۲، ورس ۳۰۔
(۳) "انجیل لوقا" باب ۲، ورس ۳۲۔
(۴) "پولس کا خط گلتیوں کو" باب ۳، ورس ۲۶۔
(۵) "انجیل متی" باب ۵، ورس ۹۔
(۶) "انجیل لوقا" باب ۳، ورس ۳۸۔
(۷) "انجیل متی" باب ۲۳، ورس ۹۔
(۸) مسئلہ کفارہ۔
(۹) "پیدائش" باب ۱۸، ورس ۴ تا ۸۔
(۱۰) "انجیل متی" باب ۲۲، ورس ۳۲۔
(۱۱) "موسیٰ کی پہلی کتاب" باب ۳۲، ورس ۲۵ و ۲۴۔

- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جس کا(۱) بیٹا اُسے جلال بخشتا ہے۔ آریوں کے ایشور کی تو ماں اس کی جان کی حفاظت کرتی تھی، عیسائیوں کے خدا کا بیٹا اُسے عزت بخشتا ہے، کیوں نہ ہو، سپوت ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس پر پھر اسے بے خطا جہنم میں جھونکنا کیسی محسن کشی ناانصافی ہے؟!
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جو(۲) یقیناً دغا باز ہے، پچھتاتا(۳) بھی ہے، تھک جاتا بھی ہے۔
- ایسے کو(۴) [خُدا کہتے ہیں] جس کی دو ۲ جورُو ہیں، دونوں پکّی زِناکار، حد بھر کی فاحشہ۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جس(۵) کے لیے زِنا کی کمائی فاحشہ کی خرچی، کمال مقدس پاک کمائی ہے۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جس(۶) نے باندی غلام بنانا جائز رکھ کر، نصاریٰ کے دھرم میں حد درجے کی ناپاک ظالمانہ وحشیانہ حرکت کی۔ اور پھر خالی(۷) کام خدمت ہی کے لیے نہیں، بلکہ موسیٰ کو حکم دیا کہ مخالفوں کی عورتیں پکڑ کر حرم بناؤ! اُن سے ہمبستری کرو!۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں] جس(۸) کی شریعت محض باطل ہے، اُس سے راست بازی نہیں آتی، اُسے ایمان(۹) سے کچھ علاقہ نہیں، جو اس کی شریعت(۱۰) پر عمل کرے ملعون ہے، بلکہ اس کا اکلوتا(۱۱) بیٹا خود ہی ملعون ہے، پھر بھی ایسی لعنتی شریعت(۱۲) پر عمل کا حکم دیتا ہے، بندوں سے اس کا التزام مانگتا ہے، اُس کے ترک(۱۳) پر عذاب کرتا ہے۔
- ایسے کو [خُدا کہتے ہیں](۱۴) جو اتنا جاہل کہ نہایت سیدھا سا حساب نہ کر سکا، بیٹے کو باپ سے عمر میں بڑا بتا یا گیا۔

---

(۱) "انجیل یوحنا" باب ۱۷، درس اوّل۔
(۲) "کتاب یرمیاہ نبی" باب ۴، درس ۱۹۔
(۳) "کتاب یرمیاہ" باب ۱۵، درس ۶۔
(۴) "کتاب حزقیل نبی" باب ۲۳، درس ۱ تا ۲۳۔
(۵) "کتاب یسعیاہ نبی" باب ۲۳، درس ۱۸۔
(۶) "خروج" باب ۱۲، درس ۱ و ۴ تا ۶۔ و "پیدائش" باب ۱۶، درس ۱ تا ۶ وغیرہ۔
(۷) "استثناء" باب ۷، درس ۲، باب ۲۱، درس ۱۰ و ۱۱۔
(۸) "پولس کا خط گلتیوں کو" باب ۳، درس ۱۱۔
(۹) ایضاً درس ۱۲۔
(۱۰) ایضاً درس ۱۰ و ۱۳۔
(۱۱) ایضاً درس ۱۳۔
(۱۲) "انجیل متی" باب ۲۳، درس ۲۳۔
(۱۳) "کتاب یرمیاہ" باب ۹، درس ۱۲ تا ۱۶۔
(۱۴) "تواریخ کی دوسری کتاب" باب ۲۲، درس ۱ و ۲ مع باب ۲۱، درس ۲۰۔

- ایسے کو [خدا کہتے ہیں] جو[1] اتنا بُھلکڑ کہ اپنے اکلوتے کے باپوں کی صحیح گنتی نہ گِنا سکا، کہیں داود تک اس ستائیس ۲۷ باپ، کہیں پندرہ ۱۵ بڑھاکر بیالیس ۴۲ باپ وغیرہ وغیرہ خرافاتِ ملعونہ!۔

کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص [illegible])

نیچری کا تصورِ الٰہ

- نیچری ایسے کو خدا کہتا ہے جو نیچر کی زنجیروں میں جکڑا ہے، اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، اور نیچر بھی اُتنا جو نیچری کی سمجھ میں آئے، جو اس کی ناقص عقل سے وراء ہے، معجزہ ہو یا قدرت، سب پادر ہوا ہے۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جس نے (خاک بدہن ملعونان) جھوٹا دین اسلام بھیجا؛ کہ اس میں باندی غلام بنانا حلال ہے (اگرچہ پیر نیچر کے نزدیک ابتداء ہی میں)[2] اور وہ دین جس میں باندی غلام بنانا حلال ہوا ہو، نیچری کے نزدیک

(۱) "انجیل لوقا" درس ۲۳ تا ۳۱ مع "انجیل متی" درس ۶ تا ۱۷۔

(۲) رسالہ سیّد احمد خان پیر نیچر ابطال غلامی صفحہ ۳: ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہو سکتی، صاف عیاں ہے کہ غلامی اس قادر مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف ہے۔
صفحہ ۲۰: غلامی خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتی، کیا پاک پروردگار ہی ناپاک چیز کو انسان کے حق میں جائز کرتا، اصلی ظلم اور ٹھیٹ ناانصافی ہے! خدا ایسے قصور کا تقصیروار نہیں ہو سکتا۔
صفحہ ۲۴: جو امور لونڈیوں اور قیدی عورتوں کے ساتھ جائز سمجھے جاتے ہیں، کیا حرکاتِ بہائم سے کچھ زیادہ رُتبہ رکھتے ہیں؟! کیا وہ کسی مذہب کے سچے اور خدا کے دیے پر دلیل ہو سکتے ہیں؟ حاشا وکلا! ایک لحہ کے لیے بھی یہ بات مانی نہیں جا سکتی، کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو، اس میں ایسے امور جائز ہوں!۔
صفحہ ۲۵: یہودی مذہب نے غلامی کے قانون کو جائز سمجھا، اور عیسیٰ مسیح نے اس کی نسبت کچھ نہ کہا، مگر محمد ﷺ نے جو کچھ کہا اس کو کسی نے نہ سمجھا۔
صفحہ ۲۹: زمانۂ اسلام میں بھی غلامی کی رسم پر جب تک آیتِ حُریت نازل نہ ہوئی، کچھ تھوڑا سا عملدرآمد ہوا، اس میں کچھ شک نہیں کہ قبلِ نُزول آیتِ حریت جو غلام موجود تھے، ان کو اسلام نے دفعۃً آزاد نہ کیا، نہ ان کے تعلّقات کو توڑا۔
ملاحظہ ہو! مُوسوی، عیسوی، محمدی تینوں دین باطل کر دیے، مُوسوی تو یوں کہ اس نے غلامی کے قانون کو جائز رکھا۔ اور عیسوی یوں کہ عیسیٰ مسیح نے اسی شدید بے حیائی، ٹھیٹ ظلم پر کچھ نہ کہا، نبی کا کسی بات پر سکوت بھی اسے جائز کرتا ہے۔ اسلام یوں کہ صدرِ اسلام میں غلامی کی رسم پر عملدرآمد رہا۔ پھر جب اس مرتد کے زعم میں آیتِ آزادی اُتری، اس نے بھی اگلے حکموں کو برقرار رکھا، ان بے حیائیوں کو معدوم نہ کیا۔ سُود منع فرمایا، جب تو یہ حکم دیا کہ پہلے کا جو باقی رہا ہو، وہ بھی چھوڑ دو، ورنہ اللہ و رسول سے لڑائی کو تیار ہو جاؤ!۔ اور یہاں موجود ظلموں بے حیائیوں کو قائم رکھا، جائز کر دیا۔ فقط آئندہ کے لیے اس کے زعم ملعون میں منع کیا۔ بہر حال تینوں دِینوں میں ہمیشہ یا ایک زمانۂ دراز تک رسم غلامی جائز رہی۔ اور خود کہہ چکا کہ "ایک لحہ کے لیے یہ بات نہیں مانی جا سکتی، کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اُترا ہو، اس میں ایسے اُمور جائز ہوں"۔ کیسا صاف صریح کہہ دیا کہ مُوسوی، عیسوی، محمدی تینوں دین باطل، اور پھر عجب ہے کہ اس کے پیرو اُسے نہ صرف مسلمان، بلکہ اسلام کا سنوارنے والا بتاتے ہیں! کلا واللہ! بلکہ ﴿اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ ﳓ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ ﴿وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴾. منہ [أي: من الإمام أحمد رضا]

خدا کی طرف سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جس نے مدتوں اسلام میں اپنی خلافِ مرضی باتیں، ناپاک چیزیں، اصلی ظلم، ٹھیٹ ناانصافی روا رکھی۔ ایسی بدباتیں بہائم کی حرکتیں، کہ ایک لحہ کے لیے بھی یہ بات نہیں مانی جاسکتی، کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اُترا ہو، اُس میں ایسے امور جائز ہوں۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جو اِن سخت ظالموں، ٹھیٹ ناانصافوں، جانور سے بدتر وحشیوں کو، جن کا چھوٹا بڑا، اوّل سے آج تک اُن ناپاکیوں پر اِجماع کیے ہوئے ہے، خیرُالامم کا خطاب دیتا، اور اپنے چُنے ہوئے بندے کہتا ہے۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جس نے کہا تو کہ "یہ روشن آیتیں بھیجتا ہوں، تمھیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہوں"، اور کیا یہ کہ جو کہی کہہ مکرنی کہی، تمثیلی داستان، پہیلیاں، چیستان، لفظ کچھ، مراد کچھ، جو لغۃً عُرفاً کسی طرح اُس کا مفہوم نہ ہو۔ فرشتے، آسمان، جن، شیطان، بہشت، دوزخ، حشر، اَجساد، معراج، معجزات سب باتیں بتائیں، اور بتائیں بھی کیسی؟ ایمانیات ٹھہرائیں! اور مَن میں یہ کہ در حقیقت یہ کچھ نہیں، یونہی طوطا مینا کی سی کہانیاں کہہ سنائیں، وغیرہ وغیرہ خرافاتِ ملعونہ۔

کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۷۵)

چکڑالوی کا تصورِ اِلٰہ

- چکڑالوی ایسے کو خدا کہتا ہے جس کے رسول کی قدر ایک ڈاکیے سے زیادہ نہیں، جس نے اپنے نبی کا اتباع کچھ نہ رکھا۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جس نے کہا تو یہ کہ "میری کتاب میں ہر شَے کا روشن بیان ہے، ہر چیز کی پُوری تفصیل ہے، ہم نے اس میں کوئی بات نہ اٹھا رکھی"، اور حالت یہ کہ نماز فرض کی، اور یہ بھی نہ بتایا کہ کَے وقت کی! یہ بھی نہ بتایا کہ ہر وقت میں کَے رکعتیں! یہ بھی نہ بتایا کہ اُس کے پڑھنے کی ترکیب کیا ہے! اس کے ارکان کیا ہیں! اگر رکوع، سجود، قیام، قراءت اس کے رکن مانے بھی جائیں، اگرچہ اس نے کہیں اس کا اظہار نہ کیا، تو ان میں آگے کیا ہو، پیچھے کیا، اس کے مفسدات کیا کیا ہیں، کیونکر جاتی ہے، کیونکر ہوتی ہے۔ سب سے بڑا فرض ایمان، اُس میں تو یہ گول مجمل بے سُود بیان، جس سے کچھ پتا ہی نہ چلے! اور دعوے ؤہ لمبے کہ جملہ اشیاء کا روشن بیان! مزہ یہ کہ متواترات کی جڑ کاٹ دی کہ "سوا میری کتاب کے کچھ حجت نہیں"، اپنی کتاب کیا وہ خود ہمارے ہاتھ میں دے گیا؟ یہ بھی تو ہم کو تواتُر ہی سے ملی! جب تواتُر حجت نہیں، یہ بھی حجت نہیں!۔ غرض ایمان اسلام سب برباد و ناکام!!۔ وغیرہ وغیرہ خرافاتِ ملعونہ۔

کیا اس نے خدا کو جانا؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۷۵)

قادیانی کا تصورِ الٰہ

- قادیانی ایسے کو خدا کہتا ہے جس[1] نے چار سُو جھوٹوں کو اپنا نبی کیا، اُن سے جھوٹی پیشین گوئیاں کہلوائیں، جس نے ایسے[2] کو ایک عظیم الشان رسول بنایا، جس کی نبوت پر اصلاً دلیل نہیں، بلکہ اُس کی نفیٔ نبوت پر دلائل قائم، جو (خاک بدہن ملعونان) ولدُالزنا[3] تھا، جس کی تین ۳ دادیاں نانیاں زنا کار کسبیاں تھیں۔
- ایسے کو [خُدا کہتا ہے] جس[4] نے ایک بڑھئی کے بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا، کہ ہم نے بن باپ کے بنایا، اور اس پر یہ فخر کی جھوٹی ڈینگ ماری، کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے!۔
- ایسے کو [خُدا کہتا ہے] جس نے[5] ایک بد چلن عیّاش کو اپنا نبی کیا، جس نے ایک[6] یہودی فتنہ گر[7] کو اپنا رسول کر کے بھیجا، جس کے پہلے ہی فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا۔
- ایسے کو [خُدا کہتا ہے] جو[8] اسے ایک بار دنیا میں لا کر دوبارہ لانے سے عاجز ہے، وہ جس نے ایک شُعبدہ باز[9] کی مسمریزم والی مکروہ حرکات، قابلِ نفرت حرکات، جُھوٹی بے ثبات کو اپنی آیاتِ بیّنات بتایا۔
- ایسے کو جس کی آیاتِ بیّنات لہو ولعب ہیں، اتنی بے اصل کہ عام لوگ ویسے عجائب کر لیتے تھے، اور اب بھی کر دکھاتے ہیں، بلکہ آجکل کے کرشمے اُن سے زیادہ بے لاگ ہیں، اہلِ کمال کو ایسی باتوں سے پرہیز رہا ہے۔

یہ ہے قادیانی اور اُس کا ساختہ خدا! کیا وُہ خدا کو جانتا تھا؟ یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون.

("فتاوی رضویہ" ج ۱۸، ص ۲۷۷)

رافضیوں کا تصورِ الٰہ

- رافضی ایسے کو خدا کہتا ہے جو حکم کر کر کے پچھتاتا ہے، جو مصلحت سے جاہل رہ کر ایک حکم کرتا ہے، جب مصلحت[10] کا علم آیا، اُسے بدل دیتا ہے۔ اس سے تو یہودی خدا غنیمت تھا؛ کہ پچھتانے کے عیب سے بچنے کو نسخ

---

(۱) "اِزالہ اوہام" ص ۶۲۹۔
(۲) "اعجاز احمدی" ص ۱۳۔
(۳) "ضمیمہ انجام آتھم" ص ۷۔
(۴) "رسالہ کشتی نوح" ص ۱۶ مع نوٹ۔
(۵) "ضمیمہ مذکورہ" صفحہ ۷۔
(۶) "مواہب الرحمن" صفحہ ۷۲۔
(۷) "دافع البلا" صفحہ ۱۵۔
(۸) ایضاً عبارت مذکورہ۔
(۹) "ازالہ" آخر صفحہ ۱۵۱ تا آخر صفحہ ۱۶۳۔
(۱۰) "فتوائے مجتہد لکھنؤ" مجموعہ تکملہ رد روافض۔

تک نہ کر سکا!۔

- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جو وعدے کا جھوٹا، یا بندوں سے عاجز ہے، کہ اپنا کلام اتارا، اور اُس کی حفاظت کا ذمّہ دار بنا، مگر عثمان غنی وغیرہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم و اہلِ سنّت نے اس کی آیتیں الٹ پلٹ کر دیں، سُورتوں کی سورتیں کُتر لیں، اور وہ یا تو وعدہ خلافی سے چُپکا دیکھا کیا اور کچھ نہ کہا، یا گھٹانے والوں کے آگے کچھ نہ چل سکی، دَم سادھ گیا۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جس نے کہا تو یہ کہ "میں یہ دین سب پر غالب کرتا ہوں"، اور کیا یہ کہ خود ہی اُسے ملیامیٹ کر دیا! اپنی کتاب ہی کا آپ ہی کھل بیڑا نہ رکھا، فاسقوں کی روایت بے تحقیق ماننے سے منع کیا، اور اپنی کتاب کی روایت کا سلسلہ (خاک بدہن ملعونان) کافروں سے رکھا، اور کافر بھی وہ جن کا ایک گروہ ایک جتھا خیانت میں طاق، اور عداوتِ اہلِ بیت میں تحریف واِخفائے آیات پر سب کا اتفاق، کیا معلوم کہ انہوں نے کتنا بدلا! کیا کچھ چُھپایا! آیتوں کی ترتیب بدل کر کہاں کا حکم کہاں لگایا!۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جو بندوں سے عاجز تر ہے، وہ بندے سے نیکی چاہے، اور بندہ بدی چاہے، تو بندہ ہی کا چاہا ہوتا ہے، اُس کی ایک نہیں چلتی۔

یہ ہے رافضیوں کا خدا، کیا خدا ایسا ہوتا ہے؟ تعالی اللہ! کیا وہ خدا کو جانتے ہیں؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۷۷)

وہابیوں کا تصورِ الٰہ

- وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جسے [1] مکان، زمان، جہت، ماہیت، ترکیبِ عقلی سے پاک کہنا بدعتِ حقیقیہ کے قبیل سے، اور صریح کفروں کے ساتھ گِننے کے قابل ہے، جس کا سچا ہونا کچھ ضرور نہیں، جھوٹا بھی ہوسکتا ہے۔
- ایسے کو [2] [خدا کہتا ہے] جس کی بات پر اعتبار نہیں، نہ اُس کی کتاب قابلِ استناد، نہ اُس کا دین لائقِ اعتماد۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جس [3] میں ہر عیب ونقص کی گنجائش ہے، جو اپنی مشیخت بنی رکھنے کو قصداً عیبی بننے سے بچتا ہے، چاہے تو ہر گندگی میں آلودہ ہو جائے۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جس [4] کا علم حاصل کیے حاصل ہوتا ہے، اس کا علم اس کے اختیار میں ہے، وہ چاہے تو جاہل رہے۔
- ایسے کو [خدا کہتا ہے] جس نے اپنے کلام میں خود شرک بولے، اور جابجا بندوں کو شرک کا حکم دیا۔ قرآن عظیم تو

---

(1) "ایضاح الحق" اسماعیل دہلوی، ۳۵ و ۳۶۔
(2) دیکھو "سبحان السبوح" تنزیہ دوم، دلیل دوم۔
(3) رسالہ "یکروزی" اسماعیل دہلوی، ص۱۴۵۔
(4) "تقویۃ الایمان" اسماعیل دہلوی، ص۲۰۔

فرمائے: ﴿ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾[1] "انہیں اللہ ورسول نے اپنے فضل سے دولتمند کردیا" اور مسلمانوں کو اس کہنے کی ترغیب دے: ﴿ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ ﴾[2] "ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتے ہیں اللہ ورسول ہمیں اپنے فضل سے"۔ اور وہابیہ کا خدا اسمٰعیل دہلوی کے کان میں پھونک جائے، کہ ایں کہنے والا مشرک ہے۔

- قرآن عظیم تو جبریلِ امین کو بیٹا دینے والا فرمائے، کہ اُنہوں نے حضرت مریم سے کہا: ﴿ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴾[3] "میں تو تیرے رب کا رسول ہوں! اس لیے کہ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں" یعنی مسیح علیہ الصلاۃ والتسلیم ۔رسول بخش ہیں، اور وہابیہ کا خدا اُن کے کان میں ڈال جائے کہ "رسول بخش کہنا شرک ہے"۔

- قرآن عظیم تو اس گستاخ پر جس نے کہا تھا: "رسول غیب کیا جانے!" حکم کفر فرمائے کہ ﴿ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾[4] "بہانے نہ بناؤ! تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد"، اور وہابیہ کا خدا اسمٰعیل دہلوی کو یہی ایمان سکھائے کہ "رسول غیب کیا جانے!"، اور وہ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ "اللہ کے دیے سے مانے جب بھی شرک ہے"۔

اب کہیے! اگر رسول کو غیب کی خبر مانے تو وہابی خدا کے حکم سے مشرک، نہ مانے تو قرآن عظیم کے حکم سے کافر، پھر مفر کدھر؟! یہی ماننے بنے گی کہ یہ مسلمانوں کے خدا کے اَحکام ہیں، جس نے قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ پر اُتارا۔ اور وہ وہابیہ کے خدا کے، جس نے "تقویۃ الایمان" اسمٰعیل دہلوی پر اُتاری۔ ہاں وہابیہ کا خدا وہ ہے، جس کے سب سے اعلیٰ رسول کی شان اتنی ہے جیسے قوم کا چودھری، یا گاؤں کا پدھان، جس نے حکم دیا ہے کہ رسولوں کو ہرگز نہ ماننا! رسولوں کا ماننا نرا خبط ہے، وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔

یہ ہے وہابیوں کا خدا! کیا خدا ایسا ہوتا ہے؟ لا إله إلّا الله اکیا وہ خدا کو جانتے ہیں؟ حاش للّٰہ! سبحان ربّ العرش عمّا یصفون. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۸۰)

دیوبندیوں کا تصورِ الٰہ

- دیوبندی ایسے کو خدا کہتے ہیں جو وہابیہ کا خدا ہے، جس کا بیان ابھی گزر چکا ہے، اور اتنے وصف اَور رکھتا ہے کہ علم ذاتی[5] میں اس کی توحید یقینی، دوسرے کو اپنی ذات سے بے عطائے خدا، عالِم بالذات کہنا قطعاً کفر نہیں، ہاں ...

---

(۱) پ۱۰، توبہ: ۷۴۔

(۲) پ۱۰، توبہ: ۵۹۔

(۳) پ۱۰، توبہ: ۱۹۔

(۴) پ۱۰، توبہ: ۶۶۔

(۵) یہ قول رشید احمد گنگوہی کا ہے۔ "فتاوی گنگوہی" جلد اوّل، ص۸۳: "جو یہ عقیدہ ہو کہ خود بخود آپ کو علم تھا بدون اطلاع حق تعالیٰ کے، تو ...

Ataunnabi.com

جو بالفعل جھوٹا ہے، جس کے لیے وقوعِ کذب کے معنی درست ہوگئے، جو اسے جھٹلائے، مسلمان[1] سنی صالح

اندیشہ کفر کا ہے، امام نہ بنانا چاہیے، اگرچہ کافر کہنے سے بھی زبان روکے"۔ تھانوی صاحب وغیرہ علمائے وہابیہ سے استفتاء ہے، کہ علم ذاتی بے عطائے الٰہی کسی مخلوق کے لیے ماننا ضروریاتِ دین کا انکار ہے یا نہیں؟ ہے تو ایسے کے کفر میں شک کرنا، بلکہ کفر نہ ماننا، صرف اندیشہ کفر جاننا کفر ہے یا نہیں؟ ہے تو جناب گنگوہی صاحب کافر ہوئے یا نہیں؟ نہیں تو کیوں؟۔

(۱) "فتوائے گنگوہی":

ہے۔ اسے کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے۔

سوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ما قولکم رحمکم اللہ دو شخص کذب باری میں گفتگو کرتے تھے، ایک کی طرف داری کے واسطے تیسرے شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ لفظ ما عام شامل ہے معصیت قتل مومن کو۔ پس آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ پروردگار معصیت مومن قاتل بالعمد بھی بخش دے گا۔ اور دوسری آیت میں ہے ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا الخ۔ لفظ من عام ہے شامل مومن قاتل بالعمد کو اس سے معلوم ہوا کہ قاتل مومن بالعمد کی مغفرت نہ ہوگی۔ اس قائل کے خصم نے کہا کہ آپ کے استدلال سے وقوع کذب باری ثابت ہوتا ہے کیونکہ آیت میں ویغفر ہے نہ ویمکن ان یغفر۔ یہ سن کر اس قائل نے جواب دیا میں نے کب کہا ہے کہ میں وقوع کذب کا قائل نہیں ہوں۔ اور دوسرا قول اسی قائل کا یہ ہے کہ کذب علی العموم قبیح بمعنی منافر طبع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مواضع میں جائز رکھا ہے۔ تو یہ وہی کذب بعضے مواضع ہیں دونوں اول میں نقشہ توریہ۔ آیا یہ قائل مسلمان ہے یا کافر۔ اور مسلمان ہے تو بدعتی ضال یا اہل سنت والجماعت باوجود قبول کرنے کے کذب باری تعالیٰ کے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- اگرچہ شخص ثالث نے تاویل آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال نہیں کہنا چاہیے۔ کیونکہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیرہ علماء و سلف کی قبول کرتی ہے۔ چنانچہ مولوی احمد حسن صاحب رسالہ تنزیہ الرحمن اپنے رسالہ میں تصریح کرتے ہیں۔ بقول علامہ اس کے مجوزین خلف وعید وقوع خلف کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ ان کے دلائل سے ظاہر ہے حیث قالوا انہ لیس بنقص بل ھو کمال الخ۔ جس سے ظاہر ہو کہ بعض علماء خلف وعید کے قائل ہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے۔ کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلاف واقع کو۔ سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے گاہ وعدہ گاہ خبر۔ اور سب کذب کے نوع ہیں اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے۔ انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہووے گا۔ لہذا وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے۔ گو بعض ہی فرد کے ہو۔ پس بنا علیہ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے کہ اس میں تکفیر علماء سلف کی لازم آتی ہے۔ ہرچند یہ قول ضعیف ہے۔ مگر تاہم متقدمین کے مذاہب پر صاحب دلیل قوی کو تضلیل صاحب دلیل ضعیف ہے۔ مگر تاہم متقدمین کے مذاہب پر صاحب دلیل قوی کو تضلیل صاحب دلیل ضعیف کی درست نہیں۔ بحیرکہ حنفی شافعی پر اور بالعکس بوجہ قوۃ دلیل اپنی کے طعن و تضلیل نہیں کرسکتا۔ انا مومن ان شاء اللہ کا مسئلہ کتب عقائد میں خود دیکھتے ہیں۔ لہذا اس ثالث کو تضلیل و تفسیق سے مامون کرنا چاہیے۔ البتہ بزرگی اگر فہمائش ہو بہتر ہے۔ امکان قدرۃ علی الکذب مع امتناع الوقوع مسئلہ اتفاقیہ ہے اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ گرچہ اس زمانے میں لوگوں کو تشابہ بھی ہوگیا ہے۔ قال اللہ ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھداھا ولکن حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین۔ الآیہ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

نشان مہر — رشید احمد

- دیوبندی خدا[1] چوری بھی کر سکتا ہے، وہ تمام جہان[2] کا تنہا مالک نہیں، اس کے سوا اور بھی مالک مستقل ہیں، جن کی ملک میں وہ چیزیں ہیں جو دیوبندی خدا کی ملک میں نہیں، اُن پر للچائے تو چاہے ٹھگوں لٹیروں کی طرح جبراً غصب کر بیٹھے؛ کیونکہ وہ ظالم بھی[3] ہو سکتا ہے۔ چاہے اُچکّوں چوروں کی طرح مالکوں کی آنکھ بچا کر لے بھاگے؛ کیونکہ وہ چوری کر سکتا ہے۔
- ہاں دیوبندی خدا وہ ہے کہ علم[4] میں شیطان اس کا شریک ہے، سب سے بدتر مخلوق[5] شیطان کا علم اُس کے سب سے اعلیٰ رسول کے علم سے وسیع تر ہے، اور ہونا ہی چاہیے؛ کہ رسول اس کے برابر کیسے ہو سکے جو خدا کا شریک ہے؟ اُس نے جیسا[6] علم اپنے حبیب کو دیا، اور اُسے اپنا بڑا فضل کہا، اور اس پر اعلیٰ درجہ کا احسان جتایا، اُس کی حقیقت اتنی کہ ایسا تو ہر پاگل، ہر چوپائے کو ہوتا ہے۔
- ہاں دیوبندی خدا وہ ہے جسے قادرِ مطلق کہنا اسی دلیل سے باطل ہے، کہ جمیع اشیاء پر قدرت تو عقلاً ونقلاً باطل ہے، ورنہ خود وہ بھی مقدور ہو تو ممکن ہو، تو خدا نہ رہے۔ اور اگر بعض مراد، تو اس میں اُس کی کیا تخصیص؟ ایسی قدرت تو ہر پاگل، چوپائے کو ہے۔
- دیوبندی خدا وہ ہے، جس[7] نے ایسے کو اپنا سب سے اعلیٰ رسول چُنا، جو اُس کا کلام سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتا ہو، خیالات عوام کے لائق اس کی سمجھ تھی، جس کی خطا اہلِ فہم پر روشن تھی۔ پھر یہ دیوبندی خدا اسے اس فاحش غلطی پر بھی نہ روکتا، یا شاید خود بھی اپنا کلام نہ سمجھتا، کیونکہ وہ[8] جاہل بھی ہو سکتا ہے۔
- دیوبندی خدا وہ ہے کہ جس دلیل سے اس کے خاتم النبیین کے سوا چھ خاتم النبیین اور ماننا خاتم کی شان بڑھاتا ہے، یونہی اُسے تنہا خدا کہنا اُس کی شان گھٹاتا ہے، اُس کی بڑی بڑائی یہ ہے کہ بہت سے خداؤں کا خدا ہے۔

کیا خدا ایسا ہوتا ہے؟ حاش للہ! سبحان ربّ العرش عما یصفون. ("فتاوی رضویہ"ج۱۸،ص۲۸۱)

---

(۱) مضمون محمود حسن دیوبندی، پرچہ مذکورہ نظام الملک۔
(۲) مجموعہ مضمون مذکور دیوبندی مع "پیکان جانگداز" ص۱۷۲۔
(۳) مضمون مذکور۔
(۴) "براہین قاطعہ" ایمان گنگوہی صاحب، ص۴۷۔
(۵) "براہین قاطعہ" ایمان گنگوہی صاحب، ص۴۷۔
(۶) "حفظ الایمان" تھانوی صاحب، ص۷۔
(۷) "تحذیرالناس" قاسم نانوتوی صاحب، ص۲ مع حدیث متواتر: «أنا خاتم النبيّين لا نبيَّ بعدي».
(۸) "تقویۃ الایمان" ص۲۰، وتصریح صریح مضمون مذکور محمود حسن دیوبندی۔

غیر مقلدوں کا تصورِ الٰہ

- غیر مقلّد کا خدا یہ سب کچھ ہے جو دیوبندی و وہابی کا، قال اللہ تعالی: ﴿ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ﴾[1] اور وہ بعض نزاکتیں اَور زیادہ رکھتا ہے، ایسا کہ جس[2] کے دین میں کُتّا حلال، سوَر کی چربی حلال، سوَر کے گُردے حلال، سوَر کی تِلی حلال، سوَر کی کلیجی حلال، سوَر کی اوجھڑی حلال، سوَر کی کھال کا ڈول بنا کر اس سے پانی پینا حلال، وضو کرنا حلال، گندی خبیث[3] شراب سے نہا کر، سارے کپڑے اس میں رنگ کر نماز پڑھنا حلال، ایک وقت میں ایک عورت[4] متعدد مردوں پر حلال۔
- وہ [خدا] جس نے آپ ہی تو[5] حکم دیا کہ خود نہ جانو تو جاننے والوں سے پوچھو، اپنے علماء کی اطاعت کرو، اپنے نیکوں کی پیروی کرو، جب پوچھا اور اطاعت و پیروی کی تو شرک کی جڑ دی۔
- وہ [خدا] جس نے ائمۂ دین کی تقلید حرام و شرک ٹھہرائی، اور پُوربی[6] بنگالی، پنجابی، بھوپالی کی فرض۔
- وہ [خدا] جس نے اپنے اور رسولوں کے سوا کسی کی بات حجت نہ رکھی، اور بیچ میں چند محدِّثوں[7] اور چار دَول معتزلوں کو کھڑا کرکے ان کے قول کو کتاب و سنّت کے برابر ٹھہرا کر حجیت دی، یعنی یہ شریکِ اُلوہیت نہیں تو شریکِ رسالت ضرور ہیں، نہیں نہیں بلکہ شریکِ اُلوہیت ہی ہیں کہ ﴿ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾[8] نہ کہ رسلاً من دون النبي.
- ہاں وہ [خدا] جس نے آپ ہی تو[9] اتباعِ ظن حرام، اور افادۂ حق میں محض ناکام کیا، پھر ان چند کی ظنی روایات،

---

(۱) پ ۱۰، توبہ: ۶۷۔

(۲) آیہ کریمہ: ﴿قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ﴾ میں کھانے کی صرف چار ۴ چیزوں میں حرمت کا حصر ہے، جن میں کُتّا نہیں، اور سوَر کا گوشت ہے، چربی گردے، تلی، کلیجی، کھال، گوشت نہیں، اور ان کی حرمت میں کوئی صحیح صریح حدیث بھی نہیں، اور ہو تو آیت کا رَد نہیں کر سکتی، لہٰذا غیر مقلّدی دھرم میں یہ سب چیزیں حلال و شیرِ مادر ہیں!۔

(۳) "روضہ ندیہ" صدیق حسن بھوپالی، ص ۱۲۔

(۴) دیکھو ضمیمہ "النیر الشہابي" ص ۳۴ تا ۳۶۔

(۵) قال اللہ تعالی: ﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾. وقال تعالی: ﴿ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾. وقال تعالی: ﴿وَّ اتَّبِـعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾.

(۶) کہ جو کچھ یہ کہہ دیں کہ قرآن حدیث سے ثابت ہے، ان کے جاہلوں پر اس کا ماننا فرض۔

(۷) بخاری و مسلم فُلاں فُلاں نے حدیث روایت کردی، صحیح ہوگئی، یحیی، نَسائی، دارقطنی فُلاں فُلاں نے راوی کو ثقہ کہہ دیا، ثقہ ہے، ضعیف کہہ دیا ضعیف ہے۔ اگرچہ یحیی وغیرہ تک سند خود منقطوع ہو۔ ذہبی و ابن حجر نے قال کہہ دیا، سند صحیح ہے، نُووی کہا، ضعیف ہے، یہ سب نِری تقلید جامد ہے، جس پر اللہ نے کوئی سند نہ اتاری! قرآن و حدیث سے اس کا کہیں ثبوت نہیں!۔

(۸) پ ۱۰، توبہ: ۳۱۔

(۹) قال اللہ تعالی: ﴿وَ مَا یَتَّبِـعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْــٴًـا﴾. قال تعالی: ﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ

Ataunnabi.com

ظنی جرح و تعدیلات کا اتباع عین دین کر دیا، تو بات کیا؟ وہی کہ یہ مثلِ انبیاء معصوم ہیں، نہیں نہیں بلکہ دینِ غیر مقلدی کے أرباباً من دون اللہ جھوٹے خدا ہیں!۔

- وہ [خدا] جس نے چند جاہلانِ عالم نما کے سوا، جو ابو حنیفہ و شافعی پر منہ آتے، اور اُن کے اَحکام پرکھنے کی اپنے میں طاقت بتاتے ہیں، تمام عالم کو بے نتھا بیل کیا ہے؛ کیونکہ وہ آپ دلیل سمجھ نہیں سکتے، اور دُوسرے کی کہی ہُوئی اگرچہ بنگالی، بھوپالی، دہلوی، امرتسری کی مان لیں کہ "دلیل سے یہ ثابت ہے"، یہ تو وہی تقلید ہُوئی جو شرک ہے، لہٰذا ضرور بے نتھے بیل ہیں۔ وہ کہ عام جہاں پر جس کے لیے کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی، کہ حجت قائم ہو دلیل سے، دلیل وہ خود سمجھ نہیں سکتے، اور دُوسرے کی سمجھ پر اعتماد شرک ہے!!۔

- وہ [خدا] جس نے (خاک بدہن خبثاء) کُھلے مشرکوں کو خیر اُمّۃ کہا، اور ان کے تین ۳ قرنوں کو خیر القرون کہلوایا، جن کا روزِ اوّل سے آج تک یہی معمول کہ عامی کو جو مسئلہ پُوچھنا ہوا عالم سے پُوچھا، عالم نے حکم بتا دیا، سائل نے مانا، اور کاربند ہُوا۔ صحابہ سے آج تک کبھی دلیل بتانے، اور اُسے عامی کے اس قدر ذہن نشین کرنے کا (کہ وُہ خود سمجھ لے کہ واقعی یہ حکم قرآن و حدیث سے ثابت بروجہ صحیح غیر مُعارِض و غیر منسوخ ہے) ہرگز نہ دستور تھا، نہ ہوا، نہ ہے۔ تو پوچھنے والے بے علمِ دلیلِ تفصیلی اُن کا فتویٰ مانا کیے، اور یہی تقلید ہے، اور تقلید شرک ہے، تو عہدِ صحابہ سے آج تک، سب عامی مشرک ہُوئے، اور وہ مفتی بے اِلقائے دلیل اس لیے فتوے دیتے رہے کہ یہ مانیں اور عمل کریں، تو صحابہ سے آج تک سب مفتیان و علماء مشرِک گر و شرک دوست ہوئے، اور ہر مشرک گر خود مشرک اور مشرکوں سے بدتر ہے۔ تو غیر مقلد کے دھرم میں صحابہ سے اب تک تمام اُمّت مشرک ہے، لیکن غیر مقلد کا خدا انہیں کو خیر امت اور خیر القُرون کہتا کہلواتا ہے، پھر اس کی کیا شکایت کہ ایسوں کو کہا جو غیر مقلدی دھرم میں ﴿فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا﴾ [1] تھے، جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور جُدا جُدا گروہ ہو گئے۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اَتباع اُن سے فتویٰ لیتے اور اس پر چلتے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اَتباع اُن کی طرف تھے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اَتباع اُن کے ساتھ تھے، اور وہ اختلاف آج تک برابر قائم ہے۔ سب فریق مشورہ کر کے ایک بات پر عامل نہ ہونے تھے نہ ہوئے، قرآن عظیم میں ہمیشہ پڑھا کیے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [2] "جب تم میں کسی بات میں اختلاف ہو، تو اُسے اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو"، اس پر نہ عمل کرنا تھا نہ کیا، ... عمل کرتے تو سب ایک نہ ہو جاتے؟! کہ اللہ و رسول کا حکم ایک ہی تھا، مگر وہ اپنے ہی عالموں کے قول پر اڑے رہے،

... لا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾. وقال تعالى: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾. منه [أي من الإمام أحمد رضا]

(1) پ۸، الأنعام: ۱۵۹۔

(2) پ۵، النساء: ۵۹۔

مسعودی، عمری، عباسی نام نہ کہلانا کوئی چیز نہیں، کام وہی رہا جو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نے کیا، کام کام سے ہے نہ کہ نام سے۔ دین کے ایسے ٹکڑے کرنے والوں کو "خیر أمة و خیر القرون" ٹھہرایا، وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔

کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ! ﴿مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾[1] ﴿سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾[2]۔

تنبیہ: مسلمانو تم نے دیکھا! یہ ہیں گمراہ فرقے! اور یہ ہیں ان کے ساختہ! ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾[3] "اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی"۔ اور ایک عام بات یہ ہے کہ کفر کیا ہے؟ اُس بات کی تکذیب جو بالقطع والیقین ارشادِ الٰہی عزّوجلّ ہے۔ اب یہ تکذیب کرنے والا اگر اُسے ارشادِ الٰہی عزّوجلّ نہیں مانتا، تو ایسے کو خدا سمجھا ہے جس کا یہ ارشاد نہیں، حالانکہ خدا وہ ہے جس کا یہ ارشاد ہے، تو اُس نے خدا کو کہاں جانا؟! اور اگر اس کا ارشاد مان کر تکذیب کرتا ہے، تو ایسے کو خدا سمجھا ہے جس کی بات جھٹلانا روا ہے، اور خدا اس سے پاک دور او بلند و بالا ہے، تو اس نے خدا کو کب جانا؟ حاصل وہی ہوا کہ ﴿اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾[4] "اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا"۔

جہل باللہ میں نِرے دہریوں کے بعد سب سے بھاری حصہ وہابیوں، اسماعیلیوں، خصوصاً دیوبندیوں کا ہے

اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ اس جہل باللہ میں نِرے دہریوں کے بعد جو سِرے سے وجودِ خدا کے منکر ہیں، سب سے بھاری حصہ ان وہابیوں اسماعیلیوں، خصوصاً دیوبندیوں کا ہے، کہ اَور کافر تو اس سے کافر ہوئے کہ انہوں نے خدا کو جھٹلایا، خدا کو عیب لگایا، مگر اُن میں ایسا کھُلا بے باک مشکل سے نکلے گا جو اپنی زبان سے خود ہی کہے، کہ ہاں ہاں اُس کا خدا جھوٹا ہونے، اور نہ صرف جھوٹ بلکہ ہر سڑے سے سڑے عیب، ہر ناپاک سے ناپاک گندگی میں سَنَنے کے قابل ہے، یہودی، نصرانی بھی شاید اسے کہتے جھجکیں گے۔ یہ دھوئی دھائی دیدے کی صفائی، انہی صاحبوں کے حصہ میں آئی، کہ اپنے معبود کے کذاب، ہیں، آلودہ ہونے کو دھڑلّے سے جائز کریں، اور اُس پر تحریر کریں، لکھیں، چھاپیں، اسی پر کمالِ اسلام کا مدار جانیں ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾[5] "اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے"۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۸۴)

جو اللہ ورسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے

دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا

(۱) پ۲۵، زخرف: ۲۰۔
(۲) پ۲۵، زخرف: ۸۲۔
(۳) پ۷، انعام: ۹۱۔
(۴) پ۲۵، زخرف: ۲۳۔
(۵) پ۱۹، شعراء: ۲۲۷۔

اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾[1] "تُو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور قیامت پر، کہ ان کے دل میں اُن کی محبت آنے پائے جنہوں نے خدا اور رسول سے مخالفت کی، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا، اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی، اور انہیں باغوں میں لے جائے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ رہیں گے ان میں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہی لوگ اللہ والے ہیں۔ سنتا ہے! اللہ والے ہی مراد کو پہنچے"۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرما دیا، کہ جو اللہ یا رسول اللہ کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا، جس کا صریح مفاد ہوا، کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔ پھر اس حکم کا قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا، کہ باپ بیٹے، بھائی، عزیز سب کو گنایا، یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظّم، یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو، ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے، اس کی وقعت نہیں مان سکتے، ورنہ مسلمان نہ رہو گے۔ مولی ﷻ کا اتنا فرمانا ہی مسلمان کے لیے بس تھا، مگر دیکھو وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے، اپنی عظیم نعمتوں کا لالچ دِلاتا ہے، کہ اگر اللہ و رسول کی عظمت کے آگے تم نے کسی کا پاس نہ کیا، کسی سے علاقہ نہ رکھا، تو تمہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۸۹)

رسول اللہ ﷺ کے علم کا انکار اور شیطان کے علم کا اِثبات، کیا رسول اللہ ﷺ کی توہین نہیں؟

للہ! ذرا دیر کو اللہ و رسول کے سوا سب اِین وآں سے نظر اٹھا کر آنکھیں بند کرو! اور گردن جھکا کر اپنے آپ کو اللہ واحد قہار کے سامنے حاضر سمجھو! اور نرے خالص سچے اسلامی دل کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی عظیم عظمت، بلند عزت، رفیع وجاہت، جو اُن کے رب نے انہیں بخشی، اور ان کی تعظیم، ان کی توقیر پر ایمان واسلام کی بِنا رکھی، اسے دل میں جما کر انصاف وایمان سے کہو! کیا جس نے کہا کہ "شیطان کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالَم کی وسعتِ علم کی کونسی نصِ قطعی ہے"[2] اس نے محمد رسول اللہ کی شان میں گستاخی نہ کی؟! کیا اس نے ابلیسِ لعین کے علم کو رسول اللہ ﷺ کے علم اقدس پر نہ بڑھایا؟! کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی وسعتِ علم سے کافر ہو کر شیطان کی وسعتِ علم پر ایمان نہ لایا؟!

رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا کفر ہے، ضرور ہے اور بالیقین ہے

مسلمانو! خود اِسی بدگو سے اِتنا ہی کہہ دیکھو کہ "او علم میں شیطان کے ہمسر!" دیکھو تو وہ بُرا مانتا ہے یا نہیں؟! حالانکہ اسے تو علم میں شیطان سے کم بھی نہ کہا، بلکہ شیطان کے برابر ہی بتایا! پھر کم کہنا کیا توہین نہ ہوگی؟! اور اگر وہ اپنی بات پالنے کو اس پر ناگواری ظاہر نہ کرے، اگر چہ دل میں قطعاً ناگوار مانے گا، تو اسے چھوڑیئے، اور کسی معظّم سے کہہ دیکھیے، اور پورا ہی امتحان مقصود

---

(۱) پ۲۸، حشر:۲۲۔

(۲) "براہین قاطعہ" بحث علم غیب، ص۵۱۔

ہو تو کیا کچہری میں جا کر آپ کسی حاکم کو انہی لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں؟ دیکھیے! ابھی ابھی کھلا جاتا ہے کہ توہین ہوئی، اور بے شک ہوئی! پھر کیا رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا کفر نہیں؟ ضرور ہے اور بالیقین ہے! کیا جس نے شیطان کی وسعتِ علم کو نص سے ثابت مان کر، حضور اقدس ﷺ کے لیے وسعتِ علم ماننے والے کو کہا کہ "تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"[1] اور کہا کہ "شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے!"[2] اس نے ابلیسِ لعین کو خدا کا شریک مانا یا نہیں؟ ضرور مانا! کہ جو بات مخلوق میں ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہوگی، وہ جس کسی کے لیے ثابت کی جائے، قطعاً شرک ہی رہے گی؛ کہ خدا کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا، جب رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ وسعتِ علم ماننی شرک ٹھہرائی، جس میں کوئی حصہ ایمان کا نہیں، تو ضرور اتنی وسعت خدا کی وہ خاص صفت ہوئی جس کو خدائی لازم ہے، جب تو نبی کے لیے اس کا ماننے والا کافر مشرک ہوا! اور اس نے وہی وسعت، وہی صفت خود اپنے منہ ابلیس کے لیے ثابت مانی، تو صاف صاف شیطان کو خدا کا شریک ٹھہرا دیا...!!۔

کیا خدا اور رسول کی توہین کرنے والا کافر نہیں؟ ضرور ہے!

مسلمانو! کیا خدا اور رسول اللہ کی توہین کرنے والا کافر نہیں؟ ضرور ہے! کیا جس نے کہا کہ "بعض علوم غیبیہ مراد ہیں، تو اس میں حضور (یعنی نبی ﷺ) کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو، بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے"[3] کیا اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو صریح گالی نہ دی؟ کیا نبی کریم ﷺ کو اتنا ہی علم غیب دیا گیا تھا، جتنا ہر پاگل اور ہر چوپائے کو حاصل ہے؟!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۲۲)

صریح کفر و ارتداد کا مرتکب ہرگز سیّد نہیں

آج کل بہت مشرب صریح کفر و ارتداد کے ہیں، جیسے قادیانی، نیچری، رافضی، وہابی، چکڑالوی، دیوبندی وغیرہم، جو مشرب رکھتا ہو ہرگز سیّد نہیں: ﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾[4] "وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں، بے شک اس کے کام بہت نالائق ہیں"۔

ہاں سلامت ایمان کے ساتھ اعمال کیسے ہی ہوں، اللہ عزوجل کے کرم سے امیدِ واثق یہی ہے کہ جو اس کے علم میں سیّد ہیں، اُن سے اصلاً کسی گناہ پر کچھ مُواخذہ نہ فرمائے، حدیث ہے، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ فاطمةَ أحصنتْ فرجَها، فحرّمها اللهُ وذرّيّتَها على النّار»[5] رواه البزّار، وأبو يعلى، والطبَراني في "الكبير"، والحاكمُ

---

(۱) "براہین قاطعہ" بحث علم غیب، ص۵۱۔

(۲) "براہین قاطعہ" بحث علم غیب، ص۵۱۔

(۳) "حفظ الایمان" جواب سوال سوم، ص۸۔ "حفظ الایمان" مع "تغییر العنوان" جواب سوال سوم، ص۷و۱۷۔

(۴) پ۱۲، ہود: ۴۶۔

(۵) "الجامع الصغير" بحوالة البزّار وع، طب، ك. ر: ۲۳۰۹، ۱/۱۳۹.

رمح، وتمام في "فوائده"، كلُّهم عن عبد الله بن مسعود ﷛. "بے شک فاطمہ نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کی اولاد پر دوزخ کی آگ حرام فرما دی"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۵)

جو کہے کہ "حضور اقدس ﷺ کو علمِ غیب مطلقاً نہ تھا"، یا "حضور کا علم دیگر سب آدمیوں کے برابر ہے" وہ کافر ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تمام اوّلین وآخرین، وشرق وغرب، وعرش وفرش، وماتحت الثّرٰی، وجملہ ما کان وما یکون الی آخر الایام کے ذرّے ذرّے کا علم تفصیلی عطا فرمایا، اس کا بیان ہمارے رسالہ "إنباء المصطفى" و"خالص الاعتقاد" و"الدّولة المكّية" وغیرہا میں ہے۔ جو کہے، کہ حضور اقدس ﷺ کو علمِ غیب مطلقاً نہ تھا، یا حضور کا علم اور سب آدمیوں کے برابر ہے، وہ کافر ہے۔ امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں: "النبوةُ هي الاطلاع على الغيب"[1] "نبوت کا معنی غیب پر مطلع ہونا ہے"۔ اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾[2] والله تعالى أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۷۰)

علمِ غیب کو مِن جملہ کمالاتِ نبویہ نہ ماننے والا گمراہ وبددین ہے

عقیدہ: جو شخص اس بنا پر کہ جمیع غیوب معلوماتِ الٰہیہ کو علمِ خلق محیط نہیں، علم غیب کو مِن جملہ کمالاتِ نبویہ نہ مانے، اور اس امر میں نبی وغیرنبی میں فرق نہ جانے، اور کہے کہ جس امر میں مؤمن، بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو، وہ کمالاتِ نبوت سے کب ہو سکتا ہے؟! (وہ) گمراہ بددین ہے، منکرِ قرآنِ عظیم ہے۔

جو کہے کہ "اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں، تو اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص؟ ...الخ" وہ قطعاً کافر ومرتد ہے

عقیدہ: جو کہے کہ "اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں، تو اِس میں حضور یعنی رسول اللہ ﷺ کی کیا تخصیص؟ ایسا علمِ غیب تو زید وعمرو، بلکہ ہر صبی ومجنون، بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے" وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو یقیناً صریح گالی دیتا ہے، اور حضور کی توہین کرتا ہے، اور وہ قطعاً کافر مرتد ہے، اور دنیا وآخرت میں اللہ واحد قہار کی لعنتوں کا مستحق ہے۔

سجدۂ تعظیم اگر بُت یا چاند یا سورج کو کرتا ہے، ضرور اس پر حکمِ کفر ہے

سجدۂ تحیت اگر بُت یا چاند یا سورج کو کرتا ہے، ضرور اس پر حکمِ کفر ہے، کفر اگرچہ عقدِ قلبی ہے، مگر جس طرح اقوالِ زبان اس پر دلیل ہوتے ہیں، یونہی بعض افعال جن کو شریعت نے ٹھہرا دیا ہے کہ یہ صادر نہیں ہوتے مگر کافر سے، انہیں میں سے اشیائے مذکورہ کو سجدہ ہے، یا (معاذ اللہ) مصحف شریف کو نجاست میں پھینک دینا، یا کسی نبی کی شان میں گستاخی، كما صرّح به علماؤنا المتكلّمون في "المسايرة" وشروح "المقاصد" و"المواقف" و"الفقه الأكبر" وغيرها، یونہی اگر مشرکین کے معبودانِ باطل کی ہو، تو اسے سجدہ کرنے پر بھی مطلقاً حکمِ کفر ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۰۹)

---

(۱) "المواهب اللدُنية" المقصد ۲، الفصل ۱، ۲/ ۴۷.

(۲) پ۲۹، الجن: ۲۶ و۲۷۔

حیاتِ انبیاء کا منکر گمراہ بددین ہے

حیاتِ انبیاء -علیہم الصلاۃ والثناء- کا منکر گمراہ بددین ہے، اور ﴿خَلَتْ﴾ سرے سے طریانِ موت پر بھی دلیل نہیں، نہ کہ (معاذاللہ) استمرارِ موت۔ یہ لفظ صرف انقضائے عہد پر دال ہے، جیسے بلاتشبیہ یہ کہنا کہ "سلطان محمد خاں خامس سے پہلے اتنے سلاطین ہوگزرے"، اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ سلطان عبدالحمید خان زندہ ہی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام سب بحیاتِ حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «الأنبياءُ أحياءٌ في قبورهم يصلّون»[1] "انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں"، اور فرماتے ہیں ﷺ: «إنّ اللهَ حرّمَ على الأرضِ أن تأكلَ أجسادَ الأنبياء، فنبيُّ الله حيٌّ يُرزَق»[2] "بے شک اللہ تعالی نے نبیوں کے جسم کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا نبی زندہ ہوتا ہے، اس کو رزق دیا جاتا ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۴۹)

انبیاء وملائکہ اور تمام ایمانیات کو ماننا جزوِ ایمان ہے، ان میں سے جس کو نہ مانے کافر ہے

عقیدہ: انبیاء وملائکہ اور تمام ایمانیات کو ماننا جزوِ ایمان ہے، ان میں سے جس کو نہ مانے کافر ہے۔ جو کہے کہ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان، اور ان کو ماننا محض خبط ہے"، وہ پکا شیطان دشمنِ ایمان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو خدا کہنا کفر ہے

عقیدہ: رسول اللہ ﷺ کو خدا کہنا کفر ہے، اور اُلوہیت، مستلزماتِ الوہیت (جن چیزوں سے خُدا ہونا لازم آئے) سے نیچے جو کچھ فضیلت، مرتبہ، خوبی، بزرگی ہے، سب حضور کو شایان ہے۔ بشر وملک کسی کی تعریف کو حضور ﷺ کی تعریف سے کچھ نسبت نہیں۔ حضور کی تعریف جس قدر کثرت سے ہو، جاں کا سُرور ایمان کا نُور ہے۔ جو کہے کہ "ان کی تعریف وہی کرو جو بشر کی سی تعریف ہو، بلکہ اس میں بھی کمی کرو"، وہ گستاخ بے ادب ہے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۱۶)

رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیائے کرام کے لیے چوڑھے چمار وغیرہ الفاظ کا استعمال

عقیدہ: جو اس دعوے کے لیے مثال دے کہ "جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا، تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اُسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا، اور کسی چوڑھے چمار کا تو کیا ذکر ہے!"، اس نے رسول اللہ ﷺ وسائر انبیائے کرام علیہم السلام کو ایسے ناپاک ملعون الفاظ کہہ کر، اللہ ورسول کو ایذاء دی، اور دونوں جہان میں خدا کی لعنت کا مستحق ہوا!۔

جو غیر نبی کو اَحکامِ شرعیہ کی وحی آنا مانے، بڑے دجّال کا چھوٹا بھائی ہے

عقیدہ: جو غیر نبی کو اَحکامِ شرعیہ کی وحی آنا مانے، بڑے دجّال کا چھوٹا بھائی ہے۔

جو غیر نبی کو مثلِ انبیاء معصوم جانے، وہ خبیث رافضی ہے

عقیدہ: جو غیر نبی کو مثلِ انبیاء معصوم جانے، وہ خبیث رافضی ہے۔

---

(۱) "مسند أبي يعلى" ر: ۳٤۱۲، ۳/ ۳۷۹.

(۲) "سنن ابن ماجه" أبواب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، صـ۱۱۹.

غیر نبی کو اَحکامِ شرعیّہ بے وساطتِ نبی پہنچنا مُحال ہے، جو اِس کا دعوی کرے اس پر کفر لازم ہے

عقیدہ: غیر نبی کو اَحکامِ شرعیہ جزئیہ خواہ کلّیہ، بے وساطتِ نبی پہنچنا مُحال ہے، جو اس کا دعوی کرے اس پر کفر لازم ہے۔ جو کسی غیر نبی کو انبیاء کا استاذ اور سِن وجہ انہیں تقلیدِ انبیاء سے آزاد کہے، وہ بددین، ضالّ، گمراہ ہے، اور اس پر کفر لازم ہے۔

جس وصف کا اِثبات مخلوق میں کسی ایک فرد کے لیے شرعاً شرک ہو، وہ تمام مخلوق میں جس کے لیے بھی ثابت کیا جائے، شرک ہوگا

عقیدہ: جس وصف کا اِثبات مخلوق میں کسی ایک فرد کے لیے شرعاً شرک ہو، وہ تمام مخلوق میں جس کے لیے بھی ثابت کیا جائے شرک ہوگا؛ کہ خدا کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا۔ تو جو شخص زمین کا علم محیط نبی ﷺ کے لیے ماننے کو شرک بتائے، اور کہے کہ "شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے ؟!"، پھر اپنے منہ اسی علم کو ابلیس کے لیے ثابت مانے، وہ خود اپنے اِقرار سے شرک ہے، اور ابلیسِ لعین کا پُوجنے والا ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۱۷)

اَہلِ سنّت کے نزدیک کفر کے سوا سب گناہ مشیتِ الٰہی پر ہیں مُعاف کرے تو اس کا فضل ہے، سزا دے تو اس کا عدل ہے

عقیدہ: اَہلِ سنّت کے نزدیک کفر کے سوا سب گناہ مشیتِ الٰہی پر ہیں، مُعاف کرے اس کا فضل ہے، سزا دے تو اس کا عدل ہے، شرکِ اصغر بھی انہیں میں داخل ہے۔ تو جو کہے کہ "شرک بخشا نہ جائے گا، اس کی سزا مقرر ملے گی، پھر پرلے درجے کا شرک ہے، کہ آدمی جس سے کافر ہو جاتا ہے، تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اور ورے درجے کے شرک میں ان کی سزا ضرور پائے گا، اور باقی گناہ اللہ کی مرضی پر ہیں" وہ گمراہ بددین، معتزلی وعیدیہ ہے۔

کسی گناہ سے سزا اللہ عزّوجلّ کو ضرور نہیں

عقیدہ: کسی گناہ سے سزا اللہ عزّوجلّ کو ضرور نہیں، نہ اس کی سزا نہ دینے سے (معاذ اللہ) بے غیرت ٹھہرے۔ کفر کی سزا ضرور دے گا کہ اس کی وعید بدل نہیں سکتی، اور اگر وعید نہ فرماتا، اور تمام کافروں کے کفر بھی یکسر مُعاف فرما دیتا، تو ہرگز نہ اس کی بادشاہی میں قصور تھا، نہ اس کی غیوری پر دھبا۔ تو جو پرلے اور ورے درجے ہر شرک کی سزا ضرور ملنے کو یوں سمجھائے کہ "جو بادشاہ اس سے غفلت کرے، اور ایسوں کو سزا نہ دے، اس کی بادشاہت میں قصور ہے، چنانچہ عقلمند لوگ ایسے بادشاہ کو بے غیرت کہتے ہیں، سو اس مالک الملک شہنشاہ غیور سے ڈرا چاہیے، کہ پرلے سرے کا زور رکھتا ہے، اور ویسی غیرت، وہ مشرکوں سے کیونکر غفلت کرے گا ؟ اور کس طرح ان کو ان کی سزا دے گا ؟" وہ اللہ عزّوجلّ کی جناب میں سخت گستاخ، بے ادب اور معتزلہ کا فضلہ خوار، مستحقِ ہزاراں غضب ہے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۲۲)

مذہبِ مختار و مفتی بہ پر بھی وہابیہ پر صراحۃً کفر لازم ہے

الی مذہبِ مختار، وماخوذ للفتویٰ، ومفتی بہ پر بھی اس طائفہ تالفہ پر صراحۃً کفر لازم ہے؛ کہ وہ قطعاً یقیناً اپنے اعتقاد سے

مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں، ان کا یہ عقیدہ ان کی کتبِ مذہب [1] میں صاف مصرّح ہے، تو باتفاق مذاہب مذکورہ فقہائے کرام، انہیں لزومِ کفر سے مفر نہیں [2] ﴿ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [3] "مار ایسی ہوتی ہے! اور بے شک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۲۸)

تذییل جلیل

بطور نمونہ طائفہ حائفہ اور اس کے امام کے کُفری اقوال، اور ان پر کتبِ ائمۂ دین سے اَحکامِ کفر و اشدّ الضلال تھے، جن کا شمار بظاہر ستر ۷۰ کُفریات تک پہنچا، اور حقیقۃً دیکھیے تو بے شمار ہیں، کہ سات ۷ سے گیارہ ۱۱ تک پانچ ۵ کُفریات کے کلمات میں ہر کلمہ صد ہزار کُفریہ کا خمیرہ ہے۔ یونہی کُفریہ ۲۳ و ۲۹ بھی مجمعِ کفریاتِ کثیرہ ہے، یہ ستر ۷۰ کیا ان میں سے جس ایک کو چاہیے ستر ۷۰ کر دکھایئے، تو اب کُفریات کو خواہ ستر ۷۰ کہیے خواہ ستر ہزار کُفریات ٹھہرایئے، اور کیوں نہ ہو، کہ وہاں عمر بھر یہی کمایا تھا، پڑھا لکھا سب اسی میں گنوایا تھا، مشقیں چڑھی تھیں، مہارتیں بڑھی تھیں، ایک ایک قول میں ہزار ہزار کُفریے بول جانا وہاں کیا بات تھی؟! یہاں قصدِ استیعاب آبِ دریا پیمودن [پیمائش کرنا] ودانہائے ریگ [ریت کے ذرات] شمردن [شمار کرنا]

---

(۱) مثل "تقویۃ الایمان" و "تنویر العینین" وتصانیف بھوپالی وغیرہا میں جابجا مصرّح۔ "سل السیوف"۔

(۲) باقی تفصیل وتحقیق ہمارے رسائل "النهي الأكيد"، "الكوكبة الشهابية" حصہ اوّل، مجلّد ششم ۶ "العطايا النبويہ في الفتاوى الرضويہ" میں ہے۔ لاجرم علمائے مکّہ معظمہ کے سردار، بقیۃ السلف، عمدۃ الأبرار، خاتم المحققین، شیخ الاسلام والمسلمین، زبدۃ کبراء البلد الامین، شیخنا وبرکتنا وقدوتنا، علامہ سیّد شریف احمد زَینی دَحلان مکی -رضي الله تعالى عنه وعنّا به وقدّسنا بسرّه الملكي- نے کتاب مستطاب "الدُّرر السَّنية في الرَّد على الوهابية" میں کہ خاص اسی طائفے کے رَد میں تالیف فرمائی، اور مطبع بہیہ مصر میں طبع ہوئی، ان گمراہوں کی نسبت تصریحاً ارشاد فرمایا صفحہ ۳۶: "هؤلاء الملحِدةُ المكفِّرة للمسلمين" ("الدّرر السنيّة" ص۳۸) ترجمہ: "یہ ملحِد کافر بے دین لوگ مسلمانوں کو کافر کہنے والے"۔

ظاہر ہے کہ ملحِد ایک فرقۂ کفار ہے، بلکہ جمیع فِرقِ کفر کو شامل ہے، "ردالمحتار" جلد ۳، صفحہ ۴۵۷، رسالہ علّامہ ابن کمال پاشا ہے: "الملحِد أوسع فرق الكفر جدًا" ["ردّ المحتار" باب المرتد، ۳/ ۲۹۲] ترجمہ: "ملحِد تمام فِرقِ کفار سے وسعتِ معنی میں زیادہ ہے"۔ نیز علامہ سیّد شریف ممدوح نے فرمایا، ص ۳۰: "أمرَ الشريفُ مسعود أن يناظرَ علماءُ الحرمَين، العلماءَ الذين بعثوهم، فناظروهم فوجدُوهم ضحكةً وسخرةً، كحمر مستنفرة فرّت من قسورة، ونظروا إلى عقائدهم، فإذا هي مشتملة على كثير من الكفريات" ("الدّرر السنيّة" ص۴۳، ۴۴) "مکّۂ معظّمہ کے حاکم حضرت مسعود رحمہ اللہ نے علمائے حرمین شریفین کو حکم دیا، کہ وہابیوں کے مولویوں سے جو اِن کے امام شیخ نجدی نے بھیجے ہیں، مناظرہ کریں۔ علمائے کرام نے ان مُلّوں سے مناظرہ فرمایا، تو انہیں پایا کہ نِرے مسخرے، ہنسنے کے قابل ہیں، جیسے بھڑکے ہوئے گدھے کہ شیر سے بھاگے ہوں۔ اور ان کے عقائد کو غور فرمایا، تو ان میں بہت باتیں وہ پائیں جن کا قائل کافر ہے"۔

اسی رسالۂ مبارکہ میں ص ۳۳ سے ۳۵ تک حدیثیں نقل فرمائیں، جن میں اس فرقۂ وہابیہ کے خروج کی خبر آئی ہے، ان میں بھی جابجا ان کے کافر اور دینِ اسلام سے یکسر خارج ہونے کی تصریح ہے۔ اسی میں ان کے معلمِ اوّل شیخ نجدی کی نسبت فرمایا، ص ۲۷: "فبُهت الذي كفر" ("الدّرر السنيّة" ص۳۰) "مدہوش ہوگیا کافر"۔ "سل السُّيوف" تصنيف العلّامة المصنّف رحمہ اللہ.

(۳) پ۲۹، قلم: ۳۳۔

بے قبیل سے ہے، لہٰذا اس طرف سے عطفِ عنان کیجیے، اور ان کے اقوالِ خائنہ پر خاکِ ذِلت ڈال کر بہت مشائخ کرام کے نزدیک اس سارے فرقۂ متفرقہ، اور اس کے تمام طوائفِ سابقہ ولاحقہ کا ایک کفریہ عائلہ قدیمہ سن لیجیے، کہ انہیں کافر کہنا ضروا واجب ہے!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۷۹)

حضور اقدس ﷺ نے قرآن مجید کے مخلوق کہنے والے کو کافر بتایا

اقول وباللہ التوفیق: جب صدقِ الٰہی اختیاری ہوا، اور قرآن عظیم قطعاً اس کا کلامِ صادق ہے، تو واجب ہوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مقتضائے ذات نہ ہو، ورنہ قرآن لازمِ ذات ہوگا، اور صدق لازمِ قرآن، اور لازمِ لازم لازم ہوتا ہے، اور لازم کا اختیاری ہونا بداہۃً باطل ہے، اور باجماعِ مسلمین جو کچھ ذات ومقتضائے ذات کے سوا ہے، سب حادث ومخلوق ہے، تو دلیلِ قطعی سے ثابت ہوا کہ مولائے وہابیہ پر قرآنِ عظیم کو مخلوق ماننا لازم آیا۔ اس بارے میں اگرچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود[1] وعبد اللہ بن عباس[2] وجابر بن عبد اللہ[3] وابو درداء[4] وحذیفہ بن الیمان[5] وعمران بن حصین[6] ورافع بن خدیج[7] وابو حکیم شامی[8] وانس بن مالک[9] وابو ہریرہ[10] دس ۱۰ صحابۂ کرام -رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- کی حدیثوں سے مروی ہوا، کہ حضور اقدس ﷺ نے قرآن مجید کے مخلوق کہنے والے کو کافر بتایا، مگر از آنجا کہ ائمۂ محدثین کو ان[11] احادیث میں

---

(۱) الشيرازي في "الألقاب" والخطيب ومن طريقه ابن الجوزي بوجهٍ آخَر. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۲) أبو نصر السجزي في "الإبانة عن أصول الديانة". منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۳) أخرج عنه الخطيب. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٤) الدَّيلمي في "مسند الفردَوس". منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٥) الشيرازي في "الألقاب"، والدَّيلمي في "مسند الفردَوس" بوجهٍ آخر. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٦) الدَّيلمي من طريق الإمام الشّافعي رحمه الله. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٧) كالّذي قبلَه. منه [أي: من الإمام أحمد رضا] رحمه الله.

(٨) روى عنه الخطيب. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٩) الدَّيلمي وهو عند الخطيب بوجهٍ آخَر. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(١٠) ابن عدي في "الكامل". منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(١١) البيهقي في "الأسماء والصِّفات": "أسانيدُه مظلمةٌ لا ينبغي أن يحتجَّ بشيءٍ منها، ولا أن يستشهدَ بها ("الأسماء والصفات" جُماع أبواب إثبات صفة الكلام ...إلخ، باب قول الله ﷻ ﴿لِلَّهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِنۢ بَعْدُ﴾ ...إلخ، تحت ر: ٥٠٩، ٢/ ٥٨٣). ابنُ الجوزي في "الموضوعات": "موضوع" ("الموضوعات" كتاب التوحيد، ١/ ١٠٨). الذّهبي في "الميزان" والحافظ في "اللسان" والسّخاوي في "المقاصد": "باطل" ("المقاصد الحسنة": ر: ٧٦٧، صـ٣٠٤). القاري في "المنح": "لا أصلَ له" ("منح الرَّوض الأزهر" صـ٢٦)، السيوطي في "اللآلئ": "ما رأيتُ لهذا الحديث من طب" ("اللآلئ المصنوعة" كتاب التوحيد، صـ١/ ٦). منه [أي: من الإمام أحمد رضا] رحمه الله.

کلام شدید ہے، لہذا آثار واقوالِ صحابۂ کرام، وتابعین عظام، وائمہ اعلام - علیہم رضا النعام - استماع کیجیے !:

امام لالکائی "کتاب السنّۃ" میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں: عن عَمرو بن دینار قال: أدرکتُ تسعةً من أصحاب رسول الله ﷺ یقولون: مَن قال: «القرآنُ مخلوقٌ فهو کافر»(۱) یعنی "حضرت عَمرو بن دینار فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ کے نو۹ صحابہ کو پایا، کہ فرماتے تھے: جو قرآن کو مخلوق بتائے کافر ہے"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۳۸)

امام جعفرِ صادق اور ان کے آباء واَجداد سے مروی ہے، کہ جو قرآن کو مخلوق کہے اسے قتل کیا جائے گا، اور اس سے توبہ نہ لیں

بَیہقی "کتاب الأسماء والصِّفات" میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ وعن آبائه الکرام سے راوی، کہ مخلوقیتِ قرآن ماننے والے کی نسبت فرماتے: "إنّه یُقتَل ولا یُستتاب"(۲) "اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ نہ لیں"۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۳۸)

اقوالِ ائمہ اس بارے میں، کہ قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے

(۱) اسی میں امام علی بن مدِینی سے منقول ہے: "إنّه کافر"(۳)۔

(۲) اسی میں امام مالک سے مروی ہے: "کافرٌ، فاقتلوه"(۴) "کافر ہے اسے قتل کرو!"۔

(۳) "جزء الفیل" میں یحییٰ بن ابی طالب سے روایت ہے: "جو قرآن کو مخلوق کہے کافر ہے"۔

(۴) ابن امام احمد "کتاب السنّۃ" میں فرماتے ہیں: "قرآن کو مخلوق کہنے والا ہمارے نزدیک کافر ہے؛ کہ قرآن خدا کی صفتوں میں سے ہے"۔

(۵) امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں: "جو قرآن کو مخلوق کہے وہ بے دین ہے"۔

(۶) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: "قرآن کلام الٰہی ہے، جو اِسے مخلوق کہے کافر ہے"۔

(۷) عبد اللہ بن ادریس کے سامنے خلقِ قرآن ماننے والوں کا ذکر ہوا، کہ اپنے آپ کو موحِّد کہتے ہیں، فرمایا: "جھوٹے ہیں، وہ موحِّد نہیں زندیق ہیں، جس نے قرآن کو مخلوق کہا؛ اس(۵) نے خدا کو مخلوق کہا، اور جس نے خدا کو مخلوق کہا کافر ہوا، یہ

---

(۱) "اللآلئ المصنوعة" بحواله اللالکائي في "السنّة" کتاب التوحید، ۱/ ۸۔

(۲) "المقاصد الحسنة" بحواله البَیهقي في "الأسماء والصِّفات" تحت ر: ۷۶۷، صـ ۳۰۵.

(۳) "المقاصد الحسنة" بحواله علي ابن مدِیني، تحت ر: ۷۶۷، صـ ۳۰۵.

(٤) "المقاصد الحسنة" بحواله الإمام مالك، تحت ر: ۷۶۷، صـ ۳۰۵.

(۵) اقول: وجہِ ملازمت ظاہر ہے، کہ ہر مخلوق حادِث ہے، اور قرآن لازمِ ذات ہے، اور حُدوثِ لازم حُدوثِ ملزوم کو مستلزم ہے، اور ہر حادِث مخلوق ہے، تو خلقِ صفت ماننے کو خلقِ ذات ماننا لازم ہے، حضراتِ نجدیہ غور کریں کہ یہ لازمِ شنیع، یعنیٰ (معاذ اللہ) ذاتِ باری کا حادِث ومخلوق ہونا، ان کے امام پر بھی لازم آیا یا نہیں؟! غنیمت جانیں کہ لازمِ قول قول نہیں ہوتا!!۔ منہ [امام احمد رضا] دام فیضہ.

بے دین ہیں"۔ اللّٰھم إنّا نسألك الخِتامَ علی الإیمان والسنّة، آمین آمین یا عظیمَ المنّة!.

("فتاویٰ رضویہ"ج۲۰،ص۱۳۹)

مسئلۂ امکانِ کذب

[1]امکانِ کذب باری پر اس نے ایک فریبی مغالطہ دیا، اس کا ردِّ بلیغ سنیے! ذرا اس کی تقریرِ مغالطہ پر پھر ایک نظر ڈال لیجیے کہ تازہ ہوجائے: حاصل اس کلامِ پریشان کا یہ تھا کہ "عدمِ کذب باری تعالیٰ کہ صفاتِ کمال سے ہے، جس سے اس کی مدح کی جاتی ہے، اور صفت[2] کمال و قابلِ مدح یہی ہے کہ کذب پر قادر ہو کر اس سے بچے، سرے سے قدرت ہی نہ ہوئی، تو عدمِ کذب میں کیا خوبی ہے؟ پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ جھوٹ نہیں بولتا، یونہی جو کذب کا ارادہ کرے، مگر کسی مانع کے سبب بول نہ سکے، عقلاً اس کی بھی مدح نہ کریں گے"۔

اب بتوفیق اللہ تعالیٰ پہلے نقوضِ اِجمالی لیجیے، پھر حلِ مغالطہ کا مژدہ دیجیے، واللہ الهادي وولي الأیادي!.

("فتاویٰ رضویہ"ج۲۰،ص۱۴۱)

رب تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾[3] "میں بندوں کے حق میں ستمگر نہیں" اور فرماتا ہے: ﴿لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾[4] "تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا" اور فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾[5] "بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرّے برابر ظلم نہیں فرماتا"۔

اقول: ان آیات میں مولیٰ تعالیٰ نے عدمِ ظلم سے اپنی مدح فرمائی۔ کیوں[6] مُلّا جی! بھلا جو ظلم پر قدرت ہی نہ رکھے،

---

(۱) اس سے قبل گزشتہ مضمون کے بعد چند سطور ہیں، پھر فرمایا: ہذیانِ دُوم ۲ میں جو اس نے اِمکانِ کذبِ باری ...الخ۔

(۲) اقول: اس احمق کا سارا ہذیان دفع کرنے کو صرف اُتنا جملہ کافی ہے، جو تنزیہ دُوم میں زیرِ دلیل بست ۽ چہارُم ۲۴ گزرا، کہ اللہ عزّوجلّ پر ہر وہ شے بھی محال ہے جو کمال سے خالی ہو، اگرچہ نقص نہ رکھتی ہو، ظاہر ہے کہ نفیِ کمال سے مدح ہونے سے رہی، مدح اس کی نفی سے ہوگی جو کمال نہیں، اور جو کچھ کمال نہیں وہ سب باری عزّوجلّ کے لیے محال ہے، ایمان ٹھیک ہو تو یہی دو ۲ حرف بس ہیں!۔ منہ [امام احمد رضا]

(۳) پ۲۶، قٓ: ۲۹۔

(۴) پ۱۵، کہف: ۴۹۔

(۵) پ۵، نساء: ۴۰۔

(۶) بحمد اللہ یہ نقضِ رفیع بدیع مُلّائے شنیع کی ساری تقریرِ فظیع کو سراپا حاوی ہے، جس سے اس کے ہذیانوں کا ایک حرف نہ بچ سکے، اس تقریرِ پریشان کو پیشِ نظر رکھ لیجیے! اور یوں کہہ چلیے: "ظلمِ الٰہی محال نہیں، ورنہ لازم آئے کہ قدرتِ انسانی قدرتِ ربّانی سے زائد ہو؛ کہ ظلم و ستم اکثر آدمیوں کی قدرت میں ہے، ہاں ظلم خلافِ حکمت ہے، تو ممتنع بالغیر ہوا، اسی لیے عدمِ ظلم کو کمالاتِ حضرتِ حق سبحانہٗ سے گنتے، اور اس سے اس کی تعریف کرتے ہیں، بخلافِ شجر و حجر؛ کہ انہیں کوئی عدمِ ظلم سے ستائش نہیں کرتا، اور ظاہر ہے کہ صفتِ کمال یہی ہے کہ ظلم پر قدرت تو ہو، مگر رعایتِ مصلحت و مقتضائے حکمت آلائشِ ستمگاری سے بچنے کو ظلم نہ کرے، ایسا ہی شخص سلبِ عیبِ ظلم و اتصافِ کمالِ عدل سے ممدوح ہوگا، بخلاف اس کے جس کے اعضاء و جوارح بے کار ہو گئے ہوں؛ کہ ظلم کر ہی نہیں سکتا، یا قوتِ متفکرہ فاسد ہو گئی ہے؛ کہ معنیٔ ظلم سمجھنے اور اس کا قصد کرنے ہی سے عاجز ہے، یا وہ شخص کہ جب عدل و انصاف کا حکم دے، تو یہ حکم اس سے صادر ہو، اور جب ظلم کا =

اس کی بے ظلمی کی کیا تعریف ؟! یوں تو پتھر کی بھی ثنا کیجیے کہ ظلم نہیں کرتا! اسی طرح جو صوبہ ظلم چاہے مگر حاکمِ بالا کا خوف مانع آئے، اس کی بھی مدح نہ کریں گے ! تولاجرم باری عزّوجلّ کو ظلم پر قادر رکھے گا!"۔

سبحان اللہ! تم سے کیا دُور جب کذب وغیرہ ہر عیب وآلائش پر قدرت مان چکے، تو ظلم میں کیا ستم رکھا ہے؟! اگر اتنا سمجھ لیجیے کہ "ظلم کہتے ہیں مِلکِ غیر میں تصرُّف بے جا کو" جب باری ﷻ کو اس پر قادر مانیے گا، تو پہلے بعض اشیاء کو اس کی مِلک سے خارج، اور غیر کی مِلکِ مستقل مان لیجیے! مسلمانوں کو تو بزورِ زبان وزُور وبہتان مشرک کہتے ہو! خود سچے پکّے کافر مشرک بن جایئے! قال تعالی: ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾[1] "اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں"۔ وقال تعالی: ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ﴾[2] "تُو فرما! کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟ تُو فرما! اللہ تعالی کا ہے"۔ وقال تعالی: ﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ﴾[3] "کیا اُن کا ساجھا (برابری والا) ہے آسمانوں میں؟"۔ ولہٰذا اہلِ سنّت وجماعت کا اجماعِ قطعی قائم ہے کہ باری۔ جلّ مجدُہ۔ سے ظلم ممکن ہی نہیں۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص ۱۴۳)

قال ربّنا ﷻ: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾[4] "تُو کہہ! سب تعریفیں اس خدا کو ہیں جس نے اپنے لیے بیٹا نہ بنایا"۔ وقال تعالی حاکیاً عن الجنّ: ﴿وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا﴾[5] "بے شک بڑی شان ہے ہمارے رب کی، جس نے اپنے لیے نہ عورت اختیار کی نہ بچہ!"۔

اقول: ان آیات میں سُبّوح قدّوس جلّ جلالہ نے یوں اپنی تعریف فرمائی، اب بھلا میاں جی کہیں اپنی دلیل سے چُوکتے ہیں! ضرور کہیں گے کہ "ان کا خدائے مَوہوم چاہے تو بیاہ کرے، بچے جنائے، مگر عیب ولوث سے بچنے کو فرور رہتا ہے، جب تو صفتِ مدح ٹھہری، ورنہ سِرے سے قدرت ہی نہ ہو تو خوبی ہی کیا ہے؟! یحیٰی علیہ الصلاۃ والسلام کو فرمایا گیا: ﴿سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا﴾[6]

=

حکم چاہے، آواز بند ہو جائے، یا زبان نہ چلے، یا کوئی منہ بند کرلے، یا گلا دبا دے، یا ایک شخص کسی سے سیکھ کر حکم کرتا ہے، آپ حکم دینا جانتا ہی نہیں، اور وہ بتانے والا اسے اَحکامِ عدل وانصاف ہی بتاتا ہے، اس وجہ سے ظلم صادر نہیں ہوتا، یہ لوگ عقلاء کے نزدیک قابلِ مدح نہیں۔ بالجملہ عیب ظلم سے ترفّع اور اس کی آلائش سے تنزّہ کے لیے ظلم نہ کرنا ہی صفتِ مدح ہے، اور عجز ہو تو کچھ مدح نہیں، یا اس کی مدح پہلے کی مدح سے بہت کم ہے" انتہی۔ ملاحظہ کیجیے نقص اسے کہتے ہیں کہ نام کو کُنگی نہ رکھے!، واللہ الموفّق. منہ [امام احمد رضا] سلّمہ.

(۱) پ ۳، البقرۃ: ۲۸۴۔ وپ ۴، نساء: ۱۲۶۔

(۲) پ ۷، الانعام: ۱۲۔

(۳) پ ۲۲، فاطر: ۴۰۔ وپ ۲۶، احقاف: ۴۔

(۴) پ ۱۵، اسراء: ۱۱۱۔

(۵) پ ۲۹، جن: ۳۔

(۶) پ ۳، آل عمران: ۳۹۔

عورتوں سے پرہیز رکھنے والا"، حیز [ہیجڑا] نامرد کی کون تعریف کرے گا کہ عورتوں سے بچتا ہے؟!"۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۴)

قال المولی ﷻ: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾[1] "تیرا رب بھولنے والا نہیں"۔

اقول: اب دہلوی ملا اپنی ہذیانی دلیل کو آیۂ کریمہ میں جاری کر دیکھے! رب -تعالی ذکرہ- نے عدمِ نسیان سے اپنی مدح فرمائی اور صفتِ کمال و قابلِ مدح یہی ہے کہ باجود امکانِ نسیان عیب ولوث سے بچنے کو اپنے علوم حاضر رکھے۔ پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ یہ بات نہیں بھولتا، حالانکہ عدمِ نسیان قطعاً اسے بھی حاصل ہے۔ یونہی اگر ایک شخص بالقصد کسی مسئلہ کو بھلا دینا چاہتا ہے، اور عمداً اپنے دل کو اس کی یاد سے پھیرتا ہے، مگر جب بھولنے پر آتا ہے، کوئی یاد دلاتا ہے، یوں بھلانے پر قدرت نہیں پاتا، عقلاء ایسے شخص کو بھی عدمِ نسیان سے مدح نہ کریں گے۔ تو لاجرم واجب کہ باری سبحانہ کا نسیان ممکن ہو، اور وہ اپنے علوم بھلا دینے پر قادر ہو! تعالی اللہ عن ذلك عُلوّاً كبيراً. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۴)

آیۂ کریمہ: ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى﴾[2] "میرا رب نہ بہکے نہ بھولے"۔

اقول: موسیٰ کلیم -علی سیدہ وعلیہ الصلاۃ والتسلیم- نے عدم ضلال سے اپنے رب کی ثناء کی۔ "اگر دہلوی میاں جی کی عقل کچی ہو، تو لازم کہ باری عزّ وجلّ کا بہکنا ممکن ہو؛ کہ مدح اسی میں ہے کہ باوصفِ امکان عیب ولوث سے بچنے کو ضلال میں نہ پڑے، اگر ضلالت پر قدرت ہی نہ پائی، تو مجبوری کی بات میں تعریف کا ہے کی؟! پتھر کو کوئی نہ کہے گا کہ یہ راہ نہیں بھولتا، یا جب پھینکیں تو سیدھا زمین ہی پر آتا ہے، کبھی بہک کر آسمان کو نہیں چلا جاتا۔ اسی طرح جب کوئی شخص بہکنے کو ہو، تو راہ بتا دی جائے، یوں بہکنے نہ پائے، اس میں بھی کوئی تعریف نہیں"۔

یہ چار ۴ تازیانے نقض کے لیے بس ہیں! اور جو شخص طرزِ تقریر سمجھ گیا، اس پر اَور نقوضِ کثیرہ کا استخراج آسان ہے، مگر لطف یہ ہے کہ جو گستاخ دہن دریدہ حیا پریدہ اپنے رب کے لیے دنیا بھر کے عیب وآلائش رَوا کر چکا، اس سے ان استحالوں کا کیا حاصل ہے؛ کہ وہ سہو وضلالت و جماع وولادت سب کچھ گوارا کر لے گا، ع

تیر بر جاہ انبیاء انداز — طعن در حضرت الٰہی کن

بے ادب زی وآنچہ دانی گوئی — بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۵)

عیب وے جملہ بہ گفتی ہنرش نیز بگوئے

[1] پ۱۶، مریم: ۶۴۔

[2] پ۱۶، طہ: ۵۲۔

جامعیت اَوصاف عجب چیز ہے، اور مجموعہ کا فضل آحاد پر ظاہر ہے۔ دہلوی ملّا کو بھی اللہ عزّوجلّ نے جامعیت اَصنافِ بدعت عطا فرمائی تھی، دنیا بھر میں کم کوئی طائفہ اَربابِ ضلالت نکلے گا، جس سے ان حضرت نے کچھ تعلیم نہ لی ہو، پھر ایجادِ بندہ اس پر علاوہ ہے، تو اس نئے فتنہ کو چاہے عطرِ فتنہ کہیے، یا ضلالت کی گھانیوں کا عطرِ مجموعہ!۔

اب یہ نفیس دلیل جو حضرت نے اِمکانِ کذبِ باری عزّوجلّ پر قائم کی، حاشا ان کی اپنی تراشی نہیں! کہ وہ دین میں نئی بات نکالنے کو بہت بُرا جانتے تھے، بلکہ اپنے اساتذۂ کاملہ حضرات معتزلہ -خذلہم اللہ تعالیٰ- سے سیکھ کر لکھی ہے، ان خبیثوں نے بعینہٖ حرف بحرف اس دلیل سے مولیٰ تعالیٰ کا اِمکانِ ظلم نکالا تھا، اور جو نقض فقیر نے ان حضرت پر کیے، بعینہٖ ایسے ہی نقضوں سے ائمۂ اہلِ سنّت نے ان ناپاکوں کا رَد فرمایا، امام فخرالدّین رازی "تفسیر کبیر" میں زیرِ قولہ عزّوجلّ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾[1] فرماتے ہیں:

یعنی معتزلہ نے کہا: "آیتِ مذکورہ دلالت فرماتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر ہے؛ اس لیے کہ رب عزّوجلّ نے اس میں ترکِ ظلم سے اپنی مدح فرمائی، اور کسی فعلِ قبیح کے ترک پر مدح جب ہی صحیح ہوگی، کہ اسے اس کے کرنے پر قدرت ہو، آخر نہ دیکھا کہ لُنجھا اپنی تعریف نہیں کر سکتا، کہ میں راتوں کو چوری کے لیے نہیں جاتا"۔

مسلمان دیکھیں! کہ معتزلی ذلیل کی یہ بے ہودہ دلیل بعینہٖ وہی ہذیانِ ملّائے ضلیل ہے یا نہیں؟! فرق یہ ہے کہ انہوں نے اس قدیمُ العدل پر تہمتِ ظلم رکھی، انہوں نے اس واجب الصدق پر اِفترائے کذب اٹھایا! اُنہوں نے بر تقدیرِ تنزّہ اپنے رب کو لُنجھے سے تشبیہ دی، انہوں نے گونگے اور پتھر سے ملا دیا!۔

اب ائمۂ اہلِ سنّت کا جواب سنیے! امامِ ممدوح فرماتے ہیں: اس دلیل سے جواب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف فرمائی کہ "اسے غنودگی و خواب نہیں آتے" اس سے یہ لازم نہ آیا کہ (معاذ اللہ) یہ چیزیں اس کے لیے ممکن بھی ہوں۔ اور اس نے اپنی تعریف فرمائی کہ "نگاہیں اسے نہیں پاتیں" اس سے معتزلہ کے نزدیک اس پر نظر پہنچنے کا اِمکان نہ نکلا، انتہیٰ۔ کیوں ہم نہ کہتے تھے! ع

آنچہ شوخاں ہمہ دارند تو تنہا داری

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۶)

اقول وباللہ التوفیق: صفاتِ مدائح کے درجات متفاوت ہیں، بعض مدائح اَولی ہوتے ہیں، یعنی اعلی درجۂ کمال، اور بعض تنزّلی، یعنی فائت الکمال کے مبلغِ کمال۔ پھر یہ اسی کے حق میں مدح ہوں گے جو مدائح اَولی نہیں رکھتا، صاحبِ کمالِ تام کا اس پر قیاس جہل و وسواس ہے۔ مثلاً عبادت و تذلّل و خشوع و خضوع وانکسار و تواضع انسان کے مدائح جلیلہ سے ہیں، اور باری -جلّ شانہٗ- پر محال ہیں؛ کہ ان کا مدح ہونا فوتِ کمالِ حقیقی تھا، یعنی معبودیت پر مبنی تھا، معبودِ عالَم -عزّ جلالہٗ- کے حق میں عیب ومنقصت ہیں، بلکہ اس کے لیے مدح تعالِی و تکبّر ہے ﷻ، یونہی ترکِ نقائص ومَعائب میں مخلوق کی مدا

(1) پ۵، نساء: ۴۰۔

بالقصد سے باز رہنے پر مبتنی ہونا بھی اس کے نقصانِ ذاتی پر مبنی ہے؛ کہ وہ اپنی ذات میں سبّوح وقدّوس وواجب الکمال مستحیل النقصان نہیں، بلکہ جائز العیوب والقبوح ہے، اور بنظرِ نفسِ ذات کے عیوب ونقائص سے مُنافات نہیں رکھتا، تو غایتِ مدح اس کے لیے یہ ہے کہ جہاں تک بنے، اس ممکن سے بچے، اور تلوّث سے بھاگے۔

ولہٰذا جہاں بوجہِ فقدانِ اَسباب وآلات بعض مَعائب وفواحش کی استطاعت نہ رہے، وہاں مدح بھی نہ ہوگی، جیسے نامَرد، نجم، اپاہج، گونگے کا زِنا نہ کرنا، چوری کو نہ جانا، جھوٹ نہ بولنا؛ کہ مَناطِ مدح (کہ دُور بھاگنا اور اپنے نفس کو باز رکھنا تھا) یہاں مفقود ہے، اور جب اِمکان ہے تو کیا معلوم کہ عصمت بی بی اَز بے چادری نہیں، شاید اَسباب سالم ہوتے تو مرتکب ہوتا۔

سفیہ جاہل نے اپنے رب -جلّ وعلا- کو بھی انہیں گونگوں، لُنجھوں بلکہ اینٹوں پتھروں پر قیاس کیا، اور جب تک عیب ونقصان سے متّصف نہ ہوسکے، عدمِ عیب کو مدح نہ سمجھا، حالانکہ یہ مدحِ اوّل وکمالِ حقیقی تھا کہ وہ اپنے نفسِ ذات میں متعالی وقدّوس وسبوح وواجب الکمالات و مستحیل القبوح ہے -تعالیٰ وتقدّس-، تو یہاں عیبِ ممکن سے باز رہنے، اور بطورِ ترفّع بالقصد بچنے کی صورت ہی متصوّر نہیں، نہ کہ حاش للہ! یہ اس کے حق میں مدح ہو، بلکہ کمالِ مذمّت وقدح ہے، وللہ العزّۃ جمیعاً، ولا حولَ ولا قوّۃَ إلّا باللہ العليّ العظیم!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۳)

تنبیہ نفیس: أیہا المسلمون! ایک عام فہم بات عرض کروں! سفیہ جاہل کا سارا مبلغِ سعی یہ ہے، کہ کذب پر قدرت پاکر پھی اس سے بچنا صفتِ کمال ہے، نہ کہ کذب ممکن ہی نہ ہو۔

اقول: جب کذب ممکن ہوا، تو صدق ضروری نہ رہا، اور جو ضروری نہیں، تو وہ ممکن الزوال ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ کمال وہی ہے جسے زوال ہوسکے، اور جو ایسا کمال ہوا جس کا زوال محال ہے، تو کمال ہی کیا ہے؟! سبحان اللہ! یہ بھی ایک ہی ہوئی! لا جواب بات کہی!]۔

اواحمق! کمالِ حقیقی وہی ہے جس کا زوال اِمکان ہی نہ رکھے، ہر کمال قابلِ زوال عارضی کمال ہے، نہ کہ ذاتی کمال۔

مسلمانو للہ انصاف! باری عزّوجلّ کا صدق یوں ماننا کہ "ہے تو سچا مگر جھوٹا بھی ہو سکتا ہے" یہ کمال ہوا؟ یا یوں کہ "وہ سبّوح قدّوس ﷻ ایسا سچا ہے جس کا جھوٹا ہونا قطعاً مُحال ہے؟" اہلِ اسلام ان دونوں باتوں کو میزانِ ایمان میں تول کر دیکھیں، کہ کون گستاخ بے ادب اپنے رب کی تنزیہہ کو بدعت وضلالت جاننے والا، بحیلۂ مدح اس کی مذمّت وتنقیص پر اترتا ہے! اور کون سچا مسلمان صحیح الایمان اپنے مولیٰ کی تقدیس کو اصلِ دین ماننے والا، اس کے صدق ونزاہت وجملہ کمالات کو علی وجہ الکمال ثابت کرتا ہے! والحمد للہ ربّ العالمین، وقیل: بُعداً للقوم الظلمین!.

للہ الحمد! اس عشرۂ کاملہ نے ہذیانِ ناپاک گستاخ بے باک کی دھجیاں اڑا دیں، مگر ہُنوز ان کی نزاکتوں کو تو بس نہیں!

صد سال می تواں سخن از زلف یار گفت

ابھی حضرت کی اس چار ۴ سطری چاردیواری میں شواہد وزوائد وغیرہا مَفاسد سے بہت اَبکار اَفکار، ستم کیش عیار، آہوانِ

عرصۂ شکار کی چھلبل نظر آتی ہے! جنھیں بے خدمتِ کامل و تسکینِ بالغ ناشاد نامراد، بسکتا بلکتا چھوڑ جانا خلافِ مُروت وفتوتِ ذاتی ہے، لہٰذا اپنے سمندِ رہوار [تیز چلنے والا گھوڑا]، غضنفرِ خونخوار، صاعقۂ برق بار کی دوبارہ عنان لیتا، اور خامۂ پختہ کار، شہزار شہسوار، شیرگیر ضیغم شکار کو از سرِ نو رخصتِ جولان دیتا ہوں، وباللہ التوفیق!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۷)

قولہ: عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ، می شمارند[1]۔

اقول: اس ہوشیار عیار کی چالاکی دیدنی ہے! صدق کو چھوڑا، عدمِ کذب پر مُباحثہ چھیڑا؛ تاکہ جماد وغیرہ کی نظیریں جما سکے، ظاہر ہے کہ پتھر کو سچا نہیں کہہ سکتے، مگر یہ بھی ٹھیک ہے کہ جھوٹا نہیں، حالانکہ قلبِ حاضر اور عقلِ ناظر ہو تو فقیر ایک نکتہ بدیعہ القاء کرے: سلب کسی شئے کا بنفسہٖ ہرگز صفتِ کمال نہیں، ورنہ لازم آئے کہ معدومات کروڑوں اَوصافِ کمال سے موصوف، اور اعلیٰ درجۂ مدح کے مستحق ہیں، بلکہ باری تعالی کی تنزیہہ وتقدیس میں اس کے شریک ہوں؛ کہ بحالتِ عدم موضوع سب سالبے سچ ہیں، جو سِرے سے موجود ہی نہیں، وہ جسم بھی نہیں، جہت میں بھی نہیں، زمان میں بھی نہیں، مکان میں بھی نہیں، مصوَّر بھی نہیں، محدود بھی نہیں، مرکّب بھی نہیں، متجزّی بھی نہیں، حادث بھی نہیں، متناہی بھی نہیں، کاذِب بھی نہیں، ظالم بھی نہیں، مخلوق بھی نہیں، فانی بھی نہیں، ذی زَوجہ بھی نہیں، ذی ولَد بھی نہیں، اسے خواب بھی نہیں، اُونگھ بھی نہیں، بھکنا بھی نہیں، بُھول بھی نہیں۔ بیس ۲۰ یہ اور ان جیسے صدہا اَور، سب صادق ہیں۔ مگر کوئی مجنون ہی ان سُلوب کو اس مسلوب کے لیے صفتِ مدح وکمال جانے گا!! ہاں عیوب ونقائص کا سلب اس وقت مَعرضِ مدح وبیانِ کمال میں آتا ہے، جب کسی صفتِ کمال کے ثبوت پر مبنی، اور صفتِ مدح سے مُنبی [خبر دینے والا] ہو، ولہٰذا قضایائے مذکورہ باری عزّوجلّ کے مدائح سے ہیں؛ کہ ان چیزوں کا سلب اعظم صفاتِ کمال، یعنی وُجوبِ وجود کے ثبوت سے ناشی ہے، اور ان کے بیان سے اس کا سبّوح وغنی وقدّوس ومتعالی ہونا ظاہر ہے۔ باری عزّوجلّ کو کہنا کہ متجزّی نہیں، بے شک مدح ہے؛ کہ اس سے اس کا غنا سمجھا گیا، اور نقطہ کو کہنے میں کچھ تعریف نہیں؛ کہ اس کے لیے خوبی نہ نکلی؛ کہ وہاں غنا درکنار، متجزّی محتاج کے محتاج الحتاج کی محتاجی ہے... وعلی ہذا القیاس!۔

جب یہ امر ممہّد ہولیا، تو ظاہر ہو گیا کہ حقیقۃً صدق صفتِ کمال ہے، نہ کہ مجرّد عدمِ کذب، جو معدومات بلکہ مُحالات کے بارے میں بھی صادق ہے۔ البتہ سلبِ کذب وہاں مفیدِ مدح ہے جہاں اس کا سلب ثبوتِ صدق کو مستلزِم ہو، مثلاً زید عاقل ناطق کی تعریف کیجیے کہ جھوٹا نہیں، بے شک تعریف ہوئی؛ کہ جھوٹا نہیں، تو آپ ہی سچا ہوگا، اور سچا ہونا صفتِ کمال ہے، تو اس سلب نے ایک صفتِ کمال کا ثبوت بتایا، لہٰذا محلِ مدح میں آیا، جہاں ایسا نہ ہو وہاں زنہار نہ مفیدِ مدح ہے، نہ مظہرِ کمال۔ یہ نکتہ بدیعہ ملحوظ رکھیے! پھر دیکھیے کہ عیار بہادر کی دی ہوئی نظیریں کیا کیا کے کو پہنچتی ہیں! واللہ الموفّق!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۸)

قولہ: آخرس وجماد کہ کسے ایشاں را بعدم کذب مدح نمی کند[2]۔

(۱) "رسالہ یکروزی" (فارسی) ص۱۷۔
(۲) "رسالہ یکروزی" (فارسی) ص۱۷ و۱۸۔

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar

اقول: دونوں نظیروں پر پتھر پڑے ہیں! گنگ وسنگ کی کیوں مدح کریں؟ کہ وہاں سلبِ کذب ثبوتِ صدق سے ناشی ہیں، گونگا یا پتھر اگر جھوٹا نہ ہوا تو کیا خوبی؟ کہ سچا بھی تو نہیں! تو وہ استلزامِ صفتِ کمال جو مَبنائے مدح تھا، یہاں منتفی ہے، بریہ کہ منفصلہ حقیقیہ کے مقدّم وتالی میں جب دو ۲ صفت مدح وذَم محمول ہوں، تو جس فردِ موضوع سے ذَمیہ کو سلب کیجیے، مدح ثابت ہوگی؛ کہ یہاں ہر ایک کا رفع دوسری کے وضع کو منتج ہے، بخلاف ان چیزوں کے جو زیرِ موضوع مندرج ہی نہیں! ان سے دونوں محمول کا ارتفاع معقول ہے، پھر سلبِ ذَم ثبوتِ مدح پر کیونکر محمول ہو؟ یہاں قضیہ "کلّ متکلّمٍ مخبرٌ، إمّا صادقٌ وإمّا کاذبٌ" تھا، اَخرس وجماد پر سِرے سے وصفِ عنوانی ہی صادق نہیں، پھر عدمِ کذب ان کے لیے کیا باعثِ مدح ہو؟ دیکھ او ذِی ہوش! یہ فارق ہے نہ کہ وہ، کہ "جب تک عیب ممکن نہ ہو، کمال حاصل ہی نہیں"! ولا حولَ ولا قوّۃ إلّا باللہ العليّ العظیم!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۸)

تکمیل جمیل

اقول: او جھوٹی نظیروں سے بے چارے عوام کو چھلنے والے! اس تفرقہ کی سچی نظیر دیکھ! مسلمان کو اہلِ بدعت کے بہتر ۷۲ فرقے پورا گِنا کر کہیے: رافضی، وہابی، خارجی، معتزلی، جبری، قدری، ناصبی وغیرہ نہیں، تو بے شک اس کی بڑی تعریف ہوئی، اور بعینہٖ یہی کلمات کسی کافر کے حق میں کہیے تو کچھ تعریف نہیں، حالانکہ یہ سالبہ قضیے دونوں جگہ قطعاً صادق ہیں، تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان باوجود قدرت رافضی وہابی ہونے سے بچا، لہٰذا محمود ہوا؟! اور اس کافر کو رافضی وہابی ہونے پر قدرت ہی نہ تھی، لہٰذا مدح نہ ٹھہرا؟! کوئی جاہل سے جاہل یہ فرق نہ سمجھے گا! بلکہ تفرقہ وہی ہے کہ جب یہ فرقے اہلِ قبلہ کے ہیں، تو مسلمان کے حق میں ان بہتر ۷۲ کی نفی سُنّی ہونے کا اِثبات کرے گی، لہٰذا اعظم مدائح سے ہوا، اور کافر سِرے سے مقسم، یعنی کلمہ گوہی سے خارج ہے، تو ان کی نفی سے کسی وصفِ محمود کا اس کے لیے اِثبات نہ نکلا، ولہٰذا مفیدِ مدح نہ ٹھہرا۔ والحمد للہ علی إتمام الحجّة ووُضوح المحجة!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۸)

قولہ: بخلاف کسے کہ لسان اُو ماؤف شدہ باشد و تکلّم بکلام کاذب نمی تواند کرد[1]۔

اقول: اچھا ہوتا کہ تم بھی اسی "کس" کے مثل ہوتے، کہ ایسے کاذب کلاموں کے بس تو نہ ہوتے! اے عقلمند! وہ ماؤف لسان تکلّم بکلام صادق بھی نہ کر سکے گا، تو عدمِ مدح کی وہی وجہ کہ سلبِ کذب سے ثبوتِ صدق نہیں۔

قولہ: یاقوت متفکرہ اُو فاسد شدہ باشد کہ عقدِ قضیۂ غیر مطابق للواقع نمی تواند کرد[2]۔

اقول: تم سے بڑھ کر فاسد المتفکرہ کون ہوگا!! پھر کتنے قضایائے باطلہ عقد کر رہے ہو! بھلا حضرت کیا فسادِ متفکرہ صرف قضایائے کاذبہ ہی کے لیے ہوگا؟! اور جب مطلقاً ہے تو عقدِ قضیہ مطابقہ پر بھی قدرت نہ ہوگی، تو صراحۃً وہی فارق صادق ہے اور تمام ناحق ہے۔ ہاں جس تام العقل، سالم النطق کو لُطفِ الٰہی صدقِ محض کی استطاعت دے، کہ بوجہ مانع غیبی اِصدارِ کذب

---

[1] "رسالہ یکروزی" (فارسی) ص۱۷ و ۱۸۔

[2] "رسالہ یکروزی" (فارسی) ص۱۷ و ۱۸۔

سے ممنوع و مصروف ہو، تو یہ عدمِ کذب بے شک مدحِ عظیم ہوگا، اسی وجہ سے کہ اب ثبوتِ صادقیت کبریٰ سے منّی، اور کمال جلیل یعنی عصمت من اللہ پر مبنی۔

خلاصہ یہ کہ شخصِ مذکور اس طور پر زیرِ موضوع مندرج ہے، اور بطور فسادِ تفکر خارج ہے، فظهر التفرقةُ وذهبَ الوَسوسةُ!. ("فتاوی رضویہ" ج ۲۰، ص ۱۴۹)

قولہ: یاشخصے کہ کلام صادق ازو صادر می گردد و ہر گاہ ارادۂ کلام کاذب نماید آواز او بندیا زبان او ماؤف می شود یا کسے دہن او بندیا حلقوم خفہ کند[1]۔

اقول: ایسا تو کیا کہوں جو آپ کی طبع نازک کو بالکل خفہ کند! ہاں اتنا کہوں گا کہ اب کی تو اُچھل کر تارے ہی توڑ لائے! یہ چارہ نظیریں وہ بے نظیر دی ہیں کہ باید و شاید!۔ او عقل کی پُڑیا! جب وہ عزمِ تکلم بکذب کر چکا، تو کلامِ نفسی میں کاذب ہو چکا، اگرچہ بوجہ مانع صادر نہ ہو سکا، تو اس کے عدم سے حکمِ کذب کیونکر رُکا؟ کذب حقیقۃً صفتِ معانی ہے نہ کہ وصفِ الفاظ۔ پھر اس کی مدح کیا معنی؟ قطعاً مذموم ہوگا! بھلا لے دے کر اگلی نظیروں میں عدمِ کذب کی صورت تو تھی، یہاں اللہ کی عنایت سے وہ بھی نہ رہی، صریح کذب محقق و موجود اور عدم کذب کی نظیروں میں معدود! جبھی تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب گمراہ کرتا ہے، عقل پہلے لے لیتا ہے! والعیاذ باللہ رب العالمین!. ("فتاویٰ رضویہ" ج ۲۰، ص ۱۴۹)

قولہ: یا کسے کہ چند قضایائے صادقہ یاد گرفتہ واصلاً بر ترکیب قضایائے دیگر قدرت ندارد بناءً علیہ تکلم بکاذب ازو صادر نہ گردد[2]۔

اقول: یہ صورت بھی وہی فسادِ عقل کی ہے، جس میں فقط حفظِ صوادق کا شعبدہ بڑھایا، مگر کام نہ آیا، قطع نظر اس سے کہ یہ تصویر کیسی؟ اور ایسے شخص سے حفظ قضایا معقول بھی ہے یا نہیں۔

اوّلاً: انسان مرتبۂ عقل بالملکہ میں بالبداہۃ ترکیبِ قضایا پر قادر ہے، تو سرے سے تصویر ہی باطل ہے، اور عقلِ ہیولانی میں (کہ تعقلِ انطباعی نہیں ہوتا) اگر تعقل نسبت خبریہ معقول بھی ہو، تاہم حکایت و قصدِ افادہ قطعاً غیر معقول اور صدق و کذب باعتبار حکایت ہیں، نہ باعتبار مجرد علم۔ ورنہ (معاذ اللہ) عالمِ کواذب کاذب ٹھہرے۔ تو یہاں بھی سلبِ کذب سے ثبوتِ صدق لازم نہ ہوا، اور وہی فارق پیش آیا!۔

ثانیاً: جو اصلاً کسی قضیہ حتی کہ قضایائے وہمیہ و احکامِ شخصیہ بدیہیہ حسیہ پر بھی قادر نہ ہو، قطعاً مجانین بلکہ حیوانات سے بھی بدتر اور جماد سے ملحق ہے۔ تو اس کا کلام کلام نہ ہوگا، صوت بے صورت ہوگا، اور صدق و کذب اوّلاً و بالذات صفتِ معانی ہے، نہ کہ وصفِ عبارات۔ تو بات اگرچہ بایں معنی سچی ہو کہ سامع اس سے اِدراکِ معنی مطابق للواقع کرے، مگر اس سے اس جمادی آواز کرنے والے کا صدق لازم نہیں؛ کہ معنی متصف بالصدق اس کے نفس سے قائم نہیں، حتی کہ علماء نے کلامِ مجنون کو بھی خبریت سے خارج کیا، اور پُر ظاہر کہ صدق و کذب اَوصافِ خبر ہیں، نہ کہ شاملِ مطلق آواز۔

(۱) "رسالہ یکروزی" (فارسی) ص ۱۷ و ۱۸۔ مولانا بحرالعلوم
(۲) "رسالہ یکروزی" (فارسی) ص ۱۸۔

"فواتح" میں فرماتے ہیں: "الكلام الصادر عن المجنون، لا يكون مقصوداً بالإفادة، فلا يكون حكاية عن أمر حتى يكون خبراً"[1]۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۰)

تمیمہ دائرہ و سائرہ تسفیہ جملہ نظائر

اقول: أيها المسلمون! سفیہ جاہل نے حتی الامکان اپنے رب میں رد کذب ثابت کرنے کو جو نظیریں دیں، سب بے معنی۔ ہم نے اس وقت تک ان کے رد میں اس امر پر بنائے کار رکھی، کہ عدم کذب بنفسہ کمال نہیں، جب تک ثبوتِ کمال پر مبنی نہ ہو، اور یہاں ایسا نہیں۔

اس کی سزا کو اسی قدر بس تھا اگر غور کیجیے تو معاملہ اور بھی بالکل معکوس، اور حملِ مستشہد کا کاسہ معکوس ہے، اور تمام عیار زدہ پہ قفا [سر جھکائے] ہیں، یعنی یہاں عدمِ قدرت علی الکذب کا بر بنائے کمال ہونا بالائے طاق، اُلٹا بر بنائے عیوب و نقائص ہے، کہیں عدمِ عقل، کہیں عجزِ آلات، کہیں لحوقِ مغلوبی، کہیں عروضِ آفات۔ پھر ایسا عدمِ کذب اگر ہو گا تو موجبِ ذم ہو گا، نہ کہ باعثِ مدح۔ یہ وجہ ہے کہ ان صُوَر میں سلبِ کذب سے تعریف نہیں کرتے، نہ وہ جاہلانہ و سفیہانہ خیال، کہ "عیب پر قدرت نہ ہونا مانعِ کمال"۔ اب ختمِ الٰہی کا ثمرہ کہ سفیہ جاہل کو خدا و جماد میں فرق نہ سوجھا! اس کا عدمِ کذب، اس کے کمال عالی یعنی سبّوحیت و قدوسیت، بلکہ نفسِ الوہیت سے ناشی ہے: کہ الوہیت اپنی حدِ ذات میں ہر کمال کی مقتضی، اور ہر نقص کی نافی ہے، اور ان کا عدمِ کذب عیوب و نقائص پر مبنی ہے، پھر کیسی پہلے بہرے کی کوری یا سینہ زوری، کہ عینِ کمال کو کمالِ نقص پر قیاس کرے! اور اینٹوں پتھروں کے عیوب و نقائص باری - جل مجدہ - کے ذمے دھرے! جاہل پر ایسی نظیر دینی لازم تھی جس میں عدمِ کذب بآنکہ کمال سے ناشی ہوتا، پھر بھی بحالتِ عدمِ امکان مدح نہ سمجھا جاتا، وأنّى له ذلك؟! اب جو اس کا حامی بنے، سب کو دعوتِ عام دیجیے کہ ایسی نظیر ڈھونڈ کر لاؤ! ﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا﴾[2] ...الآية.

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۰)

تمیمہ دوم ۲: اقول: اس سے زائد قہر یہ ہے کہ اپنا لکھا خود نہیں سمجھتا، نظیریں دے کر، "بالجملہ" کہہ کر آپ ہی خلاصۂ مطلب یہ نکالتا ہے، کہ عدمِ کذب اگر بر بنائے عجز ہو، تو موجبِ مدح نہیں۔ معلوم ہوا کہ ان نظائر میں تحققِ عجز و قصور پر مطلع ہے، پھر باری عزّ و جلّ کے عدمِ کذب کو ان سے ملاتا ہے، حالانکہ وہاں عیب و منقصت پر عدمِ قدرت زنہار عجز نہیں، بلکہ عینِ کمال و مدحت ہے۔ اور (معاذ اللہ) کو اخلِ قدرت ماننا ہی صریح نقص و مذمت ہے۔

یہ تقریر کافی و وافی طور پر مقدمۂ رسالہ، و نیز زدِ ثالث ہذیانِ اول میں گزری، اور وہیں یہ بھی بیان ہوا کہ عجز جب ہے کہ جانبِ قابل قصور کی ہو، جیسے اے سفیہ! ان تیری نظیروں میں، کہ گنگ و سنگ اپنے نقصان کے باعث جھوٹ سچ کچھ نہیں بول سکتے۔ نہ یہ کہ جانبِ قابل نالائق ہو، کہ تعلقِ قدرت کی قابلیت نہیں رکھتا، جس طرح جنابِ باری عزّ و جلّ کا کذب وغیرہ تمام

(1) "فواتح الرحموت" بذيل "المستصفى" الأصل الثاني: السنة، ۲/ ۱۰۸.
(2) پ۱، البقرۃ: ۲۴۔

عیوب سے منزّہ ہونا۔ اسے ہرگز کوئی مسلم عاقل عجز گمان نہ کرے گا! یارب مگر ابن حزم سا کوئی ضالّ اجہَل یا ان حضرت سا جاہل اَضَلّ! وبالله العصمةُ عن مواقع الزَّلَل، والحمد لله الأعزّ الأجلّ!.

ثمّ اقول: جس نے حضرت کا تناقض بتایا، اور دُوم سوم ودوہم کے بعد کی تنبیہات اور بستم ۲۰ کا ثانیاً، اور اس کے بعد کی دو ۲ تنبیہیں، یہ ساتوں جُداگانہ تازیانے تھے، تو حقیقۃً عشرۂ اُولیٰ میں چَودہ ۱۴ اور ثانیہ میں تیرہ ۱۳، کُل ستائیس ۲۷ تازیانے یہاں تک ہوئے۔ چلتے وقت کے تین ۳ اَور لیتے جایئے! کہ تیس ۳۰ کا عدد جو دونوں تنزیہ سابق میں بھی ملحوظ رہا ہے، پورا ہو جائے! خصوصًا ان میں ایک تو ایسا شدید کامل جس سے جان بچانی مشکل! جو آپ کا خلاصۂ مطلب کھولے، اصل مذہب سربرہنہ کربولے! وبالله التّوفيق وإفاضة التّحقيق!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۱)

اقول وبالله التوفيق: شاطر عیّار نے اگرچہ بظاہر اغوائے جہّال کو (کہ عوام اَہلِ اسلام اپنے ربِّ ذُوالجلال والاِکرام کے حق میں صریح دُشنام سن کر بھڑک نہ جائیں، مطلبِ دِلی کے رُوئے زشت پر پردہ ڈالنے کو براہِ تقیہ، کہ روافض سے بڑھ کر اصلِ اصیل مذہبِ نجدیہ ہے) یہ کلمات بڑھادیے کہ "کذبِ مذکور اے مُنافیٔ حکمت اُوست، پس ممتنع بالغیر ست"[1]۔

مگر اس کے ساتھ ہی جو مذہبِ خفیہ جوش پر آیا، اور نظیریں دینے کا شوق گرمایا، تو کُھلے بندوں علانیہ بتایا، کہ "کذبِ الٰہی میں اصلاً امتناع بالغیر کی بُو بھی نہیں، قطعاً جزماً جائز وقوعی ہے، جس کے وقوع میں استحالۂ عقلی وشرعی درکنار، استبعادِ عادی کا بھی نام ونشان نہیں"۔ ثبوت لیجیے! اگر اس کے مذہب میں کذبِ الٰہی ممکن بالذّات وممتنع بالغیر ہوتا، تو نظیریں وہ دیتا جن میں کذب ممتنع بالذّات ہو، کہ دیکھو! جہاں امتناعِ ذاتی ہوتا ہے، عدمِ کذب باعثِ مدح نہیں ہوتا، اور باری عزّوجلّ کے لیے مدح ہے، تو اس کے حق میں امتناعِ ذاتی نہیں، مگر برخلاف اس کے مثالیں وہ دیں، جن میں امتناعِ ذاتی کا پتہ نہیں، مثلاً جس کا منہ بند کرلیں، یا گلا گھونٹ دیں، اور اس وجہ سے وہ جھوٹ نہ بول سکے، تو پُر ظاہر کہ بولنے پر یقیناً قادر ہے، اگر بالفرض امتناع ہے تو اِس عارض کی وجہ سے، تو نہ ہوا مگر امتناع بالغیر۔ امامِ نجدیہ اسے بھی مانعِ مدح جان کر باری عزّوجلّ سے صراحۃً سلب کرتا ہے، پھر کیوں منافقانہ کہا تھا: "ممتنع بالغیر ست"؟ صاف کہا ہوتا: "اصلاً از امتناع بالغیر ہم بہرہ ندارد"۔

اے حضرت! دُور کیوں جایئے! پہلی بسم الله اَخرس وجماد ہی کی نظیر نہ لیجیے! بھلا اَخرس تو انسان ہے، جماد کے لیے بھی کلام مُحالِ شرعی تک نہیں، صرف مُحالِ عادی ہے، کتبِ حدیث دیکھیے! بطور خرقِ عادت ہزار ہزار بار پتھروں جمادوں سے کلام واقع ہوا، اور ہزار ہا بار ہوگا، قریبِ قیامتِ آدمی سے اس کا کوڑا باتیں کرے گا، جب اہلِ اسلام یہود عنود کو قتل کریں گے، اور وہ پتھروں درختوں کی آڑلیں گے، شجر وحجر مسلمان سے کہیں گے: اے مسلمان! آ! یہ میرے پیچھے یہودی ہے، اسی طرح سیّدِ عالم ﷺ سے گونگے کا کلام کرنا احادیث میں وارد ہے، الله عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾[2] "کافر اپنی کھالوں سے بولیں گے: تم نے کیوں ہم پر گواہی دی؟ وہ بولیں گی: ہمیں

---

(۱) "رسالہ یک روزی" ص۱۷۔

(۲) پ۲۴، فصّلت: ۲۱۔

اُس اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی"۔

اگر کلامِ جماد و اخرس ممتنع بالغیر یا محالِ شرعی ہوتا، زنہار وقوع کا نام نہ پاتا؛ کہ ہر ممتنع بالغیر کا وقوع اس غیر یعنی ممتنع بالذات کے وقوع کو مستلزم ہے، تو وقوع نے ظاہر کر دیا کہ صرف خلافِ عادت ہے، جب وقوعِ کلام ثابت ہے، اور ان کے امتناعِ کذب پر ہرگز کوئی دلیل عقلی ہے نہ شرعی، تو یقیناً اس کے لیے بھی جوازِ وقوعی (جو امتناع بالغیر کا منافی ہے) قطعی ہے۔ جب ثبوت [جی دار] بہادر استدلال کرتا ہے، کہ ایسا عدمِ کذب مفیدِ مدح نہیں ہوتا، اور باری عزوجل میں مدح ہے، تو لاجرم یہاں ایسا عدم بھی نہ ہوگا، اتنا تو اس کے کلام کا منطوق صریح ہے۔ آگے خود دیکھ لیجیے کہ اخرس و جماد میں کیسا عدم تھا؟ جس کو باری عزوجل میں نہیں مانتا! زنہار نہ امتناعِ عقلی تھا نہ استحالۂ شرعی، بلکہ صرف استبعادِ عادی تھا، تو بالضرور ملائے بے باک اپنے رب تعالیٰ کے کذب کو مستبعد بھی نہیں جانتا۔

العظمۃ للہ! اگر لازمِ قول قول ٹھہرے، تو اس سے بڑھ کر کفر جلی اور کیا ہے؟! مگر یہ حسنِ احتیاط اللہ عزوجل نے ہم اہلِ سنت ہی کو عطا فرمایا! اہلِ بدعت خصوصاً نجدیہ (کہ یہ شخص جن کا معلّم و امام ہے) کفر و شرک کو ٹکے سیر کیے ہوئے ہیں! بات پیچھے اور کفر و شرک پہلے! اگر ﴿جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ کی ٹھہرے، تو کیا ہم ان کے ایسے صریح کفریات پر بھی فتویٰ کفر نہ دیتے؟! مگر الحمد للہ یہاں ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾[1] پر عمل، اور کلمۂ طیبہ کا ادب پیشِ نظر ہے، کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کہنے والے کو حتّی الامکان کفر سے بچاتے ہیں، والحمد للہ ربّ العالمین!۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۲)

اقول: منافاتِ حکمت کے سبب کذب کو زبانی ممتنع بالغیر کہنا، اس سفیہ کا صریح تناقض ہے، شے ممتنع بالغیر جب ہو سکتی ہے، کہ کسی محال بالذات کی طرف منجر ہو، ورنہ لزومِ ممکن کا ممکن کو ناممکن کرنا ناممکن ہے۔ اور انتفائے حکمت اگرچہ ہم اہلِ سنت کے نزدیک ممتنع بالذات ہے، مگر ان حضرات کے دین میں بالیقین ممکن ہے؛ کہ آخر سلبِ حکمت ایک عیب و نقص ہے، اور وہ تمام عیوب و نقائص کو ممکن مان چکا، پھر کس منہ سے کہتا ہے کہ منافاتِ حکمت باعثِ امتناع بالغیر ہوئی؟! الحمد للہ اہلِ بدعت کے بارے میں اسی طرح سنّتِ باری تعالیٰ ہے، کہ انہیں کے کلام سے انہیں کے کلام پر حجت و الزام قائم ہوتا ہے، ع:

ومنها علی بطلانها لشواهد

سچ کہا ہے: ع   دروغ گورا حافظہ نباشد   ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۲، ۱۵۳)

اقول: سبحان اللہ! ہم یہ ثابت کر رہے ہیں، کہ امام الطائفہ نے امتناع بالغیر محض تقیۃً مانا، حقیقۃً اس کا مذہب جوازِ وقوعی ہے، مگر غور کیجیے تو وہاں کچھ اور ہی گُل کھلا ہے، امام و ماموم، خادم و مخدوم سارا طائفہ ملوم کذبِ الٰہی کو واقع اور موجود

---

[1] پ۲۴، فصلت: ۳۴

گا رہا ہے، صراحۃً کہتے ہیں کہ "کذب مقدور ہے"، اور بلاشبہ مقدوریتِ کذب مقدوریتِ صدق کو مستلزم ہے، کما دلّلنا علیه في الدّلیل السّادس والعشرین. اور امام الطائفہ نے تو صاف بتا دیا، کہ "برعایتِ مصلحت صدق اختیار فرمایا"۔ اب کتبِ عقائد ملاحظہ کیجیے، ہزار در ہزار قاہر تصریحیں ملیں گی، کہ جو کچھ باختیار صادر ہو قدیم نہیں، تو لاجرم صدقِ الٰہی حادث ٹھہرا، اور ہر حادث اَزَل میں معدوم تھا، اور اَزَل کے لیے نہایت نہیں، تو بالیقین لازم کہ اَزَلِ غیر متناہی میں مولیٰ تعالیٰ سچا نہ رہا ہو، اور جب سچا نہ تھا، تو (معاذ اللہ) ضرور جھوٹا تھا؛ للانفصال الحقیقي بینهما. پھر ضلال پشت کا چہرۂ زشت چھپانے کو کیوں کہتے ہو کہ "کذبِ الٰہی ممکن ہے"، کیوں نہیں کہتے کہ خدائے مَوہوم طائفۂ ملوم کروڑوں برس تک جھوٹا رہ چکا ہے، پھر اب بھی اپنی پرانی آن پر آئے تو کیا ہے! تعالی اللہ عمّا یقولون عُلوّاً کبیراً!۔

میں نے بارہا قصد کیا کہ تازیانوں میں دس بیس تیس پر بَس کروں، مگر جب ان حضرت کی شوخیاں بھی مانیں، وہاں تو یہ

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اسی رسالہ "یک روزی" میں عبارتِ مذکورہ سے دو ۲ سطر اوپر جو نظر کروں، تو وہاں تو خوب ہی سانچے میں ڈھلے ہیں، یہاں عروسِ مذہب کے جمالِ مطلب پر پردۂ تقیہ تھا، وہاں حضرت بے نقاب چلے ہیں۔ اعتراض تھا کہ اگر حضور سیّد عالم ﷺ کا مثل یعنی تمام اوصافِ کمالیہ میں حضور کا شریک من حیث هو شریك ممکن ہو، تو خبرِ الٰہی کا کذب لازم آئے گا؛ کہ وہ فرماتا ہے: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[1]۔

اور وصفِ خاتمیت میں شرکت ناممکن ہے، حضرت اس کا ایک جواب یوں دیتے ہیں: "بعد اخبار ممکن ست کہ ایشاں را فراموش گردانیدہ شود، پس قول بامکان وجودِ مثل اصلاً منجر بہ تکذیب نصے از نصوص نگردد، وسلب قرآن مجید بعدِ انزال ممکن ست داخل تحت قدرت الٰہیہ، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا﴾"[2] حاصل یہ کہ اِمکانِ کذب ماننا تکذیبِ قرآن کو اسی صورت میں مستلزِم ہے، کہ آیاتِ قرآن محفوظ بھی رہیں، حالانکہ ممکن کہ اللہ تعالیٰ قرآن ہی کو فنا کر دے، پھر تکذیب کاہے کی لازم آئے؟!۔

أقول: أیها المؤمنون! دیکھو صاف صریح مان لیا کہ "خدا کی بات واقع میں جھوٹی ہو جائے تو ہو جائے، اس میں کچھ حرج نہیں، حرج تو اس میں ہے کہ بندے اسے جھوٹا جانیں"۔ یہ اسی تقدیر پر ہوگا کہ آیات باقی رہیں، جن کے ذریعہ سے ہم جان لیں کہ خدا کی فُلانی بات جھوٹی ہوئی، اور جب قرآن ہی محو ہو گیا، پھر جھوٹی پڑی تو کسی کو جھوٹ کی خبر بھی نہ ہوگی، تکذیب کون کرے گا؟! غرض سارا ڈر اس کا ہے کہ بندوں کے سامنے کہیں جھوٹا نہ پڑے! واقع میں جھوٹا ہو جائے تو کیا پروا! "إنّا لله وإنّا إلیه راجعون"!۔

(۱) پ۲۲، الاحزاب: ۴۰۔
(۲) "رسالہ یکروزی" ص۱۷۔

اے سفیہ ملوم! یہ تیرا خدائے مَوہوم ہوگا جو بندوں کے طعنہ سے ڈر کر جھوٹ سے بچے! اور ان سے چُرا چھپا، بہلا بُھلا کر، خوب پیٹ بھر کر بولے! ہمارا سچا خدا بالذات ہر عیب ومنقصت سے پاک ہے، کہ کذب وغیرہ کسی نقصان کو اس کے سراپردۂ [بارگاہِ شاہی] عزّت تک بار ممکن نہیں! اور جو افعال اس کے ہیں، حاشا! وہ ان میں کسی سے نہیں ڈرتا! ﴿ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴾ (۱) و ﴿ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ﴾ (۲) اس کی شان ہے، اور ﴿ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ (۳) اس کے جلال عظیم کا بیان، ﴿ لَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (۴) ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴾ (۵)۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۴)

رب جلیل کو خلق کا خوف ماننا، حضرت کا قدیمی مسلک ہے، "تقویۃ الإیمان" میں بھی بحثِ شفاعت میں فرما گئے: "آئینِ بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا؛ کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے"(۶)۔ العظَمة لله! سفیہ جہول نے خدا کو بھی دارا، وسکندر، یا ہمایوں، واکبر سمجھا ہے! کہ اپنی مرضی پوری کرنے کو لوگوں کے لحاظ سے حیلے ڈھونڈتا ہے! ﴿ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ (۷)۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۴)

قولہ: "سلب قرآن مجید بعد انزال ممکن ست"(۸)۔ اقول: اے طرفہ معجونِ جملہ بدعات! قرآن مجید اللہ عزّوجلّ کی صفت قدیمہ ازلیہ ابدیہ ممتنع الزوال ہے، نہ اس کا وجود اللہ -عزّوعلا- کے ارادہ واختیار وخلق وایجاد سے ہے، نہ اس کا سلب واعدام اللہ تعالی کی قدرت میں ہے، ورنہ اپنی ذاتِ کریم کو بھی سلب کر سکے، مقتضائے ذات بے انتفائے ذات منتفی نہیں ہو سکتا۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۴)

قوله: کما قال الله تعالى.

اقول: کیا خوب! کہاں ذاہب کہاں مسلوب! مگر آپ کو تحریفِ معنوی مرغوب!!۔

تنبیہ: ہَیہات یہ گمان نہ کرنا کہ سلب سے مراد قلب سے زوال ہے! اوّلاً: جس ضرورت سے اس طرف جائیے، وہ حضرت (امام وہابیہ) کے بالکل خلافِ مذہب ہے؛ کہ یہ شخص صفاتِ باری کو علانیہ مخلوق واختیاری مانتا ہے، جیسا کہ علم الٰہی وصدقِ ربانی کے بارے میں اس کی تصریحیں ہم نے اوپر نقل کیں، اور بے شک وہ چیز جو مخلوق ومقدور ہے، اس کی ذات کا

(۱) پ۱۳، ابراہیم: ۲۷۔
(۲) پ۶، مائدہ: ۱۔
(۳) پ۱۷، انبیاء: ۲۳۔
(۴) پ۲۵، جاثیہ: ۱۰۰۔
(۵) پ۷، انعام: ۱۰۰۔
(۶) "تقویۃ الایمان" الفصل ۳ فی ذکر رد الاشراک فی التصرف، ص۲۲۔
(۷) پ۱۲، ہود: ۴۴۔
(۸) "رسالہ یکروزی" (فارسی)، ص۱۷۔

سلب بھی ممکن ہے، تو برخلاف مسلکِ قائل، تاویلِ قول غلط وباطل!۔

ثانیاً: ہم نے تنزیہِ دُوم میں بدلائل ثابت کر دیا، کہ صدق کو اختیاری ماننے والا، قطعاً قرآن عظیم کو حادث مانتا ہے، اور بے شک ہر حادث قابلِ فنا ہے، پھر اس کے نزدیک فنائے قرآن یقیناً جائز ہے۔

ثالثاً: خاص یہاں بھی حضرت (امام وہابیہ) کا مطلب ان کی جاہلانہ نظر میں جبھی نکلے گا، کہ قرآن مجید فی نفسہٖ معدوم ہو سکے؛ کہ جب خبر ہی نہ رہی تو کاذب کیا ہوگی، ورنہ مجرد سَہو ہو جانا ہرگز مُنافیٔ کذب نہیں ہو سکتا، کما لا یخفی فاعرف!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۵)

اقول: بفرضِ مُحال اگر سلبِ قرآن ممکن بھی ہو، تاہم جنابِ سَفاہت مآب کا جواب عُجاب قطعاً ناصواب ہے، معترض نے لُزومِ کذب سے استحالہ قائم کیا تھا، نہ کہ لُزومِ تکذیب سے، اور بے شک اس تقدیر پر لُزومِ کذب سے اصلاً مفر نہیں؛ کہ خبر جب خلافِ واقع ہو تو اس کا صفحۂ عالَم سے انعدام مانعِ کذب قائل نہ ہوگا۔ مانا کہ خبر معدوم ہو گئی، اس کے بعد اس کا خلاف واقع ہوا، تو غایت یہ کہ ظہورِ کذب کا وقت نہ تھا، کہ کذب اس وقت اسے عارض ہوتا ہے، جس کے لیے وجود معروض درکار تھا، وہ جس وقت موجود تھی، اسی وقت بوجہِ مخالفت واقع کاذب تھی، گو ظہورِ کذب بعد کو ہو، یا کبھی نہ ہو۔

اب انسان ہی میں دیکھیے، اس کا کلام کہ عرض ہے، اور عرض علمائے متکلمین کے نزدیک صالحِ بقا نہیں، فوراً موجود ہوتے ہی معدوم ہو جاتا ہے۔ بالیں ہمہ جب اس کا خلاف واقع ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ فُلاں کی بات جھوٹی تھی، غرض اس نفیس جوابِ ملّائے عُجاب اور ان دو ۲ ہذیانِ تباہ وخراب کی قدر ان کے مثل مجانین ہی جانتے ہوں گے! یا (معاذ اللہ) عفوِ الٰہی بشرطِ صلاحیت کام نہ فرمائے، تو اس کی سچی قدر اس دن کُھلے گی ﴿یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾[1] "جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے"۔

الحمد للہ! یہ حضرت کی چند سطری تحریر پر بالفعل پنتیس ۳۵ کوڑے ہیں، اور پانچ ۵ ہذیانِ اوّل پر گزرے، تو پورے چالیس ۴۰ تازیانے ہوئے!۔ واقعی معلّمِ طائفہ نے بغلامیٔ معلّم الملکوت ہمارے مولی پر کذب وعیوب کا اِفترائے ممقوت کیا، اور شرع میں اِفتراء کی سزا اسّی ۸۰ کوڑے ہے، مگر غلام کے حق میں آدھی حد ہے، ﴿فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾[2]۔ اللہ تعالی سے آرزو کہ قبول فرمائے! اور ان تازیانوں کو متبوع کے حق میں نکال وعقوبت، تابع کے لیے ہدایت وعبرت، اہلِ سنّت کے واسطے قوّت واستقامت بنائے، آمین یا ارحم الراحمین!۔

بے شک ہماری طرف کے علماء -شکر اللہُ مساعیهم الجمیلة- نے حضرت کے ہذیانِ دُوم کی بھی ضرور دھجیاں لی ہوں گی، مگر اس وقت تک فقیر کی نظر سے اس بارے میں کوئی تحریر نہ گزری، جو کچھ حاضر کیا، بحمد اللہ القائے ربانی ہے، کہ عبدِ ضعیف پر فیضِ لطیف سے فائض ہوا! امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ العزیز اس بسطِ جلیل ووجہِ جمیل پر نقدِ جزیل، حصۂ خاص

(۱) پ۳۰، مطففین:۶۔

(۲) پ۴، نساء:۲۵۔

نظیر ذلیل ہے! فللّٰه المنّةُ في كلّ آنٍ وحين، والحمد لله ربّ العالمين! والصّلاةُ والسّلامُ على سيّد المرسَلين محمّد وآله وصحبه أجمعين، آمين!.

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۵۶)

أقول وبحَول الله أصول: أيّها المسلمون! اِمکانِ کذبِ الٰہی کو خلفِ وعید کی فرع جاننا، اور اس میں اختلافِ ائمہ کی وجہ سے اِمکانِ کذب کو مختلَف فیہ ماننا، ایک تو اِفتراء، دوسرے کتنا بے مزہ! بے شک مسئلۂ خلفِ وعید میں بعض علماء جانبِ جواز گئے، اور محققین نے منع وانکار فرمایا، مگر حاشا! نہ اس سے اِمکانِ کذب ثابت ہے، نہ یہ علمائے مجوّزین کا مسلک ہے، بلکہ وہ اس سے بہزار زبان تبرّی وتحاشی کرتے ہیں، پھر ان کی طرف اِمکانِ کذب کی نسبت سخت کذب وستم جسارت ہے، جس کے بہتان واضح البطلان ہونے پر حُجج قاہرہ قائم ہیں۔

حجتِ اُولیٰ: یہی نصوصِ قاطعہ کہ تنزیہِ اوّل میں گزرے، جن سے واضح کہ کذبِ باری مُحال ہونے پر اِجماعِ قطعی منعقد ہے، تمام کتبِ کلامیہ میں جہاں اس مسئلے کا ذکر آیا ہے، صاف تصریح فرما دی کہ اس پر اِجماع واتفاقِ علماء ہے، یا بے حکایتِ خلاف اس پر جزم فرمایا ہے۔

حجتِ ثانیہ ۲: اقول: طرفہ یہ کہ جو علماء مسئلۂ خلفِ وعید میں خلاف بتاتے ہیں، وہی استحالۂ کذب پر اِجماع نقل فرماتے ہیں، کذبِ الٰہی باجماعِ علماء مُحال ہے، کہ وہ باتفاقِ عقلاء عیب ہے، اور عیب اُس پاک بے عیب پر قطعاً مُحال ہے۔

مگر علماء کو خبر نہ تھی کہ اِمکانِ کذب جوازِ خلفِ وعید پر متفرّع ہے، تو ہم اسے مختلَف فیہ لکھ کر کیونکر اِجماعی بتائے دیتے ہیں؟ اب چودھویں صدی میں آ کر اِن حضرات (وہابیہ) کو اس تفریع کی خبر ہوئی!!۔

حجتِ ثالثہ ۳: اقول: طُرفہ تر یہ کہ جو علماء خلفِ وعید کا جواز مانتے ہیں، خود وہی کذبِ الٰہی کو مُحال واِجماعی مُحال جانتے ہیں۔

جس "مَواقف" میں ہے: "خلفِ وعید نقص نہیں گنا جاتا" اسی "مَواقف" میں ہے: "کذبِ باری بالاتفاق مُحال ہے"۔

بعض علماء اس طرف گئے کہ وعید میں خلف اللہ تعالی پر جائز ہے، نہ کہ وعدہ میں، اور یہی مضمون حدیث میں آیا۔ پھر بعدِ ذکرِ حدیث اسے عُرف وکلامِ عرب سے مؤیّد کیا، اللہ تعالی کا کذب مُحال ہے، قدرتِ الٰہی میں داخل نہیں، مگر یہ علماء خود اپنا لکھا نہ سمجھتے تھے، کہ ہم متلازِم چیزوں میں ایک کا جواز، دوسرے کا استحالہ کیونکر مانے لیتے ہیں؟! اور اپنے کلام سے آپ ہی تناقض کرتے ہیں؟! اب صدہا سال کے بعد ان حضرات (وہابیہ) کو کشف ہوا، کہ مذہب کے معنی وہ تھے جو خود اہلِ مذہب کی فہم میں نہ تھے!!۔

حجتِ رابعہ ۴: اقول: افسوس! ان ذی ہوشوں نے اتنا بھی نہ دیکھا، کہ علماء مسلکِ جواز کا محصل ومبنیٰ کیا ٹھہراتے ہیں! اور اس تفریعِ شنیع یعنی اِمکانِ کذب کو کیونکر طرح طرح سے دفع فرماتے ہیں! میں یہاں ان سے بعض وُجوہ نقل کرتا ہوں:

اِمکانِ کذب کو دفع کرنے کی بعض وُجوہ

وجہ۱: وعید سے مقصود انشائے تخویف وتہدید ہے نہ کہ اِخبار، تو سرے سے احتمالِ کذب کا محل ہی نہ رہا۔ "مسلَّم الثبوت" اور اس کی شرح "فواتح الرحموت" میں ہے: "یعنی وعید میں خلف جائز ہے؛ کہ سلیم عقلیں اسے خوبی گنتی ہیں نہ کہ

عیب، اور وعدہ میں جائز نہیں؛ کہ اس میں خلف عیب ہے، اور عیب اللہ تعالی پر مُحال ہے، اس پر اعتراض ہوا کہ اللہ تعالی کی وعید بھی ایک خبر ہے، تو یقیناً سچی ہے؛ کہ باری -جل وعلا- کا کذب مُحال ہے، اور عذر کیا گیا کہ ہم اسے خبر نہیں مانتے، بلکہ انشائے تخویف ہے، تو اَب خلف میں حرج نہیں"۔

دیکھو! خُلفِ وعید جائز ماننے والوں نے اِستحالۂ کذبِ الٰہی کا صراحۃً اِقرار کیا، اور اس کے اِمکان سے بہزار زبان اجتناب وانکار کیا، اور اپنے مذہب کی وہ توجیہ فرمائی جس نے اس احتمالِ باطل کی گنجائش ہی نہ رکھی، پھر (معاذ اللہ) اِمکانِ کذب ماننے کو ان کے سر باندھنا کیسی وَقاحت وشوخ چشمی ہے!!۔

وجہ ۲: فرماتے ہیں: آیاتِ وعید آیات عفو سے مخصوص ومقیّد ہیں، یعنی آیتیں عفو ووعید دونوں میں وارد ہیں، توان کے ملانے سے آیاتِ وعید کے یہ معنی ٹھہرے کہ "جنہیں مُعاف نہ فرمائے گا وہ سزا پائیں گے"، جب یہ معنی خود قرآنِ عظیم ہی نے ارشاد فرمائے، تو جوازِ خُلف کو (معاذ اللہ) اِمکانِ کذب سے کیا علاقہ رہا؟ اِمکانِ کذب تو جب نکلتا کہ جزماً حتماً وعید فرمائی جاتی، اور جب خود متکلم ﷻ نے اسے مقیّد بعدمِ عفو فرما دیا ہے، تو چاہے وعید واقع ہو یا نہ ہو، ہر طرح اس کا کلام یقیناً صادق ہے، جس میں احتمالِ کذب کو اصلاً دخل نہیں۔

وجہ ۳: اگر بالفرض کوئی نص مفیدِ تخصیص وتقییدِ وعید نہ بھی آتا، تاہم کریم کی شان یہی ہے کہ غیر متمرّد غلاموں کے حق میں وعید بنظرِ تہدید فرمائے، اور اس سے یہی مراد لے کہ "اگر ہم مُعاف نہ فرمائیں تو یہ سزا ہے"۔ خلاصہ یہ کہ قرینۂ کرم تخصیص وتقییدِ وعید کے لیے بس ہے، اگرچہ مخصّص قولی نہ ہو۔

حجتِ خامسہ۵: اقول: مجوّزینِ خُلفِ وعید اپنے مذہب پر بڑی دلیل یہ پیش کرتے ہیں، کہ باری -عزّ اسمہ- نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ﴾[1] "بے شک اللہ تعالی کفر کو مُعاف نہیں فرماتا، اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں، جسے چاہے گا بخش دے گا"۔

حجتِ سادسہ۶: اقول: امام فخر الدّین رازی "تفسیر کبیر" میں فرماتے ہیں: "یعنی امام ابو عَمرو بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ نے عَمرو بن عبید پیشوائے معتزلہ سے فرمایا، کہ اہلِ کبائر کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ کہا کہ میں کہتا ہوں: اللہ تعالی اپنی وعید ضرور پوری کرے گا، جیسا کہ اپنا وعدہ بے شک پورا فرمائے گا۔ امام نے فرمایا: تُو عجمی ہے، میں نہیں کہتا کہ زبان کا عجمی، بلکہ دل کا عجمی ہے۔ عرب وعدہ سے رجوع کو نالائق جانتے ہیں، اور وعید سے درگزر کو کرم۔ معتزلہ حکایت کرتے ہیں کہ اس پر عَمرو نے جواب دیا کہ کیا خدا کو اپنی ذات کا جھٹلانے والا ٹھہرائے گا؟ امام نے فرمایا: نہ۔ عَمرو نے کہا: تو آپ کی حجت ساقط ہوئی! اِس پر امام بند ہو گئے۔ اب امام رازی فرماتے ہیں: میرے نزدیک امام یہ جواب دے سکتے تھے، کہ اعتراض تو جب لازم آئے کہ وعید یقینی بلا شرط ہو، اور میرے مذہب میں تو سب وعیدیں عدمِ عفو سے مشروط ہیں، تو خُلفِ وعید سے (معاذ اللہ) کلام

(۱) پ۵، النساء: ۱۱۶۔

...فی میں کذب کہاں سے لازم آیا؟!"۔

حجت سابعہ ۷: اقول: آپ کی یہی "ردّ المحتار" جس سے آدھا فقرہ نقل کر کے ائمۂ دین پر پوری تہمت کر دی، اس مبحث میں "حلیہ" امام علّامہ ابن امیر الحاج ناقل ہے، شروع عبارت یوں ہے: "یعنی حاشا اللہ! خلفِ وعید جائز ہونے کے یہ معنی ہوں کہ اللہ تعالی نے جس کے عذاب کی خبر دینی چاہی اس کا عذاب واقع نہ ہو، یہ اللہ تعالی پر قطعاً مُحال ہے، جس طرح یہ ممکن نہیں کہ اس نے جس کی نعیم کی خبر دینی چاہی اس کے لیے نعیم واقع نہ ہو، اور کیونکر اس کی خبر کا کذب مُحال نہ ہوگا؟ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے: "اللہ سے زیادہ کس کا قول سچا ہے؟"، "اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے؟"، تیرے رب کی باتیں سچ اور عدل میں کامل ہیں"، "کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں"۔ کیوں ایمان سے کہنا! یہ وہی علماء ہیں جن پر تم اِمکانِ کذب کے کا بہتان کرتے ہو؟ اللہ حیاء دے!۔

حجتِ ثامنہ ۸: بقطع عرق ضلالت ضامنہ

أقول وبالله التوفيق، وبه الوصولُ إلى ذُرى التحقيق: علمائے مجوّزین کے طُرقِ استدلال ومناظرہ وجدال سے بد مدل ہیں، کہ ان کے نزدیک خُلفِ وعید، وعفو ومغفرت میں نسبتِ تساوی، اور دونوں جانب سے توافُق کلّی ہے، ثبوت یہ: قریب گزرا کہ انہوں نے اپنے دعوے پر آیۂ کریمہ ﴿وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾[1] سے استدلال کیا، اور "حلبہ" پھر "ردّ المحتار" میں جس سے آپ ہمیشہ کے لیے اپنے پیچھے ایک آفت لگانے کو، ذرا سا ٹکڑا نقل کر لائے۔

اس دلیل کو انص واظہر دلائل مجوّزین کہا، اور پُر ظاہر کہ آیت صرف جوازِ مغفرت ارشاد فرماتی ہے، اسی کو انہوں نے جوازِ خُلف پر دلیل ٹھہرایا، توان کا استدلال برہانِ قاطع ہے، کہ وہ مغفرت کو خُلف سے عام نہیں مانتے، کہ جوازِ اعم ہرگز جوازِ اخص کا مُثبت نہیں ہوسکتا، اور عنقریب آتا ہے کہ معتزلہ نے امتناعِ عفو پر آیاتِ وعید سے تمسک کیا۔ اس پر ان علماء نے جواب دیا کہ خُلف جائز ہے۔ تولاجَرَم جوازِ خُلف کو امتناعِ عفو کا رَد مانا۔ اور زنہار جوازِ اعم امتناعِ اخص کا نافی نہیں ہوسکتا، توان کا یہ جواب دلیلِ ساطع ہے، کہ وہ خُلف کو مغفرت سے عام نہیں مانتے۔

رہا تبایُن، وہ بالبداہۃ اور خود اسی رَد واِثبات سے بیّنُ البطلان ہے، پس تساوی متعیّن اور مراد متبیّن ہے، یعنی ظاہر ہوگیا کہ وہ صرف عدمِ وقوعِ وعید بوجہِ عفو کو خُلف سے تعبیر فرماتے اور جائز ٹھہراتے ہیں، کہ یہی مغفرت سے مساوی ہے، نہ کہ (معاذ اللہ) تبدیلِ قول وتکذیبِ خبر، کہ عفو سے عموم وخصوص دونوں رکھتی ہے، مثلاً ور گزر بَربنائے تخصیصِ نصوص وتقییدِ وعید واقع ہوئی، تو عفو موجود اور تبدیل مفقود۔ کسی جُرم پر ایک سزائے شدیدکی وعیدِ حتمی اور اِیقاع کے وقت اس میں کمی کی، تو عفو[2] مفقود اور تبدیل موجود۔ اور اگر عفوِ تخفیف کو شامل کیجیے، توعام مطلقاً سہی، بہرحال خُلف کہ اس کا مساوی ہے، کذب سے قطعاً عام مطلقاً یامن وجہ ہے۔ اب تواپنی جہالتِ فاحشہ پر متنبہ ہوئے! کہ جوازِ اعم اِمکانِ اخص کا مستلزِم مان رہے ہو! فالحمد

[1] پ۵، نساء: ۱۱۶۔

[2] المغفرة وقاية شرّ الذّنوب بالكلّيّة اهـ "حلبة". منه [أي: من الإمام أحمد رضا] رحمه الله.

لله على إتمام الحجة وإيضاح المحجة!.

حجت تاسعہ ۹ قاهرة قالعة قاتلة قارعة بازغة التبيين، دامغة الكذابين

أقول وبالله التوفيق: أيها المسلمون إذا قلب حاضر در کار! اس مدعیٔ جدید غیر مہتدی ورشید نے کذب باری تعالیٰ کا صرف اِمکانِ عقلی ہی ائمۂ دین کی طرف نسبت نہ کیا، بلکہ (معاذ اللہ) انہیں کفرِ صریح کا قائل قرار دیا۔ پھر الحمدللہ ان کا دامن سنت ماسن توکفر وضلالت کے ناپاک دھبّوں سے پاک ومنزّہ ہے، مگر حضرت (امام وہابیہ) خود ہی اپنے ایمان کی خیر منائیں، یوں نہ مانیں تو مفصّل جانیں! اصل مراد یہ ہے کہ خُلف بایں معنی کہ متکلم ایک بات کہہ کر پلٹ جائے، اور جو خبر دی تھی، اس کے خلاف عمل میں لائے، بلاشبہ اقسامِ کذب سے ہے؛ کہ کذب نہیں مگر خلافِ واقع خبر دینا، تو اس معنی پر خلف کو ممکن یا سائغ، یا واقع، یا واجب جو کچھ مانیے، بعینہٖ وہی حکم کذب کے لیے ثابت ہوگا، کہ یہ جانبِ وجود ہے، اور جانبِ وجود میں قسم مقسَم کو مستلزِم ہے، اور عقل اَحکامِ قسم سے مقسَم پر حاکم ہے، کہ اِس کا وجود بے اُس کے مُحال وناممکن ہے، تو لاجَرم اِس کا اِمکان اُس کے جواز، اور اِس کا وجود اُس کے وقوع، اور اِس کا وجوب اُس کی ضرورت کو لازم ہے۔

حضرت مدعی جدید نے اپنی جہالت وضلالت سے کلامِ علماء میں خلف کے یہی معنی سمجھے کہ "باری تعالیٰ (عیاذاً باللہ) بات کہہ کر پلٹ جائے، خبر دے کر غلط کر دے"، لہٰذا جوازِ خلف پر اِمکانِ کذب کو متفرّع کیا، حالانکہ حاشاللہ! عالَم میں کوئی عالِم اس کا قائل نہیں، بلکہ وہ صراحۃً اس معنیٔ مردود مخترع عنود کا ردِ بلیغ فرماتے، اور جوازِ خلف کو تخصیصِ نصوص وتقییدِ وعید وغیرہما ایسے اُمور پر بنا کرتے ہیں، جن کے بعد نہ (معاذ اللہ) کہہ کر پلٹنا ہو، نہ بات کا بدلنا ہو، اس امر پر دلائلِ قاہرہ وتصریحاتِ باہرہ سن ہی چکے! مگر ان حضرت (امام وہابیہ) کو یہ مسلّم نہیں، خواہی نہ خواہی خلف اسی معنی پر ڈھالتے ہیں جو ایک قسم کذب ہے؛ تاکہ اس کے جواز سے اِمکانِ کذب کی راہ نکالیں۔

بہت اچھا! اگر یہی معنی مراد ہوں تو اَب نظر کیجیے کہ جوازِ خلف کے کیا معنی ہیں؟ اور وہ اپنے کس معنی پر ائمہ میں مختلَف فیہ ہے؟ حاشا! جواز صرف بمعنی اِمکانِ عقلی محلِ خلاف نہیں، بلکہ قطعاً جوازِ شرعی واِمکانِ وُقوعی میں نزاع ہے، جس کے بعد امتناع بالغیر بھی نہیں رہتا۔

جوازِ خُلفِ وعید کا قول جوازِ شرعی اور اِمکانِ وُقوعی میں ہے، اس مضمون پر چار سہو لیلیں

دلائل سنیے! **اوّلاً**: اَہلِ سنت بالاِجماع اور معتزلہ کا ایک فرقہ مغفرتِ عاصیان، کبائر کردگان وبے توبہ مردگان کے اِمکانِ عقلی پر متفق ہیں، یعنی کچھ عقل مُحال نہیں جانتی، کہ اللہ تعالیٰ ان سے مؤاخذہ نہ فرمائے، مگر اِمکانِ شرعی میں اختلاف پڑا: اَہلِ سنت بالاِجماع شرعاً بھی جائز بلکہ واقع مانتے ہیں، اور یہ فرقہ وعیدیہ سمعاً ناجائز اور عذاب واجب مانتے ہیں۔ انہوں نے آیاتِ وعید سے استناد کیا، اس کے جواب میں جوازِ خُلف کا مسئلہ پیش ہوا۔ یعنی اے معتزلہ! تمھارا استدلال تو جب تمام ہو، کہ ہم وقوعِ وعید شرعاً واجب مانیں، وہ خود ہمارے نزدیک جائز الخلف ہے، تو عفو پھر جائز کا جائز ہی رہا، اور شرعاً وجوبِ عذاب کہ تمھارا دعویٰ تھا، ثابت نہ ہوا!۔

محققین جوازِ خُلف نہیں مانتے

ثانیاً: محققین کہ جوازِ خُلف نہیں مانتے، آیہ کریمہ ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾[1] سے استدلال کرتے ہیں، کما في "شرح عقائد النّسفي" و"شرح الفقه الأكبر" وغيرهما. اور بر ظاہر کہ آیت میں نفیٔ وقوع صرف استحالۂ شرعی پر دلیل ہوگی، نہ کہ امتناعِ عقلی پر۔ تو لازم ہوا کہ وہ علماء جوازِ شرعی مانتے ہوں، ورنہ محققین کی دلیل محلِ نزاع سے محض اجنبی، اور امرِ نزاع کی نا فہمی پر مبتنی ہوگی، وہ نہ کہہ دیں گے کہ اس سے صرف استحالۂ شرعی ثابت ہوا، وہ اِمکانِ عقلی کے کب خلاف ہے، جس کے ہم قائل ہیں؟!۔

قائلانِ جواز کے نزدیک خُلفِ وعید صرف بحقِ مسلمین جائز ہے، نہ کہ بحقِ کفار

رابعاً: قائلانِ جواز کے نزدیک تحقیق یہ ہے، کہ خلفِ وعید صرف بحقِ مسلمین جائز ہے، نہ کہ بحقِ کفار۔

حجت عاشرہ ۱۰ ظاہرہ باہرہ زاہرہ قاہرہ أمَرّ وأدهى من قرينتها الأولى

أقول وبالله التوفيق: ہنوز بس نہیں، اگرچہ علماء مسئلۂ خلف میں بلفظِ جواز تعبیر کر رہے ہیں، مگر عقلِ صافی ونظرِ وافی نصیب ہو تو کھل جائے، کہ وہ جس معنی پر خلف جائز کہتے ہیں، اس معنی پر نہ صرف جائز، بلکہ بالیقین واقع مانتے ہیں، تو تمہارے زعم خبیث پر قطعاً لازم کہ ائمۂ دین کذبِ الٰہی کو یقیناً واقع وموجود بالفعل جانتے ہیں، اس سے بڑھ کر کفر جلی اور کیا ہوگا؟! دلائل لیجیے:

علماء خُلفِ وعید کو جائز بلکہ واقع مانتے ہیں، اگر یہ کذب ہو تو لازم آئے گا کہ کذبِ الٰہی واقع ہے، اس پر چار ۴ دلیلیں

اوّلاً: ہم ثابت کر آئے کہ خلف وعفو اُن کے نزدیک متساوی ہیں، اور ایک مُساوی کا وقوع، وقوعِ مُساویٔ دیگر کو قطعاً مستلزم ہے، خواہ تساوی فی التحقّق ہو، یا فی الصدق؛ کہ اوّل کا تو عینِ منطوق تلازُم فی الوجود ہے، اور ثانی اس سے بھی زیادہ اَدخل فی المقصود ہے؛ فإنّ الانفكاك في الوجود انفكاكٌ في الصّدق مع شيء زائد، لیکن عفو بالیقین واقع ہے۔ ابھی "شرح مقاصد" سے گزرا: "جوّزه الأصحابُ بل أثبتُوه"[2] تو ثابت ہوا کہ وہ علماء جسے خُلفِ وعید کہتے ہیں یقیناً واقع ہے۔ اب تم خُلف کو اُس معنیٔ ناپاک پر حمل کرتے ہو تو (معاذ اللہ) کذبِ الٰہی کے بالیقین واقع وموجود ہونے میں کیا کلام رہا؟ صدق الله تعالى: ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾[3] "بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں" والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

ثانیاً: تعیینِ تساوی سے قطع نظر بھی کیجیے، تاہم آیۂ کریمہ: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ﴾[4] سے ان کا استدلال دلیلِ

---

[1] پ۲۶، ق: ۲۹۔

[2] "شرح المقاصد" المبحث في عشر، ۲/ ۲۳۵.

[3] پ۱۷، الحج: ۴۶۔

[4] پ۵، نساء: ۱۱۶۔

تمہارے طور پر وقوعِ خلف وقوعِ کذب) کو مستلزم ہو کر، کذبِ الٰہی یقینی الوقوع ٹھہرے گا، اور کیا گمراہوں کے سر پر سینگ قاطع ہے، کہ خُلف عفو سے خاص یا مباین نہیں، لاجرم مُساوی نہ سہی تو عام ہوگا۔ بہر حال وقوعِ مغفرت وقوعِ خلف (اور ہوتے ہیں!!۔

"مختصر العقائد" کی تصریح کہ اللہ تعالیٰ وعید ترک فرمائے گا

ثالثاً: "مختصر العقائد" کی عبارت گزرے کچھ دیر نہ ہوئی، جس میں خُلفِ وعد کو مُحال لکھ کر، وعیدِ مسلمین کے بارے میں دیکھ لیجیے کیا لفظ لکھا، یجوز أن یترکَ الوعیدَ نہ کہا، بلکہ صاف صاف: "یترك الوعیدَ" مرقوم کیا۔ پھر ثبوت مدعا میں کیا کلام رہا؟!۔

رابعاً: ان دلائل قاطعہ عقلیہ کے بعد تمہاری سمجھ کے لائق قاطعِ نزاع ودافعِ شغب یہ ہے، کہ امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی رحمہ اللہ نے اسی "حلبہ" میں، جو اسی "ردّ المحتار" کی جس سے آپ ناقل (اس مقام میں) ماخذ ہے، صاف بتا دیا کہ "خلف وعید صرف عفو سے عبارت ہے"۔ اب آپ ہی بولیے کہ آپ کے مذہب میں عفو بالیقین واقع ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہی خلف ہے، اور تم خلف کو اصل کذب سمجھے! تو اپنے خدا کو یقیناً کاذِب کہہ چکے یا نہیں؟!۔

دیکھو! صراحۃً مدح بالعفو کو مدح بخلفِ وعید قرار دیا، اسی طرح ختمِ بحث میں قول ابن نباتہ مصری: "الحمد لله الذي إذا وعد وفا، وإذا أوعد عفا"(۱) کو اسی باب سے ٹھہرایا۔ اب بھی وضوحِ حق میں کچھ باقی رہا؟ یہ دوسرا مقام یاد رکھنے کا ہے: کہ تم نے صراحۃً وقوع ووجودِ کذبِ الٰہی کو ائمۂ اہلِ سنّت کا مذہب جانا، اور ایسے کفرِ شنیع وارتدادِ فظیع کو اہلِ حق کا ایک اختلافی مسئلہ مانا، كذلك يطبع الله على كلّ قلب متكبر جبّار، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله الواحد القهّار!.

خُلفِ وعید کے معنی عدمِ ایقاعِ وعید ہے، اور خُلفِ وعید میں محلِ نزاع کی تحقیق

بالجملہ بحمد اللہ بحجج قاہرہ وبیّنات باہرہ، شمس وامس سے زیادہ روشن و ابین ہوگیا، کہ علماء جس معنی پر خلف جائز مانتے ہیں، حاشا للہ! اسے امکانِ کذب سے اصلاً علاقہ نہیں، ان کے نزدیک خلف بمعنی عدمِ ایقاعِ وعید بوجہِ تجاوُز وکرم ہے، کہ یمِنا عفو یا عفو کا مُساوی وملازِم ہے، اور یہ معنی نہ صرف جائز بلکہ باجماعِ اہلِ سنّت بلاشبہ واقع ہے۔

رہا خلف بمعنی تبدیلِ قول وتکذیبِ خبر، جس کے جواز پر امکانِ کذب متفرّع ہو سکے، ہر گز اُن علماء کی مراد، نہ عالَم میں کوئی عالم اس کا قائل، بلکہ وہ بالاتفاق یک زبان ویک دل اس سے تبرّی وتحاشی کامل کرتے ہیں، اور کذبِ الٰہی کے اِستحالۂ قطعی وامتناعِ عقلی پر اجماعِ تام رکھتے ہیں۔ اوّل سے آخر تک ان کے تمام کلمات ومحاورات ووجوہِ مناظرہ وطُرقِ ردّ واثبات ہزار در ہزار طور سے اس امر پر شاہدِ عدل وناطقِ فصل وقد ظهر على كلّ ذي عقل!.

اور امام ابن امیر الحاج نے تو بحمد اللہ یہ امر باتم وجوہ منجلی کر دیا، کہ خود جواز خلف کو راجح مان کر اس معنیٔ ناپاک تراشیدہ

(۱) "حلبة المجلّي شرح منية المصلّي" صفة الصلاة، ۲/۱۹۸، ملتقطاً بتصرّف.

نڈی بےباک کی وہ بیخ کنی فرمائی، جس کی غرب سے شرق تک خبر آئی۔ یونہی امام فخر الدّین رازی نے "تفسیر کبیر" میں باآنکہ کلام امام ابو عَمرو ابن العلاء قائلِ جوازِ خلف کی وہ کچھ تائید کی جو اوپر گزر چکی۔ جب معنی تبدیل کی نَوبت آئی، جس پر ان حضرت (امام وہابیہ) نے تفریع کی ٹھہرائی، اُس پر وہ شدید وعظیم نکیر فرمائی کہ کج فہمیٔ جاہل پر قیامت ڈھائی۔

یعنی جب خبر میں خلف اللہ تعالی پر جائز رکھا جائے، تو بے شک کذب الٰہی کو جائز ماننا ہوگا، اور یہ سخت خطا ہے، بلکہ قریب ہے کہ کفر ہو جائے؛ اس لیے کہ تمام عقلاء (یعنی نہ صرف اہلِ اسلام، بلکہ سمجھ وال کافر بھی) اتفاق کیے ہوئے ہیں، کہ باری تعالی کذب سے منزّہ ہے۔ اور معلوم ہے کہ اس دروازے کا کھولنا قرآن مجید اور تمام شریعت میں طعن تک لے جائے گا۔ بس خدا کی شان ہی شان نظر آتی ہے کہ واضح روشن، ایمانی اِجماعی مسائل ہیں، مدعیان علم ودیانت ورُشد ومشیخت اِغوائے عوام وتلبیس حَرام کو، یوں دیدہ ودانستہ کورِ مفتری بن جاتے ہیں، اور خوفِ خالق وشرمِ خلائق سب کو یک دست سلام کر کے ائمۂ دین پر یوں کھلے بہتان جیتے طوفان اُٹھاتے ہیں، ع:

چشم بازو گوش باز وایں ذکا — خیرہ ام در چشم بندیٔ خدا

فإن كنتَ لا تدري فتلك مصيبةٌ — وإن كنتَ تدري فالمصيبةُ أعظم

بس زیادہ کیا کہوں سوا اس کے، کہ اللہ ہدایت دے، آمین!۔

تنبیہ نبیہ: الحمد للہ تحقیق ذروۂ عُلیا کو پہنچی، اور عیّاروں طرّاروں کی اِفتراء بندی اپنی سزا کو۔ اب صرف یہ امر قابلِ تنقیح رہا، کہ جب خُلف بمعنی تبدیل کے استحالہ پر اِجماعِ قطعی قائم، اور بمعنی مُساوی عفو بالاِجماع جائز بلکہ واقع ہے، تو علمائے مجوّزین ومحققین مانعین میں نزاع کس امر پر ہے؟۔

أقول وبالله التّوفيق، وبه العروج على أوج التّحقيق: على الخبير سقطت [باخبر پر گزشتہ اِشکال ساقط ہوگیا] ہاں منشائے نزاع اس اِطلاق خلف کی تجویز ہے، مجوّزین نے خیال کیا کہ خلفِ وعید (معاذ اللہ) کسی عیب ومنقصت کا نشان نہیں دیتا، بلکہ عفو وکرم پر دلیل ہوتا، اور محلِ مدح وستائش میں بولا جاتا ہے، ولہذا جابجا عُرفِ عرب سے اس پر استناد کرتے ہیں: قال قائلهم:

وإنّي وإن أوعدتُه أو وعدتُه — لمخلفُ إيعادي ومنجِزُ مَوعِدي

وقال آخر:

إذا وعد السّراءُ أنجزَ وعدَه — إذا وعدَ السّراءُ أنجزَ وعدَه

بنابراں خلفِ وعید کی تجویز کی۔ محققین نے دیکھا کہ لفظ معنیٔ مُحال یعنی تبدیلِ مقال کا مُوہم ہے، اور یہاں ایہامِ مُحال بھی منع میں کافی، كما نصّوا عليه في مسألة معقدِ العزّ. اور اس کے ساتھ وقوعِ تمدّح صرف مخلوق میں ہے، خالق عزّ وجلّ کا اُن پر قیاس صحیح نہیں، لاجَرم اس تجویز سے تحاشی کی۔

خلاصہ یہ کہ آیاتِ وعید میں بنظرِ ظاہر عموم، عدمِ وقوع ایک صورت خلف میں ہے، اگرچہ بنظرِ تخصیص وتقیید حقیقت خلف سے قطعاً منزّہ ہے، مجوّزین اسی خلفِ صُوری کو خلفِ وعید سے تعبیر کرتے اور اسے جائز رکھتے ہیں؛ کہ مفیدِ مدح ہے، اور محققین منع فرماتے ہیں؛ کہ مُوہِم نقص وقدح ہے۔ ورنہ اگر خیالِ معنی کیجیے تو بلا شُبہ وہ جس امر کو خلف کہتے ہیں، قطعاً بالاجماع جائز وواقع ہے، ولہٰذا علامہ شہاب الدّین خَفاجی مصری نے "نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض" میں مسئلۂ خلف کو اہلِ سنّت کا اتفاقی قرار دیا، اور اس میں خلاف صرف معتزلہ کی طرف نسبت کیا، حیث قال: "الوعيد لا يجوز تخلّفه عند المعتزلة لقولهم: بأنّه يجب على الله تعالى تعذيبُ العاصي"[1].

پُر ظاہر کہ اس نسبت کا منشأ وہی نظرِ معنی ہے، کہ معنئ مقصود مجوّزین کے جواز میں واقعی اَشقیائے معتزلہ ہی کو خلاف ہے، اہلِ سنّت میں کوئی اس کا منکر نہیں۔ جس طرح معنئ کذب وتبدیل کے بُطلان وامتناع پر اہلِ سنّت، بلکہ اہلِ مِلل، بلکہ اہلِ عقل کا اِجماع ہے، جس میں کسی فرقہ کا خلاف معلوم ظاہر نہیں۔ یہ ہے بحمد اللہ محلِ نزاع کی تحریرِ اَنیق وتقریرِ رشیق، والحمد لله وليّ التّوفيق، على الهام التّحقيق وإرشاد الطّريق!.

امام محقق مدقق علّامہ حلبی نے اسی "حلبہ" میں جوازِ خُلف مان کر معنئ کذب وتبدیل سے وہ تحاشئ عظیم فرمائی، جس کی نقل حجتِ سابعہ میں گزری، پھر تصریحِ مراد کی یوں ارشاد کی: "المراد بالوعيد صورةُ العموم بالوعيد مَن أريدَ بالخطاب"[2] "مسئلۂ جوازِ خلف میں وعید سے صورتِ عموم مراد ہے، کہ بظاہر حکم سب مخاطبوں کو شامل نظر آتا ہے"۔ یعنی تنہا الفاظِ وعید پر نظر کیجیے تو صاف یہی حکم معلوم ہوتا ہے کہ "جو ایسا کریں گے سب سزا پائیں گے"، پھر جبکہ بدلائلِ قاطعہ ثابت ہوا کہ بعض کو نہ ہوگی، تو بظاہر وعید متخلّف ہوئی، حالانکہ وہ عموم صرف صُوری تھا نہ کہ حقیقی، کہ حقیقت میں عموماتِ وعید آیاتِ مشیئت سے مکتسبِ تقییدہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ "ہم مُعاف نہ فرمائیں تو سزا ہوگی"۔ بس اس قدر محصلِ خُلف ہے جسے (معاذ اللہ) کذب وتبدیل سے کچھ علاقہ نہیں۔ پھر اس مراد ومقصود کی تحقیق فرما کر ارشاد کرتے ہیں: "ثمّ حيث كان المرادُ هذا، فالوجهُ تركُ إطلاق جواز الخُلف في الوعد والوعيد؛ دفعًا لإيهام أن يكونَ المرادُ منه هذا المحال"[3] "یعنی جب معلوم ہوگیا کہ جوازِ خُلف سے صرف اس قدر مراد ہے، نہ وہ کہ (معاذ اللہ) اِمکانِ کذب کو راہ دے، کہ کذب وتبدیل تو یقیناً اللہ تعالی پر مستحیل ہے، تو مناسب یہی ہے کہ وعدہ یا وعید کسی میں جوازِ خُلف کا لفظ نہ بولیں؛ کہ اس سے کسی کو اس معنئ مُحال کا وَہم نہ گزرے!"۔

امام محقق مدقق علامہ حلبی کا گمان درست تھا

واقعی امام ممدوح کا گمان بجا تھا، آخر دیکھیے نا، کہ اس چودھویں صدی میں جہالِ سفہاء کو وہ وَہم آڑے ہی آیا!

(۱) "نسیم الریاض" فصل في بيان ما هو من المقالات كفر ...إلخ، ٤/ ٥٣١.

(۲) "حلبة المجلّي شرح منية المصلّي" صفة الصّلاة، ٢/ ١٩٨.

(۳) "حلبة المجلّي شرح منية المصلّي" صفة الصّلاة، ٢/ ١٩٨.

والعیاذ باللہ ﷺ) پھر فرماتے ہیں: "وإنّما وافقناهم على الإطلاق، لشهرة المسألة بينهم بهذه الترجمة، ونستغفر اللهَ العظيم من كلّ ما ليس فيه رضاه"[1] "ہم نے جو اس لفظ کے اِطلاق میں علمائے سابقین کا ساتھ دیا، اس کا باعث یہ تھا کہ مسئلہ ان میں اسی نام سے شہرت رکھتا ہے، اور ہم اللہ عزّوجلّ سے مغفرت چاہتے ہیں، ہر اس بات کی جو اس کو پسندیدہ نہیں!"۔ سفیہ جاہل دیکھے کہ اس کے اِمکانِ کذب کے شوشے کدھر گئے! ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾[2] "فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا! بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا!"۔

فقیر - غفر اللہ تعالیٰ لہ - نے بتوفیق المولیٰ ﷺ اس مقام کی زیادہ تحقیق حواشی "شرح عقائد" و"شرح مقاصد" و"شرح مَواقف" پر ذکر کی ہے، اگر مخافتِ تطویل نہ ہوتی تو اُن نفائسِ جلیلہ کو زیورِ گوشِ سامعین کرتا، وفيما ذكرنا كفاية، والحمد لله وليّ الهداية!.

عام طور سے ائمہ اہلِ سنّت کے مابین مسائلِ اُصولی میں بھی اختلاف نزاعِ لفظی کی حد تک رہتا ہے

غرض اس مقدار سے زائد کسی امر کو محلِ نزاع ٹھہرانا، خود ان کے مقتضائے کلام ومقال وتمسّک واستدلال سے جُدا پڑنا ہے، اور توجيه القول بما لا يرضى به قائلُه کرنا ہے، اور ان کے اِجماعیاتِ قاطعہ سے منکِر ہونا ہے، اور ان مُہالکِ شنیعہ ونتائجِ قطیعہ کا ان کے ذمّے باندھنا ہے، جن سے وہ ہزار جگہ بتصریحِ صریح تبری کرتے ہیں۔ اور واقعی بحمد اللہ بارہا دیکھا ہے، کہ ائمۂ اہلِ سنّت میں جو مسئلۂ اصول مختلَف فیہ رہا ہے، اگرچہ بعض ناظرین ظواہرِ الفاظ سے دھوکا کھائیں، مگر عند التحقیق اس کا حاصل نزاعِ لفظی، یا ایسی ہی کسی ہلکی بات کی طرف راجع ہوا ہے۔

پھر ایک فریق کے دوسرے پر اِلزامات حقیقۃً اپنے معنیٔ مراد پر اِلزام ہیں، جس سے دوسرے کا ذہن خالی ہے، نہ اس کی مراد سے انہیں تعلّق، نہ اسے دیکھ کر کوئی عاقل یہ وَہم کر سکتا ہے کہ وہ امر جس کا اِلزام دیا گیا، فریقین میں مختلَف فیہ ہے، بلکہ یہ نوعانِ نزاعاتِ حقیقیہ معنویہ میں بھی نہیں ہوتا، چہ جائے کہ صوریۃ ولفظیۃ میں۔ اِلزام اسی امر سے دیتے ہیں جس کا بُطلان متفق علیہ ہو، مختلَف فیہ سے مختلَف فیہ پر احتجاج یعنی چہ؟ خصوصاً جبکہ ایک امر میں اختلاف، دوسرے میں تنازُع کی فرع ہو؛ کہ اس تقدیر پر فرع سے اِلزام مُصادَرہ علی المطلوب ہے۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے؛ کہ طرفِ مقابل سخت اَبلہ وجاہل ہے!۔ خیر بات دُور پہنچی، نظائر لیجیے:

ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

مثلاً ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام عارف باللہ حارث محاسبی، وجعفر بن حرب، وعبد اللہ بن کلاب، وامام المتکلّمین عبد العزیز مکی، وائمۂ سمرقند اوّل کے قائل ہیں، اور اسی طرف امام ہُمام ابو الحسن اشعری قُدِّسَ سِرُّہٗ مائل، بلکہ اسی پر امام الائمہ، سراج الامّہ، امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نصِ شریف دلیلِ کامل ہے۔

---

(۱) "حلبة المجلّي شرح منية المصلّي" صفة الصّلاة، ۲/ ۱۹۸.

(۲) پ۱۵، الإسراء: ۸۱۔

اور امام عباد السنہ احمد بن حنبل وغیرہ جماعتِ محدثین سے قولِ ثانی منقول، اور یہی ائمہ بخارا و مَن وافقھم کے نزدیک مختار و منصور و معتمد و مقبول ہے، اس پر ائمۂ سمرقند و بخارا میں نزاع کو جو طول ہوا مخفی نہیں، انہوں نے اُن پر مخلوقیتِ قرآن کا الزام رکھا، اُنہوں نے اِن پر نامخلوقیتِ افعالِ عباد کا طعن کیا، اور حقیقت دیکھیے تو بات کچھ بھی نہیں! اپنی اپنی مراد پر دونوں ٹھیک فرماتے ہیں، ایمان مخلوق بے شک مخلوق ہے: کہ مخلوق وصفاتِ مخلوق سب مخلوق ہیں، اور ایمان کہ صفتِ خالق عزّ جلالہ ہے جو پر اَسمائے حسنیٰ سے اسمِ پاک مؤمن دلیل ہے، یعنی اس ملکِ جلیل جلّ جلالہ کا اَزل میں اپنے کلام کی تصدیق فرمانا، وہ قطعاً غیر مخلوق ہے: کہ خالق وصفاتِ خالق مخلوقیت سے منزّہ ہیں۔

اب کیا کوئی احمق جاہل اس نزاع کو دیکھ کر یہ گمان کرے گا، کہ بعض صفاتِ خالق کا مخلوق، یا بعض افعالِ مخلوق کا غیر مخلوق ہونا، ائمۂ اہلِ سنت میں مختلف فیہ ہے؟ حاشا وکلّا! یونہی مسئلۂ زیادت ونقصانِ ایمان، کہ قدیم سے مختلف فیہا ہے، امام رازی وغیرہ بہت محققین اسے بھی نزاعِ لفظی پر اُتارتے ہیں۔

تسجیلِ جلیل وتکمیلِ جمیل

أقول وبالله التوفيق: مدّعیٔ جدید [رشید گنگوہی] بے چارے کی حالت نہایت قابلِ رحم ہے! غریب نے امام الطائفہ کی بات بنانے کو عقل ودیانت کو پان رخصت دیا، اپنے رب کو جیسے بنے لائقِ کذب کر دینے کا ذمہ لیا، ائمۂ امت وساداتِ ملت پر کھلی آنکھوں جیتا بہتان کیا، غرض لاکھ جتن کر چھوڑے، مگر کال نہ کٹا، یعنی امام کی پیشانی سے داغِ ضلالت مٹائے نہ مٹا! آپ کو یاد ہو کہ اصل بات کاہے پر چھڑی تھی! ذکر یہ تھا کہ حضور پُر نور سید المرسلین خاتم النبیین اکرم الاوّلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل وہمسر حضور کی جملہ صفاتِ کمالیہ میں شریک برابر مُحال ہے: کہ اللہ تعالیٰ حضور کو خاتم النبیین فرماتا ہے، اور ختمِ نبوت تا قیامت شرکت ہے، تو اِمکانِ مثل مستلزمِ کذبِ الٰہی ہوا، اور کذبِ الٰہی محالِ عقلی ہے، ع

مُنَزَّهٌ عن شريكٍ في محاسنِه ... فجوهرُ الحُسنِ فيه غيرُ منقسِم

اس پر اس سفیہ نے جواب دیا کہ "کذبِ الٰہی مُحال نہیں، ممکن ہے کہ خدا کی بات جھوٹی ہو جائے"، اور اس پر جو ہذیانات بکے، اُن کی خدمت گزاری تو آپ سُن ہی چکے! اب یہ حضرت [رشید گنگوہی] اس کی حمایت میں خُلفِ وعید کا مسئلہ پیش کرتے ہیں، یعنی ان کے امام [دہلوی] نے نئی نہ کہی، بلکہ اس کا قول ایک گروہِ ائمہ کے مُوافق ہے، اے سبحان اللہ! ع

امامے چنیں مقتدیے چناں ... جہاں چوں نہ بیند بدیے چناں

اے حضرت سب کچھ جانے دیجیے! اگر یہ آیۂ کریمہ ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[1] "ہاں اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں میں پچھلے" بھی (معاذ اللہ) کوئی وعید ہے، جس کے اِمکانِ کذب کو جوازِ علّت پر متفرّع کیجیے گا؟! یا تو وعدہ ہے، یعنی حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشارتِ عظیمہ کہ "تمہیں اس فضلِ جلیل سے مشرّف کیا گیا، تمھاری شریعتِ مطہرہ کو

(۱) پ۲۱، اَحزاب: ۴۰۔

شرفِ افضلیت بخشا، تم ناسخِ اَدیان ہوئے، تمھارے دینِ متین کا ناسخ کوئی نہ آئے گا، تم سب سے بلند و برتر رہے، تم سے بالا کوئی ہوا نہ ہوگا"۔ اس میں خُلف تو ہر طرح بالاجماع مُحال ہے، پھر تمھارے امام کا کیا کام نکلا؟ اور مخالفِ اجماعِ مسلمین واحداثِ بدعتِ ضالّہ فی الدّین کا داغ کیوں کر مٹا؟ ہاں یہ کہ اس کی اور ساتھ لگے تمھاری عقل و دیانت کا کام تمام ہوا!! اسے کام نکلا سمجھ لیجیے، چاہے کام ہو جانا! قسمت کا بدا[لکھا] کہ دین و دیانت سے یوں کٹی چھٹی، اور امام بے چارے کی بات بھی نہ بنی!!

ع

نہ خُدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

حبُّكَ الشيءَ يُعمِي ويُصِم

ذلیل و خوار و خراب و خستہ، نہ اس سے ملتے نہ ایسے ہوتے بھٹک گئے دینِ حق کا رستہ، نہ اس سے ملتے نہ ایسے ہوتے

صدق القائل، ع

إذا كان الغرابُ دليلُ قومٍ سَيَهدِيهم طريقَ الهالِكينا

فائدہ عجیبہ

دیوبندی اسے قطعی دلیل کہتا ہے۔ ہم ایک فائدہ عجیبہ بتائیں! میں کہتا ہوں: ہاں وہ ضرور قطعی دلیل ہے، مگر کاہے پر؟ وہابیہ وامام الوہابیہ کے ایک ایک قول، ایک ایک فقرے، ایک ایک حرفِ وہابیت کے اِبطالِ صریح پر! اس حجتِ عائنۃ الظہور لامعۃُ النور کی تقریر، ایک مقدمۂ واضحہ کے بیان سے روشن و منیر ہوگا۔ وُہ مقدمہ یہ کہ جس بات کا حق جاننا خدا پر جائز و رَوا ہے، وُہ ضرور فی الواقع حق و بجا ہے، ورنہ خدا پر جہلِ مرکّب جائز ہو؛ کہ اپنی غلط فہمی سے ناحق کو حق جان لے، باطل کو صحیح مان لے۔ امام الوہابیہ نے اگر چہ اس کا کذب ممکن کہا، مگر وہ یُوں تھا کہ اس کے علم میں ٹھیک بات ہے، اور دوسروں سے اس کے خلاف کہے، نہ یہ کہ خود اس کا علم ہی باطل و خلافِ حق ہو، اس کے اِمکان کی اس نے تصریح نہ کی، دیوبندیوں نے اگرچہ اِمکانِ جہل (۱) صراحۃً اوڑھ لیا، مگر وہ جہلِ بسیط تھا، کہ ایک بات معلوم نہ ہونا، نہ کہ جہلِ مرکّب کہ باطل کو حق اعتقاد کرنا، اس کا اِمکان ان سے بھی مسموع نہیں۔ ("الفتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۷)

(۱) مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری مرحوم مصنّف "تقدیس الوکیل عن توھین الرّشید و الخلیل" وغیرہ نے جو اس ہذیانِ امام الوہابیہ پر لُزومِ اِمکانِ جہل وغیرہ شناعات سے نقض کیا تھا، مولوی محمود حسن دیوبندی وغیرہ پارٹی دیوبند نے عقائدِ گنگوہی کے بیان و حمایت میں اس کا جواب اَخبار "نظام الملک" پرچہ ۲۵ اگست ۱۸۸۹ء میں یہ چھاپا: "چوری، شراب خوری، جہل، ظلم سے مُعارضہ کم فہمی۔ معلوم ہوتا ہے غلام دستگیر کے نزدیک خدا کی قدرت بندہ سے زائد ہونا ضروری نہیں، حالانکہ یہ کلّیہ ہے: جو مقدورُ العبد ہے مقدورُ اللہ ہے"۔ دیکھو! کیسا صاف اقرار ہے کہ وہابیہ کا معبود چوریاں کرے، شرابیں پیے، جاہل بنے، ظلم میں سَنے، سب کچھ روا ہے!! أعوذ باللہ من الخذلان! اس پرچہ کی خرافاتِ ملعونہ کا رَد آخرِ کتاب مستطاب "سبحان السبوح" میں چھپا ہے، وہاں ملاحظہ ہو۔ منہ [امام احمد رضا]

ابن حزم غیر مقلّد ظاہریُ المذہب مدّعیٔ عمل بالحدیث منہ بھر کر بک گیا کہ "خُدا کے بیٹا ہو سکتا ہے"

رہے ہم اہلِ اسلام، ہمارے نزدیک تو۔بحمد اللہ تعالی۔ یہ مقدمہ اجلی بدیہیات و اعلیٰ ضروریاتِ دین سے ہے، اگر خدا کا علم جائزُ الخطا ہو، تو قیامت و حشر و نشر و جنّت و نار وغیرہا جملہ سَمعیات باطلِ محض ہو جائیں؛ کہ ان کی طرف عقل کو آپ تو راہ ہی نہیں کہ کسی دلیل، کسی تعلیل، کسی استقراء، کسی تمثیل سے ان پر اعتقاد کر سکے، ان کا اعتقاد محض بَر بِنائے کلامِ الٰہی تھا۔ اب اس کا جاننا واجب ٹھہری؛ کہ ایک جائزُ الخطا کی بات ہے! جانچ کاہے سے ہوگی؟ عقل سے! عقل وہاں چل سکتی ہی نہیں! تو محض مُہمل و بے ثبوت جاننا، اور ان سب کا چھوڑ دینا لازم ہوا! کذب نے تو بات ہی میں شُبہ ڈالا تھا، جہلِ مرکّب نے جڑ سے لگی نہ رکھی، بلکہ نظر بمذہبِ وہابیہ اس تقدیر پر نہ صرف ایمانیاتِ معاد، بلکہ خود اصلِ ایمان، اعنی توحیدِ الٰہی پر بھی ایمان ہاتھ سے جائے گا!۔

وجہ سنیے! وہابیہ کے طور پر خدا کے لیے بیٹا ہونا عقلاً مُحال نہیں، ان کا امام صاف مان رہا ہے کہ "جو کچھ انسان کر سکتا ہے، خدا بھی اپنے لیے کر سکتا ہے" تو واجب ہوا کہ خدا عورت سے نکاح، بعدہٗ جماع، بعدہٗ اس کے رحم میں اپنے نطفے کا ایقاع کر سکے، ورنہ قدرت میں انسان سے گھٹ جو رہے گا! اور جب یہاں تک ہو لیا، تو اَب نطفہ ٹھہرانے، اور بچّہ بنانے اور پیدا کر لانے میں کیا زہر گھل گیا؟ کہ ان سے عاجز رہے گا! دنیا بھر کی مادوں کے ساتھ یہ افعال کر رہا ہے، اپنی زوجہ کے بارے میں کیوں تھک رہے گا؟؟ آخر وہابیہ کا ایک پُرانا امام ابن حزم غیر مقلّد ظاہریُ المذہب مدّعیٔ عمل بالحدیث، منہ بھر کر بک گیا کہ "خدا کے بیٹا ہو سکتا ہے"۔

"مِلل ونِحل" میں کہتا ہے: "إنّه تعالى قادرٌ أن يتّخذَ وَلَدًا، إذ لو لم يقدرْ لكانَ عاجزًا"[1]. اس کا رَد "سبحان السبوح" میں ملاحظہ ہو!۔ اور شک نہیں کہ خدا کا بیٹا ہوگا، تو ضرور وہ بھی مستحقِ عبادت ہوگا، قال اللہ تعالی: ﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَأَنَا أَوَّلُ الْعٰبِدِينَ﴾[2] "تم فرما دو! کہ رحمن کے کوئی بچّہ ہے، تو سب سے پہلے اس کا پُوجنے والا میں ہوں"۔

تو ثابت ہوا کہ وہابیہ کے نزدیک ہزاروں خدا مستحقِ عبادت ممکن ہیں، عقلی اِستحالہ تو یُوں گیا، رہا شرعی، اس کے کھونے کو اِمکانِ کذب کیا تھوڑا تھا؟ کہ اب خدا کی بات سچّی ہونی ضرور نہیں! جہلِ مرکّب ممکن مانا گیا، تو پوری رجسٹری ہو جائے گی، کہ ممکن کہ اِدّعائے توحید و مذمتِ شرک سے جو تمام قرآن گونج رہا ہے، سب بَر بِنائے جہلِ مرکّب و غلط فہمی ہو! اب لا إله إلّا الله بھی ہاتھ سے گیا، والعیاذ باللہ ﷻ!۔

بالجملہ اللہ تعالی پر جہلِ مرکّب مُحال بالذات ہونے میں وہابیہ کو بھی اہلِ اسلام کا ساتھ دینے سے چارہ نہیں، تو یہ مقدمہ کہ "جس بات کا حق جاننا خدا پر رَوا ہے، وہ ضرور حق و بجا ہے" بُرہانی اِیقانی ایمانی بھی ہے، اور مخالف کا تسلیمی اِذعانی بھی۔ اس کا نام مقدمہ ایمانیہ رکھیے!۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۹۸)

اب خلافِ وہابیہ و وہابیت جو بات چاہیے فرض کر لیجیے! خواہ وہ ہمارے مُوافق ہو یا ہمارے اَحکام سے بھی زائد، مثلاً:

---

(۱) "الملل والنّحل" لابن حزم، الكلام في السّخط، والرضا، والعدل، والصدق ...إلخ، الجزء۲/ ۲۲.

(۲) پ۲۵، زخرف:۸۱۔

(۱) اسماعیل دہلوی نرا کافر تھا۔
(۲) گنگوہی، دیوبندی، نانوتوی، انبیٹھی، تھانوی وغیر ہُم وہابی سب کھلے مُرتَد ہیں۔
(۳) جو کذبِ الٰہی ممکن کہے، ملحد ہے۔
(۴) "تقویۃ الایمان"، "تنویر العینین"، "ایضاح الحق"، "صراطِ مستقیم" تصانیف اسماعیل دہلوی، "معیار الحق" تصنیف نذیر حسین دہلوی، "تحذیر النّاس" تصنیف نانوتوی، "براہینِ قاطعہ" تصنیف گنگوہی وغیرہا جملہ نباحات انبوہی [کتوں کے بھونکنے کی کثرت] سب کُفری بول نَجس تَرَاز بَول ہیں، جو ایسانہ جانے زندیق ہے!۔
(۵) جو باوصف اطلاع اقوال اُن میں سے کسی کا معتقد ہو، ابلیس کا بندہ جہنم کا کندہ ہے۔
(۶) ان سفہاء اور اُن کے نُظراء تمام خبثاء جنہوں نے شانِ اقدس وارفع ربّ العالمین وحضور پُرنور سیّد المرسلین ﷺ کی تنقیص کی، جو شخص رسول اللہ ﷺ وربّ العزّت جَلَّ جَلَالُہٗ کے مقابل ان ملحدوں کی حمایت، مروت، رعایت کرے، ان کی باتوں کی تحسین، توجیہ، تاویل کرے، وہ عدوِّ خدا، دشمنِ مصطفیٰ ہے، جَلَّ جَلَالُہٗ و ﷺ۔
(۷) غیر مقلّدین سب بے دین، پکّے شیاطین، پورے مَلاعین ہیں۔

سات ۷ یہ اور سات ہزار اَور، جو بات لو، کیا انسان اس کا اعتقاد نہیں کر سکتا؟ ہر شخص بداہۃً جانتا ہے کہ آدمی ضرور ان میں سے ہر بات کے اعتقاد[1] پر قادر ہے، یہ مقدمہ بدیہیہ عامّۃ الوُرود محفوظ رکھیے کہ "اس امر کا اعتقاد انسان کر سکتا ہے"۔

مسلمانو! "اس" میں آپ کو اختیار رہا، ردِّ وہابیہ کی جس بات کو چاہیے اس کا مُشار الیہ بنائیے! اب اس مقدمہ بدیہیہ کو صغریٰ کیجیے، اور مقدمۂ وہابیہ یعنی دہلوی ضلیل کا وہ دعوئ ذلیل کہ "جو کچھ انسان کر سکتا ہے خدا کر سکتا ہے" اسے کبریٰ بنائیے۔ شکلِ اوّل بدیہی اُلانتاج سے نتیجہ نکلا کہ "اس امر کا اعتقاد خُدا کر سکتا ہے"۔

اب اس نتیجہ کو صغریٰ کیجیے، اور مقدمۂ ایمانیہ کو کبریٰ، کہ "ہر وہ امر جس کا اعتقاد خدا کر سکتا ہے، قطعاً یقیناً حق ہے"۔ شکلِ اوّل کا نتیجہ بدیہیہ ہوگا کہ "یہ امر قطعاً یقیناً حق ہے"۔ وہابیہ کو یہاں مُعارضہ بالقلب کی گنجائش نہیں، کہ اپنے عقائدِ باطلہ کو کہیں: انسان ان کا بھی اعتقاد کر سکتا ہے، تو خدا بھی کر سکتا ہے، تو یہ بھی حق ہیں؛ کہ بَمنائے دلیل مقدمۂ وہابیہ ہے، اور وہ ان پر حجت کہ ان کا اور ان کے امام کا ایمان ہے، ہمارے نزدیک وُہ باطلِ محض ہے، تو کبرائے قیاسِ اوّل مردود ہو کر پہلا ہی نتیجہ باطل ہوگا، اب کہیے مَفر کدھر؟ تین ۳ ہی احتمال ہیں:

ایمانِ ابی طالب کی بحث

اس میں شک نہیں کہ ابو طالب تمام عمر حضور سیّد المرسلین، سیّد الاوّلین والآخرین سیّد الاَبرار اِلی یوم القرار ﷺ کی حفظ وحمایت وکفایت ونصرت میں مصروف رہے، اپنی اولاد سے زیادہ حضور کو عزیز رکھا، اور اس وقت میں ساتھ دیا کہ ایک

---

(۱) ظاہر ہے کہ کوئی خبر بھی ہو، حق ہوگی یا باطل، اور سب جانتے کہتے مانتے ہیں، کہ حق کا اعتقاد فرض، یا کم از کم جائز ہے، اور باطل کا اعتقاد حرام وممنوع ہے، اور فرض وحرام وجائز وممنوع وہی شے ہوگی، جس پر انسان کو قدرت ہو، یہی یہاں ملحوظ ہے۔ منہ [امام احمد رضا] رضی اللہ عنہ

عالَم حضور کا دشمنِ جاں ہوگیا تھا، اور حضور کی محبت میں اپنے تمام عزیزوں قریبوں سے مخالفت گوارا کی، سب کو چھوڑ دینا قبول کیا، کوئی دقیقہ غمگساری وجاں نثاری کا نامرعی [بے رعایت] نہ رکھا، اور یقیناً جانتے تھے کہ حضور افضل المرسلین ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، ان پر ایمان لانے میں جنّت اَبدی، اور تکذیب میں جہنم دائمی ہے، بنو ہاشم کو مرتے وقت وصیت کی، کہ محمد ﷺ کی تصدیق کرو، فلاح پاؤ گے! ۔ نعت شریف میں قصائد اُن سے منقول ہیں، اور اُن میں براہِ فراست وہ اُمور ذکر کیے کہ اُس وقت تک واقع نہ ہوئے تھے۔ بعد بعثت شریف اُن کا ظہور ہوا، یہ سب اَحوال مطالعۂ احادیث و مُراجعتِ کُتب سِیَر سے ظاہر ہے، ایک شعر اُن کے قصیدے کا صحیح "بخاری" شریف میں بھی مروی، ع

وأبيضُ يُستسقَى الغَمامُ بوجهِهِ ثِمالُ اليتامَى عِصمةٌ للأرامِلِ[1]

حضور کے چچا ابوطالب نے آپ ﷺ کی شان میں ایک سو دس ۱۱۰ اَشعار پر مشتمل نعت کہی

محمد بن اسحاق تابعی صاحبِ سِیَر ومَغازی نے یہ قصیدہ بتمامہا نقل کیا، جس میں ایک سو دس ۱۱۰ بیتیں مدحِ جلیل و نعتِ منیع پر مشتمل ہیں، شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ، شرح "صراطِ مستقیم" میں اس قصیدہ کی نسبت فرماتے ہیں: "دلالت صریح دارد بر کمال محبت و نہایت نبوت او"[2] انتہی۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۱۶)

صرف نبیٔ کریم ﷺ کی تعریف کرنا کافی نہیں، مسلمان ہونے کے لیے ایمان بھی ضروری ہے

مگر مجرّد اِن اُمور سے ایمان ثابت نہیں ہوتا، کاش! یہ افعال واقوال اُن سے بہ حالتِ اسلام میں صادر ہوتے، تو سیّدنا عباس، بلکہ ظاہراً سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی افضل قرار پاتے، اور افضل الاَعمام حضور افضل الاَنام -علیہ وعلی آلہ وافضل الصلاۃ والسلام- کہلائے جاتے۔ تقدیرِ الٰہی نے بَر بِنا اُس حکمت کے جسے وہ جانے یا اُس کا رسول ﷺ، انہیں گروہِ مسلمین وغلامانِ شفیع المذنبین ﷺ میں شمار کیا جانا منظور نہ فرمایا: ﴿فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ﴾[3]۔

صرف معرفت (گو کیسی ہی کمال کے ساتھ ہو) ایمان نہیں، دانستن وشناختن اَور چیز ہے، اور اِذعان وگرویدن اَور، کم کافر تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ کے سچے پیغمبر ہونے کا یقین نہ تھا، ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ﴾[4] "اور ان کے منکر ہوئے، اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا"۔ اور علمائے اہلِ کتاب تو عموماً جزمِ کلّی رکھتے تھے، حتی کہ یہ اَمر اُن کے نزدیک کالعیان سے بھی زائد تھا، معائنہ میں بصر غلطی بھی کرتی ہے، اور یہاں کسی طرح کا شُبہ واحتمال نہ تھا، قال ﷻ: ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾[5] "وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے"۔

(۱) "صحيح البخاري" أبواب الاستسقاء، باب سؤال النّاس الإمام الاستسقاء، ۱/ ۱۳۷.
(۲) "شرح سفر السعادۃ" فصل در بیان عیادت بیماراں، ص۲۴۹۔
(۳) پ۲۸، حشر:۲۔
(۴) پ۱۹، نمل:۱۴۔
(۵) پ۱، بقرہ:۱۴۶۔

وقال عزّ من قائل: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [1] "توجب تشریف لایا اُن کے پاس وہ جانا پہچانا، اس کے منکر ہو بیٹھے، تواللہ کی لعنت منکروں پر!۔ وقال جلّ ذکرہ: ﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ [2] "لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں"۔ بعض کور چشم بدباطن وہابیہ عصر کہ اس میں کلام کرتے اور کہتے ہیں: "اگر اہلِ کتاب کے یہاں حضور کا ذکرِ رسالت ہوتا تو ایمان کیوں نہ لاتے؟!" نصوصِ قاطعہ سے انکار اور خدا اور رسول کی تکذیب، اور یہود و نصاریٰ کی حمایت و تصدیق کرنے والے ہیں! أعوذ باللّٰہ من وسواس الشّیطان!.

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۱۷)

دو ۲ کلموں کے ساتھ تلفظ کرنا، جبکہ اس پر قادر ہو، ایمان کی شرط ہے

"شرح عقائد نسفی" میں ہے: "ليست حقيقةُ التصديق أن تقعَ في القلب نسبةُ الصّدق إلى الخبر والمخبر، من غير إذعانٍ وقبول، بل هو إذعانٌ وقبولٌ لذلك، بحيث يقع عليه اسمُ التّسليم على ما صرّح به الإمامُ الغزالي" [3].

اسی میں ہے: "بعضُ القَدريّة ذهبَ إلى أنّ الإيمانَ هو المعرفةُ، وأطبقَ علماؤُنا على فسادِه؛ لأنّ أهلَ الكتاب كانوا يعرفونَ نبوّةَ محمّدٍ ﷺ، كما كانوا يعرفون أبناءَهم، مع القطع بكفرِهم لعدم التصديق؛ ولأنّ من الكفّار مَن كان يعرف الحقَّ يقيناً، وإنّما كان ينكِر عناداً أو استكباراً. قال اللّٰه تعالى: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾ [4]".

محقق دوّانی "شرح عقائد عضدی" میں فرماتے ہیں: "التلفّظ بكلمتَي الشّهادتَين مع القدرة عليه شرطٌ، فمَن أخلّ به فهو كافرٌ مخلّدٌ في النّار، ولا تنفعه المعرفةُ القلبيّة من غير إذعانٍ وقبول؛ فإنّ من الكفّار مَن كان يعرف الحقَّ يقيناً، وكان إنكارُه عناداً واستكباراً كما قال اللّٰه تعالى: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ [5]".

آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ متوافرہ متظافرہ سے ابو طالب کا کفر پر مرنا، اور دمِ واپسیں ایمان لانے سے انکار کرنا، اور عاقبت کار اصحابِ نار سے ہونا، ایسے روشن ثبوت سے ثابت ہے، جس سے کسی سنّی کو مجالِ دم زدن نہیں۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۳۱۸)

---

(۱) پ۱، البقرۃ: ۸۹۔
(۲) پ۹، الأعراف: ۱۵۷۔
(۳) "شرح عقائد النَّسَفي" والإيمان في اللغة التصديق، صـ۸۹.
(٤) "شرح عقائد النَّسَفي" والإيمان لا يزيد ولا ينقص، صـ۹۳، ۹٤.
(٥) "الدّواني العقائد العضدية والكفر عدم الإيمان" صـ۱۰۱.

آیتِ اُولیٰ: قال اللہ ﷻ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾(۱)

"اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو! ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے، وہ خوب جانتا ہے جو راہ پانے والے ہیں"۔ مفسّرین کا اجماع ہے کہ یہ آیۂ کریمہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔ "معالم التنزیل" میں ہے: "نزلتْ في أبي طالب"(۲)۔ "جلالین" میں ہے: "نزل في حرصه ﷺ على إيمان عمّه أبي طالب"(۳)۔ "مدارک التنزیل" میں ہے: "قال الزجاج: أجمع المفسّرون أنها نزلتْ في أبي طالب"(۴)۔ "کشّاف زمخشری" و "تفسیر کبیر" میں ہے: "قال الزجاج: أجمع المسلمون أنها نزلتْ في أبي طالب"(۵)۔ امام نَوَوی "شرح صحیح مسلم شریف" "کتاب الایمان" میں فرماتے ہیں: "أجمع المفسّرون على أنها نزلتْ في أبي طالب، وكذا نقل إجماعَهم على هذا، الزّجاج وغيرُه"(۶)۔ "مرقاۃ شرح مشکاۃ" شریف میں ہے: "لقوله تعالى في حقّه باتّفاق المفسّرين: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ﴾(۷)۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۱۸)

حضور اقدس سیّد المرسلین ﷺ نے ابو طالب سے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کو ارشاد فرمایا

حدیث اوّل: صحیح حدیث میں اس آیۂ کریمہ کا سببِ نزول یوں مذکور کہ: جب حضور اقدس سیّد المرسلین ﷺ نے ابو طالب سے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کو ارشاد فرمایا، صاف انکار کیا، اور کہا: "مجھے قریش عیب لگائیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر مسلمان ہوگیا! ورنہ حضور کی خوشی کر دیتا"۔ اس پر ربّ العزّت ﷻ نے یہ آیتِ کریمہ اُتاری، یعنی اے حبیب! تم اس کا غم نہ کرو! تم اپنا منصبِ تبلیغ ادا کر چکے! ہدایت دینا اور دل میں نورِ ایمان پیدا کرنا، یہ تمھارا فعل نہیں، اللہ ﷻ کے اختیار میں ہے، اور اُسے خوب معلوم ہے کہ کسے یہ دَولت دے گا، کسے محروم رکھے گا!۔

"صحیح مسلم شریف" "کتاب الایمان"، و "جامع ترمذی" "کتاب التفسیر" میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، قال: قال رسول الله ﷺ لعمّه: (زاد مسلمٌ في أخرى عند الموت) «قُلْ: لا إلهَ إلّا اللهُ، أشهَد لك بها يومَ القيامة!» قال: لو لا أن تعيرَني قريشٌ يقولون: إنّما حملَه على ذلك الجزعُ، لَأَقْرَرْتُ بها عينَك، فأنزل اللهُ ﷻ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ﴾(۸) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) پ۲۰، القصص: ۵۶۔

(۲) "معالم التنزيل" (تفسير البغوي) تحت الآية: ۵۶، ۳/ ۳۸۷.

(۳) "تفسير الجلالين" تحت الآية: ۵۶، صـ۳۳۲.

(۴) "مدارك التنزيل" (تفسير النّسَفي) تحت الآية: ۵۶، ۳/ ۳۴۰.

(۵) "مفاتيح الغيب" (التفسير الكبير) تحت الآية: ۵۶، ۲/ ۲۵. "تفسير الكشّاف" تحت الآية: ۵۶، ۳/ ۴۲۲.

(۶) "شرح صحيح مسلم" للإمام النَّوَوي "كتاب الإيمان، باب الدّليل على صحة الإسلام ...إلخ، ۱/ ۴۱.

(۷) "مرقاة المفاتيح" "كتاب الفِتَن، باب صفة النّار وأهلها، تحت ر: ۵۶۶۸، ۹/ ۶۴۰.

(۸) "صحيح مسلم" "كتاب الإيمان، باب الدليل على صحة الإسلام...إلخ، ۱/ ۴۰. "سنن التّرمذي" "أبواب التفسير، القصص، ۲/ ۱۵۰.

اپنے چچا سے فرمایا(مسلم نے دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا کہ بوقتِ موت فرمایا:) "لا إله إلّا الله کہہ دو، میں تیرے لیے قیامت کے دن اس کی گواہی دُوں گا" اُس نے جواب دیا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قریش مجھے عار دلائیں گے، کہ موت کی شدت کے باعث مسلمان ہوگیا، تو میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی کر دیتا۔ اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو! ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے"۔ "معالم" و"مدارک" و"بیضاوی" و"ارشاد العقل السلیم" و"خازن" و"فتوحاتِ الٰہیہ" وغیرہا تفاسیر میں اسی حدیث کا حاصل اس آیت کے نیچے ذکر کیا۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۱۹)

آیت ثانیہ ۲: قال ﷻ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾[1] "روا نہیں نبی اور ایمان والوں کو، کہ استغفار کریں مشرکوں کے لیے، اگرچہ وہ اپنے قرابت والے ہوں، بعد اس کے کہ اُن پر ظاہر ہو چکا کہ وہ بھڑکتی آگ میں جانے والے ہیں"۔

یہ آیتِ کریمہ بھی ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔ "تفسیر امام نسفی" میں ہے: "همّ ﷺ أن يستغفرَ لأبي طالب، فنزلَ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾"[2]. "جلالین" میں ہے: "نزل في استغفاره ﷺ لعمّه أبي طالب"[3].

امام عینی "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں: "قال الواحدي: سمعتُ أبا عثمان الحيري، سمعتُ أبا الحسن بن مقسم، سمعتُ أبا إسحاق الزجاج يقول في هذه الآية: أجمعَ المفسّرون أنّها نزلتْ في أبي طالب"[4].

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۲۰)

حدیث دوم ۲: "صحیحین" و"مسند امام احمد" میں حضرت سیدنا عباس عمّ رسول ﷺ سے ہے: إنّه قال للنّبي ﷺ: ما أغنيتَ عن عمّك؟ فوالله كان يحوطك ويغضب لك! قال: «هو في ضحضاح من نارٍ، ولولا أنا، لكانَ في الدَّرك الأسفَل من النّار»[5] وفي روايةٍ: «وجدتُه في غمرات من النّار فأخرجتُه إلى ضَحضاحٍ»[6].

امام ابن حجر "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں: "يؤيّد الخصوصيةَ أنّه بعد أنِ امتنعَ شفعَ له حتّى

(۱) پ۱۱، توبہ: ۱۱۳۔

(۲) "مدارك التنزيل" (تفسير النسفي) تحت الآية: ۱۱۳، ۲/ ۱٤۸.

(۳) "تفسير جلالين" تحت الآية: ۱۱۳، صـ۱٦۷.

(٤) "عمدة القاري" كتاب الجنائز، تحت ر: ۱۳٦۰، ۷/ ٦۲.

(٥) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب قصة أبي طالب، ۱/ ٥٤۸. "صحيح البخاري" كتاب الأدب، باب كنية المشرك، ۲/ ۹۱۷. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب شفاعة النبي ﷺ لأبي طالب، ۱/ ۱۱٥. "مسند الإمام أحمد" عن العباس، ۱/ ۲۰۷ و۲۱۰.

(٦) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب شفاعة النبي ﷺ لأبي طالب، ۱/ ۱۱٥.

خفّف له العذابُ بالنّسبة لغيره»[1] یعنی "نبی کریم ﷺ کی خصوصیت سے ہوا، کہ ابو طالب نے باآنکہ ایمان لانے سے انکار کیا، پھر بھی حضور اقدس ﷺ کی شفاعت نے اتنا کام دیا، کہ بنسبت باقی کافروں کے عذاب ہلکا ہوگیا"۔

حدیث سوم ۳: "صحیحین" و "مسند امام احمد" میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے: إنّ رسول الله ﷺ ذُكِرَ عنده عَمُّه أبو طالب، فقال: «لعلّه تنفعُه شَفاعتي يومَ القيامة، فيجعل في ضحضاح من النّار، يبلغ كعبيه يغلي منه دماغه»[2] یعنی "حضور اقدس ﷺ کے سامنے ابو طالب کا ذکر آیا، فرمایا: "میں امید کرتا ہوں کہ روز قیامت میری شفاعت اُسے یہ نفع دے گی، کہ جہنم میں پاؤں تک کی آگ میں کر دیا جائے گا، جو اس کے ٹخنوں تک ہوگی، جس سے اس کا دماغ جوش مارے گا"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۲۵)

ابو طالب کا سارا بدن حضور اقدس ﷺ کی حمایت میں صَرف رہا

یونس بن بکیر نے حدیث محمد بن اسحاق سے یوں روایت کیا: «يغلي منه دماغه حتّى يسيلَ على قدمَيه»[3] "اس کا بھیجا اُبل کر پاؤں پر گرے گا"۔ "عمدۃ القاری" و "ارشاد الساری" شروح صحیح بخاری، و "مواہب لدنیہ" وغیرہا میں امام سہیلی سے منقول: "الحكمةُ فيه أنّ أبا طالبٍ كان تابعاً لرسول الله ﷺ لجملتِه، إلّا أنّه استمرّ ثابت القدم على دينِ قومِه، فسلّط العذاب على قدمَيه خاصّة لتثبيته إيّاهما على دينِ قومِه"[4] "یعنی ابو طالب کے پاؤں تک آگ رہنے میں حکمت یہ ہے، کہ اللہ عزّوجلّ جزا بشکلِ عمل دیتا ہے، ابو طالب کا سارا بدن حضور اقدس ﷺ کی حمایت میں صَرف رہا، ملّتِ کفر پر ثابت قدمی نے پاؤں پر عذاب مسلّط کیا۔ اسی طرح "تیسیر شرح جامع صغیر" وغیرہ میں ہے۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۲۷)

ابو طالب کو بعد انتقال نہلانے اور دفنانے سے متعلق روایات

حدیث چہارم ۴: امام شافعی، وامام احمد، وامام اسحاق بن راہویہ، وابو داوٗد طیالسی اپنی "مسانید"، اور ابن سعد "طبقات"، اور ابو بکر بن ابی شیبہ "مصنَّف"، اور ابو داوٗد ونسائی "سنن"، اور ابن خزیمہ اپنی "صحیح"، اور ابن الجارود "منتقی" اور مروزی "کتاب الجنائز"، اور بزّار وابو یعلی "مسانید"، اور بیہقی "سنن" میں بطرقِ عدیدہ، حضرت سیّدنا امیر المؤمنین مولیٰ علی ۔کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔ سے راوی: قال: قلتُ للنّبي ﷺ: إنَ عمَّك الشيخَ الضالّ قد مات! قال

---

(۱) "فتح الباري" كتاب التفسير، سورة القصص، باب قوله إنك لا تهدي، ۱۰/ ۱۲۳.

(۲) "مسند الإمام أحمد" عن أبي سعيد الخدري، ۳/ ۵۰.

(۳) "المواهب اللدُنية" بحوالة ابن إسحاق، ۱/ ۲٦٤. "إرشاد السّاري" بحوالة ابن إسحاق، تحت ر: ۳۸۸۵، ۸/ ۳۵۱.

(٤) "عمدة القاري" كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب، ر: ۳۸۸۵، ۱۷/ ۲٤. "إرشاد السّاري" بحوالة السهيلي، تحت ر: ۳۸۸۵، ۸/ ۳۵۱. "المواهب اللدُنية" بحوالة السهيلي، ۱/ ۲٦٤.

أَذْهَبَ فُؤَادِ أباك!»(۱) یعنی "میں نے حضورِ اقدس سیّدِ عالَم ﷺ سے عرض کی: یا رسولَ اللہ! حضور کا چچا وہ بُڈھا گمراہ مرگیا! فرمایا: جا، اُسے دَبا آ!"۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے، مولا علی نے عرض کی: إنّ عمَّك الشّيخ الكافر قد مات! فما ترى فيه؟ قال رسول الله ﷺ: «أرى أن تغسلَه!» وأمرَه بالغُسل(۲) حضور کا چچا وہ بڈھا کافر مَر گیا! اس کے بارے میں حضور کی کیا رائے ہے؟ یعنی غسل وغیرہ دیا جائے یا نہیں؟ سیّدِ عالَم ﷺ نے فرمایا: "نہلا کر دَبا دو!"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۴۲۸)

ایمانِ ابی طالب پر روافض کے جھوٹے اقوال

لُوط بن یحیی، ابو مخنف رافضی خبیث ہالِک کے اقوال و نُقول بکثرت لاتا ہے، جس کے مردود و تالف ہونے پر ائمۂ جَرح و تعدیل کا اِجماع ہے، اسی طرح اَور رفّاض و فُسّاق وہالکین کے اَخبار پر اس کی کتاب کا مدار ہے، جیسا کہ اس کے مطالعہ سے واضح وآشکار ہے، فقیر -غفر اللہ تعالی- نے اپنے نسخہ "مروج الذہب" کے ہامِش پر اِس کی تنبیہ لکھ دی ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب "تحفہ اثنا عشریہ" میں فرماتے ہیں: "ہشام کلبی مفسّر کہ رافضی غالی ست، وہچنیں مسعودی صاحبِ "مروج الذہب" وابو الفرج اصبہانی صاحبِ "کتاب الاَغانی" وعلی ہذا القیاس اَمثال اینہا ازیں فرقہ در اعداد اہلِ سنّت داخل کنند، وبمقولات ومنقولات ایشاں اِلزام اہلِ سنّت خواہند"(۳)۔

علّامہ زرقانی "شرحِ مَواہب" میں فرماتے ہیں: "القولُ بإسلام أبي طالب لا يصحّ، قاله ابنُ عساكر وغيرُه"(۴) "ابوطالب کا اسلام ماننا غلط ہے، امام ابن عساکر وغیرہ نے اس کی تصریح کی"۔ اسی طرح "اِصابہ" میں ہے۔

علّامہ شِہاب "نسیم الریاض" میں فرماتے ہیں: "من الغريب ما نقلَه بعضُهم أنّ اللهَ تعالى أحياه له ﷺ، فآمَن به كأبوَيه، وأظنّه من افتراء الشّيعة"(۵). "غرائب سے ہے یہ جو بعض نے نقل کیا، کہ اللہ تعالی نے والدینِ رسول اللہ ﷺ کی طرح ابو طالب کو بھی نبی ﷺ کے لیے زندہ کیا، کہ بعد مرگ جی کر مشرّف باسلام ہوئے، میرے گمان میں یہ رافضیوں کی گڑھت ہے"۔

اقول: وضّاع کذّاب رافضیوں ہی میں منحصر نہیں، مگر یہ اُن کے مسلک کے مُوافق ہے، لہٰذا اس کی وضع کا گمان انہیں کی

---

(۱) "نصب الراية" بحوالة الشّافعي وإسحاق بن راهوَيه. وأبي داود الطيالسي وغيرهم، كتاب الصّلاة، فصلٌ في الصّلاة على الميّت، الحديث ۱۱، ۲/ ۲۸۹. "سُنن أبي داود" كتاب الجنائز، باب الرجل يموت له قرابة مشرك، ۲/۱۰۲. "مسند الإمام أحمد" عن علي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ۱/ ۱۳۰،۱۲۹. "السنن الكبرى" كتاب الجنائز، باب المسلم يغسل ذا قرابته، ۳/ ۳۵۸.

(۲) "مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الجنائز، باب في الرجل يموت له قرابة المشرك، ۳/ ۳۴۸.

(۳) "تحفہ اثنا عشریہ" باب دُوم، فصل دُوم، کید بست وسوم ۲۳، ص ۴۱۔

(٤) "شرح الزّرقاني على المواهب" المقصد ۲، الفصل ٤، ۳/ ۳۸٦.

(٥) "نسيم الرياض" القسم ۱، الباب ۱، الفصل ٥، ۱/ ۲۱۰.

طرف جاتا ہے، پھر بھی بے تحقیق جزم کی کیا صورت، ممکن کہ کسی اور نے وضع کی ہو! اس بنا پر لفظ ظن فرمایا، ورنہ اس کے موضوع، مفتری ہونے میں توقف نہیں، کما لا یخفی.

علامہ صبان محمد بن علی مصری کتاب "اسعاف الراغبین" میں فرماتے ہیں: "أما أعمامه ﷺ فاثنا عشر: حم... والعبّاس وهما المسلمان، وأبو طالب والصحيح أنه مات كافراً"(۱) "حضور سیّد عالم ﷺ کے بارہ چ... تھے، حمزہ و عباس رضی اللہ تعالی عنہما اور یہی دو مشرف باسلام ہوئے۔ اور ابوطالب اور صحیح یہی ہے کہ یہ کافر مرے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۲۲۲)

❀ ❀ ❀

(۱) "إسعاف الراغبين في سيرة المصطفى على هامش نور الأبصار" صـ۹٤.

Ataunnabi.com

فرقِ باطلہ اور ان کے عقائد

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar

(۱۸) فِرقِ باطلہ اور ان کے عقائد

وہابیہ فرقے کے معلّم اوّل اور معلّم ثانی، نیز اس فرقے کی وجہِ تسمیہ کا بیان

واضح ہو کہ وہابیہ منسوب بعبد الوہاب نجدی ہیں، ابن عبد الوہاب ان کا معلّم اوّل تھا، اس نے "کتاب التوحید" لکھی، جس میں اپنے فرقۂ خبیثہ کے سوا تمام اہلِ اسلام کو کھلم کھلا مشرک بنایا، اور حرمین طیّبین -زادھما اللہ شرَفاً وتکریماً- پر چڑھائی کر کے کوئی دقیقہ گستاخی و بے ادبی و شرارت و ظلم و قتل و غارت کا اٹھا نہ رکھا۔

"تقویۃ الایمان" اسی "کتاب التوحید" کا ترجمہ ہے، اس کا حال کتابِ مستطاب "سیف الجبّار" کے مطالعہ سے کھلتا ہے، یہ فرقۂ حادثہ گروہِ خوارج کی ایک شاخ ہے، جنہوں نے سب میں پہلے حضرت امیر المؤمنین مولی المسلمین سیّدنا مولی علی -کرّم اللہ وجہہ الکریم- پر خروج کیا، اور اسد اللہ القہّار کی ذوالفقارِ کافر شکار سے دار البوار کا رَستہ لیا، جن کی نسبت حدیث میں آیا کہ "وہ قیامت تک منقطع نہ ہوں گے، جب ان کا ایک گروہ ہلاک ہوگا، دوسرا سر اُٹھائے گا، یہاں تک کہ ان کا پچھلا (آخری) طائفہ دجّالِ لعین کے ساتھ نکلے گا"۔

بموجب اس وعدۂ صادقہ کے یہ قومِ مغضوب ہمیشہ فتنے اُٹھایا کی، تیرہ صدی کے شروع میں اس نے دیارِ نجد سے خروج کیا، اور بنامِ نجدیہ مشہور ہوئی، جن کا پیشوا شیخ نجدی تھا، اسی کا مذہب میاں اسمٰعیل دہلوی نے قبول کیا، اور اس کی کتاب کا ترجمہ بنام "تقویۃ الایمان" (کہ حقیقۃً تفویت الایمان ہے) ان دیار میں پھیلایا، اور بلحاظِ معلّم اوّل وہابیہ، و بنظرِ معلّم ثانی اسماعیلیہ لقب پایا، اس طائفہ حائفہ کا ہمیشہ سے یہی مذہب رہا ہے، کہ دنیا میں وہی موحّد و مسلم ہیں، باقی سب (معاذ اللہ) مشرک کافر۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۶۹)

بالجملہ[1] ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیمروز کی طرح ظاہر وزاہر [روشن] کہ اس فرقۂ متفرقہ یعنی وہابیہ اسماعیلیہ، اور اس کے امامِ

---

(۱) اس میں شک نہیں کہ اس گروہِ ناحق پژوہ [تلاش کرنے والا] پر ہزاروں وجہ سے کفر لازم، اور جماہیر فقہائے کرام کی تصریحیں ان کے صریح کفر پر حاکم! نسأل اللہ تعالی العفوَ والعافیۃ في الدّین والدّنیا والآخرۃ!.

تنبیہِ نبیہ: یہ حکم فقہی متعلّق بکلمات سفہی تھا، مگر اللہ تعالی کی بے شمار رحمتیں بے حد برکتیں ہمارے علمائے کرام، عظمائے اسلام معظّمین کلمۂ خیر الأنام -علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام- پر کہ یہ کچھ دیکھتے، وہ کچھ سخت و شدید ایذائیں پاتے ہیں، اس طائفہ تالفہ کے پیر و پیرو سے ناحق ناروا بات بات پر سچے مسلمانوں، خالص سنّیوں کی نسبت حکم کفر و شرک سنتے، ایسی ناپاک و غلیظ گالیاں کھاتے ہیں، بایں ہمہ نہ شدّتِ غضب دامنِ احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی، نہ ان نالائق ولایعنی خباثتوں پر قوّت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرما رہے ہیں، کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اَور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اَور بات! ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا، حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔ فقیر -غفر لہ تعالی- نے اس بحث کا قدرے بیان آخر رسالہ "سبحان السُّبوح عن عیب کذب مقبوح" (۱۳۰۷ھ) میں کیا، اور وہاں بھی باں کہ اس امام و طائفہ پر صرف ایک مسئلۂ امکانِ کذب میں اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزومِ کفر کا ثبوت دیا، حکم کفر سے کفِ لسان ہی کیا۔
بالجملہ اس طائفہ حائفہ، خصوصاً ان کے پیشوا کا حال مثلِ یزید پلید -علیہ ما علیہ- ہے؛ کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، =

نافرجام پر جزماً قطعاً یقیناً اِجماعاً بوجوہِ کثیرہ کفر لازم ہے، اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحاب فتویٰ اکابر واَعلام کی تصریحاتِ واضحہ پر یہ سب کے سب مرتد کافر ہیں، باِجماعِ ائمہ ان سب پر اپنے تمام کفریاتِ ملعونہ سے بالتصریح توبہ ورجوع، اور از سرِ نو کلمۂ اسلام پڑھنا فرض وواجب ہے، اگرچہ ہمارے نزدیک مقامِ احتیاط میں اِکفار [کافر کہنے] سے کفِ لسان ماخوذ ومختار ومرضی ومناسب ہے، والله ﷻ أعلم، وعلمُه -جلّ مجدُه- أتمُّ وأحكَم. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۷)

ہذیانِ اوّل امامِ وہابیہ

اگر خدا جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو، تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی

"اگر کذبِ الٰہی[1] مُحال ہو، اور محال پر خدا کو قدرت نہیں، تو اللہ تعالی جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہوگا، حالانکہ اکثر آدمی اس پر قادر ہیں، تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ گئی، یہ مُحال ہے، تو واجب ہوا کہ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہو"۔

أيها المسلمون! حماكم الله شرّ المجون! للہ بنظرِ انصاف اس اِغوائے عوام وطغوائے تمام کو غور کرو! کہ اس بِس کی گانٹھ میں کیا کیا زہر کی پڑیاں بندھی ہیں!!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۲۵)

آدمی کی اپنی قدرت ہے ہی نہیں

اوّلاً: دھوکا دیا کہ "آدمی تو جھوٹ بولتے ہیں، خدا نہ بول سکے تو قدرتِ انسانی اس کی قدرت سے زائد ہو"، حالانکہ اہلِ سنّت کے ایمان میں انسان اور اس کے تمام اعمال واقوال واوصاف واحوال سب جنابِ باری عزّوجلّ کے مخلوق ہیں۔ قال

=

ہاں یزیدِ مَرید اور ان کے امامِ عنید میں اتنا فرق ہے، کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر، مگر کفر متواتر نہیں، اور ان حضرت سے یہ سب کلماتِ کفر اعلی درجہ تواتر پر ہیں۔ پھر اگرچہ ہم براہِ احتیاط تکفیر سے زبان روکیں، ان کے خسار وبوار کو یہ کیا کم ہے ؟کہ جماہیر ائمۂ کرام، فقہائے اسلام کے نزدیک ان پر بوجوہِ کثیرہ کفر لازم ہے، والعیاذ باللہ القیوم الدائم! امام ابن حجر مکی "قواطع" میں فرماتے ہیں: "إنه يصير مرتداً على قول جماعة، وكفى بهذا خساراً وتفريطاً" ["الإعلام بقواطع الإسلام" مع "سُبل النّجاة" صـ۳۶۲]. اللہ تعالی پناہ دے اور دینِ حق پر دنیا سے اٹھائے، آمین! والحمد لله رب العالمين! والله ﷻ أعلَم، وعلمُه -جلّ مجدُه- أتمّ وأحكَم.

"سِلّ السُّيوف" تصنيف العلّامة المصنف رحمه الله.

(۱) علمائے دکن نے جواز شاد فرمایا کہ "کذب عیب ہے، اور عیب اللہ تعالی پر محال ہے"، حضرت اس کے رَد میں یوں اپنا خبثِ نفس ظاہر کرتے ہیں: قوله: وهو محالٌ؛ لأنّه نقصٌ، والنقصُ عليه تعالى محال. اقول: اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است، کہ تحتِ قدرتِ الٰہیہ داخل نیست، پس لا نسلم؛ کہ کذبِ مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ عقدِ قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر ملائکہ وانبیاء خارج از قدرتِ الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرتِ انسانی ازید از قدرتِ ربانی باشد چہ عقدِ قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر مخاطبین در قدرتِ اکثر افرادِ انسانی ست، کذبِ مذکور آرے منافی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر ست، ولہذا عدمِ کذب را از کمالاتِ حضرت حق سبحانہ می شمارند ...الخ۔ بقیہ عبارت سراپا شرارت زیرِ ہذیانِ دُوم آئے گی، عفا اللہ تعالی عنہ [امام احمد رضا]۔

المولیٰ ﷻ: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [1] "تم اور جو کچھ تم کرتے ہو، سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے"۔ انسان کو فقط کسب پر ایک گونہ اختیار ملا ہے، اس کے سارے افعال مولیٰ عزوجل ہی کی سچی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، آدمی کی کیا طاقت کہ بے اس کے ارادہ و تکوین کے پلک مار سکے، انسان کا صدق، کذب، کفر، ایمان، طاعت، عصیان، جو کچھ ہے سب اسی قدیر مقتدر ۔جل وعلا۔ نے پیدا کیا، اور اسی کی عمیم قدرت، عظیم ارادت سے واقع ہوتا ہے ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [2] "تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو پروردگار سارے جہان کا" ع

اس کا چاہا ہوا ہمارا نہ ہوا

ما شئتَ کان، وما تشاء یکون لا ما یشاءُ الدّھرُ والأفلاکُ

پھر کتنا بڑا فریب دیا ہے کہ "آدمی کا فعل قدرتِ الٰہی سے جدا ہے"، یہ خاص اشقیائے معتزلہ کا مذہب نامہذّب ہے، قرآن عظیم کا مردود و مکذّب ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۳۶)

ثانیاً اقول: اس ذی ہوش سے پوچھو! انسان کو اپنے جھوٹ بولنے پر قدرت ہے یا (معاذاللہ) اللہ عزوجل سے بلوانے پر؟ پھر قدرت [3] بڑھنا تو جب ہوتا، کہ اللہ تعالی آدمی سے جھوٹ بلوانے پر قابو نہ رکھتا۔ اپنے کذب پر قادر نہ ہو تو انسان کو اس عزیز جلیل کے کذب پر کب قدرت تھی؟ کہ قدرتِ الٰہی سے اس کی قدرت زائد ہوگئی! ولکن ﴿مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [4]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۲۷)

---

(۱) پ۲۳، صافات: ۹۶۔

(۲) پ۳۰، تکویر: ۲۹۔

(۳) فائدہ عائدہ ضروری الملاحظہ: ایہا المسلمون! بُر ظاہر کہ قدرت بڑھنے کے یہ معنی، کہ ایک شے پر اسے قدرت ہے، اُسے نہیں، نہ یہ کہ اسے جس شے پر قدرت ہے، وہ اس کی قدرت میں بھی داخل، مگر ایک اَور چیز اس کی قدرت سے خارج، جو ہرگز اس کی قدرت میں بھی داخل نہ تھی، اسے قدرت بڑھنا کوئی مجنون ہی سمجھے گا، یہاں بھی دو ۲ چیزیں ہیں: (۱) ایک کذبِ انسانی، وہ قدرتِ انسانی میں مجازاً ہے، اور قدرتِ ربانی میں حقیقۃً، (۲) دُوم کذبِ ربانی، اس پر قدرتِ انسانی نہ قدرتِ ربانی۔ تو انسان کی قدرت کس بات میں؟ (معاذاللہ) مولیٰ ﷻ کی قدرت سے بڑھ گئی؟ ہوا یہ کہ ملّاجی نے بغایتِ سفاہت و غباوت (کہ تمغائے عامہ اہلِ بدعت ہے) یوں خیال کیا کہ انسان کو اپنے کذب پر قدرت ہے۔

اور بعینہٖ یہی لفظ جناب عزّت میں بول کر دیکھا، کہ اسے بھی اپنے کذب پر قدرت چاہیے، ورنہ جو چیز مقدورِ انسان تھی، مقدورِ رحمن نہ ہوئی، ختمِ الٰہی کا ثمرہ کہ دونوں جگہ اپنے اپنے کا لفظ دیکھ لیا، اور فرقِ معنی اصلاً نہ جانا، ایک جگہ اپنے سے مراد ذاتِ انسان ہے، دوسری جگہ ذاتِ رحمن جل وعلا۔ پھر جو شے قدرتِ انسانی میں تھی، قدرتِ ربانی سے کب خارج ہوئی؟ ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ منہ [امام احمد رضا]۔

(۴) پ۱۸، نور: ۴۰۔

ابن حزم ظاہری نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا ثابت کیا

ثالثاً: حضرت کو اسی "یکروزی" میں یہ تسلیم روزی کہ "کذب عیب و منقصت ہے" اور بے شک باری تعالیٰ میں عیب ونقصان آنا محال عقلی ہے، اور ہم اسی رسالہ [سبحان السبوح] کے مقدمے میں روشن کر چکے، کہ محال پر قدرت ماننا اللہ تعالیٰ کو سخت عیب لگاتا ہے، بلکہ اس کی خدائی سے منکر ہو جانا ہے، حضرات مبتدعین کے معلّم شفیق ابلیس خبیث - علیہ اللعن - نے یہ عجز وقدرت کا نیا شگوفہ، ان دہلوی بہادر سے پہلے ان کے مقتدا ابن حزم، فاسد العزم، فاقد الجزم، ظاہری المذہب، ردی المشرب کو بھی سکھایا تھا، کہ اپنے رب کا ادب واجلال یکسر پس پشت ڈال، "کتاب الملل والنحل" میں بک گیا کہ " إنّه تعالى قادرٌ أن يتّخذ ولداً؛ إذ لو لم يقدر لكان عاجزاً"[1] یعنی "اللہ تعالیٰ اپنے لیے بیٹا بنانے پر قادر ہے؛ کہ قدرت نہ ہو تو عاجز ہوگا"۔ تعالى الله عمّا يقول الظالمون علوّاً كبيراً ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا﴾[2]۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۲۳)

رابعاً اقول: العزّة لله! اگر دہلوی ملّا کی یہ دلیل سچی ہو، تو دو ۲ خدا، دس ۱۰ خدا، ہزار خدا، بے شمار خدا ممکن ہو جائیں، وجہ سنیے! جب یہ قرار پایا کہ آدمی جو کچھ کر سکے، خدا بھی اپنی ذات کے لیے کر سکتا ہے، اور معلوم کہ نکاح کرنا، عورت سے ہمبستر ہونا، اس کے رحم میں نطفہ پہنچانا قدرتِ انسانی میں ہے، تو واجب کہ ملّاجی کا موہوم خدا بھی یہ باتیں کر سکے، ورنہ آدمی کی قدرت تو اُس سے بڑھ جائے گی، اور جب اتنا ہو چکا، تو وہ آفتیں جن کے سبب اہلِ اسلام اتخاذِ ولد کو محال جانتے تھے، امام وہابیہ نے قطعاً جائز مان لیں، آگے نطفہ ٹھہرنے اور بچہ ہونے میں کیا زہر گھل گیا ہے؟! وہ کون سی ذلّت وخواری باقی رہی ہے جس کے باعث انہیں مانتے جھجکنا ہوگا؟! بلکہ یہاں آکر خدا کا عاجز رہ جانا تو سخت تعجب ہے! کہ یہ تو خاص اپنے ہاتھ کے کام ہیں، جب دنیا بھر میں بزعمِ ملّاجی سب کے لیے اس کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، تو کیا اپنی زوجہ کے بارے میں تھک جائے گا؟! آخر بچہ نہ ہونا یوں ہوتا ہے کہ نطفہ استقرار نہ کرے؟ اور خدا استقرار پر قادر ہے! یا یوں کہ منی نا قابلِ عقد وانعقاد؟ یا مزاجِ رحم میں کوئی فساد؟ یا خللِ آسیب مانعِ اولاد؟ تو جب خدائی ہے، کیا ان موانع کا ازالہ نہ کر سکے گا؟! بہر حال جب امورِ سابقہ ممکن ٹھہرے، تو بچہ ہونا قطعاً ممکن۔

اور خدا کا بچہ خدا ہی ہوگا؛ قال الله تعالى: ﴿قُلْ إِنْ[3] كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴾[4] تو فرما: اگر

---

(۱) "الفصل في الملل والأهواء والنحل" الكلام في السّخط والرضا والعدل والصدق ...إلخ، ۲/ ۲۲.

(۲) پ۱۶، مریم:۸۹تا۹۲۔

(۳) حمله السدي على الظاهر، وعليه عوّل في "تكمله المفاتيح" و"البيضاوي" و"المدارك" و"إرشاد العقل" وغيرها، ولا شك أنه صحيحٌ صافٍ لا غبارَ عليه، فأيّ حاجةٍ إلى ارتكاب تأويلاتٍ بعيدة. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۴) پ۲۵، زخرف:۸۱۔

جس کے لیے کوئی بچہ ہے، تو میں سب سے پہلے پوجنے والا ہوں"۔ تو قطعاً دو ۲ خدا کا امکان ہوا، اگرچہ مُنافیِ غیرت ہو کر ممکن بالغیر ٹھہرے، اور جب ایک ممکن ہو تو کروڑوں ممکن؛ کہ قدرتِ خدا کی انتہا نہیں، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا باللہ العلي العظیم!۔
("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۲۹)

خامسًا: ملّائے دہلی کا خدائے موہوم کہاں کہاں آدمی کی حرص کرے گا! آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے، پاخانہ پھرتا ہے، پیشاب کرتا ہے، آدمی قادر ہے کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہے آنکھیں بند کر لے، سننا نہ چاہے کانوں میں انگلیاں دے لے، آدمی قادر ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈبودے، آگ سے جلا لے، خاک پر لیٹے، کانٹوں پر لوٹے، رافضی ہو جائے، وہابی بن جائے، مگر ملّائے موم کا مولائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لیے کر سکتا ہوگا، ورنہ عاجز ٹھہرے گا! اور کمالِ قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا!۔

اقول: غرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو بیٹھنا ہے، نہ کر سکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا، اور عاجز خدا نہیں۔ کر سکا تو ناقص ہوا، ناقص خدا نہیں۔ محتاج ہوا محتاج خدا نہیں۔ ملوّث ہوا، ملوّث خدا نہیں۔ تو شمس واَمس کی طرح اظہر واَزہر کہ دہلوی بیمار کا یہ قولِ ابتر حقیقۃً انکارِ خدا کی طرف منجر ہے ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾[1] والعیاذُ باللہ من إضلال الشیطان!۔

مگر سبحان ربّنا! ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک ہے، اور قدرت علی المحال کی تہمتِ سراپا ضلال سے کمال منزّہ ہے۔ عالم اور عالم کے اَعیان، اَعراض، ذوات، صفات، اعمال، اقوال، خیر، شر، صدق، کذب، حُسن، قبیح سب اسی کی قدرتِ کاملہ وارادۂ اَزلیہ سے ہوتے ہیں، نہ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر، نہ کسی کی قدرت اس کی قدرت کے ہمسر، نہ اپنے لیے کسی عیب پر قادر ہونا اس کی شانِ قُدّوسی کے لائق ودور خور ہے، تعالى اللهُ عمّا يقول الظالمون عُلوّاً كبيراً، وسبحان الله بكرةً وأصيلاً، والحمد لله حمداً كثيراً!۔

ثم اقول: ذہنِ فقیر میں ان پانچ ۵ کے علاوہ ہذیاناتِ مذکور پر اَور ابحاثِ دقیقہ کلامیہ ہیں، جن کے ذکر کے لیے مخاطب قابل فہم دقائق درکار، نہ وہ حضرات جن میں اجلّہ واکابر کا مبلغِ علم، سیدھی سیدھی نفسِ عبارت مشکاۃ وغیرہ سن سناکر اجازت وسند کی داد وستد تا بہ اَزلّہ وَاَصاغر چہ رسد، أُمرنا أن نكلّمَ النّاسَ على قدر عقولهم، والله الهادي ووليّ الأيادي!۔
("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۱۳۰)

الوہیت ومنقصت باہم اعلیٰ درجہ تنافی پر ہیں

او سفیہِ ملوم! اَکذوب وظلوم! الوہیت ومنقصت باہم اعلیٰ درجہ تنافی پر ہیں، الٰہ وہی ہے جس کے لیے جمیع صفاتِ کمال واجب لذاتہ ہیں، تو کسی عیب سے اتصاف ممکن ماننا، زوالِ الوہیت کو ممکن جاننا ہے، پھر خدا خدا کب رہا؟! ﴿وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾[2] "بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں"۔

---

[1] پ۷، الحج: ۷۴۔
[2] پ۷، الانعام: ۳۳۔

عنقریب ان شاء اللہ تعالی "تفسیر کبیر" سے منقول ہوگا[1] کہ باری تعالی کے لیے اِمکانِ ظلم ماننے کا یہی مطلب ہے اس کی خدائی ممکن الزوال ہے۔ میں گمان نہیں کرتا کہ اس بے باک کی طرح (مسلمانوں کی تو خدا اَمان کرے) کسی مجوسی نے بھی بے دھڑک تصریح کر دی ہو، کہ عیب ولَوث خدا میں تو آسکتے ہیں، مگر بطور ترفّع یعنی مشیخت بنی رکھنے کے لیے ان سے دُور رہتا ہے! صدق اللہ: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ قِيْلًا﴾[2] ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِي فِي الصُّدُوْرِ﴾[3] "بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔

ثم اقول: طُرفہ تماشا ہے کہ خدا کی شان! معلّم طائفہ کا تو وہ ایمان کہ خُدا کے لیے ہر عیب کا اِمکان، اور اربابِ طائفہ پر بے وقت کی چھیڑ کر ناحق ہلکان: "کہ تمام امّت کے خلاف حق تعالی کے عجز پر عقیدہ ٹھہرانا، تو مؤلّف کے پیشوایان لسان کا ہے، مؤلّف اس پر اظہار افسوس نہیں کرتا"[4][5]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۳۳۴)

اسماعیل دہلوی خدا کے ناقص عیبی ملوّث آلائشی ہو سکنے پر ایمان لایا

حضرت ذرا گھر کی خبر لیجیے! وہاں مولائے طائفہ عجز وجہل وظلم وبخل وسفہ وہزل وغیرہا دنیا بھر کے سب عیوب ونقائص کے اِمکان کا ٹھیکا لے چکے ہیں! پھر بفرضِ غلط اگر کسی نے ایک جگہ عجز مان لیا، تو تمھارے امام کے ایمان[6] پر کیا بے جا کیا؟ ایک امر کہ خدا کے لیے اس سے کروڑ درجہ بدتر ممکن تھا، اس نے اس خرمن سے ایک خوشہ تسلیم کر لیا، پھر کیا قہر کیا؟! اگر تمہارا امام جو خدا کے ناقص عیبی ملوّث آلائشی ہو سکنے پر ایمان لایا، نہ یہ قابلِ افسوس نہ خلافِ اُمّت ہے! یہ تمہارے اعظم پیشوایان دین کی سُنّت ہے! (معاذ اللہ) اس امام کی بدولت طائفہ بے چارے کی کیا بری گت ہے!!۔

ثم اقول: اس سے بڑھ کر مظلمہ حائلہ تناقض صریح امام الطائفہ اسی منہ سے خُدا کے لیے عیب وتلوّث ممکن مانتا ہے، اسی منہ سے کہتا ہے: "جھوٹ نہ بول سکے تو قدرت جو گھٹ جائے گی!"، جی گھٹ جائے گی تو کیا آفت آئے گی؟! آخر جہاں ہزار

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الردوالمناظرۃ، ۲۰/۱۴۰۔

(۲) پ۵، نساء: ۱۲۲۔

(۳) پ۱۷، الحج: ۴۶۔

(۴) "براہین قاطعہ" "مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے، ص۳۔

(۵) یہ عبارت "براہین" کے اسی صفحہ ۳ کی ہے، جس کا خلاصہ صدرِ استفتاء میں گزرا، یہاں ملّا گنگوہی صاحب جناب مؤلّف یعنی کرمنا مولوی عبد السمیع صاحب مؤلّف "انوار ساطعہ" پر یوں منہ آتے ہیں کہ "تم لوگ اللہ کا عجز مانتے ہو، جو محال پر اسے قادر نہیں جانتے ہو! اور ہم تو اس کے لیے جھوٹ وغیرہ سب کچھ جائز رکھتے ہیں، تو عجز تو نہ ہوا، گرچہ خدائی گئی"۔ ہزار تف اس بھونڈی سمجھ پر! رہا اس مغالطہ عجز کا دندان شکن حل، وہ اس رسالہ مبارکہ میں جابجا گزرا، سبحان اللہ! محال پر قدرت نہ ہونے کو عجز جاننا، الٰہی کیسے ناشخص کی تشخیص ہے! واللہ الهادي! عفي عنه [امام احمد رضا]۔

(٦) وانتظر ما سنُلقي عليك أنّ السفيةَ قائلٌ بالإمكان الوُقوعي، بل بالوُقوع لا بمجرّد الإمكان الذاتي. منه [أي من الإمام أحمد رضا] سلّمه الله تعالى.

ممکن تھے، الس، ہم پر عَلَم [بہت سی مصیبتوں میں ایک اَور بھی سہی]!(۱)۔
بس ہے یہ کہ ربِ کریم رؤف ورحیم -عزّ مجدُہ- اپنے اِضلال سے اپنی پناہ میں رکھے، آمین آمین آمین، بجاہ سید الهادین، محمّد الصّادق الحقّ المبین، صلوات الله تعالی وسلامُه علیه وعلی آله وصحبه أجمعین!.
("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۴۳۴)

اقول وباللہ التوفیق: أیّها المسلمون! حاشا یہ نہ جاننا کہ باری تعالیٰ کا عیوب ونقائص سے ملوّث ہونا، اس شخص کے نزدیک صرف ممکن ہی ہے، نہیں نہیں! بلکہ یقیناً اسے بالفعل ناقص جانتا، اور کمالِ حقیقی سے دُور مانتا ہے، اے مسلمان! کمالِ حقیقی یہ ہے کہ اس صاحبِ کمال کی نفسِ ذات مقتضیٔ جملہ کمالات، ومُنافیٔ تلوّثات ہو، اور قطعاً جو ایسا ہوگا اس پر ہر عیب ونقصان مُحال ذاتی ہوگا؛ کہ ذات سے مقتضائے ذات کا ارتفاع، یا ذات ومُنافیٔ ذات کا اجتماع، دونوں قطعاً بدیہی الامتناع، اور بے شک ہم اہلِ سنّت اپنے رب کو ایسا ہی مانتے ہیں، اور بے شک وہ سچے کمال والا ایسا ہی ہے، اس شخص نے کہ اس عزیز جلیل پر عیب ونقصان کا اِمکان مانا، توقطعاً کمالات کو اس کا مقتضائے ذات نہ جانا، تو کمالِ حقیقی سے بالفعل خالی، اور حقیقۃً ناقص وفاقد مرتبۂ عالی ہوا۔ آج وجہ معلوم ہوئی کہ یہ طائفۂ تالفہ اپنے آپ کو موحِّد اور اہلِ سنّت کو مشرک کیوں کہتا ہے! اس کے زعم میں اللہ عزّوجلّ کے لیے اِثباتِ کمالاتِ واجبہ للذات شرک ہے؛ کہ لفظِ "وُجوب" جو مشترک ہو جائے گا، اگرچہ وجوب بالذّات ووجوب لذات کا فرق اُس طفلِ مکتب پر بھی مخفی نہیں، جو اربعہ وزَوجیت کی حالت جانتا ہے، ولہٰذا اس فرقۂ ضالّہ نے باتباعِ کرامیہ کمالاتِ الٰہیہ کو مقتضائے ذات نہ ٹھہرایا، توجیسے معتزلہ نے تعددِ قُدماء سے بچنے کو نفیٔ صفات کی، اور اپنا نام اصحاب التوحید رکھا، یونہی اس طائفۂ جدیدہ نے اشتراکِ لفظ "وجوب" سے بھاگنے کو نفیٔ اقتضائے ذات کی، اور اپنا نام موحِّد تراشا۔

تنبیہ نبیہ: جہولِ سفیہ کو جبکہ اس کے استاذ قدیم ابلیس رجیم -علیه اللعن- نے یہ نقصان وتلوّث باری عزّوجلّ کا مہلکہ سکھایا، تو دوسری کتاب اِفصاح الباطل مسمّٰی بہ "ایضاح الحق" میں ترقّیٔ ضلال وشدّتِ نکال کا رَستہ دکھایا، یعنی اس میں بنہایت دریدہ دہنی مسائلِ تنزیہہ وتقدیس باری تعالیٰ عزّوجلّ کو (جن پر تمام اہلِ سنّت کا اِجماعِ قطعی ہے) صاف بدعت حقیقیہ بتایا۔ جری بےباک کی وہ عبارتِ ناپاک یہ ہے: "تنزیہِ اُو تعالیٰ از زمان ومکان وجہت واِثباتِ رؤیت بلاجہت ومحاذات وقول بصدورِ عالَم بر سبیلِ ایجاب واِثباتِ قدیمِ عالم وامثالِ آں ہمہ از قبیل بدعاتِ حقیقیہ است، اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد"(۲) اھ ملخصاً۔
("فتاویٰ رضویہ" ج۲۰، ص۴۳۵)

(۱) ولا تنس ما أشرناك إلیه!. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].
(۲) "ایضاح الحق الصریح" (مترجم اردو) فائدہ اوّل، ان امور کا بیان جو بدعت حقیقیہ میں داخل ہیں، ص۷۷،۷۸۔

اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہ تنزیہیں تقدیسیں کہ اسے زمان ومکان وجہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلاکیف حق ماننا، سب بدعت حقیقیہ ہیں

دیکھو! کیسا بے دھڑک لکھ دیا کہ "اللہ تعالیٰ کی یہ تنزیہیں تقدیسیں کہ اسے زمان ومکان وجہت سے پاک جاننا، اور اس کا دیدار بلاکیف حق ماننا، سب بدعت حقیقیہ ہیں" سچ ہے! جب اللہ تعالیٰ کے لیے ہر عیب والائش کو ممکن ماننا سنت ٹھہری ہے، تو اس عزیز مجید -جل مجدہ- کی تنزیہ وتقدیس آپ ہی بدعت حقیقیہ؛ شریعت وہابیہ ہوگی، وہی حساب ہے! ع

کہ تو ہم ور میان آئی

مشرکین بھی تو دین اسلام کو بدعت بتاتے تھے ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ۖ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾[1] "یہ تو ہم نے سب سے پچھلے دین نصرانیت میں بھی نہ سنی، یہ تو نری نئی گڑھت ہے!"۔

خیر یہاں تک تو نری بدعت ہی بدعت تھی، آگے شراب ضلالت تیز وتند ہو کر اونچی چڑھی، اور نشے کی ترنگ، کیفک امنگ دون پر آکر کفر تک بڑھی، کہ اللہ تعالیٰ کا پاک ومنزہ اور دیدار الٰہی کو بے جہت ومقابلہ ماننے کو مخلوقات کے قدیم جاننے، اور خالق کو بے اختیار ماننے کے ساتھ گنا، اور اسے ان ناپاک مسئلوں کے ساتھ (کہ باجماع مسلمین کفر محض ہیں) ایک حکم میں شریک کیا، اب کیا کہا جائے سوا اس کے کہ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾[2] ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلیّ العظیم! اچھے امام اور اچھے ماموم! ع

مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۳۰۳)

اسمٰعیل دہلوی کی جہالت وضلالت کا بیان اس کی تحریر سے

اقول وباللہ التوفیق: سلیم کیتی کی اور جہالت وضلالت دیکھیے! خود ماننا چاہتا ہے کہ صدق اللہ عزوجل کی صفات کمالیہ سے ہے، حیث قال: "صفت کمال ہمیں ست"[3] ... الخ۔ پھر اسے امر اختیاری جانتا ہے، کہ باری تعالیٰ نے باوجود قدرت عدم، برعایت مصلحت بطور ترجیح اختیار فرمایا۔ اہل سنت کے مذہب میں اللہ تعالیٰ کے کمالات اس کے یا کسی کے قدرت واختیار سے نہیں، بلکہ باقتضائے نفس ذات ہے تو نہ قدرت وارادہ واختیار اس کی ذات پاک کے لیے واجب ولازم ہیں، نہ کہ (معاذ اللہ) وہ اس کی صنعت، یا ان کا عدم اس کے زیر قدرت۔ تمام کتب کلامیہ اس کی تصریح سے مالامال ہیں، وہ احادیث وآثار[4] تمہارے کان تک بھی پہنچے ہوں گے، جن میں کلام الٰہی کو باختیار الٰہی ماننے والا کافر ٹھہرا ہے، اور عجب نہیں کہ بعض ان میں سے میں بھی ذکر کروں!۔

---

(۱) پ ۲۳، صٓ: ۷۔

(۲) پ ۱۹، الشعراء: ۲۲۷۔

(۳) "رسالہ یکروزی" (فارسی) ص ۱۷۔

(٤) خطه مفترًا. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

مجھے یہاں حیرت ہے کہ اس بے باک بدعتی کو کیونکر اِلزام دوں! اگر یہ کہتا ہوں کہ صفاتِ کمالیہ الٰہی کا اختیاری، اور ان کے عدم کا زیرِ قدرتِ باری نہ ہونا ائمۂ اہل سنّت کا مسئلۂ اِجماعی ہے، تو اس نے جیسے اوپر مسائلِ اِجماعیۂ تنزیہ و تقدیس کو بدعتِ حقیقیہ لکھ دیا، یہاں کہتے کون اس کی زبان پکڑتا ہے؟ اکہ "ائمۂ اہل سنّت سب بدعتی تھے"۔ اور اگر یوں دلیل قائم کرتا ہوں، کہ صفتِ کمال کا اختیاری اور اس کے عدم کا زیرِ قدرت ہونا مستلزمِ عیب و منقصت ہے؛ کہ جب کمال اختیاری ہوا کہ چاہے حاصل کیا یا نہ کیا، تو عیب و نقصان بھی رَوا ٹھہرا، اور مولیٰ ﷻ کا موصوف بصفاتِ کمالیہ ہونا کچھ ضروری نہ ہوا، تو یہ اس مشرب کا عین مذہب ہے، وہ صاف لکھ چکا کہ باری عزّوجلّ میں عیب وآلائش کا آنا ممکن ہے، مگر ہاں ان پیَروؤں سے اتنا کہوں گا کہ آنکھ کھول کر دیکھتے جاؤ! کس معتزلی کرامی کو امام جانتے ہو! جو صراحۃً عقائدِ اجماعیۂ اہلِ سنّت وجماعت کو رَدّ کرتا جاتا ہے، پھر یہ کہنا کہ ہم سُنّی ہیں!!۔

تنبیہ نبیہ: حضرت نے صفاتِ کمالیہ باری -جلّ وعلا- کا اختیاری ہونا، کچھ فقط صفت صدق ہی میں نہ لکھا، بلکہ مسئلہ علم الٰہی میں بھی اس کی تصریح کی، کتاب تقویۃ الایمان مسمّٰی بہ "تقویۃ الایمان"، ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

میں صاف لکھ دیا: "غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، کہ جب چاہیے کر لیجیے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے"(۱)۔

حاشاللہ! اللہ تعالی پر صریح بہتان ہے، دیکھو! یہاں کھلم کھلا اقرار کر گیا کہ "اللہ تعالی چاہے تو علم حاصل کر لے، چاہے جاہل رہے"، شاباش بہادر، اچھا ایمان رکھتا ہے خدا پر! اہلِ سنّت کے مذہب میں اَزلاً اَبداً ہر بات کو جاننا ذاتِ پاک کو لازم ہے؛ کہ نہ وہ کسی کے ارادہ واختیار سے ہے، نہ اس کا حاصل ہونا یا زائل ہو جانا کسی کے قابو واقتدار میں ہے۔

پیَروصاحبو! ذرا پیرِ طائفہ کی بدمذہبیاں گنتے جاؤ! اور اپنے امامِ معظّم کے لیے ہم اہلِ سنّت کے امامِ اعظم، ہمامِ اقدم، امام الائمہ، سراج الامّہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد واجب الانقیاد کا تحفہ لو! "فقہِ اکبر" میں فرماتے ہیں: "صفاتُه تعالى في الأزل غيرُ محدَثةٍ، ولا مخلوقٍ، فمَن قال: إنّها مخلوقةٌ أو محدَثةٌ أو وقفَ فيها أو شكَّ فيها، فهو كافرٌ بالله تعالى"(۲) "صفاتِ الٰہی اَزلی ہیں، نہ حادث، نہ کسی کی مخلوق۔ تو جو انہیں مخلوق یا حادث بتائے، یا ان میں تردّد کرے، یا شک لائے، وہ کافر ہے، اور اللہ تعالی کا منکر ہے۔

اقول: وجہ اس کی وہی ہے کہ صفات مقتضائے ذات ہیں، تو ان کا حادث وقابلِ فنا ہونا، ذات کے حُدوث وقابلیتِ فنا کو مستلزم ہے، اور یہ عینِ انکارِ ذات ہے، والعیاذ باللہ ربّ العالمین!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۴۳۷)

---

(۱) "تقویۃ الایمان" الفصل الثانی، ردّ الاشراک فی العلم، ص۱۴۔

(۲) "الفقہ الأکبر" صـ٤.

اللہ کی طرف نسبتِ کذب میں وہابیہ سب سے پیش قدم ہیں

اس وصف میں تمام طوائفِ گمراہان میں طائفۂ وہابیہ، اور طوائفِ وہابیہ میں خاص طائفۂ دیوبندیہ سب سے ممتاز ہیں اور ہوا ہی چاہیں؛ کہ قرآن عظیم فرماتا ہے: "یہ اس کذب کی شامت ہے جو وہ ہمارے کلام کی طرف نسبت کرتے ہیں"، اور اللہ کی طرف نسبتِ کذب میں وہابیہ سب سے پیش قدم ہیں؛ کہ ان کے پیشوا اسماعیل دہلوی صاحب نے "یکروزی" میں اس کی چنائی چُنی، اور وہابیوں میں دیوبندی اس میں اگوا [آگے] ہیں؛ کہ ان کے پیر گنگوہی صاحب نے "براہین" میں اس پر پچّی کاری کی۔ نیز جناب موصوف کی تقلید سے ماشاء اللہ اندھے ہونے میں بھی اس طائفہ کو دنیا بھر کے دِلی اندھوں پر ترجیح ہے، اگر ایک آدھ آنکھ آدھی چوتھائی بھی کھلی ہوتی، تو یہ نہ سوجھتا کہ سیالکوٹی مُلّا تو جس کذب کو یہاں ممکن بالذات کہہ رہے ہیں، اسے نہ صرف ممکن بلکہ واقع بتارہے ہیں، یعنی نفسِ کذب کسی کا ہو، جنگلی کا یا کوہی [پہاڑی] کا، دہلوی کا یا گنگوہی کا، اور اس کے لگ بلکہ روزانہ لاکھوں کروڑوں بار واقع ہونے میں کیا کلام ہے؟! ان کے لفظ دیکھیے کہ "لو كان ممتنعًا لما وقع الكذبُ من أحدٍ". "یعنی جس طرح اجتماعِ نقیضین وارتفاعِ نقیضین اپنی ذات میں مُحال ہیں، یُونہی اگر مطلق جُھوٹ خود اپنی ذات میں محال ہوتا، تو کبھی کوئی شخص جھوٹ نہ بول سکتا، مگر کروڑوں لوگ جُھوٹ بُول رہے ہیں"۔

تو معلوم ہوا کہ جُھوٹ خود اپنی حدِ ذات میں محال نہیں، ہاں جب اسے اللہ تعالی کی طرف نسبت کرو تو ضرور محال ہے؛ کہ ذاتِ الٰہی بالذات مقتضیٔ جملہ کمالات و مُنافیٔ جملہ نقائص ہے، تو اس پر کذب محال بالذات ہے۔ یہ استحالہ جانبِ باری سے بالذات ہوا، کہ اس کی ذات کریم ہر عیب کے مُنافی ہے، مگر مطلق کذب جو کلّیٔ عام شامل ہر کذب اور ہر شخص کے کذب کو تھا، اس فرد کے استحالہ سے اسے بھی ایک استحالہ عارض ہوا، کہ ہر فرد کا حکم طبیعت مِن حیث کی طرف ساری ہوتا ہے، یہ استحالہ مطلق کذب کے حق میں ذاتی نہ ہوا، کہ خود مطلق کذب کی ذات سے پیدا نہ ہوا، بلکہ اللہ عزوجل کی ذات سے۔

بعینہ اس کی مثال وہی اجتماعِ نقیضین ہے، مطلق اجتماع کسی کا ہو، اپنی حدِ ذات میں مُحال نہیں، ورنہ کبھی کوئی دو ۲ چیزیں جمع نہ ہوسکتیں، ہاں نقیضین کا اجتماع مُحال بالذات ہے، کہ ذاتِ نقیضین مُنافیٔ اجتماع ہے، مگر مطلق اجتماع کہ ہر دو ۲ شے کے جمع ہونے کو عام شامل تھا، وہ جو اس مادّۂ خاصّہ میں آکر محال ہوا، تو یہ استحالہ اس کے لیے ذاتی نہیں، بلکہ خصوصِ نقیضین کے باعث ہے، تو مطلق اجتماع کہ ماہیتِ مطلقہ ہے، ضرور ممکن بالذات ہے، بلکہ لاکھوں جگہ موجود ہے، اور اس کے سبب اجتماعِ نقیضین ممکن نہیں ہوسکتا، وہ قطعاً مُحال بالذات ہے۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۱۴۵)

مُلّا سیالکوٹی کی خطا

یونہی مطلق کذب کہ طبیعت مرسلہ ہے، ضرور ممکن بالذات بلکہ ہزاروں جگہ موجود ہے، اس کے سبب (معاذ اللہ) کذبِ باری ممکن نہیں ہوسکتا، وہ یقیناً محال بالذات ہے۔ یہ ہے اس عبارت کی تقریر جس سے اعتراض مُلّا سیالکوٹی صاحب کی تشریح بھی ہوگئی، اور اس سے جواب کی خوب توضیح بھی؛ کہ یہاں کلام کذبِ خاص میں ہے، نہ کہ مطلق طبیعتِ کذب میں، اور کُلّی کا اِمکان اس کے ہر فرد کے اِمکان کو مستلزم نہیں۔ یہاں مُلّا سیالکوٹی کی تو اتنی ہی خطا تھی کہ محلِ نزاع میں فرق نہ کیا، امکان

زو میں بحث تھی، اور لے کر چلے اِمکانِ طبیعت۔ مگر دیو بندی اپنے کفر سے کب باز آتے ہیں؟! وہ اسی کو (معاذ اللہ) اِمکانِ باری پر دلیل بناتے، اور اپنے کفریات ان کے سر منڈھا چاہتے ہیں!۔
بہت خُوب اب دیو بندی سنبھل کر بتائیں! کہ یہ سیالکوٹی تقریر جس طرح تم بتاتے ہو، تمھارے نزدیک حق ہے یا باطل؟ اگر باطل ہے تو کیوں دانستہ اوندھے چلتے، اور ناواقف مسلمانوں کو چھلتے ہو؟! اور حق ہے تو تمھارے ہی منہ ثابت ہوا کہ تم مشرک ہی نہیں بلکہ نِرے بت پرست ہو! کہ اللہ تعالی کو مانتے ہی نہیں، صرف اپنے ساختہ ٹھاکُر کو پُوجتے ہو! یُوں نہ مانو ہم ثابت کر دیں تو سہی! جس تقریر سے اس کا کذب (معاذ اللہ) ممکن ٹھہرایا، بعینہ بلا تفاوُت اسی تقریر سے اس کا شریک بھی ممکن ہے؛ کہ شریک اگر محال ہوتا تو کوئی کسی کا شریک نہ ہو سکتا، تو شریکِ باری اس واسطے سے مُحال ہوگا کہ اس کے کمال کے مُنافی ہے، تو ممتنع بالغیر ہوا، اور امتناع بالغیر اِمکانِ ذاتی کا مُنافی نہیں، بعینہ بلا تفاوُت اسی تقریر سے اس کی موت وفنا بھی ممکن ہے؛ کہ موت محال ہوتی تو کوئی کبھی نہ مرتا، تو موتِ باری اس واسطے محال ہوئی کہ مُنافیٔ کمال ہوئی، تو امتناع بالغیر رہا، تو اس کا مرنا، فنا ہو جانا ممکن بالذات ہوا، تو وہ واجب الوجود نہ ہوا، تو الٰہ نہ ہوا، بلکہ کوئی تمھارا ساختہ ٹھاکُر ہوا! ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾[1].

"شرحِ مَواقف" کی عبارت سے استدلال پر ایک استحالہ

اس عبارت کے جواب کو تو اسی قدر بس ہے، مگر فقیر -بعون القدیر- چاہتا ہے کہ اس بحث کو اعلی درجۂ کمال پر پہنچائے، اور گنگوہی و دیو بندی مکذّبانِ الٰہی نے "مسایرہ" و "شرح مواقف" کی دو ۲ عبارتوں سے جو مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا ہے، ایک ضربتِ حیدری وصَولتِ فاروقی سے اس کی بھی پردہ دَری ہو جائے، وباللہ التّوفیق!.
ان عبارتوں سے استناد اس سے زیادہ پوچ ولچر ہے، جیسا اس عبارت سیالکوٹی سے تھا، مگر اللہ کے مکذّبوں کا مقصودِ مردود تو صرف عوام کو دھوکے دینا، اور یہود کے تلبسوا الحقَّ بالباطل، وتکتموا الحقّ سے پُورا ترکہ لینا ہے، ﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴾[2] ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۲۰۶)

حُسام الحرمَین

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم، نحمده ونصلّي على رسوله الكريم
سلامٌ منّا ورحمةُ الله وبركاتُه على سادتِنا علماء البلد الأمين، وقادتنا كُبراءِ بلدِ سيّدِ المرسَلين صلّی اللہ تعالی وسلّم وبارَك عليه وعليهم أجمعين، وبعد:

---

(۱) پ۱۲، ہود: ۱۸۔
(۲) پ۲۰، نمل: ۲۲۷۔

فإنّ المعروضَ على جنابكم، بعد لَثْمِ أعتابِكم، عرضُ محتاجٍ فقيرٍ، مظلومٍ أسيرٍ، ذي قلبٍ كسيرٍ، على عظماءَ كُرماءَ، أسخياءَ رُحماءَ، يدفع اللهُ بهم البلاءَ والعَناءَ، ويرزق بهم الهَناءَ[1] والعناءَ، أنّ السنّةَ في الهند غريبةٌ، وظلماتُ الفِتَنِ والمحَنِ مُهيبةٌ، قد استعلى الشرّ، واستولى الضرّ[2]، وتفاقم الأمر، فالسُّنّي الصّابر على دِينه كالقابض على الجمر، فوجبَ على ذمّةِ همّةِ أمثالِكم السّادة القادة الكِرامِ إعانةُ الدّين، وإهانةُ المفسِدين؛ إذ ليس بالسُّيُوف فبالأقلام، فالغياثُ[3] الغياث يا خيل الله! يا فُرسانَ عساكرِ رسولِ الله! أمِدُّونا بمُدَّة، وأعِدُّوا لدفع الأعداء عُدَّة، وشُدُّوا عضدَنا في هذه الشدّة، ومن الميسور على قدر المقدور، في إبانة هذه الأمور:

أنّ رجلاً من علماء بلادِنا، الملقّب على لسان عمائدِنا وأسيادِنا، بعالمِ أهلِ السنّةِ والجماعة، وقفَ نفسَه على دِفاعِ تلك الضّلالةِ والشّناعة، فصنّفَ كُتباً، وألّفَ خُطباً، تنوف كتبُه[4] على متين، بل للدِّين زَينٌ وجِلاءٌ[5] الرَّين، منها: شرحٌ علّقه على "المعتقَد المنتقَد" سمّاه "المعتمَد المستَنَد"، وقد تكلّم في مبحثٍ شريفٍ منه على أصولِ البِدَعِ الكفريّة، الشّائعة الآن في الدّيار الهنديّة، نعرض منها ذِكْرَ بعضِ الفِرق بلفظِه؛ ليتشرّفَ منكم بنظرةٍ وتصديق، وتفرح السنّة، ويفرّج عنها كلُّ محنة، بعون التصويب منكم والتحقيق، وتذكرُوا صريحاً أنّ أئمّةَ الضُّلاّل الذين سمّاهم، هل هُم كما قال؟ فمقالُه فيهم بالقبول حقيق؟ أم لا يجوز تكفيرُهم، ولا تحذيرُ العوام عنهم وتنفيرُهم؟ وإن أنكروا ضرورياتِ الدِّين...! وسبُّوا اللهَ ربَّ العالمين...! وسبُّوا رسولَه الأمين المكين...! وطَبَعُوا وأشاعوا كلامَهم المهين...!؛ لأنّهم علماءُ مَولويّة[6]، وإن كانوا من الوهابيّة، فتعظيمُهم واجبٌ في الدِّين؟ وإن

---

(۱) الھنأ کا ہمزہ برائے مناسبت الف ہو گیا [نوری دار الافتاء]۔

(۲) عَناء بالفتح والمدّ: رنج ديدن. غَناء بالفتح والمدّ: فائدة وسود. صراح سیبویہ گفت بعضے ہمزہ مثل "یشاء" را حذف کردہ گویند۔ "حاشیہ فصول ونوادر" ص ۳۲۔

(۳) الضَّرّ، ويُضَمّ لغتان، أو بالفتح مصدرٌ وبالضم اسمٌ ["القاموس المحيط"]. [نوری دار الافتاء]۔

(٤) الغِياث بالكسر إغاثة کا اسم۔ پہلا "أغيثوا" مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ اور دوسرا اظہار تاکید، اور معنی مفعول فیہ، کہ مجھے فریاد کو پہنچنا مراد ہے، تو اس سے پہلے "بَعْدَ" مضاف تھا، جسے حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ (جیسا کہ "سَيْرًا سَيْرًا" کے تحت بشیر الناجیہ، ص ۱۳۲ میں ہے)۔

(٥) تلك عدتُها إذ ذاك، أمّا الآن فقد تافت -ولله الحمد- على أربعمئة اهـ (مصحّحه غفرله [لعلّه النجل الأكبر للمؤلّف الشيخ حامد رضا خان ﷫]).

(٦) الجَلاءُ بالفتح: الخروج من البلد، وجَلا الهمَّ عنه جِلاءً بالكسر: أذهبَه ["القاموس المحيط"].

(٧) أي: هم علماء متخرّجون من المدارس الدينيّة. [الشيواني].

نبيّ الله وسيّدَ المرسلين...! صلّى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه أجمعين، كما تزعمه بعضُ الجهَلة من القاديانيين.

ويا ساداتنا! بيّنوا نصراً لدِين ربّكم، أنّ هؤلاء الذين سمّاهم ونقلَ كلامَهم (وها هو ذا نبذ من كتبهم كـ"الإعجاز الأحمدي"[1]، و"إزالة الأوهام"[2] للقادياني، وصورةُ فُتيا رشيد أحمد الكنكوهي في فُوتُوغرافيا، و"البراهين القاطعة" حقيقةً له، ونسبةً لتلميذه خليل أحمد الأنبهتي، و"حفظ الإيمان"[3] لأشرف علي التانوي، معروضات مضروب بخطوطٍ ممتازةٍ على عباراتها المردودات[4]) هل هُم في كلماتِهم هذه منكِرون لضروريّاتِ الدِّين؟ فإن كانوا، وكانوا كفّاراً مرتدّين، هل يفترض على المسلمين إكفارُهم كسائر منكِري الضروريّاتِ، الذين قال فيهم العلماءُ الثِقات: "مَن شكّ في كفرِه وعذابِه فقد كفر"؟ كما في "الشِّفا"[5] و"البزّازية"[6] و"مجمع الأنهُر"[7] و"الدرّ المختار"[8] وغيرها[9] من الكتب الغرر، ومَن شكّ فيهم، أو وقفَ في تكفيرِهم، أو عظَّمهم، أو نهى عن تحقيرِهم، فما حكمُه في الشّرع المبين؟.

---

(۱) "الإعجاز الأحمدي" لمرزا غلام أحمد بن غلام مرتضى القادياني، مات ١٣٢٦هـ وهو ضميمة لكتابه المسمّى بـ"نزول المسيح".
("نزهة الخواطر" حرف الغين، تحت ر: ٣٦٧، ٨/ ٣٦٢، ٣٦٧، و"روحاني خزائن" التعارف، ١٩/ ٩).

(۲) "إزالة الأوهام" لمرزا غلام أحمد بن غلام مرتضى القادياني، مات ١٣٢٦هـ.
("نزهة الخواطر" حرف الغين، تحت ر: ٣٦٧، ٨/ ٣٦٢، ٣٦٧).

(۳) "حفظ الإيمان" لأشرف علي بن عبد الحقّ الحنفي التّهانوي، توفّي سنة ١٣٦٢هـ، وقد بلغ من العمر ٨٢ سنة، دُفن في "تهانَة بَوَنْ".
("نزهة الخواطر" حرف الألف، تحت ر: ٥٥، ٨/ ٦٥، ٦٨، ومقدّمة "حفظ الإيمان" صـ٨).

(٤) أشارَ به المؤلّفُ إلى الأسلوب القديم في المؤلّفات الهنديّة، أمّا نحن فأتَينا له بأسلوبٍ حديث، وهو جعلُ عباراتِهم بين علامات التنصيص هكذا: " ". [الشّيواني]

(٥) "الشِّفا" القسم ٤، الباب ١ في بيان ما هو في حقه ﷺ... إلخ، الجزء ٢، صـ١٣٤.

(٦) "الفتاوى البزّازية" كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأ، الفصل ١ فيما يكون كفراً من المسلم وما لا يكون، النّوع ١ في المقدّمة، ٦/ ٣٢٢.

(٧) "مجمع الأنهُر" كتاب السّير والجهاد، باب العشر والخراج، فصل، ٢/ ٤٨٢.

(٨) "الدرّ المختار" كتاب الجهاد، باب المرتد، ١٣/ ٤٤.

(٩) انظر: "الدُّرر والغُرر" كتاب الجهاد، باب الوظائف، فصل في الجزية، ١/ ٣٠٠.

لا زِلتُم -بفضل الله- مفيضِين على المسلمين أحكامَ الدِّين، آمين! والصّلاةُ والسّلامُ على سيِّدِ المرسَلين، محمّدٍ وآله وصحبه أجمعين. ("فتاوی رضویہ" ج۲۰، ص۳۲۵)

ترجمہ حُسام الحرمین

بسم الله الرّحمن الرّحيم، نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

سلام ہماری طرف سے، اوراللہ کی رحمت، اوراس کی برکتیں، ہمارے سرداروں، امن والے شہر مکّۂ معظّمہ کے عالموں، اور ہمارے پیشواؤں، سیّد المرسلین ﷺ کے شہر مدینہ طیّبہ کے فاضلوں پر! اللہ تعالی درود وسلام وبرکت نازل کرے ہمارے نبی اور سب انبیاء پر!۔

پھر آپ کی آستانہ بوسی کے بعد آپ کی جناب میں عرض (ایسی عرض جیسے کوئی حاجتمند، بے نوا ستم دیدہ، گرفتار، دل شکستہ، عظمت والے کریموں، سخا والے رحیموں سے عرض کرے، جن کے ذریعہ سے اللہ تعالی بلا ورنج دور فرماتا، اور ان کی برکت سے خوشی وسودمندی بخشتا ہے) یہ ہے، کہ مذہبِ اہل سنّت ہندوستان میں غریب ہے، اور فتنوں اور محنتوں کی تاریکیاں مہیب، شر بلند ہے اور ضرر غالب، اور کام نہایت دشوار۔ تو ان کی اپنے دین پر صبر کرنے والا، ایسا ہے جیسے آگ مُٹھی میں رکھنے والا! تو آپ جیسے سرداروں، پیشواؤں، کریموں کے ذمّۂ ہمت پر مددِ دین اور تذلیلِ مفسدین واجب ہے، جب تلواروں سے نہیں تو قلموں سے سہی۔ فریاد فریاد! اے خدا کے لشکرو! نبی ﷺ کی فوج کے سوارو! ہماری مدد کرو! اور اپنی رَدشائی سے دفعِ دشمناں کے لیے سامان مہیا کرو! اور اِس سختی میں ہمارے بازو کو قوت دو!۔

اور ان اُمور کے ظاہر کرنے میں بقدر قدرت ایک آسان بات یہ ہے، کہ ہمارے شہروں کے علماء سے ایک مرد نے (جو ہمارے سرداروں اور عمائد کی زبان پر لقب: "عالمِ اہلِ سنّت وجماعت" سے ملقّب ہے) اپنی جان کو ان گمراہیوں اور قباحتوں کے دفع میں وقف کر دیا، کتابیں تصنیف کیں، اور بیانات تالیف کیے، اس کی تصنیفیں دو سو ۲۰۰[1] سے زائد ہوئیں، جن سے دین کے لیے زینت اور زنگ کا دُور ہونا ہے۔ ان میں سے "المعتقَد المنتقد" کی شرح "المعتمَد المستند" ہے، اس کی ایک مبحث شریف میں اُن کفری بدعات کے اصول پر کلام کیا ہے، جو آج ہندوستان میں شائع ہو رہی ہیں۔ اس مبحث میں سے ہم بعض فرقوں کا ذکر اسی کی عبارت میں آپ حضرات پر عرض کرتے ہیں؛ تاکہ حضرات کی نگاہ وتصدیق سے مشرّف ہو،

(۱) میں کہتا ہوں: یہ خبر بھی عینِ حیات کی ہے، پوری عمر مبارک کی تصنیفات کا شمار زائد ہے۔ پھر وہ تصنیفات بھی محنت دیگراں کو اپنے خانے میں ڈال لینے کی علّت سے بَری ہیں، خود امام اہل سنّت تحدیث نعمت کے طور پر گویا ہیں: "بعونہ عزّوجلّ فقیر کی عامّہ تصنیفات افکار تازہ سے مملوہوتی ہیں، حتی کے فقہ میں، جہاں مقلّدین کو ابداء اَحکام میں مجالِ دَم زدن نہیں؛ تحديثاً بنعمة الله تعالى" اور اس کی صداقت کے اعتراف واظہار کو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ باعث سعادت جان کر وللارض من كأس الكرام نصيب کی تصویر بارگاہِ امام میں یوں نواسنج ہیں کہ: صدقتَ يا سيِّدي! لا ريبَ فيه؛ إذ كان فضل الله عليك عظيماً، فأسألك من زكاته حظّاً يسيراً! بملازمان سلطان کہ رساند ایں دعا را، کہ بشکر بادشاہی بنواز ایں گدا را"۔ "الکلمۃ الملہمہ" ص۵۵۔[اسرار احمد نوری، ربیع الاخر ۱۴۲۸ھ، اپریل ۲۰۰۷]

...نت شاداں اور مسرور ہو، اور حضرات کی تصحیح و تحقیق کی برکت سے مذہب اہلِ سنت پر سے ہر مشکل دُور ہو۔
اور صاف ذکر فرمایئے کہ وہ سردارانِ گمراہی جن کا ذکر اس مبحث میں کیا ہے، آیا ایسے ہی ہیں جیسا مصنّف نے کہا ہے؟
...ز جو حکم اس میں اس نے لگایا، سزاوارِ قبول ہے؟ یا ان لوگوں کو کافر کہنا جائز نہیں؟ نہ عوام کو ان سے بچانا اور نفرت دلانا رَوا
ہے؟ اگرچہ وہ ضروریاتِ دین کا انکار کریں؟! اور اللہ رب العالمین اور اس کے رسول ﷺ معزز و امین کو بُرا کہیں؟! اور
اپنا یہ اہانت بھرا کلام چھاپیں اور شائع کریں؟! اس لیے کہ وہ عالم و مولوی ہیں، اگرچہ وہابی ہیں؟ تو ان کی تعظیم شرعاً واجب
ہے؟! اگرچہ اللہ و رسول کو گالیاں دیں؟! جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے، جن کے دلوں میں ایمان مستقر نہ ہوا!۔
اور اے ہمارے سردارو! اپنے رب تعالی کے دین کی مدد کو بیان فرمائیے! کہ یہ لوگ جن کا نام مصنّف نے لیا، اور ان
کا کلام نقل کیا (اور ہاں یہ ہیں کچھ ان کی کتابیں، جیسے قادیانی کی "اعجازِ احمدی" اور "ازالۃ الاَوہام" اور "فتوائے رشید احمد گنگوہی"
کا فوٹو، اور "براہینِ قاطعہ" کہ در حقیقت اسی گنگوہی کی ہے، اور نام کے لیے اس کے شاگرد خلیل احمد انبیٹھوی کی طرف نسبت
ہے۔ اور اشرف علی تھانوی کی "حفظ الایمان" کہ ان کتابوں کی عباراتِ مردودہ پر امتیاز کے لیے خط کھینچ دیے گئے ہیں)۔
آیا یہ لوگ اپنی ان باتوں میں ضروریاتِ دین کے منکِر ہیں؟ اگر منکِر ہیں اور مرتد کافر ہیں، تو آیا مسلمان پر فرض ہے کہ
انہیں کافر کہے؟ جیسا کہ تمام منکرانِ ضروریاتِ دین کا حکم ہے! جن کے بارے میں علمائے معتمدین نے فرمایا: "جو ان کے
کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے"۔ جیسا کہ "شِفا" و "بزّازیہ" و "مجمع الانہُر" و "در مختار" وغیرہا روشن کتابوں میں
ہے۔ اور جو اُن میں شک کرے، یا انہیں کافر کہنے میں تامّل کرے، یا اُن کی تعظیم کرے، یا اُن کی تحقیر سے منع کرے، تو
شرع میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ آپ حضرات ہمیشہ فضلِ خدا سے مسلمانوں پر اَحکامِ دین کا اِفاضہ فرماتے رہیں! اور درود
وسلام نازل ہو تمام رسولوں کے سردار محمد ﷺ اور اُن کے آل و اصحاب سب پر!۔
"المعتمَد المستند" میں اوّلاً یہ تحقیق کی، کہ بدعتِ کفریہ والا یعنی ہر وہ شخص کہ دعویٔ اسلام کے ساتھ ضروریاتِ دین
میں سے کسی چیز کا منکِر ہو، یقیناً کافر ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے، اور اس کے جنازے کی نماز پڑھنے، اور اس کے ساتھ
شادی بیاہ کرنے، اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے، اور اس کے پاس بیٹھنے، اور اس سے بات چیت کرنے، اور تمام مُعاملات
میں اس کا حکم بعینہٖ وہی ہے جو مرتدّوں کا حکم ہے۔ جیسا کہ کُتبِ مذہب مثل "ہدایہ" و "غرر" و "ملتقی الابحر" و "در مختار" و "مجمع
الانہُر" و "شرح نُقایہ" برجندی و "فتاویٰ ظہیریہ" و "طریقۂ محمدیہ" و "حدیقۂ ندیہ" و "فتاویٰ عالمگیری" وغیرہا متون و شروح
و فتاویٰ میں تصریح ہے۔
(اس تحقیق کے بعد یہ عبارت لکھی:) اور چاہیے کہ ہم گِنائیں اُن اَشقیاء میں سے بعض فرقے جو ہمارے شہروں اور
زمانہ میں پائے جاتے ہیں؛ اس لیے کہ فتنے سخت صدمہ رساں ہیں، اور ظلمتیں گھنگھور گھٹا کی طرح چھائی ہوئی ہیں، اور
زمانہ کی وہ حالت ہے جیسی صادق و مصدوق ﷺ نے خبر دی تھی، کہ "آدمی صبح کو مسلمان ہوگا اور شام کو کافر، اور شام کو
مسلمان ہے اور صبح کو کافر" (والعیاذ باللہ تعالی)۔ تو ان کافروں کے کُفر پر آگاہی لازم ہے، جو اسلام کے نام کو اپنا پردہ بنائے

ہوئے ہیں، ولا حولَ ولا قوّۃَ إلّا باللہ العظیم!۔

ان میں سے ایک فرقہ مرزائیہ ہے

اور ہم نے ان کا نام غلامیہ رکھا ہے، غلام احمد قادیانی کی طرف نسبت۔ وہ ایک دجّال ہے، جو اس زمانہ میں پیدا ہوا، کہ ابتداءً مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا، اور واللہ! اس نے سچ کہا؛ کہ وہ مسیحِ دجّال کذّاب کا مثیل ہے۔

پھر اُسے اور اونچی چڑھی اور وحی کا ادّعاء کیا، اور واللہ! وہ اس میں بھی سچّا ہے! اس لیئے کہ اللہ تعالی در بارۂ شیاطین فرماتا ہے: "ایک ان کا دوسرے کو وحی کرتا ہے، بناوٹ کی بات دھوکے کی"۔ رہا اس کا اپنی وحی کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا، اور اپنی کتاب "براہینِ غلامیہ" کو اللہ تعالی کی کتاب بتانا، یہ بھی شیطان ہی کی وحی سے ہے کہ "لے مُجھ سے اور نسبت کر رب العالمین کی طرف!"۔

پھر دعویٔ نبوّت ورسالت کی صاف تصریح کر دی، اور لکھ دیا کہ "اللہ وہی ہے جس نے اپنا رسول قادیان میں بھیجا" اور زعم کیا کہ ایک آیت اس پر یہ اتری ہے کہ "ہم نے اُسے قادیان میں اُتارا، اور حق کے ساتھ اُترا" اور زعم کیا کہ وہی وہ احمد ہے جن کی بشارت عیسی علیہ السلام نے دی تھی، اور ان کا یہ قول جو قرآن مجید میں مذکور ہے: "میں بشارت دیتا آیا ہوں اُس رسول کی جو میرے بعد تشریف لانے والے ہیں، جن کا نام پاک احمد ہے" اس سے میں ہی مراد ہوں۔ اور زعم کیا کہ اللہ تعالی نے اس سے کہا ہے کہ اس آیت کا مِصداق تُو ہی ہے، کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے۔

پھر اپنے نفسِ لئیم کو بہت انبیاء ومرسلین -علیہم الصلاۃ والتسلیم- سے افضل بتانا شروع کیا، اور گروہِ انبیاء علیہم السلام سے کلمۃ خدا وروحِ خدا اور رسول خدا عزوجل عیسی علیہ السلام کو تنقیصِ شان کے لیے خاص کر کے کہا: ع

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو! اُس سے بہتر غلام احمد ہے

اور جبکہ اس سے مُواخذہ ہوا کہ تو اپنے آپ کو رسولِ خدا عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل بتاتا ہے، تو وہ عقل کو حیران کر دینے والے معجزے کہاں ہیں، جو عیسی علیہ السلام کیا کرتے تھے؟ جیسے مُردوں کو جِلانا، اور مادر زاد اندھے اور بدن بگڑے کو اچھا کرنا، اور مٹی سے ایک پرند کی صورت بنانا، پھر اس میں پھونک مارنا، اس کا حکمِ خدا عزوجل سے پرندہ ہو جانا؟! تو اس کا یہ جواب دیا کہ "عیسی یہ باتیں مسمریزم سے کرتے تھے (کہ انگریزی میں ایک قسم کے شعبدے کا نام ہے) اور لکھا کہ میں ایسی باتوں کو مکروہ نہ جانتا تو میں بھی کر دکھاتا"۔

اور جب پیشین گوئی کرنے کی عادت اُسے چڑھی ہوئی ہے، اور پیشین گوئیوں میں اس کا جھوٹ نہایت کثرت سے ظاہر ہوتا ہے، تو اپنی اس بیماری کی یہ دوا نکالی کہ "پیشین گوئیاں جھوٹی ہو جانا کچھ نبوّت کے مُنافی نہیں؛ کہ پہلے چار سو ۴۰۰ انبیاء کی پیشین گوئیاں جھوٹی ہو چکی ہیں" اور سب میں زیادہ جس کی پیشین گوئیاں جھوٹی ہوئیں، وہ عیسی ہیں" علیہ السلام۔ اور یونہی شقاوت کی سیڑھیاں چڑھتا گیا، یہاں تک کہ انہیں جھوٹی پیشین گوئیوں میں سے واقعۂ حدیبیہ کو گِنا دیا۔

تو اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جس نے ایذا دی رسول اللہ ﷺ کو! اور اللہ تعالیٰ کی لعنت اس پر جس نے کسی نبی کو ایذا دی! اور اللہ تعالیٰ کی درودیں اور برکتیں اور سلام اس کے انبیاء علیہم السلام پر! اور جبکہ اس نے چاہا کہ مسلمان زبردستی اس کو ابنِ مریم بنا لیں، اور مسلمان اس پر راضی نہ ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل انہوں نے پڑھنا شروع کیے، تو لڑائی کے لیے اٹھا، اور عیسیٰ علیہ السلام میں عیب اور خرابیاں بتانی شروع کیں، یہاں تک کہ اُن کی والدہ ماجدہ تک ترقی کی، جو منزّہ ہیں اور غیر خدا سے بے علاقہ، اور جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی گواہی سے چُنی ہوئی، اور ستھری اور بے عیب ہیں۔ اور تصریح کر دی کہ یہودی جو عیسیٰ اور اُن کی ماں پر طعن کرتے ہیں، اُن کا ہمارے پاس کچھ جواب نہیں، نہ ہم اصلاً ان کا رد کر سکتے ہیں"۔

اور اُن پاک بتول کو اپنی طرف سے اپنے خبیث رسالوں میں جا بجا وہ عیب لگائے، کہ مسلمان پر جن کا نقل کرنا بھی گراں ہے، اور تصریح کر دی کہ "عیسیٰ کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ متعدد دلیلیں اُن کے بُطلانِ نبوت پر قائم ہیں"۔ پھر اس خوف سے کہ تمام مسلمان اس سے نفرت کر جائیں گے، یوں اپنے کفر پر پردہ ڈالا کہ "ہم انہیں صرف اس وجہ سے نبی مانتے ہیں کہ قرآن مجید نے انہیں انبیاء میں شمار کر دیا ہے"۔ پھر پلٹ گیا اور بولا کہ "ان کی نبوت کا ثبوت ممکن نہیں، اور اس کے اس قول میں جیسا کہ دیکھ رہے ہو، قرآنِ مجید کا بھی جھٹلانا ہے؛ کہ اس نے ایسی بات فرمائی جس کے بُطلان پر دلائل قائم ہیں"۔ ان کے سوا اس کے کفریاتِ ملعونہ اور بہت ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کے اور تمام دجّالوں کے شر سے پناہ دے۔

دوسرا فرقہ وہابیہ اَمثالیہ

[وہابیہ اَمثالیہ: یعنی رسول اللہ ﷺ کے چھ ۶ یا سات ۷ مثل موجود ماننے والے]

اور خواتمیہ: [یعنی نبی ﷺ کے سوا اور طبقاتِ زمین میں چھ ۶ خاتم النبیین موجود جاننے والے]

اور ہم سابق میں اُن کے احوال واقوال، اور یہ کہ وہ تھے اور نہ رہے[1] بیان کر چکے ہیں، اور وہ کئی قسم ہیں: (۱) ایک امیریہ امیر حسن وامیر احمد سَہسوانیوں کی طرف منسوب، (۲) اور نذیریہ نذیر حسین دہلوی کی طرف منسوب، (۳) اور قاسمیہ قاسم نانوتوی کی طرف منسوب، جس کی "تحذیر الناس" ہے، اور اس نے اپنے اس رسالہ میں کہا ہے: "بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو، جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"۔ "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے، کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہلِ فہم پر روشن کہ تقدّم یا تأخّرِ زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں" ...الخ۔ حالانکہ "فتاویٰ تتمہ" اور "الاشباہ والنظائر" وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ "اگر محمد ﷺ کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں؛ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا آخر الانبیاء ہونا سب انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریاتِ دین سے ہے"۔

---

(۱) یہاں اشارہ "المعتمد المستند" "الخاتمۃ فی مبحث الایمان"، ص ۳۸۰، ۳۹۱ اور ۳۹۲ کی طرف ہے، جہاں ان کا ذکر ہے۔

اور یہ وہی نانوتوی ہے جسے محمد علی کانپوری ناظم ندوہ نے حکیم امتِ محمدیہ کا لقب دیا۔ پاک ہے اُسے جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتا ہے! ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العليّ العظيم!۔ تو یہ سرکش شیطان کے چیلے باآنکہ اس مصیبتِ کفر میں سب شریک ہیں، آپس میں مختلف رایوں میں پھوٹے ہوئے ہیں، جو شیطان فریب کی راہ سے ان کے دلوں میں ڈالتا ہے اور اُن کی تفصیل متعدد رسالوں میں ہو چکی۔

تیسرا فرقہ وہابیہ کذابیہ

رشید احمد گنگوہی کے پیرو۔ پہلے تو اس نے اپنے پیر طائفہ اسماعیل دہلوی کے اتباع سے اللہ عزّوجلّ پر یہ افتراء باندھا کہ "اس کا جھوٹا ہونا بھی ممکن ہے" اور میں نے اس کا یہ بے ہودہ بکنا ایک مستقل کتاب میں رَد کیا، جس کا نام "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" (۱۳۰۷ھ) رکھا، اور میں نے یہ کتاب بصیغۂ رجسٹری اس کی طرف اور اس پر بھیجی۔ اور بذریعۂ ڈاک اس کے پاس سے رسید آگئی، جسے گیارہ ۱۱ برس ہوئے۔ اور مخالفین تین ۳ برس خبریں اُڑاتے رہے کہ "جواب لکھا جائے گا"، "لکھ گیا"، "چھاپا جائے گا"، "چھپنے کو بھیج دیا"۔ اور اللہ عزّوجلّ اس لیے نہ تھا کہ دغابازوں کے مکر کو راہ دکھاتا! تو وہ نہ کھڑے ہو سکے، نہ کسی سے مدد پانے کے قابل تھے۔ اور اب کہ اللہ تعالی نے اس کی آنکھیں بھی اندھی کر دیں، جس کی [باطن] کی آنکھیں پہلے سے پھوٹ چکی تھیں، تو اب جواب کی امید کہاں؟! اور کیا خاک کے نیچے سے مُردہ جھگڑنے آئے گا!۔

پھر تو ظلم وگمراہی میں اس کا حال یہاں تک بڑھا، کہ اپنے ایک فتوے میں (جو اس کا مُہری دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا، جو بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رَد کے چھپا) صاف لکھ گیا کہ "جو اللہ ﷻ کو بالفعل جھوٹا مانے، اور تصریح کرے کہ (معاذ اللہ تعالی) اللہ تعالی جھوٹ بولا، اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا، تو اُسے کفر بالائے طاق، گمراہی درکنار، فاسق بھی نہ کہو! اس لیے کہ بہت سے امام ایسا ہی کہہ چکے ہیں جیسا اس نے کہا، اور بس نہایتِ کار یہ ہے کہ اس نے تاویل میں خطا کی"۔

لا إله إلّا الله! اللہ عزّوجلّ کے اِمکانِ کذب ماننے کا بُرا انجام دیکھا! کیونکر وقوعِ کذب ماننے کی طرف کھینچ کر لے گیا!۔ یونہی سنتِ الٰہیہ -جل وعلا- چلی آئی ہے اگلوں سے! یہی ہیں وہ جنہیں اللہ تعالی نے بَہرا کیا! اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں! ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العليّ العظيم!.

چوتھا فرقہ وہابیہ شیطانیہ

اور وہ رافضیوں کے فرقۂ شیطانیہ کی طرح ہیں، وہ شیطان الطاق کے پیرو تھے، اور یہ شیطانِ آفاق ابلیسِ لعین کے پیرو ہیں، اور یہ بھی اسی تکذیبِ خدا کرنے والے گنگوہی کے دُم چھلے ہیں؛ کہ اس نے اپنی کتاب "براہینِ قاطعہ" میں تصریح کی (اور خدا کی قسم وہ قطع نہیں کرتی مگر ان چیزوں کو جن کے جوڑنے کا اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے) کہ اُن کے پیر ابلیس کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، اور یہ اس کا بُرا قول خود اس کے بد الفاظ میں ص ۴۷[1]، پر یوں ہے: "شیطان وملک الموت کو یہ

(۱) یہ صفحہ امام احمد رضا رحمہ اللہ کے نسخہ کے مطابق ہے، جبکہ ہمارے پاس موجود نسخہ "براہین قاطعہ" بحث علم غیب میں ص ۵۵ پر یہ عبارت ہے۔

وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالَم کی وسعتِ علم کی کونسی نصِ قطعی ہے، کہ جس سے تمام نصوص کو رَدّ کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ اور اس سے پہلے لکھا کہ "شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصّہ ہے؟!"۔

فریاد اے مسلمانو فریاد! اے وہ جو سیّد المرسلین -صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین وبارک وسلّم- پر ایمان رکھتے ہو! اسے دیکھو! یہ جو دعوی کرتا ہے کہ علم وپختہ کاری میں اُونچے پائے پر ہے، اور ایمان ومعرفت میں یدِ طُولی رکھتا ہے، اور اپنے دُم چھلوں میں قطب اور غوثِ زمانہ کہلاتا ہے، کیسی منہ بھر کے گالی دے رہا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو! اور اپنے پیر ابلیس کی وسعتِ علم پر تو ایمان لاتا ہے، اور وہ جنہیں اللہ عزّوجل نے سکھا دیا جو کچھ وہ نہ جانتے تھے، اور اللہ عزّوجل کا فضل اُن پر عظیم ہے، "جن کے سامنے ہر چیز روشن ہو گئی، اور انہوں نے ہر چیز پہچان لی، اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جان لیا، اور مشرق ومغرب میں جو کچھ ہے سب جان لیا، اور تمام اگلوں پچھلوں کا علم انہیں حاصل ہوا، جیسا کہ ان تمام باتوں پر بکثرت احادیث میں تصریح فرمائی، اُن کی حق میں یوں کہتا ہے کہ "ان کے وسعتِ علم میں کونسی نص ہے؟!"۔ کیا یہ علمِ ابلیس پر ایمان، اور علمِ محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہ ہوا؟!۔

اور بے شک "نسیم الریاض" میں فرمایا: (جیسا کہ اس کا نصِ اصل کتاب میں گزر چکا ہے) کہ جو کسی کا علم حضور اقدس ﷺ کے علم سے زیادہ بتائے، اس نے بے شک حضور اقدس ﷺ کو عیب لگایا، اور حضور کی شان گھٹائی۔ تو وہ گالی دینے والا ہے، اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والے کا ہے، اصلاً فرق نہیں۔ اس میں سے ہم کسی صورت کا استثناء نہیں کرتے، اور ان تمام اَحکام پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اب تک برابر اِجماع چلا آیا ہے۔

پھر میں کہتا ہوں: اللہ کے مُہر کر دینے کے اثر دیکھو! کیونکر انکھیارا اندھا ہو جاتا ہے، اور راہِ حق چھوڑ کر چھٹ ہونا پسند کرتا ہے۔ ابلیس کے لیے تو زمین کے علمِ محیط پر ایمان لاتا ہے! اور جب محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر آیا تو کہتا ہے: "یہ شرک ہے"، حالانکہ شرک تو اسی کا نام ہے کہ اللہ تعالی کے لیے کوئی شریک ٹھہرایا جائے، تو جس چیز کا مخلوق میں سے کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو، تو وہ تمام جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے، یقیناً شرک ہوگا، کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ تو دیکھو! ابلیسِ لعین کا اللہ عزّوجل کے ساتھ شریک ہونے کا کیسا ایمان رکھتا ہے! شرکت تو محمد رسول اللہ ﷺ سے خاص ہے۔

پھر غضبِ الٰہی کا گھٹاٹوپ اس کی آنکھوں پر دیکھو! علمِ محمد ﷺ میں تو نص مانگتا ہے، اور نص پر بھی راضی نہیں جب تک قطعی نہ ہو، اور جب حضور اقدس ﷺ کے علم کی نفی پر آیا، تو خود اسی بحث میں ص ۴۶[1] پر اس ذلت دینے والے کفر سے چھ سطر پہلے ایک باطل روایت کی سند پکڑی، جس کی دین میں بالکل اصل نہیں، اور اُن کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کر دی، جنہوں نے اسے روایت نہ کیا، بلکہ اس کا صاف رَدّ کیا، کہ کہتا ہے: "شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں" حالانکہ شیخ نے "مدارج النبوۃ" میں یوں فرمایا ہے: "یہاں یہ اِشکال پیش کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں

[1] یہ صفحہ امام احمد رضا رحمہ اللہ کے نسخہ کے مطابق ہے، جبکہ ہمارے پاس موجود نسخہ "براہین قاطعہ" بحث علم غیب میں ص ۵۵ پر یہ عبارت ہے۔

آیا ہے کہ نبی ﷺ نے یوں فرمایا: "میں تو ایک بندہ ہوں، اس دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں" اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ قول محض بے اصل ہے، اس کی روایت صحیح نہ ہوئی"۔ دیکھو کیسی ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ سے دلیل لایا، اور ﴿وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ کو چھوڑ گیا!۔ اسی طرح امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: "اس کی کچھ اصل نہیں"۔ اور امام ابن حجر مکی نے "افضل القریٰ" میں فرمایا: "اس کی کوئی سند نہ پہچانی گئی"۔

اور میں نے اس کے یہ دونوں قول یعنی وہ جو اس نے تکذیبِ الٰہی -عزّ جلالہٗ- اور تنقیصِ علمِ رسول اللہ ﷺ کا وبال اپنے سر لیا، اس کے بعض شاگردوں اور مریدوں کے سامنے پیش کیے، تو اس نے میرا اخلاف کیا اور بولا: بھلا ہمارے پیر کہیں ایسے کفر بک سکتے ہیں؟! تو میں نے اسے کتاب دکھائی، اور اس کے کفر کا پردہ کھولا، تو مجبور ہو کر اُسے یہ کہنا پڑا، کہ یہ کتاب میرے پیر کی نہیں، یہ تو اُن کے شاگرد خلیل احمد انبیٹھی کی ہے۔

میں نے کہا: اُس نے اِس پر تقریظ لکھی! اور اِسے کتابِ مستطاب اور تالیفِ نفیس کہا! اور اللہ تعالی سے دُعا کی، کہ اسے قبول کرے! اور کہا: "یہ "براہینِ قاطعہ" اپنے مصنف کی وسعتِ نورِ علم اور فسحتِ ذکاء و فہم و حُسنِ تقریر و بہائے تحریر پر دلیلِ واضح ہے"! تو اُس کا مرید بولا، کہ شاید انہوں نے یہ کتاب ساری نہ دیکھی! کہیں کہیں متفرق جگہ سے کچھ دیکھی! اور اپنے شاگرد کے علم پر بھروسہ کیا!۔

میں نے کہا: یوں نہیں، بلکہ اُس نے اسی تقریظ میں تصریح کی ہے، کہ اُس نے یہ کتاب اوّل سے آخر تک دیکھی۔ بولا: شاید انہوں نے غور سے نہ دیکھی ہوگی!۔

میں نے کہا: ہشت [جھڑکنے کے لیے]! بلکہ اس نے تصریح کی ہے، کہ میں نے اسے بغور دیکھا، اور تقریظ میں اس کی عبارت یہ ہے: "اس احقر الناس رشید احمد گنگوہی نے اس کتابِ مستطاب "براہینِ قاطعہ" کو اوّل سے آخر تک بغور دیکھا" انتہی۔ تو دنگ ہو کر رہ گیا ناحق جھگڑنے والا! اور اللہ تعالی ہٹ دھرموں کا مکر نہیں چلنے دیتا!۔

اللہ تعالی غیب کا جاننے والا ہے، تو اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے

اور اس فرقۂ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں ایک اَور شخص اسی گنگوہی کے دُم چھلوں میں ہے، جسے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں۔ اُس نے ایک چھوٹی سی رَسلیا تصنیف کی، کہ چار ۴ ورق کی بھی نہیں، اور اس میں تصریح کی، کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ ﷺ کو ہے، ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل، بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے۔ اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے: "آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا، اگر بقول زید صحیح ہو، تو دریافت طلب یہ امر ہے، کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں، تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو، بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے -الیٰ قولہ-: اور اگر تمام علومِ غیب مراد ہیں، اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے، تو اس کا بُطلان دلیلِ نقلی و عقلی سے ثابت ہے"۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالی کی مُہر کا اثر دیکھو! یہ شخص کیسی برابری کر رہا ہے رسول اللہ ﷺ اور چنین وچناں میں! اور

بڑی آتی سی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی، کہ زید و عمرو اور اس شیخی بگھارنے والے کے یہ بڑے، جن کا اس نے نام لیا، انہیں
جو کوئی بات معلوم ہوگی بھی، تو محض بطور ظن حاصل ہوگی۔ اُمورِ غیب پر علمِ یقینی تو اَصالۃً خاص انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو ملتا
ہے، اور غیر انبیاء کو جن اُمورِ غیب پر یقین حاصل ہوتا ہے، وہ انبیاء ہی کے بتانے سے ملتا ہے علیہم الصلاۃ والسلام، نہ اَور کسی کے۔ کیا تُو
نے اپنے رب کو نہ دیکھا! کیسا ارشاد فرماتا ہے کہ "اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم کو اپنے غیب پر مطلع کر دے، ہاں اللہ تعالی اس کے
لیے اپنی مشیئت کے مُوافق اپنے رسولوں کو چُنتا ہے"۔ اور اُسی نے فرمایا (عزّت والا وہ فرمانے والا:) "اللہ غیب کا جاننے
والا ہے، تو اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔

دیکھو! اس شخص نے کیسا قرآن عظیم کو چھوڑا! اور ایمان کو رخصت کیا! اور یہ پوچھنے بیٹھا کہ "نبی اور جانور میں کیا فرق
ہے؟" ایسے ہی اللہ مُہر لگا دیتا ہے ہر مغرور بڑے دغاباز کے دل پر!۔

پھر خیال کرو! اس نے کیونکر مطلقِ علم اور علمِ مطلق میں حصر کر دیا؟ اور ایک دو حرف جاننے، اور اُن علموں میں جن
کے لیے حد نہ شمار، کچھ فرق نہ جانا! تو اُس کے نزدیک فضیلت اسی میں منحصر ہوگئی کہ پورا اِحاطہ ہو، اور فضیلت کا سلب واجب
ہوا ہر اس کمال سے جس میں کچھ بھی باقی رہ جائے، تو غیب اور شہادت کی کچھ تخصیص نہ رہی، مطلقِ علم کی فضیلت کا سلب
انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے واجب ہوا، اور علمِ غیب میں جاری ہونے سے مطلقِ علم میں اس کی تقریرِ خبیث کا جاری ہونا زیادہ ظاہر
ہے؛ کہ ہر آدمی و جانور کے لیے بعض اشیاء کا مطلقِ علم حاصل ہونا، انہیں علمِ غیب حاصل ہونے سے زائد روشن ہے۔

پھر میں کہتا ہوں: ہرگز کبھی تُو نہ دیکھے گا کہ کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹائے، اور وہ اُن کے رب جل جلالہ کی تعظیم کرتا
ہو، حاشا خدا کی قسم! اُن کی شان وہی گھٹائے گا جو اُن کے رب جل جلالہ کی شان گھٹاتا ہے! جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے، کہ ظالموں
نے قرارِ واقعی خدا ہی کی قدر نہ پہچانی۔ اس لیے کہ یہ گندی تقریر اگر علمُ اللہ عزوجل میں جاری نہ ہو، تو وہ قدرتِ الٰہی میں بعینہٖ بغیر
کسی تکلف کے جاری ہے۔ جیسے کوئی بے دین جو اللہ جل جلالہ کی قدرتِ عامّہ کا منکِر ہو، اس منکِر سے کہ علمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار رکھتا
ہے، سیکھ کر یوں کہے کہ "اللہ عزوجل کی ذاتِ مقدّسہ پر قدرت کا حکم کیا جانا، اگر بقول مسلمانان صحیح ہو، تو دریافت طلب یہ امر
ہے، کہ اس قدرت سے مراد بعض اشیاء پر قدرت ہے یا کُل اشیاء پر؟ اگر بعض پر قدرت ہونا مراد ہے، تو اس میں اللہ عزوجل کی
کیا تخصیص ہے؟ ایسی قدرت تو زید و عمرو، بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بَہائم کے لیے بھی حاصل ہے!۔ اور اگر کُل اشیاء
پر قدرت مراد ہے، اس طرح کہ اُس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے، تو اس کا بُطلان دلیلِ نقلی و عقلی سے ثابت ہے؛ کہ اشیاء میں
خود ذاتِ باری بھی ہے، اور اُسے خود اپنی ذات پر قدرت نہیں! ورنہ تحتِ قدرت ہو جائے گا، تو ممکن ہو جائے گا، تو واجب
نہ رہے گا، تو اِلٰہ نہ رہے گا!۔

تو بدکاری کو دیکھو! کیسی ایک دوسرے کی طرف کھینچ کے لے جاتی ہے! اور اللہ کی پناہ جو سارے جہان کا مالک ہے!۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ یہ طائفے سب کے سب کافر و مرتد ہیں، باجماعِ امّت اسلام سے خارج ہیں، اور بے شک

"بزازیہ" اور "دُرر" و "غُرر" اور "فتاویٰ خیریّہ" اور "مجمع الانہُر" اور "درّ مختار" وغیرہا معتمَد کتابوں میں ایسے کافروں کے حق میں فرمایا کہ "جو اِن کے کفر وعذاب میں شک کرے، خود کافر ہے"۔ اور "شِفا شریف" میں فرمایا: "ہم اُسے کافر کہتے ہیں جو ایسے کو کافر نہ کہے، جس نے ملّتِ اسلام کے سوا کسی ملّت کا اعتقاد کیا، یا ان کے بارے میں توقّف کرے، یا شک لائے"۔ اور "بحرالرائق" وغیرہ میں فرمایا: "جو بدِ دینوں کی بات کی تحسین کرے، یا کہے کہ کچھ معنی رکھتی ہے، یا اس کلام کے کوئی صحیح معنی ہیں، اگر اُس کہنے والے کی وہ بات کفر تھی، تو یہ جو اُس کی تحسین کرتا ہے، یہ بھی کافر ہو جائے گا"۔

اور امام ابن حجر نے کتاب "الاِعلام" کی اس فصل میں جس میں وہ باتیں گِنائی ہیں، جن کے کفر ہونے پر ہمارے ائمۂ اَعلام کا اتفاق ہے، فرمایا: "جو کفر کی بات کہے وہ کافر ہے، اور جو اُس بات کو اچھا بتائے، یا اُس پر راضی ہو وہ بھی کافر ہے"۔

ہاں ہاں احتیاط احتیاط! اے مٹی اور پانی کے پُتلے! کہ تمام چیزیں جو پسند کی جائیں، دین اُن سب سے زیادہ عزّت والا ہے! اور بے شک کافر کی توقیر نہ کی جائے گی! اور بے شک گمراہی سے بچنا سب سے زیادہ اہم ہے! اور بے شک ایک شَر دوسرے شَر کو نہایت کھینچ لانے والا ہے! اور بے شک جن چیزوں کا انتظار کیا جاتا ہے، اُن سب میں بدتر دجّال ہے، اور بے شک اس کے پَیرو اِن لوگوں کے پَیرؤوں سے بھی بہت زیادہ ہوں گے! اور بے شک اس کے اچنبے ان کے شعبدوں سے زیادہ ظاہر اور بڑے ہوں گے! اور بے شک قیامت سب سے زیادہ دہشت والی! اور سب سے زیادہ کڑوی ہے! تو اللہ کی طرف بھاگو، کہ اَبلا (سیلاب کا پانی) ٹیلوں تک پہونچ گیا! اور نہ بدی سے پھرنا نہ نیکی کی طاقت، مگر اللہ کی توفیق سے!۔

میں نے اس لیے اس مقام میں کلام طویل کیا؛ کہ ان باتوں پر تنبیہ کرنا، ان چیزوں میں تھا جو ہر مہم سے بڑھ کر مہم ہیں! اور اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے! اور کیا اچھا کام بنانے والا! اور سب سے بہتر درود اور سب سے کامل تر تعظیم ہمارے سردار محمد ﷺ اور ان کی تمام آل پر، اور سب خُوبیاں خدا کو، جو مالک سارے جہان کا! یہاں تک "المعتمَد المستند" کا کلام ختم ہوا!۔

یہ ہے وہ جسے ہم نے آپ پر پیش کرنا چاہا! اور آپ کے پاس سے ہر خیر وبرکت کی اُمید ہے! ہمیں جواب اِفادہ کیجیے، اور آپ کے لیے بادشاہِ کثیر العطاء کی طرف سے بہت ثواب ہے! اور درود وسلام رہنمائے حق، اور ان کے آل واصحاب پر، روزِ جزاء وشمار تک!۔

۲۱ ذی الحجہ، یوم پنج شنبہ ۱۳۲۳ھ، مکّۂ مکرمہ میں لکھا گیا، اللہ اُس کا شرف واِعزاز زیادہ کرے، الٰہی ایسا ہی کر!۔

علمائے حرمین شریفین کے فتاویٰ وتصدیقات

یہاں ۳۴ علمائے حرمین شریفین -زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً- کے فتاویٰ وتصدیقات ہیں، جن میں بالاتفاق ان سب کو کافر ومرتَد قرار دیا ہے، اور سیّدنا اعلیٰ حضرت کی مکمل تائید کی ہے۔ "فتاویٰ رضویہ" جلد ۲۰ میں، یا علیحدہ سے مطبوعہ "حسام الحرمین" میں ملاحظہ کریں!۔

خارجی مرتکبِ کبیرہ کو کافر کہتے ہیں، اور نیچری نِری کلمہ گوئی کافی جانتے ہیں

پہلا قول خارجیوں کا ہے، کہ مرتکبِ کبیرہ کو کافر کہتے ہیں، دوسرا نیچریوں کا ہے کہ نِری کلمہ گوئی کافی جانتے ہیں،

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ جو ضروریاتِ دین میں سے کسی شئے کا منکر ہو، یا اللہ عزوجل، یا قرآن عظیم، یا نبی ﷺ، یا کسی نبی یا ملک کی توہین کرے، غرض کوئی قول یا فعل نافی و منافیٔ ایمان، وقطعاً قاطعِ اسلام کرے، وہ کافر ہے، اگرچہ لاکھ کلمہ گو، نمازی روزہ دار ہو۔ اور جو عقیدہ و دین میں مسلم سالم ہے، اگر ایک وقت کی نماز قصداً، یا ایک فرض روزہ عمداً ترک کرے، یا کسی گناہ کا مرتکب ہو، اللہ عزوجل چاہے تو اُس پر عذاب کرے، اور یہ اس کا عدل ہے، چاہے بخش دے اور یہ اس کا فضل ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾[1] "بے شک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا جو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے، اور اس سے نیچے جو کچھ ہے، جسے چاہے مُعاف فرما دیتا ہے"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

("فتاویٰ رضویہ" ج ۱۸، ص ۷۶)

رافضی تبرّائی مطلقاً کافر ہیں

تحقیق مقام و تفصیلِ مرام یہ ہے کہ رافضی تبرّائی جو حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما، خواہ ان میں سے ایک کی شانِ پاک میں گستاخی کرے، اگرچہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام و خلیفۂ برحق نہ مانے، کتبِ معتمدۂ فقہِ حنفی کی تصریحات، اور عامۂ ائمۂ ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج ۲۱، ص ۲۲)

اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کا قائل کافر ہے، اور صحابیتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے

"دُرِّ مختار" مطبوعہ مطبع ہاشمی، صفحہ ۶۴ میں ہے: "اگر ضروریاتِ دین سے کسی چیز کا منکر ہو تو کافر ہے، مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے مانند جسم ہے، یا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا"۔ "طحطاوی حاشیہ دُر" میں ہے: "اور ایسے ہی آپ کی خلافت کا انکار کرنا بھی کفر ہے"۔

جو رافضی حضرت علی کو خلفائے ثلاثہ پر فضیلت دے وہ گمراہ ہے

"فتاویٰ خلاصہ" اور "خزانۃ المفتین" میں ہے: "رافضی اگر مولیٰ علی ۔کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ کو سب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل جانے، تو بدعتی گمراہ ہے، اور اگر خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے"۔

"فتح القدیر شرح ہدایہ" میں ہے: "رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل کہے گمراہ ہے، اور صدیق یا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے"۔

صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا منکر کافر ہے

"وجیز امام کردری" میں ہے: "خلافتِ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر کافر ہے، یہی صحیح ہے، اور خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے، یہی صحیح تر ہے"۔

---

[1] پ۵، النساء: ۴۸و۱۱۶۔

جو اہلِ ہوا و بدعت حدِ کفر تک نہ پہنچا ہو، اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ ہو جائے گی، مگر رافضی، قدری اور مشبِّہ کے پیچھے بالکل نہیں ہوگی

"تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق" میں ہے: "امام مَرغینانی نے فرمایا: بدمذہب بدعتی کے پیچھے نماز ادا ہو جائے گی، اور رافضی وغیرہ کے پیچھے ہوگی ہی نہیں، اور اس کا حاصل یہ ہے، کہ اگر اُس بدمذہبی کے باعث وُہ کافر نہ ہو تو نماز اُس کے پیچھے کراہت کے ساتھ ہو جائے گی، ورنہ نہیں"۔

"فتاویٰ عالمگیریہ" میں اس عبارت کے بعد ہے: "ایسا ہی "تبیین الحقائق" و "خلاصہ" میں ہے، اور یہی صحیح ہے، ایسا ہی "بدائع" میں ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۴۳)

جو شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہے وہ کافر ہے

اسی کی جلد۳، صفحہ ۲۶۴[1] اور "بزّازیہ" جلد۳، صفحہ۳۱۹[2] میں "فتاویٰ خلاصہ" سے ہے: "رافضی تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو (معاذ اللہ) بُرا کہے کافر ہے، اور اگر مولا علی -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ- کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل بتائے تو کافر نہ ہوگا، مگر گمراہ ہے"۔

امامتِ صدیق کے منکِر کا حکم

اسی کے صفحۂ مذکورہ[3] اور "بِرجندی شرح نُقایہ" میں "فتاوی ظہیریّہ" سے ہے: "امامتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر کافر ہے، اور بعض نے کہا، کہ بدمذہب ہے کافر نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ وُہ کافر ہے، اسی طرح خلافتِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی صحیح قول میں کافر ہے"۔

رافضیوں، ناصبیوں اور خارجیوں کو کافر کہنا واجب ہے

وہیں "فتاوی بزّازیہ" سے ہے: "رافضیوں، ناصبیوں اور خارجیوں کو کافر کہنا واجب ہے؛ اس سبب سے کہ وہ امیر المؤمنین عثمان و مولیٰ علی و حضرت طلحہ و حضرت زبیر و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کافر کہتے ہیں"۔

صحابیتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر قولِ اصح پر کافر ہے

"بحر الرائق" میں ہے: "اصح یہ ہے کہ ابوبکر یا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی امامت و خلافت کا منکر کافر ہے"۔

"مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر" میں ہے: "رافضی اگر صرف تفضیلیہ ہو تو بدمذہب ہے، اور اگر خلافتِ صدیق کا منکر ہو تو کافر ہے"۔

---

(۱) یہ صفحہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے کے مطابق ہے، جبکہ ہمارے پاس موجود نسخہ "الھندیة" کتاب السیر، الباب ۹، ۲/ ۲٦٤ پر یہ عبارت ہے۔

(۲) یہ صفحہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے کے مطابق ہے، جبکہ ہمارے پاس موجود نسخہ "البزازیة" کتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ، الفصل ١، نوع فيما يتصل بها مما يجب إكفاره من أهل البدع، ٦/ ٣١٩ پر یہ عبارت ہے۔

(۳) یہ صفحہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے کے مطابق ہے، جبکہ ہمارے پاس موجود نسخہ "الھندیة" کتاب السیر، الباب ۹، ۲/ ۲٦٤ پر یہ عبارت ہے۔

اسی کے صفحہ ۱۳۶[1] میں ہے: "جو شخص ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر ہو کافر ہے۔ یونہی جو اُن کے امامِ برحق ہونے کا انکار کرے، مذہبِ اصح میں کافر ہے، یونہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار قولِ اصح پر کفر ہے"۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۲۴)

وہابیہ مجسّمہ کی بد دینی

صفاتِ متشابہات کے باب میں اہل سنّت کا عقیدہ تو معلوم ہو لیا، کہ ان میں ہمارا حصّہ بس اس قدر ہے کہ اللہ تعالی کی جو کچھ مراد ہے، ہم اس پر ایمان لائے، ظاہر لفظ سے جو معنی ہماری سمجھ میں آتے ہیں، ان سے اللہ تعالی یقیناً پاک ہے، اور مرادِ الٰہی پر ہمیں اطلاع نہیں، لہذا ہم اُن کے معنی کچھ کہہ ہی نہیں سکتے، یا بطورِ تاویل کچھ کہیں بھی تو وہی کہیں گے، جو ہمارے رب کی شانِ قُدّوسی کے لائق، اور آیاتِ محکمات کے مطابق ہوں۔ اور اہل سنّت کو اللہ تعالی نے صراطِ مستقیم عطا فرمائی ہے، وہ ہمیشہ راہِ وسط ہوتی ہے، اس کے دونوں پہلوؤں پر اِفراط وتفریط دو۲ ہولناک مُہلِک گھاٹیاں ہیں، اسی لیے اکثر مسائل میں اہل سنّت دو۲ فرقۂ متناقض کے وسط میں رہتے ہیں، جیسے رافضی ناصبی، یا خارجی مُرجی، یا قَدَری جَبری، یا باطنی ظاہری، یا وہابی بدعتی، یا اسماعیل پرست گور پرست ...وعلی ہذا القیاس۔

اسی طرح یہاں بھی دو۲ فرقۂ باطلہ نکلے، معطّلہ ومشبّہہ۔ معطّلہ جنہیں جہمیہ بھی کہتے ہیں، کہ صفاتِ متشابہات سے یکسر منکر ہی ہو گئے، یہاں تک کہ ان کا پہلا پیشوا جعد بن درہم مردود کہتا کہ "نہ اللہ تعالی نے ابراہیم -علیہ الصلاۃ والتسلیم- کو اپنا خلیل بنایا، نہ موسی کلیم -علیہ الصلاۃ والتسلیم- سے کلام فرمایا"۔ یہ گمراہ لوگ اپنے اِفراط کے باعث ﴿اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾[2] سے بے بہرہ ہوئے۔

ان کی طرفِ نقیض پر انتہائے تفریط میں مشبّہہ آئے، جنہیں حشویہ ومجسّمہ بھی کہتے ہیں، ان خبیثوں نے صاف صاف مان لیا کہ "ہاں اللہ تعالی کے لیے مکان ہے، جسم ہے، جہت ہے"۔ اور جب یہ سب کچھ ہے تو پھر چڑھنا، اُترنا، اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، ٹھہرنا، سب آپ ہی ثابت ہے۔ یہ مردود وہی ہوئے جنہیں قرآن عظیم نے ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾[3] فرمایا، اور گمراہ فتنہ پرداز بتایا تھا۔

وہابیہ ناپاک کو آپ جانیں کہ سب گمراہوں کے فُضلہ خوار ہیں، مختلف بدمذہبوں سے کچھ کچھ عقائدِ ضلالت لے کر اپنا بھرت پورا کیا ہے، یہاں بھی نہ چُوکے، اور ان کے پیشوا اسماعیل نے "صراطِ نامستقیم" میں جو اپنے جاہل پیر کی اللہ تعالی سے دوستانہ ملاقات اور ہاتھ سے ہاتھ ملا کر گڈمارننگ (Good Morning) ثابت کی تھی۔

---

(۱) یہ صفحہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ کے مطابق ہے، جبکہ ہمارے پاس موجود نسخہ "مجمع الأنہر" کتاب السیر والجھاد، باب المرتد، ثمّ إنّ ألفاظ الکفر أنواع، ۲/ ۵۰۷ پر یہ عبارت ہے۔

(۲) پ۳، آل عمران: ۷۔

(۳) پ۳، آل عمران: ۷۔

لہٰذا اس کے بعضے سپوت صاف صاف مجسّمہ مبہوت کا مذہبِ ممقوت مان گئے، اور اس کی جڑ بھی وہی ان کا پیشوا قبیح اپنے رسالہ "ایضاح الحق الصریح" میں جما گیا تھا، کہ اللہ تعالیٰ کو مکان وجہت سے پاک جاننا بدعت وضلالت ہے، جس کے رد میں "کوکبۂ شہابیہ" نے "تحفہ اثنا عشریہ" شاہ عبد العزیز صاحب کی یہ تحریر پیش کی تھی کہ "اہل سنت وجماعت کے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کے لیے مکان نہیں، نہ اس کے لیے فوق یا تحت کوئی جہت ہوسکتی ہے"(1)۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۲۹۳)

اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ماننے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے

اور "بحر الرائق" و"عالمگیری" کی یہ عبارت: "يكفر بإثبات المكان لله تعالى"(2) یعنی "اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ماننے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے"۔ اور فتاوی امام اجل قاضی خاں کی یہ عبارت: "رجل قال: خدائے بر آسمان می داند کہ من چیزے ندارم يكون كفراً؛ لأنّ الله تعالى منزّهٌ عن المكان"(3) یعنی "کسی نے کہا: خدا آسمان پر جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں، کافر ہوگیا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے"۔

انہیں مجسّمہ گستاخ کے تازہ افراخ سے ایک صاحب سہسوانی، بکاسہ لیسی، گمراہ ہزاری، غلام نواب بھوپال، قنوجی انجہانی ازسرنو اس فتنۂ خوابیدہ کے بادی وبانی، اور اس سبّوح قدّوس جلّ جلالہ کی شان میں مدعیٔ عیوبِ جسمی ومکانی ہوئے۔ چہارم محرم الحرام ۱۳۱۸ ہجریۂ قدسیہ کو اس باب، اور انہیں صاحب کے متعلق دو ۲ امرِ دیگر میں فقیر سے استفتاء ہوا، فقیر نے نفسِ حکم بنہایت اجمال لکھ دیا۔ پونے دو مہینے کے بعد بست وششم ۲۶ صفر کو ان کے متعلق ایک پریشان تحریرِ گمراہی وجہالت وسفاہت وضلالت کی بولتی تصویر آئی، ایسے ہذیانات کیا قابلِ التفات! مگر حفظِ عقائدِ عوام ونصرتِ سنّت واسلام کے لحاظ سے یہ چند سطور لوجہ اللہ مسطور ہیں۔ اہلِ حق بنگاہِ انصاف نظر فرمائیں! اور امرِ عقائد میں کسی گمراہ مکّار کے کہنے میں نہ آئیں! وما توفيقي إلّا بالله، عليه توكّلتُ وإليه أنيب!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۲۹۴)

نقل تحریرِ ضلالت تخمیر از نجدی بقیر

﴿ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ﴾ "اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا یا چڑھا یا ٹھہرا"، ان تین ۳ معنی کے سوا اس آیت میں جو کوئی اور معنی کہے گا وہ بدعتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام شریف میں سات ۷ جگہ اس مضمون کو ذکر فرمایا ہے۔ دیکھو "فتح الرحمن ترجمۂ قرآن" شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی، و"تفسیر موضح القرآن" مؤلفہ شاہ عبد القادر صاحب دہلوی، وترجمہ لفظی شاہ رفیع الدّین صاحبِ دہلوی، و"کتاب الأسماء والصفات" بیہقی، و"کتاب العُلُو" امام ذہبی، و"تفسیر ابن کثیر"، و"معالم التنزیل"، و"جامع البیان"، و"مدارک" وغیرہا۔ اور محیط ہونا باری تعالیٰ کا ہر چیز پر فقط از روئے علم ہے، قال تعالیٰ:

---

(۱) "تحفہ اثنا عشریہ" باب پنجم ۵ در الٰہیات، ص۱۴۱۔

(۲) "الهندية" كتاب السّير، الباب۹، ۲/ ۲۵۹. "البحر الرائق" كتاب السّير، باب أحكام المرتدين، ۵/ ۱۲۰.

(۳) "فتاوى قاضي خان" كتاب السّير، باب ما يكون كفراً من المسلم، ۲/ ۸۸٤.

﴿ وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (۱) "اللہ تعالی نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا"۔
احادیث صریحہ صحیحہ سے عرش کا مکانِ الٰہی ہونا ثابت ہے، چنانچہ "بخاری" کی معراج کی حدیث میں فرمایا: "وهو في مكانه" (۲) اور "مشکاۃ" کے باب الاستغفار والتوبہ میں "مسندِ احمد" کی حدیث میں وارد ہے کہ "وعزّتي وجلالي وارتفاع مكاني!" (۳) ...إلخ ہاں جن صفات سے کلامِ شارع ساکت ہے اُن میں سکوت لازم ہے۔
بعض اشخاصِ بریلی نے (جو علم منقول و عقائد اہلِ حق سے بے بہرہ ہیں) اس عقیدۂ صحیحہ کے معتقد کو بزورِ گمراہی گمراہ بنایا ﴿ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ﴾ (۴) ایسے شخص سے اہلِ اسلام کو بچنا چاہیے۔ (انتہی نقل عبارت وہابی)

ضربِ قہاری (۱۳۱۸ھ)

مسلمانو دیکھو! اس گمراہ نے ان چند سُطور میں کیسی کیسی جہالتیں ضلالتیں تناقُض سفاہتیں اللہ و رسول پر اِفتراء، علماء دین پر تہمتیں بھر دی ہیں!۔

نجدی گمراہ کی چند سطری تحریر میں چھ ۶ جہالتوں اور ضلالتوں کا بیان

اوّلاً: اِدّعاء کیا کہ اِستواء علی العرش میں بیٹھنے، چڑھنے، ٹھہرنے کے سوا جو کوئی اَور معنی کہے بدعتی ہے، اور اسی کی سند میں بکمالِ جرأت و بے حیائی اِن نو ۹ کتابوں کے نام گِن دیے۔
ثانیاً ۲: زعم کیا کہ اِحاطۂ الٰہی صرف اَز رُوئے علم ہے، حالانکہ اس مسئلہ کا یہاں کچھ ذکر نہ تھا، مگر اس نے اس بیان سے اپنی وہ گمراہی پالنی چاہی ہے، کہ اللہ تعالی عرش پر ہے، اور عرش کے سوا کہیں نہیں۔
ثالثاً ۳: منہ بھر کر اُس سبّوح قدّوس کو گالی دی، کہ اس کے لیے مکان ثابت ہے، عرش اس کا مکان ہے، اور اس کے ثبوت میں بزورِ زبان دو ۲ حدیثیں نقل کر دیں۔
رابعاً ۴: یہ تین ۳ دعوے تو منطوقِ عبارت تھے، مفہومِ استثناء سے بتایا کہ اِستواء علی العرش کے معنی اللہ تعالی کا عرش پر بیٹھنا، چڑھنا، ٹھہرنا مطابقِ سنّت ہیں۔
خامساً ۵: اپنے معبود کو بٹھانے، چڑھانے، ٹھہرانے ہی پر قناعت نہ کی، بلکہ ان لفظوں کے مفہوم سے کہ جن صفات سے کلامِ شارع ساکت ہے، ان میں سکوت لازم ہے، تمام متشابہات اِستواء کی طرح انہیں مَعانی پر محمول کر لیں، جو اُن کے ظاہر سے مفہوم ہوتے ہیں۔
سادساً ۶: باوصف ان کے اصل دعوٰی یہ ہے، کہ خدا عرش کے سوا کہیں نہیں۔

---

(۱) پ۲۸، طلاق: ۱۲۔
(۲) "صحيح بخاري" كتاب التّوحيد، باب قول الله تعالى وكلّم الله موسى تكليماً، ۲/ ۱۱۲۰.
(۳) "مشكاة المصابيح" باب الاستغفار والتوبة، الفصل ۲، صـ۲۰٤.
(۴) پ۲۷، نجم: ۲۸۔

ہم بھی ان چھ ۶ باتوں کو-بعونہ تعالی-اسی ترتیب پر چھ ۶ تپانچوں سے خبر لیں، اور ساتویں تپانچے میں دو ۲ مسئلہ باقیہ کے متعلق اجمالی گو شمالی کریں، وباللہ التوفیق!۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۴۹۵)

پہلا تپانچہ

گمراہ نے ادّعا کیا، کہ اللہ تعالی کے بیٹھنے، چڑھنے، ٹھہرنے کے سوا جو کوئی اَور معنی اِستواء کے کہے بدعتی ہے، اور اس پہ اُن نو ۹ کتابوں کا حوالہ دیا۔

ضرب اوّل: فقیر نے اگر یہ التزام نہ کیا ہوتا، کہ اس کی گِنائی ہوئی کتابوں سے سند لاؤں گا، تو آپ سیر دیکھتے کہ یہ تپانچہ اس گمراہ کو کیونکر خاک و خون میں لٹاتا! مگر اِجمالاً اقوالِ مذکورہ بالا ہی ملاحظہ ہو جائیں، کہ اس گمراہ نے کس کس امام دین وسنت کو بدعتی بنا دیا: (۱) امام ابوالحسن علی ابن بطال، (۲) امام ابن حجر عسقلانی، (۳) امام ابو طاہر قزوینی، (۴) امام عارف شعرانی، (۵) امام جلال الدین سُیوطی، (۶) امام اسماعیل ضریر، (۷) حتی کہ خود امام اہل سنت سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ توکم ازکم اس ضرب کو سات ۷ ضرب سمجھیے بلکہ تیرہ ۱۳؛ کہ امام نسفی، وامام بیہقی، وامام بغوی، وامام علی بن محمد ابوالحسن طبری، وامام ابوبکر بن فورک، وامام ابو منصور بن ابی ایوب کے اقوال بھی یہی ہیں۔ یہ حضرات بھی اس بدعتی کے طور پر (معاذ اللہ) بدعتی ہوئے۔

صفتِ اِستواء کے معنی ہیں کہ اللہ تعالی کجی سے پاک ہے

پھر امام اہل سنت سے نقل فرمایا: "یعنی بعض ائمۂ اہل سنت نے فرمایا کہ صفتِ اِستواء کے معنی ہیں کہ اللہ تعالی کجی سے پاک ہے"۔

اقول: اس تقدیر پر استواء صفاتِ سلبیہ سے ہوگا، جیسے غنی یعنی کسی کا محتاج نہیں، یونہی مستوی یعنی اس میں کجی او اِعوجاج نہیں، اور اب "علی" ظرفِ مستقر ہوگا، اور اسی عُلوِ مُلک وسلطان کا مفید ہوگا، اور "ثمّ" تراخی فی الذکر کے لیے، کقولہ تعالی: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾[1] وقولہ تعالی: ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾[2] واللہ تعالی أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۴۹۹)

دُوسرا تپانچہ

جاہل بے خرد نے بک دیا کہ "اللہ تعالی کا اِحاطہ فقط اَز رُوئے علم ہے" اس میں اللہ تعالی کی قدرت کا بھی منکر ہوا، اللہ تعالی کی صفتِ بصر سے بھی بے بصر ہوا، اپنی مستندہ کتابوں کا بھی خلاف کیا، خود اپنی بے ہودہ تحریر سے بھی تناقض اختلاف کیا۔ وُجوہ سنیے!

۱ پ۳۰، البلد:۱۷۔
۲ پ۳، آل عمران:۵۹۔

قال اللہ تعالی: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴾[1] "سنتا ہے وہ شک میں ہیں ... رب سے ملنے سے! سنتا ہے خدا ہر چیز کو محیط ہے!"۔

قال اللہ تعالی: ﴿ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴾[2] "اللہ ہر شے کو محیط ہے"۔

قال اللہ تعالی: ﴿ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ ﴾[3] "اللہ ان کے آس پاس سے محیط ہے"۔ ان تینوں آیتوں میں ... تعالی کو محیط بتایا ہے، اِحاطۂ علم کی آیت جُدا ہے ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾[4]

اللہ تعالی کی بصر بھی محیط ہے، قال تعالی: ﴿ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ بَصِیْرٌ ﴾[5] "اللہ تعالی ہر چیز کو دیکھ رہا ہے"۔

اس کا سمع بھی محیطِ اشیاء ہے "كما حققته في منهيات "سبحان السبّوح".

قدرت بھی محیط ہے، قال تعالی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾[6].

خالقیت بھی محیط ہے، قال تعالی: ﴿ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ﴾[7].

مالکیت بھی محیط ہے، قال تعالی: ﴿ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾[8].

اس بے خرد وہابی نے فقط اَز رُوئے علم کہہ کر ان تمام صفاتِ الٰہیہ کے اِحاطہ سے انکار کر دیا، آنکھیں رکھتا ہو، تو سوجھے ... گہری جہالت کی گھٹا ٹوپ اندھیری میں کتنی آیتوں کا رَد کر گیا!۔

بالجملہ اگر مذہبِ متقدمین لیجیے تو ہم ایمان لائے کہ ہمارے مولی تعالی کا علم محیط ہے، جیسا کہ سورۂ طلاق میں فرمایا، اور اِحاطۂ علم کے معنی ہمیں معلوم ہیں کہ ﴿ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ﴾[9]. اور ہمارا مولی عزّوجلّ محیط ہے، جیسا کہ سورۂ نساء، سورۂ فصلت، و سورۂ بُروج میں ارشاد فرمایا، اور اس کا اِحاطہ ہماری عقل سے وراء ہے ﴿ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾[10]۔

اور اگر مسلکِ متاخرین چلیے، تو اللہ تعالی جس طرح اَز رُوئے علم محیط ہے، یونہی اَز رُوئے قدرت، واَز رُوئے سمع،

---

(۱) پ ۲۵، حٰم سجدہ: ۵۴۔

(۲) پ ۵، نساء: ۱۲۶۔

(۳) پ ۳۰، بروج: ۲۰۔

(۴) پ ۲۸، طلاق: ۱۲۔

(۵) پ ۲۹، ملک: ۱۹۔

(۶) پ ۱، بقرہ: ۲۰ و ۱۰۶ و ۱۰۹۔ و پ ۲، ۱۴۸ وغیرہ۔

(۷) پ ۷، انعام: ۱۰۲۔

(۸) پ ۲۳، یٰسٓ: ۸۳۔

(۹) پ ۲۲، سبا: ۳۔

(۱۰) پ ۳، آل عمران: ۷۔

... علی وغیر ذلک۔ تو فقط علم میں اِحاطہ منحصر کر دینا، ان سب صفات وآیات سے منکر ہو...
... بصر، وہاں جہت ملک، وہاں وجہ ... ہے، بے وقوف چند سطر بعد مانے گا، کہ جتنی صفتیں کلامِ شارع میں وارد ہیں، اُن سے سکوت نہ ہوگا، یہاں اِحاطہ ذات سے سکوت کیسا؟ انکار کر گیا! اگر وہابی را حافظہ نباشد، یہ کیسا صریح تناقض ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص...)

تیسرا تپانچہ: اصل تپانچہ قیامت کا تپانچہ جس سے مجسّمی گمراہی کا سُرمہ ہو جائے

یہ مذہب گمراہ نے صاف بک دیا، کہ اس کا معبود مکان رکھتا ہے، عرش پر بستا ہے، تعالی اللّٰہُ عمّا یقول الظالمون علوّاً کبیراً۔

امام بیہقی "کتاب الأسماء والصفات" میں امام اجل ابو عبد اللہ حلیمی سے زیرِ اسم پاک متعالی نقل فرماتے ہیں: "یعنی اسمِ متعالی کے یہ معنی ہیں، کہ اللہ عزّوجلّ اس سے پاک ومنزّہ ہے، کہ جو باتیں مخلوقات پر رَوا ہیں، جیسے جورُو، بیٹا، آلات، اعضا، تخت پر بیٹھنا، پردوں میں چُھپنا، ایک مکان سے دوسرے کی طرف انتقال کرنا (جس طرح چڑھنے، اُترنے، چلنے، ٹھہرنے میں ہوتا ہے) اس پر رَوا ہو سکیں؛ اس لیے کہ ان میں بعض باتوں سے نہایت لازم آئے گی، بعض سے احتیاج، بعض سے تغیر ہوگا، اور ان میں سے کوئی امر اللہ عزّوجلّ کے لائق نہیں، نہ اس کے لیے اِمکان رکھے"۔

کیوں پہچانے تو نہ ہوگے "کتاب الأسماء" کا حوالہ دے کر؟! تُف ہزار تُف وہابیہ مجسّمہ کی بے حیائی پر!۔

باب ما جاء في العرش میں امام سلیمان خطابی علیہ الرحمۃ سے نقل فرماتے ہیں: "مسلمانوں کے اس قول کے کہ "اللہ تعالیٰ عرش پر ہے" یہ معنی نہیں کہ وہ عرش سے لگا ہوا ہے، یا وہ اس کا مکان ہے، یا وہ اس کی کسی جانب میں ٹھہرا ہوا ہے، بلکہ وہ تمام مخلوق سے نرالا ہے، یہ تو ایک خبر ہے کہ شرع میں وارد ہوئی، تو ہم نے مانی اور چگونگی [خاصیت] اس سے دور وسلوب جانی؛ اس لیے کہ اللہ کے مشابہ کوئی چیز نہیں، اور وہی ہے سننے دیکھنے والا"۔

اسی میں یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے طبقاتِ آسمان، پھر ان کے اُوپر عرش، پھر طبقاتِ زمین کا بیان کر کے فرمایا: «والذي نفسُ محمّدٍ بيده! لو أنّكم دليتم أحدَكم بحبل إلى الأرض السابعة لهبطَ على الله ﷻ» ثمّ قرأ رسولُ الله ﷺ: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾[1] "قسم اس کی جس کے دستِ قدرت میں محمد صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی جان ہے! اگر تم کسی کو رسّی کے ذریعہ سے ساتویں زمین تک لٹکاؤ، تو وہاں بھی وہ اللہ ہی تک پہنچے گا" پھر رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ ہی ہے اوّل وآخر وظاہر وباطن"۔

اس حدیث کے بعد امام فرماتے ہیں: "اس حدیث کا پچھلا فقرہ اللہ تعالی سے نفیٔ مکان پر دلالت کرتا ہے، اور یہ کہ بندہ کہیں ہو، اللہ عزّوجلّ سے قُرب وبُعد میں یکساں ہے، اور یہ کہ اللہ ہی ظاہر ہے تو دلائل سے اُسے پہچان سکتے ہیں، اور وہی باطن ہے کسی مکان میں نہیں کہ یوں اسے جان سکیں"۔

(۱) "كتاب الأسماء والصفات" جماع أبواب ذكر الأسماء التي تتبع نفي التشبيه، ۲/ ۱٤٤.

اقول: یعنی اگر عرش اُس کا مکان ہوتا، تو جو ساتویں زمین تک پہنچا وہ اُس سے کمال دُوری و بُعد پر ہوجاتا، نہ کہ وہاں بھی ہی تک پہنچا، اور مکانی چیز کا ایک آن میں دو ۲ مختلف مکان میں موجود ہونا مُحال ہے، اور یہ اس سے بھی شنیع تر ہے، کہ عرش تا فرش تمام مکاناتِ بالا و زیریں دفعۃً اس سے بھرے ہوئے مانو؛ کہ تجزیہ وغیرہ صدہا اِستحالے لازم آنے کے علاوہ (معاذ اللہ) اللہ تعالی کو اسفل و اَدنی کہنا بھی صحیح ہوگا، لاجرم قطعاً یقیناً ایمان لانا پڑے گا، کہ عرش و فرش کچھ اس کا مکان نہیں، نہ عرش میں ہے، نہ ماتحت الثری میں، نہ کسی جگہ میں، ہاں اس کا علم وقدرت وسمع وبصر وملک ہر جگہ ہے، جس طرح امام ترمذی نے "جامع" میں ذکر فرمایا۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۰۴)

حاصلِ دلیل

اقول: حاصلِ دلیل یہ کہ اللہ تعالی کا تمام اَمکنہ زیر و بالا کو بھرے ہونا تو بداہۃً مُحال ہے، ورنہ وہی اِستحالے لازم آئیں، اب اگر مکان بالا میں ہوگا تو اشیاء اس کے نیچے ہوں گی، اور مکانِ زیریں میں ہوا تو اشیاء اُس سے اوپر ہوں گی، اور وسط میں ہوا تو اوپر نیچے دونوں ہوں گی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "نہ اس سے اوپر کچھ ہے نہ نیچے کچھ" تو واجب ہوا کہ مولی تعالی مکان سے پاک ہو!۔

عرش فرش جگہ کو (معاذ اللہ) مکانِ الٰہی کہ و اللہ تعالی اَزل سے اس میں متمکّن تھا، یا اَب متمکّن ہوا، پہلی تقدیر پر وہ مکان بھی اَزلی ٹھہرا، اور کسی مخلوق کو اَزلی ماننا باجماعِ مسلمین کفر ہے۔ دوسری تقدیر پر اللہ تعالی عزّوجلّ میں تغیّر آیا، اور یہ خلافِ شانِ اُلوہیت ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۰۵)

اقول: مکان خواہ بُعدِ مَوہوم ہو یا مجرّد، یا سطحِ حاوی، مکین کو اُس کا محیط ہونا لازم ہے، محیط یا مماسّ بعض شَے مکان یا بعض مکان ہے، نہ مکان شَے، مثلاً ٹوپی کو نہیں کہہ سکتے کہ پہننے والے کا مکان، تم جُوتا پہنے ہو تو یہ نہ کہیں گے کہ تمھارا مکان جُوتے میں ہے، تو عرش اگر (معاذ اللہ) مکانِ الٰہی ہو، لازم کہ اللہ تعالی کو محیط ہو، یہ مُحال ہے، قال اللہ تعالی: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا﴾(۱) "اللہ تعالی عرش و فرش سب کو محیط ہے"، وہ اِحاطہ جو عقل سے وراء ہے، اور اس کی شانِ قُدّوسی کے لائق ہے، اس کا غیر اسے محیط نہیں ہو سکتا۔

نیز لازم کہ اللہ تعالی عرش سے چھوٹا ہو، نیز محدود و محصور ہو۔ ان سب شناعتوں کے بعد جس آیت سے عرش کی مکانیت نکالی تھی، وہی باطل ہو گئی، آیت میں عرش پر فرمایا ہے، اور عرش مکانِ خدا ہو تو خدا عرش کے اندر ہوگا، نہ کہ عرش پر۔

اقول: جب تیرے نزدیک تیرا معبود مکانی ہوا، تو دو ۲ حال سے خالی نہیں: (۱) جزءِ لایتجزّی کے برابر ہوگا، (۲) یا اس سے بڑا۔ (۱) اوّل باطل ہے؛ کہ اس تقدیر پر تیرا معبود ہر چھوٹی چیز سے چھوٹا ہوا، ایک دانہ ریگ کے ہزارویں لاکھویں حصے سے بھی کمتر ہوا۔ نیز اس صورت میں صدہا آیات و احادیث عین ویَد و وَجہ وساق وغیرہا کا انکار ہوگا؛ کہ جب متشابہات ظاہر پر

---

(۱) پ۵، النساء: ۱۲۶۔

محمول ٹھہریں، تو یہاں بھی مَعانیٔ مفہومہ ظاہرہ مراد لینے واجب ہوں گے، اور جزءِ لایتجزّیٰ کے لیے آنکھ، ہاتھ، چہرہ، پاؤں ممکن نہیں۔ اگر کہیے کہ وہ ایک ہی جُزء ان سب اعضاء کے کام دیتا ہے، لہٰذا ان ناموں سے مسمّٰی ہوا، تو یہ بھی باطل ہے؛ کہ اوّلاً: اس کے لیے یہ اشیاء مانی گئی ہیں، نہ یہ کہ وہ خود یہ اشیاء ہے۔

ثانیاً: "بأعيُننا" اور "بل يداه" کا کیا جواب ہوگا؟ کہ جزءِ لایتجزّیٰ میں دو ۲ فرض نہیں کر سکتے، اور "مبسوطتان" تو صراحۃً اس کا ابطال ہے، جوہرِ فرد میں بسط کہاں؟۔

(۲) اور ثانی بھی باطل ہے؛ کہ اس تقدیر پر تیرے معبود کے ٹکڑے ہو سکیں گے، اس میں حصے فرض کر سکیں گے، اور معبودِ حق -عزّ جلالہ- اس سے پاک ہے۔

اقول: جو کسی چیز پر بیٹھا ہو، اس کی تین ۳ ہی صورتیں ممکن ہیں: (۱) یا تو وہ بیٹھک اس کے برابر ہے، (۲) یا اس سے بڑی ہے کہ وہ بیٹھا ہے اور جگہ خالی باقی ہے، (۳) یا چھوٹی ہے کہ وہ پورا اس بیٹھک پر نہ آیا، کچھ حصہ باہر ہے۔ اللہ عزّوجلّ میں یہ تینوں صورتیں مُحال ہیں: (۱) وہ عرش کے برابر ہو تو جتنے حصے عرش میں ہو سکتے ہیں اُس میں بھی ہو سکیں گے؛ (۲) اور چھوٹا ہو تو اُسے خدا کہنے سے عرش کو خدا کہنا اَولیٰ ہے؛ کہ وہ خدا سے بھی بڑا ہے؛ (۳) اور بڑا ہو تو بالفعل حصے متعیّن ہوگئے، کہ خدا کا ایک حصہ عرش سے ملا ہے، اور ایک حصہ باہر ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۰۶)

اقول: خدا اُس عرش سے بھی بڑا بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عاجز ہوا، حالانکہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾(۱) "بے شک اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے"۔ اور اگر ہاں، تو اَب اگر خدا عرش سے چھوٹا نہیں برابر بھی ہو، توجب عرش سے بڑا بنا سکتا ہے، تو اپنے سے بڑا بھی بنا سکتا ہے؛ کہ جب دونوں برابر ہیں تو جو عرش سے بڑا ہے، خدا سے بھی بڑا ہے، اور اگر خدا عرش سے بڑا ہے تو غیر متناہی بڑا نہیں ہو سکتا؛ کہ لا تناهي أبعاد دلائلِ قاطعة سے باطل ہے، لاجَرم بقدرِ متناہی بڑا ہوگا، خدا عرش سے دُونا فرض کیجیے، اب عرش سے سَوائی، ڈیوڑھی، پون دُگنی، تگنی مقداروں کو پوچھتے جائیے، کہ خدا ان کے بنانے پر قادر ہے یا نہیں؟ جہاں انکار کرو گے خدا کو عاجز کہو گے! اور اقرار کرتے جاؤ گے تو وہی مصیبت آڑے آئے گی، کہ خدا اپنے سے بڑا بنا سکتا ہے!۔

اقول: یہ تو ضرور ہے کہ خدا جب عرش پر بیٹھے تو عرش سے بڑا ہو، ورنہ خدا اور مخلوق برابر ہو جائیں گے، یا مخلوق اس سے بڑی ٹھہرے گی، اور جب وہ بیٹھنے والا اپنی بیٹھک سے بڑا ہے، تو قطعاً اس پر پورا نہیں آسکتا، جتنا بڑا ہے اتنا حصہ باہر رہے گا، تو اس میں دو ۲ حصے ہوئے: ایک عرش سے لگا اور ایک الگ۔ اب سوال ہوگا کہ یہ دونوں حصے خدا ہیں؟ یا جتنا عرش سے لگا ہے وہی خدا ہے؟ باہر والا خدائی سے جُدا ہے؟ یا اس کا عکس ہے؟ یا اُن میں کوئی خدا نہیں؟ بلکہ دونوں کا مجموعہ خدا ہے؟۔

(۱) پہلی تقدیر پر دو ۲ خدا لازم آئیں گے۔

---

(۱) پ۱، البقرۃ: ۲۰ و۱۰۶ و۱۰۹ و۱۴۸، وغیرہ۔

(۲) دوسری پر خدا اور عرش برابر ہو گئے؛ کہ خدا تو اتنے ہی کا نام رہا جو عرش سے ملا ہوا ہے۔
(۳) تیسری تقدیر پر خدا عرش پر نہ بیٹھا؛ کہ جو خدا ہے وہ الگ ہے، اور جو لگا ہے وہ خدا نہیں۔
(۴) چوتھی پر عرش خدا کا مکان نہ ہوا، کہ وہ اگر مکان ہے تو اُتنے ٹکڑے کا جو اُس سے ملا ہے اور وہ خدا نہیں۔

قول: جو مکانی ہے اور جزء لایتجزی کے برابر نہیں، اسے مقدار سے مَفر نہیں، اور مقدار غیر متناہی بالفعل باطل ہے، اور مقدار متناہی کے افراد نامتناہی ہیں، اور شخصِ معیّن کو اُن میں سے کوئی قدرِ معیّن ہی عارض ہوگی، تو لاجرم تیرا معبود ایک مقدارِ محدود پر ہوا، اس تخصیص کو علّت سے چارہ نہیں۔ مثلاً کروڑ گز کا ہے، تو دو ۲ کروڑ کا کیوں نہ ہوا؟ دو ۲ کروڑ کا ہے، تو کروڑ کیوں نہ ہوا؟ اس تخصیص کی علّت تیرا معبود آپ ہی ہے یا اس کا غیر؟ اگر غیر ہے جب تو سچا خدا وہی ہے جس نے تیرے معبود کو اتنے یا اتنے گز کا بنایا! اور اگر خود ہی ہو، تاہم بہرحال اس کا حادث ہونا لازم ہے؛ کہ اُمورِ مُتساویۃُ النسبۃ میں ایک کی ترجیح ارادے پر موقوف ہے، اور ہر مخلوق بالارادہ حادث ہے، تو وہ مقدارِ مخصوص حادث ہوئی، اور مقداری کا وجود بے مقدار کے محال ہے، تو تیرا معبود حادث ہوا! اور تقدُّم الشيء علی نفسه کا لُزوم علاوہ ہے!۔

قول: ہر مقدارِ متناہی قابلِ زیادت ہے، تو تیرے معبود سے بڑا، اور اس کے بڑے سے بڑا ممکن ہے۔

قول: جہاتِ فوق وتحت دو ۲ مفہوم اضافی ہیں، ایک کا وجود بے دوسرے کے مُحال ہے، ہر بچہ جانتا ہے کہ کسی چیز کو اوپر نہیں کہہ سکتے، جب تک دوسری چیز نیچی نہ ہو، اور اَزل میں اللہ عزّوجلّ کے سوا کچھ نہ تھا۔ "صحیح بخاری شریف" میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «كان اللهُ تعالى، ولم يكن شيءٌ غيره»[1] "اللہ تعالیٰ تھا، اور اس کے سوا کچھ نہ تھا"۔

تو ازل میں اللہ عزّوجلّ کا فوق یا تحت ہونا مُحال ہے، اور جب اَزل میں محال تھا تو ہمیشہ مُحال رہے گا؛ ورنہ اللہ عزّوجلّ کے ساتھ حوادث کا قیام لازم آئے گا، اور یہ مُحال ہے۔ "کتاب الاسماء والصفات" میں امام ابو عبد اللہ حلیمی سے ہے: "إذا قيل الله العزيز، فإنّما يُراد به الاعترافُ له بالقِدم، الذي لا يتهيّأ معه تغيُّره عمّا لم يزَل عليه من القدرة والقوة، وذلك عائدٌ إلى تنزيهه تعالى عمّا يجوز على المصنوعين لأعراضهم بالحُدوث في أنفسِهم بالحوادث، أن تصيبَهم وتغيّرَهم"[2]. ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۰۷)

شیخ نجدی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں علامہ شامی کا بیان

خاتمۃ المحققین مولانا امین الملۃ والدّین سیّدی محمد بن عابدین شامی -قدّس سرّہ السّامی- "ردّ المحتار علی الدّر المختار" کی جلد ثالث کتاب الجہاد، باب البُغاۃ میں زیرِ بیانِ خوارج فرماتے ہیں: "كما وقع في زماننا في أتباع

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب بدءِ الخلق، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿وهو الذي يبدأ الخلق﴾ ...إلخ، ۱/ ۴۵۳.
(۲) "كتاب الأسماء والصفات" جُماع أبواب ذكر الأسماء التي تتبع نفي التشبيه ...إلخ، ۱/ ۷۱.

عبد الوهّاب، الذين خرجوا من نجد وتغلّبوا على الحرمَين، وكانو ينتحلون مذهبَ الحنابلة، لكنهم اعتقدوا أنهم هُم المسلمون، وأنّ مَن خالَف اعتقادَهم مشركون، واستباحوا بذلك قتلَ أهل السنّة وقتل علمائهم، حتّى كسر اللهُ تعالى شَوكتَهم، وخرب بلادَهم وظفرَ بهم عساكرَ المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومئتين وألف"[1] والحمد لله ربّ العالمين! ﴿وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّلِمِينَ﴾[2].

علامہ سیّدی احمد زینی دَحلان مکی کا وہابیہ کے بارے میں مفصّل تبصرہ

امام العلماء سیّد سند، شیخ الاسلام بالبلد الحرام، سیّدی احمد زینی دَحلان مکی -قدّس سرّہ الملکی- نے اپنی کتاب مستطاب "دُرر سنیّہ" میں اس طائفۂ بے باک اور اس کے امامِ سفّاک کے اعمال کا حال، عقائد کا ضلال، خاتمہ کا وبال، قدرے مفصّل تحریر فرمایا، اور بیس ۲۰ حدیثوں میں حضور اقدس ﷺ، اور حضرت امیر المؤمنین امام المتقین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، و حضرت امیر المؤمنین مولی المسلمین سیّدنا علی مرتضی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- کا اس طائفۂ تالفہ کے ظہورِ پُر شرور کی طرف ایماء واِشعار فرمانا بتایا۔ ان بعض حدیثوں، اور ان سے زائد کی تفصیل فقیر کے رسالہ "النهي الأكيد" میں مذکور ہے، یہاں اس کتاب مستطاب ہادیٔ صواب سے چند حرف اس مقام کے متعلق نقل کرنا منظور ہے۔

شیخ سلیمان رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا، کہ یہ گروہِ وہابیہ اپنے پیرؤوں کے سوا کسی کو موحِّد نہیں جانتے، محمد بن عبد الوہاب نے یہ نیا مذہب نکالا، اس کے بھائی شیخ سلیمان رحمہ اللہ کہ اہلِ علم سے تھے، اس پر ہر فعل وقول میں سخت انکار فرماتے، ایک دن اس سے کہا: اسلام کے رکن کے ہیں؟ بولا: پانچ ۵، فرمایا: تُو نے چھ ۶ کر دیئے، چھٹا ۶ یہ کہ جو تیری پیروی نہ کرے وہ مسلمان نہیں، یہ تیرے نزدیک اسلام کا رُکن ششم ۶ ہے۔

اَور ایک صاحب نے اس سے پوچھا: اللہ تعالی رمضان شریف میں کتنے بندے ہر رات آزاد فرماتا ہے؟ بولا: ایک لاکھ، اور پچھلی (آخری) شب اتنے کہ سارے مہینے میں آزاد فرمائے تھے۔ اُن صاحب نے کہا: تیرے پیرو تو اس کے سویں حصہ کو بھی نہ پہنچے، وہ کون مسلمان ہیں جنہیں اللہ تعالی رمضان میں آزاد فرماتا ہے؟ تیرے نزدیک تو بس تُو اور تیرے پیرو ہی مسلمان ہیں!۔ اس کے جواب میں حیران ہو کر رہ گیا کافر!!۔

اَور ایک شخص نے اس سے کہا: یہ دِین کہ تو لایا، نبی کریم ﷺ سے متّصل ہے یا منفصِل؟ بولا: خود میرے اساتذہ اور اُن کے اساتذہ چھ سَو برس تک سب مشرک تھے، کہا: تو تیرا دین منفصِل ہوا، متّصل تو نہ ہوا! پھر تُو نے کس سے سیکھا؟ بولا: مجھے خضر کی طرح اِلہامی وحی ہوئی۔

اور اس کی خباثتوں سے ایک یہ ہے، کہ ایک نابینا متقی خوش آواز مؤذّن کو منع کیا، کہ منارہ پر اذان کے بعد صلاۃ نہ پڑھ

---

(۱) "ردّ المحتار" كتاب الجهاد، باب البغاة، ۳/ ۳۰۹.
(۲) پ ۱۲، ہود: ۴۴۔

...نے نہ مانا، اور حضور اقدس ﷺ پر صلاۃ پڑھی، اِس نے اُن کے قتل کا حکم دے کر شہید کرا دیا؛ کہ رنڈی کی ...اُنہوں کے گھر سِتار بجانے والی اتنی گنہگار نہیں، جتنا منارہ پر باآواز بلند نبی ﷺ پر درود بھیجنے والا ہے۔

...چوکری، اس کے پیروؤں کو کتبِ فقہ دیکھنے سے منع کرتا، فقہ کی بہت سی کتابیں جَلا دیں، اور انہیں اجازت دی کہ ہر شخص اپنی سمجھ اور اپنے ...کے مُوافق قرآن کے معنی گڑھ لیا کرے، یہاں تک کہ کمینہ سا کمینہ، کُودن سا کودن [احمق سے احمق] اس کے پیروؤں کا۔ تو ان ...شخص ایسا ہی کرتا، اگرچہ قرآن عظیم کی ایک آیت بھی نہ یاد ہوتی، جو محض ناخواندہ تھا وہ پڑھے ہوئے سے کہتا کہ تو مجھے پڑھ ...کرسُنا، میں اس کی تفسیر بیان کروں، وہ پڑھتا اور یہ معنی گڑھتا۔

پھر انہیں تفسیر ہی کرنے کی اجازت نہ دی، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی حکم کیا کہ قرآن کے جو معنی تمھاری اپنی اٹکل میں ...ئیں، انہیں پر عمل کرو! اور انہیں پر مقدمات میں حکم دو! اور انہیں کتابوں کے حکم اور اماموں کے ارشاد سے مقدّم سمجھو! ائمۂ ...ردکے بہت سے اقوال کو محض ہیچ وپوچ بتاتا، اور کبھی تقیہ کر جاتا اور کہتا کہ امام تو حق پر تھے، مگر یہ علماء جو اُن کے مقلّد تھے، اور ...چاروں مذہب میں کتابیں تصنیف کرگئے، اور ان مذاہب کی تحقیق وتلخیص کو گزرے، یہ سب گمراہ تھے اور اَوروں کو گمراہ کر گئے۔

اور کبھی کہتا: شریعت تو ایک ہے، ان فقہاء کو کیا ہوا کہ اس کے چار ۴ مذہب کر دیئے! یہ قرآن وحدیث موجود ہیں، ہم تو انہی پر عمل کریں گے، مشرق میں اس کے مذہبِ جدید نے ۱۱۴۳ھ سے ظہور کیا، اور یہ فتنۂ عظیم فتنوں سے ہوا، جب کوئی ...شخص خوشی سے خواہ جبراً وہابیوں کے مذہب میں آنا چاہتا، اس سے پہلے کلمہ پڑھواتے، پھر کہتے: خود اپنے اوپر گواہی دے کہ ...اب تک تو کافر تھا، اور اپنے ماں باپ پر گواہی دے کہ وہ کافر مرے، اور اکابر ائمۂ سلَف سے ایک جماعت کے نام لے کر کہتے، ...کہ ان پر گواہی دے کہ یہ سب کافر تھے، پھر اگر اس نے گواہیاں دے لیں جب تو مقبول، ورنہ مقتول۔ اگر ذرا انکار کیا مروا ...ڈالتے، اور صاف کہتے کہ چھ ۶۰۰ سو برس سے ساری اُمّت کافر ہے۔

اوّل اس کی تصریح اسی ابن عبدالوہاب نے کی، پھر سارے وہابی یہی کہنے لگے۔ وہ ائمہ کے مذہب اور علماء کے اقوال پر ...طعن کرتا، اور براہِ تقیہ جھوٹ فریب سے حنبلی ہونے کا اِدّعاء رکھتا، حالانکہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اس سے بَرِی وبیزار ہیں۔ اور ...اس سے عجیب تر یہ کہ اس کے نائب جو ہر جاہل سے بدتر جاہل ہوتے، انہیں لکھ بھیجتا کہ اپنی سمجھ کے موافق اجتہاد کرو! اور ان ...کتابوں کی طرف منہ پھیر کر نہ دیکھو! کہ ان میں حق وباطل سب کچھ ہے۔ اس کے ساتھ لامذہب تھے، اس کے کہنے کے ...مطابق آپ مجتہد بنتے، اور بظاہر جاہلوں کے دھوکا دینے کو مذہب امام احمد کی ڈھال رکھتے، یہ چال ڈھال دیکھ کر مشرق ومغرب ...کے علمائے جمیع مذاہب اس کے رد پر کمربستہ ہوئے۔

اس کی بُری باتوں سے یہ بھی ہے، کہ حضور پُر نور سیّد عالم ﷺ کے میلاد شریف پڑھنے، اور اذان کے بعد مناروں پر ...حضور والا ﷺ پر صلاۃ بھیجنے، اور نماز کے بعد دعا مانگنے کو ناجائز بتایا، اور انبیاء واولیاء سے توسّل کرنے والوں کو صراحۃً کافر ...کہتا، اور علمِ فقہ سے انکار رکھتا، اور اسے بدعت کہا کرتا۔ انتہی ملتقطاً ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۹۶)

ہندی وہابیوں کے عقائد وہی ہیں جو نجدی وہابیوں کے ہیں
جو کچھ نجدی امام نے کہا وہی کچھ ان کے امام ہندی نے لکھ دیا

مسلمان دیکھیں! کہ بعینہ یہی عقیدے ان ہندی وہابیوں کے ہیں! پھر ان کے ہندی امام نے اسی نجدی امام کی "کتاب التوحید صغیر" سے سیکھ کر کفر مسلمین پر وہ چمکتی دلیل لکھی، کہ صاف صاف خود اپنے اور اپنے ہم مشربوں سب کے کُفر پر مُہر کر دی، یعنی حدیث "صحیح مسلم" سے نقل کر کے بے دھڑک زمانۂ موجودہ پر جما دی، جس میں حضور پُرنور سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "زمانہ فنا نہ ہوگا، جب تک لات و عُزی کی پھر پرستش نہ ہو، اور وہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا، جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اُٹھالے گی۔ جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان ہوگا انتقال کرے گا، جب زمین میں نِرے کافر رہ جائیں گے، پھر بتوں کی پرستش جاری ہو جائے گی"۔

اس حدیث کو (اسمٰعیل دہلوی نے) نقل کر کے صاف لکھ دیا: "سو پیغمبرِ خدا کے فرمانے کے موافق ہوا"[1] إنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون! بدحواس کو اتنا نہ سوجھا کہ اگر وہ یہی زمانہ ہے، جس کی اس حدیث میں خبر ہے، تو واجب کہ روئے زمین پر مسلمان کا نام و نشان نہ رہا، بھلے مانس! اب تُو اور تیرے ساتھی نجد و ہند کے سارے وہابی گرفتارِ خرابی! کہاں بچ کر جاتے ہیں؟! کیا تمھارا طائفہ کہیں دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستا ہے؟! تم سب بدتر سے بدتر کافروں میں ہوئے، جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان نہیں، اور دین کفار کی طرف پھر کر بتوں کی پوجا میں ڈوبے ہوئے ہیں، سچ آیا حدیثِ مصطفی ﷺ کا ارشاد کہ «حبُّكَ الشيءَ يُعمِي ويصم»[2] "کسی شَے سے تیری محبت، تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

شرک کی محبت نے اس کفر دوست کو ایسا اندھا بہرا کر دیا، کہ خود اپنے کفر کا اِقرار کر بیٹھا، مطلب تو یہ ہے کہ کسی طرح تمام مسلمان (معاذ اللہ) مشرک ٹھہریں، اگرچہ برائے شگون کو اپنا ہی چہرہ ہموار سہی ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾[3] "اللہ تعالی یونہی مُہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر!"۔

وہابی صاحبو! اپنے پیشواؤں کی تصریحیں دیکھتے جاؤ! صدہا سال کے علماء و اولیاء و مقبولانِ خدا کو رافضی خارجی کہتے شرماؤ! اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو! کہ تم بزورِ زبان و بہتان دوسروں پر تبرّا [لعنت] بھیجتے ہو! مگر ہند و نجد کے سارے وہابی اپنے ہندی و نجدی اماموں کی تصریح، اور وہ دونوں امام معنوی عوام خود اپنے اِقراراتِ صریح سے کافر بے ایمان، مشرک بت پرست، شرابِ کفر سے مخمور و بدمست ہیں ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾[4] "مار ایسی ہی

---

(1) "تقویۃ الایمان" الفصل ۴، ص ۳۰۔

(2) "سُنن أبي داود" كتاب الأدب، باب في الهوى، ۲/ ۳۴۳. "مسند الإمام أحمد" مرويات أبي الدّرداء، ۵/ ۱۹۴. "كنز العمّال" ر: ۴۴۱۰۴، ۱۶/ ۱۱۵.

(3) پ ۲۵، غافر: ۳۵۔

(4) پ ۲۹، قلم: ۳۳۔

...اور بے شک آخرت کی مار سب سے بڑی ہے، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے"۔
...سے ظاہر ہوا کہ لقب رافضی و خارجی کے مستحق بھی یہی حضرات ہیں: کہ چاروں ائمۂ کرام اور ان کے سب
...سے تبرا کرتے ہیں، اور تصریحاً و تلویحاً سب پر تبرا بھیجتے ہیں، بخلاف اہل سنت: کہ سب کو امام اہل سنت جانتے، اور
...میں عقیدت رکھتے ہیں، سب کے مقلدوں کو رُشد و ہدایت پر مانتے ہیں۔ طُرفہ یہ کہ زید بے چارہ رافضیوں پر
...کے نہ ماننے کا الزام رکھتا ہے، حالانکہ اس کا امام مذہب خود حضرات انبیاء علیہم السلام کو ماننا بھی حرام و شرک بتاتا
...اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" جہال خراب میں صاف لکھتا ہے کہ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان!"[1]۔ اسی میں کہتا ہے:
...اللہ صاحب نے قول و قرار لیا، کہ کسی کو میرے سوا نہ مانیو!"[2]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۵۹۸)

منکرین ختم نبوت کے کفر میں شک کرنے والا خود کافر ہے

[3] یہ طائفہ خارجیہ جن سے سوال ہے: اگر معلوم ہو کہ حضور پُر نور خاتم الانبیاء والمرسلین۔ صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم
...کے خاتم ہونے کو صرف بعض انبیاء سے مخصوص کرتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے روزِ بعثت سے جب یا اب یا کبھی
...زمانے میں کوئی نبوت، اگرچہ ایک ہی، اگرچہ غیر تشریعی، اگرچہ کسی اَور طبقۂ زمین، یا کُنج آسمان میں، اگرچہ کسی اَور نوع
...زمانی میں واقع مانتا ہے، یا باوصفِ اعتقادِ عدمِ وُقوع محض بطورِ احتمالِ شرعی وامکان وُقوعی جائز جانتا ہے، یا یہ بھی سہی مگر جائز
...ماننے والوں کو مسلمان کہتا ہے، یا طوائفِ ملعونہ مذکورہ، خواہ ان کے کبراء یا نظراء کی تکفیر سے باز رہتا ہے، تو ان سب
...صورتوں میں یہ طائفہ حائفہ خود بھی قطعاً یقیناً اجماعاً ضرورۃً مثلِ طوائفِ مذکورہ قادیانیہ و قاسمیہ وامیریہ ونذیریہ۔ وأمثالھم
...منھم اللہ تعالی۔ کافر و مرتد ملعونِ اَبد ہے، ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾[4] کہ ضروریاتِ دین کا جس طرح انکار کفر
...ہے، یونہی ان میں شک وشبہہ اور احتمالِ خلاف ماننا بھی کفر ہے، یونہی ان کے منکر یا ان میں شاکّ [شک کرنے والے] کو
...مسلمان کہنا، اسے کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔
...ان لعنتی اقوال، نجس ترّاز اَبوال کے رَد میں اَواخرِ صدی گزشتہ میں بکثرت رسائل ومسائل علمائے عرب وعجم طبع ہو چکے،
...اور ناپاک فتنے غارِ مذلت میں گر کر قعرِ جہنم کو پہنچے، والحمد للہ ربّ العالمین! اس طائفہ جدیدہ کو اگر طوائفِ طریدہ کی حمایت
...سوجھے گی، تو اللہ واحد قہّار کا لشکر جرّار، اسے بھی اس کی سزائے کردار پہنچانے کو موجود ہے، قال تعالی: ﴿ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾[5]۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۳۶)

---

[1] "تقویۃ الایمان" الفصل ۱، ص ۱۲۔
[2] "تقویۃ الایمان" الفصل ۱، ص ۱۲۔
[3] اس سے قبل لفظ النبیین پر بحث ہے۔
[4] پ ۱۰، توبہ: ۳۰۔
[5] پ ۲۹، مرسلات: ۱۶ تا ۱۹۔

جو کہے کہ حرمتِ خمر قرآن سے ثابت نہیں، وہ کافر ہے

اور اگر اس طائفہ جدیدہ کی نسبت وہ تجویز واحتمالِ نبوت، یا عدمِ تکفیرِ منکرانِ ختمِ نبوت معلوم نہ بھی ہو، نہ اس کا خلاف ثابت ہو، تو اس کا آیۂ کریمہ میں اِفادۂ اِستغراق سے انکار، اور ارادۂ بعض پر اِصرار، کیا اسے حکمِ کفر سے بچالے گا؟! کہ وہ صراحۃً آیۂ کریمہ اس تفسیرِ قطعی یقینی اجماعی ایمانی کا منکر ومبطِل ہے، جو خود حضور پُر نور ﷺ نے ارشاد فرمائی، اور جس پر تمام اُمت مرحومہ نے اِجماع کیا، اور بنقلِ متواتر ضروریاتِ دین سے ہو کر ہم تک آئی۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ شراب کی حرمت قرآن عظیم سے ثابت نہیں، ائمۂ دین فرماتے ہیں: "وہ کافر ہوگیا"، اگرچہ اس کے کلام میں حُرمتِ خمر کا انکار نہ تھا، نہ تحریمِ خمر کا ثبوت صرف قرآن عظیم پر موقوف ہے؛ کہ اس کی تحریم میں احادیثِ متواترہ بھی موجود ہیں، اور کچھ نہ ہو تو خود اس کی حرمت ضروریاتِ دین سے ہے، اور ضروریاتِ دین خصوصِ نصوص کے محتاج نہیں رہتے۔

بعینہٖ یہی حالت یہاں بھی ہے، کہ اگرچہ بعثتِ محمد رسول اللہ ﷺ سے ہمیشہ کے لیے دروازۂ نبوت بند ہو جانا، اور اس وقت سے ہمیشہ تک، کبھی کسی وقت، کسی جگہ، کسی صنف میں، کسی طرح کی نبوت نہ ہو سکنا، کچھ اس آیۂ کریمہ ہی پر موقوف نہیں، بلکہ اس کے ثبوت میں قاہر وباہر، متوافر ومتظافر، متکاثر ومتواتر حدیثیں موجود ہیں، اور کچھ نہ ہو تو بحمد اللہ تعالی مسئلہ خود ضروریاتِ دین سے ہے، مگر آیت کے معنی متواتر، مجمع علیہ، قطعی ضروری کا انکار، اس پر کفر ثابت کرے گا، اگرچہ اس کے کلام میں صراحۃً نفسِ مسئلہ کا انکار نہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۹)

مرزاغلام احمد قادیانی کے کفریات

کفر اوّل: مرزا کا ایک رسالہ ہے، جس کا نام "ایک غلطی کا ازالہ" ہے، اس کے صفحہ ۶۷۳ پر لکھتا ہے: "میں احمد ہوں جو آیت ﴿مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ میں مراد ہے"[1]۔ آیۂ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ "سیدنا مسیح ربانی عیسی بن مریم روح اللہ -علیہما الصلاۃ والسلام- نے بنی اسرائیل سے فرمایا، کہ مجھے اللہ تعالی نے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، توریت کی تصدیق کرتا ہوا، اور اس رسول کی خوشخبری سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لانے والا ہے، جس کا نام پاک احمد ہے ﷺ"۔ "اِزالہ" کے قولِ ملعون مذکور میں صراحۃً ادّعاء ہوا، کہ وہ رسول پاک جن کی جلوہ اَفروزی کا مژدہ حضرت مسیح لائے (معاذ اللہ) وہ مرزا قادیانی ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۴۴)

کفر دوم۲: "توضیح مَرام": "میں محدث ہوں، اور محدث[2] بھی ایک معنی سے نبی ہوتا

---

(۱) دیکھیے: "روحانی خزائن" "ازالۂ اوہام حصہ دوم، ۳/۴۴۳۔

(۲) لا إله إلّا الله، لقد كذب عدوُّ الله أيّها المسلمون! سیّد المحدثین امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں، کہ انہیں کے واسطے حدیث محدثین آئی، انہیں کے صدقے میں ہم نے اس پر اطلاع پائی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قد كان فيما مضى قبلكم من الأمم ناسٌ محدثون؛ فإن يكن في أمّتي منهم أحدٌ، فإنّه عمرُ بن الخطّاب» رواه أحمد، والبخاري عن أبي هريرة، وأحمد، ومسلم، والترمذي، والنّسائي عن أمّ المؤمنين الصديقة رضي الله عنها. ترجمہ: "اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے

ہے"[1]۔

کفرسوم ۳: "دافع البلاء": "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"[2]۔

کفرچہارم ۴: "براہین احمدیہ" "میں اس عاجز کا نام امّتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی۔

ان اقوالِ خبیثہ میں اوّلاً کلامِ الٰہی کے معنی میں صریح تحریف کی، کہ (معاذاللہ) آیۂ کریمہ میں یہ شخص مراد ہے، نہ کہ حضور ﷺ۔

ثانیاً: نبی اللہ ورسول اللہ وکلمۃ اللہ عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام پر اِفتراء کیا، وہ اس کی بشارت دینے کو اپنا تشریف لانا بیان فرماتے تھے۔

ثالثاً: اللہ تعالی پر اِفتراء کیا کہ اُس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اس شخص کی بشارت دینے کے لیے بھیجا، اور اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾[3] "بے شک جو لوگ اللہ عزّوجلّ پر جھوٹ بہتان اُٹھاتے ہیں، فلاح نہ پائیں گے"۔ اور فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾[4] "ایسے اِفتراء وہی باندھتے ہیں جو بے ایمان کافر ہیں"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۴۵، ۴۶)

رابعاً: اپنی گڑھی ہوئی کتاب "براہینِ غلامیہ" کو اللہ کا کلام ٹھہرایا، کہ خدائے تعالی نے "براہینِ احمدیہ" میں یوں فرمایا۔ اور اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾[5] "خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھیں پھر کہہ دیں: یہ اللہ کے پاس سے ہے؛ تاکہ اس کے بدلے کچھ ذلیل قیمت حاصل کریں، سو خرابی ہے ان کے لیے ان کے لکھے ہاتھوں سے! اور خرابی ہے ان کے لیے اس کمائی سے!"۔

=

تھے، یعنی فراستِ صادقہ والہامِ حق والے، اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہوگا، تو وہ ضرور عمر بن خطاب ہے"۔

فاروقِ اعظم نے نبوت کے کوئی معنی نہ پائے، صرف ارشاد آیا: «لو كان بعدي نبي، لكان عمر بن الخطاب» رواه أحمد، والترمذي، والحاكم عن عقبة بن عامر، والطّبراني في "الكبير" عن عصمة بن مالك ﷺ. ترجمہ: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو ضرور عمر ہوتا"۔ مگر پنجاب کا مُحدَثِ حادِث کہ حقیقۃً نہ مُحدِّث ہے نہ مُحدَّث، یہ ضرور ایک معنی پر نبی ہوگیا!! ألا لعنة الله على الكاذبين، والعياذ بالله ربّ العالمين!.

(۱) "توضیح المرام" ص۱۶۔

(۲) "دافع البلاء" ص۳۶۔

(۳) پ۱۴، النحل: ۱۱۶۔

(۴) پ۱۴، النحل: ۱۰۵۔

(۵) پ۱، البقرۃ: ۷۹۔

ان سب سے قطع نظر ان کلماتِ ملعونہ میں صراحۃً اپنے لیے نبوت و رسالت کا اِدّعائے قبیحہ ہے، اور وہ باجماعِ قطعی کفرِ صریح ہے۔ فقیر نے رسالہ "جزاءُ اللہ عدوّہ بإبائه ختم النبوّة" (۱۳۱۷ھ) میں ثابت کیا، کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین ماننا، ان کے زمانہ میں خواہ ان کے بعد، کسی نبیٔ جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرضِ اجل و جزءِ ایقان ہے، ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (۱) نصِ قطعی قرآن ہے، اس کا منکر، نہ منکر بلکہ شک کرنے والا، نہ شاک، کہ ادنیٰ ضعیف احتمالِ خفیف سے توہّمِ خلاف رکھنے والا، قطعاً اجماعاً کافر ملعون مخلّد فی النّیران ہے۔ نہ ایسا کہ وہی کافر ہو، بلکہ جو اس کے اس عقیدۂ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے، وہ بھی کافر ہے۔ جو اس کے کافر ہونے میں شک و تردُّد کو راہ دے، وہ بھی کافر بیّنُ الکفر جلی الکفران ہے۔

قول دُوم ۲ و سوم ۳ میں شاید وہ یا اس کے اَذناب آج کل کے بعض شیاطین سے سیکھ کر تاویل کی آڑ لیں، کہ یہاں نبی و رسول سے معنیٔ لُغوی مراد ہیں، یعنی خبر دار، یا خبر دہندہ، اور فرستادہ، مگر یہ محض ہوَس ہے!۔

کفر پنجم ۵: "دافع البلاء" ص ۱۰ پر حضرت مسیح علیہ السلام سے اپنی برتری کا اظہار کیا ہے (۲)۔

کفر ششم ۶: اسی رسالے کے صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو   اس سے بہتر غلام احمد ہے (۳)

کفر ہفتم ۷: "اشتہار معیار الاخیار" میں لکھا ہے: میں بعض نبیوں سے بھی افضل ہوں۔

یہ اِدّعاء بھی باجماعِ قطعی کفر وار تدادِ یقینی ہیں، فقیر نے اپنے فتوی مسمّٰی بہ "ردّ الرفضۃ" میں "شفا شریف" امام قاضی عیاض، و "روضہ" امام نووی، و "ارشاد الساری" امام قسطلانی، و "شرح عقائد نسفی" و "شرح مقاصد" امام تفتازانی، و "اعلام" امام ابن حجر مکی، و "منح الروض" علامہ قاری، و "طریقۂ محمدیہ" علامہ برکوی، و "حدیقۂ ندیہ" مولیٰ نابلسی وغیرہا کتبِ کثیرہ کے نصوص سے ثابت کیا ہے، کہ باجماعِ مسلمین کوئی ولی، کوئی غوث، کوئی صدیق بھی کسی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ جو ایسا کہے قطعاً اجماعاً کافر ملحِد ہے۔

("فتاوی رضویہ" ج ۲۲، ص ۵۱)

کفر ہشتم ۸: "اِزالہ" صفحہ ۳۰۹ پر حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے معجزات کو (جن کا ذکر خداوند تعالیٰ بطورِ احسان فرماتا ہے) مسمریزم لکھ کر کہتا ہے: "اگر میں اس قسم کے معجزات کو مکروہ نہ جانتا، تو ابن مریم سے کم نہ رہتا" (۴)۔ یہ کفر متعدد کفروں کا خمیرہ ہے: معجزات کو مسمریزم کہنا ایک کفر، کہ اس تقدیر پر وہ معجزہ نہ ہوئے، بلکہ (معاذ اللہ) ایک کسبی کرشمے ٹھہرے، اگلے کافروں نے

(۱) پ ۲۲، الاحزاب: ۴۰۔
(۲) "دافع البلاء" ص ۳۰۔
(۳) "دافع البلاء" ص ۳۰۔
(۴) "ازالۂ اوہام" ص ۱۱۶۔

بھی ایسا ہی کہا تھا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴾[1] "جب فرمایا اللہ سبحانہ نے: اے مریم کے بیٹے! یاد کر میری نعمتیں اپنے اُوپر اور اپنی ماں پر! جب میں نے پاک روح سے تجھے قوت بخشی! لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں! اور پکی عمر کا ہو کر! اور جب میں نے تجھے سکھایا لکھنا اور علم کی تحقیقی باتیں! اور توریت اور انجیل! اور جب تو بناتا مٹی سے پرندکی سی شکل میری پروانگی سے! پھر تو اس میں پھونکتا تو وہ پرند ہو جاتی میرے حکم سے!۔ اور تو چنگا کرتا مادر زاد اندھے، اور سفید داغ والے کو میری اجازت سے! اور جب تو قبروں سے جیتا نکالتا مُردوں کو میرے اذن سے! اور جب میں نے یہود کو تجھ سے روکا! جب تو اُن کے پاس یہ روشن معجزے لے کر آیا، تو اُن میں کے کافر بولے: یہ تو نہیں مگر کھلا جادو!"۔

مسمریزم بتایا، یا جادو کہا، بات ایک ہی ہوئی، یعنی الٰہی معجزے نہیں، کسبی ڈھکوسلے ہیں۔ ایسے ہی منکروں کے خیالِ ضلال کو حضرت مسیح کلمۃ اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدہ وعلیہ وسلم- نے بار بار بتاکید رَد فرما دیا تھا، اپنے معجزات مذکورہ ارشاد کرنے سے پہلے فرمایا: ﴿ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾[2] "میں تمھارے پاس رب کی طرف سے معجزے لایا، کہ میں مٹی سے پرند بناتا ہوں، اور پھونک مار کر اسے جلاتا ہوں، اور اَندھے اور بدن بگڑے کو شفا دیتا ہوں، اور خدا کے حکم سے مُردے جِلاتا ہوں، اور جو کچھ گھر سے کھا کر آؤ، اور جو کچھ گھر میں اُٹھا رکھو، وہ سب تمہیں بتاتا ہوں"۔

اور اس کے بعد فرمایا: ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾[3] "بے شک ان میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لاؤ!"۔ پھر مکرّر فرمایا: ﴿ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴾[4] "میں تمھارے رب کے پاس سے معجزہ لایا ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا حکم مانو!"۔ مگر جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رب کی نہ مانے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیوں ماننے لگا؟! یہاں تو اسے صاف گنجائش ہے کہ: اپنی بڑائی سبھی کرتے ہیں ؏

کس نہ گوید کہ دوغ من ترش ست

پھر ان معجزات کو مکروہ جاننا دوسرا کفر، یہ کہ کراہت اگر اس بنا پر ہے، کہ وہ فی نفسہٖ مذموم کام تھے، جب تو کفر ظاہر ہے،

(1) پ۷، مائدہ:۱۱۰۔
(2) پ۳، آلِ عمران:۴۹۔
(3) پ۲۱، لقمان:۴۹۔
(4) پ۲۱، لقمان:۵۰۔

قال الله تعالى: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾[1] "یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی"۔ اور اسی فضیلت کے بیان میں ارشاد ہوا: ﴿وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾[2] "اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزے دیے، اور جبرئیل سے اس کی تائید فرمائی"۔

اور اگر اس بِنا پر ہے کہ وہ کام اگرچہ فضیلت کے تھے، مگر میرے منصبِ اعلیٰ کے لائق نہیں، تو یہ وہی نبی پر اپنی تفضیل ہے، ہر طرح کفر وارتدادِ قطعی سے مَفر نہیں، پھر ان کلماتِ شیطانیہ میں مسیح کلمۃ اللہ -صلی الله تعالی علی سیّدہ وعلیہ وسلّم- کی تحقیر تیسرا کفر ہے، اور ایسی ہی تحقیر اس کلامِ ملعون کفر شُشم ۶ میں تھی، اور سب سے بڑھ کر اس کفر نہم ۹ میں ہے، کہ "اِزالہ" صفحہ ۱۶۱ پر حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت لکھا: "بوجہِ مسمریزم کے عمل کرنے کے تنویرِ باطن اور توحید اور دینی استقامت میں کم درجے پر، بلکہ قریب ناکام رہے"[3]۔ إنّا لله وإنّا إليه رجعون! ألا لعنةُ الله على أعداء أنبياء الله! وصلّ الله تعالى على أنبيائه وبارك وسلّم. ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۵۳)

ہر نبی کی تحقیر مطلقاً کفرِ قطعی ہے

ہر نبی کی تحقیر مطلقاً کفرِ قطعی ہے (جس کی تفصیل سے "شفا شریف" و"شُروحِ شفا، و"سیفِ مسلول" امام تقی الملّۃ والدّین سبکی، و"روضہ" امام نووی، و"وجیز" امام کَردری، و"اِعلام" امام حجر مکی وغیرہا تصانیفِ ائمۂ کرام کے دفتر گونج رہے ہیں) نہ کہ نبی بھی کون؟ نبی مرسَل! نہ کہ مرسَل بھی کیسا؟ مرسَل اُولو العزم! نہ کہ تحقیر بھی کتنی؟ کہ مسمریزم کے سبب نورِ باطن، نہ نورِ باطن بلکہ دینی استقامت، نہ دینی استقامت بلکہ نفسِ توحید میں کم درجہ، بلکہ ناکام رہے۔ اس ملعون قول -لعن الله قائلَه وقابلَه- نے اُولو العزمی ورسالت ونبوّت درکنار، اس عبد اللہ وکلمۃ اللہ وروح اللہ -علیہ صلاۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ وتحیات اللہ- کے نفسِ ایمان میں کلام کر دیا، اس کا جواب ہمارے ہاتھ میں کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾[4] "بے شک جو لوگ اِیذاء دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ نے لعنت کی دنیا وآخرت میں، اور ان کے لیے تیار کر رکھا ہے ذِلّت کا عذاب"۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۵۳)

کفر دہم ۱۰: "اِزالہ" صفحہ ۶۲۹ پر لکھتا ہے: "ایک زمانے میں چار سَو ۴۰۰ نبیوں کی پیشگوئی غلط[5] ہوئی، اور وہ

(۱) پ۳، بقرہ: ۲۵۳۔

(۲) پ۳، بقرہ: ۲۵۳۔

(۳) "ازالہ اوہام" ص۱۱۶۔

(۴) پ۲۲، احزاب: ۵۷۔

(۵) یہ اس کی پیش بندی ہے، کہ یہ کذّاب اپنی بڑ میں ہمیشہ پیشگوئیاں ہانکتا رہتا ہے، اور بعنایتِ الٰہی وہ آئے دن جھوٹی پڑا کرتی ہیں، تو یہاں یہ بتانا چاہتا ہے، کہ پیشگوئی غلط پڑنی، کچھ شانِ نبوّت کے خلاف نہیں، (معاذ اللہ) اگلے انبیاء میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ (۱۲ منہ بر غلم)

بھونے"[1]۔ یہ صراحۃً انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی تکذیب ہے، عام اقوامِ کفار ۔لعنهم الله۔ کا کفر حضرت عزّت ۔عزّ جلالہ۔ نے یونہی تو بیان فرمایا: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ﴾[2] "نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا"۔ ﴿كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ﴾[3] "عاد نے رسولوں کو جھٹلایا"۔ ﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ﴾[4] "ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا"۔ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ﴾[5] "لُوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا"۔ ﴿كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ﴾[6] "بَن والوں نے رسولوں کو جھٹلایا"۔

ظالم نے چار سَو ۴۰۰ کہہ کر گمان کیا کہ اس نے باقی انبیاء کو تکذیب سے بچا لیا، حالانکہ یہی آیتیں جوابھی تلاوت کی گئی ہیں، شہادت دے رہی ہیں کہ اس نے آدم نبی اللہ سے محمد رسول اللہ تک، تمام انبیائے کرام ۔علیہم أفضل الصلاة والسلام۔ کو کاذب کہہ دیا؛ کہ ایک رسول کی تکذیب، تمام مرسَلین کی تکذیب ہے۔

دیکھو! قومِ نُوح وہُود وصالح ولُوط وشعیب علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنے ایک ہی نبی کی تکذیب کی تھی، مگر قرآن نے فرمایا: "قومِ نوح نے سب رسولوں کی تکذیب کی"، "عاد نے کُل پیغمبروں کو جھٹلایا"، "ثمود نے جمیع انبیاء کو کاذِب کہا"، قوم لوط نے تمام رسُل کو جھوٹا بتایا"، "أیکہ (مدیَن سے قریب شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم) والوں نے سارے نبیوں کو دروغ گو کہا"۔ یونہی واللہ! اس قائل نے نہ صرف چار سَو ۴۰۰، بلکہ جملہ انبیاء ومرسَلین کو کذّاب مانا! فلعن اللهُ مَن كذّب أحداً من أنبيائه، وصلّى الله تعالى على أنبيائه ورُسُله والمؤمنين بهم أجمعين، وجعلنا منهم، وحشرَنا فيهم، وأدخلَنا معهم دارَ النعيم، بجاهِهم عنده، وبرحمتِه بهم، ورحمتِهم بِنا، إنّه أرحمُ الرّاحمين، والحمد لله ربّ العالمين!.

طبرانی "معجم کبیر" میں وَبر حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إنّي أشهَدُ عددَ ترابِ الدّنيا: أنّ مسَيلمة كذّابٌ»[7] ترجمہ: "بے شک میں ذرّہ ہائے خاک تمام دنیا کے برابر گواہی دیتا ہوں، کہ مسَیلمہ (جس نے زمانۂ اقدس میں ادّعائے نبوّت کیا تھا) کذّاب ہے"۔

وأنا أشهد معك يا رسولَ الله! اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالَم پناہ کا یہ ادنیٰ کتّا بعدد وانہائے ریگ وستارہائے آسمان گواہی دیتا ہے، اور میرے ساتھ تمام ملائکۂ سماوات وارض، وحاملانِ عرش گواہ ہیں، اور خود عرشِ عظیم کا مالک گواہ ہے ﴿وَكَفَى

(1) "ازالہ اَوہام": ص ۶۳۴۔
(2) پ۱۹، شعراء: ۱۰۵۔
(3) پ۱۹، شعراء: ۱۲۳۔
(4) پ۱۹، شعراء: ۱۴۱۔
(5) پ۱۹، شعراء: ۱۶۰۔
(6) پ۱۹، شعراء: ۱۷۶۔
(7) "المعجم الكبير" ر: ۴۱۲، ۲۲/ ۱۵۳۔

بِاللّٰہِ شَہِیْدًا﴿(۱) کہ ان اقوالِ مذکورہ کا قائل بے باک کافر مرتد ناپاک ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۵۵)

مرزا قادیانی یقیناً کافر ہے، اہلِ ندوہ اگر مجرّد کلمہ گوئی کو مدارِ اسلام ٹھہرائیں، اور مرزا کی تکفیر نہ کریں، تو وہ بھی کافر ہیں

اگر یہ (۲) اقوال مرزا کی تحریروں میں اسی طرح ہیں، تو واللہ واللہ! وہ یقیناً کافر ہے، اور جو اس کے ان اقوال، یا ان کے امثال پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ کہے، وہ بھی کافر ہے۔ ندوۂ مخذولہ اور اس کے ارا کین (کہ صرف طوطے کی طرح کلمہ گوئی پر مدار اسلام رکھتے ہیں، اور تمام بددینوں گمراہوں کو حق پر جانتے ہیں، خدا کو سب سے یکساں راضی مانتے ہیں، سب مسلمانوں پر مذہب سے لا دعویٰ دینا [کسی حق یا دعوے کو چھوڑ دینا] لازم کرتے ہیں، جیسا کہ ندوہ کی روداد اوّل و دُوم و رسالۂ اتفاق وغیرہا میں مصرّح ہے) ان اقوال پر بھی اپنا وہی قاعدۂ ملعونہ مجرّد کلمہ گوئی نیچریت کا اعلیٰ نمونہ جاری رکھیں، اس کی تکفیر میں چُون و چرا کریں، تو وہ بھی کافر ہیں، وہ ارا کین بھی کفار ہیں۔ مرزا کے پَیرو اگرچہ خود ان اقوال انجس الأبوال کے معتقد نہ بھی ہوں، مگر جبکہ صریح کفر، کھلے ارتداد دیکھتے سنتے، پھر مرزا کو امام و پیشوا و مقبولِ خدا کہتے ہیں، قطعاً یقیناً سب مرتد ہیں، سب مستحقِ نار ہیں۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۵۵)

مبتدِع سے مراد کیا ہے؟

"غنیہ شرح منیہ" میں ہے: "بدمذہب سے وُہ مراد ہے، جو کسی بات میں اہلِ سنّت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اور اس کی اقتداء کراہت کے ساتھ اسی حال میں جائز ہے، جب اُس کا عقیدہ اہلِ سنّت کے نزدیک کفر تک نہ پہنچاتا ہو، اگر کفر تک پہنچائے، تو اصلاً جائز نہیں"۔ جیسے غالی رافضی کہ مولیٰ علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- کو خدا کہتے ہیں، یا یہ کہ "نبوت اِن کے لیے تھی، جبریل نے غلطی کی"، اور اسی قسم کی اَور باتیں کہ کفر ہیں۔ اور یونہی جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو (معاذ اللہ) اس تہمتِ ملعونہ کی طرف نسبت کرے، یا صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت یا خلافت کا انکار کرے، یا شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے۔

"کفایہ شرحِ ہدایہ" اور "مستخلص الحقائق شرح کنز الدّقائق" میں ہے: "بدمذہبی اگر کافر کر دے، جیسے جہمی اور قدری کہ قرآن کو مخلوق کہے، اور رافضی غالی کہ خلافت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا انکار کرے، اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں"۔

کِن اہلِ اَہواء کے پیچھے نماز جائز؟ اور کِن کے پیچھے ناجائز ہے؟

"شرح کنز" للملا مسکین میں ہے: "خلاصہ" میں ہے: بدمذہبوں کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، مگر جہمیہ و جبریہ و قدریہ و رافضی غالی و قائلِ خلقِ قرآن و مشبِّہ کے۔ اور حاصل یہ کہ اہلِ قبلہ سے جو اپنی بدمذہبی میں غالی نہ ہو، یہاں تک کہ اُسے کافر نہ

---

(۱) پ۵، نسا:۷۹۔

(۲) یہ اقوال دوسرے کے منقول تھے، اس فتوے کے بعد مرزا کی بعض نئی تحریریں خود نظر سے گزریں، جن میں قطعی کفر بھرے ہیں، بلاشبہ یقیناً کافر مرتد ہے۔ منہ [امام احمد رضا]

کیا جائے، اس کے پیچھے نماز بکراہت جائز ہے۔ اور رافضی غالی سے وہ مراد ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا منکر ہو"۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۲۵)

موزہ پر مسح کے جواز کے منکر، اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے اور ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں

"طحطاوی علی مراقی الفلاح" میں ہے: "یعنی خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر کافر ہے، اور "فتح القدیر" میں فرمایا، کہ خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے، اور "برہان شرح مواہب الرحمن" میں فرمایا: "خلافتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے، اور نماز اس کے پیچھے جائز نہیں جو مسحِ موزہ، یا صحابیتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو، یا شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہے، یا صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت رکھے، اور نہ اس کے پیچھے جو ضروریاتِ دین سے کسی شے کا منکر ہو؛ کہ وہ کافر ہے، اور اس کی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا، نہ اس جانب کہ اس نے رائے کی غلطی سے ایسا کہا"۔

حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تبرّاء کرنے والا، اور ان کو سبّ و شتم کرنے والا کافر ہے

"نظم الفرائد" منظومہ علّامہ ابن وہبان میں ہے:

وَمَن لعنَ الشَّيخَين أو سبَّ كافر   ومَن قال في الأيدِي الجوارح أكفَر

وصحّح تكفير ينكِر خلافةَ العتيق   وفي الفاروق ذلك الأظهَر

"جو شخص حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تبرّاء بکے یا بُرا کہے، کافر ہے، اور جو کہے: یدُاللہ سے ہاتھ مراد ہے، وہ اس سے بڑھ کر کافر ہے، اور خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار میں قولِ صحیح تکفیر ہے، اور یہی در بارۂ انکار خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اظہر ہے"۔
"تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ" میں ہے: "رافضی اگر شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہے، یا اُن پر تبرّاء بکے، کافر ہو جائے، اور اگر مولیٰ علی۔ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ کو اُن سے افضل کہے کافر نہیں، گمراہ بدمذہب ہے"۔
اسی میں وہیں ہے: "خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر مذہبِ صحیح پر کافر ہے، اور ایسا ہی قولِ اظہر میں خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی ہے"۔
("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۲۸)

کن مرتدوں کی توبہ قبول نہیں؟

بلکہ بہت اکابر نے تصریح فرمائی، کہ رافضی تبرّائی ایسے کافر ہیں جن کی توبہ بھی قبول نہیں، "تنویر الابصار" "متن" "درِ مختار" ص۳۱۹ میں ہے: "ہر مرتد کی توبہ قبول ہے، مگر وہ جو کسی نبی، یا حضرات شیخین، یا ان میں ایک کی شان میں گستاخی سے کافر ہوا"۔
"الأشباہ والنظائر" اور "فتاوی خیریہ" اور "اِتحاف الأبصار والبصائر" میں ہے: "جو کافر توبہ کرے، اس کی توبہ دُنیا و آخرت میں قبول ہے، مگر کچھ کافر ایسے ہیں جن کی توبہ مقبول نہیں: (۱) ایک وہ جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواہ کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا۔ (۲) دوسرا وہ کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں، یا ایک کو بُرا کہنے کے باعث کافر ہوا"۔

"دُرِّ مختار" میں ہے: "یعنی "بحر الرائق" میں بحوالہ "جوہرہ نیّرہ شرح مختصر قدوری" امام صدر شہید سے منقول ہے: جو شخص حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہے، یا اُن پر طعن کرے وہ کافر ہے، اس کی توبہ قبول نہیں، اور اسی پر امام دبوسی وامام فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فتویٰ دیا، اور یہی قول فتویٰ کے لیے مختار ہے، اسی پر "اَشباہ" میں جزم کیا، اور علّامہ شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ غزّی تُمُرتاشی نے اسے برقرار رکھا"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۲۷۷)

اگر اسی بدمذہبی کے سبب اُس کے کفر کا حکم دیا جائے، تو وُہ مرتد کے مثل ہے

"ہدایہ" اور "دُرِّ مختار" اور "عالمگیری" میں ہے: "بدمذہب اگر عقیدۂ کفریہ رکھتا ہو، تو مرتد کی جگہ ہے"۔ "غُرر" متن "دُرر" میں ہے: "بدمذہب اگر تکفیر کیا جائے تو مثل مرتد کے ہے"۔ "ملتقی الابحر" اور اس کی شرح "مجمع الانہر" میں ہے: "اگر اسی بدمذہبی کے سبب اُس کے کفر کا حکم دیا جائے، تو وُہ مرتد کے مثل ہے"۔

نیز "فتاوی ہندیہ" اور "طریقۂ محمدیہ" اور اس کی شرح "حدیقۂ ندیہ" اور "بِرجندی شرح نُقایہ" میں ہے: "یعنی رافضیوں کو اُن کے عقائدِ کفریہ کے باعث کافر کہنا واجب ہے، یہ لوگ دینِ اسلام سے خارج ہیں، اُن کے اَحکام بعینہٖ مرتدّین کے اَحکام ہیں، ایسا ہی "فتاوی ظہیریہ" میں ہے"۔

روافضِ زمانہ صرف تبرّائی ہی نہیں، بلکہ ضروریاتِ دین کے منکر بھی ہیں

اور روافضِ زمانہ تو ہرگز صرف تبرّائی نہیں، بلکہ یہ تبرّائی علی العموم منکرانِ ضروریاتِ دین، اور باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کفّار مرتدّین ہیں، یہاں تک کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ جو انہیں کافر نہ جانے خود کافر ہے۔ بہت عقائدِ کفریہ کے علاوہ دو۲ کفر صریح میں اُن کے عالم جاہل، مَرد عورت، چھوٹے بڑے سب بالاتفاق گرفتار ہیں:

کفریاتِ روافض

کفرِ اوّل: قرآن عظیم کو ناقص بتاتے ہیں، کوئی کہتا ہے: "اُس میں سے کچھ سُورتیں امیر المؤمنین عثمان غنی ذُوالنورین، یا دیگر صحابہ، یا اَہلِ سُنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گھٹا دیں"۔ کوئی کہتا ہے: "اُس میں سے کچھ لفظ بدل دیے"۔ کوئی کہتا ہے: "یہ نقص وتبدیل اگرچہ یقیناً ثابت نہیں، محتمل ضرور ہے"۔ اور جو شخص قرآن مجید مین زیادت یا نقص یا تبدیل کسی طرح کے تصرّفِ بشری کا دخل مانے، یا اُسے محتمل جانے، بالاجماع کافر مرتد ہے؛ کہ صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب کر رہا ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۲۹)

کفرِ دُوم: ان کا ہر متنفس سیّدنا امیر المؤمنین مولیٰ علی۔ کرّم اللہ وجہہ الکریم۔ و دیگر ائمۂ طاہرین۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کو حضراتِ عالیات انبیائے سابقین۔ علیہم الصلوات والتحیات۔ سے افضل بتاتا ہے، اور جو کسی غیرِ نبی کو نبی سے افضل کہے، باجماعِ مسلمین کافر بے دین ہے۔ "شفا شریف" میں انہی اِجماعی کفروں کے بیان میں ہے: "اور اسی طرح ہم یقینی کافر جانتے ہیں اُن غالی رافضیوں کو، جو ائمہ کو انبیاء سے افضل بتاتے ہیں"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۳۲)

غیرِ نبی کو نبی پر فضیلت دینے والا باجماعِ مسلمین کافر ہے

امام اجل نووی "کتاب الروضہ"، پھر امام ابن حجر مکی "اعلام بقواطعِ الاسلام" میں کلامِ "شفا" نقل فرماتے، اور مقرر رکھتے ہیں، مولانا علی قاری "شرح شفا" میں فرماتے ہیں: "یہ کھلا کفر ہے"۔ "منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر" میں ہے: "وہ جو بعض کرامیہ سے منقول ہوا، کہ جائز ہے کہ ولی نبی سے مرتبے میں بڑھ جائے، یہ کفر وضلالت و بے دینی وجہالت ہے"۔

"شرح مقاصد" اور "طریقۂ محمدیہ" علامہ برکوی، آخر فصل اوّل، باب ثانی میں ہے: "بے شک مسلمانوں کا اجماع قائم ہے اس پر، کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اولیائے عظام سے افضل ہیں"۔ "حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ" میں ہے: "کسی کو ایک نبی سے افضل کہنا، تمام انبیاء سے افضل بتانا ہے"۔

"شرح عقائد" پھر "طریقۂ محمدیہ" و "حدیقۂ ندیہ" میں ہے: "ولی کو کسی نبی سے (خواہ وہ نبی مرسَل ہو یا غیر مرسَل) افضل بتانا کفر وضلال ہے؛ اور کیوں نہ ہو کہ اس میں ولی کے مقابل نبی کی تحقیر، اور اِجماع کا رَد ہے؛ کہ ولی سے نبی کے افضل ہونے پر تمام اہلِ اسلام کا اِجماع ہے"۔

"ارشاد الساری شرح صحیح بخاری" میں ہے: "نبی ولی سے افضل ہے، اور یہ امر یقینی ہے، اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے، کہ یہ ضروریاتِ دین سے ہے"۔

روافض کے مجتہدانِ حال نے اپنے فتووں میں ان صریح کفروں کا صاف اقرار کیا ہے۔ روافض علی العموم اپنے مجتہدوں کے پَیرو ہوتے ہیں، اگر بفرضِ غلط کوئی جاہل رافضی ان کُھلے کفروں سے خالی الذہن بھی ہو، تو فتوائے مجتہدان کے قبول سے اسے چارہ نہیں، اور بفرضِ باطل یہ بھی مان لیجیے کہ کوئی رافضی ایسا نکلے، جو اپنے مجتہدین کے فتوے بھی نہ مانے، تو لا اَقَل [کم از کم] اتنا یقینا ہوگا، کہ ان کفروں کی وجہ سے اپنے مجتہدوں کو کافر نہ کہے گا، بلکہ انہیں اپنے دین کا عالم وپیشوا ومجتہد ہی جانے گا، اور جو کسی کافر منکرِ ضروریاتِ دین کو کافر نہ مانے، خود کافر مرتَد ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۳۳)

کافر کو کافر نہ کہنے والا کافر ہے

"شفا شریف" میں انہیں اِجماعی کفروں کے بیان میں ہے: "ہم اسی واسطے کافر کہتے ہیں ہر اس شخص کو، جو کافروں کو کافر نہ کہے، یا اُن کی تکفیر میں توقّف کرے، یا شک رکھے، یا اُن کے مذہب کی تصحیح کرے، اگرچہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان بتاتا ہو، اور اسلام کی حقّانیت اور اس کے سوا ہر مذہب کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو؛ کہ وہ اُس کے خلاف اُس اظہار سے کہ کافر کو کافر نہ کہا، خود کافر ہے"۔

"فتاوی بزّازیہ"، "دُرر وغُرر"، "فتاوی خیریۃ"، "دُرِّ مختار" اور "مجمع الانہُر" میں ہے: "جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے، وہ بالیقین خود کافر ہے"۔

علمائے کرام نے خود روافض کے بارے میں بالخصوص اس حکم کی تصریح فرمائی۔ علّامہ نوح آفندی، وشیخ الاسلام عبد اللہ آفندی، وعلّامہ حامد عمادی آفندی مفتیِ دِمشق الشام، وعلّامہ سیّد ابن عابدین شامی "عقود" میں اس سوال کے جواب میں، کہ

رافضیوں کے باب میں کیا گیا، حکم فرماتے ہیں کہ "یہ کافر طرح طرح کے کفروں کے مجمع ہیں، جو اِن کے کفر میں توقّف کرے خود انہیں کی طرح کافر ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۴۲۳)

تمام زمانوں کے علماء کا اجماع ہے کہ جو ان رافضیوں کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے

علّامۃ الوجود مفتی ابوالسعود اپنے فتاوی، پھر علّامہ کو اکبی "شرح فرائد سَنیہ"، پھر علّامہ محمد امین الدّین شامی "تنقیح الحامدیہ" میں فرماتے ہیں: "تمام زمانوں کے علماء کا اِجماع ہے، کہ جو اِن رافضیوں کے کفر میں شک کرے، خود کافر ہے" والعیاذ باللہ تعالی!۔

تنبیہِ جلیل: مسلمانو! اصل مدار ضروریاتِ دین ہیں، اور ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اگر بالخصوص اِن پر کوئی نصِ قطعی اصلاً نہ ہو، جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا، کہ منکر یقیناً کافر ہے۔ مثلاً عالَم بجمیع اَجزائہ حادِث ہونے کی تصریح کسی نصِ قطعی میں نہ ملے گی، غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حُدوث ارشاد ہوا ہے، مگر باجماعِ مسلمین کسی غیرِ خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے، جس کی اسانیدِ کثیرہ فقیر کے رسالہ "مقامع الحدید علی خدّ المنطق الجدید" (۱۳۰٤ھ) میں مذکور ہیں، تو وجہ وہی ہے کہ حُدوث جمیع ما سِوی اللہ ضروریاتِ دین سے ہے، کہ اسے کسی ثبوتِ خاص کی حاجت نہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۴۲۵)

رافضیوں تبرّائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اِجماعی ہے، کہ یہ علی العموم کفّار مرتدین ہیں

بالجملہ ان رافضیوں تبرّائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اِجماعی یہ ہے، کہ وہ علی العموم کفّار مرتدّین ہیں، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے، ان کے ساتھ مناکحت نہ صرف حرام بلکہ خالص زِنا ہے (معاذاللہ)۔ مرد رافضی اور عورت مسلمان ہو، تو یہ سخت قہرِالٰہی ہے۔ اگر مَرد سُنّی اور عورت ان خبیثوں میں کی ہو، جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا، محض زِنا ہوگا، اولاد ولدالزِنا ہوگی، باپ کا ترکہ نہ پائے گی، اگرچہ اولاد بھی سُنّی ہی ہو؛ کہ شرعاً ولدُالزِنا کا باپ کوئی نہیں۔ عورت نہ ترکے کی مستحق ہوگی نہ مہر کی؛ کہ زانیہ کے لیے مہر نہیں۔ رافضی اپنے کسی قریب حتی کہ باپ بیٹے، ماں بیٹی کا بھی ترکہ نہیں پا سکتا۔ سُنّی تو سُنّی کسی مسلمان، بلکہ کسی کافر کے بھی، یہاں تک کہ خود اپنے ہم مذہب رافضی کے ترکے میں بھی اس کا اصلاً کچھ حصہ نہیں، ان کے مرد عورت، عالم جاہل، کسی سے میل جول، سلام کلام سب سخت کبیرہ اشدّ حرام ہے۔ جو اِن کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر، پھر بھی انہیں مسلمان جانے، یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے، باجماعِ تمام ائمۂ دین خود کافر بے دین ہے، اور اُس کے لیے بھی یہی سب اَحکام ہیں، جو اُن کے لیے مذکور ہُوئے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتوے کو بگوشِ ہوش سنیں! اور اس پر عمل کر کے سچے پکّے مسلمان سُنّی بنیں! وباللہ التّوفیق، واللہ ﷻ أعلَم، وعلمُه -جلّ مجدُه- أتمّ وأحکَم.

("فتاوی رضویہ" ج۲۱، ص۴۳۶)

❀ ❀ ❀
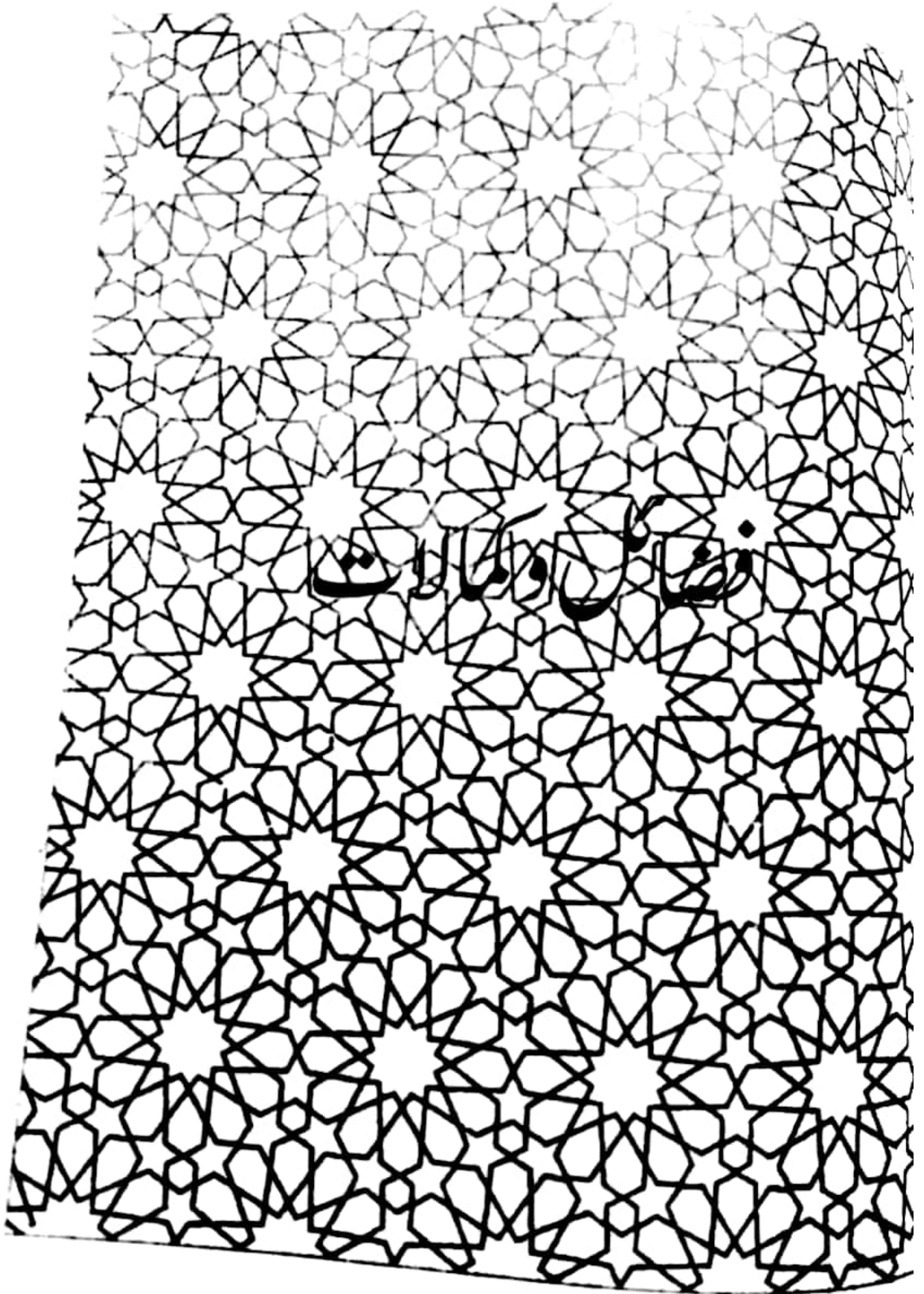
فضائل و کمالات

(۱۹) فضائل وکمالات

معراج مبارک مع جسم اقدس ہے

محبوبِ خدا ﷺ کے دیدارِ الٰہی کے بارے میں احادیث مرفوعہ

امام احمد اپنی "مسند" میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال: قال رسول الله ﷺ: «رأيتُ ربّي عزّوجلّ»[1] یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا"۔ امام جلال الدّین سیوطی "خصائص کبری"، اور علامہ عبد الرؤف مُناوی "تیسیر شرح جامع صغیر" میں فرماتے ہیں: "یہ حدیث بسند صحیح ہے"[2]۔

ابن عساکر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سیّد المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ الله أعطى موسى الكلامَ، وأعطاني الرؤيةَ لوجهه، وفضّلني بالمقام المحمود والحوض المورود»[3] "بے شک اللہ تعالٰی نے موسی کو دولتِ کلام بخشی، اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا، مجھ کو شفاعتِ کبریٰ وحوضِ کوثر سے فضیلت بخشی"۔

وہی محدّث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال: قال رسول الله ﷺ: «قال لي ربّي: نحلتُ إبراهيمَ خلتي، وكلّمتُ موسى تكليماً، وأعطيتُك يا محمد! كفاحاً»[4] یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "مجھے میرے رب عزوجل نے فرمایا: میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی، اور موسی سے کلام فرمایا، اور تمہیں اے محمد! مُواجہ بخشا، کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمالِ پاک دیکھا"۔ في "مجمع البِحار": "كفاحاً، أي: مواجهةً ليس بينهما حجاب ولا رسول"[5].

ابن مَردوَیہ حضرت اسما بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: "سمعتُ رسول الله ﷺ وهو يصِفُ سدرةَ المنتهى -وذكر الحديثَ إلى أن قالتْ-: قلتُ: يا رسولَ الله! ما رأيتَ عندها؟ قال: «رأيتُه عندها» يعني ربّه"[6] یعنی میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ کا وصف بیان فرماتے تھے، میں نے عرض کی: رسول اللہ! حضور نے اس کے پاس کیا دیکھا؟ فرمایا: "مجھے اس کے پاس دیدار ہوا، یعنی رب کا"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۶۰۰)

---

[1] "مسند الإمام أحمد" مسند عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، ۱/ ۲۸۵.

[2] "التيسير شرح الجامع الصغير" تحت حديث: رأيت ربّي، ۲/ ۲۵. "الخصائص الكبرى" حديث ابن عباس رضي الله عنهما، ۱/ ۱٦۱.

[3] "كنز العمال" بحواله ابن عساكر: عن جابر، حديث: ۳۹۲۰٦، ۱٤/ ٤٤۷.

[4] "تاريخ دِمشق الكبير" باب ذكر عروجه إلى السماء واجتماعه بجماعة من الأنبياء، ۳/ ۲۹٦.

[5] "مجمع بحار الأنوار" باب كف ع، تحت اللفظ كفح، ٤/ ٤۲٤.

[6] "الدر المنثور" في التفسير بالمأثور بحواله ابن مَردويه، تحت الآية: ۱، ٥/ ۱۹٤.

معراجیں دس ۱۰ ہیں

سیّد علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی -قدّس سرّہ القدسی- نے "حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ" میں اسے نقل فرما کر مقرر رکھا: "قال الشّهاب المكّي في "شرح همزيّة" للإمام بُوصيري عن بعض الأئمة، أنّ المعاريجَ عشرةٌ -إلى قوله-: والعاشرُ إلى العرش والرُّؤية"(۱) فرمایا امام شہاب مکی نے "شرح ہمزیۂ امام بوصیری" میں: "کہا: بعض ائمہ سے منقول ہے کہ معراجیں دس ۱۰ ہیں، دسویں عرش و دیدار تک"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۰۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہَوا دی گئی، اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو بُراق عطا ہوا

نیز "شرح ہمزیۂ امام مکی" میں ہے: "لما أعطيَ سليمانُ ﷺ الريح التي غدوُها شهر ورواحُها شهر، أعطي نبيُّنا ﷺ البراقَ، فحملَه من الفرش إلى العرش في لحظةٍ واحدة، وأقلّ مسافةٍ في ذلك سبعةُ آلافِ سنةٍ، وما فَوق العرش إلى المستوى والرَّفرَف لا يعلمه إلّا الله تعالى"(۲) "جب سلیمان علیہ السلام کو ہوا دی گئی، کہ صبح شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی، ہمارے نبی ﷺ کو بُراق عطا ہوا، کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لمحہ میں لے گیا، اور اس میں ادنیٰ مسافت (یعنی آسمانِ ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس کی راہ ہے، اور وہ جو فوق العرش سے مستویٰ، اور رَفرَف تک رہی اسے تو خدا ہی جانے"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۰۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دَولتِ کلام اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو دیدارِ الٰہی عطا ہوا

اسی میں ہے: "لما أعطي موسى ﷺ الكلام، أعطي نبيُّنا ﷺ مثله ليلةَ الإسراء، وزيادة الدنو والرّؤية بعين البصر، وشتّان ما بين جبل الطُّور الذي نُوجَي به موسى ﷺ وما فوق العرش الذي نُوجَي به نبيُّنا ﷺ"(۳) "جبکہ موسیٰ علیہ السلام کو دَولتِ کلام عطا ہوئی، ہمارے نبی ﷺ کو ویسی ہی شبِ اِسراء ملی، اور زیادتِ قرب، اور چشمِ سَر سے دیدارِ الٰہی اس کے علاوہ اور۔ بھلا کہاں کوہِ طور جس پر موسیٰ علیہ السلام سے مُناجات ہوئی، اور کہاں مافوق العرش جہاں ہمارے نبی ﷺ سے کلام ہوا!!"۔

اسی میں ہے: "رقيه ﷺ ببدنِه يقظةً بمكّة ليلة الإسراء إلى السّماء، ثمّ إلى سدرة المنتهى، ثمّ إلى المستوى إلى العرش والرَّفرَف والرُّؤية"(۴) "نبی ﷺ نے اپنے جسمِ پاک کے ساتھ بیداری میں شبِ اِسراء آسمانوں تک ترقی فرمائی، پھر سدرۃ المنتہیٰ، پھر مقامِ مستویٰ، پھر عرش و رَفرَف و دیدار تک"۔

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ علیہ "تعلیقاتِ افضل القریٰ" میں فرماتے ہیں: "الإسراء به ﷺ على يقظة

---

(۱) "الحديقة النديّة شرح الطريقة المحمدية" بحوالة "شرح قصيدة همزية" ۱/ ۲۷۲.
(۲) "أفضل القُرى لقراء أمّ القُرى" صـ۳۲٤، ۳۲٥ ملتقطاً.
(۳) "أفضل القرى لقراء أم القرى" صـ۲۰۸، ۲۰۹، ۳۲۳، ۳۲٤ ملتقطاً.
(٤) "أفضل القرى لقراء أم القرى" صـ۷٦

بالجسد والرّوح من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى، ثمّ عُرِجَ به إلى السّماوات العُلى، ثمّ إلى سدرة المنتهى، ثمّ إلى المستوى، ثمّ إلى العرش والرَّفرَف"[1] "نبی ﷺ کو معراج بیداری میں بدن ورُوح کے ساتھ، مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک ہوئی، پھر آسمانوں، پھر سدرہ، پھر مستوٰی، پھر عرش ورفرف تک"۔

(فتاویٰ رضویہ، ج۱۸ص۴۰۶)

معراجیں شبِ اِسراء دس۱۰ ہوئیں

"فتوحاتِ احمدیہ شرح الہمزیہ" للشیخ سلیمان الجمل میں ہے: "رقيه ﷺ ليلةَ الإسراء من بيت المقدس إلى السّماوات السّبع، إلى حيث شاء الله تعالى، لكنّه لم يجاوز العرشَ على الرّاجح"[2] "حضور سیّدِ عالَم ﷺ کی ترقی شبِ اِسراء بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں، اوروہاں سے اس مقام تک ہے جہاں تک اللہ عزّوجلّ نے چاہا، مگر راجح یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوُز نہ فرمایا۔

اسی میں ہے: "المعاريج ليلةَ الإسراء عشرةٌ: سبعةٌ في السّماوات، والثامنُ إلى سدرةِ المنتهى، والتاسعُ إلى المستوى، والعاشرُ إلى العرش، لكن لم يجاوز العرشَ كما هو التحقيقُ عند أهل المعاريج"[3] "معراجیں شبِ اِسراء دس ۱۰ ہوئیں، سات ۷ آسمانوں میں، اور آٹھویں سدرہ، نویں مستوٰی، دسویں عرش تک۔ مگر راویانِ معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ عرش سے اوپر تجاوُز نہ فرمایا"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۰۷، ۴۰۸)

سدرۃ المنتہیٰ حضور اکرم ﷺ کے سامنے بلند کی گئی

اسی میں ہے: "بعد أن جاوزَ السّماءَ السّابعة رُفعتْ له سدرةُ المنتهَى، ثمّ جاوزَها إلى مستوَى، ثمّ زُجّ به في النّور فخرقَ سبعين ألفَ حجابٍ من نورٍ، مسيرةُ كلِّ حجابٍ خمسُمئةِ عامٍ، ثمّ دَلى له رَفرَف أخضر فارتقَى به، حتّى وصل إلى العرش ولم يجاوِزه، فكان من ربّه قابَ قوسَين أو أدنى"[1] "جب حضور ﷺ آسمانِ ہفتم سے گزرے، سدرہ حضور کے سامنے بلند کی گئی، اس سے گزر کر مقامِ مستوٰی پر پہنچے، پھر حضورِ عالَم نور میں ڈالے گئے، وہاں ستّر ہزار پردے نور کے طے فرمائے، ہر پردے کی مسافت پانچ سو برس کی راہ، پھر ایک سبز بچھونا حضور کے لیے لٹکایا گیا، حضور اقدس اس پر ترقی فرما کر عرش تک پہنچے، اور عرش سے اُدھر گزر نہ فرمایا، وہاں اپنے رب سے قاب قوسَین أو أدنی پایا"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۰۷)

---

(1) "تعليقات على أفضل القرى" للعلّامة أحمد بن محمد الصاوي على هامش "الفتوحات الأحمدية" صــ۳.

(2) "الفتوحات الأحمدية بالمنح المحمدية شرح الهمزية" المكتبة التجارية الكبرى، القاهرة، مصر، صــ۳

(3) "الفتوحات الأحمدية بالمنح المحمدية شرح الهمزية" صــ۳۰.

(4) "الفتوحات الأحمدية بالمنح المحمدية شرح الهمزية" صــ۳۱.

شبِ معراج حضورِ اکرم ﷺ نے عرش سے تجاوز فرمایا یا نہیں؟

اقول: شیخ سلیمان نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی، اور امام ابن حجر مکی وغیرہ کی عبارات ماضیہ وآتیہ وغیرہا میں فوق العرش ولا مکان کی تصریح ہے، لامکان یقیناً فوق العرش ہے، اور حقیقۃً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں، عرش تک منتہائے مکان ہے، اس سے آگے لامکان ہے، اور جسم نہ ہوگا مگر مکان میں، تو حضور اقدس ﷺ جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے، اور رُوحِ اقدس نے وراء الوراء تک ترقی فرمائی، جسے ان کا رب جانے جو لے گیا، پھر وہ جائیں جو تشریف لے گئے۔ اسی طرف کلام امام شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اشارہ عنقریب آتا ہے، کہ ان پاؤں سے سَیر کا منتہی عرش ہے، تو سَیرِ قدم عرش پر ختم ہوئی، نہ اس لیے کہ سَیرِ اقدس میں (معاذ اللہ) کوئی کمی رہی، بلکہ اس لیے کہ تمام امکنہ کا احاطہ فرما لیا، اوپر کوئی مکان ہی نہیں جسے کہیے کہ قدمِ پاک وہاں نہ پہنچا، اور سَیرِ قلبِ انور کی انتہاء قابَ قوسَین ہے۔

اگر وسوسہ گزرے کہ عرش سے وراء کیا ہوگا کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا؟ تو امام اجل سیّد علی وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سنیے، جسے امام عبد الوہّاب شَعرانی نے کتاب "اليواقيت والجواهر في عقائد الأكابر" میں نقل فرمایا کہ فرماتے ہیں:

"ليس الرّجلُ من يقيّده العرشُ وما حواه من الأفلاك والجنّة والنّار، وإنّما الرّجلُ من نفذَ بصرُه إلى خارج هذا الوجود كلّه، وهناك يعرف قدرَ عظَمةِ مُوجِده ﷻ"[1] "مَرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے، اَفلاک وجنّت ونار، یہی چیزیں محدود ومقیّد کر لیں، مَرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالَم کے پار گزر جائے، وہاں اسے مُوجِدِ عالَم ﷻ کی عظمت کی قدر کھُلے گی۔" ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۶۰۸)

یہی مذہب راجح ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا

امام علّامہ احمد قسطلانی "مَواہب لدُنیہ" و"مِنَحِ محمدیہ" میں، اور علّامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"(ومنها أنّه رأى اللهَ تعالى بعينَيه) يقَظةً على الرّاجح (وكلّمه اللهُ تعالى في الرّفيع الأعلى) على سائر الأمكِنة، وقد روَى ابنُ عساكر عن أنس رضي الله عنه مرفوعاً: لما أسريَ لي قرّبني ربّي، حتّى كان بيني وبينَه قابَ قوسَين أو أدنى"[2] "نبی ﷺ کے خصائص سے ہے، کہ حضور نے اللہ عزّوجلّ کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا، یہی مذہب راجح ہے، اور اللہ عزّوجلّ نے حضور سے اس بلند وبالا تر مقام میں کلام فرمایا، جو تمام اَمکِنہ سے اعلیٰ تھا، اور بے شک ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شبِ اِسراء مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا، کہ مجھ میں اور اُس میں دو ۲ کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۶۰۸)

---

(۱) "اليواقيت والجواهر" المبحث الرابع والثلاثون، ۲/ ۳۷۰.

(۲) "المواهب اللدُنية" المقصد ٤، الفصل ۲، ۲/ ٦٣٤. "شرح الزرقاني على المواهب اللدُنية" المقصد ٤، الفصل ۲، ٥/ ۲٥۱، ۲٥۲.

رَفرَف حضورِ اکرم ﷺ کو لے کر عرش تک اڑ گیا

علّامہ شہاب خفاجی "نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض" میں فرماتے ہیں: "وردَ في المعراج أنه ﷺ لما بلغ سدرةَ المنتهى، جاءه بالرَّفرَف جبريلُ ﷺ، فتناولَه فطارَ به إلى العرش"[1] "حدیثِ معراج میں وارد ہوا کہ جب حضور اقدس ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پہنچے، جبریل امین -علیہ الصلاۃ والتسلیم- رَفرَف حاضر لائے، وہ حضور کو لے کر عرش تک اڑ گیا"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۰۹)

شبِ اِسراء جنّت اور عرش یالامکان تک پہنچے، اور یہ سب بیداری میں مع جسمِ مبارک تھا

اسی میں ہے: "عليه يدلّ صحيحُ الأحاديث الآحاد الدالّة على دخوله ﷺ الجنّةَ، ووصولِه إلى العرش أو طرف العالَمِ -كما سيأتي- كلّ ذلك بجسدِه يقظةً"[2] "صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شبِ اِسراء جنّت میں تشریف لے گئے، اور عرش تک پہنچے یاعالَم کے اُس کنارے تک کہ آگے لامکان ہے، اور یہ سب بیداری میں مع جسمِ مبارک تھا۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۰۹)

حضرت سیّدی شیخِ اکبر امام محی الدّین ابن عربی رضی اللہ عنہ "فتوحاتِ مکیہ شریف" باب ۳۱۶ میں فرماتے ہیں: "اعلم أنّ رسولَ الله ﷺ لما كان خُلقُه القرآن وتخلّق بالأسماء، وكان اللهُ ﷻ ذكرَ في كتابه العزيز أنّه تعالى استوَى على العرش، على طريق التمدُّح والثناء على نفسه؛ إذ كان العرشُ أعظمَ الأجسام، فجعل لنبيِّه ﷺ من هذا الاستواء نسبةً، على طريق التمدُّح والثناء عليه به، حيث كان أعلى مقامٍ ينتهي إليه مَن أسريَ به من الرُّسل ﷺ، وذلك يدلّ على أنه أسريَ به ﷺ بجسمِه، ولو كان الإسراءُ به رؤياً، لما كان الإسراءُ ولا الوصولُ إلى هذا المقام تمدُّحاً، ولا وقعَ من الأعراب إنكارٌ على ذلك"[3]۔

"توجان لے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا خُلقِ عظیم قرآن تھا، اور حضور اسمائے الٰہیہ کی خُو وخصلت رکھتے تھے، اور اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں اپنی صفاتِ مدح سے عرش پر استواء بیان فرمایا، تواس نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی اس صفتِ استواء علی العرش کے پَرتَو سے مدح ومنقبت بخشی، کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جس تک رسولوں کا اِسراء منتہی ہو، اور اس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اِسراء مع جسمِ مبارک تھا؛ کہ اگر خواب ہوتا تواِسراء اور اس مقامِ استواء علی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا، نہ گنوار اس پر انکار کرتے"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۱۰)

---

(۱) "نسيم الرياض شرح شفاء القاضي عياض" فصل وأمّا ما ورد في حديث الإسراء، ۲/ ۳۱۰.
(۲) "نسيم الرياض شرح شفاء القاضي عياض" فصل ثمّ اختلف السلف والعلماء، ۲/ ۲٦۹، ۲۷۰.
(۳) "الفتوحات المكية" الباب ٦، ۳/ ٦۱.

ہمارے نبی اقدس ﷺ کے علاوہ عرش سے اوپر کوئی نہیں گیا

"اشعۃ اللمعات شرح مشکاۃ شریف" میں ہے: "جز حضرت پیغمبرما ﷺ بالاتر ازاں ہیچ کس نہ رفتہ، وآنحضرت بجائے رفت کہ آنجا جانیست"۔ "ہمارے نبی اقدس ﷺ کے علاوہ عرش سے اوپر کوئی نہیں گیا، آپ اس جگہ پہنچ جہاں جگہ نہیں" ع

برداشت از طبیعت امکاں قدم کہ آں | اسریٰ بعبدہٖ است من المسجد الحرام
تا عرصۂ وجوب کہ اقصائے عالم ست | کانجانہ جاست ونے جہت ونے نشاں نہ نام[1]

نیز اسی کے باب رؤیۃ اللہ تعالی فصل سوم ۳ زیر حدیث: «قد رأی ربّه مرّتین» ارشاد فرمایا: "تحقیق دید آنحضرت ﷺ پروردگار خودرا-جل وعلا-دوبار: یکے چوں نزدیک سدرۃ المنتہیٰ بود، دُوم چوں بالائے عرش برآمد"[2]۔

حضورِ اکرم ﷺ نے اللہ تعالی عزّوجلّ کو دو ۲ بار دیکھا

"مکتوبات حضرت شیخ مجدّد الف ثانی" جلد اوّل، مکتوب ۲۸۳ میں ہے: "آں سرور علیہ الصلاۃ والسلام دراں شب چوں از دائرۂ مکان وزمان بیرون جست واز تنگی امکان برآمدہ ازل وابد راآں واحد یافت وبدایت ونہایت رادریک نطقہ متحد دید"[3]۔

حضورِ اکرم ﷺ عرش وکرسی سے آگے گزر گئے

نیز مکتوب ۲۷۲ میں ہے: "محمد رسول اللہ ﷺ کہ محبوب رب العالمین ست، وبہترین موجودات اوّلین وآخرین، باوجود آنکہ بدولت معراج بدنی مشرّف شدواز عرش وکرسی درگزشت واز امکان وزمان بالا رفت"[4]۔ ("فتاویٰ رضویہ"ج۱۸، ص۴۱۱)

براق کا شوخی کرنا

حضور پُرنور سیّد عالم ﷺ کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کا اسے تنبیہ فرمانا کہ "اے براق! کیا محمد ﷺ کے ساتھ یہ برتاؤ! واللہ تجھ پر کوئی ایسا سوار نہ ہوا جو اللہ عزّوجلّ کے حضور اِن سے زیادہ رُتبہ رکھتا ہو!"۔ اس پر براق کا شرمانا، پسینہ پسینہ ہو کر شوخی سے باز رہنا، پھر حضور پُرنور-صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ-کا سوار ہونا، یہ مضمون توابو داود، وترمذی، ونسائی، وابن حِبّان، وطبرانی، وبَیہقی وغیرہم اکابر محدثین کی متعدد احادیثِ صِحاح وحِسان وصَوالح سے ثابت ہے، کما بسطَ أكثرُها المولى الجلال السُّيوطي رحمه الله في "خصائصه الكبرى"[5] وغيرُه من العلماء

(۱) "اشعۃ اللمعات" باب المعراج، ۴/۵۳۸۔

(۲) "اشعۃ اللمعات" کتاب الفتن، باب رؤیۃ اللہ تعالی، الفصل ۳، ۴/۴۲۹-۴۴۲۔

(۳) "مکتوبات امام ربانی" مکتوب: ۲۸۳، ۱/۳۶۶۔

(۴) "مکتوبات امام ربانی" مکتوب: ۲۷۲، ۱/۳۴۸۔

(۵) "الخصائص الکبری" باب خصوصيته ﷺ بالإسراء، حديث أم سلمة، ۱/ ۱۷۹. "المواهب اللدنية" المقصد ۵، ۳/ ۴۱. "سيرة ابن هشام" ذكر الإسراء والمعراج، ۱/ ۳۹۸.

الكرام في تصانيفهم الحُسنى.

اوراس کا حیاء کے سبب براہ تذلّل وانقیاد پست ہو کر لپٹ جانا بھی حدیث میں وارد ہے، ففي رواية عند ابن إسحاق رفعاً إلى النبي ﷺ قال: «فارتعشت حتّى لصقتُ بالأرض، فاستويت عليها»[1].

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۹۸)

سیدعالم ﷺ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی گردن مبارک پر قدم اقدس رکھ کر سوار ہوئے

اور یہ روایت کہ سوال میں "تحفۂ قادریہ" سے ماثور ہے، اس کی اصل بھی حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم میں مذکور ہے، امام اجل عبد القادر قادری[2] بن شیخ محی الدّین اربلی، "تفريح الخاطر في مناقب الشّيخ عبد القادر رضي الله عنه" میں لکھتے ہیں کہ جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمۃ اللہ علیہ کتاب "حِرز العاشقين" میں فرماتے ہیں: "إنّ ليلةَ المعراج جاء جبرئيلُ عليه السلام ببُراقٍ إلى رسول الله ﷺ أسرَع من البرق الخاطف الظاهر، ونعلُ رجلِه كالهلال الباهر، ومِسمارُه كالأنجُم الظواهر، ولم يأخذه السُّكون والتمكين ليركبَ عليه النبيُّ الأمين، فقال له النبيُّ ﷺ: لِمَ لم تسكن يا بُراق حتّى أركبَ على ظهرِك؟ فقال: رُوحي فداءَ لتُرابِ نعلِك يارسولَ الله! أتمنّى أن تعاهِدَني أن لا تركب يومَ القيامة على غيري حين دخولِك الجنّةَ! فقال النبيُّ ﷺ يكون لك ما تمنَّيتَ! فقال البُراق: ألتمِس أن تضربَ يدَك المباركةَ على رقبتي؛ ليكونَ علامةً لي يومَ القيامة! فضربَ النبيُّ ﷺ يدَه على رقبة البراق، ففرح البراقُ فَرحاً حتّى لم يسع جسدُه روحَه، ونمى أربعين ذراعاً من فرحِه، وتوقّف في رُكوبِه لحظةً لحكمةٍ خفيةٍ أزَلية، فظهرتْ روحُ الغَوث الأعظَم رضي الله عنه وقال: يا سيّدي! ضَع قدمَك على رقبتي واركبْ، فوضعَ النبيُّ ﷺ قدمَه على رقبته

---

(۱) "المواهب اللدُنية" بحواله ابن إسحاق، المقصد ٥، ٣/ ٣٩.

(۲) حضرت علامہ عبدالقادر قادری بن محی الدّین الصدیقی الاربلی جامع علوم شریعت وحقیقت تھے، علمائے کرام اور صوفیہ عظام میں عمدہ مقام پایا۔ آپ کے اساتذہ میں الشیخ عبدالرحمٰن الطالبانی جیسے اجلہ فضلاء شامل ہیں۔ اور کوفہ میں ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں وصال پایا۔ آپ کی تصانیف میں سے مشہور کتابیں یہ ہیں: (١) "آداب المريدين ونجاة المسترشدين". (٢) "تفريح الخاطر في مناقب الشيخ عبد القادر". (٣) "النفس الرحمانية في معرفة الحقيقة الإنسانية". (٤) "الدر المكنون في معرفة السرّ المصون". (٥) "حديقة الأزهار في الحكمة والأسرار". (٦) "شرح الصّلاة المختصرة" للشّيخ الأكبر. (٧) "الدرر المعتبرة في شرح الأبيات الثمانية عشرة". (٨) "شرح اللمعات" لفخر الدّين العراقي. (٩) "القواعد الجمعية في الطريق الرفاعية". (١٠) "مجموعة الأشعار في الرقائق والآثار". (١١) "مرآة الشهود في وحدة الوجود". (١٢) "مسك الختام في معرفة الإمام"، مختصر في كراسة. (١٣) "الإلهامات الرحمانية في مراتب الحقيقة الإنسانية". (١٤) "حجّة الذاكرين ورد المنكرين". (١٥) "الطريقة الرحمانية في الرجوع والوصول إلى الحضرة العلية". (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "معجم المؤلفين" ٥/ ٣٥٤. "هدية العارفين" ١/ ٦٠٥).

ورکب، فقال: قدمي على رقبتك، وقدمُك على رقبةِ كلِّ أولياءِ الله تعالى"⁽¹⁾ انتهى.

"یعنی شبِ معراج جبریل امین علیہ السلام خدمت اقدس حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں بُراق حاضر لائے، کہ چمکتی اُچک لے جانیوالی بجلی سے زیادہ شتاب رَو تھا، اور اس کے پاؤں کا نعل آنکھوں میں چکاچَوندڈالنے والا ہلال، اور اس کی کیلیں جیسے روشن تارے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے اسے قرار وسکون نہ ہوا، سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سبب پوچھا، بولا: میری جان حضور کی خاکِ نعل پر قربان! میری آرزو یہ ہے کہ حضور مجھ سے وعدہ فرمالیں کہ روزِ قیامت مجھ پر سوار ہو کر جنت میں تشریف لے جائیں! حضور معلّی۔صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا! بُراق نے عرض کی: میں چاہتا ہوں حضور میری گردن پر دستِ مبارک لگا دیں؛ کہ وہ روزِ قیامت میرے لیے علامت ہو! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا، دستِ اقدس لگتے ہی بُراق کو وہ فرحت وشادمانی ہوئی کہ رُوح اس مقدار جسم میں نہ سمائی، اور طرب سے پُھول کر چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حکمتِ نہانی ازلی کے باعث ایک لحظہ سواری میں توقّف ہوا، کہ حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی روحِ مطہّر نے حاضر ہو کر عرض کی: اے میرے آقا! حضور اپنا قدم پاک میری گردن پر رکھ کر سوار ہوں! سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی گردن مبارک پر قدم اقدس رکھ کر سوار ہوئے، اور ارشاد فرمایا: "میرا قدم تیری گردن پر، اور تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۵۰۰)

شفاعت کا بیان

مقامِ محمود مقامِ شفاعت کا نام ہے

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾⁽²⁾ "قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کر دے، جہاں سب تمہاری حمد کریں"۔ مقامِ محمود مقامِ شفاعت کا نام ہے۔ سورۂ نساء پارہ ۵، رکوع ۶ میں ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴾⁽³⁾ "اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے مُعافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائے، توضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں!"۔ رسول کا گناہگاروں کے لیے استغفار کرنا شفاعت ہی ہے۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۵۳)

شفاعت کا انکار نہیں کرے گا، مگر خبیث

عقیدہ: اللہ عزوجل نے آئین یہ باندھا ہے کہ ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ "جسے چاہے بخشے گا، اور جسے چاہے عذاب کرے گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

(۱) "تفريح الخاطر في مناقب الشيخ عبد القادر" المنقبة الأولى، سني، صـ۲٤، ۲٥.
(۲) پ۱۵، بنی اسرائیل:۷۹۔
(۳) پ۵، نساء:۶۴۔

...محض اگر گنہ گار کو بخش دے تو اس کے آئین پاک کے اصلاً خلاف نہیں، جس کی قدر اسے گھٹنے کا اندیشہ ہو۔ تو بے سبب ... میں کہے کہ "آئین کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا، کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر ... جائے"، وہ خبیث، معتزلی اور الٰہی آئین پر مفتری ہے۔

شفاعت کے لیے ہمارے حضور پُر نور ﷺ متعین ہیں، وہی فتحِ باب شفاعت فرمائیں گے

عقیدہ: شفاعت کے لیے ہمارے حضور پُر نور سیّد یوم النشور -علیہ افضل صلوات اللہ واکمل تسلیمات اللہ- باذن ... تعالیٰ متعین ہیں، وہی فتحِ باب شفاعت فرمائیں گے، ان سے پہلے کسی کو مجالِ شفاعت نہ ہوگی، «أعطيتُ الشّفاعة» ... شفاعت عطا ہو چکی، «أنا صاحبُ شفاعتهم ولا فخر!» اَوروں کی شفاعت کے بھی وہی مالک ہیں ﷺ۔ تو جو کہے کہ "جس کو چاہے گا شفیع بنا دے گا، اس کے اختیار پر چھوڑ دے، جس کو چاہے ہمارا شفیع کر دے"، وہ رسول اللہ ﷺ کے فضلِ خاص متیقّن کو ایک مشکوک و مشترک بات بنانا چاہتا ہے۔ ہاں (معاذ اللہ) اس کی ساختہ جھوٹی شفاعت واقع ہوتی تو ضرور اس کا یہ کہنا بھی ٹھیک ہوتا؛ کہ اس کے نزدیک تو "اللہ فقط اپنے آئین کا بھرم بنا رکھنے کے لیے حیلہ ڈھونڈے گا، کہ ظاہر میں کسی کا نام کر کے اپنے آئین کو آنچ آنے سے بچائے" اس کے لیے کسی کی کیا خصوصیت! جسے چاہا دھوکے کی ٹٹی بنالیا!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۲۲۱، ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے نبیِ اکرم ﷺ کے نور کو اپنے نور سے بنایا

عبد الرزاق اپنی "مصنَّف" میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: «يا جابرُ! إنّ اللہ تعالى قد خلقَ قبلَ الأشياء نورَ نبيِّك من نورِه -إلى قوله-: فلمّا أراد اللهُ أن يخلقَ الخلقَ، قسّمَ ذلك النّورَ أربعةَ أجزاء، فخلقَ من الجزء الأوّل القلمَ، ومن الثاني اللّوحَ، ومن الثالث العرشَ، ثمّ قسّمَ الرّابعَ أربعةَ أجزاءٍ، فخلقَ من الأوّل حَمَلةَ العرش، ومن الثاني الكرسي، ومن الثالث باقي الملائكة» ...الحديث. "اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے بنایا، پھر جب عالَم کو پیدا کرنا چاہا، اس نور کے چار ۴ حصے کیے: پہلے سے قلم، اور دوسرے سے لوح، اور تیسرے سے عرش بنایا، پھر چوتھے ٹکڑے کے چار ۴ حصے کیے: پہلے سے ملائکہ حاملانِ عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی فرشتے پیدا کیے"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۶۲)

رسول اللہ ﷺ کی شفاعت حق ہے، اور وہ اہلِ کبائر کے لیے ہے، اگرچہ عمر بھر ان کے عادی رہے ہوں

عقیدہ: رسول اللہ ﷺ کی شفاعت حق ہے، اور وہ اہلِ کبائر کے لیے ہے، اگرچہ عمر بھر ان کے عادی رہے ہوں۔

الآيات القرآنية

آیتِ اُولیٰ: قال الله تعالى: ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[1] "قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقامِ محمود میں بھیجے"۔ حدیث شریف میں ہے: حضور شفیع المذنبین ﷺ سے عرض کی گئی: مقامِ محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا: «هو الشّفاعة»[2] "وہ شفاعت ہے"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۸۸)

آیتِ ثانیہ۲: قال الله تعالى: ﴿وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾[3] "اور قریب تر ہے کہ تجھے تیرا رب اتنا دے گا، کہ تُو راضی ہو جائے گا"۔

دَیلمی "مسند الفردوس" میں امیر المؤمنین مولیٰ علی -کرّم الله تعالی وجہہ- سے راوی، جب یہ آیت اُتری، حضور شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا: «إذًا لا أرضَى وواحدٌ من أمّتي في النّار»[4] اللّهم صلِّ وسلِّم وبارِك عليه! "یعنی جب الله تعالی مجھ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے، تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک اُمّتی بھی دوزخ میں رہا"۔

طبرانی "معجم اَوسط" اور بزّار "مسند" میں جناب مولی المسلمین رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «أشفَع لأمّتي حتّى يناديَني ربّي: أرضيتَ يا محمّد! فأقول: أي ربِّ! قد رضيتُ»[5] "میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب پکارے گا: اے محمد! تو راضی ہوا؟ میں عرض کروں گا: اے رب میرے! میں راضی ہوا"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۸۸)

آیتِ ثالثہ۳: قال الله تعالى: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾[6] "اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مَردوں اور عورتوں کے گناہوں کی مُعافی مانگو!"۔

اس آیت میں الله تعالیٰ اپنے حبیب کریم -علیہ أفضل الصلاة والتسلیم- کو حکم دیتا ہے کہ مسلمان مَردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہ مجھ سے بخشواؤ! اَور شفاعت کا ہے کا نام ہے؟!

آیتِ رابعہ۴: قال الله تعالى: ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴾[7] "اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تیرے پاس حاضر ہوں، پھر خدا سے استغفار کریں، اور رسول

---

(۱) پ۱۵، بنی اسرائیل: ۷۹۔
(۲) "سنن الترمذي" أبواب التفسير، سورة بني إسرائيل، ۲/ ۱٤۲.
(۳) پ۳۰، ضحیٰ: ۵۔
(٤) "مفاتيح الغيب (التفسير الكبير)" تحت الآية: ٥، ۳۱/ ۲۱۳.
(٥) "المعجم الأوسط" حديث: ۲۰۸۳، ۳/ ٤٤. "الترغيب الترهيب" كتاب البعث، فصل في الشفاعة، ٤/٤٤٦ "الدر المنثور" تحت الآية: ٥، ٦/ ۳٦۱.
(٦) پ۲٦، محمد: ۱۹۔
(۷) پ۵، نساء: ٦٤۔

بخشش مانگے، تو بے شک اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں"۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے، کہ گناہ کر کے اس نبی کی سرکار میں حاضر ہو! اور اُس سے درخواست شفاعت کرو! محبوب تمہاری شفاعت فرمائے گا، تو ہم یقیناً تمہارے گناہ بخش دیں گے!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۸۸)

آیتِ خامسہ۵: قال اللہ تعالی: ﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾[1] "جب ان منافقوں سے کہا جائے، کہ آؤ رسول اللہ تمہاری مغفرت مانگیں! تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں"۔

اس آیت میں منافقوں کا حالِ بد مآل ارشاد ہوا، کہ وہ حضور شفیع المذنبین ﷺ سے شفاعت نہیں چاہتے، پھر جو آج نہیں چاہتے وہ کل نہ پائیں گے۔ اللہ دنیا و آخرت میں ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے! ع

حشر میں ہم بھی سَیر دیکھیں گے　　　منکر آج ان سے التجا نہ کرے!

وصلّی اللہ تعالی علی شفیع المذنبین، وآلہ وصحبہ وحزبہ أجمعین. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۸۹)

الأحاديث النبويّة

شفاعتِ کبریٰ کی حدیثیں جن میں صاف صریح ارشاد ہوا، کہ عرصاتِ محشر میں وہ طویل دن ہوگا، کہ کاٹے نہ کٹے، اور سروں پر آفتاب، اور دوزخ نزدیک، اُس دن سورج میں دس۱۰ برس کامل کی گرمی جمع کریں گے، اور سروں سے کچھ ہی فاصلہ پر لا رکھیں گے، پیاس کی وہ شدّت کہ خدا نہ دکھائے! گرمی وہ قیامت کہ اللہ بچائے! بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہو کر اوپر چڑھے گا، یہاں تک کہ گلے گلے سے بھی اونچے ہوگا، جہاز چھوڑیں تو بہنے لگیں، لوگ اس میں غوطے کھائیں گے، گھبرا گھبرا کر دل حلق تک آجائیں گے۔

لوگ ان عظیم آفتوں میں جان سے تنگ آکر شفیع کی تلاش میں جابجا پھریں گے، آدم و نُوح، خلیل و کلیم و مسیح -علیہم الصلاۃ والتسلیم- کے پاس حاضر ہو کر جواب صاف سنیں گے، سب انبیاء فرمائیں گے: ہمارا یہ مرتبہ نہیں! ہم اس لائق نہیں! ہم سے یہ کام نہ نکلے گا! نفسی نفسی! تم اَور کسی کے پاس جاؤ! یہاں تک کہ سب کے بعد حضور پُر نور خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، حضور اقدس ﷺ «أنا لها! أنا لها!»[2] فرمائیں گے، "یعنی میں ہوں شفاعت کے لیے! میں ہوں شفاعت کے لیے!"۔

پھر اپنے ربِ کریم جل جلالہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سجدہ کریں گے، ان کا رب ﷻ ارشاد فرمائے گا: «یا محمّد! ارفع رأسك! وقل تُسمَع! وسَل تعطَه! واشفع تُشفَّع!»[3] "اے محمد! اپنا سَر اٹھاؤ اور عرض کرو! تمہاری بات سُنی

---

[1] پ۲۸، منافقون: ۵۔

[2] "البداية والنهاية" ذكر ثناء الله ورسوله الكريم على عبد وخليله إبراهيم، ۱/ ۱۷۱. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة، ۱/ ۱۱۰.

[3] "صحيح البخاري" كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ولقد أرسلنا نوحاً﴾...إلخ، ۱/ ۴۷۰. "صحيح

جائے گی! اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا! اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے!"۔
یہی مقامِ محمود ہوگا، جہاں تمام اوّلین وآخرین میں حضور کی تعریف وحمد وثناء کا غُل پڑجائے گا، اور مُوافق ومخالف سب پر کُھل جائے گا۔ بارگاہِ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی کی نہیں، اور مالک عظیم جلّ جلالہ کے یہاں جو عظمت ہمارے مولیٰ کے لیے ہے کسی کے لیے نہیں، والحمد لله ربّ العالمین!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۴۹۰)

اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا، کہ پہلے اَور انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جائیں، اور وہاں سے محروم پھر کر ان کی خدمت میں حاضر آئیں؛ تاکہ سب جان لیں کہ منصبِ شفاعت اسی سرکار کا خاصّہ ہے، دوسرے کی مجال نہیں کہ اس کا دروازہ کھول سکے، والحمد لله ربّ العالمین!۔

یہ حدیثیں "صحیح بخاری" و"صحیح مسلم" تمام کتابوں میں مذکور، اور اہلِ اسلام میں معروف ومشہور ہیں، ذکر کی حاجت نہیں؛ کہ بہت طویل ہیں۔ شک لانے والا اگر دو۲ حرف بھی پڑھا ہو، تو "مشکاۃ شریف" کا اردو میں ترجمہ منگا کر دیکھ لے، یا کسی مسلمان سے کہے کہ پڑھ کر سُنا دے۔ اور انہیں حدیثوں کے آخر میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ شفاعت کرنے کے بعد حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخششِ گنہگاران کے لیے بار بار شفاعت فرمائیں گے، اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ وہی کلمات فرمائے گا، اور حضور ہر مرتبہ بے شمار بندگانِ خدا کو نجات بخشیں گے۔

شفاعت کی حدیثیں متواتر ہیں

شفاعت کی حدیثیں خود متواتر ہیں، اور یہ بھی ہر مسلمان صحیح الایمان کو معلوم ہے کہ یہ قبائے کرامت، اس مبارک اقامت، شایانِ امامت، سزاوارِ زعامت کے سوا کسی قد وبالا پر راست نہ آئی، نہ کسی نے بارگاہِ الٰہی میں ان کے سوا یہ وجاہتِ عظمیٰ، ومحبوبیتِ کبریٰ، واذنِ سفارش، واختیارِ گزارش کی دَولت پائی۔ تو وہ سب حدیثیں تفضیلِ جلیل محبوب جمیل -صلوات اللہ وسلامہ علیہ- پر دلیل ہیں۔ مگر میں صرف وہ چند احادیث نقل کرتا ہوں جن میں تصریحاً سب انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام[1] کا عجز اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدرت بیان فرمائی: ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۷۴)

=

البخاري" كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ۲/ ۹۷۱. "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿لما خلقت بيدي﴾، ۲/ ۱۱۰۲. "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وجوه يومئذ ناضرة﴾...إلخ، ۲/ ۱۱۰۸. "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قول الرب يوم القيامة الأنبياء وغيرهم، ۲/ ۱۱۱۸. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة ...إلخ، ۱/ ۱۰۸-۱۱۱.

(۱) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ "شرح مشکاۃ" میں زیرِ حدیث اوّلین شفاعت فرماتے ہیں: "صواب است کہ ہمہ انبیاء ومرسلین -صلوات اللہ علیہم اجمعین- از در آمدن دریں مقام واقدام بریں کار عاجز وقاصر اند بجز سیّد المرسلین وامام النبیین کہ بنہایت قرب وعزت ومکانت مخصوص است ومحمود ومحبوب حضرت اوست۔ ["اشعۃ اللمعات" کتاب الفتن، باب الحوض والشفاعۃ، الفصل ۱، ۴/۳۸۶]۔

حدیث موقف مفصّل مطوّل احمد وبخاری ومسلم وترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]، اور بخاری ومسلم وابن ماجہ نے انس[2]، ترمذی وابن خزیمہ نے ابو سعید خدری[3]، اور احمد وبزّار وابن حِبّان وابو یعلی نے صدیق اکبر[4] رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور احمد وابو یعلی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما[5] سے مرفوعاً الی سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور عبد اللہ بن مبارک، وابن ابی شَیبہ، وابن ابی عاصم، وطبرانی نے بسند صحیح سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[6] سے موقوفاً روایت کی۔

ان سب[7] کے الفاظ جدا جدا نقل کرنے میں طول کثیر ہے، لہذا میں ان کے متفرّق لفظوں کو ایک منتظم سلسلہ میں یکجا کرکے اس جانفزا قصّہ کی تلخیص کرتا ہوں، وباللہ التوفیق:

ارشاد ہوتا ہے: روز قیامت[8] (الف) اللہ تعالیٰ اوّلین وآخِرین کو ایک میدان وسیع وہموار میں جمع کرے گا، کہ سب

---

(1) "صحيح البخاري" كتاب التفسير، سورة بني إسرائيل، باب قوله تعالى: ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا﴾، ٢/ ٦٨٤، ٦٨٥. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة ...إلخ، ١/ ١١١. "مسند الإمام أحمد" عن أبي هريرة، ٢/ ٤٣٥، ٤٣٦. "سنن الترمذي" كتاب صفة القيامة، باب ما جاء في الشفاعة، ر: ٢٤٤٢، ٤/ ١٩٦، ١٩٧. "المواهب اللدُنية" المقصد ١٠، الفصل ٣، ٤/ ٤٤٦-٤٤٨.

(2) "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿لما خلقت بيدي﴾، ٢/ ١١٠١، ١١٠٢. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة، ١/ ١٠٨-١١٠. "سنن ابن ماجه" أبواب الزهد، باب ذكر الشفاعة، صـ٣٢٩.

(3) "سنن الترمذي" أبواب التفسير، سورة بني إسرائيل، ر: ٣١٥٩، ٥/ ٩٩، ١٠٠. "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب ما جاء فضل النبي ﷺ، ر: ٣٦٣٥، ٥/ ١٥٤. "الخصائص الكبرى" باب اختصاصه ﷺ بالمقام المحمود، ٢/ ٢١٨-٢٢٤.

(4) "مسند الإمام أحمد" عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه، ١/ ٥. "موارد الظمآن" باب ما جاء في البعث والشفاعة، ر: ٢٥٨٩، صـ٦٤٢، ٦٤٣. "مسند أبي يعلى" عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه، ١/ ٥٩. "كنز العمال" بحوالة البزّار، ر: ٣٩٧٥٠، ١٤/ ٦٢٨، ٦٢٩.

(5) "مسند الإمام أحمد" عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، ١/ ٢٨١، ٢٨٢. "مسند أبي يعلى" عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، ر: ٢٣٢٤، ٣/ ٥-٧.

(6) "المعجم الكبير" عن سلمان رضي الله عنه، ر: ٦١١٧، ٦/ ٢٤٨. "السنّة" لابن أبي عاصم: ر: ٨٣٤، صـ١٩٠-١٩٢. "المصنَّف" لابن أبي شَيبة: ر: ٣١٦٦٦، ٦/ ٣١٢.

(7) ہر چند یہ چھ ٦ صحابہ سے چھ ٦ حدیثیں ہیں، مگر صرف دو ٢ ہی شمار میں آئیں، کہ حدیث ابو ہریرہ اسی کا تتمہ ہے، جو ارشاد اوّل میں گزری، اور حدیث ابو سعید اگرچہ ترمذی نے اسی قدر مختصراً روایت کی جتنی ارشادِ سوم ٣ میں گزری، مگر تفسیر میں بعینہ سند مطوّلاً لائے، جس کی وجہ سے یہ حدیث اس کا تتمہ ہے، اور حدیث صدیق اکبر بعینہ حدیث ارشاد ہفتم ٧ ہے، اور حدیث ابن عباس حدیث ارشاد ہیجدہم ١٨، لہذا ان چار ٤ کا مکرر شمار نہ ہوا، اور صرف حدیث انس وحدیث سلمان تعداد میں آئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(8) یہ حروف بحساب ابجد "الف" سے "واو" تک انہیں چھ ٦ حدیثوں کی طرف اشارہ ہیں، کہ میں نے حدیثِ اوّل کو (کہ میرے مطلب میں =

دیکھنے والے کے پیش نظر ہوں، اور پکارنے والے کی آواز سنیں۔ (ہ)دن طویل ہوگا، (و)اور آفتاب کو اس روز دس برس کی گرمی دیں گے، پھر لوگوں کے سروں سے نزدیک کریں گے، یہاں تک کہ بقدر دو ۲ کمانوں کے فرق رہ جائے گا۔ پسینے آنے شروع ہوں گے، قد آدم پسینہ تو زمین میں جذب ہو جائے گا، پھر اوپر چڑھنا شروع ہوگا، یہاں تک کہ آدمی غوطے کھانے لگیں گے، اور غرپ غرپ کریں گے، جیسے کوئی ڈبکیاں لیتا ہے۔

(الف) قرب آفتاب سے غم وکرب اس درجہ کو پہنچے گا کہ طاقت طاق ہوگی [بالکل طاقت نہ ہونا]، تاب تحمل باقی نہ رہے گی۔

(ج) رورہ کر تین ۳ گھبراہٹیں لوگوں کو اٹھیں گی:

(الف) آپس میں کہیں گے: دیکھتے نہیں تم کس آفت میں ہو! کس حال کو پہنچے! کوئی ایسا کیوں نہیں ڈھونڈتے جو رب کے پاس شفاعت کرے!

(ب) کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے!

(الف) پھر خود ہی تجویز کریں گے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے باپ ہیں، ان کے پاس چلا جائے! پس آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے۔

(د) اور پسینے کی وہی حالت ہے کہ منہ میں لگام کی طرح ہوا چاہتا ہے،

(الف) عرض کریں گے:

(و) اے باپ ہمارے!

(الف) اے آدم! آپ ابو البشر ہیں! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دستِ قدرت سے بنایا! اور اپنی رُوح آپ میں ڈالی! اور اپنے ملائکہ سے سجدہ کرایا! اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا!

(ب) اور سب چیزوں کے نام سکھائے!

(د) اور آپ کو اپنا صفی کیا!

(الف) آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے!

(ب) کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے!

(الف) آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس آفت میں ہیں اور کس حال کو پہنچے! آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے:

(ب) لستُ هناكم!

= زیادہ مفصل ہے) اصل کیا، اور باقی پانچ ۵ میں جو زیادتیاں ہیں، باشارہ حروف انہیں تمیز کر دیا۔ منہ [امام احمد رضا]

(د) «إنّه لم يهمّني اليومَ إلّا نفسي»

(الف) «إنّ ربّي قد غضبَ اليومَ غضباً لم يغضبْ قبلَه مثله! ولن يغضبَ بعدَه مثله! نفسي نفسي نفسي! اذهبوا إلى غيري!» "میں اس قابل نہیں! مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں! آج میرے رب نے غضب فرمایا ہے کہ نہ ایسا پہلے کبھی کیا، نہ آئندہ کبھی کرے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے! مجھے اپنی جان کا غم ہے! مجھے اپنی جان کا خوف ہے! تم اور کسی کے پاس جاؤ!"۔

(د) عرض کریں گے: پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے:

(د) اپنے پدرِ ثانی

(الف) نوح کے پاس جاؤ!

(ب) کہ وہ پہلے نبی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا،

(د) وہ خدا کے شاکر بندے ہیں۔

(الف) لوگ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے نوح!

(د) اے نبی اللہ!

(الف) آپ اہلِ زمین کی طرف پہلے رسول ہیں! اللہ نے عبدِ شکور آپ کا نام رکھا!

(د) اور آپ کو برگزیدہ کیا! اور آپ کی دعا قبول فرمائی! کہ زمین پر کسی کافر کا نشان نہ رکھا! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس بلا میں ہیں! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے! آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے کہ ہمارا فیصلہ کر دے!

(الف) نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے:

(ب) «لستُ هناكم!»

(د) «ليس ذاكم عندي!»

(ه) «إنّه لا يهمّني اليومَ إلّا نفسي!»

(الف) «إنّ ربّي غضبَ اليومَ غضباً لم يغضبْ قبلَه مثله! ولن يغضبَ بعدَه مثله! نفسي نفسي نفسي! اذهبوا إلى غيري!» "میں اس قابل نہیں! یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا! آج مجھے اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں! میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا جو نہ اس سے پہلے کیا، اور نہ اس کے بعد کرے گا! مجھے اپنی جان کی فکر ہے! مجھے اپنی جان کا کھٹکا ہے! مجھے اپنی جان کا ڈر ہے! تم کسی اور کے پاس جاؤ!"۔

(د) عرض کریں گے: پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے:

(ب) تم خلیل الرحمن ابراہیم کے پاس جاؤ!

(د) کہ اللہ نے انہیں اپنا دوست کیا ہے،

(الف) لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے، عرض کریں گے: اے خلیل الرحمن! اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اہل زمین میں اس کے خلیل ہیں! آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجیے!

(ہ) کہ ہمارا فیصلہ کر دے!

(الف) آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں! آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے! ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے:

(ب) «لستُ هناكم!»

(و) «ليس ذاكم عندي!»

(ہ) «لا يهمّني اليومَ إلّا نفسي!»

(الف) «إنّ ربّي قد غضبَ اليومَ غضباً لم يغضبْ قبلَه مثله! ولن يغضبَ بعدَه مثله! نفسي نفسي نفسي! اذهبوا إلى غيري!» "میں اس قابل نہیں! یہ کام میرے کرنے کا! مجھے بس اپنی جان کا تردد ہے! تم کسی اور کے پاس جاؤ!۔

(و) عرض کریں گے: پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے:

(الف) تم موسیٰ کے پاس جاؤ! وہ بندہ جسے خدا نے توریت دی، اور اس سے کلام فرمایا، اور اپنا راز دار بنا کر قرب بخشا، اور اپنی رسالت دے کر برگزیدہ کیا۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت بخشی! اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجیے! آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس صدمہ میں ہیں! موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے:

«لستُ هناكم! ليس ذاكم عندي! إنّه لا يهمّني اليومَ إلّا نفسي! إنّ ربّي قد غضبَ اليومَ غضباً لم يغضب قبلَه مثله! ولن يغضبَ بعدَه مثله! نفسي نفسي نفسي! اذهبوا إلى غيري!» "میں اس لائق نہیں! یہ کام مجھ سے نہ ہوگا! مجھے آج اپنے سوا دوسرے کی فکر نہیں! میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا نہ کبھی کیا تھا اور نہ کبھی کرے! مجھے اپنی جان کی فکر ہے! مجھے اپنی جان کا خیال ہے! مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے! تم کسی اور کے پاس جاؤ! عرض کریں گے: پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے: تم عیسیٰ کے پاس جاؤ! وہ اللہ کے بندے ہیں، اور اس کے رسول ہیں، اور اس کے کلمہ ہیں، اور اس کی روح ہیں، کہ وہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے، اور مُردے جِلاتے تھے۔

لوگ مسیح علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کے وہ کلمہ ہیں کہ اس نے مریم کی طرف اِلقاء فرمایا! اور اس کی طرف کی روح ہیں! آپ نے گہوارے میں کلام کیا! اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجیے کہ وہ ہمارا فیصلہ فرما دے! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس اندوہ میں ہیں! آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے! مسیح علیہ السلام فرمائیں گے: «لستُ هناكم! ليس ذاكم عندي! إنّه لا يهمّني اليومَ إلّا نفسي! إنّ ربّي قد غضب

غضباً لم يغضبْ قبلَه مثله! ولن يغضبَ بعدَه مثله! نفسي نفسي نفسي! اذهبوا إلى غيري!» "میں اس لائق نہیں! یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا! مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کا غم نہیں! میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے، نہ کبھی ایسا کیا نہ کرے! مجھے اپنی جان کا ڈر ہے! مجھے اپنی جان کا غم ہے! مجھے اپنی جان کی سوچ ہے! تم اَور کسی کے پاس جاؤ! عرض کریں گے: پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے:

«ايتوا عبداً فتحَ اللهُ على يدَيه، ويجيء في هذا اليوم آمناً، انطلقوا إلى سيّدِ ولدِ آدم؛ فإنّه أوّلُ مَن تنشقُّ عنه الأرضُ يومَ القيامة! ايتُوا محمداً! إنّ كلَّ متاع في وعاءٍ مختوم عليه، أكان يقدر على ما في جوفِه حتّى يفضَّ الخاتم؟» "تم اس بندے کے پاس جاؤ جس کے ہاتھ پر اللہ نے فتح رکھی ہے، اور آج کے دن بے خوف ومطمئن ہے، اس کی طرف چلو جو تمام بنی آدم کا سردار، اور سب سے پہلے زمین سے باہر تشریف لانے والا ہے، تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ! بھلا کسی سربمہر ظرف میں کوئی متاع ہو، اس کے اندر کی چیز بے مہر اٹھائے مل سکتی ہے؟! لوگ عرض کریں گے: نہ! فرمائیں گے: «إنّ محمداً ﷺ خاتمُ النبيّين، وقد حضر اليومَ! اذهبوا إلى محمدٍ فليشفَع لكم إلى ربكم!» یعنی "اسی طرح محمد ﷺ انبیاء کے خاتم ہیں (تو جب تک وہ باب فتح نہ فرمائیں، کوئی نبی کچھ نہیں کر سکتا!) اور آج وہ یہاں تشریف فرما ہیں، تم انہیں کے پاس جاؤ! چاہیے کہ وہ تمھارے رب کے حضور تمھاری شفاعت کریں ﷺ!۔

اب وہ وقت آیا کہ لوگ تھکے ہارے، مصیبت کے مارے، ہاتھ پاؤں چھوڑے، چار طرف سے امیدیں توڑے، بارگاہِ عرش جاہ، بے کس پناہ، خاتمِ دورۂ رسالت، فاتحِ باب شفاعت، محبوب باوَجاہت[1]، مطلوبِ بلند عزّت، ملجا عاجزاں، ماویٰ بیکساں، مولائے دوجہاں، حضور پُر نور، محمد رسول اللہ، شفیع یوم النشور - أفضل صلوات الله، وأكمل تسليمات الله، وأزكى تحيات الله، وأنمى بركات الله، عليه وعلى آله وصحبه وعياله - میں حاضر آئے، اور بہزاراں ہزار نالہائے زار و دلِ بے قرار و چشمِ اشکبار یوں عرض کرتے ہیں:

«يا محمد! ويا نبيَّ الله! أنتَ الّذي فتح اللهُ بك! وجئتَ في هذا اليوم آمناً! أنتَ رسولُ الله! وخاتمُ الأنبياء! اشفعْ لنا إلى ربّك فليقضِ بيننا! ألا ترى إلى ما نحن فيه! ألا ترى ما قد بلغنا!» "اے محمد! اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتحِ باب کیا! اور آج آپ آمن و مطمئن تشریف لائے! حضور اللہ

(1) یہ لفظ اس سفیہ کے رد میں ہیں، جو شفاعت بالوجاہت وشفاعت بالمحبۃ کو نہیں مانتا، حالانکہ حقیقۃً اسبابِ شفاعت یہی ہیں، اور ان کے جو معنی اس نے تراشے وہ اس کی نری زبان درازیاں ہیں، پھر شفاعت بالاذن کا جو مطلب گڑھا محض باطل ہے، اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ حضرت والد - قدس سرہ الماجد - نے "تزکیۃ الایقان" اور دیگر علمائے اہل سنت نے اپنی تصانیف میں تحقیق فرمایا۔ پھر احادیث کثیرہ گواہ ہیں کہ اس کے گڑھے ہوئے معنی ہرگز واقع نہ ہوں گے، تو اس نے اس پردے میں اصل شفاعت سے انکار کیا، کہ جو مانتا ہے وہ ہوگی نہیں، اور جو ہوگی اسے مانتا نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ میں وجودِ انسان کا منکر نہیں، مگر لوگ جسے انسان کہتے ہیں وہ معدوم ہے، موجود یہ ہے کہ اس کے پانچ ۵ ہاتھ ہوں، اور بائیس ۲۲ کان ہوں، اور ستائیس ۲۷ ناکیں، اور پینتالیس ۴۵ منہ، اور پہاڑ پر چڑھ کر پیڑ پر بسیرا لیتا ہو۔ ہر عاقل جانے گا کہ یہ احمق سرے سے انسان ہی کا منکر ہے، اگرچہ براہِ عیاری لفظِ انسان کا مقِر ہے۔ منہ [امام احمد رضا]

کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں! اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجیے کہ ہمارا فیصلہ فرما دے! حضور نگاہ تو کریں ہم کس درد اور مصیبت میں ہیں! حضور ملاحظہ تو فرمائیں ہم کس حال کو پہنچے ہیں! حضور پُر نور ﷺ ارشاد فرمائیں گے: "أنا لها وأنا صاحبكم!" "میں شفاعت کے لے ہوں! میں تمھارا وہ مطلوب ہوں جسے تمام موقف میں ڈھونڈتے پھرے!" صلّی اللہ تعالی علیه وسلّم وبارَك وشرّف ومجّد وكرّم.

اس کے بعد حضور نے اپنی شفاعت کی کیفیت ارشاد فرمائی۔ یہ نصف حدیث کا خلاصہ ہے۔

مسلمان اسی قدر کو بنگاہِ ایمان دیکھے! اور اوّلاً حق ﷻ کی یہ حکمتِ جلیلہ خیال کرے، کہ کیونکر اہلِ محشر کے دلوں میں ترتیب وار انبیائے عظام علیہم السلام کی خدمت میں جانا الہام فرمائے گا؟ اور دفعۃً بارگاہِ اقدس سیّدِ عالم ﷺ میں حاضر نہ لائے گا؟ کہ حضور تو یقیناً شفیع مشفّع ہیں، ابتداءً یہیں آتے تو شفاعت پاتے! مگر اوّلین وآخرین ومُوافقین ومخالفین خلق اللہ اجمعین پر کیونکر کھلتا، کہ یہ منصبِ اَنجم اسی سیّدِ اکرم مولائے اعظم ﷺ کا حصہ خاصہ ہے! جس کا دامنِ رفیع جلیل ومنیع تمام انبیاء ومرسلین کے دستِ ہمت سے بلند وبالا ہے۔

پھر خیال کیجیے کہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں کان اس حدیث سے آشنا، اور بے شمار بندے اس حال کے شناسا، عرصاتِ محشر میں صحابہ وتابعین وائمۂ محدثین واولیائے کاملین وعلمائے عاملین بھی موجود ہوں گے! پھر کیونکر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے ایسی بھلادی جائے گی، کہ اتنی کثیر جماعتوں میں ان طویل مدّتوں تک کسی کو اصلاً یاد نہ آئے گی! پھر نوبت بنوبت حضرات انبیاء سے جواب سنتے جائیں گے، جب بھی مطلق دھیان نہ آئے گا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو سچے مُخبِر نے پہلے ہی بتایا ہے! پھر حضرات انبیاء -علیہم الصلاۃ والثناء- کو دیکھیے! وہ بھی یکے بعد دیگرے انبیائے مابعد کے پاس بھیجتے جائیں گے، یہ کوئی نہ فرمائے گا کہ کیوں بے کار ہلاک ہوتے ہو! تمھارا مطلوب اس پیارے محبوب ﷺ کے پاس ہے!۔

یہ سارے سامان اسی اظہارِ عظمت واشتہارِ وجاہتِ محبوبِ باشوکت کی خاطر ہیں، ﴿لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ تاکہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے!۔

ثانیاً: سوال شفاعت پر حضرات انبیاء کے جواب اور ہمارے حضور کا مبارک ارشاد ملا دیکھیے! یہیں مقامِ محمود کا مزہ آتا۔ اور ابھی کالشمس کھلا جاتا ہے کہ سب نجومِ رسالت ومصابیحِ نبوت میں افضل واعلی واجل واعظم واَولی وبلند وبالا، وہی عرب کا سورج، حرم کا چاند ہے، جس کے نور کے حضور ہر روشنی ماند ہے، صلّی اللہ تعالی علیه وسلّم وبارَك وشرّف ومجّد وكرّم. اور انبیائے خمسہ کی وجہِ تخصیص ظاہر ہے؛ کہ حضرت آدم اوّلِ انبیاء وپدرِ انبیاء ہیں، اور مرسلین اربعہ اُولوالعزم مرسَل اور سب انبیائے سابقین سے اعلی وافضل ہیں، تو ان پر تفضیل سب پر تفضیل ہے، والحمد لله الملك الجليل!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۱۰۶)

میں ان مشہور حدیثوں کے سوا ایک اربعین، یعنی چالیس ۴۰ حدیثیں اَور لکھتا ہوں، جو گوشِ عوام تک کم پہنچی ہوں، جن سے مسلمانوں کا ایمان ترقی پائے! منکر کا دل آتشِ غیظ میں جل جائے! بالخصوص جن سے اس ناپاک تحریف کا رَدِ شریف ہو!۔

بعض بددینوں، خداناترسوں، ناحق کوشوں، باطل کیشوں نے معنیٔ شفاعت میں کیں، اور انکارِ شفاعت کے چہرۂ نجس چھپانے کو ایک جھوٹی صورت نام کی شفاعت دل سے گھڑی!۔

ان حدیثوں سے واضح ہوگا، یہ حدیثیں ظاہر کریں گی، کہ ہمیں خدا اور رسول نے کان کھول کر شفیع کا پیارا نام بتا دیا، اور صاف فرمایا کہ وہ محمد رسول اللہ ہیں ﷺ، نہ یہ کہ بات گول رکھی ہو، جیسے ایک بدبخت کہتا ہے، کہ اسی کے اختیار پر چھوڑ دیجیے، جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کر دے!۔

یہ حدیثیں مژدۂ جانفزا دیں گی، کہ حضور کی شفاعت نہ اُس کے لیے ہے جس سے اتفاقاً گناہ ہو گیا ہو، اور وہ اس پر ہر وقت نادم وپریشان وترساں ولرزاں ہے، جس طرح ایک دُزد باطن کہتا ہے کہ "چور پر تو چوری ثابت ہو گئی، مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں، اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا، مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا، سو اس پر شرمندہ ہے، اور رات دن ڈرتا ہے"۔ نہیں نہیں! ان کے رب کی قسم جس نے انہیں شفیع المذنبین کیا! اُن کی شفاعت ہم جیسے رُوسیاہوں، پُر گناہوں، سیاہ کاروں، ستم گاروں کے لیے ہے، جن کا بال بال گناہ میں بندھا ہے، جن کے نام سے گناہ بھی ننگ وعار رکھتا ہے! ؏

ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من

وحسبُنا الله تعالى ونعم الوكيل، والصّلاة والسّلام على الشّفيع الجميل، وعلى آله وصحبه بألوف التبجيل، والحمد لله ربّ العالمين! ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۹۱)

حدیث ۱و۲: امام احمد بسندِ صحیح اپنی "مسند" میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، اور ابن ماجہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «خُيِّرتُ بين الشَّفاعة وبين أن يدخلَ نصفُ أمّتي الجنّةَ، فاخترتُ الشّفاعةَ؛ لأنّها أعمُّ وأكفَى. ترَونَها للمتّقين؟ لا، ولكنّها للمذنبين الخطّائين المتلوّثين!»[1] "اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ: یا تو شفاعت لو، یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے! میں نے شفاعت لی؛ کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے۔ کیا تم یہ سمجھ لیے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے؟ نہیں، بلکہ وہ ان گنہگاروں کے واسطے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت خطاکار ہیں"۔ اللّٰهم صلِّ وسلِّم وبارِك عليه، والحمد لله ربّ العالمين!.

حدیث ۳: ابن عدی حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «شفاعتي للهالكين من أمّتي!»[2] "میری شفاعت میرے اُن امتیوں کے لیے ہے، جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا"۔ حق ہے اے شفیع میرے! میں قربان تیرے! صلّى الله عليك!.

حدیث ۴تا۸: حضرت ابو داؤد، وترمذی، وابن حبّان، وحاکم، وبیہقی بافادۂ صحیح حضرت انس بن مالک،

---

(1) "سنن ابن ماجه" أبواب الزُّهد، باب ذكر الشَّفاعة، صـ۳۲۹. "مسند أحمد" عن عبد الله بن عمر، ۲/ ۵۷.

(2) "الكامل" لابن عدي، ترجمة عمرو بن المحرم، ۵/ ۱۸۰۱. "كنز العمال" ر: ۳۹۰۷۳، ۱۴/ ۴۰۱.

اور ترمذی، ابن ماجہ، ابن حِبّان، وحاکم حضرت جابر بن عبد اللہ،
اور طبرانی "معجم کبیر" میں حضرت عبد اللہ بن عباس،
اور خطیبِ بغدادی حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق وحضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «شفاعتي يومَ القيامة لأهل الكبائر من أمّتي»[1] "میری شفاعت میری امت میں اُن کے لیے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔ صلّى الله تعالى عليك وسلّم! والحمد لله ربّ العالمين!.

حدیث ۹: ابوبکر احمد بن بغدادی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا: «شفاعتي لأهل الذُّنوب من أمّتي» "میری شفاعت میرے گنہ گار امتیوں کے لیے ہے"، ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وإن زنى وإن سَرَقَ "اگرچہ زانی ہو؟ اگرچہ چور ہو؟" فرمایا: «وإن زنى، وإن سرق، على رغم أنفِ أبي الدّرداء!»[2] "اگرچہ زانی ہو، اگرچہ چور ہو! برخلاف خواہش ابو درداء کے!"۔

حدیث ۱۰و۱۱: طبرانی وبیہقی حضرت بریدہ،
اور طبرانی "معجم اَوسط" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «أن أشفعَ يومَ القيامة لِأكثر ممّا على وجه الأرض، من شجرٍ وحجرٍ ومدرٍ»[3] یعنی "رُوئے زمین پر جتنے پیڑ، پتھر، ڈھیلے ہیں، میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت فرماؤں گا"۔

حدیث ۱۲: بخاری، مسلم، حاکم، بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، واللفظ لهذين: حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «شفاعتي لمن شهدَ أن لا إلهَ إلّا الله، مخلِصاً يصدّق قلبُه لسانَه»[4] "میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے، جو سچے دل سے کلمہ پڑھے، کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو"۔

حدیث ۱۳: احمد، طبرانی، وبزّار حضرت مُعاذ بن جبل، وحضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہما سے راوی، حضور شفیع المذنبین

---

(۱) "سُنن ابنِ ماجه" أبواب الزهد، باب ذكر الشفاعة، صـ۳۲۹. "سُنن أبي داود" كتاب السنة، باب في الشفاعة، ۲/۲۹۶. "جامع الترمذي" أبواب صفة القيامة، باب ما جاء في الشفاعة، ۲/۶۶. "مستدرَك الحاكم" كتاب الإيمان، شفاعتي لأهل الكبائر من أمّتي، ۱/۶۹. "السنن الكبرى" كتاب الجنايات، ۸/۱۷، وكتاب الشهادات، ۱۰/۱۹۰. "المعجم الكبير" ر: ۱۱۴۵۴، ۱۱/۱۸۹. "موارد الظمآن إلى زوائد ابن حِبّان" ر: ۲۵۹۶، صـ۲۴۵. "كنز العمال" ر: ۳۹۰۵۵، ۱۴/۳۹۸.

(۲) "تاريخ بغداد" ترجمة محمد بن إبراهيم الغازي ابن البصري، ۱/۴۱۶.

(۳) "مسند الإمام أحمد" عن بريدة الأسلمي، ۵/۳۴۷.

(۴) "مستدرَك الحاكم" كتاب الإيمان، باب شفاعتي لمن يشهد ...إلخ، ۱/۷۰. "مسند الإمام أحمد" عن أبي موسى الأشعري" ۴/۴۰۴، و۴۱۵. "كنز العمال" ر: ۳۹۰۷۹، و۳۹۰۸۰، ۱۰/۳۶۸، ۳۶۹. "مجمع الزوائد" كتاب البعث، باب ما جآء في الشفاعة، ۱۰/۳۶۸، ۳۶۹.

ﷺ فرماتے ہیں: «إنها أوسَع لهم، وهي لمن ماتَ ولا يُشرِك بالله شيئاً» "شفاعت میں امت کے لیے زیادہ وسعت ہے، کہ وہ ہر اس شخص کے واسطے ہے، جو اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، یعنی جس کا خاتمہ ایمان پر ہو"۔

حدیث ۱۴: طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «آتي جهنّم فأضربُ بابَها فيُفتَح لي، فأدخلها فأحمد اللهَ محامدَ ما حمدَه أحدٌ قبلي مثلَها، ولا يحمد أحدٌ بعدي، ثمّ أخرِج منها مَن قال: لا إلهَ إلّا الله»[1] ملخّصاً. "میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا، وہاں خدا کی تعریف کروں گا، ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کی، نہ میرے بعد کوئی کرے! پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خالص دل سے لا إلهَ إلّا الله کہا۔

حدیث ۱۵: حاکم بافادۂ تصحیح، اور طبرانی وبیہقی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «يوضَع للأنبياء منابرُ مِن ذهب، فيجلسون عليها، ويبقى منبري لا أجلسُ عليه -أو لا أقعدُ عليه- قائماً بين يدَي ربّي؛ مخافةَ أن يبعثَ بي إلى الجنّةِ، ويبقى أمّتي بعدي، فأقول: يا ربِّ! أمّتي أمّتي! فيقول الله ﷻ: يا محمّد! ما تريد أن أصنعَ بأمّتك؟ فأقول: يا ربِّ! عجّل حسابَهم! فما أزال أشفَع حتّى أُعطَى صكاكاً برجالٍ قد بعثَ بهم إلى النّار، حتّى أنّ مالِكاً خازِنَ النّار، فيقول: يا محمّد! ما تركتَ لغضبِ ربِّك في أمّتك مِن نقمةٍ»[2].

"انبیاء کے لیے سونے کے منبر بچھائیں گے، وہ اُن پر بیٹھیں گے، اور میرا منبر باقی رہے گا؛ کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا، بلکہ اپنے رب کے حضور سروقد کھڑا ہوں گا، اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو مجھے جنّت میں بھیج دے، اور میری امت میرے بعد رہ جائے! پھر عرض کروں گا: اے رب میرے! میری امت! میری امت! اللہ تعالی فرمائے گا: اے محمد! تیری کیا مرضی ہے؟ میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں؟ عرض کروں گا: اے رب میرے! ان کا حساب جلد فرما دے!۔ پس میں شفاعت کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ مجھے ان کی رہائی کی چٹھیاں ملیں گی جنہیں دوزخ بھیج چکے تھے، یہاں تک کہ مالک داروغہ دوزخ عرض کرے گا: اے محمد! آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا! اللّهم صلِّ وسلِّم وبارِك عليه، والحمد لله ربِّ العالمين!۔

حدیث ۱۶ تا ۲۱: بخاری ومسلم ونسائی حضرت جابر بن عبد اللہ، اور احمد بسندِ حسن، اور بخاری "تاریخ" میں، اور بزّار، اور طبرانی، وبیہقی، وابو نعیم حضرت عبد اللہ بن عباس، اور احمد بسندِ حسن، وبزّار بسندِ جیّد، ودارمی، وابن ابی شیبہ، وابو یعلی، وابو نعیم، وبیہقی حضرت ابو ذر،

---

(۱) "المعجم الأوسط" ر: ۳۸۵۷، ٤/ ٥٠٣.
(۲) "مستدرَك الحاكم" كتاب الإيمان، باب الأنبياء منابر من ذهب، ١/ ٦٥، ٦٦. "المعجم الأوسط" ر: ۲۹۵۸، ۲/ ٤٤٦، ٤٤٧. "الترغيب والترهيب" كتاب البعث، فصل في الشفاعة، ٤/ ٤٤٦.

اور طبرانی "معجم اوسط" میں بسند حضرت ابو سعید خدری،
اور "کبیر" میں حضرت سائب بن زید،
اور احمد باسنادِ حسن، اور ابن ابی شیبہ، وطبرانی حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، واللفظ لجابر قال: قال رسول الله ﷺ: «أعطيتُ ما لم يُعطَ أحدٌ قبلي -إلى قوله ﷺ-: وأُعطيتُ الشفاعة»[1].
اور لفظ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے وہ کچھ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دیا گیا"۔
ان چھیوں حدیثوں میں یہ بیان ہوا ہے، کہ حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: "میں شفیع مقرر کر دیا گیا، اور شفاعت خاص مجھی کو عطا ہوگی، میرے سوا کسی نبی کو یہ منصب نہ ملا!"۔

حدیث ۲۲و۲۳: ابن عباس وابو سعید وابو موسی سے انہیں حدیثوں میں وہ مضمون بھی ہے،
جو احمد و بخاری و مسلم نے انس،
اور شیخین نے ابو ہریرہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- سے روایت کیا، کہ حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ لكلّ نبيٍّ دعوةٌ، قد دعَا بها في أمّته واستجيبَ له»[2] وهذا اللّفظُ لأنس،
ولفظُ أبي سعيد: «ليس من نبيٍّ إلّا وقد أعطيَ دعوة، فتعجّلَها»[3]،
ولفظ ابن عباس: «لم يبقَ نبيٌّ إلّا أعطيَ سؤالُه»[4]،
رجعنا إلى لفظ أنس، وألفاظُ الباقين كمثلِه معنًى، قال: «وإنّي اختبأتُ دعوَتي شفاعةً لِأمّتي يومَ القيامة»،
زاد أبو موسى: «جعلتُها لمن ماتَ من أمّتي لا يُشرك بالله شيئاً»[5] یعنی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دُعائیں قبول ہوتی ہیں، مگر ایک دعا انہیں خاص جناب باری ﷻ سے ملتی ہے، کہ جو چاہے مانگ لو، بے شک دیا جائے گا! تمام انبیاء آدم سے عیسیٰ تک علیہم الصلاۃ والسلام، سب اپنی اپنی وہ دُعا دنیا میں کر چکے، اور میں نے آخرت کے لیے اُٹھا رکھی، وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے قیامت کے دن، میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔ اللّٰهم ارزقنا بجاهِه عندك، آمين! الله أكبر!.

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب التيمم وقوله تعالى: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً﴾، ۱/ ۴۸. "صحيح البخاري" كتاب الصّلاة، باب قوله النبي ﷺ: «جعلت لي الأرض»، ۱/ ۶۲.
(۲) "صحيح البخاري" كتاب الدعوات، باب قول الله تعالى: ﴿ادعوني استجب لكم﴾، ۲/ ۹۳۲.
(۳) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، ۳/ ۲۰.
(۴) "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب أينما أدركتك الصلاة، فصل ...إلخ، ۲/ ۴۳۳.
(۵) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي موسى الأشعري رضي الله عنه، ۴/ ۴۱۶.

اے گنہ گارانِ اُمت! کیا تم نے اپنے مالک و مولیٰ ﷺ کی یہ کمال رَأفت ورحمت اپنے حال پر نہ دیکھی! کہ بارگاہِ الٰہی عزّ جلالہ - سے تین ۳ سوال حضور کو ملے، کہ جو چاہو مانگ لو، عطا ہوگا! حضور نے ان میں کوئی سوال اپنی ذاتِ پاک کے لیے نہ رکھا، سب تمھارے ہی کام میں صرف فرما دیے! دو ۲ سوال دنیا میں کیے، وہ بھی تمھارے ہی واسطے، تیسرا آخرت کو اُٹھا رکھا، وہ تمھاری اس عظیم حاجت کے واسطے، جب اس مہربان مولیٰ رؤف ورحیم آقا ﷺ کے سوا کوئی کام آنے والا، بگڑی بنانے والا نہ ہوگا ﷺ۔ حق فرمایا حضرت حق عزّوجلّ نے: ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[1]۔

واللہ العظیم! قسم اس کی جس نے انہیں آپ پر مہربان کیا! ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زنہار اتنی مہربان نہیں، جس قدر وہ اپنے ایک ایک امّتی پر مہربان ہیں ﷺ۔ الٰہی! تو ہمارا عجز وضعف اور اُن کے حقوقِ عظیمہ کی عظمت جانتا ہے! اے قادر! اے واجد! ہماری طرف سے اُن پر اور اُن کی آل پر وہ برکت والی دُرودیں نازل فرما، جو اُن کے حقوق کو وافی ہوں! اور ان کی رحمتوں کو مُکافی! اللّهم صلِّ وسلِّم وبارِك عليه، وعلى آله وصحبه قدرَ رأفتِه ورحمتِه بأمّته، وقدرَ رأفتِك ورحمتِك به، آمين آمين إلهَ الحق آمين!.

سبحان اللہ! امّتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا، کہ کوئی افضلیت میں تشکیکیں نکالتا ہے! کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے! کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر کرّاتا ہے! افعالِ محبت کا بدعت نام! اِجلال وادب پر شرک کے اَحکام! إنّا لله وإنّا إليه راجعون! وسيعلم الذين ظلموا أيّ منقلبٍ ينقلبون! ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العلي العظيم!.

حدیث ۲۴: "صحیح مسلم" میں حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے مجھے تین ۳ سوال عطا فرمائے، میں نے دو ۲ بار تو دنیا میں عرض کر لی: «اللّهم اغفرْ لأمّتي! اللّهم اغفرْ لأمّتي!» "الٰہی میری اُمت کی مغفرت فرما! الٰہی میری اُمت کی مغفرت فرما!" «وأخّرتُ الثالثةَ ليوم يرغبُ إليَّ فيه الخلقُ حتّى إبراهيم»[2] "اور تیسری عرض اُس دن کے لیے اُٹھا رکھی، جس میں مخلوقِ الٰہی میری طرف نیاز مند ہوگی، یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام بھی"۔ وصلِّ وسلِّم بارِك عليه، والحمد لله ربّ العالمين!.

حدیث ۲۵: بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین ﷺ نے شبِ اِسراء اپنے رب سے عرض کی: تُونے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے! رب -عزّ مجدُہ- نے فرمایا: «أعطيتُك خيراً مِن ذلك -إلى قوله-: خبأتُ شفاعتَك ولم أخبأها لنبيٍّ غيرِكَ»[3] "میں نے تجھے جو عطا فرمایا وہ اُن سب سے بہتر ہے، میں نے تیرے لیے شفاعت چُھپا رکھی، اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی!"۔

حدیث ۲۶: ابن ابی شَیبہ وترمذی بافادۂ تحسین وتصحیح، اور ابن ماجہ وحاکم بحکمِ تصحیح، حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے راوی،

---

(1) پ۱۱، توبہ: ۱۲۸۔

(2) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي بن كعب، ۵/ ۱۲۷.

(3) "الشفا بتعريف حقوق المصطفى" الباب ۳، الفصل ۱، ۱/ ۱۳۴.

حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «إذا كان يوم القيامة، كنتُ إمامَ النبيّين، وخطيبَهم، وصاحبَ شفاعتِهم، غير فخر!»[1] "قیامت کے دن میں انبیاء کا پیشوا، اور ان کا خطیب، اور ان کا شفاعت والا ہوں، اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا!"۔

حدیث ۲۷ تا ۴۰: ابن منیع حضرت زید بن ارقم وغیرہ چَودہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے راوی، حضرت شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں: «شفاعتي يومَ القيامة حقٌّ، فمَن لم يؤمِن بها، لم يكن من أهلِها»[2] "میری شفاعت روزِ قیامت حق ہے، جو اِس پر ایمان نہ لائے گا اس کے قابل نہ ہوگا"۔ منکرِ مسکین اس حدیثِ متواتر کو دیکھے! اور اپنی جان پر رحم کر کے شفاعتِ مصطفی ﷺ پر ایمان لائے!۔

"اللّهم إنّكَ تَعلَم هدَيتَ فآمنّا بشفاعة حبيبِك محمّدٍ ﷺ، فاجعلْنا من أهلِها في الدّنيا والآخرة يا أهلَ التّقوى وأهلَ المغفرة! واجعلْ أشرفَ صلواتِك، وأنمَى بركاتِك، وأزكَى تحياتِك على هذا الحبيب المجتبَى والشّفيع المرتضى، وعلى آله وصحبه دائماً أبداً، آمين يا أرحمَ الرّاحمين! والحمد لله ربّ العالمين!. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۳۹۶)

ہمارے رسول ملائکہ کے رسولوں سے افضل ہیں

حدیث میں ہے: ربّ العزۃ -جلّ وعلا- فرماتا ہے: «عبدي المؤمنُ أحَبُّ إليَّ من بعض ملائكتي»[3] "میرا مسلمان بندہ مجھے میرے بعض فرشتوں سے زیادہ پیارا ہے"۔

ہمارے رسول ملائکہ کے رسولوں سے افضل ہیں، اور ملائکہ کے رسول ہمارے اولیاء سے افضل ہیں، اور ہمارے اولیاء عوام ملائکہ یعنی غیر رُسل سے افضل ہیں، اور یہاں عوام مؤمنین سے یہی مراد ہے، نہ کہ فسّاق وفُجّار؛ کہ ملائکہ سے کسی طرح افضل نہیں ہو سکتے۔ انسان صفتِ ملکوتی وبہیمی وسبعی وشیطانی سب کا جامع ہے، جو صفت اس پر غلبہ کرے گی، اس کے منسوب الیہ سے زائد ہو جائے گا، کہ اگر مَلکوتی صفت غالب ہوئی، کروڑوں ملائکہ سے افضل ہوگا۔ اور بہیمی غالب ہوئی، تو بہائم سے بدتر: ﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾[4] "جو چَوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ ہیں"۔ یونہی سبعی وشیطانی...۔ وہابیہ کو دیکھو! شیطان کہ ان سے سبق لیتا ہے، ابلیس کو ہزاروں برس کی عمر میں نہ سُوجھی تھیں، جو انہیں سُوجھتی ہیں! والله تعالى أعلم. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۶۰)

---

(۱) "جامع الترمذي" أبواب المناقب، باب منه، ۲/ ۲۰۱. "سنن ابن ماجه" أبواب الزهد، باب ذكر الشفاعة، صـ۳۳۰. "مستدرَك الحاكم" كتاب الإيمان، باب إذا كان يوم القيامة...إلخ، ۱/ ۷۱.

(۲) "كنز العمال" بحوالة ابن منيع عن زيد بن أرقم ...إلخ: ر: ۳۹۰۵۹، ۱٤/ ۳۹۹.

(۳) "إتحاف السادة المتقين" كتاب أسرار الصوم، ٤/ ۱۹۳.

(۴) پ۹، الأعراف: ۱۷۹۔

رسول اللہ ﷺ بے شک دافعِ ہر بلا ہیں

رسول اللہ ﷺ بے شک دافع ہر بلا ہیں، ان کی شان عظیم وارفع واعلی ہے، اُن کے غلام دفعِ بلا فرماتے ہیں، ابن عدی وابن عساکر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «إنما سُمّيتُ أحيَد؛ لِأنّي أحيدُ عن أمّتي نارَ جهنّم»[1] "میرانام "اَحید" اس لیے ہوا کہ میں اپنی اُمّت سے آتشِ دوزخ کو دفع فرماتا ہوں"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۸۳)

دوزخ سے بدتر اَور کیا بلا ہوگی جس کے دافع رسول اللہ ﷺ ہیں

دوزخ سے بدتر اَور کیا بلا ہوگی جس کے دافع رسول اللہ ﷺ ہیں؟! بیہقی "دلائل النبوّۃ" اور ابو سعد "شرف المصطفیٰ" میں راوی، خفاف بن نضلہ رضی اللہ تعالی عنہ نے حاضرِ بارگاہ ہوکر عرض کی: «حتّى وردتُ إلى المدينة جاهداً كيما أراك تفرّج الكُربات»[2] "میں کوشش کرتا ہوا مدینہ میں حاضر ہوا؛ کہ زیارتِ اقدس سے مشرّف ہوں، تو حضور میری سب سختیاں کھول دیں!" رسول اللہ ﷺ نے اُن کی عرض پسند کی اور تعریف فرمائی۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۸۴)

علمِ غیب

رسول اللہ ﷺ کا علم تمام جہان کے علم سے وسیع تر ہے

عقیدہ: رسول اللہ ﷺ کا علم تمام جہان کے علم سے وسیع تر ہے، جو کہے کہ "شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعتِ علم کو کونسی نصِ قطعی ہے؟" وہ کافر مرتد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو لاکھوں فضائل وکمالاتِ عالیہ اَیسے عطا ہوئے کہ کسی نبی ورسول کو نہ ملے

عقیدہ: رسول اللہ ﷺ کو لاکھوں فضائل وکمالاتِ عالیہ ایسے عطا ہوئے، کہ کسی نبی ورسول کو نہ ملے۔ تو یوں کہنے والا کہ "جو خوبیاں وکمالات اللہ نے ان کو بخشے ہیں، وہ سب "رسول" کہہ دینے میں آجاتے ہیں" جھوٹا کذّاب خبیث ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے خصائصِ عالیہ وافضلیت علی الرسل کا منکِر، اور گمراہ، بددین، خائب، خاسر ہے۔

اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ ودیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بہت علومِ غیب عطا فرمائے

علومِ غیب میں انبیائے کرام ہی اصل ہیں

عقیدہ: اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ ودیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بہت علومِ غیب عطا فرمائے، علومِ غیب میں انبیائے کرام ہی اصل ہیں۔ اَوروں کو اِن کے واسطے سے ملتے ہیں۔ تو جو کہے کہ "ان باتوں میں سب بندے، بڑے ہوں یا چھوٹے، یکساں بے خبر ہیں اور نادان" وہ ناپاک گمراہ ہے، اور گستاخ بدزبان!۔

---

[1] "تاريخ دمشق الكبير" باب معرفة أسمائه، ۳/ ۲۱.

[2] "دلائل النبوّة" للبيهقي، جُماع أبواب المبعث سبب إسلام خفاف بن نضلة، ۲/ ۲۶۱. "شرف المصطفى" ذكر إسلام خفاف بن نضلة: ر: ۵۳، ۱/ ۲۳۴.

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم کو تمام اوّلین وآخِرین کا علم عطا فرمایا شرق تاغرب عرش تا فرش سب انہیں دکھایا

حضرت -عزّت عظمتہ- نے اپنے حبیب اکرم سیّد عالَم کو تمام اوّلین وآخِرین کا علم عطا فرمایا، شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا، ملکوت السماوات والارض کا شاہد بنایا، روزِ اوّل سے قیامت تک کا سب ما کان وما یکون انہیں بتایا۔ اور اگر کچھ نہ ہو تو قرآنِ عظیم شاہدِ عدل وحَکَم فصل ہے، قال تعالیٰ: ﴿ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾[1] وقال تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾[2] وقال تعالیٰ: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾[3]

اقول: جب قرآنِ مجید ہر شَے کا بیان ہے، اور اہلِ سنّت کے مذہب میں شَے ہر موجود کو کہتے ہیں، تو فرش تا عرش تمام کائنات جملہ موجودات اِس بیان کے اِحاطہ میں داخل ہوئے، اور مِن جملہ موجودات کتاب لَوحِ محفوظ بھی ہے، تو بالضرور یہ بیانات محیط اُس کی مکتوبات کو بھی بالتفصیل شامل ہوئے۔ اب یہ بھی قرآنِ عظیم ہی سے پوچھ دیکھیے، کہ لَوحِ محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے؟ قال تعالیٰ: ﴿وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۵۱۹)

نکرہ حیزِ نفی میں مفیدِ عموم ہے -نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے، بے دلیلِ شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں

اور اصول میں مبرہَن ہوچکا کہ نکرہ حیزِ نفی میں مفیدِ عموم ہے، اور لفظِ "کُل" تو ایسا عام ہے، کہ کبھی خاص ہوکر مستعمل نہیں ہوتا، اور عام اِفادۂ استغراق میں قطعی ہے، اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے، بے دلیلِ شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں، نہ حدیث آحاد (اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو) عمومِ قرآن کی تخصیص کرسکے گی، بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے، اور اَخبار کا نسخ ناممکن، اور تخصیصِ عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی، نہ اُس کے اعتماد پر کسی ظنّی سے تخصیص ہوسکے، تو بحمد اللہ تعالیٰ نہ فقط نصِ صریح، بلکہ آیاتِ محکمہ سے روشن ہوا، کہ ہمارے حضور ﷺ کو اللہ عزّوجلّ نے تمام موجودات وجملہ ما کان وما یکون إلی یوم القیامۃ مُندرجاتِ لَوحِ محفوظ کا علم دیا، اور کوئی ذرّہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا، اور یہ علم قرآنِ عظیم کی تبیاناً لکلّ شيء ہونے نے دیا۔ اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے، نہ کہ ہر آیت وسورت کا، تو نزولِ جمیع قرآن سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہو: ﴿ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾[4] یا فرمایا جاتا: (لا تعلم)، ہرگز ان

(۱) پ۱۴، نحل:۸۹۔

(۲) پ۱۳، یوسف:۱۱۱۔

(۳) پ۷، انعام:۳۸۔

(۴) پ۲۴، غافر:۷۸۔

آیات کے منافی، اور احاطۂ علم مصطفوی کا نافی نہیں۔ آخر خود حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا: «فتجلّى لي كلُّ شيءٍ وعرفتُ». ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۵۲۰)

رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم ہے

[1]اسی میں نبی ﷺ کے اسم مبارک نبی کے بیان میں فرمایا: "النبوةُ مأخوذةٌ من النبأ، وهو الخبرُ، أي: إنّ اللہ تعالی أطلعَه على غَيبه"[2] "حضور کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی نے حضور کو اپنے غیب کا علم دیا"۔

اسی میں ہے: "قد اشتهرَ وانتشرَ أمرُه ﷺ بين أصحابِه بالإطلاع على الغيوب"[3] "بے شک صحابۂ کرام میں مشہور و معروف تھا کہ نبی ﷺ کو غیبوں کا علم ہے"۔

اسی کی "شرح زرقانی" میں ہے: "أصحابُه ﷺ جازِمون باطلاعه على الغيب"[4] "صحابۂ کرام یقین کے ساتھ حکم لگاتے تھے، کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم ہے"۔ علی قاری "شرح بردہ شریف" میں فرماتے ہیں: "علمُه ﷺ حاوٍ لفُنون العلم -إلى أن قال-: ومنها علمُه بالأمور الغَيبيّة"[5] "رسول اللہ ﷺ کا علم اقسامِ علم کو حاوی ہے، غیبوں کا علم بھی علم حضور کی شاخوں سے ایک شاخ ہے"۔

"تفسیر امام طبری" اور "تفسیر دُرِ منثور" میں بروایت ابوبکر بن ابی شیبہ، استاذِ امام بخاری و مسلم، وغیرہ ائمۂ محدثین، سیدنا امام مجاہد تلمیذ خاص حضرت سیّدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم سے ہے: "إنّه قال في قوله تعالى: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ﴾: قال رجلٌ من المنافقين: يحدِّثنا محمّدٌ أنّ ناقةَ فُلانٍ بِوادي كذا وكذا، وما يُدريه بالغيب!"[6] [امام مجاہد] نے فرمایا: اللہ کے قول: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ ...إلخ کی تفسیر میں، کہ منافقین میں سے ایک شخص نے کہا، کہ محمد ﷺ ہم سے بیان کرتے ہیں، کہ فُلاں کی اونٹنی فُلاں فُلاں وادی میں ہے، بھلا وہ غیب کی باتیں کیا جانیں! یعنی کسی کا ناقہ گم ہوگیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ فُلاں جنگل میں ہے" ایک منافق بولا: "محمد غیب کیا جانیں!" اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیتِ کریمہ اُتاری کہ ان سے فرما دیجیے کہ "اللہ اور اس کے رسول اور اس کی آیتوں سے ٹھٹھا کرتے ہو! بہانے نہ بناؤ! تم کافر ہوچکے ایمان کے بعد!"۔ حضرت [سائل: سیّد حسین حیدر صاحب] ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آیت مخالفین پر کیسی آفت ہے!!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۸، ص۵۷۶)

---

(۱) یعنی "مواہب" کی عبارت ہے مطلق نبوت کے معنی پر، یہاں فرمایا: "اسی میں نبی ﷺ کے اسم مبارک" ---الخ۔

(۲) "المواهب اللدُنية" المقصد ۲، الفصل ۱، ۲/ ۴۵، ۴۶.

(۳) "المواهب اللدُنية" المقصد ۸، الفصل ۳، ۳/ ۵۵۴.

(٤) "شرح الزرقاني على المواهب اللدُنية" الفصل ۳، ۷/ ۲۰۰.

(۵) "الزبدة العمدة شرح البردة": تحت شعر: وواقفون لدَيه عند حدّهم، صـ۵۷.

(٦) "جامع البيان (تفسير الطبري)" التوبة، تحت الآية: ٦۵، ۱۰/ ۱۹٦.

بروزِ محشر مزارِ اطہر سے سب سے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائیں گے

"جامع ترمذی" وغیرہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «أنا أوّلُ الناسِ خُروجاً إذا بُعثوا! وأنا قائدُهم إذا وفدوا! وأنا خطيبُهم إذا انصتوا! وأنا مستشفعُهم إذا حُبِسوا! وأنا مبشِّرُهم إذا يئسوا! الكرامة والمفاتيحُ يومئذٍ بيدي! وأنا أكرمُ ولدِ آدم على ربِّي! يطوف عليَّ ألفُ خادمٍ، كأنّهم بيضٌ مكنونٌ، أو لؤلؤٌ منثور»[1].

"جب لوگوں کا حشر ہوگا تو سب سے پہلے میں مزارِ اطہر سے باہر تشریف لاؤں گا، اور جب وہ سب دم بخود رہیں گے تو اُن کا خطبہ خواں میں ہوں گا، اور جب وہ رو کے جائیں گے تو اُن کا شفاعت خواہ میں ہوں گا، اور جب وہ ناامید ہو جائیں گے، تو اُن کا بشارت دینے والا میں ہوں گا، عزّت اور تمام کنجیاں اُس دن میرے ہاتھ ہوں گی، لواءُ الحمد اُس دن میرے ہاتھ میں ہوگا، بارگاہِ عزّت میں میری عزّت تمام اولادِ آدم سے زائد ہے، ہزار خدمتگار میرے اِردگرد گھومیں گے، گویاوہ گرد وغبار سے پاکیزہ انڈے ہیں محفوظ رکھے ہوئے، یا جگمگاتے موتی ہیں بکھیرے ہوئے"۔

سیرت وفضائل وخصائص سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یقین کا اظہار اس بات کے ساتھ کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار ہیں

حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل المرسلین وسیدالاوّلین والآخرین ہونا قطعی ایمانی، یقینی اذعانی، اجماعی ایقانی مسئلہ ہے

حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل المرسلین وسیّد الاوّلین والآخرین ہونا قطعی ایمانی، یقینی، اِذعانی، اِجماعی، اِیقانی مسئلہ ہے، جس میں خلاف نہ کرے گا، مگر گمراہ بددین بندۂ شیاطین۔ والعياذ بالله ربّ العالمين!.

کلمہ پڑھ کر اس میں شک عجیب ہے! آج نہ کُھلا تو کل قریب ہے، جس دن تمام مخلوق کو جمع فرمائیں گے، سارے مجمع کا دُولہا حضور کو بنائیں گے، انبیائے جلیل تا حضرت خلیل سب حضور ہی کے نیاز مند ہوں گے، مُوافق و مخالف کی حاجتوں کے ہاتھ انہیں کی جانب بلند ہوں گے، انہیں کا کلمہ پڑھا جاتا ہوگا! انہیں کی حمد کا ڈنکا بجتا ہوگا! جو آج بیاں ہے کل عیاں ہے، اس دن جو مؤمن ومقِرّ ہیں، نور بار عشرتوں سے شادیاں رَچائیں گے! ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾[2] اور جو مبطِل ومنکر ہیں، دلفگار حسرتوں سے ہاتھ چبائیں گے! ﴿یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴾[3] اللّهم اجعلنا من المهتدين، ولا تجعلنا فتنةً للقوم الظالمين!.

("فتاویٰ رضویہ"ج۱۹، ص۴۲)

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب منه، ۲/ ۲۰۱. "دلائل النبوة" ذكر الفضيلة الرابعة بأقسام الله بحياته ﷺ، صـ۱۳. "سنن الدارمي" باب ما أعطى النبي ﷺ، حديث: ۴۹، ۱/ ۳۰. "الدر المنثور" بحوالة ابن مَردوَيه: عن أنس رضي الله عنه، ۶/ ۲۰۱.

(۲) پ۸، الأعراف: ۴۳۔

(۳) پ۲۲، الاحزاب: ۶۶۔

معتزلہ ملائکہ کو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل مانتے ہیں مگر وہ بھی حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بالیقین مخصوص ومستثنیٰ جانتے ہیں

گروہ معتزلہ کہ ملائکہ کرام کو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل مانتے ہیں، وہ بھی حضور سیّد المرسلین -صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم وعلی آلہ اجمعین- کو بالیقین مخصوص ومستثنیٰ جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی حضور پُرنور انبیاء ومرسلین وملائکہ وجملہ خلق اللہ اجمعین، سب سے افضل واعلیٰ وبلند وبالا -علیہ صلاۃ المولی تعالیٰ- ہیں۔ کلمات علمائے کرام میں اس کی تصریح، اور فقیر کے رسالہ "إجلال جبريل بجعلِه خادماً للمحبوب الجميل" میں تحقیق وتوضیح ہے۔ أمّا زمخشري فقد سفهَ نفسَه، وتبعَ هواه، وجهلَ مذهبَه، وتناهَى في الضّلال، حتّى لم يعلم مشربَه، كما نبّه عليه أهلُ التحقيق، والله سبحانه وليُّ التوفيق!.

افضلیتِ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دلائل قرآن کریم سے

آیت اولیٰ: قال ﷻ: ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَاؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾[1] "اللہ ﷻ نے فرمایا: اور یاد کر اے محبوب! جب خدا نے عہد لیا پیغمبروں سے، کہ جو میں تم کو کتاب وحکمت دوں، پھر تمھارے پاس آئے رسول تصدیق فرماتا اس کی جو تمھارے ساتھ ہے، تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا! اور بہت ضرور اس کی مدد کرنا! پھر فرمایا: کیا تم نے اِقرار کیا؟ اور اس پر میرا بھاری ذمّہ لیا؟ سب انبیاء نے عرض کی، کہ ہم ایمان لائے! فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ! اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں سے ہوں! اب جو اس کے بعد پھرے گا تو وہی لوگ بے حکم ہیں!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹ص۳۴۴)

عہدِ ربّانی کے مطابق ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نشرِ مناقب وذکرِ مناصب حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے رَطبُ اللسان رہتے

امام اجل ابو جعفر طبری وغیرہ محدّثین اس آیت کی تفسیر میں، حضرت مولی المسلمین امیر المؤمنین جناب مولی علی -کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم- سے راوی: «لم يبعث اللهُ نبيّاً من آدم فمَن بعده، إلّا أخذَ عليه العهدَ في محمّدٍ ﷺ، لئن بُعثَ وهو حيٌّ ليؤمننَّ به، ولَيَنصرنَّه، ويأخذ العهدَ بذلك على قومه!»[2] اسی طرح خیر الائمہ عالم القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہوا، رواه ابنُ جرير وابنُ عساكر وغيرهما.

---

[1] پ۳، آل عمران: ۸۱۔

[2] "المواهب اللدُنية" عن علي المقصد ۱ أخذ العهد على الأنبياء، ۱/ ٦٦. "جامع البيان" ("تفسير الطبري") آل عمران، تحت الآية: ۸۱، ۳/ ۳۸۷.

بلکہ امام بدر زرکشی، وحافظ عماد بن کثیر، وامام الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسے "صحیح بخاری"[1] کی طرف نسبت کیا، والله تعالی أعلم. ونحوه أخرج الإمامُ ابن أبي حاتم في "تفسيره" عن السدّي، كما أورده الإمامُ الأجلّ السّيوطي في "الخصائص الكبرى"[2]. نشرِ مناقب وذکرِ مناصب حضور سیّد المرسلین اس عہد ربّانی کے مطابق ہمیشہ حضرات انبیاء -عليهم الصلاة والثناء- صلاة الله وسلامه عليه وعليهم اجمعين- سے رَطب اللسان رہتے، اور اپنی پاک مبارک مجالس ومحافلِ ملائک منزل کو حضور کی یاد ومدح سے زینت دیتے، اور اپنی امّتوں سے حضور پُرنور پر ایمان لانے، اور مدد کرنے کا عہد لیتے، یہاں تک کہ وہ پچھلا مژدہ رساں کنواری بتول کا ستھرا بیٹا مسیح کلمۃ اللہ -عليه صلوات الله- ﴿مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾[3] کہتا تشریف لایا، اور جب سب ستارے، روشن مہ پارے، مکمنِ غیب میں گئے، آفتاب عالمتاب ختمیت مآب نے بہزاراں ہزار جاہ وجلال طلوعِ اجلال فرمایا۔ صلّى الله تعالى عليه وعليهم أجمعين، وبارَك وسلّم دهر الدّاهرين!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۴)

قدیم سے سب امتیں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی خوشیاں مناتی اور حضور کے توسُّل سے اَعداء پر فتح مانگتی آئیں

ابن عساکر سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی: «لم يزَل الله يتقدّم في النّبي ﷺ إلى آدم فمَن بعده، ولم تزل الأممُ تتباشَر به، وتستفتح به، حتّى أخرجه اللهُ في خير أمّة، وفي خيرِ قَرن، وفي خير أصحاب، وفي خير بلد»[4] "ہمیشہ اللہ تعالی نبی ﷺ کے بارے میں آدم اور اُن کے بعد سب انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے پیشگوئی فرماتا رہا، اور قدیم سے سب امتیں تشریف آوریٔ حضور کی خوشیاں مناتیں، اور حضور کے توسُّل سے اپنے اَعداء پر فتح مانگتی آئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے حضور کو بہترین امم وبہترین قُرون وبہترین اصحاب وبہترین بلاد میں ظاہر فرمایا ﷺ۔

اور اس کی تصدیق قرآن عظیم میں ہے: ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾[5] یعنی "اس نبی کے ظہور سے پہلے کافروں پر اس کے وسیلہ سے فتح چاہتے، پھر جب وہ جانا پہچانا ان کے پاس تشریف لایا، منکر ہو بیٹھے، تو خدا کی پھٹکار منکروں پر!۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۵)

(۱) قال الزرقاني قال الشّامي، ولم أظفر به فيه، منه [أي: من الإمام أحمد رضا].
(۲) "الخصائص الكبرى" باب خصوصية بأخذ الميثاق على النبيين ...إلخ، ۲/ ۸.
(۳) پ۲۸، صف: ۶۔
(٤) "الخصائص الكبرى" بحوالة ابن عساكر، باب خصوصية بأخذ الميثاق ...إلخ، ۱/ ۸، ۹.
(۵) پ۱، البقرۃ: ۸۹۔

جب یہود مشرکوں سے لڑتے تو اس طرح دعا کرتے: مدد دے ان پر، صدقہ نبیِ آخر الزماں کا جس کی نعت ہم تورات میں پاتے ہیں!

علماء فرماتے ہیں: جب یہود مشرکوں سے لڑتے، دعا کرتے: "اللّهمّ انصرنا عليهم بالنّبي المبعوث في آخر الزمان، الّذي نجد صفتَه في التّوراة"[1] "الٰہی! مدد دے اُن پر صدقہ نبیِ آخر الزماں کا، جس کی نعت ہم تورات میں پاتے ہیں!" اس دعا کی برکت سے انہیں فتح دی جاتی۔

اسی بیانِ الٰہی کا سبب ہے کہ حدیث میں آیا، حضور سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا: «والّذي نفسي بيده! لو أنّ موسى كان حيّاً اليومَ، ما وسعَه إلّا أن يتّبعَني» أخرجه الإمام أحمد[2]، والدّارمي، والبيهقي في "شعب الإيمان" عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما. وأبو نعيم في "دلائل النبوّة"، واللّفظُ له عن أمير المؤمنين عمر الفاروق رضي الله عنه[3] "قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آج اگر موسیٰ دنیا میں ہوتے، تو میری پیروی کے سوا اُن کو گنجائش نہ ہوتی!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۵)

جب آخر زمانہ میں حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے، بدستور منصبِ رفیع نبوت ورسالت پر ہوں گے، اور حضور ﷺ کے امّتی بن کر رہیں گے

اور یہی باعث ہے کہ جب آخر الزمان میں حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے، باں کہ بدستور منصبِ رفیع نبوت ورسالت پر ہوں گے، حضور پُر نور سیّد المرسلین ﷺ کے امّتی بن کر رہیں گے، حضور ہی کی شریعت پر عمل کریں گے، حضور کے ایک امتی ونائب، یعنی امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حضور سیّد المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: «كيف أنتم إذا نزل ابنُ مريم فيكم، وإمامُكم منكم؟!» أخرجه الشّيخان[4] عن أبي هريرة رضي الله عنه. "کیسا حال ہوگا تمہارا جب ابن مریم تم میں اتریں گے، اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا؟!"۔

اور اس عہدِ واثق کی پوری تائید وتوکید حق -عزّ جلالہ- نے توریت مقدّس میں فرمائی، جس کی بعض آیتیں ان شاء اللہ فصلِ اوّل، ہیکلِ دُوم میں مذکور ہوں گی!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۶)

---

(1) "الدر المنثور" البقرة، تحت الآية: ٨٩، ١/ ١٩٦.

(2) "مسند الإمام أحمد" مسند جابر رضي الله عنه، ٣/ ٣٨٧.

(3) "دلائل النبوة" لأبي نعيم، الفصل ١، الجزء ١، صـ٨.

(4) "صحيح البخاري" كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم، ١/ ٤٩٠. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب نزول عيسى بن مريم، ١/ ٨٧.

ہمارے حضور ﷺ سب انبیاء کے نبی ہیں، اور تمام انبیاء و مرسلین اور ان کی امتیں سب حضور کے امتی ہیں

امام علامہ تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی بن عبد الکافی سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک نفیس رسالہ "التعظیم والمنّة فی لَتُؤمِنُنَّ بِه ولَتنصرُنّه" لکھا، اور اس میں آیتِ مذکورہ سے ثابت فرمایا کہ ہمارے حضور - صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ - سب انبیاء کے نبی ہیں، اور تمام انبیاء و مرسلین اور ان کی امتیں سب حضور کے امتی ہیں۔ حضور کی نبوت و رسالت زمانۂ سیدنا ابو البشر علیہ الصلاۃ والسلام سے روزِ قیامت تک جمیع خلق اللہ کو شامل ہے، اور حضور کا ارشاد: «وکنتُ نبیاً وآدمُ بین الرُّوح والجسد»[1] "میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام روح و جسد کے درمیان تھے" اپنے معنیٔ حقیقی پر ہے۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۶)

شبِ اسراء تمام انبیاء و مرسلین نے حضور کی اقتداء کی

اگر ہمارے حضور حضرتِ آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ - صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم - کے زمانہ میں ظہور فرماتے اُن پر فرض ہوتا کہ حضور پر ایمان لاتے، اور حضور کے مددگار ہوتے۔ اسی کا اللہ تعالیٰ نے اُن سے عہد لیا، اور حضور کے نبی الانبیاء ہونے ہی کا باعث ہے، کہ شبِ اسراء تمام انبیاء و مرسلین نے حضور کی اقتداء کی، اور اس کا پورا ظہور روزِ نشور ہوگا، جب حضور کے زیرِ لواء آدم و مَن سواکا تمام رُسل و انبیاء ہوں گے، صلوات اللہ و سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

یہ رسالہ ["التعظیم والمنّة"] نہایت نفیس کلام پر مشتمل، جسے امام جلال الدین نے "الخصائص الکبریٰ"، اور امام شہاب الدین قسطلانی نے "مواہب لدنیہ"، اور ائمۂ مابعد نے اپنی تصانیفِ قیمہ میں نقل کیا، اور اسے نعتِ عظمیٰ و مواہبِ کبریٰ سمجھا، مَن شاء التفصیلَ، فلیرجع إلی کلماتهم، رحمةُ الله تعالی علیهم أجمعین.

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۶-۳۷)

محمد ﷺ اصل الاصول ہیں، محمد ﷺ رسولوں کے رسول ہیں

بالجملہ مسلمان بنگاہِ ایمان اس آیۂ کریمہ کے مفاداتِ عظیمہ پر غور کرے، صاف صریح ارشاد فرما رہی ہے، کہ محمد ﷺ اصل الاصول ہیں، محمد ﷺ رسولوں کے رسول ہیں، امتیوں کو جو نسبت انبیاء و رسل سے ہے، وہ نسبت انبیاء و رسل کو اس سیدُ الکُل سے ہے، امتیوں پر فرض کرتے ہیں رسولوں پر ایمان لاؤ! اور رسولوں سے عہد و پیمان لیتے ہیں کہ محمد ﷺ سے گرویدگی فرماؤ! غرض صاف صاف جتا رہے ہیں کہ مقصودِ اصلی ایک وہی ہیں، باقی تم سب تابع و طفیلی ہو! ع

مقصود ذاتِ اوست دگر جُملگی طفیل

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۶)

---

(۱) "مستدرَك الحاكم" كتاب الإيمان، ۲/ ۶۰۹.

آیت: ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ کے بعض لطائف

اقول وباللہ التوفیق: پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس مضمون کو قرآن عظیم نے کس قدر مہتم بالشان ٹھہرایا! اور طرح طرح سے مؤکد فرمایا!:

اوّلاً: انبیاء -علیہم الصلاۃ والثناء- معصومین ہیں، زنہار حکم الٰہی کا خلاف ان سے محتمل نہیں، کافی تھا کہ رب ﷻ بطریق امر انہیں ارشاد فرماتا: "اگر وہ نبی تمھارے پاس آئے، اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا"، مگر اس قدر پر اکتفاء نہ فرمایا، بلکہ ان سے عہد وپیمان لیا، یہ عہد عہد ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾[1] کے بعد دوسرا پیمان تھا، جیسے کلمہ طیبہ میں لا إله إلّا الله کے ساتھ محمد رسول الله؛ تاکہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوائے اللہ پر پہلا فرض ربوبیت الٰہیہ کا اذعان ہے، پھر اس کے برابر رسالتِ محمدیہ پر ایمان، صلّی الله تعالی علیه وسلّم وبارَك وشرَّف وبجّل وعظّم!.

ثانیاً: اس عہد کو "لامِ" قسم سے مؤکد فرمایا: ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾[2] "تم ضرور اس کی مدد کرنا! اور ضرور اس پر ایمان لانا!" جس طرح تو ابوں سے بیعتِ سلاطین پر قسمیں لی جاتی ہیں۔ امام سُبکی فرماتے ہیں: "شاید سوگند بیعت اسی آیت سے ماخوذ ہوئی ہے"۔

ثالثاً: نون تاکید۔

رابعاً: وہ بھی ثقیلہ لا کر، ثقلِ تاکید کو اَور دوبالا فرمایا۔

خامساً: یہ کمالِ اہتمام ملاحظہ کیجیے! کہ حضرات انبیاء ابھی جواب نہ دینے پائے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں: ﴿ءَاَقْرَرْتُمْ﴾ "کیا اس امر پر اِقرار لاتے ہو؟" یعنی کمالِ تعجیل وتسجیل مقصود ہے۔

سادساً: اس قدر پر بھی بس نہ فرمائی، بلکہ ارشاد ہوا: ﴿وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ﴾[3] "خالی اقرار ہی نہیں، بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو!"۔

سابعاً: علیه یا علی هذا کی جگہ ﴿عَلٰى ذٰلِكُمْ﴾[4] فرمایا؛ تاکہ بُعدِ اشارت عظمت ہو!۔

ثامناً: اور ترقی ہوئی کہ ﴿فَاشْهَدُوْا﴾[5] "ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ!" حالانکہ (معاذاللہ) اقرار کر کے مکر جانا ان پاک مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا۔

---

(۱) پ۹، اعراف: ۱۷۲۔
(۲) پ۳، آل عمران: ۸۱۔
(۳) پ۳، آل عمران: ۸۱۔
(۴) پ۳، آل عمران: ۸۱۔
(۵) پ۳، آل عمران: ۸۱۔

تاسعاً: کمال یہ ہے کہ فقط ان کی گواہیوں پر بھی اکتفاء نہ ہوئی، بلکہ ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾[1] "میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں"۔

عاشراً: سب سے زیادہ نہایت کار یہ ہے، کہ اس قدر عظیم جلیل تاکیدوں کے بعد، باں کہ انبیاء کو عصمت عطا فرمائی، یہ سخت شدید تہدید بھی فرما دی گئی کہ ﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾[2] "اب جو اس اقرار کے بعد پھرے گا، فاسق ٹھہرے گا!"۔

اللہ اللہ! یہ وہی اعتنائے تام واہتمامِ تمام ہے، جو باری تعالی کو اپنی توحید کے بارے میں منظور ہوا، کہ ملائکہ معصومین کے حق میں ارشاد کرتا ہے: ﴿وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾[3] "جو ان میں سے کہے گا، کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں، اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو!" گویا اشارہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہمیں ایمان کے جزءِ اوّل لا إلهَ إلّا الله کا اہتمام ہے، یونہی جزءِ دُوم محمد رسول الله سے اعتنائے تام ہے، میں تمام جہان کا خدا ہوں، کہ ملائکہ مقربین بھی میری بندگی سے سَر نہیں پھیر سکتے، اور میرا محبوب سارے عالَم کا رسول ومقتدا ہے، کہ انبیاء ومرسلین بھی اس کی بیعت وخدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔ والحمد لله ربّ العالمین!۔

وصلّى الله تعالى على سيّد المرسَلين محمد وآله وصحبه أجمعين. أشهد أن لا إلهَ إلّا الله وحدَه لا شريكَ له، وأنّ سيّدَنا محمداً، عبدُه ورسولُه، سيّدُ المرسَلين، وخاتم النّبيين، وأكرَم الأوّلين والآخِرين، صلواتُ الله وسلامُه عليه، وعلى آله وأصحابه أجمعين!.

اس سے بڑھ کر حضور کی سیادتِ عامّہ وفضیلتِ تامّہ پر کون سی دلیل درکار ہے؟! ولله الحجّة البالغة!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۸)

دوسری آیت: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

آیتِ ثانیہ۲: قال عزّ مجدُه: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے محبوب! ہم نے تجھے نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔ عالَم ما سوی اللہ کو کہتے ہیں، جس میں انبیاء وملائکہ سب داخل ہیں۔ تو لاجَرم حضور پُر نور سید المرسلین ﷺ ان سب پر رحمت ونعمتِ ربّ الأرباب ہوئے، اور وہ سب حضور کی سرکارِ عالی مدار سے بہرہ مند وفیضیاب ہوئے۔ اسی لیے اولیائے کاملین وعلمائے عاملین تصریحیں فرماتے ہیں، کہ اَزل سے اَبد تک ارض وسماء

(۱) پ۳، آل عمران: ۸۱۔
(۲) پ۳، آل عمران: ۸۲۔
(۳) پ۱۷، انبیا: ۲۹۔
(۴) پ۱۷، انبیا: ۱۰۷۔

میں، اولیٰ وآخرت میں، دین ودنیا میں، روح وجسم میں، چھوٹی یا بڑی، بہت یا تھوڑی، جو نعمت ودولت کسی کو ملی، یا اب ملتی ہے، یا آئندہ ملے گی، سب حضور کی بارگاہ جہاں پناہ سے بٹی اور بٹتی ہے اور ہمیشہ بٹے گی۔ كما بيّناه بتوفيق الله تعالى في رسالتنا "سلطنة المصطفى في ملكوت كلّ الورى".

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے اس آیۂ کریمہ کے تحت لکھا: "لما كان رحمة للعالمين، لزم أن يكون أفضل من كلّ العالمين"[1]. قلتُ: وادّعاءُ التخصيص خروجٌ عن الظاهر بلا دليل، وهو لا يجوز عند عاقل، فضلاً عن فاضل، والله الهادي!. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۹)

تیسری آیت: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ﴾

آیت ثالثہ: قال جلّ ذكرُه: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ﴾[2] علماء فرماتے ہیں: یہ آیۂ کریمہ دلیل ہے کہ انبیائے سابقین سب خاص اپنی قوم پر رسول کر کے بھیجے جاتے، اگلے انبیاء صرف اپنی قوم کے رسول ہوئے، اور ہمارے رسول ہر فرد مخلوق کے لیے۔ أقول: وقال الله تعالى: ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ﴾[3] وقال تعالى: ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا﴾[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تحقیق ہم نے نوح کو بھیجا اس کی قوم کی طرف" اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا"۔

وقال تعالى: ﴿وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا﴾[5] وقال تعالى: ﴿وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ﴾[6] وقال تعالى: ﴿وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا﴾[7] وقال تعالى: ﴿ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾[8] وقال تعالى: ﴿وَتِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ﴾[9] وقال تعالى في يونس عليه السلام: ﴿وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ يَزِيۡدُوۡنَ﴾[10] وقال تعالى في عيسى عليه السلام: ﴿وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ﴾[11] اور یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "اور

---

(۱) "مفاتيح الغيب" (التفسير الكبير) البقرة، تحت الآية: ۲۵۳، ۶/ ۱۶۵.

(۲) پ۱۳، ابراہیم: ۴۔

(۳) پ۸، الاعراف: ۵۹۔

(۴) پ۸، الاعراف: ۶۵۔

(۵) پ۸، الاعراف: ۷۳۔

(۶) پ۸، الاعراف: ۸۰۔

(۷) پ۸، الاعراف: ۸۵۔

(۸) پ۹، الاعراف: ۱۰۳۔

(۹) پ۷، الانعام: ۸۳۔

(۱۰) پ۲۳، الصّٰفّٰت: ۱۴۷۔

(۱۱) پ۳، آل عمران: ۴۹۔

ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجابلکہ زیادہ" اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف"۔

اسی لیے صحیح حدیث میں فرمایا: «كان النبيُّ يُبعَثُ إلى قومه خاصّةً» رواه الشيخان[1] عن جابر رضي الله عنه "نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا"۔ دوسری روایت میں آیا: «كان النبيُّ يُبعَثُ إلى قريته ولا يعدُوها» رواه أبو يعلى[2] عن عوف بن مالك رضي الله عنه. "نبی ایک بستی کی طرف مبعوث ہوتا، جس کے آگے تجاوز نہ کرتا"۔

اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے فرماتا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[3] "نہ بھیجا ہم نے تمہیں مگر سب لوگوں کے لیے خوش خبری دیتا، اور ڈر سناتا، پر بہت لوگ بے خبر ہیں"۔

وقال تعالى: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تُو فرما: اے لوگو! میں خدا کا رسول ہوں تم سب کی طرف"۔

وقال تعالى: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾[5] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر، کہ ڈر سنانے والا ہو سارے جہان کو"۔ اسی لیے خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «أُرسِلتُ إلى الخلق كافّةً» أخرجه مسلم[6] عن أبي هريرة رضي الله عنه. "میں تمام مخلوقِ الٰہی کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔ حضور کی افضلیتِ مطلقہ کی یہ دلیل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشادات سے ہے۔

دارمی، ابو یعلی، طبرانی، بیہقی روایت کرتے ہیں، اس جناب [ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما] نے فرمایا: «إنّ اللهَ تعالى فضَّلَ محمّداً صلى الله عليه وسلم على الأنبياء، وعلى أهل السماء»[7] "بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و ملائکہ سے افضل کیا" حاضرین نے وجہِ تفضیل پوچھی، فرمایا: «إنّ اللهَ تعالى قال: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ﴾[8] وقال لمحمّدٍ صلى الله عليه وسلم: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ فأرسلَه إلى الإنس والجنّ»[9] یعنی "اللہ تعالیٰ نے اور رسولوں کے لیے فرمایا ہے: ہم نے نہ بھیجا کوئی رسول مگر ساتھ زبان اس کی قوم کے۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا: ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر

---

(١) أي: الإمام البخاري في "صحيح البخاري" كتاب التيمم، ومواضع الصلاة، ١/ ٤٨. والإمام مسلم في "صحيح مسلم" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، ١/ ٤٨.

(٢) انظر: "الإحسان بترتيب صحيح ابن حبّان" بحوالة أبي يعلى، حديث: ٦٣٦٥، ٩/ ١٠٤.

(٣) پ٢٢، سبا: ٢٨۔

(٤) پ٩، اعراف: ١٥٨۔

(٥) پ١٨، فرقان: ١۔

(٦) أي: في "صحيح مسلم" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، ١/ ١٩٩.

(٧) "سنن الدارمي" باب ما أعطى النبي صلى الله عليه وسلم من الفضل، ر: ٤٧، ١/ ٢٩، ٣٠.

(٨) پ١٣، ابراہیم: ٤۔

(٩) "كنز العمال" بحوالة الطبراني عن يعلى بن مرّة، ر: ٣١٩٢٣، ١١/ ٤١١.

رسول سب لوگوں کے لیے، تو حضور کو تمام انس وجن کا رسول بنایا"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۵۰)

رسالتِ والا ﷺ کا تمام جن وانس کو شامل ہونا اجماعی ہے، بلکہ ملائکہ کو بھی شامل ہے

علماء فرماتے ہیں کہ رسالتِ والا کا تمام جن وانس کو شامل ہونا اجماعی ہے، اور محققین کے نزدیک ملائکہ کو بھی شامل ہے، کما حقّقناه بتوفيق الله تعالى في رسالة "إجلال جبريل" بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حجر وشجر وارض وسماء وجبال وبحار تمام ماسوا اللہ اس کے احاطۂ عامّہ ودائرۂ تامّہ میں داخل ہیں، اور خود قرآن عظیم لفظ "عالمین"، اور روایت "صحیح مسلم" میں لفظ "خلق" وہ بھی مؤکّد بکلمۂ "کافّہ" اس مطلب پر احسن الدّلائل ہے۔ طبرانی "معجم کبیر" میں یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سیّد المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: «ما مِن شيءٍ إلّا يعلم أنّي رسولُ الله، إلّا كفرةُ الجنّ والإنس»[1] "کوئی چیز نہیں جو مجھے رسول اللہ نہ جانتی ہو، مگر بے ایمان جن وآدمی"۔

اب نظر کیجیے کہ یہ آیت کتنی وجہ[2] سے افضلیتِ مطلقہ حضور سیّد المرسلین ﷺ پر حجت ہے:

اوّلاً: اس مُوازنہ سے خود واضح ہے، کہ انبیائے سابقین -علیہم الصلاۃ والتسلیم- ایک ایک شہر کے ناظم تھے، اور حضور پُر نور سیّد المرسلین -صلوات اللہ تعالی وسلامہ وعلیہم اجمعین- سلطانِ ہفت کشور ہیں، بلکہ بادشاہِ زمین وآسمان ہیں۔

ثانیاً: اَعبائے رسالت سخت گراں بار ہیں، اور ان کا تحمّل بغایت دشوار، ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾[3] "بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے!" اسی لیے موسیٰ وہارون جیسے عالی ہمتوں کو پہلے ہی تاکید ہوئی: ﴿لَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي﴾[4] "دیکھو میرے ذکر سے سُست نہ ہو جانا!" پھر جس کی رسالت ایک قومِ خاص کی طرف ہو، اس کی مشقت تو اس قدر ہو، تو جس کی رسالت نے اِنس وجن وشرق وغرب کو گھیر لیا ہو، اس کی مؤنت کس قدر ہوگی؟! پھر جیسی مشقت ویسا ہی اجر! اور جتنی خدمت اتنی ہی قدر! أفضل العبادات أحمزها!۔

ثالثاً: جیسا کام جلیل ہو، ویسا ہی جلالت والا اس کے لیے درکار ہوتا ہے، بادشاہ چھوٹی چھوٹی مُہموں پر افسرانِ ماتحت کو بھیجتا ہے، اور سخت عظیم مہم پر امیرُ الاُمراء سردارِ اعظم کو۔ لاجَرم رسالتِ خاصّہ وبعثتِ عامّہ میں جو تفرقہ ہے، وہی فرقِ مراتب ان خاص رسولوں اور اس رسولُ الکل میں ہے، صلى الله تعالى عليه وعليهم أجمعين!۔

رابعاً: یونہی حکیم کی شان یہ ہے، کہ جیسے علوّ شان کا آدمی ہو، اسے ویسے ہی عالی شان کام پر مقرّر کریں؛ کہ جس طرح بڑے کام پر چھوٹے سردار کا تعیّن، اُس کے سر انجام نہ ہونے کا مُوجِب ہوگا، یونہی چھوٹے کام پر بڑے سردار کا تقرر نگاہوں میں اس کے ہلکے پن کا جالب ہوگا۔

---

(۱) "المعجم الكبير" ر: ٦٧٢، ٢٢/ ٢٦٢.
(۲) ان میں بعض وجوہ افادۂ علماء ہیں، اور اکثر بحمد اللہ تعالی استخراجِ فقیر ہیں۔ منہ [امام احمد رضا]
(۳) پ۲۹، مزمل: ۵۔
(۴) پ۱۶، طٰہٰ: ۴۲۔

خامساً: جتنا کام زیادہ اتنا ہی اس کے لیے سامان زیادہ، تو اب کو اپنے انتظامِ ریاست میں فوج و خزانہ اُسی کے لائق درکار، اور بادشاہِ عظیم خصوصاً سلطان ہفت اِقلیم کو اس کے رتق و فتق و نظم میں اسی کے مُوافق۔ اور یہاں سامان وہ تائیدِ الٰہی وتربیت ربّانی ہے، جو حضرات انبیاء -علیہم الصلاۃ والثناء- پر مبذول ہوتی ہے، تو ضرور ہے کہ جو علوم ومَعارف قلبِ اقدس پر اِلقاء ہوئے، مَعارف وعلوم جمیع انبیاء سے اکثر واَوفی ہوں، أفاده الإمام الحكيم الترمذي، ونقله عنه في الكبير الرازي. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۵۲)

انبیاء کو ادائے امانت واِبلاغِ رسالت میں مندرجہ ذیل باتوں کی حاجت ہوتی ہے

اقول: پھر یہ بھی دیکھنا کہ انبیاء کو ادائے امانت واِبلاغِ رسالت میں کن کن باتوں کی حاجت ہوتی ہے:

(۱) حِلم؛ کہ گستاخیِ کفّار پر تنگ دل نہ ہوں ﴿دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾[۱] "ان کی اِیذاء پر درگزر فرماؤ، اور اللہ پر بھروسا رکھو!"۔

(۲) صبر؛ کہ ان کی اذیتوں سے گھبرا نہ جائیں ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾[۲] "تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا!"۔

(۳) تواضع؛ کہ ان کی صحبت سے نفور نہ ہوں، ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾[۳] "اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیَرو مسلمانوں کے لیے!"۔

(۴) رِفق ولینت؛ کہ قلوب ان کی طرف راغب ہوں ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾[۴] "تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے!"۔

(۵) رحمت؛ کہ واسطۂ اِفاضۂ خیرات ہوں ﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾[۵] "اور جو تم میں مسلمان ہیں، ان کے واسطے رحمت ہیں"۔

(۶) شجاعت؛ کہ کثرتِ اَعداء کو خیال میں نہ لائیں ﴿اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾[۶] "بے شک میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا"۔

(۷) جُود وسخاوت؛ کہ باعثِ تالیفِ قلوب ہوں؛ فإنّ الإنسانَ عبيدُ الإحسان، وجبلت القلوب على

---

(۱) پ۲۲، احزاب: ۴۸۔
(۲) پ۲۶، احقاف: ۳۵۔
(۳) پ۱۹، شعراء: ۲۱۵۔
(۴) پ۴، آل عمران: ۱۵۹۔
(۵) پ۱۰، توبہ: ۶۱۔
(۶) پ۱۹، نمل: ۱۰۔

حُبّ مَن أحسن إليها ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾[۱] "کیونکہ انسان احسان کا غلام ہے، اور دلوں میں خلقی طور پر احسان کرنے والوں کی محبت ڈال دی گئی ہے، اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ!"۔

(۸) عفو ومغفرت؛ کہ ناداں جاہل فیض پائیں ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[۲] "تو انہیں معاف کر دو، اور ان سے درگزر کرو، بے شک احسان کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں!"۔

(۹) استغناء وقناعت؛ کہ جہّال اس دعوی عظمٰی کو طلبِ دنیا پر محمول نہ کریں ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾[۳] "اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو، جو ہم نے ان کے کچھ جوڑوں کو برتنے دی"۔

(۱۰) جمالِ عدل؛ کہ تثقیف وتادیب وتربیتِ امت میں جس کی رعایت کریں ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾[۴] "اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو!"۔

(۱۱) کمالِ عقل؛ کہ اصلِ فضائل ومنبعِ فواضل ہے، ولہذا عورت کبھی نبی نہ ہوئی ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا﴾[۵] "اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے"۔ نہ کبھی اہلِ بادیہ وشکّان دِہ کو نبوت ملی؛ کہ جفا وغلظت ان کی طینت ہوتی ہے ﴿اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾[۶] أي: أهل الأمصار. "جنہیں ہم وحی کرتے وہ سب شہر کے ساکن تھے"۔ حدیث میں ہے: «من بدأ جفا»[۷].

اسی طرح نظافتِ نسب وحسنِ سیرت وصورت بھی صفاتِ جمیلہ کی حاجت ہے؛ کہ ان کی کسی بات پر نکتہ چینی نہ ہو۔ غرض یہ سب انہیں خزائن سے ہیں جو ان سلاطینِ حقیقت کو عطا ہوئے ہیں، پھر جس کی سلطنت عظیم، اُس کے خزائن بھی عظیم۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۵۳)

حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے مبعوث کیے گئے

حدیث میں ہے: «إنّ الله تعالى ينزل المعونةَ على قدر المؤنة، وينزل الصّبرَ على قدر البلاء»[۸].

تو ضرور ہوا کہ ہمارے حضور ان سب اخلاقِ فاضلہ واوصافِ کاملہ میں تمام انبیاء سے اتم واکمل واعلی واجل ہوں، اسی

---

(۱) پ۱۵، بنی اسرائیل:۲۹۔

(۲) پ۶، مائدہ:۱۳۔

(۳) پ۱۴، حجر:۸۸۔

(۴) پ۶، مائدہ:۴۲۔

(۵) پ۱۳، یوسف:۱۰۹۔

(۶) پ۱۳، یوسف:۱۰۹۔

(۷) "مسند الإمام أحمد" مسند البراء، ۲/ ۲۹۷. "المعجم لكبير" ر: ۱۱۰۳۰، ۱۱/ ۵۷.

(۸) "كنز العمال" بحوالة ابن لال عن أبي هريرة، ر: ۱۵۹۹۲، ۶/ ۳۴۷.

لیے خود ارشاد فرماتے ہیں: «إنما بُعثتُ لأتمم مَكارمَ الأخلاق» أخرجه البخاري في "الأدب"[1] وابن سعد والحاكم، والبيهقي عن أبي هريرة رضي الله عنه بسندٍ صحيح. "میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۵۳)

حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی عقل مبارک تمام دنیا کے لوگوں کی عقل کے جتنی ہے

وہب بن منبّہ فرماتے ہیں: میں نے اکہتر کتبِ آسمانی میں لکھا دیکھا، کہ روزِ آفرینش دنیا سے قیامِ قیامت تک تمام جہان کے لوگوں کو جتنی عقل عطا کی ہے، وہ سب مل کر محمد ﷺ کی عقل کے آگے ایسی ہے، جیسے تمام ریگستان دنیا کے سامنے ریت کا ایک دانہ[2]۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۵۴)

حضور اکرم ﷺ کی رسالت زمانۂ بعثت سے مخصوص نہیں، بلکہ اوّلین وآخرین سب کو حاوی ہے

سادساً: ہم اوپر بیان کر آئے کہ حضور کی رسالت زمانۂ بعثت سے مخصوص نہیں، بلکہ اوّلین وآخرین سب کو حاوی ہے،

ترمذی "جامع" میں بافادۂ تحسین واللفظ له، اور حاکم وبیہقی، وابو نعیم، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے،

اور احمد "مسند" اور بخاری "تاریخ" میں، اور ابن سعد، وحاکم، وبیہقی وابو نعیم، میسرۃ الفجر[3] رضی اللہ عنہ سے،

اور بزّار، وطبرانی، وابو نعیم، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے،

اور ابو نعیم بطریق صنابحی، امیر المؤمنین عمر الفاروق الاعظم رضی اللہ عنہ سے،

اور ابن سعد، ابن ابی الجدعا ومطرف بن عبد اللہ بن الشخیر وعامر رضی اللہ عنہم سے باسانید متباینۃ والفاظ متقاربۃ راوی، حضور پُر نور سیّد المرسلین ﷺ سے عرض کی گئی: "متى وجبتْ لك النبوّةُ؟" "حضور کے لیے نبوت کس وقت ثابت ہوئی؟" فرمایا: «وآدمُ بين الرّوح والجسَد»[4] "جبکہ آدم درمیان رُوح اور جسد کے تھے"۔

جبل الحفظ امام عسقلانی نے کتاب "الإصابۃ" میں حدیث میسرہ کی نسبت فرمایا: "سندٌ قوي"[5] ع

اسی لیے اکابر علماء تصریح فرماتے ہیں، کہ جس کا خدا خالق ہے، محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ شیخ محقق رحمہ اللہ "مدارج النبوّۃ" میں فرماتے ہیں: "چوں بود خلق آں حضرت ﷺ اعظم الاخلاق بعث کرد خدائے تعالیٰ او را بسوئے کافۂ ناس ومقصور نہ گردانید رسالت او را بر ناس، بلکہ عام گردانید جن وانس را، بلکہ بر جن وانس نیز مقصور نہ گردانید تا آں کہ عام

---

(۱) "الأدب المفرَد" ر: ۲۷۳، صـ۷۸. "السنن الكبرى" كتاب الشهادات، باب بيان مكارم الأخلاق، ۱۰/۱۹۲. "الطبقات الكبرى" لابن سعد: ذكر مبعث رسول الله ﷺ ...إلخ، ۱/۱۹۲، ۱۹۳.

(۲) "سُبل الهدى والرَّشاد" الباب ۳، ۱/۱۹۲، ۱۹۳.

(۳) "التاريخ الكبير" ترجمة: ۱٦۰٦- ميسرة الفجر، ۷/۳۷٤. "الجامع الصغير" حديث: ٦٤۲٤، ۲/٤۰۰.

(٤) "سنن الترمذي" كتاب المناقب، باب فضل النبي ﷺ، ۲/۲۰۱. "مستدرَك الحاكم" كتاب التاريخ، ۲/٦۰۹. "كنز العمال" بحوالة ابن سعد، ر: ۳۱۹۱۷، و۳۲۱۱۷، ۱۱/٤۰۹، و٤۵۰.

(۵) "الإصابة في تمييز الصحابة" حرف الميم، ترجمة ميسرة الفجر، ۸۲۸۲، ۵/۲۱۷.

شد تمامہ عالمین را، پس ہر کہ اللہ تعالیٰ پروردگار اوست محمد ﷺ رسول اوست "[1]۔

اب تو یہ دلیل اور بھی زیادہ عظیم وجلیل ہوگئی، کہ ثابت ہوا: جو نسبت انبیائے سابقین -علیہم الصلاۃ والتسلیم- سے خاص ایک بستی کے لوگوں کو ہوئی، وہ نسبت اس سرکار عرش وقار سے ہر ذرۂ مخلوق وہر فرد ماسوا اللہ، یہاں تک کہ خود حضرات انبیاء ومرسلین کو ہے، اور رسول کا اپنی امت سے افضل ہونا بدیہی ہے، والحمد للہ رب العالمین!

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص ۵۱۸)

حضور اقدس ﷺ کو نام لے کر ندا کرنی حرام ہے

علماء تصریح فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کو نام لے کر ندا کرنی حرام ہے، اور واقعی محل انصاف ہے، جسے اس کا مالک ومولیٰ ﷻ نام لے کر نہ پکارے، غلام کی کیا مجال کہ راہ ادب سے تجاوز کرے! بلکہ امام زین الدین مراغی وغیرہ محققین نے فرمایا: اگر یہ لفظ کسی دعا میں وارد ہو، جو خود نبی ﷺ نے تعلیم فرمائی، جیسے دعائے: «يا محمد! إنّي توجهتُ بك إلى ربي»[2] تاہم اس کی جگہ "یارسول اللہ، یا نبی اللہ" کہنا چاہیے، حالانکہ الفاظِ دعا میں حتی الوسع تغییر نہیں کی جاتی، کما يدلّ عليه حديثُ: «نبيك الّذي أرسلت، ورسولك الّذي أرسلت»[3]۔ یہ مسئلہ مہمہ جس سے اکثر اہلِ زمانہ غافل ہیں، نہایت واجب الحفظ ہے! فقیر -غفر اللہ تعالی لہ- نے اس کی تفصیل اپنے مجموعہ فتاوی مسمی بہ "العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية" میں ذکر کی، وباللہ التوفيق!

خیر یہ تو خود حضورِ اقدس ﷺ کا معاملہ تھا، حضور کے صدقہ میں اس امت مرحومہ کا خطاب بھی، خطابِ امم سابقہ سے ممتاز ٹھہرا، اگلی امتوں کو اللہ تعالی یا أيها المساكين "فرمایا کرتا توریت مقدس میں جابجا یہی لفظ ارشاد ہوا ہے، قاله خيثمة، رواه ابن أبي حاتم، وأورده السيوطي في "الخصائص الكبرى".

اور اس امتِ مرحومہ کو جب ندا فرمائی ہے ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾[4] فرمایا گیا ہے یعنی "اے ایمان والو!" امتی کے لیے اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی! سچ ہے پیارے کے علاقہ والے بھی پیارے! آخر نہ سنا کہ فرماتا ہے: ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾[5] "میری پیروی کرو، اللہ کے محبوب ہوجاؤ گے!"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص ۶۰)

آیت تاسعہ۹: قال تعالی عظمته: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[6] "اللہ تعالی نے فرمایا: "قریب ہے

---

(۱) "مدارج النبوۃ" باب دُوم در اخلاق عظیمہ، ۱/۳۴۔

(۲) "مستدرَك الحاكم" كتاب صلاة التطوع، دعاء رد البصر، ۱/۳۱۳، و۵۱۹، و۵۲٤. "سنن ابن ماجه" كتاب إقامة الصلاة، باب ما جاء في حاجة الصلاة، ص۱۰۰۰.

(۳) "نسيم الرياض" الباب ۱، الفصل ۳، ۱/۱۸۸.

(۴) پ۲، البقرۃ: ۱۸۳۔

(۵) پ۳، آل عمران: ۳۱۔

(۶) پ۱۵، بنی اسرائیل: ۷۹۔

تجھے تیرا رب بھیجے گا تعریف کے مقام میں!"۔ "صحیح بخاری" و "جامع ترمذی" میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرمایا: سُئل رسولُ الله ﷺ عن المقام المحمود، فقال: «هو الشفاعة»[1] حضرت سیّد المرسلین خاتم النبیین ﷺ سے سوال ہوا: مقام محمود کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: "شفاعت"۔

اسی طرح احمد و بیہقی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "سُئل عنها رسولُ الله ﷺ يعني قوله: ﴿عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ فقال: «هي الشفاعة»"[2]. اور شفاعت کی حدیثیں خود متواتر و مشہور اور صحاح وغیرہ میں مروی و مسطور ہیں، جن کی بعض ان شاء اللہ تعالیٰ ہیکل دُوم[3] میں مذکور ہوں گی۔ اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نفسی نفسی فرمائیں گے، اور حضور اقدس ﷺ «أنا لها! أنا لها!»[4] "میں ہوں شفاعت کے لیے! میں ہوں شفاعت کے لیے!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۹)

بروزِ محشر انبیاء و ملائکہ مقربین سب خاموش ہوں گے، اور ہمارے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام متکلّم

انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے، اور وہ متکلّم، سب سربگریبان، وہ ساجد و قائم، سب محلِ خوف میں، وہ آمِن و ناعم، سب اپنی فکر میں، انہیں فکرِ عوالم، سب زیرِ حکومت، وہ مالک و حاکم، بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کریں گے، ان کا رب انہیں فرمائے گا: «يا محمد! ارفع رأسك وقل تُسمَع، وسَل تُعطَه، واشفع تشفَّع»[5] "اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی، اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا، اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہے"۔

اس وقت اوّلین و آخرین میں حضور ﷺ کی حمد و ثناء کا غلغلہ پڑ جائے گا، اور دوست، دشمن، موافق، مخالف، ہر شخص حضور ﷺ کی افضلیتِ کبریٰ و سیادتِ عظمیٰ پر ایمان لائے گا، والحمدُ لله ربِّ العالمين! ع

مقام تو محمود و نامت محمد
بہ نیساں مقامے و نامے کہ دارد

امام محی السنۃ بغوی "معالم التنزیل" میں فرماتے ہیں: عن عبد الله رضي الله عنه قال: «إنّ الله ﷻ اتخذ إبراهيمَ خليلاً، وإنّ صاحبكم ﷺ خليلُ الله وأكرمُ الخلقِ على الله، ثمّ قرأ: ﴿عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾» قال:

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب التفسير، سورة ۱۷، باب قوله: ﴿عسى أن يبعثك﴾ ...إلخ، ۲/ ۶۸۶. "سنن الترمذي" أبواب التفسير، سورة بني إسرائيل، ۲/ ۱۴۲.

(۲) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي هريرة، ۲/ ۴۴۴. "نسيم الرياض شرح شفاء القاضي عياض" بحوالة أحمد والبيهقي، فصل في تفضيله بالشفاعة، ۲/ ۳۴۵.

(۳) دیکھیے: "فتاویٰ رضویہ" "کتاب المناقب والفضائل"، ۱۹/ ۸۷-۹۲۔

(٤) "الشفا بتعريف حقوق المصطفى" فصل في تفضيله بالشفاعة، ۱/ ۱۸۰.

(٥) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة ...إلخ، ۱/ ۱۰۹.

«يُجلِسه على العرش»[1] یعنی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی: "بے شک اللہ عزوجل نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، اور بے شک تمھارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے خلیل، اور تمام خلق سے زیادہ اُس کے نزدیک عزیز وجلیل ہیں"۔ پھر یہ آیت تلاوت کرکے فرمایا: "اللہ تعالی انہیں روزِ قیامت عرش پر بٹھائے گا" وعزا نحوَه في "المواهب"[2]۔

امام عبد بن حمید وغیرہ حضرت مجاہد تلمیذ رشید حضرت حَبر الامّہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں راوی: «يُجلِسه الله تعالى معه على العرش»[3] "اللہ تعالی انہیں عرش پر اپنے ساتھ بٹھائے گا" یعنی معیتِ تشریف وتکریم، کہ وہ جلوس ومجلس سے پاک ومتعالی ہے۔

امام قسطلانی "مواہب لدُنیہ" میں ناقل، امام علّامہ سیّد الحفّاظ شیخ الاسلام ابن حجر عَسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجاہد کا یہ قول، نہ از رُوئے نقل مدفوع، نہ از جہتِ نظر ممنوع۔ اور نقاش نے ابوداود صاحبِ "سنن" رحمہ اللہ سے نقل کیا: "مَن أنكَر هذا القولَ فهو متّهَم"[4]۔

اسی طرح امام دار قطنی نے اس قول کی تصریح فرمائی، اور اس کے بیان میں چند اَشعار نظم کیے[5]، كما في "نسيم الرّياض". ابو الشیخ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی: «إنّ محمداً ﷺ يوم القيامة يجلس على كرسي الرّب بين يدَي الرّب»[6] "بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم روزِ قیامت رب کے حضور رب کی کرسی پر جلوس فرمائیں گے"۔ "معالم" میں عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہے: «يقعده على الكرسي»[7] "اللہ تعالی انہیں کرسی پر بٹھائے گا" صلی اللہ

(١) "معالم التنزيل" (تفسير بغوي)، تحت الآية: ٧٩، ٣/ ١٠٩.

(٢) "المواهب اللدُنية" الفصل ٣ الشفاعة والمقام المحمود، ٤/ ٦٤٢.

(٣) "المواهب اللدُنية" المقصد ١٠، الفصل ٣، ٤/ ٦٤٢. "شرح الزرقاني على المواهب اللدُنية" بحواله عبد بن حمَيد وغيره، المقصد ١٠، الفصل ٣، ٨/ ٣٦٨.

(٤) "المواهب اللدُنية" المقصد ١٠، الفصل ٣، ٤/ ٦٤٣.

(٥) وہ اشعار یہ ہیں:

حديث الشّفاعة عن أحمد	إلى أحمد المصطفى نسنده
وقد جاء الحديث بإقعاده	على العرش أيضاً، ولا نجحده
أمِروا الحديث على وجهه	ولا تدخلوا فيه ما يفسده
ولا تنكروا أنّه قاعد	ولا تنكروا أنّه يقعده

أوردها في النّسيم ["نسيم الرياض في شرح الشفا" فصل في تفضيله بالشفاعة، ٢/ ٣٤٣]. كلاّ أنّه أجادَ في ذلك رحمه الله تعالى رحمةً واسعة ...إلخ. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٦) "المواهب اللدُنية" المقصد ١٠، الفصل ٣، ٤/ ٦٤٣، ٦٤٤.

(٧) "معالم التنزيل" (تفسير بغَوي)، تحت الآية: ٧٩، ٣/ ١٠٩.

تعالی علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، والحمد للہ رب العالمین! ("فتاویٰ رضویہ" ج ۱۹، ص ۱۷)

قرآن کریم میں ہر جگہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی شان سب انبیائے کرام علیہم السلام سے بلند وبالا نظر آتی ہے

آیت عاشرہ ۱۰: قرآن شریف کے تفصیلی ارشادات ومحاورات ونقل اقوال وذکر احوال پر نظر کیجیے، تو ہر جگہ اس نبی کریم -علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم- کی شان سب انبیائے کرام علیہم السلام سے بلند وبالا نظر آتی ہے، یہ وہ بحر ذخار ہے، جس کی تفصیل کو دفتر درکار ہیں، علمائے دین مثل امام ابونعیم، وابن فورک، وقاضی عیاض، وجلال سیوطی، وشہاب قسطلانی وغیرہم رحمہم اللہ نے ان تفرقوں سے بعض کی طرف اشارہ فرمایا۔ فقیر اوّل ان کے چند اخراجات ذکر کرکے، پھر بعض امتیاز (کہ بالدک تامل اس وقت ذہن قاصر میں حاضر ہوئے) ظاہر کرے گا، تطویل سے خوف اور اختصار کا قصد بیس ۲۰ پر اقتصار کا باعث ہوا:

خدا رُسوانہ کرے گا نبی اور اس کے ساتھ والے مسلمانوں کو

(۱) خلیل جلیل -علیہ الصلاۃ والتبجیل- سے نقل فرمایا: ﴿وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ﴾[1] "مجھے رسوانہ کرنا جس دن لوگ اٹھائے جائیں"۔

حبیب قریب ﷺ کے لیے خود ارشاد ہوا: ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾[2] "جس دن خدا رُسوانہ کرے گا نبی اور اس کے ساتھ والے مسلمانوں کو"۔ حضور کے صدقے میں صحابہ بھی اس بشارتِ عظمیٰ سے مشرف ہوئے۔

(۲) خلیل علیہ السلام سے تمنائے وصال نقل کی: ﴿اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾[3] "بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، اور وہ مجھے راہ دے گا!"۔

حبیب ﷺ کو خود بلا کر عطائے دولت کی خبر دی: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾[4] "پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا"۔

(۳) خلیل علیہ السلام سے آرزوئے ہدایت نقل فرمائی: ﴿سَيَهْدِيْنِ﴾[5] "وہ مجھے راہ دے گا"۔

حبیب ﷺ سے خود ارشاد فرمایا: ﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾[6] "اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے"۔

---

(۱) پ ۱۹، شعراء: ۸۷۔
(۲) پ ۲۸، تحریم: ۸۔
(۳) پ ۲۳، صٰفٰت: ۹۹۔
(۴) پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۔
(۵) پ ۴، آل عمران: ۹۹۔
(۶) پ ۲۶، فتح: ۲۔

حبیب کریم ﷺ کے لیے فرشتے لشکری وسپاہی بنے

(۴) خلیل علیہ السلام کے لیے آیا: فرشتے ان کے معزز مہمان ہوئے ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾[۱] "اے محبوب! کیا تمھارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی؟"

حبیب ﷺ کے لیے فرمایا: فرشتے ان کے لشکری وسپاہی بنے: ﴿وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾[۲] ﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾[۳] ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾[۴] "اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں"۔ "تمھارا رب تمھاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا"۔ "اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں"۔

خدا چاہتا ہے رضائے محمد

(۵) کلیم - علیہ الصلاۃ والتسلیم - کو فرمایا: انہوں نے خدا کی رضا چاہی ﴿وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾[۵] "اور تیری طرف میں جلدی کر کے حاضر ہوا: تاکہ تو راضی ہو"۔

حبیب ﷺ کے لیے بتایا: خدا نے ان کی رضا چاہی ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾[۶] ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾[۷] "تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اُس قبلہ کی طرف، جس میں تمھاری خوشی ہے"۔ "اور بے شک قریب ہے کہ تمھارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"۔

(۶) کلیم علیہ السلام کا بخوف فرعون مصر سے تشریف لے جانا بلفظ فرار نقل فرمایا: ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾[۸] "تو میں تمھارے یہاں سے نکل گیا جبکہ تم سے ڈرا"۔

حبیب ﷺ کا ہجرت فرمانا باحسن عبارات ادا فرمایا: ﴿اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾[۹] "اور اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمھارے ساتھ مکر کرتے تھے"۔

حبیبِ کریم ﷺ سے فوق السماوات مکالمہ فرمایا، اور سب سے چھپایا

(۷) کلیم اللہ - علیہ الصلاۃ والتسلیم - سے طور پر کلام کیا، اور اسے سب پر ظاہر فرما دیا: ﴿اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا

(۱) پ۲۶، ذاریات: ۲۴۔
(۲) پ۱۰، توبہ: ۴۰۔
(۳) پ۴، آل عمران: ۱۲۵۔
(۴) پ۲۸، تحریم: ۴۔
(۵) پ۱۶، طٰہٰ: ۸۴۔
(۶) پ۲، بقرہ: ۱۴۴۔
(۷) پ۳۰، ضحیٰ: ۵۔
(۸) پ۱۹، شعراء: ۲۱۔
(۹) پ۹، انفال: ۳۰۔

يُوْحٰى ⊙ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ [1] ...إلى آخر الآيات. "اور میں نے تجھے پسند کیا، اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے! بے شک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں! تو میری بندگی کر! اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ!"۔

حبیب ﷺ سے فوق السماوات مکالمہ فرمایا، اور سب سے چھپایا: ﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾ [2] "اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی"۔

(۸) داود علیہ السلام کو ارشاد ہوا: ﴿لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [3] "خواہش کی پیروی نہ کرنا! کہ تجھے بہکا دے خدا کی راہ سے!"۔

حبیب ﷺ کے بارے میں بقسم فرمایا: ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ⊙ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [4] "کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتا، وہ تو نہیں مگر وحی کہ القاء ہوتی ہے"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۷)

اب فقیر عرض کرتا ہے، وباللہ التوفیق:

حضرت محمد ﷺ سے خود ارشاد ہوا: اللہ تیری زبردست مدد فرمائے گا!

(۹) نوح وہود -علیہما الصلاۃ والسلام- سے دعا نقل فرمائی: ﴿رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ [5] "الٰہی! میری مدد فرما بدلا اس کا کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا!"۔

محمد ﷺ سے خود ارشاد ہوا: ﴿وَ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا﴾ [6] "اللہ تیری مدد فرمائے گا زبردست مدد!"۔

حبیب کریم ﷺ کو خود حکم دیا کہ اپنی امت کی مغفرت مانگیے

(۱۰) نوح وخلیل -علیہما الصلاۃ والتسلیم- سے نقل فرمایا: انہوں نے اپنی امت کے لیے دعائے مغفرت کی: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ [7][8] "اے ہمارے رب! مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو، اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا!"۔ ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

---

(۱) پ۱۶، طٰہٰ: ۱۳، ۱۴۔

(۲) پ۲۷، نجم: ۱۰۔

(۳) پ۲۳، ص: ۲۶۔

(۴) پ۲۷، نجم: ۳، ۴۔

(۵) پ۱۸، مؤمنون: ۲۶۔

(۶) پ۲۶، فتح: ۳۔

(۷) یہ لفظ دعائے خلیل علیہ السلام کے ہیں، اور دعائے نوح علیہ السلام ان لفظوں: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ سے ہے۔ منہ [امام احمد رضا]

(۸) پ۲۹، نوح: ۲۸۔

الْحِسَابُ﴾[1] "اے میرے رب! مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو، اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مَردوں اور سب مسلمان عورتوں کو!"۔

حبیب ﷺ کو خود حکم دیا کہ اپنی امت کی مغفرت مانگو: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾[2] "اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مَردوں اور عورتوں کے گناہوں کی مُعافی مانگو!"۔

حبیب ﷺ سے خود فرمایا کہ ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا

(۱۱) خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آیا: انہوں نے پچھلوں میں اپنے ذکرِ جمیل باقی رہنے کی دعا کی: ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾[3] "اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں!"۔

حبیب ﷺ سے خود فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾[4] "اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا!"۔ اور اس سے اعلیٰ وارفع مژدہ ملا: ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[5] "قریب ہے کہ تمھارا رب تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے، جہاں سب تمھاری حمد کریں!" کہ جہاں اوّلین وآخِرین جمع ہوں گے، حضور کی حمد وثناء کا شور ہر زبان سے جوش زن ہو گا۔

حبیب کریم ﷺ کے سبب کافروں پر عذاب نہیں ہوتا

(۱۲) خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں فرمایا، انہوں نے قومِ لُوط علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رفعِ عذاب میں بہت کوشش کی: ﴿یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾[6] "ہم سے لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا" مگر حکم ہوا: ﴿یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾[7] "اے ابراہیم! اس خیال میں نہ پڑ!" عرض کی: ﴿اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا﴾[8] "اس بستی میں لُوط جو ہے!" حکم ہوا: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا﴾[9] "ہمیں خوب معلوم ہے جو وہاں ہیں!"۔

حبیب ﷺ سے ارشاد ہوا: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ﴾[10] "اللہ ان کافروں پر بھی عذاب نہ کرے گا، جب تک اے رحمتِ عالَم تُو ان میں تشریف فرما ہے!"۔

---

(1) پ۱۳، ابراہیم:۴۱۔
(2) پ۲۶، محمد:۱۹۔
(3) پ۱۹، شعراء:۸۴۔
(4) پ۳۰، انشراح:۴۔
(5) پ۱۵، بنی اسرائیل:۷۹۔
(6) پ۱۲، ہود:۷۴۔
(7) پ۱۲، ہود:۷۶۔
(8) پ۲۰، عنکبوت:۳۲۔
(9) پ۲۰، عنکبوت:۳۲۔
(10) پ۹، انفال:۳۳۔

حبیب کریم ﷺ اور ان کے طفیلیوں کی دعا

(۱۳) خلیل علیہ السلام سے نقل فرمایا: ﴿رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ [۱] "الٰہی میری دعا قبول فرما!"۔
حبیب ﷺ اور ان کے طفیلیوں کو ارشاد ہوا: ﴿قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [۲] "تمھارا رب فرماتا ہے: مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا!"۔

حبیب کریم ﷺ کی معراج سدرۃ المنتہیٰ و فردوسِ اعلیٰ تک ہوئی

(۱۴) کلیم علیہ السلام کی معراج درختِ دنیا پر ہوئی: ﴿نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ [۳] "ندا کی گئی میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں پیڑ سے"۔
حبیب ﷺ کی معراج سدرۃ المنتہیٰ و فردوسِ اعلیٰ تک بیان فرمائی: ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی﴾ [۴] "سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس جنّت الماویٰ ہے"۔

حبیب کریم ﷺ کو خود شرحِ صدر کی دَولت بخشی

(۱۵) کلیم -علیہ الصلاۃ والتسلیم- نے وقتِ ارسال اپنی دل تنگی کی شکایت کی: ﴿وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ﴾ [۵] "اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے، اور میری زبان نہیں چلتی، تو تُو ہارون کو بھی رسول کر!"۔
حبیب ﷺ کو خود شرحِ صدر کی دولت بخشی، اور اس سے منّتِ عظمیٰ رکھی: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ [۶] "کیا ہم نے تمھارا سینہ کشادہ نہ کیا؟!"۔

حبیب کریم ﷺ پر جلوۂ نور سے تجلی ہوئی

(۱۶) کلیم -علیہ الصلاۃ والتسلیم- پر حجابِ نار سے تجلی ہوئی: ﴿فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا﴾ [۷] "پھر جب وہ آگ کے پاس آیا، ندا کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے"۔
حبیب ﷺ پر جلوۂ نور سے تجلی ہوئی، اور وہ بھی غایتِ تفخیم و تعظیم کے لیے، بالفاظِ ابہام بیان فرمائی گئی: ﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی﴾ [۸] "جب چھا گیا سدرہ پر جو کچھ چھایا"۔ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بزّار، ابو یعلیٰ، بیہقی حضرت ابوہریرہ

(۱) پ ۱۳، ابراہیم: ۴۰۔
(۲) پ ۲۴، مؤمن: ۶۰۔
(۳) پ ۲۰، قصص: ۳۰۔
(۴) پ ۲۷، نجم: ۱۴، ۱۵۔
(۵) پ ۱۹، شعراء: ۳۲۔
(۶) پ ۳۰، شرح: ۱۔
(۷) پ ۱۹، نمل: ۸۔
(۸) پ ۲۷، نجم: ۱۶۔

ﷺ سے حدیث طویل معراج میں راوی: «ثم انتهى إلى السدرة، فغشيها نور الخلاق ﷻ، فكلّمه تعالى عند ذلك، فقال له: سَل»[۱] "پھر حضور اقدس ﷺ سدرہ تک پہنچے، خالق ﷻ کا نور اس پر چھایا، اس وقت حق ﷻ نے حضور ﷺ سے کلام کیا، اور فرمایا: مانگو!" اھ ملخصاً۔

حبیب کریم ﷺ کے ظلِ وجاہت میں کفار تک کو داخل فرمایا گیا

(۱۷) کلیم -علیہ الصلاۃ والتسلیم- سے اپنے اور اپنے بھائی کے سوا، سب سے براءت وقطعِ تعلق نقل فرمایا، جب انہوں نے اپنی قوم کو قتال عمالقہ کا حکم دیا اور انہوں نے نہ مانا، عرض کی: ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي لَآ أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾[۲] "الٰہی! میں اختیار نہیں رکھتا مگر اپنا اور اپنے بھائی کا، تو جدائی فرما دے ہم میں اور اس گنہگار قوم میں!"۔

حبیب ﷺ کے ظلِ وجاہت میں کفار تک کو داخل فرمایا: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ﴾[۳] ﴿عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[۴] "اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو! قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اس جگہ کھڑا کرے، جہاں سب تمہاری حمد کریں"۔ یہ شفاعتِ کبریٰ ہے کہ تمام اہلِ موقف مُوافق ومخالف سب کو شامل۔

حبیب کریم ﷺ کو خود مژدۂ نگہبانی دیا

(۱۸) ہارون وکلیم -علیہم الصلاۃ والتسلیم- کے لیے فرمایا: انہوں نے فرعون کے پاس جاتے ہوئے اپنا خوف عرض کیا: ﴿رَبَّنَآ إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ أَوْ أَنْ يَّطْغٰى﴾[۵] "اے ہمارے رب! بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے، یا شرارت سے پیش آئے!" اس پر حکم ہوا: ﴿لَا تَخَافَآ إِنَّنِيْ مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرٰى﴾[۶] "ڈرو نہیں! میں تمہارے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا"۔

حبیب ﷺ کو خود مژدۂ نگہبانی دیا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾[۷] "اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے!"۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور حبیب کریم ﷺ سے اندازِ سوال میں فرق

(۱۹) مسیح علیہ السلام کے حق میں فرمایا: ان سے پرائی بات پر یوں سوال ہوگا: ﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ

---

(۱) "تفسير ابن أبي حاتم" تحت الآية: ۱، ۷/ ۲۳۱۳. "جامع البيان" (تفسير طبري) تحت الآية. ۱۶، ۲۷/ ۶۸. "الدر المنثور" بحوالة البزار، وأبو يعلى، وابن أبي حاتم، وابن مردويه، والبيهقي، تحت الآية: ۱، ۵/ ۱۷۸.

(۲) پ۶، مائدہ: ۲۵۔

(۳) پ۹، انفال: ۳۳۔

(۴) پ۱۵، بنی اسرائیل: ۷۹۔

(۵) پ۱۶، طٰہٰ: ۴۵۔

(۶) پ۱۶، طٰہٰ: ۴۶۔

(۷) پ۶، مائدہ: ۶۷۔

لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾[1] "اے مریم کے بیٹے عیسٰی! کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا، کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو ۲ خدا ٹھہرا لو؟"۔ "معالم" میں ہے: اس سوال پر خوفِ الٰہی سے حضرت روح اللہ۔صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ کا بند بند کانپ اٹھے گا، اور ہر بُنِ مُو [ہر ہر بال کی جڑ] سے خون کا فوارہ بہے گا، پھر جواب عرض کریں گے[2]، جس کی حق تعالیٰ تصدیق فرماتا ہے۔

حبیب ﷺ نے جب غزوۂ تبوک کا قصد فرمایا، اور منافقوں نے جھوٹے بہانے بنا کر نہ جانے کی اجازت لے لی، اس پر سوال تو حضور ﷺ سے بھی ہوا، مگر یہاں جو شانِ لُطف و محبت وکرم وعنایت ہے قابلِ غور ہے، ارشاد فرمایا: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ﴾[3] "اللہ تجھے مُعاف فرمائے! تو نے انہیں اجازت کیوں دے دی؟" سبحان اللہ! سوال پیچھے ہے اور محبت کا کلمہ پہلے!! والحمد للہ ربّ العالمین!۔

حبیب کریم ﷺ کی نسبت انبیاء ومرسلین کو حکم نصرت ہوا

(۲۰) مسیح علیہ السلام سے نقل فرمایا: انہوں نے اپنے امتیوں سے مدد طلب کی ﴿فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾[4] "پھر جب عیسٰی نے ان سے کفر پایا، بولا: کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف؟ حواریوں نے کہا: ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں!"۔

حبیب ۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ کی نسبت انبیاء ومرسلین کو حکم نصرت ہوا: ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾[5] "تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا! اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا!"۔

غرض جو کسی محبوب کو ملا، وہ سب اور اس سے افضل واعلیٰ انہیں ملا، اور جو انہیں ملا، وہ کسی کو نہ ملا! ع:

حسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

صلّى الله تعالى عليه وسلّم، وعلى آله وأصحابه وبارَك وكرَّم، والحمد لله ربّ العالمين!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۷۸)

حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ

حاکم[6]، بَیہقی، طبرانی، آجری، ابو نعیم، ابن عساکر، امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین ﷺ

(۱) پ۷، مائدہ: ۱۱۶۔
(۲) "معالم التنزيل" (تفسير البغوي) المائدة، تحت الآية: ۱۱٦، ۲/٦٦.
(۳) پ۱۰، توبہ: ۴۳۔
(۴) پ۳، آل عمران: ۵۲۔
(۵) پ۳، آل عمران: ۸۱۔
(٦) وقال: "صحيح الإسناد" وأقره عليه العلّامةُ ابن أمير الحاجّ في "الحلبة"، والسُّبكي في "شفاء السّقام". أقول:

...ہے ہیں: «لما اقترف آدمُ الخطيئةَ قال: ربّ أسألك بحقّ محمّدٍ لما غفرتَ لي! قال وكيف عرفتَ محمداً؟ ...لأنّك لما خلقتَني بيدِك ونفختَ فيّ من رُوحك، رفعتُ رأسي فرأيتُ على قوائم العَرش مكتوباً: لا إلٰه إلّا الله محمّد رسول الله"، فعلمتُ أنّك لم تُضِف إلى اسمِك إلّا أحبَّ الخَلق إليك، قال. صدقتَ يآدم! ولولا محمّدٌ ما خلقتُك!»[1] وفي روايةٍ عند الحاكم: «فقال الله تعالى: صدقتَ يآدم! إنه أحبُّ الخَلق إليّ، أمّا إذا سألتَني بحقّه فقد غفرتُ لك! ولولا محمّدٌ ما غفرتُ لك وما خلقتُك!»[2].

یعنی "آدم علیہ السلام نے خطا کا ارتکاب کیا، تو انہوں نے اپنے رب سے عرض کی: اے رب میرے! صدقہ محمد ﷺ کا میری مغفرت فرما! رب العالمین نے فرمایا: تو نے محمد -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کو کیونکر پہچانا؟ عرض کی: جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے بنایا، اور مجھ میں اپنی روح ڈالی، میں نے سر اٹھایا، تو عرش کے پایوں پر لا إلٰہَ إلّا الله محمّد رسول الله لکھا پایا، جانا کہ تُو نے اپنے نام کے ساتھ اُسی کا نام ملایا ہے جو تجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا! بے شک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے، اب کہ تُو نے اُس کے حق کا وسیلہ کر کے مجھ سے مانگا، تو میں تیری مغفرت کرتا ہوں، اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتا تو میں تیری مغفرت نہ کرتا، نہ تجھے بناتا!"۔

بیہقی و طبرانی کی روایت میں ہے: آدم علیہ السلام نے عرض کی: «رأيتُ في كلّ موضع من الجنّة مكتوباً: لا إلٰه إلّا الله محمّد رسول الله، فعلمتُ أنّه أكرمُ خلقِك عليك!»[3] "میں نے ہر جگہ جنّت میں لا إلٰہَ إلّا الله محمّد رسول الله لکھا دیکھا، تو جانا کہ وہ تیری بارگاہ میں تمام مخلوق سے زیادہ عزّت والا ہے!"۔

آجری کی روایت میں ہے: «فعلمتُ أنّه ليس أحدٌ أعظمَ قدراً عندك ممّن جعلتَ اسمَه مع اسمِك!»[4] "مجھے یقین ہوا کہ کسی کا رتبہ تیرے نزدیک اس سے بڑا نہیں، جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے!"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۸۰)

[5] ارشادِ اوّل: احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: «أنا

...والّذي تحرّر عندي أنه لا ينزل عن درجة الحَسن، والله تعالى أعلَم. منه [أي: من الإمام أحمد رضا]

[1] "دلائل النبوّة" للبَيهقي، باب ما جاء في تحدث رسول الله ﷺ بنعمة ربه ...إلخ، ٥/ ٤٨٩. "تاريخ دمشق الكبير" ترجمة ﷺ: ٧٧٧، ٧/ ٣٠٩.

[2] "مستدرَك الحاكم" كتاب التاريخ استغفار آدم بحقّ محمد ﷺ، ٢/ ٦١٥. "كنز العمال" بحوالة ك وغيره، ر: ٣٢١٣٨، ١١/ ٤١٥.

[3] "الشفاء" الباب ٣، الفصل ١، ١/ ١٣٧، ١٣٨. "نسيم الرياض" الباب ٣، الفصل ١، ٢/ ٢٢٤.

[4] "الشفاء بتعريف حقوق المصطفى" الباب ٣، الفصل ١، ١/ ١٣٨.

[5] یہاں تابشِ اوّل کا اختتام ہوا، اب تابشِ دُوم ۲ کی ابتداء اس سے ہے۔

سَيِّدُ النَّاس يومَ القيامة، وهل تَدرون مما ذلك؟ يجمع الله الأوّلين والآخرين في صعيدٍ واحدٍ» ...الحديث بطُوله "میں روزِ قیامت سب لوگوں کا سردار ہوں، کچھ جانتے ہو یہ کس وجہ سے ہے؟ اللہ تعالی سب اگلے پچھلوں کو ایک ہموار میدان وسیع میں جمع کرے گا ...پھر حدیث طویل شفاعت ارشاد فرمائی۔

"صحیح مسلم" کی ایک روایت میں ہے: حضور ﷺ کے لیے ثرید و گوشت حاضر آیا، حضور نے دستِ گوسفند کو ایک بار دندانِ اقدس سے مشرّف کیا، اور فرمایا: «أنا سيّدُ النّاس يومَ القيامة!» "میں قیامت کے دن سردار مردم ہوں!" پھر دوبارہ اس گوشت سے قدرے تناول کیا اور فرمایا: «أنا سيّدُ النّاس يومَ القيامة!» "میں قیامت کے دن سردارِ جہانیاں ہوں!" جب حضور نے دیکھا مکرّر فرمانے پر بھی صحابہ[2] وجہ نہیں پوچھتے، فرمایا: «ألا تقولون كيف؟» پوچھتے نہیں کہ یہ کیونکر ہے؟ صحابہ نے عرض کی: «كيف هو؟ يا رسول الله!» "ہاں اللہ کے رسول یہ کیونکر ہے؟" فرمایا: ﴿يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے ...پھر حدیثِ شفاعت ذکر فرمائی[3]۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۸۸)

ارشادِ دُوم ۲: مسلم، ابو داؤد انہی [ابو ہریرہ] سے راوی، حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: «أنا سيّدُ ولدِ آدم يومَ القيامة، وأوّلُ مَن ينشقّ عنه القبرُ، وأوّلُ شافع وأوّل مشفَّع»[4] "میں روزِ قیامت تمام آدمیوں کا سردار، اور سب سے پہلے قبر سے باہر تشریف لانے والا، اور پہلا شفیع، اور پہلا وہ جس کی شفاعت قبول ہو۔

روزِ قیامت تمام آدمیوں کا سردار

ارشادِ سوم ۳: احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: «أنا سيّدُ ولدِ آدم يومَ القيامة ولا فخر! وبيدي لواءُ الحمد ولا فخر! وما من نبيٍّ يومئذٍ آدمُ فمَن سِواه إلّا تحت لوائي»[5] ...الحديث. "میں روزِ قیامت تمام آدمیوں کا سردار ہوں، اور یہ کچھ فخر سے نہیں فرماتا! اور میرے

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب التفسير سورة بني إسرائيل، باب قول الله تعالى: ﴿ذُرِّيَّةَ مَن حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ﴾ ...إلخ، ۲/ ۲۸۴، ۲۸۵. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة ...إلخ. ۱/ ۱۱۱. "سنن الترمذي" كتاب صفة القيامة، باب ما جاء في الشفاعة، ر: ۲۴۴۲، ۴/ ۱۹۶. "مسند الإمام أحمد" مسند أبي هريرة رضي الله عنه، ۳/ ۴۳۵.

(۲) صحابہ کو اجمالاً حضور کی سیادتِ مطلقہ معلوم تھی، مع ہذا جو کچھ فرمائیں عین ایمان ہے، چون و چرا کی کیا مجال؟! لہذا وجہ نہ پوچھی، مگر حضور ﷺ اس وقت تفصیلاً اپنی سیادتِ کبریٰ کا بیان فرمانا چاہتے ہیں، اور منتظر ہیں کہ بعد سوال ارشاد ہو، تاکہ أوقع في النفس ہو، جب صحابہ مقصودِ والا کو نہ سمجھے، تو حضور ﷺ نے خود متنبہ فرما کر سوال کیا، اور جواب ارشاد کیا ﷺ۔ منہ [امام احمد رضا]

(۳) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة، ۱/ ۱۱۱.

(۴) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا ﷺ ...إلخ، ۲/ ۲۴۵. "سنن أبي داود" كتاب السنة، باب في التخيير بين الأنبياء عليهم السلام، ۲/ ۲۸۶.

(۵) "سنن الترمذي" أبواب التفسير، سورة بني إسرائيل، ر: ۳۱۵۹، ۵/ ۹۹، ۱۰۰. "سنن الترمذي" أبواب

ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا، اور یہ براہ فخر نہیں کہتا! اُس دن آدم اور ان کے سوا جتنے ہیں، سب میرے زیر لواء ہوں گے"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۹۰)

شبِ اسراء حضور اکرم ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی

ارشاد چہارم ۴: شب اسراء حضور سید المرسلین ﷺ کا انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت فرمانا، حدیث ابو ہریرہ، حدیث انس، وحدیث ابن عباس، وحدیث ابن مسعود، وحدیث ابی لیلی، وحدیث ابو سعید، وحدیث ام ہانی، وحدیث ام المؤمنین صدیقہ، وحدیث ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم، واثر کعب احبار رحمہ اللہ سے مروی ہوا۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے "صحیح مسلم" میں ہے: حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیاء میں دیکھا، موسیٰ وعیسیٰ وابراہیم -علیہم الصلاۃ والتسلیم- کو نماز پڑھتے پایا «فحانت[1] الصلاۃ فأممتُهم»[2] "پھر نماز کا وقت آیا، میں نے امامت فرمائی"۔

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نسائی کی روایت میں ہے: «جمعَ لي الأنبياء، فقدّمني جبريلُ حتى أممتُهم»[3] "میرے لیے انبیاء جمع کیے گئے، جبریل نے مجھے آگے کیا، میں نے امامت فرمائی"۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے: «فلمْ ألبث إلّا يسيراً، حتّى اجتمع ناسٌ كثير، ثم أذّن مؤذّن، وأقيمت الصّلاةُ فقُمنا صُفوفاً ننتظر مَن يؤمُّنا، فأخذ بيدي جبريلُ فقدّمني فصلّيتُ بهم، فلمّا انصرفتُ قال جبريل: يا محمّد! أتدري مَن صلّى خلفَك؟ قلتُ: لا، قال: صلّى خلفَك كلُّ نبيٍّ بعثَه الله»[4] "مجھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ بہت لوگ جمع ہوگئے، مؤذّن نے اذان کہی اور نماز برپا ہوئی، ہم سب صف باندھے منتظر تھے کہ کون امام ہوتا ہے؟ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا، میں نے نماز پڑھائی، سلام پھیرا تو جبریل نے عرض کی: حضور نے جانا کس کس نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؟ فرمایا: نہ، عرض کی: ہر نبی کہ خدا نے بھیجا حضور کے پیچھے نماز میں تھا"۔

طبرانی، وبیہقی، وابن جریر، وابنِ مَردویہ کی روایتِ موقوفہ میں ہے: «ثمّ بعثَ له آدمُ فمَن دونه من الأنبياء،

المناقب، باب ما جاء في فضل النبي ﷺ، ر: ۳۶۳۵، ۵/ ۳۵۴. "كنز العمال" بحواله حم ت عن أبي سعيد، ر: ۳۱۸۸۲، ۱۱/ ۴۰۴.

(۱) عزا هذا المتنَ في "المواهب" إلى "صحيح مسلم" من رواية عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، ولم أره فيه عنه، إنما هو عنده من أبي هريرة، وعجب أنّ الزرقاني أيضاً أقرّه! فالله تعالى أعلم. منه [أي: من الإمام أحمد رضا]

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ...إلخ، ۱/ ۹۶.

(۳) "سنن النسائي" كتاب الصلاة فرض الصلاة ...إلخ، ۱/ ۷۸.

(۴) "الدرّ المنثور" بحوالة ابن أبي حاتم، تحت الآية: ۱۷/ ۱، ۵/ ۱۴۳. "الخصائص الكبرى" باب خصوصيته ﷺ بالإسراء ...إلخ، ۱/ ۱۵۴.

"حضور کے لیے آدم اور ان کے بعد جتنے نبی ہوئے سب اٹھائے گئے، حضور نے ان کی امامت فرمائی "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ فأمّهم رسولُ الله ﷺ»[1]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے احمد، وابو نعیم، وابن مَردوَیہ بسند صحیح راوی، جب حضور مسجد اقصی میں تشریف لائے، نماز کو کھڑے ہوئے «فإذا النّبيون أجمعون يصلّون معه»[2] "کیا دیکھتے ہیں کہ سارے انبیاء حضور کے ساتھ نماز میں ہیں"۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسن بن عرفہ وابو نعیم وابن عساکر نے روایت کی: میں مسجد میں تشریف لے گیا، انبیاء کو پہچانا، کوئی قیام میں ہے، کوئی رکوع میں، کوئی سجود میں «ثمّ أقيمتْ الصّلاةُ فأمّمْتُهم»[3] "پھر نماز برپا ہوئی، میں ان سب کا امام ہوا"۔

ابو لیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طبرانی وابن مَردوَیہ راوی، حضور پُر نور وجبریل امین۔صلی اللہ تعالیٰ علیہما وسلم۔ بیت المقدس پہنچے، وہاں کچھ لوگ بیٹھے دیکھے، انہوں نے کہا: «مرحباً بالنّبي الأمّي!»۔

اور ان میں ایک پیر تشریف فرما تھے، حضور نے پوچھا: جبریل! یہ کون ہیں؟ عرض کی: یہ حضور کے باپ ابراہیم اور یہ موسیٰ وعیسیٰ ہیں «ثمّ أقيمتْ الصّلاةُ فتدافعوا، حتّى قدّموا محمداً ﷺ»[4] "پھر نماز قائم ہوئی، امامت ایک نے دوسرے پر ڈالی، یہاں تک کہ سب نے مل کر محمد ﷺ کو امام کیا"۔

ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن اسحاق راوی، ملاقاتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ذکر کرکے کہتے ہیں: «فصلّى بهم، ثمّ أُتيَ بإناءٍ فيه لبن»[5] "حضور نے انہیں نماز پڑھائی، پھر ایک برتن میں دودھ حاضر کیا گیا"۔۔۔الحدیث۔

ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابو یعلی وابن عساکر راوی: «نشرَ لي رهطٌ من الأنبياء، فيهم إبراهيمُ وموسى وعيسى، فصلّيتُ بهم»[6] "ایک جماعتِ انبیاء جس میں ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ تھے، میرے لیے اٹھائی گئی، میں نے انہیں نماز پڑھائی"۔

---

(۱) "الخصائص الكبرى" باب خصوصيته ﷺ بالإسراء، ۱/ ۱۵٦. "الدر المنثور" بحوالة ابن جرير، وابن مَردوَيه، والبَيهقي، تحت الآية: ۱، ٥/ ۱٦٥.

(۲) "الدر المنثور" بحواله أحمد، وأبي نعيم، وابن مَردوَيه، تحت الآية: ۱، ٥/ ۱۸۸. "الخصائص الكبرى" باب خصوصيته ﷺ بالإسراء، ۱/ ۱٥۹.

(۳) "الدر المنثور" بحوالة ابن عرفة، وأبي نعيم، وابن مَردوَيه، وابن عساكر، تحت الآية: ۱، ٥/ ۱۸۰. "الخصائص الكبرى" بحوالة ابن عرفة، وأبي نعيم، باب خصوصيته ﷺ بالإسراء ...إلخ، ۱/ ۱٦۲.

(٤) "الخصائص الكبرى" بحوالة الطبَراني، وابن مَردوَيه، باب خصوصيته ﷺ بالإسراء ...إلخ، ۱/ ۱۷۱. "الدر المنثور" تحت الآية: ۱، ٥/ ۱۷۹.

(٥) "السيرة النبوية" لابن هشام، ذكر الإسراء والمعراج، صـ۲۸۷.

(٦) "الدر المنثور" تحت الآية: ۱، ٥/ ۱۸۲. "الخصائص الكبرى" بحوالة أبي يعلى وابن عساكر باب خصوصيته ﷺ بالإسراء ...إلخ، ۱/ ۱۷۸.

امہات المومنین(۱)، وام ہانی، وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ابن سعد(۲) نے روایت کی: «رأيتُ الأنبياءَ جمعوا لي ورأيتُ إبراهيمَ وموسى وعيسى، فظننتُ أنّه لا بدَّ لهم أن يكونَ لهم إمامٌ، فقدّمني جبريلُ حتّى صلّيتُ بين أيديهم»(۳) "میں نے ملاحظہ فرمایا کہ انبیاء میرے لیے جمع کیے گئے، میں نے ان میں خلیل وکلیم ومسیح کو بھی دیکھا، میں سمجھا اس جماعت کا کوئی امام ضرور چاہیے! جبریل نے مجھے آگے کیا، میں نے ان کی امامت فرمائی"۔

کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام واسطی راوی: «فأذّنَ جبريلُ، ونزلت الملائكةُ من السّماء، وحشرَ اللهُ له المرسَلين، فصلّى النبيُّ ﷺ بالملائكة والمرسَلين»(۴) "جبریل نے اذان کہی، اور آسمان سے فرشتے اترے، اور اللہ تعالیٰ نے حضور کے لیے مرسلین جمع فرما کر بھیجے، حضور نے ملائکہ ومرسلین کی امامت فرمائی"۔

فائدہ: امامتِ ملائکہ کی دوسری حدیث ان شاء اللہ تعالیٰ تابشِ چہارم ۴۴ میں آئے گی، اور حدیثِ طویل ابی ہریرہ مذکورہ ارشادِ چہلم ۴۰ میں ہے: «دخل فصلّى مع الملائكة»(۵) "داخل ہوئے اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۱۱۸)

شبِ معراج جب آسمان پر تشریف لے گئے، جبریل نے اذان دی، حضور ﷺ نے ملائکہ کی امامت فرمائی

ابن مَردوَیہ راوی: عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة قالت: قال: رسول الله ﷺ: «لما أسري بي إلى السّماء، أذّنَ جبريلُ، فظنّت الملائكةُ أنّه يصلّي بهم، فقدّمني فصلّيتُ بالملائكة»(۶) ابن مَردوَیہ نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت

---

(۱) یہ حدیث وہی ہے کہ زیرِ ارشادِ چہل وچہارم ۴۴ گزری۔

(۲) وقع في "الدر المنثور" للإمام الجليل الجلال السُّيوطي ما نصُّه: أخرج ابن سعد، وابن عساكر عن عبد الله بن عمر، وأم سلَمة، وعائشة، وأمّ هانئ، وابن عباس رضي الله عنهم ["الدر المنثور" تحت الآية: ۱۷/ ۱، ۵/ ۱۸۳] ...إلخ.

أقول: نقل ابن عمر من خطأ النسّاخ، وصوابُه ابن عَمرو؛ فإنّ الإمامَ قال في "الخصائص الكبرى": قال ابنُ سعد، أنا الواقدي، حدّثني أسامةُ بنُ زيد اللّيثي، عن عَمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جدّه، عن أمّ سلَمة ...إلخ. وقال: في آخره: أخرجه ابنُ عساكر اهـ ظهرتْ معه فائدةٌ أخرى، وهي أنّ ابنَ عَمرو رضي الله عنه إنّما يَرويه عن أم المؤمنين أم سلَمة رضي الله عنها، فلا يعد مفرزاً عنها، وفائدةٌ أخرى عن ابن عساكر: إنّما أخرجه بسنَدِه عن ابن سعد، فالأظهَر أن يقال: أخرج ابنُ سعد من طريقه، ابنُ عساكر. والله تعالى أعلم. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۳) "الدر المنثور" بحوالة ابن سعد، تحت الآية: ۱، ۵/ ۱۸۳.

(۴) "الدر المنثور" بحوالة الواسطي، تحت الآية: ۱، ۵/ ۱۹۹.

(۵) "الدر المنثور" بحوالة عن أبي هريرة، تحت الآية: ۱، ۵/ ۱۷۵. "الخصائص الكبرى" باب خصوصيته ﷺ بالإسراء ...إلخ، ۱/ ۱۷۲.

(۶) "الخصائص الكبرى" بحوالة ابن مَردوَيه، باب خصوصيته ﷺ بالإسراء ...إلخ، ۱/ ۱۷۶. "الدر المنثور" تحت الآية: ۱، ۵/ ۱۹۳.

کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شبِ معراج جب میں آسمان پر تشریف لے گیا، جبریل نے اذان دی، ملائکہ سمجھے جبریل نماز پڑھائیں گے، جبریل نے مجھے آگے کیا، میں نے ملائکہ کی امامت فرمائی"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۴، ص۱۸۷)

وہابیہ کا ظلم کہ جو محاورے خود بولتے ہیں، مسلمانوں کے مشرک بنانے کو ان سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں

فقیر کہتا ہے: ایک دفعِ بلا وامداد وعطا ہی پر کیا موقوف، مخلوق کی طرف اصل وجود ہی کی اِسناد بمعنیٔ حقیقی ذاتی نہیں، پھر یہ کو موجود کہنے میں وہابیہ بھی ہمارے شریک ہیں، کیا ان کے نزدیک عالم بذاتہٖ موجود ہے؟ یا سوفسطائیہ کی طرح عقیدہ "حقائق الأشیاء ثابتۃ" سے منکر ہیں؟ اور جب کچھ نہیں، تو کیا ظلم ہے کہ جو محاورے صبح وشام خود بولتے رہیں، مسلمانوں کے مشرک بنانے کو ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں؟! کیا مسلمان پر بدگمانی حرام قطعی نہیں؟! کیا اس کی مذمت پر آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ ناطق نہیں؟! بلکہ انصاف کی آنکھ کھلی ہو تو اس اِدعائے خبیث کا درجہ تو بدگمانی سے بھی گزرا ہوا ہے! سوئے ظن کے لیے اس گمان کی گنجائش تو چاہیے! مسلمان کے بارے میں ایسے خیال کا احتمال ہی کیا ہے؟! اس کا موحد ہونا ہی اس کی مراد پر گواہ کافی ہے! کما لا یخفی عند کلّ مَن لہ عقلٌ ودین!. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۴، ص۴۷)

حضور اکرم ﷺ کو "دافع البلاء" کہنا شرک نہیں

بالجملہ اس احتمال کو یہاں راہ ہی نہیں، بلکہ انہیں دو۲ سے ایک مراد بالیقین ہے، یعنی اِسناد غیر ذاتی کسی قسم کی ہو، اب جو اسے شرک کہا جاتا ہے، تو اس کی دو۲ ہی صورتیں متصور ہیں: (۱) بنظرِ مصداق[1] نسبت (۲) یا بنفسِ حکایت۔

اول: یہ کہ غیرِ خدا کے لیے ایسا اتصاف ماننا ہی مطلقاً شرک ہے اگرچہ مجازی ہو، جس کا حاصل اس مسئلہ میں یہ کہ حضور ﷺ دافع البلاء، دفعِ بلا کے سبب ووسیلہ وواسطہ بھی نہیں، کہ مصداق نسبت کسی طرح متحقق ہو، جو غیرِ خدا کو ایسے امور میں سبب ہی مانے وہ بھی مشرک ہے۔

دوم۲: یہ کہ ایسی نسبت وحکایت خاص بذاتِ اَحدیت -جلّ وعلا- ہے، غیر کے لیے مطلقاً شرک ہے، اگرچہ اِسناد غیر ذاتی مانے۔ آدمی اگر عقل وہوش سے کچھ بہرا رکھتا ہو، تو غیرِ ذاتی کا لفظ آتے ہی شرک کا خاتمہ ہو گیا؛ کہ جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی؟! برخلاف اس طاغی سرکش کے جو عقل کی آنکھ پر مُکابرہ کی پٹی باندھ کر صاف کہتا ہے: "پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے، خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے"[2]۔

---

(۱) فرق یہ کہ اول میں حکمِ منعِ حکایت بنظرِ بطلان وعدمِ مطابقت ہوگا، یعنی واقع میں موضوع ایسی صفت سے متصف ہی نہیں جو اس حکایت کا مصحح ہو، اور دوم میں حکایت خود ہی محذور ہوگی، اگرچہ صادق ہو کہ صدق وصحتِ اطلاق اِلزام نہیں، ألا ترى أنّا نؤمن بأنّ محمّدًا ﷺ أعزّ عزيز وأجلّ جليل من خلق الله ﷻ، ولكن لا يقال: محمّد عزّ وجلّ، بل صلّى الله تعالى عليه وسلّم۔ تو وجہِ اول میں ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ اِسناد غیر ذاتی کا مطلقاً تحقق، اور دوم میں یہ کہ یہ اطلاق یقیناً جائز۔ پُر ظاہر کہ دلائل وجہِ دوم سب دلائل وجہِ اول بھی ہیں، کہ حکایاتِ الٰہیہ ونبویہ قطعاً صادق۔ لہذا ہم انہیں جانب کثرت بقلت توجہ کریں گے، نصوص وجہِ ثانی بکثرت لائیں گے، وباللہ التوفیق!۔ منہ دامت فیوضہ [امام احمد رضا]

(۲) "تقویۃ الایمان" پہلا باب، ص۷۔

دابة كانت لقريش نطقت تلك الليلةَ وقالتْ: حملَ رسولُ الله ﷺ وربِّ الكعبة! وهو أمانُ الدّنيا وسراجُ أهلها»[1] "نبی ﷺ کے حمل مبارک کی نشانیوں میں سے تھا، کہ قریش کے جتنے چوپائے تھے، سب نے اس رات کلام کیا، اور کہا کہ ربِ کعبہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ حمل میں تشریف فرما ہوئے، وہ تمام دنیا کی پناہ اور اہلِ عالَم کے سورج ہیں ﷺ۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۱۵۶)

سَو۱۰۰ سوالوں کا ایک جواب

اے ناپاک طائفے کی سنگت والو! جب تک ذاتی وعطائی کے فرق پر ایمان نہ لاؤ گے، کبھی قرآن وحدیث کے قہروں سے پناہ نہ پاؤ گے! اور اس پر ایمان لاتے ہی یہ تمھاری شرکیات کے راگ متعلقہ تدبیر، وتصرّف، واستمداد، واستعانت، ودافع البلاء، وحاجت رَوا، ومشکل کشا، وعلم غیب، ونداوغیرہا سب کافور ہو جائیں گے! اور اللہ تعالی کے مبارک منصور (نصرت دیے گئے، مدد دیے گئے) بندے، آنکھوں دیکھے منصور نظر آئیں گے ﴿ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾[2] "تو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۱۷۱)

حضور اکرم ﷺ کو کنجیاں عطا ہوئی ہیں

آیت اَز انجیل جلیل: حاکم بافادۂ تصحیح، اور ابن سعد، وبیہقی، وابو نعیم روایت کرتے ہیں، ام المؤمنین ومحبوبۂ محبوب رب العالمین، حضرت عائشہ صدیقہ -صلی اللہ تعالیٰ علیٰ بعلہا وابیہا وعلیہا وسلم- فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کی صفت وثناء انجیل پاک میں مکتوب ہے: «لا فظٌّ، ولا غليظٌ، ولا سخابٌ في الأسواق، وأعطيَ المفاتيح»[3] ...إلخ. "نہ سخت دل ہیں، نہ درشت خُو، نہ بازاروں میں شور کرتے، انہیں کنجیاں عطا ہوئی ہیں۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۱۷۷)

میں سورہا تھا کہ تمام خزائنِ زمین کی کنجیاں لائی گئیں، اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں

حدیث: بخاری ومسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور مالک المفاتیح ﷺ فرماتے ہیں: «بينا أنا نائمٌ أُتيتُ بمفاتيح خزائن الأرض، فوضعت في يدي»[4] "میں سور رہا تھا کہ تمام خزائنِ زمین کی کنجیاں لائی گئیں، اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۱۷۸)

---

(۱) "الخصائص الكبرى" بحوالة أبو نعيم عن ابن عباس، باب مظهر في ليلة مولده ...إلخ، ۱/ ٤٧.

(۲) پ۲۸، مجادلہ: ۲۲۔

(۳) "الخصائص الكبرى" باب ذكره في التوراة والإنجيل ...إلخ، ۱/ ۱۱. "مستدرَك الحاكم" كتاب التاريخ كان أجوَد النّاس بالخير، ۲/ ٦١٤. "الطبقات الكبرى" لابن سعد، ذكر صفة رسول الله ﷺ في التوراة والإنجيل، ۱/ ٣٦٣.

(٤) "صحيح البخاري" كتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ بعثت بجوامع الكلم، ۲/ ۱۰۸۰. "صحيح مسلم" كتاب المساجد وموضع الصّلاة، ۱/ ۱۹۹.

حضور اکرم ﷺ کو وہ عطا ہوا جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملا

حدیث: امام احمد وابو بکر بن ابی شیبہ سیّدنا علی -کرّم اللہ وجہہ الکریم- سے راوی، حضور مالک و مختار ﷺ فرماتے ہیں:
«أعطيتُ ما لم يعطَ أحدٌ من الأنبياء قبلي: نُصرتُ بالرّعب، وأُعطيتُ مفاتيح الأرض»[1] ...الحديث
"مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملا، رعب سے میری مدد فرمائی گئی (کہ مہینہ بھر کی راہ پر دشمن میرا نام پاک سن کر کانپے) اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں" ---الحدیث- امام جلال الدّین سیوطی نے اس حدیث کی تصحیح کی۔

حدیث: امام احمد اپنی "مسند"، اور ابن حبّان اپنی "صحیح"، اور ضیاء مقدسی "صحیح مختارہ"، ابو نعیم "دلائل النبوّۃ" میں بسند صحیح، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، حضور مالکِ تمام دنیا ﷺ فرماتے ہیں: «أُتيتُ بمقاليد الدّنيا على فرسٍ أبلَق، جاءني به جبريلُ عليه قطيفة من سُندس»[2] "دنیا کی کنجیاں ابلق گھوڑے پر رکھ کر میری خدمت میں حاضر کی گئیں، جبریل لے کر آئے، اس پر نازک ریشم کا زین بانقش و نگار پڑا تھا"۔

حدیث: امام احمد مسند، اور طبرانی "معجم کبیر" میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی، حضور پُر نور ابو القاسم ﷺ فرماتے ہیں: «أوتيتُ مفاتيح كلّ شيءٍ إلّا الخمس»[3] "مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا ہوئیں، سوائے ان پانچ ۵ کے" یعنی غیوب خمسہ۔ علامہ حفنی "حاشیہ جامع صغیر" میں فرماتے ہیں: "ثمّ أُعلمَ بها بعد ذلك"[4] "پھر یہ پانچ ۵ بھی عطا ہوئیں، ان کا علم بھی دے دیا گیا"۔ اسی طرح علامہ سیوطی نے بھی "خصائص کبریٰ" میں نقل فرمایا، علامہ مدابغی شرح "فتح المبین" امام ابن حجر مکّی میں فرماتے ہیں: "یہی حق ہے"۔ وللہ الحمد! ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۱۷۸)

اَحکامِ شرع حبیب اللہ ﷺ کے اختیار میں ہیں

احادیث تحریم حرم مدینہ بحکم احکم حضور سیّد عالم ﷺ

حدیث: "صحیحین" میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے عرض کی: «اللّهم إنّ إبراهيمَ حرّم مكّةَ، وإنّي أحرّم ما بين لابتَيها»[5] هُما وأحمدُ والطّحاوي في "شرح معاني الآثار" عن أنس رضي الله عنه. "الٰہی! بے شک ابراہیم -علیہ

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند علي رضي الله عنه، ۱/ ۹۸. "مصنَّف ابن أبي شيبة" كتاب المناقب، ر: ۳۱۶۳۸، ۶/ ۳۰۸.
"الخصائص الكبرى" باب اختصاصه ﷺ بالنصر بالرعب، ۲/ ۱۹۳.
(۲) "مسند الإمام أحمد" مسند جابر رضي الله عنه، ۳/ ۳۲۸. "الخصائص الكبرى" بحوالة أحمد، وابن حِبّان، وأبي نعَيم، باب اختصاصه بالنصر، ۲/ ۱۹۵.
(۳) "مسند الإمام أحمد" مسند ابن عمر رضي الله عنهما، ۲/ ۸۵. "المعجم الكبير" عن ابن عمر رضي الله عنهما، ۱۲/ ۳۶۱.
(٤) "حواشي الحفني على الجامع الصغير" على هامش "السراج المنير" الحديث أوتيت مفاتيح ...إلخ، ۲/ ۷۳.
(۵) "صحيح البخاري" كتاب الأنبياء، باب يزفون النسلان، ۱/ ٤۷۷. "صحيح البخاري" كتاب المغازي غزوه أحد، ۲/ ۵۸۵. "صحيح البخاري" كتاب الاعتصام، باب ما ذكر النبي ﷺ، ۲/ ۱۰۹۰. "صحيح مسلم" كتاب الحج، باب فضل المدينة، ۱/ ٤٤۱. "مسند الإمام أحمد" مسند أنس رضي الله عنه، ۳/ ۱٤۹. "شرح معاني الآثار"

الصلاۃ والتسلیم ۔ نے مکۂ معظمہ کو حرم کر دیا، اور میں دونوں سنگستان مدینہ طیبہ کے درمیان جو کچھ ہے، اسے حرم بناتا ہوں"۔

حدیث: نیز "صحیحین" میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ إبراهيمَ حرّم مكّة ودعا لأهلها، وإنّي حرّمتُ المدينةَ كما حرّم إبراهيمُ مكّةَ، وإنّي دعوتُ في صاعِها ومدِّها بمثلَي ما دعا إبراهيمُ لأهل مكّة» هُما[1] جميعاً عن عبد الله بن زيد بن عاصم رضی اللہ عنہ. "بے شک ابراہیم ۔علیہ الصلاۃ والتسلیم۔ نے مکۂ معظمہ کو حرم بنا دیا، اور اس کے ساکنوں کے لیے دعا فرمائی، اور بے شک میں نے مدینہ طیبہ کو حرم کر دیا جس طرح انہوں نے مکے کو حرم کیا، اور میں نے اس کے پیمانوں میں اُس سے دُونی برکت کی دعا کی، جو دعا انہوں نے اہلِ مکہ کے لیے کی تھی"۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۲۸)

حدیث: "صحیحین" انس رضی اللہ عنہ سے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «المدينةُ حرمٌ من كذا إلى كذا، لا يُقطَع شجرُها» هُما وأحمدُ[2] والطّحاوي، واللفظُ لـ"الجامع الصّحيح". "مدینہ یہاں سے یہاں تک حرم ہے، اس کا پیڑ نہ کاٹا جائے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۳۲)

مکۂ معظمہ ومدینہ طیبہ کی حرمت پر حدیثیں اس باب میں حدِ تواتر پر ہیں

اور اگر وہ حدیثیں گنی جائیں، جن میں مکۂ معظمہ ومدینہ طیبہ کو حرمین فرمایا، تو عدد کثیر ہیں، بالجملہ حدیثیں اس باب میں حدِ تواتر پر ہیں، تو بالیقین ثابت کہ مصطفی ﷺ نے مدینہ طیبہ کے جنگل کا بتاکید تام واہتمامِ تمام وہی ادب مقرّر فرما دیا، جو مکۂ معظمہ کے جنگل کا ہے۔ بااین ہمہ طائفۂ تالفہ وہابیہ کا امام بدفرجام بکمال دریدہ دہنی صاف صاف لکھ گیا: "گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا، یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے بتائے ہیں، پھر جو کوئی کسی پیر پیغمبر یا بھوت وپری کے مکانوں کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرے، تو اُس پر شرک ثابت ہے"[3]۔

کیوں! ہم نہ کہتے تھے کہ یہ ناپاک مذہب ملعون مشرب اسی لیے نکلا ہے، کہ اللہ ورسول تک شرک کا حکم پہنچائے! پھر اَور کسی کی کیا گنتی؟! تف ہزار تف بررُوئے بد دینی! اب دیکھنا ہے کہ اس امامِ بے لگام کے مقلّد کہ بڑے موحِّد بنے پھرتے ہیں،

=

کتاب الصيد، باب صيد المدينة، ۲/ ۳٤۲.

(۱) "صحيح البخاري" كتاب البيوع، باب بركة صاع النّبي ﷺ، ۱/ ٤۸٦. "صحيح مسلم" كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعا النبي ﷺ، ۱/ ٤٤۰. "مسند الإمام أحمد" مسند عبد الله بن زيد رضی اللہ عنہ، ٤/ ٤۰. "شرح معاني الآثار" كتاب الصيد، باب صيد المدينة، ۲/ ٦٤۲.

(۲) "صحيح البخاري" فضائل مدينة، باب حرمة المدينة، ۱/ ۲۵۱. "صحيح مسلم" كتاب الحج، باب فضل المدينة ...إلخ، ۱/ ٤٤۱. "كنز العمال" بحوالة حم وغيره، ر: ۳٤۸۰٤، ۱۲/ ۲۳۱. "مسند الإمام أحمد" مسند أنس رضی اللہ عنہ، ۳/ ۲٤۲.

(۳) "تقویۃ الایمان" مقدمۃ الکتاب، ص۸۔

اپنے امام کا ساتھ دیتے ہیں، یا محمد رسول اللہ پڑھنے کی کچھ لاج رکھتے ہیں! اللہ کی بے شمار درودیں محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ادب والے غلاموں پر!۔
("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص ۲۳۳)

اقول وباللہ التوفیق: اَحکامِ الٰہی کی دو ۲ قسمیں ہیں: تکوینیہ مثل اِحیاء واِماتت، وقضائے حاجت، ودفعِ مصیبت، وعطائے دولت، ورزق، ونعمت، وفتح، وشکست وغیرہا عالَم کے بندوبست۔

دوسرے تشریعیہ، کہ کسی فعل کو فرض یا حرام یا واجب یا مکروہ یا مستحب یا مباح کر دینا، مسلمانوں کے سچے دین میں ان دونوں حکموں کی ایک ہی حالت ہے، کہ غیر خدا کی طرف بر وجہِ ذاتی اَحکامِ تشریعیہ کی اِسناد بھی شرک ہے، قال اللہ تعالی: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾[1] اللہ تعالی نے فرمایا: "کیا ان کے لیے خدا کی اُلوہیت میں کچھ شریک ہیں؟ جنہوں نے ان کے واسطے دین میں اَور راہیں نکال دی ہیں، جن کا خدا نے انہیں حکم نہ دیا!"۔

اور بروجہِ عطائی اُمورِ تکوین کی اِسناد بھی شرک نہیں، قال اللہ تعالی: ﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾[2] "قسم ان مقبول بندوں کی! جو کاروبارِ عالَم کی تدبیر کرتے ہیں"۔ مقدمۂ رسالہ ["الأمن والعُلی"] میں شاہ عبدالعزیز کی شہادت سن چکے کہ "حضرت امیر وذریۂ طاہرہ اورا تمام امت بر مثال پیران ومرشدان می پرستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ میدانند"[3]۔

مگر کچے وہابی ان دو ۲ قسموں میں فرق کرتے ہیں، اگر کہیے کہ "رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرض کی، یا فلاں کام حرام کر دیا" تو شرک کا سودا نہیں اُچھلتا، اور اگر کہیے کہ "رسول اللہ ﷺ نے نعمت دی، یا غنی کر دیا" تو شرک سوجھتا ہے، یہ ان کا نرا تحکم ہی نہیں، خود اپنے مذہب نامہذب میں کچا پن ہے، جب ذاتی اور عطائی کا تفرقہ اٹھا دیا، پھر اَحکام میں فرق کیسا؟! سب کا یکساں شرک ہونا لازم ہے، آخر ان کا امام مطلق وعام کہہ گیا کہ "کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے، اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں"[4]۔ نیز کہا: "کسی کام کو رَوا یا ناروا کر دینا اللہ ہی کی شان ہے"[5]۔

صاف تر کہا: "کسی کی راہ ورسم کو ماننا، اور اسی کے حکم کو اپنی سند سمجھنا، یہ بھی انہیں باتوں میں سے ہے کہ خاص اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائی ہیں، تو جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے، تو اس پر بھی شرک ثابت ہے"[6]۔ اور آگے اس کا قول: "سو اللہ کے حکم پہنچنے کی راہ بندوں تک، رسول ہی کا خبر دینا ہے"[7]۔

اس میں وہ رسول کو حاکم نہیں مانتا، صرف مخبر وپیغام رساں مانتا ہے، اور اس سے پہلے حصہ کے ساتھ تصریح کر چکا ہے

(1) پ۲۵، الشوری: ۲۱۔
(2) پ۳۰، النّٰزعٰت: ۵۔
(3) "تحفہ اثنا عشریہ" باب ہفتم، ص ۲۱۴۔
(4) "تقویۃ الایمان" الفصل ۳، ص ۲۰۔
(5) "تقویۃ الایمان" الفصل ۳، ص ۲۰۔
(6) "تقویۃ الایمان" الفصل ۴، ص ۲۸۔
(7) "تقویۃ الایمان" الفصل ۴، ص ۲۸۔

کہ "پیغمبر کا اتنا ہی کام ہے کہ بُرے کام پر ڈرا دیوے، اور بھلے کام پر خوشخبری سنا دیوے"[1]۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۳۶)

حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے جل جلالہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آیت: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾[2] "لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے، اور نہ پچھلے دن پر، اور حرام نہیں مانتے اُس چیز کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے"۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے کام فرض ہو جاتا ہے

آیت: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾[3] "نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو، کہ جب حکم کریں اللہ ورسول کسی بات کا، کہ انہیں کچھ اختیار ہے اپنی جانوں کا، اور جو حکم نہ مانے اللہ ورسول کا، وہ صریح گمراہی میں بہکا"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۳۹)

اگر اللہ سبحانہ نے حضور کو یہ رُتبہ نہ دیا ہوتا، کہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمائیں، تو حضور ہرگز جرأت نہ فرماتے: کہ جو چیز خدا نے حرام کی، اس میں سے کچھ مستثنیٰ فرما دیں۔

اقول: یہ مضمون [سطور بالا] متعدد احادیث صحیحہ میں ہے:

حدیث۱: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "صحیحین" میں: فقال العبّاس رضی اللہ عنہ: إلّا الإذخر؛ لصاغتنا وقبورنا، فقال صلی اللہ علیہ وسلم: «إلّا الإذخر»[4] "یعنی عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! مگر اِذخر؛ کہ وہ ہمارے سناروں اور قبروں کے کام آتی ہے! فرمایا: "مگر اِذخر"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۴۱)

حدیث ۲: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "معجم کبیر طبرانی" میں، سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «لولا ضعفُ الضعيف، وسقمُ السَّقيم، لأخرتُ صلاةَ العتمة»[5] "اگر ضعیف کے ضعف اور مریض کے مرض کا پاس نہ ہوتا، تو میں نماز عشاء کو پیچھے ہٹا دیتا"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۴۲)

---

(۱) "تقویۃ الایمان" الفصل ۲، ص۲۸۔

(۲) پ۱۰، توبہ:۲۹۔

(۳) پ۲۲، احزاب:۳۶۔

(٤) "صحيح البخاري" كتاب العمرة، باب لا ينفر صيد الحرم، ١/ ٢٤٧. "صحيح مسلم" كتاب الحج، باب تحريم مكة ...إلخ، ١/ ٤٣٨، ٤٣٩.

(٥) "المعجم الكبير" عن عباس، ر: ١٢١٦١، ١١/ ٤٠٩.

پھر فرمایا: «ذَرُونِي ما ترَكتُكم، فإنّما هلكَ مَن كان قبلَكم بكثرة سؤالهم واختلافِهم على أنبيائهم، فإذا أمرتُكم بشيءٍ فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نَهيتُكم عن شيءٍ فدَعوه!» رواه ابنُ ماجه[1] مفرَدًا. "مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑوں! کہ اگلی امتیں اسی کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء کے خلاف مراد چلنے سے ہلاک ہوئیں! تو جب میں تمہیں کسی بات کا حکم فرماؤں، تو جتنی ہو سکے بجا لاؤ! اور جب کسی بات سے منع فرماؤں تو اسے چھوڑ دو!"۔ یعنی جس بات میں میں تم پر وُجوب یا حُرمت کا حکم نہ کروں، اسے کھود کھود کر نہ پوچھو! کہ پھر واجب یا حرام کا حکم فرما دوں تو تم پر تنگی ہو جائے!۔

یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس بات کا نہ حکم دیا، نہ منع فرمایا، وہ مُباح وبلاحرج ہے۔ وہابی اسی اصلِ اصیل سے جاہل ہو کر ہر جگہ پوچھتے ہیں: "خدا ورسول نے اس کا کہاں حکم دیا ہے؟" ان احمقوں کو اتنا ہی جواب کافی ہے، کہ خدا اور سول نے کہاں منع کیا ہے؟ جب حکم نہ دیا، نہ منع کیا، تو جواز رہا! تم جو ایسے کاموں کو منع کرتے ہو، اللہ ورسول پر افتراء کرتے ہو، بلکہ خود شارِع بنتے ہو! کہ شارع ﷺ نے منع کیا نہیں، اور تم منع کر رہے ہو!۔

مجلس میلاد مبارک وقیام وفاتحہ وسوم وغیرہا مسائل بدعتِ وہابیہ سب اسی اصل سے طے ہو جاتے ہیں، اعلیٰ حضرت، حِجۃ الخلَف، بقیۃ السلَف، خاتمۃ المحققین، سیدنا الوالد -قدّس سرّہ الماجد- نے کتاب مستطاب "أصول الرَّشاد لقَمع مَباني الفَساد" میں اس کا بیان اعلیٰ درجہ کا روشن فرمایا ہے، فنوّر اللهُ منزلَه، وأكرمَ عندَه نزلَه، آمين!.

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۴۴)

چھ ۶ ماہ کی بکری کی قربانی جائز فرما دی

حدیث: "صحیحین" میں براء بن عازِب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، ان کے ماموں ابو بردہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تھی، جب معلوم ہوا یہ کافی نہیں، عرض کی: یارسولَ اللہ! وہ تو میں کر چکا، اب میرے پاس چھ ۶ مہینے کا بکری کا بچہ ہے، مگر سال بھر والے سے اچھا ہے! فرمایا: «اجعلْها مكانَها، ولن تجزيَ عن أحدٍ بعدَك!»[2] "اس کی جگہ اسے کر دو اور ہرگز اتنی عمر کی بکری تمہارے بعد دوسروں کی قربانی میں کافی نہ ہوگی!"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۴۵)

عدّتِ وفات کا سوگ مُعاف فرمادیا

حدیث: "طبقات ابن سعد" میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے، جب ان کے شوہرِ اوّل جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید

---

(۱) انظر: "صحيح مسلم" كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ۱/ ۴۳۲.
(۲) "صحيح البخاري" كتاب العيدين باب الخطبة بعد العيد، ۱/ ۱۳۲. "صحيح مسلم" كتاب الأضاحي، باب وقتها، ۲/ ۱۵۴.

ہوئے، سیّدِ عالم ﷺ نے ان سے فرمایا: «تسلّبي ثلاثاً ثمّ اصنعي ما شئتِ!»[1] "تین ۳ دن سنگار سے الگ رہو پھر جو چاہو کرو!" یہاں حضورِ اقدس ﷺ نے ان کو اس حکمِ عام سے استثناء فرما دیا، کہ عورت کو شوہر پر چار ۴ مہینے دس ۱۰ دن سوگ واجب ہے۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۴۷)

مہر کی جگہ قرآن کی سورت سکھانے کی رعایت

حدیث: "ابن السکن" میں ابو نعمان ازدی رضی اللہ عنہ سے ہے، ایک شخص نے ایک عورت کو پیامِ نکاح دیا، سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا: مہر دو! عرض کی: میرے پاس کچھ نہیں! فرمایا: «أما تُحسِن سورةً من القرآن؟ فأصدِقْها السورةَ! ولا يكون لأحدٍ بعدَك مهراً!»[2] رواه سعيدُ بن منصور مختصرًا. "کیا تجھے قرآنِ عظیم کی کوئی سورت نہیں آتی! وہ سورۃ سکھانا ہی اس کا مہر کر! اور تیرے بعد یہ مہر کسی اَور کو کافی نہیں!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۴۷)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی دو ۲ مردوں کے برابر ہے

حدیث: "ابی داود" و "نسائی" و "طحاوی" و "ابن ماجہ" و "خزیمہ" میں عمِ عُمارہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اور

حدیث: "مصنف ابن ابی شیبہ" و "تاریخ بخاری" و "مسند ابی یعلی" و "صحیح ابن خزیمہ" و "معجم کبیر طبرانی" میں حضرت خزیمہ اور

حدیث: حارث بن اُسامہ بن نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم سے ہے، سیّدِ عالم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، وہ بیع کر کر گیا اور گواہ مانگا، جو مسلمان آتا اعرابی کو جھڑکتا کہ خرابی ہو تیرے لیے! رسول اللہ ﷺ حق کے سوا کیا فرمائیں گے! (مگر گواہی نہیں دیتا؛ کہ کسی کے سامنے کا واقعہ نہ تھا) اتنے میں خزیمہ رضی اللہ عنہ حاضرِ بارگاہ ہوئے، گفتگو سن کر بولے: «أنا أشهد أنّك قد بايعتَه!» "میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو نے حضور ﷺ کے ہاتھ بیچا ہے" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم موجود تو تھے ہی نہیں! تم نے گواہی کیسے دی؟ عرض کی: «بتصديقك يا رسولَ الله!»[3] (وفي الثّاني) «صدّقتُك بما جئتَ به، وعلمتُ أنّك لا تقول إلّا حقّاً!»[4] (وفي الثّالث) «أنا أصدّقك على خبرِ السّماء والأرض، ألا أصدّقك على الأعرابي!»[5].

"یا رسول اللہ! میں حضور کی تصدیق سے گواہی دے رہا ہوں، میں حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لایا ہوں، اور یقین جانا کہ حضور حق ہی فرمائیں گے! میں آسمان وزمین کی خبروں پر حضور کی تصدیق کرتا ہوں، کیا اس اعرابی کے مقابلے میں

---

(۱) "الطبقات الكبرى" لابن سعد، ذكر جعفر بن أبي طالب، ٤/ ٤١.

(۲) "الإصابة في تمييز الصحابة" ترجمة: ۱۰٦۳۹ - أبو النعمان الأزدي، ٦/ ٤٦٧.

(۳) "سنن أبي داود" كتاب القضاء، باب إذا علم الحاكم صدق ...إلخ، ۲/ ۱٥۲.

(٤) "كنز العمال" بحواله ع (أي: "مسند أبي يعلى")، ر: ۳۷۰۳۸، ۱۳/ ۳۷۹.

(٥) "كنز العمال" ر: ۳۷۰۳۹، ۱۳/ ۳۸۰.

تصدیق نہ کروں!۔ اس کے انعام میں حضور اقدس ﷺ نے ہمیشہ ان کی گواہی دو ۲ مرد کی شہادت کے برابر فرما دی، اور ارشاد فرمایا: «من شهد له خزيمة أو شهد عليه فحسبه»(۱) "خزیمہ جس کسی کے نفع خواہ ضرر کی گواہی دیں، ایک انہیں کی شہادت بس ہے"!۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور نے قرآن عظیم کے حکم عام ﴿وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾(۲) سے خزیمہ رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ فرما دیا۔ ("فتاویٰ رضویہ"ج۱۹،ص۳۴۸)

ایک صحابی کے لیے روزے کا کفارہ خود ہی کھالینا جائز قرار دیا

حدیث: صحاح ستہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، کہ ایک شخص نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا، فرمایا: کیا ہے؟ عرض کی: میں نے رمضان میں اپنی عورت سے نزدیکی کی، فرمایا: غلام آزاد کر سکتا ہے؟ عرض کی: نہ، فرمایا: لگاتار دو ۲ مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے؟ عرض کی: نہ، فرمایا: ساٹھ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ عرض کی: نہ، اتنے میں خرمے خدمت اقدس میں لائے گئے، حضور نے فرمایا: انہیں خیرات کر دے، عرض کی: اپنے سے زیادہ کسی محتاج پر؟ مدینے بھر میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں! فضحك النبيُّ ﷺ حتى بدت نواجذه، وقال: «اذهب فأطعمه أهلك!»(۳) "رحمت عالم ﷺ یہ سن کر ہنسے، یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے، اور فرمایا: جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے"۔

مسلمانو! گناہ کا ایسا کفارہ کسی نے بھی نہ سنا ہوگا، سوا دو من خرمے سرکار سے عطا ہوتے ہیں، کہ آپ کھالو، کفارہ ہو گیا۔ واللہ! یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رحمت ہے کہ سزا کو انعام سے بدل دے، ہاں ہاں! یہ بارگاہ بے کس پناہ ﴿فَاُولٰٓىٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾(۴) کی خلافت کبریٰ ہے، ان کی ایک نگاہ کرم کبائر کو حسنات کر دیتی ہے، جب تو ارحم الراحمین عزوجل نے گناہگاروں، خطاواروں، تباہ کاروں کو ان کا دروازہ بتایا کہ ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾(۵) ...الآية. "گناہگار تیرے دربار میں حاضر ہو کر معافی چاہیں، اور تو شفاعت فرمائے، تو خدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں! والحمد لله ربّ العالمين!. ("فتاویٰ رضویہ"ج۱۹،ص۳۴۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد میں بحالت جنابت داخل ہونے کی اجازت دی

حدیث: "ترمذی" و "ابو یعلی" و "بیہقی" میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ہے، کہ حضور سید عالم ﷺ نے امیر المؤمنین علی

---

(۱) "المعجم الكبير" عن خزيمة، ر: ۳۷۳۰، ۴/ ۸۷.

(۲) پ۲۸، طلاق:۲۔

(۳) "صحيح البخاري": كتاب الصوم، باب إذا جامع في رمضان ...إلخ، ۱/ ۲۵۹.

(۴) پ۱۹، فرقان:۷۰۔

(۵) پ۵، نساء:۶۴۔

-کرّم اللہ تعالی وجہہ- سے فرمایا: «يا علي! لا يحِلّ لأحدٍ أن يجنب في هذا المسجد، غيري وغيرك»[1] "اے علی! میرے اور تمھارے سوا کسی کو حلال نہیں، کہ اس مسجد میں بحالِ جنابت داخل ہو"۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۵۰)

تین چیزوں میں حضرت علی کی خصوصیت

حدیث: "مستدرک حاکم" میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے، امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: "علی کو تین ۳ باتیں وہ دی گئیں، کہ ان میں سے میرے لیے ایک ہوتی، تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پیاری تھی"۔ (سرخ اونٹ عزیز ترین اموالِ عرب ہیں) کسی نے کہا: امیر المؤمنین! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: "دخترِ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے شادی" «وسكناه المسجدَ مع رسول الله ﷺ، يحِلّ له ما يحِلّ له» "اور اُن کا مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ رہنا، کہ انہیں مسجد میں رَوا تھا جو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو رَوا تھا (یعنی بحالتِ جنابت رہنا) اور روزِ خیبر کا نشان"[2]۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۵۰)

ازواجِ مطہّرات اور بی بی فاطمہ کو بھی بحالتِ حیض مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی

حدیث: "معجم کبیر طبرانی" و "سنن بیہقی" و "تاریخ ابن عساکر" میں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: «ألا إنّ هذا المسجدَ لا يحِلّ لجُنبٍ ولا لحائضٍ إلّا للنّبي ﷺ، وأزواجه، وفاطمةَ بنت محمدٍ، وعليّ، ألا بيّنتُ لكم أن تضلّوا!» هذه رواية الطبَراني[3]. "سن لو! یہ مسجد کسی جنب کو حلال نہیں ہے نہ کسی حائض کو، مگر سیّد عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، اور حضور کی اَزواجِ مطہّرات، و حضرت بتول زہراء، اور مولا علی کو- صلی اللہ تعالی علی الحبیب وعلیہم وسلم- سن لو! میں نے تم سے صاف بیان فرمادیا کہ کہیں بہک نہ جاؤ!"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۲۵۰)

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازِب کو سونے کی انگوٹھی پہنائی

حدیث: "صحیحین" میں براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے: «نهانا رسولُ الله ﷺ عن خاتم الذّهب»[4] "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا"۔ بایں ہمہ خود براء رضی اللہ تعالی عنہ انگشتری طلائی پہنتے، ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح ابو اِسحاق اسفرائنی سے روایت کی، قال: رأيتُ على البراء خاتماً من ذهب[5] وروى نحوه البغوي في "الجعديات" عن شعبة عن أبي إسحاق. فرمایا: "میں نے براء رضی اللہ تعالی عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا"۔

امام احمد "مسند" میں فرماتے ہیں: حدّثنا أبو عبد الرّحمن، ثنا أبو رجاء، ثنا محمدُ بن مالك قال: رأيتُ

---

(۱) "سنن الترمذي" كتاب المناقب، باب مناقب علي ابن أبي طالب، ٥/ ٤٠٨.

(۲) "مستدرك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ٣/ ١٢٥.

(۳) "المعجم الكبير" عن أم سلمة رضي الله عنها، ر: ٨٨٣، ٢٣/ ٣٧٤.

(٤) "صحيح مسلم" كتاب اللباس، باب تحريم استعمال أناء الذهب ...إلخ، ٢/ ١٨٨.

(٥) "المصنَّف" لابن أبي شيبة، كتاب اللباس ...إلخ، ر: ٢٥١٤٢، ٥/ ١٩٥.

على البراء خاتماً من ذهب وكان النّاسُ يقولون له: لِمَ تختم بالذّهب وقد نهى عنه النبيُّ ﷺ؟ فقال البراء رضي الله عنه: بينا نحن عند رسول الله ﷺ وبين يدَيه غنيمةٌ يقسِمها سبي وخُرثي، قال: فقسَمها حتّى بقيَ هذا الخاتمُ، فرفع طرفَه فنظرَ إلى أصحابه ثمّ خفضَ، ثمّ رفع طرفَه ثمّ خفض، ثمّ رفعَ طرفَه نظر إليهم، قال: «أي براء!» فجئتُه حتّى قعدتُ بين يدَيه، فأخذ الخاتمَ فقبضَ على كرسوعي، ثمّ قال: «خُذ والبَس ما كسَاكَ اللهُ ورسولُه!»[1].

"یعنی محمد بن مالک نے کہا: میں نے براء رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا، لوگ ان سے کہتے تھے: آپ سونے کی انگوٹھی کیوں پہنتے ہیں؟ حالانکہ نبی ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے! براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضور سید عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے، حضور کے سامنے اَموالِ غنیمت غلام ومتاع حاضر تھے، حضور تقسیم فرمارہے تھے، سب اموال بانٹ چکے، یہ انگوٹھی باقی رہ گئی، حضور نے نظر مبارک اٹھاکر اپنے اصحاب کرام کو دیکھا پھر نگاہ نیچی کرلی، پھر نظر اٹھاکر ملاحظہ فرمایا پھر نگاہ نیچی کرلی، پھر نظر اٹھاکر دیکھا اور مجھے بلایا: "اے براء!" میں حاضر ہوکر حضور کے سامنے بیٹھ گیا، سید اکرم ﷺ نے انگوٹھی لے کر میری کلائی تھامی، پھر فرمایا: "پہن لے جو کچھ تجھے اللہ ورسول پہناتے ہیں" ﷺ۔

براء رضی اللہ عنہ فرماتے: "تم لوگ کیونکر مجھے کہتے ہو کہ "میں وہ چیز اتار ڈالوں، جسے مصطفی ﷺ نے فرمایا کہ: لے پہن لے جو کچھ اللہ ورسول نے پہنایا!" ﷺ، وصلّى الله تعالى عليه وآله وسلّم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۵۱)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

حدیث: "صحیح بخاری" و"ترمذی" و"مسند احمد" میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے ہے، غزوۂ بدر میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجۂ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالی عنہ بیمار تھیں، سید عالم ﷺ نے انہیں مدینہ طیبہ میں شاہزادی کی تیمارداری کے لیے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا: «إنّ لك أجرَ رجلٍ ممن شهدَ بدرًا وسهمهٗ»[2] "بے شک تمھارے لیے حاضرانِ بدر کے برابر ثواب اور حاضری کے مثل غنیمت کا حصہ ہے"۔ یہ خصوصیت حضرت عثمان کو عطا فرمادی، حالانکہ جو حاضرِ جہاد نہ ہو، غنیمت میں اس کا حصہ نہیں۔

"سنن ابو داود" میں انہیں سے ہے: «فضربَ له رسولُ الله ﷺ بسهم، ولم يضرب لأحدٍ غابَ غيره»[3] "رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا، اور ان کے سوا کسی غیر حاضر کو حصہ نہ دیا"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۵۳)

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" حديث البراء بن عازب رضي الله عنه، ٤/ ٢٩٤.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب فضائل أصحاب النّبي ﷺ، مناقب عثمان، ١/ ٥٢٣. "سنن الترمذي" كتاب المناقب، باب عثمان بن عفان، ر: ٣٧٢٦، ٥/ ٣٩٥.

(۳) "سنن أبي داود" كتاب الجهاد، باب في من جاء بعد الغنيمة ...إلخ، ٢/ ١٨.

ایک صحابی پر صرف دو نمازیں فرض کیں

حدیث "مسند امام احمد" میں بسند ثقات رجال "صحیح مسلم" ہے: حدّثنا محمدُ بن جعفر، ثنا شعبةُ عن قتادة عن نصر بن عاصم عن رجلٍ منهم ﷺ: «أنّه أتى النبيَّ ﷺ فأسلَم على أنّه لا يصلّي إلّا صلاتَين، فقبِلَ ذلك منه»[1] یعنی "ایک صاحب خدمتِ اقدس حضور سید عالم ﷺ میں حاضر ہوکر، اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ۲ ہی نمازیں پڑھا کروں گا! نبی ﷺ نے قبول فرما لیا"۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۵۶)

نبی اکرم ﷺ کے سب آباء واَجداد مسلمین تھے

قال الله ﷻ: ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾[2] اللہ ﷻ نے فرمایا: "بھروسا کر زبردست مہربان پر! جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو، اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں"۔ امام رازی فرماتے ہیں: "معنیٔ آیت یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا نورِ پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا"[3]۔ تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۱۴)

حضور اکرم ﷺ کا نسب نامہ

اور بیہقی وابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک عن الزہری عن انس ﷺ ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

وهذه رواية البَيهقي: «أنا محمدُ بن عبد الله، بن عبد المطّلب، بن هاشم، بن عبد مُناف، بن قصَي، بن كلاب، بن مرة، بن كعب، بن لؤي، بن غالب، بن فهر، بن مالك، بن النضر، بن كنانة، بن خزَيمة، بن مدركة، بن إلياس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان. ما افترق النّاسُ فرقتَين إلّا جعلَني اللهُ في خيرهما، فأُخرجتُ من بين أبوَين، فلم يُصِبني شيءٌ من عهد الجاهليّة، وخرجتُ من نكاح ولم أخرج مِن سفاح، مِن لدُن آدم حتّى انتهيتُ إلى أبي وأمّي، فأنا خيرُكم نَفساً وخيرُكم أباً»[4] وفي لفظ: «فأنا خيرُكم نَسَباً، وخيرُكم أباً»[5].

"میں ہوں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے،

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" حديث رجال من أصحاب النبي ﷺ، ۵/ ۲۵، ۳۶۳.

(۲) پ۱۹، شعراء: ۲۱۷تا۲۱۹۔

(۳) "مفاتيح الغيب" تحت الآية: ۲۱۹، ۲۴/ ۱۴۹.

(۴) "دلائل النبوة" باب ذكر أصل رسول الله ﷺ، ۱/ ۱۷۴-۱۷۹. "تاريخ دِمشق الكبير" باب ذكر معرفة نسبه، ۳/ ۲۹، و۳۸.

(۵) "تاريخ دِمشق الكبير" باب ذكر معرفة نسبه، ۳/ ۳۰.

پھر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا، تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا، کہ زمانۂ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی، اور میں خالص نکاحِ صحیح سے پیدا ہوا، آدم سے لے کر اپنے والدین تک، تو میرا نفسِ کریم تم سب سے افضل، اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر ہے"۔

اس حدیث میں اوّل تو نفیٔ عام فرمائی، کہ عہدِ جاہلیت کی کسی بات نے نسبِ اقدس میں کبھی کوئی راہ نہ پائی، یہ خود دلیل کافی ہے، اور امرِ جاہلیت کو خصوصِ زِنا پر حمل کرنا، ایک تو تخصیص بلا مخصّص ہے، دوسرے لغو ہے؛ کہ نفیٔ زِنا صراحۃً اس کے متصل مذکور ہے۔

ثانیاً ارشاد ہوتا ہے کہ "میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر ہیں" ان سب میں حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قطعاً داخل ہیں، تو لازم ہے کہ حضرت والد ماجد حضرت زید سے افضل ہوں، اور یہ بحکم آیت بے اسلام ناممکن ہے۔
("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۲۲)

اہل توحید کے لیے شفاعت

اوّل: حدیث میں ہے: جب حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار شفاعت فرمائیں گے، اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے داخلِ جناں فرماتے جائیں گے، اخیر میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے، جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی حسنہ نہیں۔ شفیع مشفع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر سجدے میں گریں گے، حکم ہوگا: «یا محمد! ارفعْ رأسَك، وقلْ يُسمَع لك، وسَلْ تُعطَ، واشفَعْ تشفَّع!» "اے حبیب! اپنا سَر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمھاری عرض سنی جائے گی! اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا! اور شفاعت کرو کہ تمھاری شفاعت قبول ہوگی!۔

سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کریں گے: «یا ربّ! ائذنْ لي فيمَن قال: لا إلهَ إلّا الله!» اے میرے رب! مجھے ان کی بھی پروانگی دے دے، جنہوں نے صرف لا الٰہ الا اللہ کہا ہے! ربّ العزت -عزّ جلالہ- ارشاد فرمائے گا: «ليس ذاك إليك، لكن وعزّتي وكبريائي وعظَمتي وجبريائي! لأُخرِجنَّ منها مَن قال: لا إلهَ إلّا الله» رواه الشيخان[1] عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ. "یہ تمھارے لیے نہیں، مگر مجھے اپنی عزّت وجلال وکبریائی کی قسم! میں ضرور اُن سب کو نار سے نکال لوں گا، جنہوں نے لا إلهَ إلّا الله کہا ہے"۔ لا إلهَ إلّا الله محمّد رسول الله، والحمد لله! وصلّى الله تعالى على الشّفيع الرّفيع، وآله وبارك وسلّم.
("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۲۳)

دعویٔ نبوت سے قبل کا زمانہ توحید اور فترت کا زمانہ تھا

حضرات ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال عہدِ اسلام سے پہلے تھا، تو اس وقت تک صرف اہلِ توحید واہلِ لا إلهَ إلّا

[1] أي: البخاري في "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب كلام الرب يوم القيامة مع الأنبياء وغيرهم، الحديث: ۱۱۱۸/۲، ۱۱۱۹. ومسلم في "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحدين من النار، ۱/۱۱۰.

تھے، تو نبی از قبیل لیس ذلك لك ہے۔ بعدہ رب العزت جَلَّ وَعَلَا نے اپنے نبیِّ کریم ﷺ کے صدقے میں ان پر اللہ تمام نعمت کے لیے اصحابِ کہف رَضِیَ اللہُ عَنْہُم کی طرح انہیں زندہ کیا، کہ حضورِ اقدس ﷺ پر ایمان لاکر، شرفِ صحابیت پاکر آرام فرمایا، لہذا حکمتِ الٰہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجۃ الوداع میں واقع ہوا، جبکہ قرآن کریم پورا اُتر لیا، اور ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ﴾ [1] "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی" نے نزول فرماکر دینِ الٰہی کو تام وکامل کر دیا؛ تاکہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۴)

کائنات کی ہر چیز نبیِّ کریم ﷺ کے نور سے پیدا کی گئی ہے

لاجرم علامہ محقق عارف باللہ سیّدی عبد الغنی نابلسی -قدّس سرّہ القدسی- "حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ" میں فرماتے ہیں: "قد خلق كلُّ شيءٍ من نوره ﷺ، كما وردَ به الحديثُ الصّحيح" [2] "بے شک ہر چیز نبی ﷺ کے نور سے بنی، جیسا کہ حدیث صحیح اس معنی میں وارد ہوئی۔ ذكره في المبحث الثاني بعد النّوع السّتين، من آفات اللّسان في مسألة ذمّ الطعام. ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۰)

الله نورٌ ليس كالأنوار

"مطالع المسرّات شرح دلائل الخیرات" میں ہے: "قد قال الأشعري: إنّه تعالى نورٌ ليس كالأنوار، والرّوحُ النّبويةُ القُدسيةُ لمعةٌ من نورِه، والملائكةُ شررُ تلك الأنوار، وقال ﷺ: «أوّل ما خلقَ اللهُ نورِي، ومِن نورِي خلقَ كلَّ شيء» وغيره مما في معناه" [3]. "یعنی امام اجل امام اہل سنّت، سیّدنا ابو الحسن اشعری قدّس سرّہ (جن کی طرف نسبت کرکے اہل سنّت کو اَشاعرہ کہاجاتا ہے) ارشاد فرماتے ہیں، کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نور ہے، نہ اَور نوروں کی مانند، اور نبی ﷺ کی روح پاک اسی نور کی تابش ہے، اور ملائکہ ان نوروں کے ایک پھول ہیں، اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا، اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی"۔ اَور بھی اس کے سوا اَور حدیثیں ہیں، جو اسی مضمون میں وارد ہیں" والله ﷻ أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۱)

نور کیا چیز ہے؟

[4] نور عُرفِ عامّہ میں ایک کیفیت ہے، کہ نگاہ پہلے اسے اِدراک کرتی ہے، اور اس کے واسطے سے دوسری اشیائے دیدنی کو، قال السيد في "تعريفاته": "النّورُ كيفيةٌ تُدركها الباصرةُ أوّلاً، وبواسطتِها سائر

---

(۱) پ۶، المائدۃ: ۳۔

(۲) "الحديقة الندية" المبحث ۲، ۲/ ۳۷۵.

(۳) "مطالع المسرّات" الحزب ۲، صـ۲۶۵.

(۴) اس سے قبل ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جس کا تعلق اگلی بات سے نہیں ہے، اس لیے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

المضرات"(۱)۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۴)

حضور اکرم ﷺ کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا

(۲)عالم میں ذاتِ رسول کو تو کوئی پہچانتا نہیں، حدیث میں ہے: «یا أبا بکر! لم یعرفني حقیقةً غیرُ ربي»(۳) "اے ابوبکر! مجھے جیسا میں حقیقت میں ہوں، میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا"۔ ذاتِ الٰہی سے اس کے پیدا ہونے کی حقیقت کے مفہوم ہو، مگر اس میں فہم ظاہر بیں کا جتنا حصہ ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت حق -عزّ جلالہ- نے تمام جہان کو حضور پُرنور محبوبِ اکرم ﷺ کے واسطے پیدا فرمایا، حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا، «لو لاك لما خلقتُ الدنیا!»(۴)۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۵)

حضور اکرم ﷺ کسی کے طفیل میں نہیں — وہ ذاتِ الٰہی سے بلاواسطہ پیدا ہیں

آدم علیہ السلام سے ارشاد ہوا: «لو لا محمدٌ ما خلقتُك، ولا أرضاً ولا سماءً!»(۵) "تو سارا جہان ذاتِ الٰہی سے بواسطہ حضور صاحبِ لولاک ﷺ پیدا ہوا، یعنی حضور کے واسطے، حضور کے صدقے، حضور کے طفیل میں، "لا أنّه ﷺ استفاض الوجود من حضرة العزّة، ثمّ هو أفاض الوجودَ علی سائر البریّة، کما تزعم کفرةُ الفَلاسفة من توسیط العُقول، تعالی اللهُ عما یقول الظّالمون عُلوّاً کبیراً!. هل مِن خالقٍ غیر الله!" بخلاف ہمارے حضور عین النور ﷺ کے، کہ وہ کسی کے طفیل میں نہیں، اپنے رب کے سوا کسی کے واسطے نہیں، تو وہ ذاتِ الٰہی سے بلاواسطہ پیدا ہیں۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۳۴۶)

ان علماء وائمہ کے اسمائے گرامی جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے عدمِ سایہ کی تصریح فرمائی

بے شک اس مہرِ سپہرِ اصطفا، ماہِ منیرِ اجتبا ﷺ کے لیے سایہ نہ تھا، اور یہ امر احادیث واقوال علمائے کرام سے ثابت ہے، اور اکابر ائمہ وجہابذ فضلاء، مثل حافظ رزین، محدّث وعلّامہ ابن سبع صاحب "شفاء الصدور"، وامام علّامہ قاضی عیاض صاحب کتاب "الشفا في تعریف حقوق المصطفی"، وامام عارف باللہ سیدی جلال الملۃ والدین محمد بلخی رومی قدس سرہ، وعلّامہ حسین بن دیار بکری، واصحاب "سیرت شامی" و"سیرت حلبی"، وامام علّامہ جلال الملۃ والدین سُیوطی، وامام شمس الدین ابو الفرج ابن جوزی محدّث، صاحب "کتاب الوفاء"، وعلّامہ شہاب الحق والدین خَفاجی صاحب "نسیم الریاض"، وامام احمد بن محمد خطیب قسطلانی، صاحب "مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ"، وفاضل اجل محمد زرقانی مالکی شارح "مواہب"، وشیخ محقق مولانا عبد الحق

---

(۱) "التعریفات" للجُرجاني، تحت اللفظ: "النور" ۱۵۷۷، صـ۱۹۵.

(۲) اس جملہ کا تعلق ماقبل پیرا سے ہے۔

(۳) "مطالع المسرّات" صـ۱۲۹.

(٤) "تاریخ دِمشق الکبیر" باب ذکر عروجه إلی السماء...إلخ، ۳/ ۲۹۷.

(٥) "المواهب اللدُنیة" المقصد ۱، ۱/ ۷۰. "مطالع المسرات" الحزب ۲، صـ۲٦٤.

محدّث دہلوی، وجناب شیخ مجدّدِ الف ثانی فاروقی سرہندی، وبحرالعلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی، وشیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی، وغیرہم اجلّہ فاضلین ومقتدایان، کہ آج کل کے مدعیانِ خام کار کوان کی شاگردی، بلکہ کلام سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں، خلفاً عن سلف دائماً اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کرتے آئے، اور مفتئ عقل وقاضئ نقل نے باہم اتفاق کرکے اس کی تاسیس وتشیید کی، "فقد أخرج الحكيمُ الترمذي عن ذكوان أنّ رسولَ الله ﷺ لم يكن يُرى له ظلٌّ في شمسٍ ولا قمر"(۱). ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۶۴)

سرورِ عالم ﷺ کا سایہ نظر نہ آتا تھا، دھوپ میں نہ چاندنی میں

حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کی، کہ سرورِ عالم ﷺ کا سایہ نظر نہ آتا تھا، دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ سیدنا عبد اللہ بن مبارک، اور حافظ علامہ ابن جوزی محدّث رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا وابن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: قال: «لم يكن لرسول الله ﷺ ظلٌّ، ولم يقُم مع شمسٍ قطّ إلّا غلبَ ضوءُه ضوءَ الشّمس، ولم يقُم مع سراج قطّ إلّا غلبَ ضَوؤُه على ضوء السّراج»(۲).

امام علام حافظ جلال الملۃ والدّین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "خصائصِ کبری" میں اس معنی کے لیے ایک باب وضع فرمایا، اور اس میں حدیث ذکوان ذکر کر کے نقل کیا: "قال ابن سبع: من خصائصه ﷺ أنّ ظلّه كان لا يقع على الأرض، وإنّه كان نورًا، فكان إذا مشَى في الشّمس أو القمر لا ينظر له ظلٌّ. قال بعضُهم: ويشهد له حديثُ قولِه ﷺ في دُعائه: «واجعلْني نورًا»"(۳).

نیز "انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب" ﷺ باب ثانی، فصل رابع میں فرماتے ہیں: "لم يقع ظلُّه على الأرض، ولا رُؤيَ له ظلٌّ في شمسٍ ولا قمر، قال ابنُ سبع: لأنّه كان نورًا. قال رزين: لغلبة أنواره"(۴). امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ "شفا شریف" میں فرماتے ہیں: "وما ذكر من أنّه كان لا ظلَّ لشخصِه في شمسٍ ولا قمر؛ لأنّه كان نورًا"(۵).

علامہ شہاب الدّین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ اس کی "شرح نسیم الریاض" میں فرماتے ہیں: دھوپ اور چاندنی اور جو روشنیاں، کہ ان میں بسبب اس کے کہ اَجسام انوار کے حاجب ہوتے ہیں، لہذا ان کا سایہ پڑتا ہے، حضورِ انور کا سایہ نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ

---

(۱) "الخصائص الكبرى" بحوالة الحكيم الترمذي، باب الآية في أنه ﷺ لم يكن يرى له ظل، ۱/ ٦٨.
(۲) "الوفاء بأحوال المصطفى" الباب ۲۹، ۲/ ٤٠٧.
(۳) "الخصائص الكبرى" باب الآية أنه ﷺ لم يكن يرى له ظل، ۱/ ٦٨.
(٤) "أنموذج اللّبيب في خصائص الحبيب" الباب ۲ في الخصائص التي اختص ...إلخ، الفصل ٤ فيما اختص به ﷺ من الكرامات والفضائل، ۱/ ۲۱۳.
(٥) "الشفا بتعريف حقوق المصطفى" فصل ومن ذلك ما ظهر من الآيات، ۱/ ۲۲٥.

انوار حقیقت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ پھر حدیثِ "کتاب الوفاء" ذکر کرکے اپنی ایک رُباعی اِنشاد کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "سایہ احمد ﷺ کا دامن بسبب حضور کی کرامت وفضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا، اور تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی ان کے سایہ میں آرام کرتے ہیں"۔ پھر فرماتے ہیں: بتحقیق قرآن عظیم ناطق ہے کہ آپ نور روشن ہیں، اور آپ کا بشر ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ وَہم کیا گیا، اگر تو سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں۔ ("فتاوٰی رضویہ" ج۱۹، ص۳۶۵)

ہمارے مدّعا پر دلالتِ واضحہ یہ ہے: دلیل شکل اوّل بدیہیُ الانتاج دو ۲ مقدموں سے مرکّب ہے۔ صغرٰی یہ کہ "رسول اللہ ﷺ نور ہیں"، اور کبرٰی یہ کہ "نور کے لیے سایہ نہیں"، جو اِن دونوں مقدموں کو تسلیم کرے گا، نتیجہ یعنی "رسول اللہ ﷺ کے لیے سایہ نہ تھا" آپ ہی پائے گا، مگر دونوں مقدموں میں کوئی مقدمہ ایسا نہیں جس میں مسلمان ذی عقل کو گنجائشِ گفتگو ہو، کبرٰی تو ہر عاقل کے نزدیک بدیہی، اور مشاہدۂ بصر وشہادتِ بصیرت سے ثابت ہے۔ سایہ اس جسم کا پڑے گا جو کثیف ہو، اور انوار کو اپنے ماوراء سے حاجب ہو، نور کا سایہ پڑے تو تنویر کون کرے؟ اس لیے دیکھو آفتاب کے لیے سایہ نہیں۔

اور صغرٰی یعنی "حضورِ والا کا نور ہونا" مسلمان کا تو ایمان ہے، حاجت بیان حجت نہیں، مگر تبکیتِ معاندین کے لیے اس قدر اشارہ ضرور کہ حضرت حق ﷻ فرماتا ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴾ [1] "اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ، اور خوشخبری دینے والا، اور ڈر سنانے والا، اور خدا کی طرف بلانے والا، اور چراغ چمکتا"۔

یہاں سراج سے مراد چراغ ہے، یا ماہ یا مہر، سب صورتیں ممکن ہیں، اور خود قرآن عظیم میں آفتاب کو سراج فرمایا: ﴿ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴾ [2] "اور بنایا پروردگار نے چاند کو نور آسمانوں میں، اور بنایا سورج کو چراغ"۔ اور فرماتا ہے: ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴾ [3] "بتحقیق آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب روشن"۔

علماء فرماتے ہیں: نور سے مراد محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ اسی طرح آیۂ کریمہ ﴿ وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴾ [4] "اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج سے اترے" میں امام جعفر صادق اور آیۂ کریمہ ﴿ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُۙ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴾ [5] "اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے، چمکتا تارا!" میں بعض مفسّرین "نجم" اور "نجم الثاقب" سے

---

(۱) پ۲۲، احزاب: ۴۵۔
(۲) پ۲۹، نوح: ۱۶۔
(۳) پ۶، مائدہ: ۱۵۔
(۴) پ۲۷، نجم: ۱۔
(۵) پ۳۰، طارق: ۲، ۳۔

ذاتِ پاکِ سیدِ لولاک مراد لیتے ہیں" ﷺ۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹،ص۳۷۹)

احادیث کثیرہ مشہورہ میں وارد ہے کہ، جب حضور پیدا ہوئے، ان کی روشنی سے بصرہ اور روم وشام کے محل روشن ہو گئے۔ چندروایتوں میں ہے: "أضاءَ له ما بين المشرق والمغرب"(۱) "آپ کے لیے شرق سے غرب تک منور ہو گیا۔"

اور بعض میں ہے: "امتلات الدّنيا كلُّها نورًا"(۲) "تمام دنیا نور سے بھر گئی"۔

آمنہ حضور کی والدہ فرماتی ہیں: "رأيتُ نورًا ساطعاً من رأسِه قد بلغ السّماء"(۱) "میں نے ان کے سر سے ایک نور بلند ہوتا دیکھا، کہ آسمان تک پہنچا"۔

ابن عساکر نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی: "میں سیتی تھی، سوئی گر پڑی، تلاش کی، نہ ملی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، حضور کے نورِ رخ کی شعاع سے سوئی ظاہر ہو گئی"(۵)۔

"علامہ فاسی "مطالع المسرات" میں ابن سبع سے نقل کرتے ہیں: "كان النبيُّ ﷺ يضيء البيت المظلِم من نورِه"(۶) "نبی ﷺ کے نور سے خانۂ تاریک روشن ہو جاتا"۔

اب نہیں معلوم کہ حضور کے لیے سایہ ثابت نہ ہونے میں کلام کرنے والا، آپ کے نور ہونے سے انکار کرے گا، یا انوار کے لیے بھی سایہ مانے گا! یا مختصر طور پر یوں کہیے کہ یہ تو بالیقین معلوم ہے کہ سایہ جسم کثیف کا پڑتا ہے نہ کہ جسم لطیف کا، اب مخالف سے پوچھنا چاہیے: تیرا ایمان گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم اقدس لطیف نہ تھا (عیاذاً باللہ) کثیف تھا؟ اور جو اس سے تحاشی کرے، تو پھر عدمِ سایہ کا کیوں انکار کرتا ہے؟

بالجملہ جبکہ حدیثیں اور اتنے اکابر ائمہ کی تصریحیں موجود ہیں، کہ اگر مخالف اپنے کسی دعوے میں ان میں سے ایک کا قول پائے، کس خوشی سے معرضِ استدلال میں لائے! جاہلانہ انکار مکابرہ وکج بحثی ہے، زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے، چاہے دن کو رات کہہ دے، یا شمس کو ظلمات! آخر کار مخالف جو سایہ ثابت کرتا ہے، اس کے پاس بھی کوئی دلیل ہے؟ یا فقط اپنے منہ سے کہہ دیا؟ جیسے ہم حدیثیں پیش کرتے ہیں، اس کے پاس ہوں وہ بھی دکھائے! ہم ارشاداتِ علماء سند میں لاتے ہیں، وہ بھی ایسے ہی ائمہ کے اقوال سنائے! یا نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی سند، گھر بیٹھے اسے الہام ہوا کہ حضور کا سایہ تھا؟۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹،ص۳۷۲)

---

(۱) "الشفا بتعريف حقوق المصطفى" الفصل ٤، ١/ ٣٠.
(٢) "المواهب اللدُنية" المقصد ١، أحاديث أخرى في المولد، ١/ ١٣٠.
(٣) "الخصائص الكبرى" باب ما ظهر في ليلة مولده ﷺ من المعجزات ...إلخ، ١/ ٤٧.
(٤) "الخصائص الكبرى" باب ما ظهر في ليلة مولده ﷺ من المعجزات ...إلخ، ١/ ٤٩.
(٥) "الخصائص الكبرى" بحوالة ابن عساكر، باب الآية في وجهه الشريف ﷺ، ١/ ٦٢، ٦٣.
(٦) "مطالع المسرّات شرح دلائل الخيرات" صـ٣٩٣.

رَبِّ هَبْ لِي أُمَّتِي

جب وہ جانِ راحت کانِ رافت پیدا ہوا، بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا، اور «رَبِّ هَبْ لِي أُمَّتِي!»(1) فرمایا، جب قبر شریف میں اتارا، لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا، آہستہ آہستہ «أُمَّتِي أُمَّتِي!»(2) فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں، حساب کا دغدغہ، ملکِ قہار کا سامنا، عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا، مجرمانِ بے یار، دامِ آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے سوائے نفسي نفسي! اذهبوا إلى غيري!(3) کچھ جواب نہ پائیں گے، اس وقت یہی محبوب غمگسار کام آئے گا، قفلِ شفاعت اس کے زورِ بازو سے کھل جائے گا، عمامہ سرِ اقدس سے اتاریں گے، اور سربسجود ہوکر «یا ربِّ أُمَّتِي!»(4) فرمائیں گے۔

وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار کرنا، اور مدح وستائش ونشرِ فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب ہے! یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے ؟! اور ان روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے ؟! بااللہ جنہیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا، نہ قلبِ عشق آشنا ہے کہ حُسن پسند یا احسان دوست! اگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ مانیے، اس کی مخالفت کیجیے تو کوئی مضرت نہ پہنچے، اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اِس کی کفش بوسی کے جہنم سے نجات متعذر، نہ دنیا و عقبی میں کہیں ٹھکانا متصوّر! پھر اگر اس کے حسن واحسان پر والہ [فریفتہ] وشیدا نہ ہو، تو اپنے نفع وضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۷۹)

آسمانوں کے طبقات اور زمینوں کے پردے آپ ﷺ کے نامِ نامی سے گونجیں گے

اے عزیز! چشمِ خرد میں سرمۂ انصاف لگا! اور گوشِ قبول سے پنبۂ انکار [انکار کی کپاس، روئی] نکال! پھر تمام اہلِ اسلام بلکہ ہر مذہب وملت کے عقلاء سے پوچھتا پھر، عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے؟ اور غلاموں کو مولی کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ آیا نشرِ فضائل وتکثیرِ مدائح اور ان کی خوبیٔ حسن سن کر باغ باغ ہو جانا! جامے میں پھولا نہ سمانا! یا ردِ محاسن، نفیٔ کمالات اور ان کے اوصافِ حمیدہ سے بانکار وتکذیب پیش آنا، اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے، کہ دوستی کا مقتضی، نہ یہ غلامی کے خلاف ہے، تو تجھے اختیار ہے، ورنہ خدا ورسول سے شرما! اور اس حرکتِ بے جا سے باز آ! یقین جان لے کہ محمد ﷺ کی خوبیاں تیرے مٹائے نہ مٹیں گی!!۔

جانِ برادر! اپنے ایمان پر رحم کر! خدائے قہار وجبار جل جلالہ، سے لڑائی نہ باندھ! وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے

---

1) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة ...إلخ، ۱/ ۱۱۱.
2) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة ...إلخ، ۱/ ۱۱۱.
3) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة ...إلخ، ۱/ ۱۱۱.
4) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة ...إلخ، ۱/ ۱۱۱.

پہلے اَزَل میں لکھ چکا تھا﴿ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ﴾[1] یعنی ارشاد ہوتا ہے: "اے محبوب ہمارے! ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کیا"، کہ جہاں ہماری یاد ہوگی، تمھارا بھی چرچا ہوگا، اور ایمان بے تمھاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا۔

آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمھارے نامِ نامی سے گونجیں گے، مؤذّن اذانوں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس، اور واعظین اپنے مَنابِر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمھاری یاد کریں گے۔ اَشجار واَحجار، آہو وسُوسمار [گوہ]، ودیگر جاندار، واَطفالِ شیر خوار، ومعبودانِ کفار، جس طرح ہماری توحید بتائیں گے، ویسا ہی بزبانِ فصیح وبیانِ صحیح تمھارا منشورِ رسالت پڑھ کر سنائیں گے، چار اکنافِ عالَم میں لاالٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا غلغلہ ہوگا، بجز اَشقیائے اَزل ہر ذرّہ کلمۂ شہادت پڑھتا ہوگا، مسبّحانِ ملأاعلیٰ کو ادھر اپنی تسبیح وتقدیس میں مصروف کروں گا، اُدھر تمھارے محمود درودِ مسعود کا حکم دوں گا۔ عرش وکرسی، ہفت اَوراقِ سِدرہ، قصورِ جناں، جہاں پر اللّٰہ لکھوں گا، محمد رسول اللّٰہ بھی تحریر فرماؤں گا، اپنے پیغمبروں اور اُولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا، کہ ہر وقت تمھارا دَم بھریں، اور تمھاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی، اور جگر کو ٹھنڈک، اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں۔ جو کتاب نازل کروں گا، اس میں تمھاری مدح وستائش، اور جمالِ صورت وکمالِ سیرت ایسی تشریح وتوضیح سے بیان کروں گا، کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمھاری طرف جھک جائیں، اور نادِیدہ تمھارے عشق کی شمع ان کے کانوں سینوں میں بھڑک اٹھے گی۔

ایک عالَم اگر تمھارا دشمن ہو کر تمھاری تنقیصِ شان، اور محوِ فضائل میں مشغول ہو، تو میں قادرِ مطلق ہوں، میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا؟! آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہا برس سے اپنی کتابوں سے ان کا ذکر نکالتے، اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں، تو اہلِ ایمان اس بلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں، کہ سامع اگر انصاف کرے، بے ساختہ پکار اٹھے! لاکھوں بے دینوں نے ان کے محوِ فضائل پر کمر باندھی، مگر مٹانے والے خود مٹ گئے، اور ان کی خوبی روز بروز مترقّی رہی، پھر اپنے مقصود سے تو یاس وناامیدی کر لینا مناسب ہے، ورنہ برب کعبہ! ان کا کچھ نقصان نہیں، بالآخر ایک دن تُو نہیں، تیرا ایمان نہیں!۔

اے عزیز! سلفِ صالح کی روِش اختیار کر! اور ان کے قدم پر قدم رکھ! ائمۂ دین کا وطیرہ ایسے مُعاملات میں دائمًا تسلیم وقبول رہا ہے، جب کسی ثقہ معتمَد علیہ نے کوئی معجزہ یا خاصّہ ذکر کر دیا، اسے مرحبا کہہ لیا، اور جیبِ جان میں بطیبِ خاطر جگہ دی، یہاں تک کہ اگر اپنے آپ احادیث میں اس کی اصل نہ پائی، قصور اپنی نظر کا جانا، یہ نہ کہا کہ "غلط ہے، باطل ہے، کسی حدیث میں وارد نہیں"، نہ یہی ہوا کہ جب حدیث سے ثبوت نہ ملا تھا، اس کے ذکر سے باز رہتے، بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس ثقہ کے اعتماد پر اسے لکھتے آئے، اور کیوں نہ ہو؟ مقتضٰی عقلِ سلیم کا یہی ہے کہ:

فائدہ جلیلہ

جب ہم اسے ثقہ معتمَد علیہ مان چکے، اور وقوع ایسے معجزے کا، یا اختصاص ایسے خاصّہ کا، ذاتِ پاک سرورِ عالم ﷺ

(۱) پ۳۰، الم نشرح: ۴۔

سے بعید نہیں؛ کہ اس سے عجیب تر معجزات بتواتر حضور سے ثابت ہیں، اور ان کا رب اس سے زیادہ پر قادر ہے، اور ان کے لیے اس سے بہتر خصائص بالقطع مہیا ہیں، اور ان کی شان اس سے بھی ارفع واعلی ہے، پھر انکار کی وجہ کیا ہے؟ تکذیب ہے تو اس راوی کا ثقہ معتمد علیہ ہونا ثابت ہو چکا، اور اوثق واعظم اس کا بتاتا ہے، کہ اگر من عند نفسہ کہہ دیتا، خدا ورسول پر مفتری ہوتا، ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾[1] "اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟!"۔

ان وجوہ پر نظر کر کے سمجھ لیجیے، کہ بالضرور اس نے حدیث پائی، گو ہماری نظر میں نہ آئی۔ ہر چند کہ فقیر کا یہ دعوی اس شخص کے نزدیک بالکل بدیہی ہے، جو خدمتِ حدیث و سِیَر میں رہا، اور اس راہ میں روشِ علماء کو مشاہدہ کیا، مگر ہوا تقوں کے افہام اور منکروں پر الزام کے لیے چند مثالیں بیان کرتا ہوں:

("فتاوی رضویہ" ج۱۹، ص۲۸۰)

مثالِ اول: حضورِ اکرم ﷺ کے جسمِ اقدس ولباسِ انفس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی

اولاً: جسمِ اقدس ولباسِ انفس پر مکھی نہ بیٹھنا۔ علامہ ابن سبع نے "خصائص" میں ذکر فرمایا، علماء نے تصریح کی کہ اس کا راوی معلوم نہ ہوا، اور باوجود اس کے بلانکیر اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرماتے آئے۔ "شفائے قاضی عیاض" رحمہ اللہ میں ہے: "وإنّ الذبابَ كان لا يقع على جسده ولا ثيابه"[2] "مکھی آپ کے جسمِ اقدس اور لباسِ اطہر پر نہ بیٹھتی تھی"۔

امام جلال الملّۃ والدین سیوطی "خصائص کبری" میں فرماتے ہیں: "بابُ ذكر القاضي عياض في "الشفا" والعراقي في "مولده" أنّ مِن خصائصه ﷺ إنّه كان لا ينزل عليه الذبابُ، وذكرَه ابنُ سبع في "الخصائص" بلفظ: أنّه لم يقع على ثيابه ذبابٌ قطّ، وزاد أنّ مِن خصائصه أنّ القملَ لم تكن يؤذيه"[3] "قاضی عیاض نے "شفا" میں اور عراقی نے اپنی "مولد" میں ذکر کیا، کہ حضور کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے، کہ مکھی آپ پر نہ بیٹھتی تھی۔ ابن سبع نے ان لفظوں سے ذکر کیا، کہ مکھی آپ کے کپڑوں پر کبھی نہ بیٹھی۔ اور یہ بھی زیادہ کیا، کہ جوئیں آپ کو نہیں ستاتی تھیں"۔

شیخ ملا علی قاری "شرح شمائل ترمذی" میں فرماتے ہیں: "ونقل الفخرُ الرازي: إنّ الذبابَ كان لا يقع على ثيابه، وإنّ البعوضَ لا يمتصّ دمَه"[4] "رازی نے نقل کیا کہ مکھیاں آپ کے کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھیں، اور مچھر آپ کا خون نہیں چوستے تھے"۔

محمد رسول اللہ کے سب حروف بے نقطہ ہیں

علامہ خفاجی نے "نسیم الریاض" میں علماء کا وہ قول کہ "اس کا راوی نہ معلوم ہوا" نقل کیا اور اس خاصہ کی نسبت لکھا کہ

---

(۱) پ۱۲، ہود: ۱۸۔

(۲) "الشفا" فصل ومن ذلك ما ظهر من الآيات عند مولده، ۱/ ۲۲۵.

(۳) "الخصائص الكبرى" باب ذكر القاضي عياض في "الشفا" والعراقي في "مولده" ۱/ ۶۸.

(٤) "جمع الوسائل في شرح الشمائل" باب ما جاء في إزار رسول الله ﷺ، الجزء ۱، صـ۲۱٦.

"ایک کرامت ہے کہ حق ﷻ نے اپنے حبیب کو عطا کی، اور اپنے نتائجِ افکار سے ایک رباعی لکھی، کہ اس میں بھی اس خاص کی تصریح ہے، اور بعض علمائے عجم نے اسی بنا پر کہ کلمہ محمد رسول اللہ کے سب حروف بے نقطہ ہوتے ہیں، ایک لطیفہ لکھا، کہ آپ کے جسم پر مکھی نہ بیٹھتی تھی، لہٰذا یہ کلمۂ پاک کُلّی نقطوں سے محفوظ رہا! کہ وہ شبیہ مکھیوں کے ہیں"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۸۱)

مثالِ دُوم ۲: جوں آپ ﷺ کو ایذاء نہ دیتی

ثانیًا: ابن سبع نے حضور کے خصائص میں کہا: "جوں آپ ﷺ کو ایذاء نہ دیتی"۔ علّامہ سیوطی نے "خصائص کبریٰ" میں اس طرح ابن سبع سے نقل کیا، اور برقرار رکھا کما مرّ۔ اور ملّا علی قاری "شرح شمائل" میں فرماتے ہیں: "ومن خواصه أنّ ثوبه لم يقمل"(۱) "آپ ﷺ کے مبارک کپڑوں میں جوئیں نہیں ہوتی تھیں"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۸۲)

مثالِ سوم ۳: حضورِ اکرم ﷺ جس جانور پر سوار ہوتے، وہ عمر بھر بوڑھا نہیں ہوتا

ثالثًا: ابن سبع نے فرمایا: "جس جانور پر حضور ﷺ سوار ہوتے، عمر بھر ویسا ہی رہتا، اور حضور کی برکت سے بوڑھا نہ ہوتا۔ علّامہ سیوطی "خصائص" میں فرماتے ہیں: "باب قال ابن سبع: مِن خصائصه ﷺ أنّ كلّ دابّةٍ ركبها، بقيتْ على القدر الّذي كانت عليه، ولم تهرم ببركته ﷺ"(۲) "ابن سبع نے کہا کہ آپ کے خصائص میں سے یہ تھا کہ آپ جس جانور پر سوار ہوتے، تو وہ عمر بھر ویسا ہی رہتا، اور آپ کی برکت کے باعث بوڑھا نہ ہوتا ﷺ"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۸۲)

مثالِ چہارم ۴
رسول اللہ ﷺ جس طرح روشنی میں دیکھتے، ویسا ہی تاریکی میں دیکھتے تھے

رابعًا: ابو عبد الرحمن بقی بن مخلد قُرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو اکابر اعیانِ مائۃ ثالثہ سے ہیں) حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے حکایت کیا کہ "رسول اللہ ﷺ جیسا روشنی میں دیکھتے تھے، ویسا ہی تاریکی میں"۔ اس حدیث کو بیہقی نے موصولاً مسنداً روایت کیا، اور علّامہ خفاجی نے اکابر علماء مثل ابن بشکوال و عقیلی وابن جوزی و سہیلی سے اس کی تضعیف نقل کی، یہاں تک کہ ذہبی نے تو "میزان الاعتدال" میں موضوع ہی کہہ دیا۔ بایں ہمہ خود علّامہ خفاجی فرماتے ہیں: جیسا بقی بن مخلد وغیرہ ثقات نے اسے ذکر کیا، اور حضورِ والا کی شان سے بعید نہیں، تو اس کا انکار کس وجہ سے کیا جائے؟! وهذا نصّه ملتقطاً:

"وحكى بقي ابن مخلد أبو عبد الرّحمن، مولده في رمضان سنة إحدى ومئتين، وتوفّي سنة ستّ وسبعين ومئتين، عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: «كان النبيُّ ﷺ يرى في الظلمة كما يرى في الضوء»، وفي

---

(۱) "جمع الوسائل في شرح الشمائل" باب ما جاء في إزار رسول الله ﷺ، الجزء ۱، صـ۲۱۶.

(۲) "الخصائص الكبرى" قال ابن سبع من خصائصه ﷺ، ۲/ ۲٤.

روایة: «کما یری في النور». ولا شكّ أنه ﷺ كان كاملَ الخلقة قويَّ الحواسّ، فوُقوع مثل هذا منه غيرُ بعيد، وقد رواه الثِقاتُ كابن مخلد هذا، فلا وجهَ لإنكاره!"[1]۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۸۳)

مثالِ پنجم ۵

حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین رب تعالیٰ کے اِذن سے زندہ ہو کر آپ ﷺ پر ایمان لائے

خامساً: اس سب سے زیادہ یہ ہے، کہ باوجود حدیث کے شدیدُ الضعف وغیر متمسک ہونے کے، اِحیائے والدین، وسعتِ قدرت وعظمتِ شانِ رسالت پناہی پر نظر کر کے، گردنِ تسلیم جھکائی، اور سوائے سلّمنا وصدّقنا کچھ بن نہ آئی۔

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہوا، حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب عقبہ حجون پر گزر ہوا، حضور اشکبار ورنجیدہ ومغموم ہوئے، پھر تشریف لے گئے، جب لَوٹ کر آئے، چہرہ بشّاش تھا، اور لب تبسم ریز، میں نے سبب پوچھا، فرمایا: میں اپنی ماں کی قبر پر گیا اور خدا سے عرض کیا کہ انہیں زندہ کر دے، وہ قبول ہوئی، اور وہ زندہ ہو کر ایمان لائیں، اور پھر قبر میں آرام کیا، أخرج الخطيبُ عن عائشة رضي الله عنها قالت: حجَّ بنا رسولُ الله ﷺ فمرَّ بي على عقبة الحجون، وهو باكٍ حزين مغتم، ثمّ ذهبَ وعادَ وهو فرِحٌ متبسمٌ، فسألتُه فقال: «ذهبتُ إلى قبر أمّي فسألتُ اللهَ أن يحييَها، فآمنتْ بي وردَّها الله»[2]. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۸۴)

اے عزیز سنا تُو نے! یہ ہے طریقہ ارکینِ دینِ متین واساطینِ شرعِ متین رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ومحبت میں، نہ یہ کہ جو معجزہ وخاصہ حضور کا احادیثِ صحیحہ سے ثابت، اور اکابر علماء برابر اپنی تصانیفِ معتبرہ مستندہ میں (جن کا اعتبار واستناد آفتاب نیمروز سے روشن تر ہے) بلانکیر ومنکر اس کی تصریح کرتے آئے ہوں، اور اس کے ساتھ عقلِ سلیم نے ان پر وہ دلائلِ ساطعہ قائم کیے ہوں، جن پر کوئی حرف نہ رکھ سکے، بایں ہمہ اس سے انکار کیجیے، اور حقِ ثابت کے رَد پر اِصرار! حالانکہ نہ ان حدیثوں میں کوئی سُقم مقبول وجرحِ معقول ے دارد، نہ ان ائمہ کے مستند یا دلائل کے معتمد ہونے میں کلام کر سکو! پھر اس مکابرہ کج بحثی اور تحکم وزبردستی کا کیا علاج؟! زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے، چاہے دن کو رات کہہ دے، یا شمس کو ظلمات!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۸۴)

رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، مگر عالَمِ علوی سے لاکھ درجہ اشرف واحسن ہیں وہ انسان ہیں مگر اَرواح وملائکہ سے ہزار درجہ اَلطف ہیں

آخر تم جو انکار کرتے ہو، تو تمھارے پاس بھی کوئی دلیل ہے؟ یا فقط اپنے منہ سے کہہ دینا؟ اگر بفرضِ محال جو حدیثیں اس باب میں وارد ہوئیں، نامعتبر ہوں، اور جن جن علماء نے اس کی تصریح فرمائی، انہیں بھی قابلِ اعتماد نہ مانو، اور جو دلائلِ قاطعہ اس پر قائم ہوئے، وہ بھی صالحِ اِلتفات نہ کہے جائیں، تاہم انکار کا کیا ثبوت؟! اور وجود سایہ کا کس بناء پر؟! اگر کوئی

(۱) "نسيم الرياض" فصل أمّا وفور عقله ...إلخ، ۱/ ۳۷۲، ۳۷۳.
(۲) "الخصائص الكبرى" بحوالة الخطيب، باب ما وقع في حجة الوداع ...إلخ، ۲/ ۴۰.

حدیث اس بارے میں آئی ہو تو دکھاؤ! یا گھر بیٹھے تمہیں الہام ہوا ہو تو بتاؤ! بحر و ما و من پر قیاس تو ایمان کے خلاف ہے! ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

وہ بشر ہیں، مگر عالمِ علوی سے لاکھ درجہ اشرف و احسن ہیں، وہ انسان ہیں مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار درجہ الطف ہیں، وہ خود فرماتے ہیں: «لستُ کمثلکم» "میں تم جیسا نہیں" رواہ الشیخان(۱). ویُروی: «لستُ کھیئتکم»(۲) "میں تمہاری وضع پر نہیں" ویروی «أیّکم مثلي؟»(۳) "تم میں کون مجھ جیسا ہے؟!"۔ آخر علامہ خفاجی کو فرماتے سنا: آپ کا بشر ہونا اور نور درخشندہ ہونا منافی نہیں، اگر تم سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں، پھر اس خیالِ فاسد پر کہ "ہم سب کا سایہ ہوتا ہے، اُن کا کیوں ہوگا؟" تو ثبوتِ سایہ کا قائل ہونا عقل و ایمان سے کس درجہ دُور پڑتا ہے! ع

محمدٌ بشرٌ ولیس کالبشرِ بل ھو یاقوتۃٌ والنّاسُ کالحجرِ"(۴)

صلّی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ أجمعین. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۷۷)

بارگاہِ رسالت ﷺ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب

(۵)"فأقول وباللہ التوفیق: احادیث کثیرہ سے ثابت ہے، کہ صحابۂ کرام ــ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین ــ حضور رسالت میں نہایت ادب و وقار سے سر جھکائے، آنکھیں نیچی کیے بیٹھتے، رعبِ جلالِ سلطانی ان کے قلوبِ صافیہ پر ایسا مستولی ہوتا، کہ اوپر نگاہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۷۸)

معجزات کی چند مثالیں

غلام حدیث پر کالشمس فی نصف النہار روشن، صدہا معجزاتِ قاہرہ حضور سے غزوات و اسفار و مجامع عامہ میں واقع ہوئے، کہ سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے ان پر اطلاع پائی، مگر ان کی ہم تک نقل صرف آحاد سے پہنچی۔ واقعہ حدیبیہ میں انگشتانِ اقدس سے پانی کا دریا کی طرح جوش مارنا، اور چودہ پندرہ سو آدمی کا ــ علی اختلاف الروایات ــ اسے پینا، اور وضو کرنا، اور بقیہ توشہ کو جمع کرکے دعا فرمانا، اور اس سے لشکر کے سب برتن بھر دینا، اور اسی قدر باقی بچ رہنا، ایسے معجزات ہیں، اور بالضرور چودہ پندرہ سو آدمی سب کے سامنے اس کا وقوع ہوا، اور سب نے اس پر اطلاع پائی۔ مگر ان میں سے چودہ نے بھی

---

(۱) أي. البخاري في "صحیح البخاري" کتاب الصوم، باب الوصال، ۱/ ۲۶۳. ومسلم "صحیح مسلم" کتاب الصیام، باب النھي عن الوصال، ۱/ ۳۵۱، ۳۵۲.

(۲) "صحیح البخاري" کتاب الصوم، باب الوصال، ۱/ ۲۶۳، ۲۶۴. "صحیح مسلم" کتاب الصیام، باب النھي عن الوصال، ۱/ ۳۵۱، ۳۵۲.

(۳) "صحیح البخاري" کتاب الصوم، باب الوصال، ۱/ ۲۶۳.

(٤) "أفضل الصلاۃ علی سید السادات فضائل" صـ۱۵۰.

(۵) پچھلے کلام کے بعد ۳ سطریں چھوڑی گئی ہیں، پھر یہ اگلا کلام ہے۔

ے روایت نہ فرمایا!!۔ فقیر نے کتبِ حاضرہ احادیث، خصوصاً وہ کتابیں ،سیر وفضائل کی جن کا موضوع ہی اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہے، مانند "شفائے قاضی عیاض" و"شرح خفاجی" و"مواہب لدنیہ" و"شرح زرقانی" و"مدارج النبوۃ" و"خصائص کبریٰ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہا مطالعہ کیں، پانچ ۵ سے زیادہ راوی اس واقعے کے نہ پائے۔

اسی طرح ردِ شمس یعنی غروب ہوکر سورج کا لوٹ آنا، اور مغرب سے عصر کا وقت ہو جانا، جو غزوۂ خیبر میں مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ-کے لیے واقع ہوا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ عدمِ نقل کو اس سے اصلاً نسبت نہیں، اور اس کا وقوع بھی ایک غزوہ میں ہوا -کما ذکرنا-، اور تعداد لشکرِ خیبر کی سولہ سو ۱۶۰۰، بالضرور یہ سب حضرات اس پر گواہ ہوں گے، کہ ہر نمازی مسلمان خصوصاً صحابۂ کرام کو بغرض نماز آفتاب کے طلوع وغروب وزوال کی طرف لاجَرم نظر ہوتی ہے

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص ۳۸۳)

ارتفاعِ نزاع کے لیے چند تمہیدی مقدمات

مقدمہ اُولیٰ

جب دو ۲ چیزوں میں عقل یا نقل ملازمت ثابت کرے، تو بحکم قضیہ لزوم بعد ثبوتِ ملزوم، تحقیقِ لازم خود محقق ومعلوم، اور تجشم دلیل کی حاجت معدوم، اسی طرح بعد انتفائے لازم انعدامِ ملزوم آپ ہی مفہوم -کما ھو غیر خافٍ ولا مکتوم!-، اور اسی ملازمتِ واقعہ کے باعث مرتبۂ ادراک میں بھی بعد علم بالّلزوم، وجودِ لازم وانتفائے ملزوم، تحقیقِ ملزوم وعدمِ لازم کا شک ووَہم وظن ویقین وتکذیب میں تابع رہتا ہے، مثلاً جسے وجودِ ملزوم پر تیقّن کامل ہوگا، اس کے نزدیک ثبوتِ لازم بھی قطعی یقینی ہوگا، اور ظانّ وشاکّ وواہم کے نزدیک مظنون ومشکوک وموہوم ہوگا، اور یہ معنی بدیہیاتِ باہرہ سے ہے۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۹۶)

مقدمہ ثانیہ

دعاوی ومقاصد خواہشِ ثبوت میں متساویۃ الاقدام نہیں، بعض ایسے درجۂ اہتمام ورفعتِ مقام میں ہیں، کہ جب تک نص صحیح، صریح، متواتر قطعی الدلالۃ ہر طرح کے شکوک واَوہام سے منزہ ومبرّا نہ پایا جائے، ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتے، احادیثِ آحاد اگرچہ "بخاری" و"مسلم" کی ہوں، ان کے لیے کافی نہ ہوں گی۔

اسی قبیل سے ہے اطلاقِ الفاظِ متشابہات، کہ حضرتِ عزّت میں اصحّ الکتب سے ثابت ہے، مگر عدمِ تواتر مانع قبول ہے، اور حلال وحرام کی جب بحث آئے تو احادیث ضعیفہ سے کام نہ لیں گے، اور فضائلِ اعمال ومناقبِ رجال میں دائرہ کو خوب وسیع دیں گے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ثابت الاصل کے مؤیّدات وملائمات میں چنداں اہتمام منظور نہیں، مثلاً ہمیں بیّنات سے معلوم ہو چکا کہ ذکرِ الٰہی وتکبیر وتہلیل ونماز ودرود وغیرہا اعمالِ صالحہ محمودہ ہیں، اب خاص صلاۃ التسبیح کی حدیث درجۂ صحت تک پہنچنا ضرور نہیں۔

بالنصوصِ قرآنیہ واحادیث متواترۃ المعنیٰ ہمیں ارشاد فرما چکیں، کہ صحابہ سیّد المرسلین -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین-

سب اربابِ فضائل وعلوِّ شان ورفعتِ مکان، اور اللہ ﷻ کے بندگانِ مقبول وبہترینِ اُمتیاں ہیں۔ اب خاص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب "بخاری" و"مسلم" ہی پر مقصور نہیں۔

اسی قبیل سے ہے بابِ معجزات وخوارق عادات، کہ حضورِ اقدس خلیفۂ اعظم بارگاہ قدرت سے صدورِ آیات ومعجزات اور ملکوت السماوات والارض میں حضور کے ظاہر وباہر تصرّفات، قاطعات یقینیہ سے ثابت ہیں، تو اب شہادت ظنی [ہرن] یا عدمِ نقل کا ثبوت صحاح ستہ پر محصور نہیں، علماء نے توبابِ خوارق میں غرابتِ متن پر بھی خیال نہ کیا، اور حدیث کو باوجود ایسے خدشہ کے حُسن ومقبول رکھا۔

امام اجل ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمن صابونی "کتاب المائتین" میں حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ، کہ حضور پُرنور سے مہدِ اقدس میں چاند باتیں کرتا، اور جدھر اشارہ فرماتے جھک جاتا، ذکر کرکے فرماتے ہیں: "هذا حديثٌ غريبُ الإسناد والمتن، وهو في المعجزات حَسن"(۱) اهـ. آثَرَه الإمامُ العلّامة القَسطلاني في "المواهب". علّامہ زرقانی شرح میں لکھتے ہیں: "لأنّ عادةَ المحدِّثين التساهُل في غير الأحكام والعقائد ما لم يكن موضوعاً"(۲) "کیونکہ محدثین کی عادت ہے کہ وہ احکام وعقائد کے غیر میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں، جب تک حدیث موضوع نہ ہو"۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۹۷)

مقدمہ ثالثہ

علماء کی تلقّی بالقبول کو ایراث قوت میں اثر عجیب ہے، کہ وہ ہر طرح ہم سے اَعرَف واَعلَم تھے، ہماری ان کی کوزہ ومحیط کی بھی نسبت ٹھیک نہیں، وہ سمائے علوم کے بدرِ منیر، اور ہم عامی انہیں کی روشنیوں سے مستنیر۔ جب وہی ایک امر کو سلفاً وخلفاً مقبول رکھیں، اور اپنی تصانیف اس کے ذکر سے موشّح کریں، توہمیں کیا جائے انکار ہے؟!۔

("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۳۹۷)

بنظر حقیقتِ اصلیہ صرف قاضی وحاکم وسیّد وعالم بھی اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہیں

قال الله تعالى: ﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾(۳) "اور اللہ سچا فیصلہ فرماتا ہے، اور اس کے سوا جن کو پوجتے ہیں، وہ کچھ فیصلہ نہیں کرتے، بے شک اللہ ہی سنتا دیکھتا ہے"۔

وقال الله ﷻ: ﴿لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾(۴) "اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے"۔

(۱) "المواهب اللدنية" بحوالة الصابوني في "المئتين" المقصد ۱، ۱/۱۵٤.
(۲) "شرح الزرقاني على المواهب اللدنية" المقصد ۱، ۱/۱٤۷.
(۳) پ۲۴، مؤمن: ۲۰۔
(۴) پ۲۰، قصص: ۸۸۔

وقال الله تعالی: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾[1] "حکم نہیں مگر اللہ کا"۔

وقال الله تعالی: ﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾[2] "وہی علم وحکمت والا ہے"۔

وقال الله تعالی: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا﴾[3] "جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو، پھر فرمائے گا: تمھیں کیا جواب ملا؟ عرض کریں گے: ہمیں کچھ علم نہیں"۔

وفد بنی عامر نے حاضر ہو کر حضور اقدس ﷺ سے عرض کی: أنت سَيِّدُنَا "حضور ہمارے سید ہیں" فرمایا: «السَّيِّدُ هو الله»[4] "سید تو خدا تعالی ہی ہے" رواه أحمدُ أبو داود عن عبد الله بن الشخير العامري رضي الله عنه.

یونہی نہ مَلِک الملوک بلکہ صرف مَلِک ہی، قال الله تعالی: ﴿لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ﴾[5] "اسی کے لیے ملک اور اسی کے لیے تعریف"۔ وقال الله تعالی: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾[6] "آج کس کی بادشاہی ہے؟"۔ حضور اقدس ﷺ نے اسی حدیث: «مَلِكُ الْمُلُوْك» کی تعلیل میں فرمایا: «لَا مَلِكَ إِلَّا الله»[7] "بادشاہ کوئی نہیں سوائے اللہ تعالی کے"، رواه مسلمٌ عن أبي هريرة رضي الله عنه. ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۳۶)

کسی شخص کو حضور سید عالم ﷺ کا شیخ وامام ماننا صراحۃً کفر ہے

اور امام الائمہ، شیخ الشیوخ، شیخ المشائخ اپنے استغراقِ حقیقی پر یقیناً حضور پُر نور سید المرسلین ﷺ کے ساتھ خاص ہے، اور دوسرے پر اطلاق قطعاً کفر ہے، کہ اس کے عموم میں حضور اقدس ﷺ بھی داخل ہوں گے، اور معنی یہ ٹھہریں گے کہ فلاں شخص (معاذ اللہ) حضور سید عالم امام العالمین ﷺ کا بھی شیخ وامام ہے، اور یہ صراحۃً کفر ہے۔

مگر حاشا! ان تمام الفاظ میں نہ ہرگز یہ معنی قائلین کی مراد ہے، نہ ان کے اطلاق سے مفہوم ومفاد۔ اور اس پر دلیلِ ظاہر وباہر یہ ہے کہ متکبر مغرور جبّار سلاطین کہ اپنے آپ کو مابدولت واقبال اور اپنے بڑے عہدہ داروں، اُمراء وُزراء کو بندۂ حضور وفدویٔ خاص لکھتے ہیں، جن کے تکبّر کی یہ حالت کہ اللہ ورسول کی توہین پر شاید چشم پوشی بھی کر جائیں، مگر ہرگز اپنی ادنیٰ سی توہین پر درگزر نہ کریں گے! یہی جبّار انہیں اُمراء کو قاضی القُضاۃ، وامیر الاُمراء، وخانِ خاناں، وبگا بگ خطاب دیتے اور خود لکھتے، اور اَوروں سے لکھواتے، اور لوگوں کو کہتے، لکھتے دیکھتے، سنتے اور پسند ومقرر رکھتے ہیں، بلکہ جو ان کے اس خطاب پر اعتراض کرے عتاب پائے، اگر ان میں استغراقِ حقیقی کا ادنیٰ ایہام بھی ہوتا، جس سے متوہّم ہوتا کہ یہ اُمراء خود ان سلاطین پر بھی حاکم،

---

(1) پ۱۲، یوسف: ۴۰۔
(2) پ۲۸، تحریم: ۲۔
(3) پ۷، مائدہ: ۱۰۹۔
(4) "سنن أبي داود" كتاب الأدب، باب في كراهية التمادح، ۲/ ۳۰۶. "مسند الإمام أحمد" عن عبد الله، ٤/ ٢٤.
(5) پ۲۸، تغابن: ۱۔
(6) پ۲۴، مؤمن: ۱۶۔
(7) "صحيح مسلم" كتاب الأدب، باب تحريم التسمي بملك الأملاك، ۲/ ۲۰۸.

وافسر، وبالا، وبرتر، وسردار، وسرور ہیں، تو کیا امکان تھا کہ اسے ایک آن کے لیے بھی رَوا رکھتے ؟! تو ثابت ہوا کہ عُرفِ عام میں اَمثالِ الفاظ میں استغراقِ حقیقی ارادۃً وافادۃً ہر طرح قطعاً یقیناً متروک ومہجور ہے، جس کی طرف اصلاً خیال بھی نہیں جاتا۔ بعینہٖ بداہۃً یہی حال شہنشاہ کا ہے، کیا کچّے مجنون کے سوا کوئی گمان کر سکتا ہے، کہ امام اجل ابوالعلاء علاء الدّین نامحی، امام اجل ابو بکر رکن الدّین کرمانی، علامہ اجل خیر الملۃ والدّین رملی، عارف باللہ شیخ مصلح الدّین عارف باللہ حضرت امیر، عارف باللہ حضرت حافظ، عارف باللہ حضرت مولوی معنوی، عارف باللہ حضرت مولانا نظامی، عارف باللہ حضرت مولانا جامی، فاضل جلیل مخدوم شِہاب الدّین وغیرہم رحمہم اللہ و قدست اسرارہم کے کلام میں یہ ناپاک معنی مراد ہوگا؟! مراد ہونا در کنار، اسے سن کر کسی مسلمان کا وَہم بھی اس طرف جا سکتا ہے ؟! تو بے ارادہ وبے اِفادہ اگر مجرّد احتمال منع کے لیے کافی ہوتا، وہ تمام الفاظ بھی حرام ہوتے، حالانکہ خواص وعام سب میں شائع وذائع ہیں، خصوصاً قاضِی القُضاۃ؛ کہ انہیں فقہائے کرام کا لفظ، اور قدیماً وحدیثاً ان کے عامۂ کتب میں موجود ہے، اس میں اور شہنشاہ میں کیا فرق ہے ؟!۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۱۹، ص۴۲۶)

❀ ❀ ❀

(۲۰) متفرقات

عبادت کی تعریف وتحقیق

امام الاسلام، پھر ابو السعود ازہری، پھر سید احمد طحطاوی، پھر سید محمد شامی فرماتے ہیں: "العبادةُ عبارةٌ عن الخضوع والتذلل، وحدُها فعلٌ لا يُراد به إلّا تعظيمُ الله تعالى بأمره"[1] "عبادت انتہائی عاجزی اور انکساری کا نام ہے، اس کی تعریف یہ ہے، کہ وہ ایک ایسا فعل ہے، جس سے اللہ تعالی کے حکم سے اس کی تعظیم کے بغیر کچھ بھی مراد نہیں ہوتا"۔

امام شیخ الاسلام زکریا انصاری، پھر علامہ سید احمد حموی "غمز العیون"، نیز علامہ شامی "ردّالمحتار" میں فرماتے ہیں: "العبادةُ ما يُثاب على فعله ويتوقّف على نيّته"[2] "عبادت وہ ہے کہ جس کے کرنے پر ثواب دیا جاتا ہے، اور وہ ثواب کی نیت پر موقوف ہوتی ہے"۔

نیز "شرح الأشباہ والنظائر" میں ہے: "العبادةُ ما يُتعبّد به بشرط النيّة ومعرفة المعبود"[3] "عبادت وہ فعل ہے جس کے ذریعے بندگی کا اظہار کیا جاتا ہے، بشرطیکہ ثواب کی نیت ہو، اور معبود کی معرفت حاصل ہو"۔

وأنا أقول وبالله التوفيق: "عبادت کسی کو اقصی غایات تعظیم کا مستحق جان کر اس کی تعظیم بجا لانا ہے، اور اسی سے باعتقادِ مذکور اس کے لیے تذلل، نیز اس کے امر کا امتثال اس حیثیت سے کہ اس کا امر ہے"۔ اس تعریف کی تکمیل، اور ان تعریفات کے مالہا وما علیہا کی تفصیل، موجبِ تطویل ہے، یہاں بعض نکت کے طرف ایماء کریں، فأقول وبه أستعين:

(۱) عبادتِ حقّہ کو مستحقِ عبادت -عزّ جلالہ- کے لیے ہو، اس میں اس فعل کا واقعی تعظیم ہونا ضرور ہے، مجرد زعم فاعل کافی نہیں، اور عبادت باطلہ میں اس کا زعم بس ہے۔ مکاء [سیٹی] وتصدیہ مشرکین عبادتِ الٰہی نہ تھا، اور بتوں کے سامنے اُن کا سکھ اور گھنٹی بجانا عبادت تھا، اگرچہ یہ بیہودہ افعال حقیقۃً تعظیم نہ ہوں۔

یونہی امتثال امر میں عبادتِ حقّہ جبھی ہے کہ واقعی وہ اس کا امر ہو، کفار کا ﴿أَمَرَنَا اللّٰهُ بِهٰذَا﴾[4] کہنا اگر واقعی اُن کے زعم میں بھی ہو، مراد وہی ہے، اور عبادتِ باطلہ میں صرف زعم کافی ہے۔ ("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۰)

عبادت کے لیے نیت شرط ہے، اور معرفت معبود لازم

عبادت کے لیے نیت شرط ہے، اور معرفتِ معبود لازم ہے، جیسا کہ اس کی تعریف سے ظاہر ہے۔ اور کوئی کافر اصلاً رب عزّ وجل کو نہیں جانتا، جس کی تحقیق ہمارے رسالہ "باب العقائد والکلام" میں ہے۔ اور امام رُستغفنی نے تصریح فرمائی کہ: "الكفرُ هو الجهلُ بالله تعالى" "کفر یہ ہے کہ اللہ تعالی کو نہ جانے"۔ ولہذا کافر نہ اہلِ نیت ہے، نہ اہل عبادتِ حقّہ، "كما نصّوا عليه قاطبةً"۔ اور مشرک عبادتِ باطلہ کرتا ہے، کہ اپنے معبودِ باطل کا تصور کر کے اس کی تعظیم کا قصد رکھتا ہے۔

---

[1] "حاشية الطحطاوي على الدّر المختار" مقدمة الكتاب، ١/ ٤٤.

[2] "غمز عيون البصائر مع الأشباه والنّظائر" الفنّ الأوّل، القاعدة الأولى، ١/ ٣٤.

[3] "غمز عيون البصائر مع الأشباه والنّظائر" الفنّ الأوّل، القاعدة الأولى، ١/ ٣٤.

[4] پ۸، الأعراف: ۲۸.

عبادتِ باطلہ میں التزامِ عبادت و قول بالوہیت غیر ہی اُسے اقصٰی غایات تعظیم کا مستحق جاننے پر دلیل واضح ہے، اگرچہ مرتکب عناداً منکر ہو کر ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾[1] کہے، رب عزوجل اُن کی تکذیب فرماتا ہے کہ ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾[2] "پھر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے تھے"۔ خود مشرکین روزِ قیامت اعتراف کریں گے ﴿اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[3] "جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے"۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۰)

بعض افعال کی وضع ہی عبادت کے لیے ہے، تو اُن سے تعظیمِ غیر کا قصد ہی مطلقاً حکم شرک لائے گا

بعض افعال کی وضع ہی عبادت کے لیے ہے، تو اُن سے تعظیمِ غیر کا قصد، اور اس قصدِ باطل سے انہیں کرنا ہی مطلقاً حکم شرک لائے گا، جیسے صلاۃ و صوم۔ ورنہ قصدِ عبادت پر موقوف رہے گا، جیسے سجدہ کہ فی نفسہٖ عبادت نہیں۔ ولہذا سجدات اربعہ: (۱) صلاۃ (۲) وسہو (۳) وتلاوت (۴) وشکر کے سوا سجدہ بے سبب، حنفیہ کے نزدیک صرف مُباح ہے، کما في "الدّر المختار" اور شافعیہ کے نزدیک حرام، کما في "الجوهر المنظَّم" للإمام ابن حجر المكي.

ولہذا غیر خدا کے لیے سجدۂ عبادت کفر ہوا، اور سجدۂ تحیت حرام وکبیرہ ہے، کفر نہیں، کما في "الهندية" و"الدّر" وغيرهما من الأسفار الغر، وقد حقّقناه في رسالتنا مستقلّة ["الزبدة الزكية"] في الرد على بعض المضلّة.

عبادت لغۃً خضوع کا نام ہے، یہ عبادتِ شرعیّہ کو لازم ہے، وہ تذلّل سے خالی نہیں، اگرچہ بظاہر صورۃً تذلّل نہ ہو

عبادت کہ لغۃً خضوع ہے، عبادتِ شرعیہ کو لازم ہے، وہ تذلّل سے خالی نہیں، اگرچہ بظاہر صورۃً تذلّل نہ ہو، جیسے زکاۃ وجہاد، کہ اسے حاکم وآمر وقاہر اور اپنے آپ کو محکوم ومامور ومقہور جان کے امتثالِ امر عینِ تذلّل ہے، مگر اقصٰی غایات تذلّل ہونا ضرور نہیں؛ کہ نماز زکاۃ سے زائد تذلّل ہے، بلکہ نماز کا سجدہ اس کے رکوع سے زائد ہے، رکوع قیام سے زائد ہے، قیام قعود سے زائد ہے، اگرچہ اجزائے نماز سب عبادت ہیں۔ ہاں اسے اقصٰی غایات تعظیم کا مستحق جاننا ضرور ہے۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۱)

فقہاء کبھی نفسِ فعل پر نظر کرتے ہیں، اگر وہ وضعاً عبادت نہیں، اسے عبادت نہیں کہتے

فقہاء کبھی نفسِ فعل پر نظر کرتے ہیں، اگر وہ وضعاً عبادت نہیں، اسے عبادت نہیں کہتے، جیسے عتق و وقف۔ اور کبھی نیتِ مخصوصہ کے ساتھ دیکھتے اور عبادت کہتے ہیں، جیسے قضا۔ "عنایہ" میں اسے مِن جملہ اشرفِ عبادات بتایا ہے، حتی کہ "درمختار" وغیرہ میں نکاح کو بھی عبادت فرمایا، علامہ نحوی نے اس سے مرادِ جماع حلیلہ ٹھہرایا۔

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۵۱)

---

(۱) پ۲۳، زمر:۳۔

(۲) پ۷، انعام:۱۔

(۳) پ۱۹، شعراء:۹۸۔

اشد فاسق فاجر اگر توبہ نہ کریں، تو ان سے میل جول ناجائز ہے، ان کے پاس دوستانہ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے

اشد فاسق فاجر اگر توبہ نہ کریں، تو ان سے میل جول ناجائز ہے، ان کے پاس دوستانہ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے، پھر مناکحت تو بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾[1]۔ اور جوان میں کسی ناپاک کبیرہ کو حلال بتائے، اس پر اصرار و اظہار، مقابلۂ شرع سے وقوع آئے، وہ یقیناً کافر ہے۔ اس کی عورت اس کے نکاح سے باہر ہے، اس کے جنازے کی نماز حرام، اسے مسلمانوں کی طرح غسل دینا، کفن دینا، دفن کرنا، اس کے دفن میں شریک ہونا، اس کی قبر پر جانا سب پر حرام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴾[2] واللہ ﷻ أعلم

("فتاوی رضویہ" ج۱۸، ص۱۰۲)

زمین گول ہے، اور اس کی ہر طرف آبادی ثابت ہوئی ہے

زمین کروی یعنی گول ہے، اور اس کی ہر طرف آبادی ثابت ہوئی ہے، اور بحمد اللہ ہر جگہ اسلام پہنچا ہوا ہے، تمام دنیا میں سب محمد رسول اللہ ﷺ کے کلمے سے گونج رہی ہیں، شریعتِ مطہرہ تمام بقاع کو عام ہے، ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ﴾[3] اور "صحیح بخاری" میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ أحدكم إذا كان في الصّلاة، فإنّ الله تعالى قبل وجهه، فلا يتنخّمنّ أحدٌ قبل وجهه في الصّلاة!»[4] "جب تم میں کوئی شخص نماز میں ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے منہ کے سامنے ہے، تو ہرگز کوئی شخص نماز میں سامنے کو کھکار نہ ڈالے!"۔

اگر اللہ تعالیٰ ایک ہی طرف ہے، تو ہر پارۂ زمین میں نماز پڑھنے والے کے سامنے کیونکر ہو سکتا ہے؟!

آسمان و زمین دونوں گول بشکل کرہ ہیں

ارصادِ صحیحہ متواترہ نے ثابت کیا ہے، کہ آسمان و زمین دونوں گول بشکل کرہ ہیں، آفتاب ہر آن طلوع و غروب میں ہے، جب ایک موضع میں طالع ہوتا ہے، تو دوسرے میں غروب کرتا ہے، آٹھ ۸ پہر یہی حالت ہے، تو دن اور رات کا ہر حصہ بھی یونہی آٹھ ۸ پہر باختلاف مواضع موجود رہے گا، اس وقت یہاں تہائی رات رہی، تو ایک لحظہ کے بعد دوسری جگہ تہائی رہے گی، جو پہلی جگہ سے ایک مقدار خفیف بہ مغرب کو اٹھی ہوگی، ایک لحظہ بعد تیسری جگہ تہائی رہے گی... وعلی ہذا القیاس! تو واجب ہے کہ مجسّمہ کا معبود (جن کے طور پر یہ نزول وغیرہ سب معنی حقیقی پر محمول کرنا لازم ہے) ہمیشہ ہر وقت آٹھوں پہر بارہوں ۱۲ مہینے اسی نیچے کے آسمان پر رہتا ہو۔ غایت یہ کہ جو جو رات سرکتی جائے، خود بھی ان لوگوں کے محاذات میں سرکتا ہو، خود تو آسمان

---

(۱) پ۷، الأنعام: ۶۸۔

(۲) پ۱۰، التوبۃ: ۸۴۔

(۳) پ۱۸، الفرقان: ۱۔

(٤) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، باب هل يلتفت لأمر ينزل به، ۱/ ۲٦٤۔

پر ایک ہی جگہ بیٹھا آواز دیتا ہو۔ بہرحال جب ہر وقت اسی آسمان پر براج رہا ہے، تو عرش پر بیٹھنے کا کونسا وقت آئے گا؟! اور آسمان پر اترنے کے کیا معنی ہوں گے ؟! ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۱، ص۵۱۰)

جوابِ قولِ اوّل[1]

"منطقِ جدید" نامی کتاب میں باری- عزّ مجدُہ- کو تدبیر و تصرّفِ مادّیات سے بے علاقہ مانا، مثلاً "بدنِ انسانی میں جو مُبین متین، ظاہر باہر، زاہر قاہر تدبیریں صبح شام، دن رات ہر وقت عیاں و نہاں ہوتی رہتی ہیں، جن کی حکمتوں میں عقولِ متوسط انگشت بدنداں ہیں، یہ سب جلیل و جمیل کام نفسِ ناطقہ کی خوبیاں ہیں، اللہ تعالی کو اصلاً ان سے تعلق نہیں، نہ اس کا بندوں کے بدنوں میں کوئی تصرّف ہے"۔ لا إله إلّا الله محمّد رسول الله، أستغفر الله، والعياذ بالله!.

هَیهات هَیهات! اس سے بڑھ کر کونسا کفر ملعون ہوگا؟! ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴾[2]۔ سورۂ یونس و سورۂ رعد و سورۂ الم تنزیل السجدہ کے پہلے رکوع اس نزعۂ [فساد] فلسفیّہ کے رَد کو بس ہیں، اور سورۂ یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے رکوع چہارم میں فرماتا ہے: ﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾[3]۔

تو فرما: کون تمہیں روزی دیتا ہے آسمان سے (مینہ اتار کر؟) اور زمین سے (کھیتی اگا کر؟) یا کون مالک ہے شُنوائی اور نگاہوں کا؟ (کہ مُسبَّبات کو اسباب سے ربطِ عادی دیتا ہے، اور قَرع سے ہوا کو صوت کا حامل کرتا ہے، پھر اُسے عَصَبۂ مفروشہ تک پہنچاتا ہے، پھر اس کے بجنے کو محض اپنی قدرتِ کاملہ سے ذریعۂ اِدراک فرماتا ہے؟ اور اگر وہ نہ چاہے تو صُور کی آواز بھی کان تک نہ جائے!۔ یونہی جو چیز آنکھ کے سامنے ہو، اور مَوانع و شرائطِ عادیہ مرتفع و مجتمع ہوں -واللهُ أعلم أنّ ذلك بالانطباع، أو خروج الشُّعاع، كما قد شاع أو كيفما ما شاء- اس وقت اِبصار کا حکم دیتا ہے، اور اگر وہ نہ چاہے، روشن دن میں بلند پہاڑ نظر نہ آئے)۔ اور وہ کون ہے جو نکالتا ہے زندے کو مُردے سے؟ (کافر سے مؤمن؟ نطفہ سے انسان؟ انڈے سے پرند؟) اور نکالتا ہے مُردے کو زندے سے؟ اور کون تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی؟ (آسمان میں اس کے کام، زمین میں اس کے کام، ہر بدن میں اس کے کام، کہ غذا پہنچاتا ہے، پھر اُسے روکتا ہے، پھر ہضم بخشتا ہے، پھر سہولتِ دفع کو پیاس دیتا ہے، پھر پانی پہنچاتا ہے، پھر اس کے غلیظ کو رقیق، لزج کو منزلق کرتا ہے، پھر ثقل کیلُوس [غذا کا معدے میں پہلا ہضم] کو اَمعاء کی طرف پھینکتا ہے، پھر ماساریقا [ایک آنت کا نام] کی راہ سے خالص کو جگر میں لے جاتا ہے، وہاں کیموس [دوسرا ہضم] دیتا ہے، تلچھٹ کا سودا، جھاگوں کا صَفرا، کچے کا بلغم، پکے کا خون بناتا ہے، فُضلہ کو مَثانہ کی طرف پھینکتا ہے۔ پھر انہیں بابُ الکَبِدْ کے راستے سے عُروق میں بہاتا ہے، پھر وہاں سہ بارہ پکاتا ہے، بے کار کو پسینہ بنا کر نکالتا ہے، عطر کو بڑی

---

[1] "فتاویٰ رضویہ" کے سوال میں موجود اقوال میں سے ایک کا جواب ہے۔

[2] پ۱۵، اسراء: ۴۳۔

[3] پ۱۱، یونس: ۳۱۔

رگوں سے جداول، جداول سے سواقی، سواقی سے باریک عروق، پیچ در پیچ تنگ بر تنگ راہیں چلاتا ہوا، رگوں کے دہانوں سے اعضاء پر اُنڈیلتا ہے، پھر یہ محال کہ ایک عضو کی غذا دوسرے پر گرے، جو جس کے مناسب ہے اسے پہنچاتا ہے، پھر اعضاء میں چوتھا طبخ دیتا ہے: کہ اس صورت کو چھوڑ کر صورتِ عضویہ لیں۔ ان حکمتوں سے بقائے شخص کو بہ تحلّل کا عوض بھیجتا ہے، جو حاجت سے بچتا ہے اُس سے بالیدگی دیتا ہے۔ اور وہ ان طریقوں کا محتاج نہیں، چاہے تو بے غذا ہزار برس جلائے، اور نمائے کا مل پر پہنچائے۔

پھر جو فضلہ رہا اُسے منی بنا کر صُلب و ترائب میں رکھتا ہے، عقد وانعقاد کی قوت دیتا ہے، زن و مرد میں تالیف کرتا ہے، عورت کو باوجود مشقتِ حمل و صعوبتِ وضع شوق بخشتا ہے، حفظِ نوع کا سامان فرماتا ہے، رحم کو اذن جذب دیتا ہے، پھر اس کے اِمساک کا حکم کرتا ہے، پھر اسے پکا کر خون بناتا ہے، پھر طبخ دے کر گوشت کا ٹکڑا کرتا ہے، پھر اس میں کلیاں، کنپھیاں [شاخیں] نکالتا ہے، قسم قسم کی ہڈیاں، ہڈیوں پر گوشت، گوشت پر پوست، سینکڑوں رگیں، ہزاروں عجائب۔ پھر جیسی چاہے تصویر بناتا ہے، پھر اپنی قدرت سے رُوح ڈالتا ہے، بے دست و پا کو اُن ظلمتوں میں رزق پہنچاتا ہے، پھر قوت آنے کو ایک مدّت تک روکے رہتا ہے، پھر وقتِ معیّن پر حرکت و خروج کا حکم دیتا ہے، اس کے لیے راہیں آسان فرماتا ہے، مٹی کی مُورت کو پیاری صورت، عقل کا پُتلا، چمکتا تارا، چاند کا ٹکڑا کر دکھاتا ہے ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴾[1] اور وہ ان باتوں کا محتاج نہیں، چاہے تو کروڑوں انسان پتھر سے نکالے، آسمان سے برسا لے۔ ہاں بتاؤ وہ کون ہے جس کے یہ سب کام ہیں؟ ﴿ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ﴾[2] اب کہا چاہتے ہیں کہ اللہ! تو فرما: پھر ڈرتے کیوں نہیں؟ ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ﴾[3]۔

آہ آہ! اے متفلسف مسکین! کیوں اب بھی یقین آیا یا نہیں؟ کہ تدبیر و تصرّف اسی حکیم علیم کے کام ہیں -جلّ جلالُه وعمّ نوالُه- ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴾[4]۔ فقیر -غفر اللہ تعالی لہ- نے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں یہ دو ۲ حرف مختصر بقدر ضرورت ذکر کیے، ورنہ روزِ اوّل سے اب تک جو کچھ ہوا، اور آج سے قیامت، اور قیامت سے اَبدالآباد تک جو کچھ ہوگا، وہ سب کا سب اِن دو ۲ لفظوں کی شرح ہے کہ ﴿ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ﴾[5] سُبحَانَه مَا أعظمَ شأنُه!۔

مسلمان غور کرے کہ یہ عظیم حکیم کام جن کے بحر سے ایک قطرے، اور صحراء سے ایک ذرّے کی طرف ہم نے اِجمالی اشارہ کیا، شبانہ روز انسان کے بدن میں ہوا کرتے ہیں، اور لاکھوں کروڑوں نُفوسِ ناطقہ کے ذہن کو اُن کی خبر نہیں ہوتی۔ ہزاروں میں دو ایک، سالہا سال کے ریاض و تعلیم میں، اُن میں سے اقل قلیل پر بقدرِ قدرت اطلاع پاتے ہیں۔ اس پر جو کل

---

(۱) پ۲۱، الاحزاب: ۱۴۔

(۲) پ۱۱، یونس: ۳۱۔

(۳) پ۲۴، غافر: ۸۴۔

(۴) پ۲۹، مرسلات: ۵۰۔

(۵) پ۱۱، یونس: ۳۱۔

گھڑی، بنائے نہیں بنتی، جو او را لجھے، سلجھائے نہیں سلجھے، پھر کیسا سخت جاہل[1] ہے جو تدبیر ابدان نفس کے سر دھرے ! ان مجبور اور عاجز مسکین !! ﴿ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴾[2]۔

سبحان اللہ ! خالق مختار - جلت قدرتہ - کی طرف بلا واسطہ تمام کائنات کے استناد میں ان کے لیے وہ زہر گھلا ہے، کہ یہ حق ناسمع کسی طرح قبول نہیں ! اور ایسی بدیہی خرافتیں منظور و مقبول ! ﴿ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴾ سبحان اللہ ! اگر یہی بات واقعی ہے، اور ہمارے رب تعالی کو ان امور سے اصلا علاقہ نہیں، جیسا کہ اس متفلسف نے ادعاء کیا، تو وائے جہالت ! نفس ہی کو نہ پوجے ! جو ایسی قاہر قدرت رکھتا ہے ! اور بطور خود اپنے بدن کی یہ جلیل تدبیر کیا کرتا ہے ! ﴿ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴾[3]۔ زید کے اس قول میں ایک کفر جلی تو یہ ہے[4]۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۱۸۵)

خالقیت عقول کا کفر بواح ہونا خود ایسا بیّن ہے کہ محتاج بیان نہیں

ثم اقول: ناظر عارف، مناظر منصف، آگاہ وواقف کو سوق عبارت سے خالقیت عقول متبادر[5] ومنکشف ہے، اور قائلان عقول کا یہ مسلک ہونا اس کا اقوی مشید ومرصف ہے۔ اگرچہ پائے مکابر لنگ، نہ مجال مناقشہ تنگ۔ اور اگر نہ ہی، تاہم[6] تعاذل کفتین میں اشتباہ نہیں، اور نہ بھی مانو تو ایہام شدید سے بچنے کی راہ نہیں، اور ایسی جگہ مجرد ایہام بحکم شرع ممنوع وحرام ہے، کما سیأتی۔

---

(۱) مگر سفہائے فلسفہ، نظرائے مینقہ سے کیا جائے شکایت ! کہ وہ افعال متقنہ تصویر جنین کو نفس حیوانی، بلکہ قوت غیر شاعرہ کی طرف مستند کرنے میں بھی باک نہیں رکھتے، ﴿ ما علی مثلهم یُعَدُّ الخطاء. منه (من المصنف ﷺ)

(۲) پ۱۷، الحج: ۷۳۔

(۳) پ۱۷، الانبیاء: ۱۱۲۔

(۴) جو گزشتہ بحث میں گزرا، اگلی عبارت اس سے متصل ہے۔

(۵) **اقول:** فقیر ایک مثال واضح ذکر کرتا ہے، کہ منصف کو کافی ہو، اور متعسف کو دفتر بس نہیں، مثلاً اگر کہا جائے کہ قرآن مجید سے علاقہ رکھنے میں لوگ مختلف رنگ پر ہیں، کوئی بقوت اجتہاد اس سے استنباط احکام کرتا ہے، کوئی بحزم واحتیاط اس کی تفسیر لکھتا ہے، کوئی حافظ ہے، کوئی قاری، کوئی سامع، کوئی تالی، ایک معلم، دوسرا متعلم، یہ سب لوگ اس سے سچا علاقہ رکھتے ہیں۔ اور بعض وہ جن کے لیے ان علاقوں میں سے کچھ نہیں، اور انہیں قرآن کریم سے تعلق نہیں، مگر مثلاً علاقہ عداوت، تکذیب، جیسے مصنّف "منطق الجدید"، ومجوس، وہنود، ونصاری ویہود۔ ایمان سے کہنا ! اس کلام سے صاف صاف یہی سمجھا جائے گا یا نہیں ؟ کہ قائل نے مصنّف "منطق الجدید" کو بھی دشمن ومکذب قرآن بتایا اگرچہ لفظ "مثلاً" میں اتنی گنجائش ہے کہ یہ علاقہ مذکورین ما بعد کے لیے سمجھیں، اور مصنّف مسطور کے لیے اور کچھ تصور کر لیں۔ مثلاً قال کھولنا یا تجارت کرنا۔ تقصیر معاف ! اس نہج خاص پر وضع مثال اظہار حق کے لیے ہے، کہ آدمی اپنے مقابلہ میں خواہی نہ خواہی ظاہر متبادر پر جاتا ہے، اور وہاں دوسرے کی طرف سے ابدائے عذر کو احتمالات بعیدہ تلاش نہیں کرتا۔ اب اس مثال کو اپنی عبارت سے ملا کر دیکھ لیجیے کہ بعینہ اسی رنگ کی ہے یا نہیں ! پھر جب یہاں یہ متبادر، تو وہاں سے ادعائے خالقیت عقول کیونکر ظاہر نہ ہوگا ؟ واللہ تعالی الهادی۔ [عبدہ سلطان احمد خان غفر لہ] [بریلوی، سائل، تلمیذ وخلیفہ جنہوں نے اس کی تبییض کے وقت کچھ جگہ حواشی لکھے (مقدمہ فلسفہ اور اسلام، رضا اکیڈمی)]۔

(۶) یہ سب تنزلات بلحاظ مجادلین ہیں، ورنہ اصل کار وہی تبادر خالقیت ہے، کما بیّنا۔ [س غفی عنہ]

آیاتِ کریمہ سے مسئلہ کی تائید

بہرحال اگر یہی مقصود ہے [۱] تو اس کا کفرِ بواح ہونا خود ایسا بیّن کہ محتاجِ بیان نہیں، رب ﷻ فرماتا ہے: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ [۲] "کیا کوئی اور بھی خالق ہے خدا کے سوا؟!" اور ارشاد فرماتا ہے عزّوجلّ: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ [۳] "اے لوگو! ایک کہاوت بیان کی گئی، اسے کان لگا کر سنو! بے شک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا معبود ٹھہراتے ہو، ہرگز ایک مکھی نہ بنائیں! اگرچہ اس پر ایکا کر لیں!"۔

اور فرماتا ہے -جَلَّتْ عظمتُہ-: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [۴] "سن لو! خاص اُسی کے کام ہیں خَلق [۵] و تکوین! برکت والا ہے اللہ مالک سارے جہان کا"۔

اور فرماتا ہے -تعالیٰ شأنُہ-: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [۶] "اللہ وہ ہے جس نے تمہیں بنایا، پھر روزی دی، پھر مارے گا، پھر جلائے گا۔ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کرے؟! پاکی اور برتری ہے اُسے ان کے شریک سے!۔

اور سورۂ لقمان میں افلاک وعناصر وجمادات وحیوانات وآثارِ عُلویہ ونباتات سب کی طرف اجمالی اشارہ کر کے ارشاد فرماتا ہے -تقدّس اسمہ-: ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَا ذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [۷] "یہ سب تو خدا کا بنایا ہوا ہے! وہ مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا اوروں نے کیا بنایا؟ بلکہ ناانصاف لوگ صریح گمراہی میں ہیں"۔ صدق اللہ سبحانہ!۔

یہاں تک کہ اس امر کا باری -عزّ اسمہ- سے خاص ہونا مدارکِ مشرکینِ عرب میں بھی مرتسم تھا، قال جلّ ذکرُہ: ﴿وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ [۸] "اور بے شک اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان وزمین کس نے بنائے؟ ضرور کہیں گے: اللہ نے"۔ یہ سخافتِ جلیّہ وخرافتِ علیّہ جس نے انہیں امیرالحمیر بنایا، عُقلائے فلسفہ کا حصہ تھی، ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ [۹] "اللہ تعالیٰ انہیں مارے! کہاں اوندھے جاتے ہیں؟"۔ ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۲، ص۱۸۶)

---

(۱) كما هو الظاهر المتبادر وإن أنكر المكابر. [س عفي عنه]

(۲) پ۲۲، فاطر: ۳۔

(۳) پ۱۷، حج: ۷۳۔

(۴) پ۸، اعراف: ۵۴۔

(۵) یہاں خلق سے مراد مادّہ سے بنانا، جیسے آدمی نطفہ سے۔ اور تکوین سے مراد امرِ کُن سے موجود فرما دینا، جیسے اَرواح کی پیدائش۔ سلطان احمد خاں بریلوی عُفی عنہ المولی القوی۔

(۶) پ۲۱، روم: ۴۰۔

(۷) پ۲۱، لقمان: ۱۱۔

(۸) پ۲۱، لقمان: ۲۵ و پ۲۳، زمر: ۳۸۔

(۹) پ۱۰، توبہ: ۳۰ و پ۲۸، منافقون: ۴۔

عقولِ عشرہ کا تخلیق وایجاد میں شرط وواسطہ ماننا، ایک کفر نہیں بلکہ معدن کفر ہے

سلّمنا کہ زَید کا یہ مطلب نہیں، نہ وہ عقولِ عشرہ کو خالق بالذات و مُوجدِ مستقل مانے، بلکہ انہیں صرف شرط وواسطہ جانتا ہے، اور باری تعالی کی تاثیر و فاعلیت کا متمم مانتا ہے، تو گویا مثلاً اسی تنویع کی طرف مشیر ہے، کہ علاقۂ خَلق ہو یا وساطت فی الخلق۔ اور اس قدر سے اسے انکار کی گنجائش نہیں؛ کہ دوسرے رسالہ میں خود اس کا اقرار کیا، اور اسے مذہب محقق و مشرب حق قرار دیا، تو یہ خود کفر واضح وارتدادِ فاضح ہونے میں کیا کم ہے؟! کہ اس میں صراحۃً اس قادر ذوالجلال، غنی متعال ﷻ کو خَلق وایجاد میں غیر کافی، اور دوسری چیز کے توسّط وآلیت کا محتاج، اور صاف صاف اس قدیر مجید عزّوجلّ کو فاعلیت میں ناقص، اور عقولِ عشرہ کو اس کا کامل وتام کرنے والا ماننا، وَاَيُّ كُفرٍ أفحَشُ مِن هذا؟! یہ ایک کفر نہیں بلکہ معدنِ کفر ہے: (۱) باری کا عجز ایک کفر! (۲) دوسرے کی طرف نیاز دو ۲ کفر! (۳) آپ ناقص ہونا تین ۳ کفر! (۴) غیر سے تکمیل پانا چار ۴ کفر! (۵) خالق مستقل نہ ہونا پانچ ۵ کفر! ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العليِ العظيم!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۱۸۷)

باری تعالی کو کسی شے کی تدبیر وتصرّف سے بے تعلق، یا اس کے غیر کو خالقِ جواہر، خواہ ایجادِ باری تعالی کا متمم کہنا، قطعاً جزماً کفریات خالصہ میں سے ہے

بالجملہ باری ﷻ کو کسی شے کی تدبیر وتصرّف سے بے تعلق، یا اس کے غیر کو خالقِ جواہر، خواہ ایجادِ باری تعالی کا متمم کہنا، قطعاً جزماً کفریاتِ خالصہ ہیں، اور یہ سب مسائل اجلی ضروریاتِ دین سے ہیں، بلکہ ان میں بھی ممتاز ہیں، اور اپنے کمالِ وُضوح میں تجشّم الیضاح سے غنی وبے نیاز ہیں۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۱۹۲)

قولِ دُوم ۲ و سوم ۳ و چہارُم ۴[1]

[2] کا بھی بعینہ یہی حال، کہ اُن میں ہیولی، وصورتِ جسمیہ، وصورت نوعیہ، وعقولِ عشرہ، وبعض نُفوس کو قدیم زمانی مانا، اور یہ سب کفر ہیں۔ ائمۂ دین فرماتے ہیں: "جو کسی غیر خدا کو اَزلی کہے، باجماعِ مسلمین کافر ہے"۔

معدنِ ضلالاتِ قولِ پنجم ۵

یہ قول متعدد ضلالتوں، متکثّر جہالتوں کی طُرفہ معجون، بلکہ مَعجونِ فلاسفہ قرۃُ العیون ہے۔ زَید مسکین نے تَشَدُّق بقري[3] کو علقِ نفیس جان کر آمَنَّا بِهٖ تو کہہ دیا، مگر نہ دیکھا کہ اس پر کیا کیا شناعاتِ عظیمہ ہائلہ وارد ہیں۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۱۹۵)

---

(۱) قولِ دُوم ۲: مادۂ اجسام قدیم ہے۔
قولِ سوم ۳: صورتِ جسمیہ ونوعیہ قدیم ہیں۔
قولِ چہارم ۴: عقولِ عشرہ ونفوس قدیم ہیں۔
(۲) ماقبل کلام کا قولِ اوّل پر اختتام ہے۔
(۳) مؤلّف "المنطق الجديد" تمسّك هنا بما تفوّه به الباقر، وهذا اللفظ يشير إليه. [محمّد أحمد المصباحي]

اس قول کی حتقدد شناعات عظیمہ کا بیان

پہلی شناعت

فأقول وبحول الله تعالى أصول: أولاً: تمام انواع کا قدم لازم، کہ جب طبائع مرسلہ میں بحرہ امکان ذاتی ملاک فیضان، اور امکان ذاتی یعنی دائرۂ قدرت میں داخل ہونا قطعاً ازلی، وإلا لزم الانقلاب۔ اور جناب مبدئ ﷻ میں قطعاً بخل نہیں۔ تو واجب ہوا کہ ہر نوع قدیم ہو، اور یہ امر اصول باطلہ فلسفہ پر قدم ہیولی، وقدم صورت جسمیہ، وقدم صورت نوعیہ، وقدم جمیع اشخاص منحصرہ فیہا الانواع، وقدم بعض افراد[1]، انواع باقیہ، وقدم انواع، واشخاص اعراض لازمہ علی تفصیل المشار الیہ کو مستلزم ہے۔ کما لا یخفی۔ یہ راہ رانذ ہب نامہذب فلسفہ مزخرفہ کا ثابت ہو گیا۔

قلقی متبوع، "کا مطلب بمادۃ ومدۃ سے نکلا تھا، منکشف تابع نے مستلزم قطعیہ صاف لکھ دیا، ہیہات اس متبوع سے کیا جائے شکایت اگر وہ حضرات تو قدیماً وحدیثاً مُغباے سفسطہ کے فضلہ خوار رہے ہیں، ومن لم یستغن بالقرآن فلا أغناه الله اگر اس تابع مدعی تسنن کا تلون و تفنن قابل تماشا ہے! نسأل الله الثبات على الإيمان والسنة!۔

دوسری شناعت

ثانیاً: اور اشد واعظم قباحت لازم کہ اس تقدیر پر قدرت الٰہیہ صرف انواع موجودہ میں منحصر ہوئی جاتی ہے، اور جو نوع نہ بنی، اس کے یہ معنی کہ حق ۔جل وعلا۔ کو اس پر قدرت ہی نہ تھی، کہ اگر مقدور ہوتی تو ممکن ہوتی، اور طبیعت مطلقہ میں نفس امکان مستلزم فیضان، تو انتفائے لازم انتفائے ملزوم پر دلیل جازم ہے، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم!۔

یہ شناعت خبیثہ تو ایسی ہے کہ جس طرح اسلامیوں کے نزدیک کفر، یونہی شاید فلسفیوں کو بھی مقبول نہ ہو، کہ وہ بھی تقسیم کلی میں کلی معدوم الافراد کو قسیم ممتنع الافراد کی قسم بتاتے ہیں، کما صرح به في أسفارهم۔

یا للعجب! اگر باقر [داماد شیعی][2] غافل تھا، متفلسف تو عاقل تھا، ولكن صدق ربنا ﷻ: ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾[3]۔

تیسری شناعت

اہلِ سنت کا ایمان ہے کہ مُبدئ ﷻ جواد کریم اکرم الاکرمین ہے

ثالثاً: تابع ومتبوع کا یہ قول کہ "جانب مبدء میں بخل نہ ہونا مستلزم فیضان ہے"۔ اصول سنت سے محض مُباین ہے، اہل سنت کا ایمان ہے کہ مبدئ ﷻ جواد کریم اکرم الاکرمین ہے ۔جل جلاله وتقدس فعاله۔، مگر ہاں ہرگز کوئی شے اس پر واجب نہیں مانتے۔ عالم جب تک نہ بنایا تھا، وہ جب بھی جواد تھا، اور اگر کبھی نہ بناتا، تاہم جواد ہوتا، نہ اس نا بنانے سے

---

(۱) أي: بمعنى فرد منتشر. منه [أي: من الإمام أحمد رضا]

(۲) باقر داماد شيعي. [أي: من الإمام أحمد رضا].

(۳) پ۱۷، الحج: ۴۶۔

کوئی عیب اُسے لگتا، نہ کوئی نقصان اس کے کمال اکمل میں آتا۔ کسی شے کا ایجاد واعدام کچھ اس پر ضرور نہیں، قال تعالی: ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾[1] وقال تعالی: ﴿يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَآءُ﴾[2] ﴿يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾[3] "اور اللہ جو چاہے کرے اور وہ حکم فرماتا ہے جو چاہے"۔ وقال تعالی: ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾[4] "اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے، اور ان سب سے سوال ہوگا"۔ وھذا واضحٌ جليٌّ عند كلّ مَن نوّر اللهُ بصيرتَه. اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾[5] تو یہ استلزام بھی اسی فلسفۂ ملعونہ پر مبنی، کہ قادرِ مختار -تعالی شانہ- کو فاعلِ مُوجِب، اور ایجادِ عالم کو اس کے کمال کا سبب جانتے ہیں، تعالی الله عمّا يقول الظالمون عُلوّاً كبيراً.

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۱۹۶)

چوتھی شناعت

رابعاً: متفلسف تابع نے شطرنج میں بغلہ اور طنبور میں ایک نغمہ اَور زائد کیا کہ "اگر غیر احق صادر اور احق غیر صادر ہو، تو ترجیحِ مرجوح لازم آئے گی"۔ سُبحان الله! نہ وہاں کوئی احق، نہ قادرِ حمید، فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْد پر تمھاری عقولِ سخیفہ حاکم! نہ ہمارے نزدیک اس کے ارادہ کے سوا کوئی مرجّح، اور ہو بھی تو اس پر کچھ اعتراض نہیں، قال تعالی: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾[6] وقال تعالی: ﴿وَاللهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾[7] وقال تعالی: ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[8]

حاصل مذہب اہلِ سنّت یہ ہے کہ تمام مقدورات اس جنابِ رفیع کے حضور یکساں ہیں

واضح تر کہوں: حاصل مذہب اہلِ سنّت یہ ہے کہ "تمام مقدورات اس جنابِ رفیع کے حضور یکساں ہیں"، کوئی اپنی ذات سے کچھ استحقاق نہیں رکھتا، کہ ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح کہیں، اور بفرضِ باطل اگر یہاں کوئی مرجّح ہو بھی، تو اس کا اتباع مولی مقتدر عزّوجلّ پر ضرور نہیں، اُسے اختیار ہے، چاہے راجح کو کبھی نہ کرے، اور مرجوح کو خلعتِ وجود عطا فرمائے، زنہار اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

ثمّ أقول بعبارةٍ أخصَر: ہم پوچھتے ہیں: قولِ زَید "لزمَ ترجيحُ المرجوح" سے کیا مقصود؟: (۱) آیا استحالہ

---

(۱) پ۱۲، ہود:۱۰۷ و پ۳۰، بروج:۱۶۔
(۲) پ۱۳، ابراہیم:۲۷۔
(۳) پ۶، مائدہ:۱۔
(۴) پ۱۷، انبیاء:۲۳۔
(۵) پ۱۸، نور:۴۰۔
(۶) پ۱۲، یوسف:۴۰۔
(۷) پ۱۳، رعد:۴۱۔
(۸) پ۲۰، قصص:۶۸۔

ذاتیہ؟ تو یقیناً البطلان ہے: کہ وہ ہماری قدرت فانیہ زائلہ قاصرہ باطلہ کے تحت میں داخل ہے، نہ کہ قدرت باقیہ تامہ کاملہ واقعہ۔ (۲) یا یہ کہ خدا کو عیب لگے گا؟ تو یہ وہی اس غنی حمید کو بندوں پر قیاس کرنا، اور صدہا نصوص قرآنیہ سے منہ پھیرنا ہے۔ ہمارے فعل بھلے برے سب طرح کے ہیں، اور وہ جو کچھ کرے، سب اچھا، وہی کام ہم کریں، ہم پر اعتراض ہو، وہ کرے، اس پر اصلاً اعتراض نہیں، یقین نہ آئے تو کافر کی حمایت میں کسی مسلمان کو قتل کر دیکھو! اور اس نے بارہا کفار کو مسلمین پر غلبہ دیا۔ واللہ! یہ وہ جگہ ہے کہ مؤمن کا دل اپنے مولیٰ کی محبت سے چھلکے۔ العظمۃ للہ! جمیل کی ہر بات جمیل (ہیہات ہیہات! بلا تشبیہ) میلے کپڑے کہ بدصورت پر سخت بدنما ہوں، کسی حسین کو پہننے دیجیے، دیکھیے کتنی بہار دیتے ہیں، وللہ المثل الاعلیٰ! عیاذاً باللہ اگر وہ اپنے بندۂ مسلمان کو دوزخ میں ڈالے (اور اسی کے وجہ کریم کی پناہ!) اس وقت اس مؤمن سے پوچھیے: تیرے رب نے یہ کام کیسا کیا؟ واللہ! یہی کہے گا کہ بہت اچھا، نہایت خوب، کمال بجا، ولکن عافیتک اوسع لی!۔ بالجملہ زید کا یہ قول انواع ضلالات وجہالات کا مجمع [ہجوم] ہے، اور صریح فلسفہ و اعتزال اس کا منبع ہے، نسأل اللہ العافیۃ! ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العزیز الحکیم! ("فتاویٰ رضویہ" ج۲۲، ص۱۹۹)

قولِ ششم ۶ کا جواب

قولِ ششم ۶ میں کہ "عقولِ عشرہ کا تمام نقائص وقبائح سے مقدس ومنزہ، اور ان کے علم کا تام ومحیط بامحاط تامہ ہونا حتی کہ یہاں تک کہ کوئی ذرہ ذراتِ عالم سے ان پر مخفی رہنا ممکن نہیں"۔ یہ خاص صفت حضرت عالم الغیب والشہادۃ کی ہے ﷻ۔ قال تعالیٰ: ﴿وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ﴾[1] "نہیں چھپتی تیرے رب سے ذرہ بھر چیز زمین میں اور نہ آسمان میں"۔

اور اس کا غیر خدا کے لیے ثابت کرنا قطعاً کفر ہے العزۃ للہ! اس عدمِ امکان کو مسلمان غور کرے کہ کیسا کفر واشگاف! اور کتنے صریح نصوصِ قرآنیہ کا خلاف ہے! قال تعالیٰ: ﴿وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ﴾[2] "کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا" وقال تعالیٰ: ﴿اِلَیْہِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَۃِ﴾[3] "اسی کی طرف پھیرا جاتا ہے علم قیامت کا" وقال تعالیٰ: ﴿وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾[4] "کافر کہتے ہیں: یہ قیامت کا وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو؟! تو فرما: اس کا علم تو خدا ہی کو ہے، اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں صاف صاف!" وقال تعالیٰ: ﴿لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾[5] "نہیں گھیرتے اس کے علم سے کچھ، مگر

---

(۱) پ۱۱، یونس: ۶۱۔
(۲) پ۲۹، مدثر: ۳۱۔
(۳) پ۲۴، فصلت: ۴۷۔
(۴) پ۲۹، ملک: ۲۵، ۲۶۔
(۵) پ۳، بقرۃ: ۲۵۵۔

جتنا وہ چاہے" وقال تعالیٰ حکایةً عن ملائکته: ﴿سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ﴾ [1] "پاکی ہے تجھے! ہمیں کچھ علم نہیں، مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی ہے دانا حکمت والا"۔

سبحان اللہ! متفلسفہ کہتے ہیں کہ عقولِ عشرہ ملائکہ سے عبارت ہے، اگرچہ یہ بات محض غلط ہے؛ کہ جو امور وہ بے عقول اِن دس ۱۰ عقول کے لیے ثابت کرتے ہیں، صفاتِ ملائکہ سے اصلاً علاقہ نہیں رکھتے، ولا أكذَبَ ممن كذّبَه القرآنُ، بلکہ یہ صرف اُن سُفہاء کے اَوہامِ تراشیدہ ہیں، جن کی اصل نام کو نہیں، ﴿اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ﴾ [2]، تاہم اگر مان لیں، اور یوں سمجھیں کہ مشرکینِ عرب نے شانِ املاک (فرشتے) میں غُلو کے ساتھ تفریط بھی کی، کہ انہیں عورتیں ٹھہرایا، کفارِ یونان نے وہ اِفراط خالص بنایا؛ کہ اوصافِ خَلق سے متعالی بتایا، تو اب اس آیۂ کریمہ سے اُن عقول کی حالت اِدراک کیجیے! کس طرح (ملائکہ) اِن احمقوں کو جھٹلاتے ہیں، اور اپنے مالک کے حضور اپنے عجز و بے علمی کا اِقرار لاتے ہیں، اور پاکی و قدّوسی اُس کے وجہِ کریم کے لیے خاص ٹھہراتے ہیں! صدق اللہ تعالیٰ: ﴿سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا﴾ [3] "عنقریب وہ ان کی بندگی سے منکِر ہوں گے، اور ان کے مخالف ہو جائیں گے"۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۰۰)

قولِ ہفتم ۷ کا جواب

اس قولِ شنیع پر جو شناعاتِ شدیدہ لازم ہیں، وہ شمار سے باہر ہیں

قولِ ہفتم ۷ میں اس کفرِ بواح کو خوب چمکایا، اور رُوئے رِیا سے پردۂ حیا اُٹھا کر، حقِ مبین و قولِ محققین ٹھہرایا۔ صاف لکھا کہ "عدمِ زمانی حقیقۃً عدم نہیں، جس نے کسی وقت میں خلعتِ وجود پایا، یا پائے گا، وہ نہ معدوم تھا، نہ معدوم ہو، بلکہ یہ فقط پردہ وحجاب ہیں، پہلے نہ تھا، یعنی پوشیدہ تھا، اور اب نہ رہا، یعنی چھپ گیا، ورنہ حقیقۃً وہ واقع و نفسُ الأمر میں وجود سے منفک نہیں"۔ إنّا لله وإنّا إليه راجعون! اس قولِ شنیع پر جو شناعاتِ شدیدہ لازم ہیں، حدِّ عدّ سے خارج ہیں، ولكن ما لا يُدرك كُلّه لا يترك كلّه.

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۰۱)

پہلی شناعت ۔ نصوصِ صریحہ قرآنیہ کا خلاف

فأقول وبالله التوفيق: اوّلاً نصوصِ صریحہ قرآنیہ کا خلاف۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے: ﴿اَوَلَا يَذۡكُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ يَكُ شَيۡـئًا﴾ [4] "کیا آدمی یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اُسے بنایا اس سے پہلے، اور وہ کچھ نہ تھا"۔ زید متفلسف کہتا ہے: "تھا کیوں نہیں؟ البتہ پوشیدہ تھا!"۔

---

(۱) پ۱، بقرۃ: ۳۲۔
(۲) پ۲۷، نجم: ۲۳۔
(۳) پ۱۶، مریم: ۸۲۔
(۴) پ۱۶، مریم: ۶۷۔

حق ﷻ فرماتا ہے: ﴿ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا لْاُوْلٰىۙ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰىۙ ﴾[1] "اللہ نے ہلاک کر دیا اگلی قوم عاد کو اور ثمود کو، سو ان میں کوئی باقی نہ رکھا"۔ زید متفلسِف کہتا ہے: "باقی کیسے نہیں؟" واقع و نفس الامر میں رُوحیں بدن سے متعلق ہیں، بل نگاہوں سے چھپ گئے۔

رب تعالیٰ و تقدس فرماتا ہے: ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍۚۖ وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِۚ ﴾[2] "جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، اور باقی رہے گا تیرے رب کا وجہِ کریم عظمت و تکریم والا"۔ زید متفلسِف کہتا ہے: "باقی تو سبھی رہیں گے، مگر اور پردہ میں، اور تُو ظاہر"۔

اسی طرح صدہا آیات واحادیث ہیں جن سے زنہار زید کو جواب ممکن نہیں، مگر یہ کہ جہاں جہاں قرآن و حدیث میں خلق و ایجاد و ابداع و تکوین واقع ہوئے ہیں، انہیں بمعنی ظہور، اور اِماتت و اہلاک و اِفناء و اِعدام کو بمعنی تغییب کہے، اور عدم و فنا و موت و ہلاک کو بمعنی غیبوبت کہے[3]۔ اور پُر ظاہر کہ یہ تاویل نہیں تبدیل ہے! کہ ہرگز لغت و عُرف کچھ اس کے مُساعِد نہیں، اَشقیائے فلاسفہ قرآن عظیم میں یونہی تحریفِ معنوی کرتے ہیں، جنّت کیا ہے؟ لذّتِ نفسانی۔ نار کیا ہے؟ اَلَم روحانی۔ ﴿ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـٕدَةِ ﴾[4] دیکھا، ﴿ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴾[5] "لمبے لمبے سُتونوں میں ان پر بند کر دی جائے گی" سے کام نہیں۔ عیاذاً باللہ!۔

وہ دن قریب آتا ہے کہ ﴿ یُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴾[6] "جس دن جہنم کی طرف دھکا دے کر دھکیلے جائیں گے"۔ جہنم میں دھکا دے کر پوچھا جائے گا: ﴿ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴾[7] "کیوں بھلا! یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھتا نہیں؟ اُس وقت اِن تاویلوں کا مزہ آئے گا ﴿ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴾[8] "تو راستہ دیکھو! میں بھی تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں"۔

اور ایک انہیں پر کیا ہے، دنیا بھر کے بدعتی نصوصِ شرع کے ساتھ یونہی کھیلتے ہیں، خود اصل بدعت و منشأ ضلالت اسی قسم کی تاویلیں ہیں، معتزلہ کہتے ہیں: ﴿ وَ الْوَزْنُ یَوْمَىٕذِ اِ۟لْحَقُّ ﴾[9] "تول اس دن حق ہے، یعنی جانچ ہوگی، میزان کچھ نہیں"۔ ﴿ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾[10] "کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے"، یعنی اس کی

---

(1) پ۲۷، النجم: ۵۰و۵۱۔

(2) پ۲۷، الرحمٰن: ۲۶، ۲۷۔

(3) سقط من نسختنا المخطوطة، ولا بدّ منه أو من نحوه. [محمد أحمد المصباحي].

(4) پ۳۰، ہمزہ: ۷۔

(5) پ۳۰، ہمزہ: ۹۔

(6) پ۲۷، طور: ۱۳۔

(7) پ۲۷، طور: ۱۵۔

(8) پ۸، اعراف: ۷۱۔ پ۱۱، یونس: ۲۰۔ پ۱۱، یونس: ۱۰۲۔

(9) پ۸، اعراف: ۸۔

(10) پ۲۹، قیامہ: ۲۲، ۲۳۔

رحمت کی اُمید رکھتے، رُؤیتِ الٰہی نہ ہوئے گی ...إلی غیر ذلك من الجهالات الكثيفة والضلالات الخسيفة!.
پھر کیا یہ تاویلیں اُن کے کام آئیں ؟! اور انہیں بدعتی ہونے سے بچالیا؟! تاہم وزن سے جانچ اور منہ دیکھے سے اُمیدواری مراد ہونا، اتنا بعید نہیں جس قدر بے لگاؤ تحریفیں اس مُتفلسِف کو کرنی پڑیں گی کما لا يخفى، والله الهادي!.
("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۰۲)

دوسری شناعت

ثانیاً: جب وِعائے دَہر میں باقی رہنا حقیقۃً وُجود ٹھہرا، اور اَعدامِ زمانیہ محض حجاب وخفا ٹھہرے، تولازم آیا کہ حضرت حق ﷻ کسی موجود کو معدوم نہ کر سکے، اور اس کی مخلوق پر اس کا قابو نہ رہے، کہ غایت درجہ انہیں غائب کر سکتا ہے، صفحۂ دہر سے مٹانا کیونکر ممکن؟ کہ اَن ہوئی کبھی نہ ہوگی، وهذا بيّنٌ جِدّاً، والعياذ بالله تعالى!".

تیسری شناعت

ثالثاً: جو مسلمان بشفاعتِ سیّد الشافعین ﷺ یا بمحض رحمتِ ارحم الراحمین -جلّت عظمتُه- جہنم سے نکل کر جنّت میں جائیں، اس مذہب پر لازم ہے کہ وہ واقع ونفسُ الاَمر میں جہنم میں ہوں، اور اس نکلنے کا صرف یہ حاصل کہ ان کا دوزخ میں ہونا مخفی ہے!!۔

یونہی ابلیس قبل انکارِ سجود جنّت میں تھا، قال تعالی: ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا﴾[1] "اتر جنّت سے! کہ تیرے لیے یہ نہ ہوگا کہ تُو اس میں غرور کرے!"۔ تولازم ہے کہ واقع ونفسُ الاَمر میں وہ جنّت میں ہے، اور یہ نکالنا فقط اس امر کا چھپا ڈالنا ہے!!۔

اگر کہیے: اُن مسلمانوں کو عذاب وعِقاب کی تکلیف نہ رہے گی، ہم کہیں گے: تمھارے طور پر بے شک رہے گی، نہایت یہ کہ چھپے چوری وأستغفر اللهَ العظيم! اسی طرح شیطان کا اِلتذاذ! غرض یہ کہ کسی قدر کوشش کیجیے، خفاء وظہور سے بڑھ کر کوئی بات نہ نکلے گی، اور کام واقع ونفس الامر سے ہے!!۔

چوتھی شناعت

رابعاً: لازم ہے کہ کافر[2] بحالتِ کفر داخلِ جنّت ہو، مثلاً زید کافر تھا، اب اسلام لایا، تو اس کے کفر پر صرف عدمِ زمانی طاری ہوا، جس کا محصل اِختفاء سے زیادہ نہیں، وجودِ حقیقی کی نفی نہیں کر سکتا، اور کفر طبیعت ناعتیّہ ہے، کہ اپنے قیام کو طالب موضوع، اور تبدّلِ موضوع باجماعِ عُقلاء ممنوع ہے؛ فإنّ القائمَ بهذا غيرُ القائم بذاك.
توبالضرور وہ کفر کہ واقع ونفسُ الاَمر میں موجود ہے، زید ہی کی ذات سے قائم ہے، اور قیامِ مَبدء صدقِ مشتق کو مستلزم ہے، توحقیقۃً وہ کافر بھی ہے، اور ہر کافر کہ مسلمان ہو جائے، بحکمِ شرع داخلِ جنّت ہوگا، توبالضرورۃ لازم کہ یہ کافر باوصفِ کفر

---

(۱) پ۸، اعراف: ۱۳۔

(۲) یونہی لازم کہ مسلمان باوصفِ اسلام مخلّد في النّار ہو کما في الارتداد، والعياذ بالله! والبيانُ البيانُ. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

Ataunnabi.com

داخل جنت ہو، نہایت کار یہ کہ وہ کفر اُس کا بوجہ عدمِ زمانی پوشیدہ ہے، اور اسلام آشکار۔ ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص ۲۰۳)

پانچویں شناعت

خامساً: جب سابق ولاحق اَعدامِ زمانیہ سب احتجاب وخفاء، تو لازم کہ عالَم ایجاد کا ذرّہ ذرّہ اَزلی اَبدی ہو، زید کل تک نہ تھا، یعنی پوشیدہ تھا، پرسوں نہ رہے گا، یعنی چُھپ جائے گا، وجودِ حقیقی دائم وسَرمدی۔ اس سے بڑھ کر کونسا کفر ہوگا؟!

اے مسکین! البتہ یہ شان ہمارے نزدیک علم باری -عزّ مجدُہ- کی ہے، کہ اَزلاً واَبداً تمام کوائن ماضیہ وآتیہ کو محیط ہے، اور زمانہ سے منزّہ ہے ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ "اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں"۔

عالَم جب تک نہ بنا تھا، ذرّہ ذرّہ اس کے علم میں تھا، اب کہ بنا، اب بھی بدستور ہے، جب فانیات پر وعدۂ الٰہیہ آئے گا، اس وقت بھی ہر چیز اس کے علم میں ہوگی۔ عالَم بدلتا ہے اور اُس عالِم کا علم نہیں بدلتا۔ شَے پر تین ۳ حال گزرے: (۱) عدم، (۲) حُدوث، (۳) فنا۔ وہ اسے ان تینوں حالوں پر تفصیلاً اَزل سے جانتا ہے، اور اَبد تک جانے گا، معلوم میں تغیّر آیا اور علم میں اصلاً تغیّر نہ ہوا۔ البتہ صرف ہماری زبان میں (کہ دائرۂ زمان سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی) اس علم سے تعبیریں متعدد ہوگئیں، یعنی يُوجَد، موجود، كان وُجِد.

غرض یہی ہے وہ نحوِ وجود جس میں تبدُّل کو راہ نہیں، اب چاہے اسے تم اپنی اصطلاح میں "وِعائے دَہر" کہو، یا "حاقِ واقع" یا کچھ اَور، مگر حاشا! کہ یہ اشیاء کا وجود حقیقی ذاتی نہیں، نہ اس میں حصول سے شَے کوئی نفسہ موجود کہیں، ورنہ وہی اِستحالے لازم آئیں۔ زمانیات کا وجود وعدم حقیقۃً یہی ہے، جسے زید ظہور وخفاء کہتا ہے، کافر مسلمان ہوا، قطعاً اس کا کفر نفسُ الامر میں منعدم ہوگیا؛ کہ وہ زنہار اب اس کی ذات سے قائم نہیں، اور اس کا کَون فی نفسہ نہیں مگر کَون فی الموضوع۔ مسلمان دوزخ سے نکلا، یقیناً وہ حالت معدوم ہوگئی؛ کہ یہ بھی عرض ہے، اور بعد زوال باطل ومرفوع، وعلى هذا القياس.

یا هذا! اگر صرف وجودِ علمی وجودِ واقعی ہو، تو ممتنعات کے سوا کوئی معدوم نہ رہے؛ کہ علم میں حجر نہیں، موجود ومعدوم سب سے متعلق ہوتا ہے، مع ہذا ہر عاقل جانتا ہے کہ علم عالِم میں وجودِ شَے سے شَے کو موجود نہیں کہہ سکتے، طوفانِ نوح مفقود ہے، اور ہمارے علم میں موجود ہے۔ قیامت ہنوز معدوم ہے، اور ہمارے ذہن کو معلوم ہے، ولن يقاسَ العلمُ بالواقع، فأين الحكايةُ من المحكي عنه!.

اے نادان! یہ دِقتیں جو تجھے پیش آئیں، اُس سَفاہت کا ثمرہ تھیں کہ اس وِعائے مخترع کا نفسُ الامر نام رکھ کر، اس میں بقاء واستمرار کو حقیقۃً وُجودِ اشیاء مانا، اور اَعدامِ سابقہ ولاحقہ زمانیہ کو محض احتجاب وخفاء جانا، ؏

فَلَيْتَ النَّمْلَ لَمْ تَطِر

اور اس پر طُرّہ یہ ہے کہ وِعائے دَہر کو ظرفِ حقیقی جُداگانہ ٹھہرایا، اور زمانیات کا وُجودِ دَہری وجودِ زمانی سے علیحدہ بتایا، یہاں تک کہ تمام اَجزائے زمان سے اِنعدام پر بھی بقاء باقی رکھی، اور اس تقریر پر منہجِ عقلی سے بھی جو استحالات قائم ہیں،

مشتغلانِ فلسفہ وکلام، ومعتادانِ جدال وخصام پر مخفی نہیں۔ مگر ہم ان میں اِطالت سے اِضاعتِ اوقات نہ کریں گے؛ کہ شانِ فتوی واجبُ الاعظام، نہ یہ چپقلش ہمارا کام! «ومِن حُسن إسلام المرءِ تركُه ما لا يعنيه»(۱).

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۰۶)

قولِ ہشتم ۸ کا جواب

قولِ ہشتم ۸ کی شناعت اقوالِ سبعہ سابقہ کے حکم سے خود ہی روشن ہوگئی، ع

قیاس کن ز گلستانِ اُو بہارش را

یہ کفریات تھے جن پر اس قدر ناز ہے! یہ گمراہیاں تھیں جن کا اِتناوقار واِعزاز ہے! اور ہر مسلمان پر واضح ہے کہ ایسی چیز کی مدح وستائش کس اعلی درجۂ خباثت پر ہوگی! وإنْ بَغَيْتَ التفصيل فأقول وعلى الله التعويل:

قولِ مذکور کی پہلی خرابی

اوّلاً: وہ اس کتاب کو "تدقیقِ فصیح وتحقیقِ صریح واکتناہِ حقائق" کہتا ہے، اور یہ الفاظ تصحیحِ مضامینِ کتاب میں نصِ صریح ہیں، اور معلوم کہ وہ [کتاب] مذاہبِ مکفرہ فلاسفہ سے مشحون ہے، اور علماء فرماتے ہیں: "جو مذاہبِ کفّار سے کسی مذہب کی تصحیح کرے، خود کافر ہے، اگرچہ مذہبِ اسلام کا معتقِد ومقِر، اور علی الاعلان اس کا مُظہِر ہو"۔

دوسری خرابی

ثانیاً: ابوبکر بن ابی الدنیا "کتاب ذم الغیبۃ"، اور ابو یعلی اپنی "مسند"، اور بیہقی "شعب الایمان" میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ، اور ابن عدی "کامل" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إذا مُدِحَ الفاسِقُ، غضبَ الرَّبُّ، واهتزّ لذلِك العرشُ»(۲) "جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے، رب غضب فرماتا ہے، اور اس کے سبب عرشِ خدا ہِل جاتا ہے"۔ علماء فرماتے ہیں: "وجہ اس کی یہ ہے کہ رب عزوجل نے اس سے بچنے، اور اسے دُور کرنے کا حکم فرمایا" أفاده المُناوي(۳).

خلاصہ یہ کہ وہ شرعاً مستحقِ اِہانت ہے، اور مدح میں تعظیم ہے، وهنالك فليتقطّع قلوبُ المتهوّرين! کہ جب فاسق کی مدح بوجہِ اشتمالِ مَعاصی اس درجہ سخت ٹھہری، تو وہ کتاب جو صریح کفریات کو متضمن ہو، اس کی مدح کس قدر غضبِ الہی کی سزاوار، اور عرشِ رحمن کو ہلانے والی ہوگی!! اوّل تو وہاں گناہ، یہاں کفر۔ دوسرے وہاں اتّصاف، یہاں تضمّن، یعنی گناہ فاسقوں کے جُزوِ بدن یا داخلِ رُوح نہیں ہوتے، اور یہ کفریات تو اس کتاب کے اَجزاء، اور اس کے مضمون ومفہوم وقراءت وکتابت سب میں داخل ہیں، ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا بالله العلي العظيم!. ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۰۷)

(۱) "سنن الترمذي" أبواب الزهد، باب ما جاء من تكلّم بالكلمة يضحك النّاس، ۲/ ۵۵. "سنن ابن ماجه" أبواب الفتن، باب كف اللسان في الفتنه، صـ۲۹۵. "مسند الإمام أحمد" عن حسين رضي الله عنه، ۱/ ۲۰۱.

(۲) "شعب الإيمان" ر: ۴۸۸۶، ۴/ ۲۳۰. "الكامل" لابن عدي، ترجمة سابق بن عبد الله الرقي، ۳/ ۱۳۰۷.

(۳) أي: في "التيسير شرح الجامع الصغير" تحت الحديث: «إذا مُدِحَ الفاسِقُ» ...إلخ، ۱/ ۱۲۹.

تیسری خرابی: اِستحلالِ کبیرہ کفر ہے

ثالثًا: ہم پوچھتے ہیں: زید اِن کفریات کو کفر جانتا ہے یا نہیں؟ اگر کہے: نہ، تو خود اپنے (۱) کا مقِر۔ اور کہے: ہاں، تو اس تالیف وتحریر، اور اس کی طبع وتشہیر کو بَرَوَجہِ اِشتمال کفریات واِشاعتِ ضلالات، لااقل حرامِ قطعی مانتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کہے: نہ، تو وہ ایسے اشدُّ الکبائر کا مستحِلّ ہوا، اور اِستحلالِ کبیرہ کفر ہے۔ اور کہے: ہاں، تو اس نے ایسے حرام شدید التحریم کی مدح وتکریم کی۔ اب اس پردہ مسائلِ فقہ وارد ہوں گے کہ حرامِ قطعی کی تعریف وتحسین کفر مبین ہے، والعیاذ باللہ ربّ العالمین!.

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۰۸)

چوتھی خرابی

رابعًا: اِطراء واِغراق کا طوفانِ مُغرق فورانِ مُوبِق تماشے کے لائق، کہ یہ کتاب فرشتہ اثر بلکہ فرشتہ گر ہے۔ سبحان اللہ! کفریات وضلالات وبطالات کا مجموعہ، اور یہ بڑا دعوی کہ آدمی کو فرشتہ (۲) بنا دیتی ہے! علماء فرماتے ہیں: "ملائکہ سے تشبیہ دیانۃ چاہیے، اور اس پر اِصرار مُورِثِ اِکفار ہے"، والعیاذ باللہ تعالی!.

سبحان اللہ! پھر ایسے مجموعہ چنیں وچناں کو فرشتہ اثر کہنا، کس درجہ سخت ہوگا!! محلِ غور ہے کہ فرشتہ بنا ایسی ہی خطرناک بات تھی، جب تو "بابِ مکفِّرات" سے اسے مناسبت، اور علماء کو اِظہارِ حکم کی حاجت ہوئی، وہ بھی ایسے الفاظ سے جو غالبًا مُشعِرِ ضعف یا اختلاف۔ تو فرشتہ گر بنا کس قدر اشدّ واعظم ہوگا!! نسأل اللہ العافیةَ، وتمامَ العافیة، ودوامَ العافیة، والشّکرَ علی العافیة، وحسنَ العاقبة، وکمالَ الإیمان، واللهُ المستعان علیه التّکلان!.

خاتمہ - رزقنا اللہ حُسنَها - چند تنبیہاتِ زاکیات میں

تنبیہ اوّل: اے عزیز! آدمی کو اس کی أنانیت نے ہلاک کیا، گناہ کرتا ہے، اور جب اس سے کہا جائے: توبہ کر، تو اپنی کسرِ شان سمجھتا ہے، عقل رکھتا تو اِصرار میں زیادہ ذلّت وخواری جانتا!۔

یا ہذا! ہرگز منصبِ علم کے مُنافی نہیں کہ حق کی طرف رجوع کیجیے! بلکہ یہ عین مقتضائے علم ہے، اور سخن پروری ہر جہل سے بدتر جہل ہے، وہ بھی کاہے میں؟ کفریات میں، والعیاذ باللہ!.

یا ہذا! صغیرہ پر اِصرار اسے کبیرہ کر دیتا ہے، کفریات پر اِصرار کس قعرِ نار میں پہنچائے گا!۔

یا ہذا! تیرا رب ایک شخص کی مذمت کرتا ہے: ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (۳) یعنی "جب اس سے کہا جائے: خدا سے ڈر! تو اُسے غرور کے مارے گناہ کی ضد چڑھتی ہے، سو کافی ہے اسے جہنم، اور بے شک کیا بُرا ٹھکانا ہے!"۔ للہ! اپنی جان پر رحم کر! اور اس شخص کا شریکِ حال نہ ہو!۔

(۱) کما مرّ آنفاً من "الشفاء". منه [أي: من الإمام أحمد رضا]

(۲) یا رب! اگر وہ قول مرجوح ومجبور اختیار کیا گیا ہوگا، کہ ابلیس بھی ایک صنف مَلکی سے تھا، اس بنا پر "شیطان گر" کی جگہ "فرشتہ گر" کا اِطلاق کیا، یا منطق جدید تو ہے ہی، نئی بولی میں شاید شیطان کو فرشتہ کہتے ہوں گے۔ [سلطان احمد عفاعنہ وسلمہ ربہ]

(۳) پ۲، البقرۃ: ۲۰۶۔

یا ھذا! تیرا مالک ایک قوم پر رَد فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ [1] "جب اُن سے کہا جائے: آؤ تمھارے لیے بخشش چاہے خدا کا رسول، تو اپنے سَر پھیر لیتے ہیں، اور تو انہیں دیکھے کہ باز رہتے ہیں تکبُّر کرتے ہوئے"۔ ہاں میں بھی تجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف بلاتا ہوں، خدا کو مان، اور منہ نہ پھیر!"۔

یا ھذا! تُو سمجھتا ہے، اگر میں تسلیم کرلوں گا تو لوگوں کی نگاہ میں میری قدر گھٹ جائے گی، اور میرے علم فلسفی میں بٹا لگے۔ حالانکہ یہ محض وسوسۂ شیطان ہے۔ لاحول پڑھ، اور خدا کی طرف جھک! کہ اس سے اللہ تعالی کے یہاں تیری عزّت ہوگی، اور خَلق میں بے قدری بھی غلط ہے، بلکہ تجھے منصِف و حق پسند جانیں گے! اور نہ مانے گا تو متکبر و شرّیر ولوند!۔

یا ھذا! کیا یہ ڈرتا ہے کہ مان جاؤں گا تو اِس مجیب کا علم مجھ سے زیادہ ٹھہرے گا؟ حاش للہ! واللہ کہ اگر کوئی بندۂ خدا میرے ذریعہ سے ہدایت پائے، تو اس میں میری آنکھ کی ٹھنڈک اُس سے ہزار درجہ زائد ہے کہ میرا علم کسی سے زیادہ ٹھہرے!۔ ہاں ہاں! اگر تو اعلانِ توبہ کرے تو میں اپنے جہل اور تیرے فضل کا نوشتہ لکھ دُوں!۔

یا ھذا! اِک ذرا تعصب سے الگ اور تنہائی میں بیٹھ کر سوچ! کہ کفریات پر اِصرار کی شامت تیرے حق میں بہتر ہے؟ یا بعدِ رجوع و توبہ بعض جُہّال کی تحقیر و ملامت؟

هيهات هيهات! اللہ کا عذاب بہت سخت ہے وإنّه لآتٍ! میں تیرے بھلے کی کہتا ہوں! عار پر نار کو اختیار نہ کرنا! الٰہی! میرے بیان میں اثر بخش! اور اپنے اس بندہ کو ہدایت دے! اور ہمارے قلوب دینِ حق پر قائم رکھ! یا ماجد! لا تزل عنّي نعمةً أنعمتَها عليَّ، بجاهِ مَن أرسلتَه رحمةً للعالمين، وأقمتَه شفيعاً للمُذنبين المتلوّثين الخطّائين الهالكين، صلّى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه أجمعين، آمين!۔

تنبیہ دُوم ۲: مُبادا اگر رگِ تعصب جوش میں آئے (اور خدا ایسا نہ کرے!) تو اِس قدر یاد رہے! کہ عقائدِ اسلام وسنّت کے مقابل ہم پر فُلاں ہندی و بہمانِ سِندی کسی کا قول سند نہیں! نہ اَحکامِ شرعیہ شخص دُون شخص سے خاص العِزّةُ لله! شرع سب پر حجّت ہے، وہ کون ہے جو شرع پر حجّت ہو سکے؟! اس قسم کی حرکت جس سے صادر ہو گئی، وہ بقدر اپنے سیئہ کے حکم کا مستحق ہوگا، کیسے باشد كائناً مَن كان!۔

اِلّا وآں سے ہمیں مُوافقت اُسی وقت تک ہے، جب تک وہ دینِ حق سے جُدا نہیں! اور اس کے بعد عياذاً بالله ع:

سایہ اش دور باد از ماؤ دور

جس کا قول ہم اسلام و سنّت کے مُوافق پائیں گے تسلیم کریں گے، نہ اس لیے کہ اُس کا قول ہے، بلکہ اس لیے کہ صراطِ مستقیم سے مطابق ہے۔ اور جس کی بات خلاف پائیں گے، زید ہو یا عمرو، خالد ہو یا بکر، دیوار سے مار کر رسول اللہ ﷺ کی رکاب سے لپٹ جائیں گے۔ اللہ اُن کا دامن ہم سے نہ چھڑائے، دنیا میں نہ عقبی میں، آمین الٰہی آمین!۔

(۱) پ۲۸، منافقون:۵۔

محمد عربی کہ آبروئے ہر دوسراست — کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

عجیبہ سوم ۳ واجبُ الملاحظة نافعُ الطَّلَبة: اِن اَعصار واَمصار کے طلبۂ علم چشمِ عبرت کھولیں، اور تُوتَل فلسفہ کی آفتِ جان گزا غور سے دیکھیں! زید کہ جس کے اقوال سے سوال ہے، آخر اس حال کو کاہے کی بدولت پہنچا؟ اور فلسفہ کی دبی آگ نے بے خبری میں بتدریج سُلگ کر دفعۃً بھڑکی، تو کہاں تک پھونکا؟

اے عزیز! شیطان اوّل دھوکا دیتا ہے کہ مقصود بالذّات تو علمِ دین ہے، اور علومِ عقلیہ وسیلہ و آلہ ہیں، پھر ان میں اشتغال کس لیے بے جا؟ ھَیھات! اگر یہ امر اپنے اِطلاق پر مسلّم بھی ہو، تو اب اپنے حالات پر غور کرو، کہ آلہ و مقصود کی شان ہوتی ہے؟ شب و روز آلہ میں غرق ہو گئے! مقصود کا نام تک زبان پر نہ آیا! اچھا توسّل ہے! اور اچھا قصد ہے! ع

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت — کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

عزیزو! اگر علم آخرت کے لیے سیکھتے ہو، تو واللہ کہ فلسفہ آخرت میں مضر ہے! اور دنیا کے لیے ہو، تو یہاں وہ بھی بے ثمر ہے، اس سے تو بہتر کہ مڈل پاس کرو؛ کہ دس ۱۰ روپیہ کی نوکری پا سکو!۔

عزیزو! للہ انصاف! مصطفیٰ ﷺ کی حدیث میں علم کو ترکۂ انبیاء اور علماء کو اُن کا وارث قرار دیا۔ ذرا دیکھو تو وہ علم یہی ہے جس میں تم سراپا منہمک ہو، یا وہ جسے تم بالکل بے پرواہی واستغناء تارک ہو؟ بھلا ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو! کہ مصطفیٰ ﷺ کا وارث بننا اچھا؟ یا ابنِ سینا و فارابی کا فُضلہ خوار؟ ع

ببین تفاوتِ رَہ از کجاست تا بہ کجا

عزیزو! شیطان اس قوم کے کان میں پھونک دیتا ہے، کہ عمر صرف کرنے کے قابل یہی علومِ فلسفیہ ہیں، کہ ان کے مدارک عمیق اور مسالک دقیق ہیں، جب یہ آگئے تو علومِ دینیہ کیا ہیں؟! ادنیٰ توجہ میں پانی ہو جائیں گے!۔ حالانکہ واللہ محض غلط!۔ تمھیں ان علومِ ربّانیہ کا مزہ ہی نہیں پڑا! ورنہ جانتے کہ علم یہی ہیں! اور جو غموض و دِقت و لُطف و نزاکت ان میں ہے، ان کا ہزارواں حصہ وہاں نہیں! مگر کیا کیجیے کہ ع

النَّاسُ أعْدَاء لِمَا جَهِلُوا

اچھا نہ سہی، مگر کیا نفیس تدقیق، عمدہ تحقیق ہے کہ ہزاراں برس گزرے، آج تک کوئی بات منقّح نہ ہوئی، لوگ کہتے ہیں: تلاطُمِ آراء سے علم نضج پاتے ہیں، وہاں اس کے خلاف ہے ع

شد پریشاں، خواب شاں از کثرتِ تعبیرہا

سلَف خلَف میں جسے دیکھیے، کیا چمک چمک کر تقریریں کرتا ہے! گویا حقِ ناصح اس کی بغل سے نکل کر کہیں گیا ہی نہیں! جب دوسرا آیا، اس نے نئی ہانک سنائی! اگلے کی عقل اوندھی بتائی! یونہی یہ سلسلۂ بے تمیزی - لا یَقِفُ عِندَ حَدٍّ قبل یوم القیامۃ - چلا جاتا ہے اور چلا جائے گا، کچھ محقّق ہو سکا نہ ہرگز ہو! ع

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت   رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت

کیسے ابحاث اس ''سماء'' کا ''عالم'' کیا حاصل ہوا؟ اور کون سا نتیجہ دامن میں آیا؟ دمِ مرگ جب دیکھیے تو ہاتھ خالی! ؎

جہل تھا جو کچھ کہ سیکھا، جو پڑھا افسانہ تھا

ایک فلسفی نزع میں ہاتھ ملتا اور کہتا تھا: عمر کھوئی کچھ تحقیق نہ ہو پایا، سوا اس کے کہ ہر ممکن محتاج ہے، اور دنیا سے چلا، اور کچھ نہ ملا!۔

اور دوسرا امر یعنی ''علوم دینیہ اس کے ذریعے سے خود آجاتا'' ایسا باطل فضیح ہے، جس کی واقعیت تمہارے کہیں نہ ملے گی، حاش للہ! کام پڑے دام کھلتے ہیں، دو دس ۱۰ مسائل دینی پوچھے جائیں، اور کوئی فلسفی صاحب اپنے زور سے ٹھیک جواب دے دیں تو جانیں! یوں تو زبان کے آگے بارہ ۱۲ قل چلتے ہیں! ؎

کس نگوید کہ دوغ من ترش است

مع ہذا یہ درس [نظامی] کہ ان بلاد میں رائج، احمق اسے منتہائے علم کہتے ہیں، حاشا! کہ وہ ابتدائی علم بھی نہیں، اس سے استعداد آنا منظور ہے، نہ علم، ہیہات ہیہات! ہنوز دلی دور است ؎

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

طالب علم بے چارہ ''شفا''(۱)، ''اشارات''(۲) سب لپیٹ گیا، اور یہ بھی نہ جانا کہ ''اصولِ دین'' کو کیونکر سمجھوں! اور خدا و رسول کی جناب میں کیا اعتقاد رکھوں! اگر کچھ معلوم ہے تو ٹوٹی سنائی تقلیدی، پھر حلال و حرام کا تو دوسرا درجہ ہے!۔

افسوس! اوضاعِ درس نے کتبِ دینیہ گنتی کی رکھیں، کہ طلبہ خوض و غور کے عادی ہو جائیں، اور انتہا کہ ابھی عقل پختہ نہیں، لہذا ایسی چیز میں مشق ہو جس کی الٹ پلٹ نقصان نہ دے، مگر وہ ہو رہی الٹی: کہ انہیں لِمَ ولا نُسلّم کی آفت چڑھ گئی، اور جو کچھ تعلیمی ہے (کہ مدارِ ایمان ہے) قیامت گزر گئی!۔

مع ہذا احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، بیہقی، عبد بن حمید، بغوی باسانید صحیحہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، سیدِ عالم ﷺ فرماتے ہیں: «إنّ العبدَ إذا أخطأ خطيئةً نكتتْ في قلبِه نكتة سوداء، فإن هو نزعَ واستغفر وتاب صقلَ قلبه، وإن عادَ زِيدَ فيها، حتى تعلوَ على قلبه، وهو الرّان الذي ذكرَ الله تعالى: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾»(۳) ''جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبا پڑ جاتا ہے، پس اگر وہ اس سے جدا ہو گیا اور توبہ استغفار کی، تو اس کے دل پر صیقل ہو جاتی ہے، اور اگر دوبارہ کیا تو سیاہی بڑھتی ہے، یہاں تک کہ

(۱) ابن سینا کی ہے۔

(۲) یہ بھی ابن سینا کی ہے۔

(۳) "كنز العمّال" ر: ۱۰۱۸۹، ۲/ ۲۱۰. "سنن الترمذي" أبواب التفسير، سورة ويل للمطففين، ۲/ ۱۶۸ "موارد الظمآن" كتاب التفسير، سورة ويل للمطففين، ر: ۱۷۷۰، صـ ۴۳۹. "موارد الظمآن" كتاب التوبة، باب ما جاء في الذنوب، ر: ۲۴۴۸، صـ ۶۰۷.

جب کہ دل پر چڑھ جاتی ہے، اور یہی ہے وہ زنگ جس کا اللہ تعالی نے ذکر فرمایا، کہ یونہی بلکہ زنگ چڑھا دی ہے ان کے دلوں پر ان کے گناہوں نے کہ وہ کرتے تھے"۔

دیکھو! ایسا نہ ہو کہ یہ فلسفۂ مزخرفہ تمہارے دلوں پر زنگ جما دے! کہ پھر علوم صادقہ ربانیہ کی گنجائش نہ رہے گی! کہیں یہ ہو کہ اس کے آنے سے وہ خود آجائیں گے، حاشا! جب یہ دل میں پیر گیا، وہ ہرگز ادھر تک نہ ڈالیں گے! کہ وہ محض نور ہیں، اور نور نہیں چمکتا مگر صاف آئینہ میں!۔

عزیزو! اسی زنگ کا ثمرہ ہے کہ منہمکانِ تفلسف علومِ دینیہ کو حقیر جانتے ہیں، اور علمائے دین سے استہزاء کرتے ہیں، بلکہ انہیں جاہل اور لقبِ علم اپنے ہی لیے خاص سمجھتے ہیں۔ اگر آئینۂ دل روشن ہوتا، تو جانتے کہ وہ مصطفی ﷺ کے وارث و نائب ہیں! وہ کیسی نفیس دولت کے حامل و صاحب ہیں! جس کے لیے خدا نے کتابیں اتاریں! انبیاء نے تفہیم میں عمریں گزاریں! وہ اسلام کے رکن ہیں! وہ جنت کے عماد ہیں! وہ خدا کے محبوب ہیں! وہ جانِ رشاد ہیں! رہا ان کے ساتھ استہزاء، اس کا مزہ آج نہ کل تو کل قریب ہے! ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾[1].

عزیزو! نفس خودی پسند آزادانہ "أقول" کا مزہ پاکر پھول گیا، اور قال رسول اللہ ﷺ میں جو دل کا سرور اور آنکھوں کا نور ہے، اسے بھول گیا۔ هیهات! کہاں وہ فن جس میں کہا جائے: "میں کہتا ہوں" یا نقل بھی ہو تو "ابنِ سینا نے کہا"! اور کہاں وہ فن جس میں کہا جائے: "خدا فرماتا ہے"، "مصطفی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں"!۔ جتنا "میں" اور "مصطفی" میں فرق ہے، اتنا ہی اس "اقول و قال" اور دونوں علموں میں ہے۔ کیا خوب فرمایا عالم قریش سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے:

كُلّ العلوم سِوى القرآنِ مشغلةٌ — إلّا الحديثُ وإلّا الفقهُ في الدِّين

العلمُ ما كان فيه قال حدّثنا — وما سِوى ذاك وِسواسُ الشّياطين[2]

آنچہ قال اللہ ودِ نے قال الرسول — فضلہ باشد، فضلہ می خواں اے فضول

عزیزو! خدارا غور کرو! قبر میں حشر میں تم سے یہ سوال ہوگا، کہ عقائد کیا تھے؟ اور اعمال کیسے؟ یا یہ کہ وہ کلی طبعی خارج میں موجود ہے یا معدوم؟ اور زمانہ غیر قار و حرکت بمعنی القطع كائن في الأعيان ہیں؟ یا آنِ سیال و حرکت بمعنی التوسط سے موہوم؟۔

عزیزو! میں نہیں کہتا کہ منطقِ اسلامیاں: ریاضی، ہندسہ وغیرہا اجزائے جائزہ فلسفہ نہ پڑھو۔ پڑھو مگر بقدر ضرورت! ان میں انہماک ہرگز نہ کرو! بلکہ اصل کار علومِ دینیہ سے رکھو! راہ یہ ہے اور آئندہ کسی پر جبر نہیں! ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾

---

(1) پ۱۹، الشعراء: ۲۲۷۔
(2) "أبجد العلوم المقدّمة" في بيان أسماء العلوم ...إلخ، ۲/ ۸.

إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾[1]۔ ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴾[2]۔

("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۲۵)

زمین وآسمان کے ساکن ہونے کے بارے میں حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی آیاتِ قرآنیہ کا نزول
شریعت اسلامیہ کے نزدیک زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں

اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں، کواکب چل رہے ہیں ﴿ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴾[3] "ہر ایک فلک میں تیرتا ہے"، جیسے پانی میں مچھلی، اللہ تعالی کا ارشاد آپ کے پیشِ نظر ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴾[4] "بے شک اللہ آسمان وزمین کو روکے ہوئے ہے؛ کہ سرکنے نہ پائیں، اور اگر وہ سرکیں تو اللہ کے سوا انہیں کون روکے؟ بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے"۔

اجمال یہ ہے کہ أفقہُ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعہ، سیدُنا عبد اللہ ابن مسعود، وصاحب سِر رسولِ اللہ ﷺ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالی عنہ نے اس آیۂ کریمہ سے مطلق حرکت کی نفی مانی، یہاں تک کہ اپنی جگہ قائم رہ کر محور پر گھومنے کو بھی زوال بتایا۔ حضرت امام ابو مالک تابعی ثقہ جلیل تلمیذ حضرت عبد اللہ بن عباس نے زوال کو مطلق حرکت سے تفسیر کیا۔ ان حضرات سے زائد عربی زبان ومَعانیٔ قرآن سمجھنے والا کون ہے؟

قرآن کریم کی تفسیر بالرائے اشد کبیرہ ہے

قرآن عظیم کے وہی معنی لینے ہیں، جو صحابہ وتابعین ومفسّرین معتمَدین نے لیے، ان سب کے خلاف وہ معنی لینا جن کا پتا نصرانی سائنس میں ملے، مسلمان کو کیسے حلال ہو سکتا ہے؟! قرآن کریم کی تفسیر بالرائے اشدّ کبیرہ ہے، جس پر حکم ہے: «فليتبوأ مقعدَه من النّار»[5] "وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی توصیف بزبانِ مصطفی ﷺ

یہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہوگا؛ کہ قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے بھی نہیں، بلکہ رائے نصاری کے مُوافق (والعیاذ باللہ)، یہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالی عنہ وہ صحابیٔ جلیل القدر ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اَسرار سکھائے، ان کا لقب ہی صاحب سرِّ رسول اللہ ﷺ ہے، امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ ان سے اَسرارِ حضور کی باتیں پوچھتے۔

اور عبد اللہ تو عبد اللہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا، کہ یہ جو فرمائیں اسے مضبوط تھامو! «تمسّكوا بعهد

---

(۱) پ۲، بقرۃ:۲۳۔
(۲) پ۳، آل عمران:۸۔
(۳) پ۱۷، انبیاء:۳۳۔
(۴) پ۲۲، فاطر:۴۱۔
(۵) "سنن الترمذي" أبواب التفسير، باب ما جاء في الذي يفسّر القرآن برأيه، ۲/ ۱۱۹۔

ابن مسعود"[1] اور ایک حدیث میں ارشاد ہے: "رضيتُ لأمّتي ما رضيَ لها ابنُ أمّ عبد، وكرهتُ لأمّتي ما كره لها ابنُ أمّ عبد"[2] "میں نے اپنی اُمّت کے لیے پسند فرمایا، جو اِس کے لیے عبد اللہ بن مسعود پسند کریں! اور میں نے اپنی اُمّت کے لیے ناپسند رکھا، جو اس کے لیے ابن مسعود ناپسند رکھیں!"۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ قرآنِ پاک چار ۴ شخصوں سے پڑھو

اور خود ان کے علم قرآن کو اس درجہ ترجیح بخشی، کہ ارشاد فرمایا: "استقرأوا القرآنَ من أربعة: من عبد الله ابن مسعود"[3] ...الحدیث. "قرآن چار ۴ شخصوں سے پڑھو...!" سب میں پہلے عبد اللہ بن مسعود کا نام لیا۔ یہ حدیث "صحیح بخاری" و "صحیح مسلم" میں بروایت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت اقدس ﷺ سے ہے۔

عبد اللہ بن مسعود اور حذیفہ بن یمان جو بات تم سے بیان کریں، اس کی تصدیق کرو

اور عجائب نعمائے الٰہیہ سے یہ کہ آیۂ کریمہ: ﴿أَنْ تَزُولَا﴾ کی یہ تفسیر، اور یہ کہ محوَر پر حرکت بھی موجبِ زوال ہے، نہ جائے حرکت علی المدار۔ ہم نے دو ۲ صحابیِ جلیل القدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی، دونوں کی نسبت حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "یہ جو بات تم سے بیان کریں اس کی تصدیق کرو"۔

دونوں حدیثیں "جامع ترمذی" شریف کی ہیں، اوّل: "ماحدّثكم ابنُ مسعودٍ فصدِّقوه"[4] "جو بات تم سے ابن مسعود بیان کریں، اس کی تصدیق کرو"۔ دوم ۲: "ماحدّثكم حذيفة فصدِّقوه"[5] "جو بات تم سے حذیفہ بیان کریں، اس کی تصدیق کرو"۔ اب یہ تفسیر ان دونوں حضرات کی نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، کہ اسے مانو، اس کی تصدیق کرو! فالحمد لله تعالى ربّ العالمين!.

ہمارے معنی کی تو یہ عظمتِ شان ہے، کہ مفسّرین سے ثابت، تابعین سے ثابت، اجلّہ صحابۂ کرام سے ثابت، خود حضور سید الانام -علیہ أفضل الصلاۃ والسّلام- سے اُن کی تصدیق کا حکم ہے۔

جو مسئلہ تمام مسلمانوں میں مشہور و مقبول ہے، مسلمان اسی پر اعتقاد لائے

مُتنی مخلصی! اللہ عزّ و جلّ نے آپ کو پکا مستقل سُنّی کیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ اب سے پہلے رافضی جو مرتد نہ تھے، کاہے سے رافضی ہوئے، کیا اللہ، یا قرآن، یا رسول، یا قیامت وغیرہا ضروریاتِ دین سے کسی کے منکر تھے؟ ہرگز نہیں، انہیں اسی

---

(۱) "سنن الترمذي" باب المناقب، مناقب عبد الله بن مسعود، ۲/ ۲۲۱. "حلية الأولياء" ذكر عبد الله بن مسعود، ۱/ ۱۲۸.

(۲) "مجمع الزوائد" كتاب المناقب، مناقب عبد الله بن مسعود، ۹/ ۲۹۰.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، مناقب عبد الله بن مسعود، ۱/ ۵۳۱. "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، فضائل عبد الله بن مسعود، ۲/ ۲۹۳.

(٤) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، مناقب عمّار بن ياسر، ۲/ ۲۲۱. "مسند الإمام أحمد" حديث حذيفة بن اليمان، ۵/ ۳۸۵، و۴۰۲.

(۵) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، مناقب حذيفة ابن اليمان، ۲/ ۲۲۲.

نے رافضی کیا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت نہ کی۔

محبا! دل کو صحابہ کی عظمت سے مملو کر لینا فرض ہے، انہوں نے قرآن کریم صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا، حضور سے اس کے معانی سیکھے، اُن کے ارشاد کے آگے اپنی فہم ناقص کی وہ نسبت سمجھنی بھی ظلم ہے، جو ایک علامہ متبحر کے حضور کسی جاہل گنوار بے تمیز کو ہے۔

محبا! صحابہ اور خصوصاً حذیفہ وعبد اللہ ابن مسعود جیسے صحابہ کی یہ کیا عظمت ہوئی، اگر ہم خیال کریں کہ جو معنی قرآن عظیم سے انہوں نے سمجھے غلط ہیں، ہم جو سمجھے وہ صحیح ہیں! میں آپ کو اللہ عزّوجلّ کی پناہ میں دیتا ہوں! اس سے کہ آپ کے دل میں ایسا خطرہ بھی گزرے ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾[1] میں امیدِ واثق رکھتا ہوں، کہ اسی قدر اِجمالِ جمیل آپ کے انصافِ جزیل کو بس ہے! اب قدرے تفصیل بھی عرض کروں:

زوال کے معنٰی

(۱) زوال کے اصلی معنٰی سرکنا، ہٹنا، جانا، حرکت کرنا، بدلنا ہیں۔ "قاموس المحیط" میں ہے: "الزوال الذهاب والاستحالة"[2] اسی میں ہے: "كلّ ما تحوّل (أو تغيّر من الاستواء أعوج) فقد حال واستحال"[3]. ایک نسخہ میں ہے: "كلّ ما تحرّك أو تغيّر"[4]، یونہی "عُباب" میں ہے: "تحوّل أو تحرّك"[5]. "تاج العروس" میں ہے:
"أزال الله تعالى زواله، أي: أذهب الله حركته. وزال زواله، أي: ذهبت حركته"[6].

"نہایہ ابن اثیر" میں ہے: "في حديث جندب الجهني: والله لقد خالَطه سهمي، ولو كان زائلة لتحرّك" الزائلة كلّ شيء من الحيوان يزول عن مكانه ولا يستقرّ، وكان هذا المرمى قد سكن نفسه لا يتحرّك لئلا يحسّ به فيجهز عليه"[7].

قرآن عظیم نے آسمان وزمین کے متحرک ہونے کی نفی فرمائی

(الف) دیکھو! زوال بمعنی حرکت ہے، اور قرآن عظیم نے آسمان وزمین سے اس کی نفی فرمائی، تو حرکتِ زمین وحرکتِ آسمان دونوں باطل ہوئیں۔

(ب) "زوال" جانا اور بدلنا ہے، حرکت محوَری میں بدلنا ہے اور مدار پر حرکت میں جانا بھی، تو دونوں کی نفی ہوئی۔

---

(۱) پ۲۱، الاحزاب: ۴۰۔

(۲) "القاموس المحيط" فصل الزاء، باب اللام، تحت لفظ: الزوال، ۳/ ۴۰۲.

(۳) "القاموس المحيط" فصل الحاء، من باب اللام، تحت لفظ: الحول، ۳/ ۳۷۴.

(٤) "تاج العروس" فصل الحاء، من باب اللام، تحت لفظ: الحول، ۷/ ۲۹٤.

(٥) "تاج العروس" بحوالة العباب، فصل الحاء، من باب اللام، تحت لفظ: الحول، ۷/ ۲۹٤.

(٦) "تاج العروس" فصل الزاء من باب اللام، ۷/ ۳٦۲.

(۷) "النهاية في غريب الحديث والأثر" باب الزاء، مع الواو، تحت لفظ: زوال، ۲/ ۳۱۹.

(ج) نیز "نہایہ" و"در منثور" امام جلال الدّین سیوطی میں ہے: "الزوالُ الانزعاج بحيث لا يستقر على المكان، وهو الزوال بمعنى واحد"[1]. "قاموس" میں ہے: "زعجه وأقلقه وقلعه من مكانه كأزعجه فانزعج"[2]. "لسان" میں ہے: "الإزعاج نقيض القرار"[3]. "تاج" میں ہے: "قلق الشيء قلقاً وهو أن لا يستقر في مكان واحد"[4]. "مفردات امام راغب" میں ہے: "قرّ في مكانه يقر قراراً: ثبت ثبوتاً جامداً، وأصله من القرّ وهو البرد. وهو يقتضي السكون والحر يقتضي الحركة"[5]. "قاموس" میں ہے: "قرّ بالمكان، ثبت وسكن كاستقر"[6].

(۲) کریمہ: ﴿وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾[7] ان کا مکر اتنا نہیں جس سے پہاڑ جگہ سے ٹل جائیں، یا اگرچہ ان کا مکر ایسا بڑا ہو کہ جس سے پہاڑ ٹل جائیں۔ یہ قطعاً ہماری ہی مؤید اور ہر گونہ حرکتِ جبال کی نفی ہے۔

(۳) اوپر گزرا کہ زوال مقابلِ قرار وثبات ہے، اور قرار وثباتِ حقیقی سکونِ مطلق ہے، دربارۂ قرار عبارت امام راغب گزری، اور "قاموس" میں ہے: "المثبت كمكرم من لا إحراك به من المرض، وبكسر الباء الذي ثقل فلم يبرح الفراش وداء ثبات بالضم معجز عن الحركة"[8].

مگر توسّعاً قرار وثبات ایک حالت پر بقاء کو کہتے ہیں، اگرچہ اس میں سکون مطلق نہ ہو، تو اس کا مقابل زوال اسی حالت سے انفصال ہوگا۔ یونہی مقرّ و مستقر و مکان ہر جسم کے لیے حقیقۃً وہ سطح یا بُعد مجرد یا موہوم ہے، جو جمیع جوانب سے اس جسم کو حاوی، اور اس سے ملاصق ہے۔ یعنی علمائے اسلام کے نزدیک وہ فضائے متصل جسے یہ جسم بھرے ہوئے ہے، ظاہر ہے کہ وہ ہلنے سرکنے سے بدل گئی، لہٰذا اس حرکت کو حرکت اینیّہ کہتے ہیں، یعنی جس سے دَمبدم اَیْن کہ مکان وجائے کا نام ہے بدلتا ہے، یہی جسم کا مکان خاص ہے، اور اسی میں قرار وثباتِ حقیقی ہے، اس کے لیے یہ بھی ضرور کہ وضع بھی نہ بدلے، کرہ کہ اپنی جگہ قائم رہ کر اپنے محوَر پر گھومے، مکان نہیں بدلتا، مگر اُسے قار وثابت وساکن نہ کہیں گے، بلکہ زائل وحائل ومتحرک۔ پھر اسے توسّع کے طور پر بیت، بلکہ دار، بلکہ محلے، بلکہ شہر، بلکہ کثیر ملکوں کے حاوی حصۂ زمین مثل ایشیاء، بلکہ ساری زمین، بلکہ تمام دنیا کو

---

(۱) "النهاية في غريب الحديث والأثر" باب الزاء، مع الواو، تحت لفظ: زوال، ۲/ ۳۲۰.

(۲) "القاموس المحيط" فصل الراء والزاء، باب الجيم، تحت لفظ: زعج، ۱/ ۱۹۸.

(۳) "لسان العرب" تحت لفظ: زعج، ۲/ ۲۸۸.

(٤) "تاج العروس" فصل القاف، تحت لفظ: القلق، ۷/ ۵۸.

(۵) "المفردات في غرائب القرآن" القاف مع الراء، صـ٤٠٦.

(٦) "القاموس المحيط" فصل القاف، باب الراء، ۲/ ۱۱۹.

(۷) پ۱۳: ابراہیم: ۴۶۔

(۸) "القاموس المحيط" فصل التاء والثاء، باب التاء، ۱/ ۱۵۰.

مقر و مستقر و مکان کہتے ہیں۔ قال تعالیٰ: ﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ [1] "اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے"۔

ایک جگہ معنی مجازی میں استعمال دیکھ کر دوسری جگہ بلا قرینہ مجاز مراد لینا ہرگز حلال نہیں

لیکن کریمہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا﴾ [2] "بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے، کہ کہیں جنبش نہ کریں" میں کوئی قرینہ نہیں، تو معنی مجازی لینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا، بلکہ قطعاً زوال اپنے معنی حقیقی پر رہے گا، یعنی قرار و ثبات و سکونِ حقیقی کا چھوڑنا، اُس کی نفی ہے، تو ضرور سکون کا اِثبات ہے، ایک جگہ معنی مجازی میں استعمال دیکھ کر دوسری جگہ بلا قرینہ مجاز مراد لینا ہرگز حلال نہیں۔

خلافِ قرینہ تفسیر کلام اللہ میں پوری تحریفِ معنوی کا پہلو دے گا

(۴) نہیں نہیں بلا قرینہ نہیں، بلکہ خلافِ قرینہ! یہ اَور سخت تر ہے؛ کہ کلام اللہ میں پوری تحریفِ معنوی کا پہلو دے گا، رب عزّوجلّ نے ﴿يُمْسِكُ﴾ فرمایا ہے، اور إمساك روکنا، تھامنا، بند کرنا ہے۔ ولہذا جو زمین کے پانی کو بہنے نہ دے، روک رکھے، اسے مسک اور مساک کہتے ہیں، انہار و ابحار کو نہیں کہتے، حالانکہ اُن میں بھی پانی کی حرکت وہیں تک ہوگی جہاں تک احسن الخالقین ﷻ نے اُس کا اِمکان دیا ہے۔

فعل قوّۃِ نکرہ میں ہے اور نکرہ حیزِ نفی میں عام ہوتا ہے

(۵) اگر ان معنی کو مجازی نہ لیجیے، بلکہ کہیے کہ زوال عام ہے مکان و مستقرِ حقیقی خاص سے۔ سرکنا اور موقع عام اور مَوطن اَعَمّ اور اَعَمّ از اَعَمّ سے جُدا ہونا، سب اس کے فرد ہیں، تو ہر ایک پر اس کا اطلاق حقیقت ہے، جیسے زید و عمرو و بکرو غیرہم کسی فرد کو انسان کہنا۔ تو اب بھی قرآن کریم کا مفاد زمین کا وہی سکون مطلق ہوگا، نہ کہ اپنے مدار سے باہر نہ جانا۔ ﴿تَزُولَا﴾ فعل ہے، اور محلِ نفی میں وارد ہے، اور علمِ اصول میں مصرّح ہے کہ فعل قوّۃِ نکرہ میں ہے، اور نکرہ حیزِ نفی میں عام ہوتا ہے، تو معنیِ آیت یہ ہوئے، کہ آسمان وزمین کو کسی قسم کا زوال نہیں، نہ موقع عام سے، نہ مستقرِ حقیقی خاص سے، اور یہی سکون حقیقی ہے، وللہ الحمد۔

النصوص تحمل على ظواهرها

یہی وجہ ہے کہ ہمارے مجاہد کبیر کو اپنی عبارت میں ہر جگہ قید بڑھانی پڑی: "زمین کا اپنے اماکن سے زائل ہو جانا اس کا زوال ہوگا"۔ زائل ہو جانا قطعاً مطلقاً زوال ہے، زائل ہو جانا زوال کا ترجمہ ہی تو ہے، مکان خاص سے ہو خواہ اماکن سے، مگر اوّل کے اِخراج کو اس قید کی حاجت ہوئی، تو یونہی فرمایا: زمین کا زوال اس کے اماکن سے۔ پھر فرمایا: جن اماکن میں اللہ تعالیٰ نے اُس کو اِمساک کیا ہے، اس سے باہر سرک نہیں سکتی۔ پھر فرمایا: اپنے مدار میں اِمساک کردہ شدہ ہے، اس سے زائل نہیں ہو سکتی۔ اور نفی کی جگہ فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آسمان کے سکون فی مکانہ کی تصریح فرمادی، مگر زمین کے بارے میں

(۱) پ۲، بقرہ: ۳۶۔

(۲) پ۲۲، فاطر: ۴۱۔

ایسا نہیں فرمایا۔ یہاں جمیع اماکن کا ظاہر کر دیا، مگر رب عزوجل نے تو ان میں سے کوئی قید نہ لگائی۔ مطلق ﴿ يُمْسِكُ ﴾ فرمایا ہے، اور مطلق ﴿ أَنْ تَزُولَا ﴾ اللہ آسمان و زمین ہر ایک کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائے۔ یہ نہ فرمایا کہ اس کے مدار میں روکے ہوئے ہے، یہ نہ فرمایا کہ ہر ایک کے لیے اماکن عدیدہ ہیں، ان اماکن سے باہر نہ جانے پائے۔ تو اس کا خلاف کلام الٰہی میں اپنی طرف سے پیوند لگاتا ہوگا، از پیش خویش قرآن عظیم کے مطلق کو مقید، عام کو مخصص بناتا ہوگا، اور یہ ہرگز روا نہیں۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے، جو ان کی کتب عقائد میں مصرح ہے کہ "النصوص تحمل على ظواهرها"(1) بلکہ تمام ضلالتوں کا پھاٹک یہی ہے، کہ بطور خود نصوص کو ظاہر سے پھیریں، مطلق کو مقید، عام کو مخصص کریں۔ ﴿ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ﴾(2) کی تخصیص واضح سے ﴿ أَنْ تَزُولَا ﴾ کو بھی مخصص کر لینا، اس کی نظیر یہی ہے کہ ﴿ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾(3) کی تخصیص دیکھ کر ﴿ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾(4) کو بھی مخصص مان لیں، کہ جس طرح وہاں ذات و صفات و محالات زیرِ قدرت نہیں، یونہی معاملہ صاف ہو گیا کہ ذات و صفات و کمالات کا (معاذ اللہ) علم بھی نہیں۔ زیادہ تشفی بحمدہ تعالیٰ نمبر ۸ میں آتی ہے، جس سے واضح ہو جائے گا کہ اللہ و رسول و صحابہ و مسلمین کے کلام میں یہاں، یعنی خاص محل نزاع میں زوال سے مطلقاً ایک جگہ سے سرکنا مراد ہوا ہے، اگرچہ اماکنِ معینہ سے باہر نہ جائے، یا زوال کفار کی طرح دنیا خواہ مدار چھوڑ کر الگ بھاگ جانا، فانتظر!

(٦) لا جرم وہ جنہوں نے خود صاحب قرآن ﷺ سے قرآن کریم پڑھا، خود حضور اقدس ﷺ سے اس کے معانی سیکھے، انہوں نے آیۂ کریمہ کو ہر گونہ زوال کی نفی، اور سکون مطلق حقیقی کی مثبت بتایا۔ سعید بن منصور و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر نے حضرت شقیق ابن سلمہ سے (کہ زمانۂ رسالت پائے ہوئے تھے) روایت کی، اور حدیث ابن جریر بسند صحیح برجال صحیحین "بخاری" و "مسلم" ہے: "حدثنا ابن بشار، ثنا عبد الرحمن، ثنا سفيان عن الأعمش عن أبي وائل قال: جاء رجلٌ إلى عبد الله رضي الله عنه فقال: «من أين جئت؟» قال: من الشام، فقال: «من لقيتَ؟» قال: لقيتُ كعباً، فقال: «ما حدّثك كعب؟» قال: حدّثني أنّ السماوات تدور على منكب ملك، قال: «فصدّقته أو كذّبته؟» قال: ما صدّقته ولا كذّبته، قال: «لوددت أنّ افتديت من رحلتك إليه براحلتك ورحلها، وكذّب كعب! إنّ الله يقول: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ﴾»(5) زاد غير ابن جرير: "وكفى بها زوالاً أن تدورا"(6).

---

(١) "شرح العقائد النسفية" صـ١١٩.

(٢) پ١٣، ابراہیم: ٤٤۔

(٣) پ٢، بقرہ: ٢٠۔

(٤) پ١٠، انفال: ٧٥۔

(٥) "جامع البيان" (تفسير ابن جرير) تحت الآية: ٤١، ٢٢/ ١٧٠.

(٦) "الدرّ المنثور" تحت الآية: ٤١، ٧/ ٣٢.

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے حرکتِ زمین کے معاملہ پر کعب سے اختلاف کیا

ایک صاحب حضرت سیّدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور حاضر ہوئے، فرمایا: کہاں سے آئے؟ عرض کی: شام سے، فرمایا: وہاں کس سے ملے؟ عرض کی: کعب سے، فرمایا: کعب نے تم سے کیا بات کی؟ عرض کی: یہ کہا کہ آسمان ایک فرشتے کے شانے پر گھومتے ہیں، فرمایا: تم نے اس میں کعب کی تصدیق کی یا تکذیب؟ عرض کی کچھ نہیں (یعنی جس طرح حکم ہے کہ جب تک اپنی کتاب کریم کا حکم نہ معلوم ہو، اہلِ کتاب کی باتوں کو نہ سچ جانو نہ جھوٹ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کاش تم اپنا اُونٹ اور اس کا کجاوہ سب اپنے اس سفر سے چھٹکارے کو دے دیتے! کعب نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو روکے ہوئے ہے؛ کہ سَرکنے نہ پائیں، اور اگر وہ ہٹیں تو اللہ کے سوا انہیں کون تھامے"۔ ابن جریر کے غیر نے یہ اضافہ کیا کہ ... "گھومنا اُن کے سَرک جانے کو بہت ہے"۔

دیکھو! ان اجلّہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مطلق حرکت کو زوال مانا، اور اس پر انکار فرمایا، اور قائل کی تکذیب کی، اور اسے بقایائے خیالاتِ یہودیت سے بتایا، کیا وہ اتنا نہ سمجھ سکتے تھے کہ "ہم کعب کی ناحق تکذیب کیوں فرمائیں؟! آیت میں تو زوال کی نفی فرمائی ہے، اور اُن کا یہ پھرنا چلنا اپنے اماکن میں ہے، جہاں تک احسن الخالقین تعالیٰ نے ان کو حرکت کا اِمکان دیا ہے، وہاں تک اُن کا حرکت کرنا ان کا زوال نہ ہوگا!"۔ مگر ان کا ذہن مبارک اس معنیٔ باطل کی طرف نہ گیا نہ جاسکتا تھا، بلکہ اس کے اِبطال ہی کی طرف گیا، اور جانا ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً زوال کی نفی فرمائی ہے، نہ کہ خاص زوال عن المدار کی، تو انہوں نے رَوا نہ رکھا کہ کلامِ الٰہی میں اپنی طرف سے یہ پیوند لگا لیں، لاجرم اس پر رَد فرمایا، اور اس قدر شدید واشد فرمایا، وللہ الحمد!۔

۱۵۳۰ء سے پہلے یہود زمین کو ساکن ہی مانتے تھے

(۷) اس ساری تحریر میں مجھے آپ سے اس فقرے کا زیادہ تعجب ہوا، کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آسمان کے سکون فی مکانہ کی تصریح فرما دی، مگر زمین کے بارے میں ایسا نہ فرمایا، خاموشی فرمائی، اسے آپ نے اپنی مشکل کا حل تصور کیا۔ کعب اَحبار نے آسمان ہی کا گھومنا بیان کیا تھا، اور یہود اسی قدر کے قائل تھے، زمین کو وہ بھی ساکن مانتے تھے، بلکہ ۱۵۳۰ء سے پہلے (جس میں کوپرنیکس [ایک ماہر فلکیات Copernicus] نے حرکتِ زمین کی بدعتِ ضالّہ کو کہ دو ہزار برس سے مُردہ پڑی تھی، جِلایا) نصاریٰ بھی سکونِ ارض ہی کے قائل تھے، اسی قدر یعنی صرف دَورۂ آسمان کا ان حضراتِ عالیات کے حضور تذکرہ ہوا، اس کی تکذیب فرما دی، دَورۂ زمین کہا کس نے تھا کہ اس کا رَد فرماتے؟! اگر کوئی صرف زمین کا دَورہ کہتا، صحابہ اسی آیتِ کریمہ سے اُس کی تکذیب کرتے! اور اگر کوئی آسمان و زمین دونوں کا دَورہ بتاتا، صحابہ اسی آیت سے دونوں کا اِبطال فرماتے، جواب بقدر سوال دیکھ لیا! یہ نہ دیکھا کہ جس آیت سے وہ سند لائے، اُس میں آسمان و زمین دونوں کا ذکر ہے یا صرف آسمان کا! آیت پڑھیے! صراحۃً دونوں ایک حالت پر مذکور ہیں، دونوں پر ایک ہی حکم ہے، جب حسبِ ارشادِ صحابہ آیۂ کریمہ مطلق حرکت کا انکار فرماتی ہے، اور وہ انکار آسمان و زمین دونوں کے لیے ایک نسق، ایک لفظ: ﴿أَنْ تَزُوْلَا﴾ میں ہے، جس کی ضمیر دونوں کی طرف ہے، تو قطعاً آیت نے زمین کی بھی ہر گونہ حرکت کو باطل فرمایا جس طرح آسمان کی۔

ایک شخص کہے: حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام نے آفتاب کو اپنے لیے سجدہ کرتے نہ دیکھا تھا، اس پر عالم فرمائے: وہ جھوٹا ہے، آیۂ کریمہ میں ہے: ﴿اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ﴾[1] "میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا"۔ اس کے بعد ایک دوسرا اُٹھے اور چاند کو ساجد دیکھنے سے منکر ہو، اور کہے: قربان جایئے! عالم نے سورج کے سجدہ کی تصریح فرمائی، مگر چاند کے بارے میں ایسا نہ فرمایا، خاموشی فرمائی"۔ اسے کیا کہا جائے گا؟ اب تو آپ نے خیال فرما لیا ہوگا، کہ قائلِ حرکتِ ارض کو اجلّہ صحابۂ کرام، بلکہ خود صاف ظاہر نصِ قرآن عظیم سے گریز کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور یہ (معاذ اللہ) خسرانِ مبین ہے، جس سے اللہ تعالی ہمیں اور آپ اور سب اہلِ سنّت کو بچائے، آمین!۔

سورج کے ڈلوک کا معنی اس کا زوال ہے

(۸) عجب کہ آپ نے آفتاب کا زوال نہ عنا، اسے تو میں نے آپ سے بالمشافہ کہہ دیا تھا۔
حدیثوں میں کتنی جگہ زالت الشمس ہے، بلکہ قرآن عظیم میں ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾[2] "نماز قائم کرو سورج ڈھلتے وقت"۔

صرف حرکتِ محوری زوال کو بس ہے

یہاں سے بحمدہ تعالی حضرت معلّم التحیات رضی اللہ عنہ [حضرت عبداللہ بن مسعود جنہیں التحیات سکھائی گئی] کے اس ارشاد کی خوب توضیح ہوگئی، کہ صرف حرکتِ محوری زوال کو بس ہے۔

(۹) بحمداللہ تین آیتیں یہ گزریں:

آیت۱: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ﴾[3].

آیت۲: ﴿وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ﴾[4].

آیت۳: ﴿لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾[5].

آیت۴: ﴿فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ﴾[6] "پھر جب وہ ڈوب گیا"۔

آیت۵: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾[7] "اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج چمکنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے"۔

---

(۱) پ۱۲، یوسف:۴۔
(۲) پ۱۵، بنی اسرائیل:۷۸۔
(۳) پ۲۲، فاطر:۴۱۔
(۴) پ۲۲، فاطر:۴۱۔
(۵) پ۱۵، بنی اسرائیل:۷۸۔
(۶) پ۷، الانعام:۷۸۔
(۷) پ۲۶، ق:۳۹۔

آیت۶: ﴿وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾[1] "اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو! سورج چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے"۔

آیت۷: ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾[2] "یہاں تک کہ سورج نکلنے کی جگہ پہنچا، اُسے ایسی قوم پر نکلتا پایا جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں رکھی"۔

اور ان سب سے زائد آیت۸: ﴿وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ﴾[3] "تو آفتاب کو دیکھے گا جب طلوع کرتا ہے، ان کے غار سے دہنی طرف مائل ہوتا ہے، اور جب ڈوبتا ہے ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے، حالانکہ وہ غار کے کھلے میدان میں ہیں، یہ قدرتِ الٰہی کی نشانیوں سے ہیں"۔

زعمِ سائنس باطل و مردود ہے

یونہی ہزار ہا آثارِ صحابۂ عظام، و تابعین کرام، و اجماعِ اُمت جن سب میں ذکر ہے، کہ آفتاب طلوع و غروب کرتا ہے، آفتاب کو وسطِ سماء سے زوال ہوتا ہے، آفتاب کی طرح روشن دلائل ہیں کہ زمین ساکنِ محض ہے، بدیہی ہے، اور خود مخالفین کو تسلیم کہ طلوع و غروب و زوال نہیں مگر حرکتِ یومیہ سے، تو جس کے یہ احوال ہیں، حرکتِ یومیہ اسی کی حرکت ہے، تو قرآن عظیم و احادیثِ متواترہ و اجماعِ امت سے ثابت، کہ حرکتِ یومیہ حرکتِ شمس ہے نہ کہ حرکتِ زمین، لیکن اگر زمین حرکتِ محوری کرتی تو حرکتِ یومیہ اسی کی حرکت ہوتی، جیسا کہ مزعومِ مخالفین ہے، تو روشن ہوا کہ زعمِ سائنس باطل و مردود ہے۔

پھر شمس کی حرکتِ یومیہ جس سے طلوع و غروب و زوال ہے، نہ ہوگی مگر یوں کہ وہ گردِ زمین دَورہ کرتا ہے، تو قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت ہوا، کہ آفتاب حولِ ارض دائر ہے۔ لاجرم زمین مدارِ شمس کے جوف میں ہے، تو نا ممکن ہے کہ زمین گردِ شمس دَورہ کرے، اور آفتاب مدارِ زمین کے جوف میں ہو۔ تو بحمد اللہ تعالیٰ آیاتِ متکاثرہ، و احادیثِ متواترہ، و اجماعِ امتِ طاہرہ سے واضح ہوا، کہ زمین کی حرکتِ محوری و مداری دونوں باطل ہیں، و للہ الحمد!۔

زیادہ سے زیادہ مخالف یہاں یہ کہہ سکتا ہے، کہ غروب تو حقیقۃً شمس کے لیے ہے؛ کہ وہ غیبت ہے، اور آفتاب ہی اس حرکتِ زمین کے باعث نگاہ سے غائب ہوتا ہے، اور زوال حقیقۃً زمین کے لیے ہے؛ کہ یہ ہٹتی ہے نہ کہ آفتاب، اور طلوع حقیقۃً کسی کے لیے نہیں؛ کہ طلوع صُعود اور اُوپر چڑھنا ہے، حدیث میں ہے: «الكلّ حدٌّ مُطّلَع»[4] "ہر حد کے لیے چڑھنے کی جگہ ہے"۔

ظاہر ہے کہ زمین آفتاب پر نہیں چڑھتی، اور مخالف کے نزدیک آفتاب بھی اس وقت زمین پر نہ چڑھا، کہ طلوع اس کی

(۱) پ۱۶، طٰہٰ: ۱۳۰۔

(۲) پ۱۶، کہف: ۹۰۔

(۳) پ۱۵، کہف: ۱۷۔

(٤) "إتحاف السادة المتقين" كتاب آداب تلاوة القرآن، الباب ٤، ٥٢٧.

حرکت سے نہیں، لاجرم طلوع سرے سے باطل محض ہے، مگر مکان زمین کو حرکت میں محسوس نہیں ہوتی، انہیں وہم گزرتا ہے کہ آفتاب چلتا ڈھلتا ہے، لہذا طلوع وزوالِ شمس کہتے ہیں، یہ کوئی کافر کہہ سکے، مسلمان کیونکر وہ روا رکھ سکے کہ جاہلانہ وہم جو لوگوں کو گزرتا ہے، قرآن عظیم بھی (معاذ اللہ) اسی وہم پر چلا ہے، اور واقع کے خلاف طلوع وزوال کو آفتاب کی طرف نسبت فرما دیا ہے، والعیاذ باللہ تعالی! لاجرم مسلمان پر فرض ہے کہ حرکت شمس وسکون زمین پر ایمان لائے، واللہ الہادی!

(۱۰) سورۂ طٰہٰ وسورۂ زخرف دو۲ جگہ ارشاد ہوا ہے: ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ [1] "وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا کیا"۔ دونوں جگہ صرف کوفیوں مثل امام عاصم نے جن کی قراءت ہند میں رائج ہے، ﴿مَهْدًا﴾ پڑھا، باقی تمام ائمۂ قراءت نے مِهٰدًا بزیادتِ الف [یعنی مهادا]. دونوں کے معنی ہیں بچھونا، جیسے فرش وفراش یونہی مہد ومہاد.

نیز یہی مضمون قرآن عظیم کی بہت آیات میں ارشاد ہے، فرماتا ہے: ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا﴾ [2] "کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا؟" فرماتا ہے: ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ [3] "اور زمین کو ہم نے فرش کیا، تو ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں!"۔ فرماتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا﴾ [4] "اور اللہ تعالی نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا"۔ فرماتا ہے: ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا﴾ [5] "جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا"۔ اور قرآن کی بہتر تفسیر وہ ہے کہ خود قرآن کریم فرمائے۔

بچے ہی کا مہد ہو، تو وہ کیا اس کے بچھونے کو نہیں کہتے ؟!

گہوارہ ہی لو تو اس سے تشبیہ آرام میں ہوگی نہ کہ حرکت میں۔ ظاہر کہ زمین اگر بفرضِ باطل جنبش بھی کرتی، تو اس سے نہ ساکنوں کو نیند آتی، نہ گرمی کے وقت ہوا لاتی۔ تو گہوارہ سے اسے بحیثیت جنبش مشابہت نہیں، تو بحیثیت آرام وراحت ہے۔ خود گہوارہ سے اصل مقصد یہی ہے، نہ کہ ہلانا، تو وجہِ شُبہ وہی ہے نہ کہ یہ۔ لاجرم اسی کو مفسّرین نے اختیار کیا۔

لُطف یہ کہ علماء نے اس تشبیہ "مہد" سے بھی زمین کا سکون ہی ثابت کیا، بالکل نقیض اس کا جو آپ چاہتے ہیں، رب کریم بجاہ نبی رؤف رحیم -علیہ أفضل الصلاۃ والتسلیم- ہمیں اور آپ اور ہمارے بھائیوں اہلِ سنّت خادمانِ ملّت کو نصرتِ دینِ حق کی توفیق بخشے، اور قبول فرمائے، آمین!۔

إله الحقّ آمين! واعفُ عنّا، واغفرْ لنا، وارحمنا، أنت مولانا! فانصرْنا على القوم الكفرين! والحمد لله ربّ العالمينَ! وصلّى الله تعالى على سيّدنا ومولانا محمّدٍ وآله وصحبه وابنه وحزبه أجمعين، آمين! والله تعالى أعلم. ("فتاوی رضویہ" ج۲۲، ص۲۵۱)

---

(۱) پ۱۶، طٰہٰ: ۵۳۔ وپ۲۵، زخرف: ۱۰۔

(۲) پ۳۰، نبأ: ۶۔

(۳) پ۲۷، ذاریات: ۴۸۔

(۴) پ۲۹، نوح: ۱۹۔

(۵) پ۱، بقرہ: ۲۲۔

إصدارات دار أهل السنّة

من محقّقات الشيخ المفتي محمّد أسلم رضا الشّيواني الـمَيمني

١. شرح عقود رسم المفتي: للإمام ابن عابدين الشّامي (ت١٢٥٢هـ)، محقّقة، طبعت أوّلاً من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥م. وثانياً ١٤٣٨هـ/ ٢٠١٧م. وثالثاً من "دار الصالح" القاهرة، ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢. أجلى الإعلام أنّ الفتوى مطلقاً على قول الإمام: للإمام أحمد رضا خان (ت١٣٤٠هـ) محقّقة، طبعت أوّلاً من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥م. وثانياً ١٤٣٨هـ/ ٢٠١٧م. وثالثاً من "دار الصالح" القاهرة، ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٣. الفضل الموهبي في معنى إذا صحّ الحديث فهو مذهبي: للإمام أحمد رضا خان (ت١٣٤٠هـ) محقّقة، طبعت أوّلاً من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥م. وثانياً ١٤٣٨هـ/ ٢٠١٧م. وثالثاً من "دار الصالح" القاهرة، ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٤. جدّ الممتار على ردّ المحتار: للإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) (سبع مجلّدات) محقّقة، طبعت من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٤هـ/ ٢٠١٣م.

٥. حياة الإمام أحمد رضا: للمفتي محمد أسلم رضا الشّيواني، وهي رسالة مختصرة في سيرة الإمام من حيث صلة الإمام مع علماء العرب، محقّقة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦م.

٦. تحسين الوصول إلى مصطلح حديث الرّسول ﷺ: للمفتي محمد أسلم رضا الشّيواني، محقّقة (بالأردية)، طبعت أوّلاً من "مكتبة بركات المدينة" كراتشي ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦م. وثانياً من "دار أهل السنّة" كراتشي ١٤٣٧هـ/ ٢٠١٦م.

٧. تحسين الوصول إلى مصطلح حديث الرسول ﷺ: له، (بالعربية) طبعت محقّقة أوّلاً من "دار أهل السنّة" كراتشي ١٤٢٨هـ/ ٢٠٠٧م. وثانياً معدّلة من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥م. وثالثاً من "دار أهل السنّة" كراتشي ١٤٣٧هـ/ ٢٠١٦م.

٨. إقامة القيامة على طاعن القيام لنبي تهامة (بالأردية): للإمام أحمد رضا ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦م.

٩. حسام الحرمين على منحر الكفر والمين: للإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) محقّقة، طبعت من "مؤسسة الرضا" لاهور ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦م.

١٠. جليّ الصّوت لنهي الدّعوة أمام الموت (بالأردية): للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ).

١١. مقدّمة الجامع الرّضوي في اختبار الحديث الضعيف: لملك العلماء المحدّث المفتي ظفر الدّين البهاري، طبعت محقّقة أوّلاً من "دار أهل السنّة" كراتشي ١٤٢٨هـ/ ٢٠٠٧م. وثانياً معدّلة من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥م.

١٢. مُعارف رضا المجلّة السنوية العربية ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م (العدد السّادس)، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي.

١٣. رادّ القحط والوباء بدعوة الجيران ومواساة الفقراء: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ)، محقّقة، مترجمة بالعربية، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.

١٤. أعجب الإمداد في مكفّرات حقوق العباد: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ)، محقّقة، مترجمة بالعربية، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.

١٥. صفائح اللّجين في كون تصافح بكفّي اليدين: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ)، محقّقة، مترجمة بالعربية، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.

١٦. أنوار المنّان في توحيد القرآن: للإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ)، المترجم بالأردية: مفتي البهار المنقبة الشيخ أختر رضا خانْ الأزهري، محقّقة ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.

١٧. إذاقة الأثام لمانعي عملِ المولد والقيام (بالأردية): للعلاّمة المفتي نقي علي خانْ (ت١٢٩٧هـ)، طبعت محقَّقة أوّلاً ١٤٢٩هـ/٢٠٠٨م. وثانياً من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات ١٤٣٧هـ/٢٠١٦م.

١٨. أصول الرَّشاد لقمع مَباني الفساد (بالأردية): للعلاّمة المفتي نقي علي خانْ (ت١٢٩٧هـ)، محقَّقة ١٤٣٠هـ/ ٢٠٠٩م.

١٩. قوارع القهّار على المجسّمة الفجّار: للإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ)، المترجِم بالعربية: مفتي الديار الهندية الشيخ أختر رضا خانْ الأزهري، محقَّقة، طبعت من "دار المقطّم" القاهرة ١٤٣٢هـ/ ٢٠١١م.

٢٠. المعتقد المنتقَد: للإمام فضل الرّسول القادري البَدَايُوني (ت١٢٨٩هـ) مع حاشية قيّمة مسمّاة: المعتمَد المستند بناء نجاة الأبد: للإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت أوّلاً من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات ١٤٣٧هـ/ ٢٠١٦م، وثانياً من "دار الكتب العلمية" بيروت، ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢١. قواعد أصولية لفهم الآيات القرآنية والأحاديث النبويّة (ضوابط لمعرفة البدَع والمنكَرات): للمفتي محمد أسلم رضا الشُّيواني الـمَيمني، محقَّقة، طبعت من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات ١٤٣٧هـ/ ٢٠١٦م. وثانياً من "دار الصّالح" القاهرة، ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢٢. العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ)، الطبعة الأولى، محقَّقة (٢٢ مجلداً بالأوردية).

٢٣. الإجازات المتينة لعلماء بكّة والمدينة: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢٤. الظَفَر لقول زُفر: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢٥. شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م. صيقل الرَّين عن أحكام مجاوَرة الحرمَين: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢٦. الجبل الثانوي على كلية التهانوي: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢٧. كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢٨. هاديُ الأضحية بالشاء الهندية: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٢٩. الصافية الموحية لحكم جلد الأضحية: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٣٠. الكشف شافيا حكم فونوجرافيا: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٣١. الزُّلال الأنقى من بحر سبقة الأتقى: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٣٢. القول النجيح لإحقاق الحقّ الصريح مع حاشية السعي المشكور في إبداء الحقّ المهجور: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت من "دار الإحسان" القاهرة مصر ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

سيصدر بعَون الله تعالى من دار أهل السنّة

١. فتاوى الحرمَين برَجف ندوة المين: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ)، محقّقة.

٢. الدّولة المكّية بالمادّة الغَيبيّة: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ)، محقَّقة.

٣. إنباء الحي أنّ كلامَه المصونَ تبيانٌ لكلّ شيء: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ)، محقَّقة.

Ataunnabi.com

٤. الأمن والعُلى لناعتي المصطفى بدافع البلاء (مترجم بالعربية): للإمام أحمد رضا خان (ت١٣٤٠هـ)، محقَّقة.
٥. منير العين في حكم تقبيل الإبهامَين (مترجم بالعربية): للإمام أحمد رضا خان (ت١٣٤٠هـ)، محقَّقة.
٦. تحقيقات إمام علم وفن: للعلاّمة الشيخ خواجه مظفّر حسَين الرّضوي (بالأوردية)، محقَّقة.
٧. مجموعة تعليقات الإمام أحمد رضا على الكتب المتداولة: للإمام أحمد رضا خان (ت١٣٤٠هـ)، محقَّقة.
٨. عقائد ومسائل أهل السنّة والجماعة، محقَّقة (بالأردية): للشيخ المفتي محمد أسلم رضا الشّيواني.
٩. باب العقائد والكلام (بالأردية): للإمام أحمد رضا خان (ت١٣٤٠هـ)، محقَّق.

For More Books Click To Ahlesunnat Kitab Ghar